فروغِ ولایت

آیت اللہ جعفر سبحانی مدظلہ العالی

مترجمین

القائم گروپ

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ

قرآن سینٹر ۲۴۔الفضل مارکیٹ۔اردو بازار۔لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب: **فروغِ ولایت**

تصنیف: آیت اللہ جعفر سبحانی مدظلہ العالی

مترجم: القائم گروپ

پروف ریڈنگ مجاہد حسین حرّ

کمپوزنگ: قائم گرافکس۔ جامعہ علمیہ۔ ڈیفنس کراچی 0345-2401125

ناشر: مصباح القرآن ٹرسٹ۔ لاہور۔ پاکستان

تعداد: ایک ہزار (۱۰۰۰)

طبع: اوّل۔ ۱۴۳۳ھ

قیمت:

ملنے کا پتہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

قرآن سینٹر ۲۴۔ الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کی ان صدقاتِ جاریہ میں سے ہے جس سے لوگ تا قیامت استفادہ کرتے رہیں گے اور موصوف کے درجات عالیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ مصباح القرآن ٹرسٹ نے تراجم و تفاسیر قرآن سے کام شروع کیا اور پھر ہر وہ کتاب جس کی ملت کو ضرورت تھی شائع کی، انشاء اللہ العزیز آئندہ بھی شائع ہوتی رہیں گی۔

موجودہ کتاب "**فروغِ ولایت**" حضرت آیت جعفر سبحانی کی مولائے کائنات کی حیات مبارکہ پر احاطہ کئے ہوئے ہے آقائی محترم نے کوشش کی ہے کہ اس کتاب کو جامع اور آسان فہم بنایا جائے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب انشاء اللہ آپ کو پسند آئے گی۔

یاد رہے کہ مصباح القرآن نے اپنی تمام کتابیں آپ کے استفادہ کے لئے انٹرنیٹ پر دے دی ہیں۔ ایڈریس ہے:

www.misbahulqurantrust.com

www.misbahulqurantrust.org

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کہیں خامی دیکھیں یا کمی محسوس کریں تو ہمیں مطع ضرور فرمائیں ہم آپ کے شکرگزار ہوں گے۔ ادارہ کے ترقی اور اس کے بانی محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کے طالب ہیں۔

ادارہ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

تقریظ

حجۃ الاسلام مولانا سید شہنشاہ حسین نقوی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

وَ لَوْ لَا اَنْتَ يَا عَلِيُّ لَمْ يُعْرَفِ الْمُؤْمِنُوْنَ بَعْدِيْ، وَ كَانَ بَعْدَهُ هُدًى مِّنَ الضَّلَالِ، وَ نُوْرًا مِّنَ الْعَمٰى، وَ حَبْلَ اللهِ الْمَتِيْنَ، وَ صِرَاطَهُ الْمُسْتَقِيْمَ۔ (دعائے ندبہ)

اے علی علیہ السلام اگر تم نہ ہوتے تو میرے بعد مومنوں کی پہچان نہ ہو پاتی۔ چنانچہ وہ (مولا علی علیہ السلام) آپ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد گمراہی سے ہدایت میں لانے والے، تاریکی سے روشنی میں لانے والے، خدا کا مضبوط سلسلہ اور اس کا سیدھا راستہ ہیں۔

حقیقت ہے کہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی حیات طیبہ کے سینکڑوں گوشے ایسے ہیں جو آج بھی نظروں سے اوجھل ہیں گر چہ اس کی بہت سی وجوہات ہیں، مولا علی علیہ السلام کے دشمنوں نے اپنی دشمنی میں ان کے فضائل وکمالات کو چھپایا تو آپ کے دوست تقیہ میں رہے۔ایک زمانے تک تو حالت یہ تھی کہ ''علی'' نام رکھنا بھی جرم تھا مگر اس کے باوجود روئے زمین پر جتنے فضائل حضرت علی علیہ السلام کے بیان ہوئے کسی کے بیان نہیں کئے گئے مگر پھر بھی بفرمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کی معرفت کا حق ادا نہیں ہوسکا۔

صدرِ اسلام سے آج تک ہر زمانے میں لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کی ذات اقدس پر کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کی بعض شعراء نے ایک قصیدے میں ہزار ہزار شعر کہے، کئی کئی جلدوں میں کتابیں مرتب کی گئیں لیکن ہر شخص اپنی کتاب کے آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ یہ جو میں نے بیان کیا ہے سمندر میں سے ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ان فضائل کے باوجود مولائے کائنات ایک مظلوم ہستی ہی رہے ان کی ایک بڑی مظلومیت یہ ہے کہ ان کی محبت کا دعویٰ کرنے والے بھی ان کی معرفت سے کوسوں دور ہیں۔

مجتہد العصر معروف استاد حوزہ علمیہ قم جناب آیت اللہ شیخ جعفر سبحانی نے اس کتاب ''فروغِ ولایت'' سے پہلے ''فروغِ ابدیت''، یعنی حیات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کتاب لکھ چکے ہیں جو پاکستان میں اردو زبان میں چھپ چکی ہے ''فروغِ ابدیت'' سے فارغ ہونے کے بعد جناب مصنف مستقل اس کتاب کی جمع آوری اور تحقیق میں لگے رہے مصنف نے حضرت

علی علیہ السلام کی زندگی کو پانچ ادوار میں تقسیم کر کے قارئین کے لئے اس موضوع کو آسان فہم بنا دیا ہے وہ پانچ ادوار یہ ہیں:

١۔ ولادت سے بعثت تک،

٢۔ بعثت سے ہجرت تک،

٣۔ ہجرت سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت تک،

٤۔ رحلت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافت تک،

٥۔ خلافت سے شہادت تک،

مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی شہادت پر امام حسن علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا:

''آج کی رات وہ شخص (اس دنیا سے) گزر گیا جس کی حقیقت تک پہلے والے بھی نہ پہنچے تھے اور آئندہ آنے والے بھی ہرگز اس کے جیسا نہیں دیکھ پائیں گے، یہ وہ شخص تھا کہ جب بھی جنگ کرتا تھا تو اس کے داہنی طرف جبرئیل اور بائیں طرف میکائیل رہتے تھے۔ خدا کی قسم اسی رات آپ کی شہادت ہوئی جس رات میں موسیٰ بن عمران کی وفات ہوئی تھی اور عیسیٰ بن مریم آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور قرآن نازل ہوا تھا۔''

علمی اعتبار سے یہ کتاب اتنا عظیم سرمایہ ہے جسے اردو زبان پڑھنے والوں کے لئے پیش کرنا خود بہت بڑا کارنامہ و سعادت مندی ہے اور اس کا عنوان مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور کے روح رواں جناب شیخ محمد امین صاحب کو جاتا ہے جو اپنے اس عظیم مقصد سے اتنے سچے ہیں جس پر فخر کرنے کو دل کرتا ہے امید ہے کتاب ھذا اہل علم و دانش کے لئے ایک ذخیرہ علمی قرار پائے گی۔

والسلام

سید شہنشاہ حسین نقوی

فہرست کتاب

عنوان	صفحہ نمبر
مقدمہ	15
اس کتاب کے بارے میں	17
دو باتیں	17
پہلا باب: بعثت پیغمبرؐ سے پہلے حضرت علیؑ کی زندگی	19
عظیم افراد اور ان کے دوست اور دشمن	20
حضرت علیؑ کی شخصیت کے تین پہلو	21
حضرت علیؑ کی خاندانی شخصیت	22
حضرت علیؑ کی ماں کی شخصیت	23
پیغمبر اسلامؐ کی آغوش میں	24
پیغمبر اسلامؐ حضرت علیؑ کو اپنے گھر لے گئے	25
حضرت علیؑ غار حرا میں	26
دوسرا باب: بعثت پیغمبرؐ کے بعد اور ہجرت سے پہلے حضرت علیؑ کی زندگی	29
پہلی فصل	30
پہلا مسلمان	30
علیؑ سے پہلے کسی نے اسلام قبول نہیں کیا	31
عفیف کندی کا بیان	32
اسحاق سے مامون کا مناظرہ	34
دوسری فصل	36
حضرت علیؑ کے فضائل و کمالات بیان کرنے پر پابندی	36
پہلا مددگار	39
اس تاریخی واقعہ کے مدارک	41
تاریخی حقایق کا تجزیہ	42
اسکافی کا بیان	43
تیسری فصل	45
بے مثال فداکاری	45
خانۂ وحی پر حملہ	48
بنی امیہ کے زمانے کے مجرم	49
ناروا تعصب	50
جواب	51
امام کی فداکاری پر دو معتبر گواہ	53
تیسرا باب: بعد ہجرت اور پیغمبرؐ سے پہلے حضرت علیؑ کی زندگی	55
پہلی فصل	56
اس زمانے پر ایک نظر	56
۱۔ میدان جنگ میں آپ کی فداکاری اور جانبازی	56
۲۔ وحی (قرآن) کا لکھنا	56
امام نے کس طرح ہجرت کی	57
قریش نے حضرت علیؑ کا تعاقب کیا	59

عنوان	صفحہ نمبر
دوسری فصل	61
دو بڑی فضیلتیں	61
اتحاد اور اخوت	62
حضرت علیؑ پیغمبرؐ کے بھائی تھے	63
امام کی ایک اور فضیلت	64
تیسری فصل	66
جنگ بدر کا بے نظیر بہادر	66
حقیقت کو چھپانا	68
حق و باطل کا مقابلہ	69
چوتھی فصل	71
حضرت علیؑ رسول اسلامؐ کے داماد ہیں	71
حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے شادی کے	
خواہشمند افراد	71
روحی، فکری اور اخلاقی اعتبار سے برابر ہونا	73
شادی کے اخراجات	73
حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا جہیز	74
حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا مہر	74
پانچویں فصل	76
جنگ اُحد میں امیر المومنینؑ کی جاں نثاری	76
جانثاری مقصد و ہدف پر ایمان کی علامت ہے	78
امام کی جانثاری پر ایک نظر	79
چھٹی فصل	82
اسلام کی شرک پر کامیابی	82
اس جانثاری کی اہمیت	85
ساتویں فصل	87
جنگ خیبر اور اس کے تین اہم امتیازات	87
خیبر میں اسلام کی تابناک کامیابی	89

عنوان	صفحہ نمبر
امیر المومنین کی رسول اکرمؐ سے نسبت	90
آٹھویں فصل	93
دشمنوں کے ساتھ انصاف سے پیش آنا	93
نویں فصل	97
پیغمبر اسلامؐ کا مخصوص نمائندہ وسفیر	97
بے جا تعصب	100
دسویں فصل	102
مسلمانوں کے لئے آئندہ کا لائحہ عمل	102
امامت کے بارے میں دو نظریے	104
واقعۂ غدیر خم	109
واقعہ غدیر کی تشریح	111
غدیر کا واقعہ کبھی بھلایا نہیں جاسکتا	113
چوتھا باب: پیغمبرؐ کی وفات کے بعد اور خلافت سے	
پہلے حضرت علیؑ کی زندگی	117
پہلی فصل	118
حضرت علیؑ کی پچیس سالہ خاموشی	118
اسلام کا پہلا ورق جدا ہو گیا	120
کیا عباس اور ابوسفیان کی درخواست عاقلانہ تھی؟	122
مسلم حق کو لالچی نگاہوں سے نہ دیکھیں۔	123
بغض و کینہ رکھنے والا گروہ	124
با مقصد خاموشی	125
تیسرا گروہ اور مسئلہ خلافت	126
امام کے لئے صرف ایک راستہ تھا	128
پیغمبر اسلامؐ امت کے مرتد ہونے سے خوف زدہ	
تھے	129
اعلیٰ مقصد کی اہمیت	133
پرانے کینے اور بغض وحسد	133

عنوان	صفحہ نمبر
مسلمانوں کا اتحاد	136
دوسری فصل	138
خلفائے ثلاثہ کی خلافت اور امیر المومنین کا طریقۂ کار	138
تیسری فصل	142
حضرت علیؑ سے بیعت لینے کا طریقہ	142
خانۂ وحی پر حملے کے بارے میں تاریخ کا انصاف	144
حضرت علیؑ کو کس طرح مسجد لے گئے	147
حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ ناروا سلوک	148
انسانوں کی انسانوں پر حکومت	149
چوتھی فصل	153
حضرت علیؑ اور فدک	153
فدک کی اقتصادی اہمیت	153
فدک کا جغرافیہ	153
فدک، پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ہدیہ تھا	154
فدک کی آمدنی	155
فدک غصب کرنے کا مقصد	157
حکومت کے لئے مالی بحران	159
فدک غصب کرنے کی ایک اور وجہ	160
فدک ہمیشہ مختلف گروہوں اور سیاستوں کا شکار	162
پانچویں فصل	167
مسئلہ فدک اور افکار عمومی	167
۱۔خصوصی	168
۲۔خالصہ[1]	168

عنوان	صفحہ نمبر
سرزمین فدک اموال خالصہ میں سے تھی	169
فدک، پیغمبر اسلامؐ نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کو دیا تھا	170
خلیفہ کے جوابات	174
مسئلہ فدک کے بارے میں آخری فیصلہ	176
ایک سوال کا جواب	176
فدک سے متعلق دیگر باتیں	177
فدک کے مسئلہ میں کوئی ابہام نہیں تھا	182
چھٹی فصل	186
کیا انبیاء میراث نہیں چھوڑتے؟	186
اس بارے میں قرآن کا نظریہ	186
۱۔یحییٰؑ نے زکریاؑ سے میراث پائی	187
دو سوالوں کا جواب	189
جواب	189
۲ سلیمان نے داؤد سے میراث پائی	190
پیغمبرؐ سے منسوب حدیث	192
٤۔حکومت اور ولایت	198
حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا غضبناک ہونا	198
ساتویں فصل	200
حضرت علیؑ اور شوریٰ	200
ابوبکر نے حقِ نمک ادا کر دیا	200
نژاد پرستی اور طبقاتی نظام	201
خلیفہ سے ایک ایرانی کاریگر کی فریاد	203
شوریٰ کا انتخاب	205
عمر کی شوریٰ پر ایک نظر	208
آٹھویں فصل	216
خاندان رسالت، حضرت علیؑ کی نظر میں	216
امام خلفاء کی فکری اور قضاوتی آماجگاہ تھے	219

[1] وہ چیز جو کسی کی جاگیر نہ ہو۔

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت علیؑ، رسول اسلامؐ کی نظر میں	220
پیغمبرؐ کے زمانے میں حضرت علیؑ کی قضاوت	221
نویں فصل	225
حضرت علیؑ اور خلیفہ اول کی سیاسی مشکلیں	225
حضرت علیؑ اور ابوبکر کی علمی وسیاسی مشکلیں	225
رومیوں کے ساتھ جنگ	225
یہودیوں کے بزرگ علماء کے ساتھ مناظرہ	226
عیسائی دانشمند کو اطمینان بخش جواب	228
ایک شرابی کے بارے میں حضرت علیؑ کا فیصلہ	229
دسویں فصل	231
حضرت علیؑ اور خلیفہ دوم کو سیاسی مشورے	231
ایران فتح کرنے کے متعلق مشورہ	231
بیت المقدس فتح کرنے کے بارے میں مشورہ	232
تاریخ اسلام کی ابتدا	233
خلیفہ دوم کے زمانے میں لوگ صرف حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرتے تھے	234
وہ جگہیں جہاں پر عمر نے اپنی رائے ونظریہ پر نص کے مقابلے میں عمل کیا ہے	235
گیارہویں فصل	239
عثمان اور معاویہ کی علمی مشکلات کا حل کرنا	239
بارہویں فصل	243
حضرت علیؑ کی سماجی خدمات	243
۱۔ فقیروں اور یتیموں کی خبر گیری	243
۲۔ غلاموں کو آزاد کرنا	244
۳۔ زراعت اور درخت کاری	244
۴۔ چھوٹی نہریں کھودنا	245
۵۔ مسجدوں کی تعمیر کرنا	245

عنوان	صفحہ نمبر
۶۔ مکان وجائداد کا وقف کرنا	246
	247
پانچواں باب: خلافت کے زمانے کے واقعات	247
پہلی فصل	248
حضرت علیؑ کی خلافت کی طرف مسلمانوں کے رجحان کی علت	248
عثمان کے خلاف قیام کرنے کی علت	248
بغاوت کی علت	249
بے جا عذر	253
دوسری وجہ، بنی امیہ کے درمیان بیت المال کا تقسیم ہونا	256
بیت المال کے بارے میں اسلام کا نظریہ	257
تیسری وجہ، اموی حکومت کی تشکیل	259
چوتھی وجہ، پیغمبر اسلامؐ کے صحابہ پر ظلم وستم	261
۱۔ عبداللہ بن مسعود پر ظلم وستم	261
۲۔ عمار یاسر پر ظلم وستم	265
پانچویں وجہ، بزرگ شخصیتوں کو جلاوطن کرنا	267
مالک اشتر اور ان کے ساتھیوں کی جلاوطنی	267
جلاوطن ہونے والے افراد کون تھے؟	268
دوسری فصل	271
مقدمہ کا واقعہ اور عثمان کا قتل	271
پانچ عوامل کا عکس العمل	271
عثمان کے گھر کا محاصرہ	273
مخالفوں کے سامنے خلیفہ کا تعہد	274
انقلابیوں کے سرداروں کو قتل کرنے کا حکم دینا	276
محاصرہ میں خلیفہ کا مختلف لوگوں کو خط بھیجنا	277

عنوان	صفحہ نمبر
عثمان کے قتل میں جلدی، مروان کی غلط تدبیر کا نتیجہ تھا	277
تیسری فصل	278
قتل عثمان کے بعد لوگوں کا حضرت علیؑ کی بیعت کرنا	278
عائشہ کی مخالفت حضرت علیؑ سے	279
انقلابیوں کی حضرت علیؑ کے ہاتھوں پر بیعت	280
حقیقی بیعت	282
جھوٹی تاریخ	283
اختلافات کی جڑ	284
چوتھی فصل	286
حضرت علیؑ سے مخالفت کے اسباب	286
بیت المال تقسیم کرنے سے پہلے حضرت علیؑ کا خطبہ	287
بیت المال تقسیم کرنے کا طریقہ	288
گذشتہ حکمرانوں کی معزولی	288
معاویہ کی معزولی میں امام کی عجلت کی وجہ	290
بہترین موقع جو چھوٹ جاتا	292
موروثی حکومت کی برقراری	293
پانچویں فصل	294
خلافت، معاویہ کی دیرینہ آرزو	294
قاتلان عثمان کے نام بہانہ	297
چھٹی فصل	299
ناکثین سے جنگ (جنگ جمل)	299
۱ ناکثین یا عہد و پیمان توڑنے والا گروہ	300
۲ قاسطین یا ظالمین اور حقیقت سے دور رہنے والا گروہ	300
۳ مارقین یا دین سے خارج ہونے والا گروہ	300

عنوان	صفحہ نمبر
بچگانہ عذر	302
نفاق ومنافقت	302
ناکثین کے قیام کرنے کی علت	303
عائشہ کا مدینہ کے آدھے راستے سے مکہ واپس جانا	304
امام کے مخالفوں کا مرکز	305
جنگ جمل کے اخراجات	305
ساتویں فصل	308
ناکثین کی گرفتاری کے لئے امام کا خاکہ	308
فوج کو دوبارہ جمع کرنا	309
بصرہ کے راستے میں ناکثین کی سرگذشت	311
تیز تیز قدم بڑھانا	312
عہد و پیمان توڑنے والے بصرہ کے قریب	313
جب عائشہ نے یہ حالات دیکھے تو انہوں تقریر میں کہا	315
ناکثین کی باز پرس	316
دونوں گروہوں کے درمیان وقتی صلح	317
الف طلحہ وزبیر کی بیعت کے بارے میں استفسار	317
ب امام سے مسئلہ کا حل دریافت کرنا	319
آٹھویں فصل	320
خونریز پوزش	320
حاکم بصرہ کا انجام	321
حکیم بن جبلہ کا اقدام	321
حضرت علیؑ کا اس حملہ سے باخبر ہونا	322
۱۔ محمد بن ابوبکر کو کوفہ بھیجنا	323
۲۔ ابن عباس اور مالک اشتر کو کوفہ روانہ کرنا	323
۳۔ امام حسنؑ اور عمار یاسرؓ کو کوفہ روانہ کرنا	324
ابوموسیٰ اشعری کی ناکام کوشش	326

عنوان	صفحہ نمبر
ابوموسیٰ اشعری کی معزولی	327
نویں فصل	329
امام کی ذی قار سے بصرہ کی طرف روانگی	329
قعقاع بن عمرو کو روانہ کرنا	332
دشمن کی فوج کم کرنے کے لئے امام کی سیاست	332
امام کی طلحہ اور زبیر سے ملاقات	333
زبیر کے بیٹے کی تقریر اور امام حسن مجتبیٰؑ کا جواب	335
حضرت علیؑ کی تقریر	336
امام کا آخری مرتبہ اتمام حجت کرنا	337
دسویں فصل	339
حضرت علیؑ کے سپاہیوں کی بہادری	339
ناکثین کی طرف سے جنگ کا آغاز	339
امام کا اپنی فوج کی حوصلہ افزائی کرنے کا طریقہ	342
اونٹ کا گرنا	343
طلحہ وزبیر کا انجام	345
زبیر کا قتل	345
جنگ جمل میں قتل ہونے والوں کی تعداد	346
جنگ جمل میں قتل ہونے والوں کی تدفین	346
حضرت علیؑ کی مقتولین سے گفتگو	348
بصرہ کی شکست، امام کا خطوط لکھنا، اور عائشہ کو مدینہ روانہ کرنا	350
بصرہ میں امام کی تقریر	351
اچھی نیت عمل کی جانشین ہے	352
بیت المال کی تقسیم	353
عائشہ کو مدینہ روانہ کرنا	353
حاکموں کو منصوب کرنا	354
گیارہویں فصل	356

عنوان	صفحہ نمبر
کوفہ، حکومت اسلامی کا مرکز	356
حکمرانوں کا عادلانہ تعیین	359
سیاسی آزادی	360
کوفہ کی نماز جمعہ میں امامؑ کا پہلا خطبہ	363
حاکموں کو روانہ کرنا	363
بعض حاکموں کو امام کا خط لکھنا	364
امام کا حاکم ہمدان کے نام خط	365
آذربائیجان کے گورنر اشعث کے نام امام کا خط	366
بارہویں فصل	369
جنگ صفین کے علل واسباب	369
امام کا پیغام معاویہ کے نام	369
شام میں امام کا نمائندہ	371
امام کا بیعت لینے کا مقصد معاویہ کو معزول کرنا تھا	372
معاویہ کی جانب سے شامیوں کو اس قضیہ سے آگاہ کرنا	372
معاویہ کی گفتگو کا ایک جائزہ	373
تیرہویں فصل	375
حضرت علیؑ سے مقابلے کے لئے معاویہ کے اقدامات	375
معاویہ کا خط عمروعاص کے نام	375
دو کہنہ کار سیاستدانوں کی ہمکاری	377
عمروعاص کا شیطانی حربہ	381
معاویہ کا خط شرحبیل کے نام	382
معاویہ کا بزرگان قبیلہ اور خشک زاہدوں سے مدد مانگنا	383
زاہد شام کی نمائندہ امام سے گفتگو	384
جریر کی طرف سے اتمام حجت	387

عنوان	صفحہ نمبر
شام میں نمائندہ امام کی شکست کی وجہ	387
معاویہ کا آخری حربہ	388
امام کا اپنے نمائندہ کو جواب	389
جریر پر معاویہ سے دوستی کا الزام	389
نمائندہ امام کی شام سے واپسی	391
جریر امام کے حضور میں	393
معاویہ کے خطوط اسلامی شخصیتوں کے نام	394
عبداللہ بن عمر کا جواب	394
معاویہ کے خط لکھنے کا مقصد	395
معاویہ کا خط سعد بن وقاص کے نام	395
سعد وقاص کا جواب	396
معاویہ کا خط محمد بن مسلمہ کے نام	396
(۲) معاویہ کے خط کا مفہوم اور اس کا مقصد	397
شام کا خطیب	398
صحابہ کے بیٹوں کا سہارا	399
قاتلان عثمان کے کو سپرد کرنا ایک مشکل مرحلہ تھا	401
چودہویں فصل	403
جنگ صفین کے لئے امام کی فوج کی آمادگی	403
نخلیہ میں امام کی فوج کی پیش قدمی	403
امامؑ کی تقریر	405
مالک اشتر کی تقریر	406
امام کے لشکر میں معاویہ کے نفوذ کے عوامل	407
پردے فاش ہونے لگے	408
انتظار یا شام کی طرف روانگی	409
غیظ وغضب میں بردباری	410
امامؑ کا آخری فیصلہ	411
جہاد اسلامی کے تین اہم رکن	411

عنوان	صفحہ نمبر
سپاہیوں کو حوصلہ عطا کرنا	413
راہ کے انتخاب میں آزادی	413
امامؑ کی فوج کے عظیم سپہ سالار	414
پہلا فوجی دستہ	415
پندرہویں فصل	416
حضرت علیؑ کی میدان صفین کی طرف روانگی	416
سرزمین کربلا سے عبور	418
امامؑ ساباط اور مدائن میں	419
انبار کے کسانوں نے امامؑ کا استقبال کیا	420
امامؑ کا رقہ میں قیام	423
رقہ سے معاویہ کے نام خط	423
پل بنا کر فرات سے گزرنا	423
امامؑ زمین شام پر	424
معاویہ کا صفین میں آنا	425
امامؑ کا سرزمین صفین پر ورود	426
امامؑ کا تحمل	426
حملہ کرنے اور قبضہ توڑنے کا حکم	427
عظیم قدرت کے باوجود انسانی اصول کی پابندی	429
فرات آزاد کرنے کے بعد	431
سولہویں فصل	433
آخری اتمام حجت	433
معاویہ کے پاس تین نمائندے بھیجنا	433
عراق وشام کے قاریوں کا اجتماع	434
ابتدائی جھڑپیں	436
ابوامامہ وابوالدرداء	436
معاویہ کی طرف سے بند توڑنے کی افواہ	437
مخالفت کی تلافی	438

عنوان	صفحہ نمبر
۳۷ ہجری کے حادثات	439
معاویہ کے جواب کی وضاحت	440
معاویہ کے نمائندے امامؑ کی خدمت میں	441
سترہویں فصل	444
جنگ صفین کا انجام	444
فوجی صف بندی	447
امامؑ کی تقریر	450
اٹھارہویں فصل	452
اجتماعی حملے کا اغاز	452
امامؑ کے لشکر کے سرداروں کی شعلہ ور تقریریں	455
۱۔کون ہے جو اس قرآن کو اپنے ہاتھ میں لے؟	456
۲۔دو حُجر کی جنگ	456
۳۔فوج شام کے میسرہ پر عبداللہ بن بدیل کا حملہ	457
جنگ، لیلۃ الہریر تک	460
دسویں دن کا حادثہ	460
میمنہ کی فوج میں ترمیم	461
قاتل کا گریہ	462
تاریخ دہراتی ہے	463
شمر بن ذی الجوشن امامؑ کی رکاب میں	464
شہادت پر فخر و مباہات	464
ایک فوجی حکمت عملی	466
شدید جنگ کے دوران سیاسی ہتھکنڈے	466
عمار اور باغی گروہ	472
عمار کی تقریر	473
امام کی فوج میں عمار کے ہونے کا اثر	474
جنگ صفین میں امامؑ کی بہادری	478
امامؑ تیروں کی بارش میں	479
معاویہ کے غلام حریث کا قتل	480
امامؑ نے معاویہ کو جنگ کی دعوت دی	481
شہید کے بیٹے کی بہادری	482
لومڑی، شیر کے پنجے میں	483
عمرو عاص اور مالک اشتر آمنے سامنے	483
پرہیزگار نوجوان اور دنیا طلب بوڑھا	484
شام کے سپاہیوں کی بزدلی	484
تاریخ اپنے کو دہراتی ہے	485
صلح کے لئے معاویہ کا اصرار	485
انیسویں فصل	488
جنگ صفین میں تبدیلی اور تاریخ اسلام	488
بیسویں فصل	495
مسئلہ تحکیم	495
معاویہ کا خط امام کے نام	495
امامؑ کا جواب معاویہ کے نام	496
حکمین کا انتخاب	497
تکمیل عہد حکمیت	499
صلح نامہ کی عبارت	502
تحکیم کے خلاف خوارج کا ردعمل	503
چوتھا دباؤ	505
قیدیوں کی رہائی	506
حکمیت پر امام کی نظارت	507
اکیسویں فصل	508
امام کی صفین سے کوفہ کی طرف روانگی	508
امام خباب بن ارت کی قبر پر	510
امامؑ اور ابو موسیٰ اشعری کے درمیان گفتگو	512
فوج کے سردار اور ابو موسیٰ اشعری کے درمیان گفتگو	512

عنوان	صفحہ نمبر
ابوموسیٰ اشعری اور احنف کے درمیان گفتگو	513
سعد ابن وقاص اور اس کا بیٹا عمر	514
معاویہ کا حالات سے پریشان ہونا	515
فتنہ حکمیت کا خاتمہ	515
بائیسویں فصل	521
جنگ نہروان یا قرآن کو نیزہ پر بلند کرنے کا نتیجہ	521
خوارج کی بنیاد	523
خوارج کا دوسرا اہم فرد	525
خوارج کے درمیان مختلف اعتقادی فرقے	526
خوارج کا بدترین مظاہرہ	527
۱۔خصوصی ملاقاتیں	529
۲۔حکومت کی مخالفت میں نماز جماعت سے دوری	530
۳۔''لاحکم الااللّٰہ'' کا نعرہ لگانا	531
امام کی بلند ہمتی اور خوش اخلاقی	533
امام کی ہدایت	535
ابن عباس کی دلیل اور خوارج	535
خود امامؑ کا خوارج کی چھاؤنی پر جانا	538
دوست نما دشمن کی شرارت	539
خوارج کی ہدایت کی دوبارہ کوشش	540
دوسرا مناظرہ	541
چھٹا باب: جنگ نہروان کے بعد کے واقعات	
اور حضرت علیؑ کی شہادت	543
پہلی فصل	544
لوٹ مار، بدامنی اور دردناک قتل عام	544
۱۔ضحّاک بن قیس کی لوٹ مار	545
۲۔بسر کو حجاز و یمن بھیجنا	548
بُسر کا سفر	549
۳۔سفیان بن عوف کی لوٹ مار	553
دوسری فصل	556
مصر کی فتح اور محمد بن ابی بکر کی شہادت	556
امام کا والی اور بے طرف لوگ	559
وہ موت جس نے بعض کو ہنسایا اور بعض کو رلایا	561
امامؑ کا خط محمد بن ابی بکر کے نام	562
محمد بن ابی بکر کا خط امامؑ کے نام	563
عمروعاص کو مصر بھیجنا	563
امامؑ نے مصر کے حاکم کو مقابلہ کرنے کی تاکید کی	564
محمد بن ابی بکر کی شہادت	564
حضرت علیؑ اور خبر شہادت محمد بن ابی بکر	566
امامؑ کا آخری خطبہ	567
تیسری فصل	570
امامؑ کی زندگی کا آخری ورق	570
محرابِ عبادت میں آپ کی شہادت	570
شب شہادت امامؑ	574
حضرت علیؑ کا غم	580

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

انسانی معاشرہ، تحقیق وجستجو کرنے والوں کی نظر میں ایک ایسے دریا کے مانند ہے جو خاموش اور بغیر آواز کے ہے اور زمانہ گزرنے کی وجہ سے اس کے بعض حصے خشک ہو گئے ہیں اور اب جبکہ بہت زیادہ عرصہ گزر گیا ہے تو ممکن ہے نابود و ختم ہو جائے جس چیز نے اس کو خاموش اور بغیر آواز کا دریا باقی رکھا ہے وہ صرف ہوا کے تند اور تیز جھونکے اور تند وضعیف طوفان ہیں طوفان اور ہوا کے جھونکے اٹھتے ہیں اور موج بنا کر کشتیوں کی قسمت وتقدیریں معین کرتے ہیں اور اس میں سے بعض موجیں ایسی بھی ہیں جو کشتی کو غرقاب کر کے لوگوں کو موت کی وادی تک پہنچا دیتی ہیں اور بعض موجیں ایسی ہیں جو نجات اور زندگی عطا کرتی ہیں۔

جی ہاں، عظیم تاریخی شخصیتیں انسانی معاشرے کے لئے وہی بہترین موجیں ہیں جو کبھی کبھی لوگوں کو ہلاکت و بدبختی میں گرفتار کر دیتی ہیں اور کبھی کبھی زندگی وسعادت کے لئے ہمیشہ راہنمائی کرتی ہیں، حقیقتاً خداوند عالم کی طرف سے معین کئے ہوئے الٰہی نمائندے اور پیغمبر اور پاک و پاکیزہ راہنما وہی بہترین موجیں ہیں جو اپنی بے مثال موج ہدایت کے ذریعے معاشرہ کی کشتی کو اپنی عاقلانہ اور منطقی تربیت اور لوگوں کو آخرت کی طرف رغبت دلانے یا نجات تک پہنچانے اور ہمیشہ عمدہ زندگی کی طرف راہنمائی کرنے کے لئے انسانی اور الٰہی قوانین کی طرف راغب کرتی ہیں۔

یہ صاحبان عظمت وشرافت برائیوں اور پلیدگیوں سے خدا کی دی ہوئی طاقت و ہدایت کے ذریعہ ہمیشہ جنگ کرتے رہے اور انسانی معاشرے کو عزت وکرامت جیسی نعمتوں سے نوازتے رہے تاریخ شاہد ہے کہ جہاں پر بھی وحی کا نور چمکا ہے وہاں کے افراد کی فکریں اور عقلیں کھل گئیں ہیں اور انسانیت اور معاشرے میں ترقی کا سبب بنا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نور تھے جو انسانوں کے تاریک قلب و دماغ میں چمکے اور اس زمانے کے بدبخت وخبیث معاشرے کو انسانی فرشتوں سے روشناس کرایا اور تہذیب وتمدن کا ایسا تحفہ پیش کیا جو آج تک تمام انسانی قوانین میں سب

سے عمدہ اور قیمتی ہے اور ہر شخص اس بات کی تصدیق کرتا ہے، اور اگر صرف اور صرف تمام مسلمان اس راستے پر چلتے جو پیغمبر نے اسلامی معاشرے کے لئے معین کیا تھا اور اختلاف وتفرقہ، تعصب اور خودغرضی سے پرہیز کرتے تو یقین کامل ہے کہ چودہ سو سال گذر جانے کے بعد آج بھی اس تہذیب وتمدن کے مبارک درخت سے بہترین بہترین میوے تناول کرتے، اور ایسی ظلم وستم سے دنیا میں اپنی عظمت وبزرگی کے محافظ ہوتے لیکن افسوس اور ہزار افسوس کہ پیغمبر ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دردناک رحلت کے بعد جنگ وجدال، خودغرضی اور مقام طلبی نے بعض مسلمانوں پر قبضہ جما لیا تھا جس کی وجہ سے اسلامی اور الٰہی راستے میں زبردست اور خطرناک انحراف پیدا ہوگیا اور اسلام کے سیدھے راستے کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔

حقیقتاً، معاشرہ اُن دنوں کس چیز سے راضی نہ تھا؟ اور کس وجہ سے لوگ ناشکری اور سرکشی اختیار کئے ہوئے تھے؟

جی ہاں، ان لوگوں کی ناشکری اور ناراضگی ایسے امام کی مخالفت کی وجہ سے تھی کہ جنہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف طریقوں اور زاویوں اور مناسبتوں سے پہچنوایا تھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ دردناک اور غم انگیز مخالفتیں اور ناشکری جو تمام مومنوں، پرہیزگاروں، عالموں، دانشمندوں، سیاستدانوں اور فکر وآگہی رکھنے والوں خلاصہ یہ کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے بزرگ الٰہی نمائندے نے ۲۵ سال تک گوشہ نشینی اختیار کر لیا اور تنہا آپ ہی نے ان دنوں اسلامی معاشرے کو منتشر ہونے سے بچایا اور یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانے کو لوگوں نے نہ یہ کہ صرف علی کو نہیں پہچانا بلکہ اس امام برحق وعظیم الشان کے فضائل وکمالات کو ذرہ برابر بھی درک نہیں کیا۔

لیکن اس ۲۵ سال کی گوشہ نشینی کے بعد جسے حضرت نے یوں تعبیر کیا ہے کہ جیسے میری آنکھ میں کانٹا اور گلے میں ہڈی ہو، جس وقت اسلامی معاشرہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے سیدھے راستے سے بالکل منحرف ہوگیا اور مسلمانوں نے چاہا کہ پھر سے اسی راستے کو اپنائیں تو حقیقی رہنما اور عظیم وبزرگ الٰہی شخصیت اور اپنے بڑے مربی کو تلاش کرنے لگے، تاکہ وہ معاشرے کو صحیح راستے پر لائیں اور جس طرح سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے اسی طرح عدل وانصاف سے آراستہ حکومت قائم کریں، اور ان لوگوں نے اس مقدس مقصد کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں پر بیعت کی اور آپ نے بھی خداوند عالم کے حکم کے مطابق جب عدل وانصاف کی حکومت قائم کرنے کے لئے زمینہ فراہم ہوجائے تو فوراً حکومت قائم کرو ان کی بیعت کو قبول کر لیا، لیکن معاشرے میں اس قدر اختلاف وانحراف پھیل چکا تھا کہ جس کے خاتمہ کے لئے سرکشوں اور مخالفوں سے جنگ وجدال کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اس عظیم وکریم، سخی اور بہادر اور کامل الایمان شخص کی خلافت کے زمانے میں صرف داخلی جنگیں ہوئیں، ناکثین (معاہدہ توڑنے والے) کے ساتھ جنگ شروع ہوگئی اور مارقین (دین سے خارج ہونے والے) کو جڑ سے ختم کرنے کے بعد جنگ کا خاتمہ ہوا، اور بالآخر کچھ اندرونی دشمنوں (خوارج نہروان) کے بچ جانے کی وجہ سے تاریخ میں ہمیشہ باقی رہنے والے ظالم وبدبخت شخص کے ہاتھوں خدا کے گھر میں جام شہادت نوش فرمایا، جس طرح سے خدا کے گھر میں آنکھیں

کھولی تھیں۔

اور اپنی بابرکت و باعظمت زندگی کو دو مقدس عبادت گاہوں (کعبہ اور محراب کوفہ) کے درمیان بسر کیا۔

اس کتاب کے بارے میں:

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی پوری زندگی کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

١۔ولادت سے بعثت تک،

٢۔بعثت سے ہجرت تک،

٣۔ہجرت سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت تک،

٤۔رحلت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافت تک،

٥۔خلافت سے شہادت تک،

کتاب کی تقسیم بندی اسی طریقہ پر ہوگی ان پانچ حصوں میں امامؑ کی عام زندگی، مستند اور آسان طریقے سے بیان ہوئی ہے ہماری یہ کوشش ہے کہ اس کتاب میں مبالغہ گوئی اور بے جا ظن وگمان سے دور رہیں اور شروع سے ہی یہی کوشش تھی کہ اصل منابع کی طرف رجوع کریں نہ اتنا طولانی فاصلہ ہو کہ آدمی تھک جائے اور نہ اتنا زیادہ ہی مختصر ہو کہ مقصد ختم ہو جائے بلکہ اس کے منابع و مآخذ کو اس مقدار تک بیان کر دیں کہ پڑھنے والوں کی زبان پر شکوہ نہ آئے اور ان کے لئے یہ کافی ہو۔

جب مؤلف فروغ ابدیت (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل سوانح حیات) کی طباعت ونشر سے فارغ ہوا تو اس وقت ارادہ کیا کہ شیعوں کے پہلے رہبر و پیشوا حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی قابل افتخار زندگی کو اسی کتاب کے طرز پر تحریر کروں اور خداوند عالم کا شکر کہ اس نے اس کام کے لئے توفیق بھی دیدی اور حضرت کی زندگی کا چار حصہ کتاب کی شکل میں منظر عام پر آ گیا، لیکن انقلاب اسلامی کی سیاسی فضا میں چند مذہبوں کے ایجاد نے مؤلف کی فکر کو اس آفت کے دفاع کی طرف متوجہ کر دیا خصوصاً مارکسیزم سے دفاع کی طرف، اور ان ہی چیزوں نے مؤلف کو متقیوں اور پرہیزگاروں کے رہبر علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں کچھ لکھنے سے روک دیا لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد دوبارہ خدا نے توفیق دی کہ امامؑ کی زندگی کے پانچویں اور چھٹے حصے کو تحریر کروں جو آپ کی زندگی کا سب سے زیادہ حساس اور پرآشوب دور تھا اور اس طرح سے مؤلف نے امامؑ کی پوری زندگی کو تحلیلی اور مستند اور بہترین اور اس زمانے کے طریقوں کے اعتبار سے مکمل کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔

دو باتیں:

یہاں پر دو باتوں کا تذکرہ ضروری ہے،

یہ کتاب، جیسا کہ بیان ہوا ہے امامؑ کی عام اور ذاتی زندگی کا مجموعہ ہے اور آپ کی زندگی کے دوسرے حصے مثلاً علم وفضل، تقویٰ وپرہیز گاری، فضائل ومناقب، خطبے اور تقریریں، خطوط ونصیحتیں اور کلمات قصار (موعظہ)، احتجاجات اور مناظرے، آپ کے اصحاب اور ساتھی اور ان کے حالات، معجزے اور کرامتیں، فیصلے اور تعجب خیز قضاوتیں وغیرہ جیسی بحثوں کو اس کتاب میں ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ یہ تمام عنوانات خود ایک الگ موضوع ہیں جس پر الگ الگ کتابیں درکار ہیں۔

مؤلف کتاب فروغ ولایت اپنی تمام تر عاجزی کے ساتھ معترف ہے کہ وہ امامؑ کی نورانی زندگی کا ایک ادنیٰ سا پہلو بھی پیش کرنے سے قاصر رہا ہے لیکن اس بات پر مفتخر ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں کی فہرست میں شامل ہو گیا ہے اگرچہ اس مختصر سے بہانے کہ اس زمانے کے یوسف کی نظر رحمت کا بھی حقدار نہ ہو سکے، لیکن کیا کرے:

ما کل ما یتمنیٰ المرء یدرکہ تجری الریاح بما لا تشتہی السّفن.

جعفر سبحانی

مؤسسہ امام صادق۔ قم المقدس

۱۵ رجب ۱٤۱۰ھ

پہلا باب

بعثت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے
حضرت علی علیہ السلام کی زندگی

عظیم افراد اور ان کے دوست اور دشمن

کائنات کی اہم اور بزرگ شخصیتوں کے سلسلے میں کئی طرح کے پہلو نظر آتے ہیں کبھی بالکل مختلف اور کبھی بالکل برعکس، کبھی ان کے دوست ایسے ہوتے ہیں کہ دوستی کے آگے وہ کچھ نہیں دیکھتے اور پروانہ کے مانند اپنی ساری زندگی ان پر نثار وقربان کر دیتے ہیں اور اس دوستی کی وجہ سے بدترین مصیبت اور مشکلات، سختی اور شکنجے کو بھی برداشت کرتے ہیں اور اسی کے برعکس ان کے دشمن بھی ایسے ہوتے ہیں جو شیطان صفت، کینہ وبغض اور حسد میں ہمیشہ جلتے رہتے ہیں اور کبھی بھی عداوت و دشمنی سے باز نہیں آتے کہ صلح وآشتی کی راہ ہموار ہو سکے، ان افراد کی دوستی اور دشمنی کبھی کبھی اس قدر حد سے تجاوز کر جاتی ہے جس کی انتہا نہیں ہوتی اور وقت اور مقام کا بھی خیال نہیں رکھتی اور پھر بہت دنوں تک اور مختلف جگہوں پر یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اور یہ عداوت ودشمنی انسان کے باعظمت اور محترم وباکمال ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

کائنات کی عظیم اور بزرگ شخصیتوں کے درمیان مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں نظریئے قائم ہوئے ہوں۔

آپ سے محبت اور دشمنی کرنے میں بھی آپ جیسا کوئی نہیں ہے، آپ کے چاہنے والوں کی بھی تعداد بہت ہے اور آپ کے دشمنوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، عظیم شخصیتوں اور انسانوں کے درمیان فقط جناب حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی طرح ہیں جو مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی طرح ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دوستی اور دشمنی کرنے والے دو متضاد دھڑے نظر آتے ہیں، اس طرح دونوں آسمانی پیشواؤں میں مشابہت پائی جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا کے تمام عیسائیوں کے گمان وخیال میں وہی خدائے مجسم ہیں جس نے اپنے بندوں اور چاہنے والوں کو اپنے باپ حضرت آدم سے ورثہ میں ملے ہوئے گناہوں سے نجات دلانے کے لئے زمین پر آئے اور آخرکار سولی پر چڑھا دیئے گئے وہ عام عیسائیوں کی نگاہ میں الوہیت کے علاوہ کوئی اور شخصیت کے مالک نہ تھے۔

ان کے مقابلے میں یہودی ان کے بالکل برخلاف ہیں انہوں نے حضرت پر الزام واتہام لگایا ہے اور جھوٹ کی نسبت دی ہے اور ایسی ناروا تہمتیں لگائیں کہ جس کا تذکرہ باعث شرم ہے اور آپ کی مقدس و پاکیزہ ماں کی طرف غلط نسبتیں دی ہیں۔

بالکل ایسے ہی اور بھی کچھ افراد ہیں جو مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں متضاد فکر رکھتے ہیں ایک گروہ کم ظرف اور تنگ نظر ہے اور دوسرا کچھ زیادہ ہی الفت ومحبت کی وجہ سے خدا کے مطیع وفرماں بردار کو مقام الوہیت تک پہنچادیا ہے اور جو کرامتیں اور معجزات حضرت کی پوری زندگی میں ظاہر ہوئے اس کی وجہ سے وہ خدا مان بیٹھے ہیں افسوس کہ اس گروہ نے اپنے کو اس مقدس نام علوی سے منسوب کر رکھا ہے اور آج بھی اس نظریہ پر چلنے والے اور ان کی پیروی کرنے والے افراد کثرت سے موجود ہیں۔لیکن افسوس کا مقام ہے کہ شیعیت کی تبلیغ کرنے والوں نے آج تک اس مسئلے کو سنجیدگی سے نہیں لیا تا کہ حضرت علی علیہ السلام کے حقیقی چہرے کو ان کے سامنے ظاہر کریں اور ان لوگوں کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کریں جس راستے پر خود حضرت علی علیہ السلام افتخار کر رہے ہیں اس گروہ کے مقابلے میں،ایک اور گروہ جس نے خلافت ظاہری کے ابتدائی دنوں سے ہی امام سے بغض وعداوت اپنے دل میں بٹھا رکھی اور پھر کچھ مدت کے بعد خوارج اور نواصب نامی گروہ کے شکل میں ابھر کر سامنے آ گئے،پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ حکومت میں ان دونوں گروہوں کے ظہور کے سلسلے میں بخوبی آگاہ تھے اسی وجہ سے آپ نے حضرت علی علیہ السلام سے ایک موقع پر فرمایا تھا:

هَلَكَ فِيكَ اِثْنَانِ مُحِبٌّ غَالٍ وَ مُبْغِضٌ قَالٍ[1]

تمہارے ماننے والوں میں سے دو گروہ ہلاک ہوں گے ایک وہ گروہ جو تمہارے بارے میں غلو کرے گا اور دوسرا وہ گروہ جو تم سے دشمنی وعداوت رکھے گا۔

حضرت علی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ایک اور بھی مشابہت پائی جاتی ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں پر ان دو شخصیتوں کی ولادت ہوئی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مقدس،سرزمین بیت اللحم (بیت المقدس کے علاوہ ہے) پر ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کے تمام پیغمبروں سے آپ ایک جہت سے برتر وافضل ہیں،اور مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی ولادت مکۂ مکرمہ کی مقدس سرزمین خانہ کعبہ کے اندر معجزاتی طور پر ہوئی،اور آپ نے خدا کے گھر (مسجد کوفہ) میں جام شہادت نوش کیا اور حسن مطلع کے مقابلے میں حسن ختام سے بہرہ مند ہوئے جو حقیقت میں بے مثال ہے اور کتنی عمدہ بات ہے کہ آپ کے متعلق کہا جائے نازم بہ حسن مطلع وحسن ختام او (یعنی ہم اس حسن مطلع اور حسن ختام پر افتخار کرتے ہیں اور نازاں ہیں)

حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کے تین پہلو

ماہرین نفسیات کی نظر میں ہر انسان کی شخصیت کے نکھار میں تین اہم عوامل ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک شخصیت سازی میں مؤثر ہوتا ہے گویا انسان کی روح اور صفات اور فکر کرنے کا طریقہ مثلث کی طرح ہے اور یہ تینوں پہلو ایک

[1] نہج البلاغہ،کلمات قصار نمبر ۱۷۷،فیك کے بجائے فیّ ہے۔

دوسرے سے ملنے کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں اور وہ تینوں عامل یہ ہیں۔

۱۔وراثت۔

۲۔تعلیم وتربیت۔

۳۔محیط زندگی۔

انسان کے اچھے اور برے صفات اور اس کی عظیم و پست خصلتیں ان تینوں عامل کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں اور رشدونمو کرتی ہیں۔

وراثت کےعوامل کے سلسلے میں مختصر وضاحت: ہماری اولادیں ہم سے صرف ظاہری صفات مثلاً شکل وصورت ہی بطور میراث نہیں لیتیں بلکہ ماں باپ کے باطنی صفات اور روحانی کیفیت بھی بطور میراث اولاد میں منتقل ہوتی ہیں۔

تعلیم وتربیت اور اور محیط زندگی، جو انسانی شخصیت پر اثر انداز ہوتی ہیں، بہترین تربیت جسے خداوند عالم نے انسان کے ہاتھوں میں دیا ہے یا مثالی تربیت جسے بچہ ماں باپ سے بطور میراث حاصل کرتا ہے اس کی بہت عظمت ومنزلت ہے، ایک استاد بچے کی تقدیر یا اس کے درسی رجحان کو بدل سکتا ہے اور اسی طرح گناہوں سے آلودہ انسانوں کو پاک و پاکیزہ، اور پاک و پاکیزہ افراد کو گناہوں کے دلدل میں ڈال

سکتا ہے یہ دونوں صورتیں انسان کی شخصیت کو اتنا واضح و روشن کرتی ہیں کہ جس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔البتہ یہ بات فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ان تینوں امور پر انسان کا ارادہ غالب ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی خاندانی شخصیت:

حضرت علی علیہ السلام کی ولادت جناب ابوطالب کے صلب سے ہوئی۔۔۔حضرت ابوطالب بطحاء (مکہ) کے بزرگ اور بنی ہاشم کے رئیس تھے۔آپ کا پورا وجود مہربانی وعطوفت، جانبازی اور فداکاری اور جود وسخا میں آئین توحید کا آئینہ دار تھا۔جس دن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبد المطلب کا انتقال ہوا اس وقت آپ صرف آٹھ سال کے تھے اور اس دن سے ۴۲ سال تک آپ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت، سفر ہو یا حضر، کی ذمہ داری اپنے ذمے لے لی تھی اور بے مثال عشق ومحبت سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس ہدف، جو کہ وحدانیت پروردگار تھا، میں جم کر فداکاری کی اور یہ حقیقت آپ کے بہت سے اشعار دیوان ابوطالب سے واضح ہوتی ہیں مثلاً:

لِیَعْلَمُ خِیَارُ النَّاسِ اَنّ محمداً نَبِی کَمُوْسیٰ وَ الْمَسِیْحِ بنِ مَرْیَمِ [1]

پاک و پاکیزہ اور نیک طینت والے یہ جان لیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، موسیٰ اور عیسیٰ کی طرح پیغمبر ہیں اور دوسری جگہ

[1] مجمع البیان، ج ۴، ص ۳۷۔

فرماتے ہیں:

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّا وَجَدْنَا مُحمداً رَسُولاً کَمُوسیٰ خُطَّ فِی اَوَّلِ الْکُتُبِ[1]

کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موسیٰ کی طرح آسمانی رہبر اور رسول ہیں، اوران کی پیغمبری کا تذکرہ آسمانی کتابوں میں درج ہے۔

ایک ایسی قربانی، کہ جس میں تمام بنی ہاشم ایک سوکھی اور تپتی ہوئی غار میں قید ہو گئے اور یہ چیز مقصد سے عشق ومحبت کے علاوہ ممکن نہیں ہے کہ اتنا گہرا معنویت سے تعلق ہو، رشتہ کی الفت ومحبت اور تمام مادی عوامل اس طرح کی ایثار وقربانی کے روح انسان کے اندر پیدا نہیں کرسکتیں۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کی دلیل اپنے بھتیجے کے آئین وقوانین پر اس قدر زیادہ ہے جس نے محققین کی نظروں کو اپنی طرف جذب کرلیا ہے۔ مگر افسوس کہ ایک گروہ نے تعصب کی بنیاد پر ابوطالب پر شک کیا اور دوسرے گروہ نے تو بہت ہی زیادہ جسارت کی ہے اور آپ کو غیر مومن تک کہہ ڈالا ہے۔ حالانکہ وہ دلیلیں جو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے لئے تاریخ وحدیث کی کتابوں میں موجود ہیں اگر اس میں سے تھوڑا بہت کسی اور کے متعلق تحریر ہوتا تو اس کے ایمان واسلام کے متعلق ذرہ برابر بھی شک وتردید نہ کرتے۔

مگر انسان نہیں جانتا کہ اتنی دلیلوں کے باوجود بعض انسانوں کا دل روشن نہ ہوسکا (اور وہ گمراہی کے دلدل میں پھنسے ہیں)

حضرت علی علیہ السلام کی ماں کی شخصیت:

آپ کی مادر گرامی فاطمہ بنت اسد، جناب ہاشم کی بیٹی ہیں۔ آپ وہ پہلی خاتون ہیں جو پیغمبر پر ایمان سے پہلے آئین ابراہیمی پر عمل پیرا ہوئیں۔ وہ وہی پاکیزہ ومقدس خاتون ہیں جو دردزہ کی شدت کے وقت مسجد الحرام کی طرف آئیں اور دیوار کعبہ کے قریب جا کر کہا:

پروردگارا: ہم تجھ پر اور پیغمبروں پر اور آسمانی کتابوں پر جو تیری طرف سے نازل ہوئی ہیں اور اپنے جد ابراہیم کے آئین پر جنھوں نے اس گھر کو بنایا ہے ایمان کامل رکھتی ہوں۔

پروردگارا: جس نے اس گھر کو تعمیر کیا اس کی عظمت اور اس مولود کے حق کا واسطہ جو میرے رحم میں ہے اس بچہ کی ولادت کو مجھ پر آسان کردے۔

ابھی کچھ دیر بھی نہ گزری تھی کہ فاطمہ بنت اسد معجزاتی طریقہ سے خدا کے گھر میں داخل ہوگئیں اور مولائے کائنات

---

[1] کشف الغمہ، ج۱ص۹۰

کی ولادت ہوئی۔ [۱]

اس عظیم فضیلت کو مذہب شیعہ کے معتبر محدثین اور مورخین اور علم انساب کے معتبر دانشوروں نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اہلسنت کے اکثر دانشوروں نے اس حقیقت کو صراحت سے بیان کیا ہے اور اس کو ایک بے مثال فضیلت کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ [۲]

حاکم نیشاپوری کہتے ہیں:

خانہ کعبہ میں علی کی ولادت کی خبر حدیث تواتر کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔ [۳]

مشہور مفسر آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

کعبہ میں علی کی ولادت کی خبر دنیا کے تمام مذہبوں کے درمیان مشہور و معروف ہے اور آج تک کسی کو بھی یہ فضیلت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ [۴]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش میں:

اگر امامؑ کی عمر کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے تو آپ کی زندگی کا ابتدائی دور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا دور ہوگا۔ اس وقت امامؑ کی عمر دس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ کیونکہ جب علی علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۳۰ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال کی عمر میں رسالت کے لئے مبعوث ہوئے۔ [۵]

امامؑ کی زندگی کے حساس ترین واقعات اسی دور میں رونما ہوئے یعنی حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت پیغمبر کے توسط سے ابھری، عمر کا یہ حصہ ہر انسان کے لئے اس کی زندگی کا سب سے حساس اور کامیاب و اہم حصہ ہوتا ہے ایک بچے کی شخصیت اس عمر میں ایک سفید کاغذ کے مانند ہوتی ہے اور وہ ہر شکل کو قبول کرنے اور اس پر نقش ہونے کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ اس کی عمر کا یہ حصہ پرورش کرنے والوں اور تربیت کرنے والوں کے لئے سنہرا موقع ہوتا ہے تاکہ بچے کی روح کو فضائل اخلاقی سے مزین کریں کہ جس کی ذمہ داری خدا نے ان کے ہاتھوں میں دی ہے تاکہ ان کی بہترین تربیت کریں اور اسے انسانی اور اخلاقی اصولوں سے روشناس کرائیں اور بہترین اور کامیاب زندگی گذارنے کا طور طریقہ اسے سکھائیں۔

---

[۱] جیسے مروج الذہب، ج۲ ص۳۴۹، بشرح الشفاء، ج۱ ص۱۵۱

[۲] مستدرک حاکم، ج۳ ص۴۸۳ ز

[۳] شرح قصیدہ عبدالباقی آفندی ص۱۵

[۴] بعض لوگوں نے مثلاً ابن خشاب نے اپنی کتاب موالید الائمہ میں علی کی کل عمر ۶۵ سال اور بعثت پیغمبر سے پہلے ۱۲ سال لکھی ہے۔ تفصیل کے لئے کتاب کشف الغمہ تالیف مشہور مورخ علی بن عیسیٰ اربلی (متوفی ۶۹۳ھ) ص۶۵ پر دیکھ سکتے ہیں۔

[۵] کشف الغمہ، ج۱، ص۹۰۔

پیغمبرِ عظیم الشان نے اسی عظیم مقصد کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کے بعد ان کی تربیت کی ذمہ داری خود لے رکھی تھی، جس وقت حضرت علی علیہ السلام کی والدہ نومولود بچے کو لے کر پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والہانہ عشق و محبت کے ساتھ اس بچے کو دیکھا اور کہا اے چچی علی کے جھولے کو میرے بستر کے قریب رکھ دیجیئے۔

اس جہت سے امام علی علیہ السلام کی زندگی کا آغاز پیغمبر اکرم کے لطف خاص سے ہوا، پیغمبر صرف سوتے وقت حضرت علی علیہ السلام کے گہوارہ کو جھولاتے ہی نہیں تھے بلکہ آپ کے بدن کو دھوتے بھی تھے اور انہیں دودھ بھی پلاتے تھے، اور جب علی علیہ السلام بیدار ہوتے تو خلوص و الفت کے ساتھ ان سے بات کرتے تھے اور کبھی کبھی انہیں سینے سے لگا کر کہتے تھے یہ میرا بھائی ہے اور مستقبل میں میرا ولی و ناصر اور میرا وصی اور میرا داماد ہوگا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کو اتنا عزیز رکھتے تھے کہ کبھی بھی ان سے جدا نہیں ہوتے تھے اور جب بھی مکہ سے باہر عبادت خدا کے لئے جاتے تھے تو حضرت علی علیہ السلام کو چھوٹے بھائی یا عزیز ترین فرزند کی طرح اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ [۱]

اس حفاظت و مراقبت کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کا دوسرا پہلو جو کہ تربیت ہے آپ کے ذریعے ہو اور پیغمبر کے علاوہ کوئی شخص بھی ان کی تربیت میں شامل نہ ہو۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے خطبے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمات کو سراہتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَقَدْ عَلِمْتُمْ مَوْضِعِيْ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بِالْقَرَابَةِ الْقَرِيْبَةِ وَالْمَنْزِلَةِ الْخَصِيْصَةِ وَضَعَنِيْ فِيْ حِجْرِهِ وَاَنَا وَلَدٌ يَضُمُّنِيْ اِلَى صَدْرِهِ وَيَكْنُفُنِيْ فِيْ فِرَاشِهِ وَيَمَسُّنِيْ جَسَدَهُ وَيُشِمُّنِيْ عَرْفَهُ وَكَانَ يَمْضُغُ الشَّيْئَ ثُمَّ يُلْقِمُنِيْهِ۔ [۲]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کو اپنے گھر لے گئے

جب خدا نے چاہا کہ اس کے دین کا عظیم ولی سردار انبیاء پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں پرورش پائے اور رسول اسلام کے زیر نظر اس کی تربیت ہو تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

اسلام کے مشہور مورخین لکھتے ہیں:

مکہ میں سخت قحط پڑا، پیغمبر کے چچا ابو طالب اپنے اہل و عیال کے ساتھ اخراجات کے متعلق بہت پریشان ہوئے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دوسرے چچا عباس جو ابو طالب سے زیادہ امیر اور دولتمند تھے، سے گفتگو کی اور دونوں کے

---

[۱] نہج البلاغہ عبدہ، ج ۲ ص ۱۸۲، خطبۂ قاصعہ۔

[۲] سیرۂ ابن ہشام، ج ۱ ص ۲۳۶۔

درمیان یہ طے پایا کہ ہر ایک حضرت ابو طالب علیہ السلام کے لڑکوں میں سے ایک ایک کو اپنے گھر لے جائے تا کہ اس قحط کے زمانے میں ابو طالب کی پریشانیوں میں کچھ کمی واقع ہو چنانچہ جناب عباس، جعفر کو اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کو اپنے گھر لے گئے۔

اب جبکہ حضرت علی علیہ السلام مکمل طور پر پیغمبر کے اختیار میں تھے حضرت علی علیہ السلام نے انسانی اور اخلاقی فضیلتوں کے گلستان سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرپرستی میں کمال کے بلند ترین درجے پر فائز ہوئے، امامؑ نے اپنے خطبے میں اس زمانے اور پیغمبر کی تربیت کی طرف اشارہ کیا ہے آپ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كُنْتُ اتَّبِعُهُ اتِّبَاعَ الْفَصِيْلِ اُمِّهٖ يَرْفَعُ لِيْ كُلَّ يَوْمٍ مِنْ اَخْلَاقِهٖ عَلَماً وَيَأْمُرُنِيْ بِالْاِقْتِدَاءِ بِهٖ.[1]

میں اونٹ کے اس بچہ کی طرح جو اپنی ماں کی طرف جاتا ہے، پیغمبر کی طرف گیا، آپ روزانہ مجھے اپنے اخلاق حسنہ کا ایک پہلو سکھاتے تھے اور حکم دیتے کہ ان کی پیروی کروں۔

حضرت علی علیہ السلام غار حرا میں

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسالت پر مبعوث ہونے سے پہلے تک سال میں ایک مہینہ غار حرا میں عبادت میں مصروف رہتے تھے اور جیسے ہی مہینہ ختم ہوتا تھا آپ پہاڑ سے نیچے اترتے تھے اور سیدھے مسجد الحرام کی طرف جاتے تھے اور سات مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے پھر اپنے گھر واپس آتے تھے۔

یہاں پر سوال یہ ہے کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام سے اس قدر محبت کرتے تھے تو کیا اس عجیب وغریب جگہ پر عبادت ودعا کے لئے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے یا انہیں اتنی مدت تک چھوڑ کر جاتے تھے؟

تمام قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ جس دن سے پیغمبر اسلام حضرت علی علیہ السلام کو اپنے گھر لے گئے اس دن سے ایک دن کے لئے بھی انہیں اپنے سے جدا نہیں کیا۔

مورخین لکھتے ہیں:

حضرت علی علیہ السلام ہمیشہ پیغمبر کے ساتھ رہتے تھے اور جب بھی پیغمبر شہر سے باہر جاتے اور بیابان اور پہاڑ کی طرف جاتے تو حضرت علی علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جاتے۔[2]

ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ جب جبرئیل پہلی مرتبہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے اور انہیں رسالت کے

---

[1] نہج البلاغہ عبدہ، ج۲ ص۱۸۲

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۳ ص۲۰۸

عہدے پر فائز کیا اس وقت علی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے اور وہ دن انہی دنوں میں سے تھا جن دنوں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں عبادتوں کے لئے جایا کرتے تھے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كَانَ يُجَاوِرُ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ بِحِرَاءِ فَأَرَاهُ وَلَا يُرَاهُ غَيْرِيْ...[1]

پیغمبر ہر سال غار حرا میں عبادت کے لئے جاتے تھے اور میرے علاوہ کسی نے انہیں نہیں دیکھا اس جملے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مولائے کائنات غار حرا میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ، رسالت کے بعد بھی تھے لیکن گذشتہ قرآئن سے مولائے کائنات کا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غار حرا میں ہونا غالباً رسالت سے پہلے ہے اور خود یہ جملہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ یہ واقعہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت سے پہلے کا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی طہارت و پاکیزگی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں ان کی پرورش کا ہونا اس بات کا سبب بنا کہ اسی بچپن کے زمانے میں حساس دل اور چشم بصیرت اور اپنی بہترین سماعتوں کے ذریعے ایسی چیزیں دیکھیں اور ایسی آوازیں سنیں کہ جن کا سننا یا دیکھنا عام آدمی کے لئے ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ امام علیہ السلام خود اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

أَرَىٰ نُوْرَ الْوَحْيِ وَالرِّسَالَةِ وَأَشُمُّ رِيْحَ النُّبُوَّةِ[2]

ہم نے بچپن کے زمانے میں غار حرا میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وحی اور رسالت کے نور کو دیکھا جو پیغمبر پر چمک رہا تھا اور پاک و پاکیزہ نبوت کی خوشبو سے اپنے مشام کو معطر کیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

امیر المومنین علیہ السلام نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت سے پہلے نور رسالت اور وحی کے فرشتے کی آواز کو سنا تھا اس عظیم موقع پر جب کہ آپ پر وحی نازل ہوئی۔ آپ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اگر میں خاتم الانبیاء نہ ہوتا تو تم میں پیغمبری کی تمام چیزیں بدرجہ اتم موجود تھیں اور تم میرے بعد پیغمبر ہوتے لیکن تم میرے بعد میرے وصی اور وارث اور تمام وصیوں کے سردار اور متقیوں کے پیشوا ہو۔[3]

امیر المومنین علیہ السلام اس غیبی آواز کے متعلق جس کو آپ نے بچپن میں سنا تھا ارشاد فرماتے ہیں: جس وقت پیغمبر پر وحی

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۸۷ (قاصعہ)

[2] قبل اس کے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی طرف سے رسالت کے منصب پر فائز ہوں وحی اور غیبی آوازوں کو سنا جیسا کہ روایات میں ذکر ہے۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۳ ص ۱۹۷

[3] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۳ ص ۳۱۰

نازل ہوئی اسی وقت میرے کانوں سے کسی کے نالہ وفریاد کی آواز ٹکرائی میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نالہ وفریاد کیسا ہے؟

آپ نے فرمایا: یہ شیطان کی نالہ وفریاد ہے اوراس کی علت یہ ہے کہ میری بعثت کے بعد زمین والوں کے درمیان جواس کی اطاعت و پرستش ہوتی اس سے یہ ناامید ہوگیا ہے پھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی کی طرف مخاطب ہوکر کہتے ہیں:

اِنَّكَ تَسْمَعُ مَا اَسْمَعُ وَتَرىٰ مَا اَرىٰ، اَلاَّ اَنَّكَ لَسْتَ بِنَبِيٍّ وَلٰكِنَّكَ وَزِيرٌ [1]

اے علی! جس چیز کو میں نے سنا اور دیکھا تم نے بھی اسے دیکھا اور سنا مگر یہ کہ تم پیغمبر نہیں ہو بلکہ تم میرے وزیر اور مددگار رہو۔

[1] اس بات کی وضاحت آخر میں ہوگی۔

دوسرا باب

بعثت پیغمبرؐ کے بعد اور ہجرت سے پہلے حضرت علی علیہ السّلام کی زندگی

پہلی فصل

پہلا مسلمان

حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کا دوسرا دور بعثت کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا ہے۔اس وقت آپ کی عمر ۱۳ سال سے زیادہ نہیں تھی حضرت علی علیہ السلام اس پوری مدت میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے اور تمام ذمہ داریوں کو تحمل کئے ہوئے تھے، اس زمانے کی بہترین اور حساس ترین چیز ایک ایسی قابل افتخار شئی ہے جو امام کو نصیب ہوئی اور پوری تاریخ میں یہ سعادت و افتخار مولائے کائنات کے علاوہ کسی کو نصیب نہ ہوا۔

آپ کی زندگی کا پہلا افتخار اس عمر میں سب سے پہلے اسلام کا قبول کرنا ہے، بلکہ بہترین لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اپنی دیرینہ آرزو یعنی اسلام کا اظہار اور اعلان کرنا تھا۔[۱]

اسلام کے قبول کرنے میں سبقت کرنا اور قوانین توحید کا ماننا ان امور میں سے ہے جس پر قرآن نے بھروسہ کیا ہے، اور جن لوگوں نے اسلام کے قبول کرنے میں سبقت کی ہے صریحاً ان کا اعلان کیا ہے اور وہ لوگ خدا کی مرضی اور اس کی رحمت قبول کرنے میں بھی سبقت کرتے ہیں۔[۲]

قرآن کریم نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کرنے والوں پر اس حد تک خاص توجہ دی ہے کہ وہ لوگ جو فتح مکہ سے بھی پہلے ایمان لائے اور اپنے جان و مال کو خدا کی راہ میں قربان کیا ہے، ان لوگوں پر جو فتح مکہ کی کامیابی کے بعد ایمان لائے ہیں اور جہاد کیا برتری اور فضیلت دی ہے۔[۳]

یہ بات واضح ہے کہ آٹھویں ہجری میں مکہ فتح ہوا ہے اور پیغمبر نے بعثت کے اٹھارہ سال بعد بت پرستوں کے مضبوط قلعے اور حصار کو بے نقاب کر دیا، فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کے ایمان کی فضیلت و برتری کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اس زمانے میں ایمان لائے جب کہ اسلام کی حکومت شبہ جزیرہ پر نہیں پہنچی تھی، اور ابھی بھی بت پرستوں کا مرکز ایک محکم قلعہ کی طرح باقی تھا اور مسلمانوں کی جان و مال کا بہت زیادہ خطرہ تھا، اگرچہ مسلمان، مکہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کی وجہ

---

[۱] خدا فرماتا ہے: والسابقون السابقون اولئك المقربون۔ سورۂ واقعہ، آیت ۱۰ و ۱۱۔

[۲] لایستوی منکم ... سورۂ حدید، آیت ۱۰۔

[۳] اسد الغابہ، ج ۲ ص ۹۹

سے، اور گروہ اوس وخزرج اور وہ قبیلے جو مدینے کے آس پاس تھے ایک طاقتور گروہ سمجھے جاتے تھے اور بہت سی لڑائیوں میں کامیاب بھی ہوئے تھے لیکن خطرات مکمل طور پر ختم نہیں ہوئے تھے۔

اس وقت جب کہ اسلام کا قبول کرنا اور جان ومال کا خرچ کرنا اہمیت رکھتا ہو، قطعی طور پر ابتدائی زمانے میں ایمان کا ظاہر کرنا اور قبول اسلام کا اعلان کرنا جب صرف قریش اور دشمنوں کی ہی طاقت وقوت تھی ایسے مقام پر اس کی اہمیت وفضیلت اور بڑھ جاتی ہے اس بنا پر مکہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں کے درمیان اسلام قبول کرنے میں سبقت حاصل کرنا ایک ایسا افتخار ہے جس کے مقابلے میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔

عمر نے اپنی خلافت کے زمانے میں ایک دن خباب، جس نے اوائل اسلام میں بہت زیادہ زحمتیں برداشت کی تھیں، سے پوچھا کہ مشرکین مکہ کا برتاؤ تمہارے ساتھ کیسا تھا؟

اس نے اپنے بدن سے پیراہن کو جدا کر کے اپنی جلی ہوئی پشت اور زخموں کے نشان خلیفہ کو دکھایا اور کہا۔ اکثر وبیشتر مجھے لوہے کی زرہ پہنا کر گھنٹوں مکہ کے تیز اور جلانے والے سورج کے سامنے ڈال دیتے تھے اور کبھی کبھی آگ جلاتے تھے اور مجھے آگ پر لے جا کر بیٹھاتے تھے یہاں تک کہ آگ بجھ جاتی تھی۔[۱]

جی ہاں! مسلّم وعظیم فضیلت اور معنوی برتری ان افراد سے مخصوص ہے جن لوگوں نے اسلام کی راہ میں ہر طرح کے ظلم وستم کو برداشت اور صمیم قلب کے ساتھ اسے قبول کیا۔

علی علیہ السلام سے پہلے کسی نے اسلام قبول نہیں کیا

اکثر محدثین ومؤرخین بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوشنبہ کو منصب رسالت پر فائز ہوئے اور اس کے دوسرے دن (سہ شنبہ) حضرت علی علیہ السلام ایمان لائے[۲] تمام لوگوں سے پہلے اسلام قبول کرنے میں حضرت علی علیہ السلام نے سبقت کی، اور پیغمبر نے اس کی تصریح کرتے ہوئے صحابہ کے مجمع عام میں فرمایا:

قیامت کے دن سب سے پہلے جو حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کرے گا جس نے اسلام لانے میں تم سب پر سبقت حاصل کی ہے وہ علی ابن ابی طالب ہے۔[۳]

---

[۱] بعث النبی یوم الاثنین واسلم علی یوم الثلاثاء، مستدرک حاکم، ج۲ ص۱۱۲، الاستیعاب، ج۳ ص۳۲

[۲] اولکم وارداً علی الحوض اولکم اسلاما علی بن ابیطالب، مستدرک حاکم، ج۳، ص۱۳۶

[۳] مرحوم علامہ امینی نے اس سلسلے کی تمام روایتوں اور حدیثوں کے متون اور مورخین کے اقوال کو الغدیر کی تیسری جلد ص۱۹۱ سے ۲۱۳ پر نقل کیا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور بزرگان دین سے منقول حدیثیں اور روایتیں مولائے کائنات کے اسلام قبول کرنے میں سبقت سے متعلق اس قدر زیادہ ہیں کہ سب کو اس کتاب میں نقل کرنا ممکن نہیں ہے۔[۱]

اس سلسلے میں امام کا صرف ایک قول اور ایک واقعہ پیش کر رہے ہیں امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَنَا عَبْدُاللهِ وَاَخُو رَسُوْلِ اللهِ وَاَنَا الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَر لَايَقُوْلُهَا بَعْدِىْ اِلَّا كَاذِبٌ مُفْتَرِى وَلَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ الله قَبْلَ النَّاسِ بِسَبْعِ سِنِيْنَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ صَلَّى مَعَه.[۲]

میں خدا کا بندہ، پیغمبر کا بھائی اور صدیق اکبر ہوں۔ میرے بعد یہ دعوی صرف جھوٹا شخص ہی کرے گا، تمام لوگوں سے سات سال پہلے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔

امام علی علیہ السلام ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

اس وقت اسلام صرف پیغمبر اور خدیجہ کے گھر میں تھا اور میں اس گھر کا تیسرا فرد تھا۔[۳]

ایک اور مقام پر امام سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَوَّلُ مَنْ اَنَابَ وَسَمِعَ وَأَجَابَ لَمْ يَسْبِقْنِىْ اِلَّا رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وسلم بِالصَّلَاةِ[۴]

پروردگار! میں پہلا وہ شخص ہوں جو تیری طرف آیا اور تیرے پیغام کو سنا اور تیرے پیغمبر کی دعوت پر لبیک کہا اور مجھ سے پہلے پیغمبر کے علاوہ کسی نے نماز نہیں پڑھی۔

عفیف کندی کا بیان:

عفیف کندی کہتے ہیں: ایک دن میں کپڑا اور عطر خریدنے کے لئے مکہ گیا اور مسجد الحرام میں عباس بن عبد المطلب کے بغل میں جا کر بیٹھ گیا، جب سورج اوج پر پہنچا تو اچانک میں نے دیکھا کہ ایک شخص آیا اور آسمان کی طرف دیکھا پھر کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہوا، کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک نوجوان آیا اور اس کے داہنے طرف کھڑا ہو گیا پھر ایک عورت آئی اور مسجد میں داخل ہوئی اور ان دونوں کے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی پھر وہ تینوں نماز و عبادت میں مشغول ہو گئے، میں اس منظر کو دیکھ کر بہت متعجب ہوا کہ مکہ کے بت پرستوں سے ان لوگوں نے اپنے کو دور کر رکھا ہے اور مکہ کے خداؤں کے علاوہ دوسرے خدا کی عبادت کر رہے ہیں۔ میں حیرت میں تھا، میں عباس کی طرف مخاطب ہوا اور ان سے کہا۔ اَمرٌ عَظِیم، عباس نے بھی اسی جملے کو

[۱] تاریخ طبری، ج۲، ص ۲۱۳، سنن ابن ماجہ، ج۱، ص ۵۷۔

[۲] نہج البلاغہ عبدہ، خطبہ ۱۸۷۔

[۳] نہج البلاغہ عبدہ، خطبہ ۱۸۷۔

[۴] تاریخ طبری ج۲ ص ۲۱۲۔ کامل ابن اثیر ج۲ ص ۲۲۔ استیعاب ج۳۔ ص۔ ۳۳ و۔۔۔

دہرایااور فرمایا۔کیاتم ان تینوں کو پہچانتے ہو؟

میں نے کہانہیں انہوں نے کہا۔سب سے پہلے جومسجد میں داخل ہوااور دونوں آدمیوں سے آگے کھڑا ہواوہ میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ ہے اور دوسرا شخص جومسجد میں داخل ہواوہ میرا دوسرا بھتیجا علی ابن ابی طالب ہے اوروہ خاتون محمد کی بیوی ہےاوراس کا دعوی ہے کہ اس کے تمام قوانین خداوند عالم کی طرف سے اس پر نازل ہوئے ہیں،اوراس وقت کائنات میں ان تینوں کے علاوہ کوئی بھی اس دین الٰہی کا پیرونہیں ہے۔

ممکن ہے یہاں پرسوال کیا جائے کہ اگر حضرت علی علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جو بعثت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعدان پر ایمان لائے تو بعثت سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کی وضعیت کیاتھی؟۔

اس سوال کا جواب بحث کے شروع میں بیان کیا گیا ہے جس سے واضح اور روشن ہوتا ہے کہ یہاں پر ایمان سے مراد،اپنے دیرینہ ایمان کا اظہار کرنا ہے جو بعثت سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کے دل میں موجزن تھا،اورایک لحہ کے لئے بھی حضرت علی علیہ السلام سے دور نہ ہوا، کیونکہ پیغمبر کی مسلسل تربیت ومراقبت کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام کے روح ودل کی گہرائیوں میں ایمان رچ بس گیا تھااوران کامکمل وجودایمان واخلاص سے مملوتھا۔

ان دنوں جب کہ پیغمبر مقام رسالت پر فائز نہ ہوئے تھے،حضرت علی علیہ السلام پر لازم تھا کہ رسول اسلام کے منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد پیغمبر سے اپنے رشتے کواور مستحکم کرتے اوراپنے دیرینہ ایمان اوراقراررسالت کوظاہراوراعلان کرتے،قرآن مجید میں ایمان واسلام کا استعمال اپنے دیرینہ عقیدہ کے اظہار کے متعلق ہوا ہے۔مثلاً خداوند عالم نے جناب ابراہیم کوحکم دیا کہ اسلام لاؤ جناب ابراہیم کہتے ہیں،میں سارے جہان کے پروردگار پرایمان لایا۔

قرآن مجید نے پیغمبر کے جملے کونقل کیا ہے،پیغمبر خوداپنے بارے میں ارشادفرماتے ہیں:**وَاُمِرْتُ اَنْ اَسْلَمَ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ** (مومن ٦٦)اور مجھےتو یہ حکم ہو چکا ہے کہ اپنے بارے میں سارے جہان کے پالنے والے کا فرماں بردار بنوں،حقیقتاًان مواردواوران سے مشابہت رکھنے والے تمام موارد میں اسلام سے مراد،خدا کے سامنے اپنی سپردگی کا اظہار کرنا اوراپنے ایمان کوظاہر کرنا ہے،جوانسان کے دل میں موجود تھا،اوراصلاً اسلام کے اظہار کا مطلب ایمان کا حاصل کرنا یاایمان لانانہیں ہے، کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بلکہ بعثت سے پہلے موحد اور خدا کی بارگاہ میں اپنےکوتسلیم کرنے والے تھےاس بنابر ثابت ہے کہ ایمان کے دومعنی ہیں،

١۔اپنے باطنی ایمان کا اظہار کرنا جو پہلے سے ہی انسان کے قلب وروح میں موجود تھا،حضرت علی علیہ السلام کا بعثت کے دوسرے دن ایمان لانے کا مقصداور ہدف بھی یہی تھااس کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔

٢۔ایمان کا قبول کرنااورابتدائی گروہ کا اسلام لانا پیغمبر کے بہت سے صحابیوں اور دوستوں کا ایمان تھا (جو پہلے والے معنی کے برعکس ہے)۔

اسحاق سے مامون کا مناظرہ:

مامون نے اپنی خلافت کے زمانے میں چاہے سیاسی مصلحت کی بنیاد پر یا اپنے عقیدے کی بنیاد پر، مولائے کائنات کی برتری کا اقرار کیا اور اپنے کو شیعہ ظاہر کیا۔ ایک دن ایک علمی گروہ جس میں اس کے زمانے کے (٤٠) چالیس دانشمند اور خود اسحاق بھی انہیں کے ہمراہ تھے، کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

جس دن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسالت پر مبعوث ہوئے اس دن بہترین عمل کیا تھا؟١

اسحاق نے جواب دیا، خدا اور اس کے رسول کی رسالت پر ایمان لانا۔

مامون نے دوبارہ پوچھا، کیا اسلام قبول کرنے میں اپنے حریفوں کے درمیان سبقت حاصل کرنا بہترین عمل نہ تھا؟

اسحاق نے کہا، کیوں نہیں۔ ہم قرآن مجید میں پڑھتے ہیں۔ والسابقون السابقون اولیک المقر بون، اور اس آیت میں سبقت سے مراد وہی اسلام قبول کرنے میں سبقت کرنا ہے

مامون نے پھر سوال کیا، کیا علی سے پہلے کسی نے اسلام قبول کرنے میں سبقت حاصل کی ہے؟ یا علی وہ پہلے شخص ہیں جو پیغمبر پر ایمان لائے ہیں؟

اسحاق نے جواب دیا، علی ہی وہ ہیں جو سب سے پہلے پیغمبر پر ایمان لائے لیکن جس دن وہ ایمان لائے، بچے تھے اور بچے کے اسلام کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن ابوبکر اگر چہ وہ بعد میں ایمان لائے اور جس دن خدا پرستوں کی صف میں کھڑے ہوئے وہ بالغ و عاقل تھے لہٰذا اس عمر میں ان کا ایمان اور عقیدہ قابل قبول ہے۔

مامون نے پوچھا، علی کس طرح ایمان لائے؟ کیا پیغمبر نے انہیں اسلام کی دعوت دی یا خدا کی طرف سے ان پر الہام ہوا کہ وہ آئیں اور توحید اور اسلام کو قبول کریں؟

یہ بات کہنا بالکل صحیح نہیں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا اسلام لانا خداوند عالم کی طرف سے الہام کی وجہ سے تھا، کیونکہ اگر ہم یہ فرض کر لیں تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ علی کا ایمان پیغمبر کے ایمان سے زیادہ افضل ہو جائے گا اس کی دلیل یہ ہے کہ علی کا پیغمبر سے وابستہ ہونا جبرئیل کے توسط اور ان کی رہنمائی سے تھا نہ یہ کہ خدا کی طرف سے ان پر الہام ہوا تھا۔

بہر حال اگر حضرت علی علیہ السلام کا ایمان لانا پیغمبر کی دعوت کی وجہ سے تھا تو کیا پیغمبر نے خود ایمان کی دعوت دی تھی یا خدا کا حکم تھا؟۔ یہ کہنا بالکل صحیح نہیں ہوگا کہ پیغمبر خدا نے حضرت علی علیہ السلام کو بغیر خدا کی اجازت کے اسلام کی دعوت دی تھی بلکہ ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اسلام کی دعوت، خدا کے حکم سے دی تھی۔

کیا خداوند عالم اپنے پیغمبر کو حکم دے گا کہ وہ غیر مستعد (آمادہ) بچے کو جس کا ایمان لانا اور نہ لانا برابر ہو اسلام کی دعوت دے؟ (نہیں)۔ بلکہ یہ ثابت ہے کہ امام بچپن میں ہی شعور و ادراک کی اس بلندی پر فائز تھے کہ ان کا ایمان بزرگوں

کے ایمان کے برابر تھا۔ [۱]

یہاں مناسب تھا کہ مامون اس کے متعلق دوسرا بھی جواب دیتا کیونکہ یہ جواب ان لوگوں کے لئے مناسب ہے جن کی معلومات بحث ولایت وامامت میں بہت زیادہ ہو اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیائے الٰہی کا کبھی بھی ایک عام آدمی سے مقابلہ نہیں کرنا چاہئے اور نہ ان کے بچپن کے دور کو عام بچوں کے بچپن کی طرح سمجھنا چاہئے اور نہ ہی ان کے فہم وادراک کو عام بچوں کے فہم وادراک کے برابر سمجھنا چاہیے، پیغمبروں کے درمیان بعض ایسے بھی پیغمبر تھے جو بچپن میں ہی فہم وکمال اور حقایق کے درک کرنے میں منزل کمال پر پہنچے تھے، اور اسی بچپن کے زمانے میں ان کے اندر یہ لیاقت موجود تھی کہ پروردگار عالم نے حکمت آمیز سخن اور بلند معارف الہیہ ان کو سکھایا، قرآن مجید میں جناب یحییٰ علیہ السلام کے متعلق بیان ہوا ہے:

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝

اے یحییٰ کتاب (توریت) مضبوتی کے ساتھ لو اور ہم نے انہیں بچپن ہی میں اپنی بارگاہ سے حکمت عطا کی جب کہ وہ بچے تھے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس آیت میں حکمت سے مراد نبوت ہے اور بعض لوگوں کا احتمال یہ ہے کہ حکمت سے مراد معارف الٰہی ہے۔ بہر حال جو بھی مراد ہو لیکن آیت کے مفہوم سے واضح ہے کہ انبیاء اور اولیاء الٰہی ایک خاص استعداد اور فوق العادہ قابلیت کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، اور ان کا بچپن دوسروں کے بچپن سے الگ ہوتا ہے،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ولادت کے دن ہی خدا کے حکم سے لوگوں سے گفتگو کی اور کہا: بے شک میں خدا کا بندہ ہوں، مجھ کو اُسی نے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھ کو نبی بنایا۔ [۲]

معصومین علیہم السلام کے حالات زندگی میں بھی ہم پڑھتے ہیں کہ ان لوگوں نے بچپن کے زمانے میں عقلی، فلسفی اور فقہی بحثوں کے مشکل سے مشکل مسئلوں کا جواب دیا ہے۔ [۳]

جی ہاں نیک لوگوں کے کاموں کو اپنے کاموں سے قیاس نہ کریں۔ اور اپنے بچوں کے فہم وادراک کو پیغمبروں اور اولیاء الٰہی کے بچپن کے زمانے سے قیاس نہ کریں۔ [۴]

---

[۱] عقد الفرید، ج ۳، ص ٤٣۔ اسحاق کے بعد جاحظ نے کتاب العثمانیہ میں اشکال کیا ہے اور ابو جعفر اسکافی نے کتاب نقض العثمانیہ میں اس اعتراض کا تفصیلی جواب دیا ہے اور ان تمام بحثوں کو ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ کی شرح ج ۱۳ ص ۲۱۸ سے ص ۲۹۵ پر لکھا ہے۔

[۲] سورۂ مریم، آیت ۱۲

[۳] بطور مثال وہ مشکل سوالات جو ابو حنیفہ نے امام موسیٰ کاظم سے اور یحییٰ ابن اکثم نے امام جواد سے کیے تھے۔ اور جو جوابات ان لوگوں نے سنا وہ آج بھی حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

[۴] امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: لَا يُقَاسُ بِآلِ مُحَمَّدٍ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَحَدٌ۔ اس امت کے کسی بھی فرد کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزندوں اور خاندان سے موازنہ نہ کرو۔ نہج البلاغہ، خطبہ دوم

دوسری فصل

حضرت علی علیہ السلام کے فضائل وکمالات بیان کرنے پر پابندی

تاریخ انسانیت میں بہت ہی کم شخصیتیں مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام جیسی ہوں گی جن کے دوست اور دشمن دونوں نے مل کر ان کے فضائل وکمالات کو چھپائے ہوں گے اس کے باوجود ان کے فضائل وکمالات سے عالم پُر ہے۔

دشمن نے ان سے عداوت ودشمنی کو اپنے دل میں بٹھا رکھا، اور حسد وکینہ کی وجہ سے ان کے بلند وبافضیلت مقامات اور کمالات کو لوگوں سے چھپایا، اور دوست نے جو انہیں دل وجان سے چاہتا اور محبت کرتا ہے وہ دشمنوں کے شکنجے اور جان کے خوف کی وجہ سے ان کے فضائل وکمالات کو چھپایا، ان کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہ تھا کہ اپنے لبوں کو جنبش نہ دیں اور ان سے محبت والفت کا اظہار نہ کریں اور ان کے متعلق اصلاً گفتگو نہ کریں۔

خاندان بنی امیہ کے افراد ہمیشہ اس بات پر کوشاں رہتے تھے کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو علی اور ان کے خاندان کے فضائل کو مٹا دیا جائے۔

بس اتنا کہنا ہی کافی تھا کہ یہ علی کا چاہنے والا ہے بنی امیہ کے حکومتی سپاہیوں میں سے دو آدمی گواہی دیتے تھے کہ یہ علی کا چاہنے والا ہے اور فوراً ہی اس کا نام حکومت میں کام کرنے والوں کی فہرست سے حذف کر دیا جاتا تھا، اور بیت المال سے اس کا وظیفہ بند کر دیا جاتا تھا، معاویہ اپنے گورنروں اور حاکموں کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے: اگر کسی شخص کے لئے معلوم ہو جائے کہ وہ علی اور ان کے خاندان سے محبت رکھنے والا ہے تو اس کا نام کام کرنے والوں کی فہرست سے خارج کر دو، اور اس کا وظیفہ ختم کر دو اور اسے تمام سہولتوں سے محروم کر دو۔ [1]

پھر معاویہ اپنے دوسرے حکم نامہ میں سختی اور تاکید سے حکم دیتا ہے کہ: جو بھی علی اور ان کے خاندان سے دوستی کا دم بھرتا ہے اس کے ناک اور کان کو کاٹ ڈالو اور ان کے گھر کو ویران کر دو۔ [2]

اس فرمان کے نتیجے میں، عراق کی عوام خصوصاً اہل کوفہ اس قدر ڈرے اور سہمے کہ شیعوں میں سے کوئی بھی ایک شخص معاویہ کے جاسوسوں کی وجہ سے اپنے راز کو اپنے دوستوں تک سے بیان نہیں کر سکتا تھا مگر یہ کہ پہلے قسم لے لیتا تھا کہ اس کے

---

[1] اُنظروا الی من قامت علیہ البینتہ انہ یحب علیاً واھل بیتہ فامحوہ من الدیوان واسقطوا اعطائہ ورزقہ

[2] من اتھمتموہ بموالات ھولاء فنکلوا بہ واھدموا دارہ

رازکو فاش نہ کرنا۔ [۱]

اسکافی اپنی کتاب نقض عثمانیہ میں لکھتے ہیں:

بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومت، مولائے کائنات کے فضل وکمالات کے متعلق بہت زیادہ حساس تھی اوران کے فضائل کوروکنے اورمشہور نہ ہونے کے لئے اس نے اپنے فقہاء ومحدثین اور قاضیوں کو اپنے پاس بلایا اور بہت سختی سے منع کیا کہ اپنی اپنی کتابوں میں علی کے فضائل وکمالات کو نقل نہ کریں، اس وجہ سے بہت سے محدثین مجبور تھے کہ امام کے فضائل وکمالات کو اشارے اور کنایہ کے طور پر نقل کریں اور یہ کہیں کہ قریش کے فلاں آدمی نے ایسا کیا ہے۔

معاویہ نے تیسری مرتبہ سرزمین اسلامی پر پھیلے ہوئے اپنے سیاسی نمائندوں کو خط لکھا کہ علی کے شیعوں کی گواہی کسی بھی مسئلے میں قبول نہ کریں۔

لیکن اس کا یہ حکم بہت زیادہ مفید ثابت نہ ہوا جو علی وخاندان کے فضائل کو منتشر ہونے سے روک پاتا، اس وجہ سے معاویہ نے چوتھی مرتبہ اپنے گورنر کو لکھا کہ جو لوگ عثمان کے فضائل ومناقب کو نقل کریں ان کا احترام کرواوران کا نام اور پتہ میرے پاس روانہ کروتا کہ ان کی عظیم خدمات کا صلہ انہیں دیا جاسکے۔

یہ ایک ایسی خوشخبری تھی جو اس بات کا سبب بنی کہ تمام شہروں میں عثمان کے جعلی فضائل ومناقب گڑھے جانے لگے اور یہ فضائل نقل کرنے والے عثمان کے فضائل کے متعلق حدیثیں لکھ لکھ کر مالدار بننے لگے، اور یہ سلسلہ بڑی تیزی سے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ خود معاویہ اس بے اساس اور جھوٹے فضائل کے مشہور ہونے کی وجہ سے بہت ناراض ہوا اوراس مرتبہ حکم دیا کہ عثمان کے فضائل بیان نہ کیئے جائیں۔ اور خلیفہ اول اور دوم اور دوسرے صحابہ کے فضائل بیان کئے جائیں اور اگر کوئی محدث ابوتراب کی فضیلت میں کوئی حدیث نقل کرے تو فوراً اسی سے مشابہ ایک فضیلت پیغمبر کے دوسرے صحابیوں کے بارے میں گڑھ دیا جائے اور اسے لوگوں کے درمیان بیان کیا جائے کیونکہ یہ کام شیعوں کی دلیلوں کو بے اثر کرنے کیلئے بہت مؤثر ہے [۲]

مروان بن حکم ان لوگوں میں سے تھا جس کا یہ کہنا تھا کہ علی نے عثمان کا جو دفاع کیا تھا ایسا دفاع کسی نے نہیں کیا۔ اس کے باوجود ہمیشہ امام پر لعنت وملامت کرتا تھا۔ جب اس پر اعتراض کیا گیا کہ تم علی کے بارے میں جب ایسا عقیدہ رکھتے ہو تو پھر کیوں انہیں برا بھلا کہتے ہو تو اس نے جواب دیا: میری حکومت صرف علی کو برا بھلا کہنے اوران پر لعنت کرنے کی وجہ سے ہی محکم اور مستحکم ہوگی، اوران میں سے بعض لوگ ایسے بھی تھے جو حضرت علی علیہ السلام کی پاکیزگی اور طہارت اور عظمت وجلالت کے کے قائل تھے لیکن اپنے مقام ومنصب کی بقا کے لئے حضرت علی علیہ السلام اوران کے بچوں کو برا بھلا کہتے تھے۔

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۱۔ ص ٤٥۔ ٤٤

[۲] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳۔ ص ۱٥

عمر بن عبد العزیز کہتے ہیں:

میرے باپ مدینہ کے حاکم اور مشہور خطیب اور بہت بہادر تھے، اور نماز جمعہ کا خطبہ بہت ہی فصیح و بلیغ انداز سے دیتے تھے، لیکن حکومت معاویہ کے فرمان کی وجہ سے مجبور تھے کہ خطبۂ جمعہ کے درمیان علی اوران کے خاندان پر لعنت کریں، لیکن جب گفتگو اس مرحلے تک پہنچی تو اچانک ان کی زبان لکنت کرنے لگتی اوران کے چہرہ کا رنگ تبدیل ہونے لگتا اور خطبہ سے فصاحت وبلاغت ختم ہو جاتی تھی۔ میں نے اپنے باپ سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا جو کچھ میں علی کے بارے میں جانتا ہوں اگر دوسرے بھی وہی جانتے تو کوئی بھی میری پیروی نہیں کرتا اور میں علی کے تمام فضائل وکمالات اور معرفت کے بعد بھی انہیں برا بھلا کہتا ہوں، کیونکہ آل مروان کی حکومت کو بچانے کیلئے میں مجبور ہوں کہ ایسا کروں [1]

بنی امیہ کی اولاد کا دل علی کی دشمنی سے لبریز تھا، جب کچھ حقیقت پسند افراد نے معاویہ کو نصیحت کی کہ اس کام سے باز آجائے تو معاویہ نے کہا کہ میں اس مشن کو اس حد تک جاری رکھوں گا کہ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے یہ فکر لئے ہوئے بڑے ہو جائیں اور ہمارے بزرگ اسی حالت میں بوڑھے ہو جائیں۔

حضرت علی علیہ السلام کو ساٹھ سال تک منبروں، نشستوں میں وعظ ونصیحت اور خطباء کے ذریعے، اور درس وتدریس کے ذریعے، خطباء اور محدثین کے درمیان معاویہ کے حکم سے برا بھلا کہا جاتا رہا اور یہ سلسلہ اس قدر مفید ومؤثر ہوا کہ کہتے ہیں کہ ایک دن حجاج نے کسی مرد سے غصہ میں بات کی اور وہ شخص قبیلۂ بنی ازد کا رہنے والا تھا، اس نے حجاج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے امیر! مجھ سے اس انداز سے بات نہ کرو، ہم با فضیلت لوگوں میں سے ہیں۔ حجاج نے اس کے فضائل کے متعلق سوال کیا اس نے جواب دیا کہ ہمارے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ ہم سے تعلقات بڑھائے تو سب سے پہلے ہم اس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا وہ ابوتراب کو دوست رکھتا ہے یا نہیں؟!

اگر وہ تھوڑا بہت بھی ان کا چاہنے والا ہوتا ہے تو ہرگز ہم اس سے تعلقات ورابطہ برقرار نہیں کرتے۔ علی اوران کے خاندان سے ہماری دشمنی اس حد تک ہے کہ ہمارے قبیلے میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ملے گا کہ جس کا نام حسن یا حسین ہو اور کوئی بھی لڑکی ایسی نہیں ملے گی جس کا نام فاطمہ ہو۔ اگر ہمارے قبیلے کے کسی بھی شخص سے یہ کہا جائے کہ علی سے کنارہ کشی اختیار کرو تو فوراً اس کے بچوں سے بھی دوری اختیار کر لیتا ہے۔ [2]

خاندان بنی امیہ کے لوگوں نے مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے فضائل کو پوشیدہ رکھا اوران کے مناقب سے انکار کیا اور اتنا برا بھلا کہا کہ بزرگوں اور جوانوں کے دلوں میں رسوخ کر گیا اور لوگ حضرت علی علیہ السلام کو برا کہنا ایک مستحب عمل سمجھنے لگے۔ اور بعض لوگوں نے اسے اپنا اخلاقی فریضہ سمجھا۔ جب عمر بن عبد العزیز نے چاہا کہ اسلامی معاشرے کے دامن پر

---

[1] شرح نہج البلاغہ ج ۱۳۔ ص ۲۲۱۔

[2] فرحۃ الغری، مولف، مرحوم سید ابن طاؤوس طبع نجف، ص ۱۲۔ ۱۳۔

لگے اس بدنما داغ کو پاک کرے، تو بنی امیہ کی روٹیوں پر پلنے والے کچھ لوگوں نے نالہ وفریاد بلند کرنا شروع کردیا کہ خلیفہ، اسلامی سنت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود اسلامی تاریخ کے اوراق آج بھی گواہی دے رہے ہیں کہ بنی امیہ کے بدخصالوں نے جو نقشہ کھینچا تھا ان کی آروزئیں خاک میں مل گئیں اور ان کی مسلسل کوششوں نے توقع کے خلاف نتیجہ دیا اور فضائل ومناقب امامؑ اموی خطیبوں کے چھپانے کے باوجود سورج کی طرح چمکا، اور اس نے نہ صرف یہ کہ لوگوں کے دلوں میں حضرت علی علیہ السلام کی محبت کو بیدار کیا بلکہ یہ سبب بنا کہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں بہت زیادہ تلاش وجستجو کریں اور امام کی شخصیت پر سیاست کی عینک اتار کر قضاوت کریں، یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر کا پوتا عامر جو خاندان علی کا دشمن تھا اپنے بیٹے کو وصیت کرتا ہے کہ علی کو برا کہنے سے باز آجائے کیونکہ بنی امیہ نے ساٹھ سال تک منبروں سے علی پر سب وشتم کیا لیکن نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا بلکہ حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت اور بھی اجاگر ہوتی گئی اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت اور بھی بڑھتی گئی۔ [1]

پہلا مددگار

مولائے کائنات کے فضائل کا چھپانا اور ان کے مسلم حقائق کے بارے میں منصفانہ تحلیل تحلیل نہ کرنا صرف بنی امیہ کے زمانے سے مخصوص نہیں تھا بلکہ بشریت کے اس نمونۂ کامل ہمیشہ ہتک کی متعصب مؤرخین نے مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے خاندان اور ان کے حق پر حملہ کرنے سے گریز نہیں کیا ہے۔ اور آج بھی جب کہ اسلام آئے ہوئے چودہ صدیاں گزر گئیں وہ لوگ جو اپنے کوئی نسل کا رہبر اور روشنفکر تصور کرتے ہیں اپنے زہریلے قلم کے ذریعے اموی مقاصد کی مدد کرتے ہیں اور مولائے کائنات کے فضائل ومناقب پر پردہ ڈالتے ہیں جس کی ایک واضح مثال یہ ہے:

غار حرا میں پہلی مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر وحی الٰہی کا نزول ہوا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منصب رسالت ونبوت پر فائز ہوئے، وحی کے فرشتے نے اگرچہ آپ کو مقام رسالت سے آگاہ کردیا لیکن اعلان رسالت کا وقت معین نہیں کیا، لہٰذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سال تک عمومی اعلان سے گریز کیا اور جب بھی راستے میں شائستہ اور معتبر افراد سے ملاقات ہوتی یا خصوصی ملاقات ہوتی تو ان کو اس نئے قوانین الٰہی سے روشناس کراتے اور چند گروہ کو اس نئے قانون الٰہی کی دعوت دیتے، یہاں تک کہ وحی کا فرشتہ نازل ہوا اور خداوند عالم کی طرف سے حکم دیا کہ اے پیغمبر اپنی رسالت کا اعلان اپنے رشتے داروں اور دوستوں کے ذریعے شروع کریں۔:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۳، ص۲۲۱

اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ [1]

اور اے رسول! تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب خدا سے) ڈراؤ اور جو مومنین تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان کے سامنے اپنا بازو جھکاؤ (تواضع کرو) پس اگر لوگ تمہاری نافرمانی کریں تو تم (صاف صاف) کہہ دو کہ میں تمہارے کرتوتوں سے بری الذمہ ہوں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمومی دعوت کا اعلان رشتہ داروں سے شروع ہونے کی علت یہ ہے کہ جب تک نمائندۂ الٰہی کے قریبی اور نزدیکی رشتہ دار ایمان نہ لائیں اور اس کی پیروی نہ کریں اس وقت تک غیر افراد اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اس کے قریبی افراد اس کے تمام حالات و اسرار اور تمام کمالات و معایب سے آگاہ ہوتے ہیں، لہٰذا اعزہ و احباب کا ان کی رسالت پر ایمان لانا ان کی صداقت کی نشانی شمار ہوگا اور رشتہ داروں کا پیروی و اطاعت سے اعراض کرنا ان کی صداقت سے منہ پھیرنا ہے۔

اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی ہاشم کے ٤٥ بزرگوں کو دعوت پر مدعو کریں اور ان کے کھانے کیلئے گوشت اور دودھ کا انتظام کریں، تمام مہمان اپنے معین وقت پر پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لوگوں نے کھانا کھایا، پیغمبر کے چچا ابولہب نے ایک حقیر اور پست جملہ سے، بنے ہوئے ماحول کو خراب کر دیا اور لوگ منتشر ہو گئے اور بغیر کسی نتیجہ کے دعوت ختم ہوگئی اور لوگ کھانا کھا کر پیغمبر کے گھر سے نکل گئے۔

پیغمبر نے پھر دوسرے دن اسی طرح کی دعوت کا اہتمام کرنے اور ابولہب کے علاوہ تمام لوگوں کو دعوت دینے کا ارادہ کیا اور پھر حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر کے حکم سے گوشت اور دودھ کھانے کے لئے آمادہ کیا اور بنی ہاشم کی مشہور و معروف شخصیتوں کو کھانے اور پیغمبر کی گفتگو سننے کے لئے دعوت دی، تمام مہمان اپنے معین وقت پر حاضر ہوئے اور کھانے وغیرہ کی فراغت کے بعد پیغمبر نے اپنی گفتگو کا آغاز یوں کیا:

خدا کی قسم میں لوگوں کو راہ راست پر لانے میں غلط بیانی سے کام نہ لوں گا میں (برفرض محال) اگر دوسروں سے غلط بیانی سے کام لوں تو بھی تم سے غلط نہیں کہوں گا اگر دوسروں کو دھوکہ دوں تو تمہیں دھوکا نہیں دوں گا، خدا کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں میں تمہاری طرف اور تمام عالم کی ہدایت کے لئے اسی کی طرف سے بھیجا گیا ہوں، ہاں، آگاہ ہو جاؤ، جس طرح تم سوجاتے ہو ویسے ہی مر جاؤ گے اور جس طرح سو کر اٹھتے ہو ویسے ہی زندہ کئے جاؤ گے، اچھے اعمال انجام دینے والوں کو ان کا اجر دیا جائے گا اور برے اعمال انجام دینے والے اپنے عمل کا نتیجہ پائیں گے، اور نیک اعمال کرنے والوں کے لئے جنت ہمیشگی کا گھر ہے اور برے کام کرنے والوں کے لئے جہنم آمادہ ہے۔

---

[1] سورۂ شعراء، آیت ٢١٦-٢١٤

کوئی بھی شخص اپنے اہل وعیال کے لئے مجھ سے اچھی چیز نہیں لا یا ہے میں تمہاری دنیا وآخرت کے لئے بھلائی لے کر آیا ہوں میرے خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی طرف دعوت دوں تم میں سے کون ہے جو اس راہ میں میری مدد کرے تا کہ وہ میرا بھائی، وصی اور تمہارے درمیان میرا نمائندہ ہو؟

آپ نے یہ جملہ کہا اور تھوڑی دیر خاموش رہے تا کہ دیکھیں کہ حاضرین میں سے کون ہمیشہ نصرت ومدد کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے مگر اس وقت خاموشی نے ان پر حکومت کر رکھی تھی اور سب کے سب اپنے سروں کو جھکائے فکروں میں غرق تھے۔

یکا یک حضرت علی علیہ السلام جن کی عمر پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی، اس خاموشی کے ماحول کو شکست دے کر اٹھے اور پیغمبر سے مخاطب ہو کر کہا: اے پیغمبر خدا، میں آپ کی اس راہ میں نصرت ومدد کروں گا پھر اپنے ہاتھوں کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھایا تا کہ اپنے عہد وپیمان کی وفاداری کا ثبوت پیش کریں۔

پیغمبر نے حکم دیا کہ اے علی بیٹھ جاؤ اور پھر اپنے سوال کو ان لوگوں کے سامنے دہرایا، پھر علی اٹھے اور نصرت پیغمبر کا اعلان کیا، اس مرتبہ بھی پیغمبر نے حکم دیا کہ علی بیٹھ جاؤ، تیسری مرتبہ پھر مثل سابق علی کے علاوہ کوئی دوسرا نہ اٹھا اور صرف علی نے اٹھ کر پیغمبر کی نصرت اور محافظت کا اعلان کیا۔ اس موقع پر پیغمبر نے اپنے ہاتھ کو علی کے ہاتھ میں دیا اور حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں بزرگان بنی ہاشم کی بزم میں اپنے تاریخی کلام کا آغاز اس طرح سے کیا۔

اے میرے رشتہ دارو اور دوستو، جان لو کہ علی میرا بھائی میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا جانشین وخلیفہ ہے

سیرہ حلبی کی نقل کی بنا پر۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جملے کے علاوہ دو اور باتیں اس کے ساتھ بیان کیں کہ: وہ میرا وزیر اور میرا بھائی ہے۔

اس طریقے سے پر خاتم النبیین کے توسط سے اسلام کے سب سے پہلے وصی کا تعیّن، اعلان رسالت کے آغاز پر اس وقت ہوا جب بہت ہی کم لوگ اس قانون الٰہی کے پیرو تھے،

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی موقع پر اپنی نبوت اور حضرت علی علیہ السلام کی امامت کا اعلان کر کے۔ یہ ثابت کر دیا کہ نبوت وامامت دو ایسے مقام ہیں جو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں اور امامت تکمیل نبوت ورسالت ہے۔

اس تاریخی واقعہ کے مدارک:

شیعہ اور غیر شیعہ محدثین اور مفسرین نے اس تاریخی واقع کو بغیر کسی کمی وزیادتی کے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے [1] اور امام کے اہم فضائل ومناقب میں شمار کیا ہے اہلسنت کے صرف ایک مشہور مورخ ابن تیمیہ دمشقی نے جو اہلبیت علیہم السلام کے

[1] تفسیر سورہ شعراء آیت نمبر ۲۱٤ کی طرف رجوع کریں

بارے میں ہر حدیث سے انکار کرنے میں مہارت رکھتے ہیں اس سند کورد کیا ہے اوراس سند کوجعلی قرار دیا ہے۔

انہوں نے نہ صرف اس حدیث کوجعلی اور بے اساس قرار دیا ہے بلکہ امام کے خاندان کے سلسلے میں خاص نظریہ رکھنے کی وجہ سے اکثر ان حدیثوں کو جو خاندان رسالت کے فضائل ومناقب میں بیان ہوئیں ہیں اگر چہ وہ حدتواتر تک پہنچ چکی ہوں جعلی اور بے اساس قرار دیا ہے۔

تاریخ الکامل پر حاشیہ لگانے والے نے اپنے استاد کہ جن کا نام پوشیدہ رکھا ہے، سے نقل کیا ہے کہ میرے استاد نے بھی اس حدیث کوجعلی قرار دیا ہے (شاید ان کا استاد بھی ابن تیمیہ کی فکروں پر چلنے والا تھا، یا یہ کہ اس سند کو خلفاء ثلاثہ کی خدمت کے مخالف جانا ہے اس لئے جعلی قرار دیا ہے)، پھر وہ خود عجیب انداز سے اس حدیث کے مفہوم کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلام میں امام کا وصی ہونا، بعد میں ابوبکر کی خلافت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اس دن علی کے علاوہ کوئی مسلمان نہ تھا جو پیغمبر کا وصی ہوتا۔

ایسے افراد سے بحث ومباحثہ کرنا فضول ہے۔ ہمارا اعتراض ان لوگوں ہے جنہوں نے اس حدیث کو اپنی بعض کتابوں میں تفصیل سے اور بعض کتابوں میں مختصر اور مجمل طریقے سے ذکر کیا ہے، یعنی ایک طرح سے حقیقت بیان کرنے سے چشم پوشی کی ہے، یا ہمارا اعتراض ان افراد پر ہے جن لوگوں نے اس حدیث کو اپنی کتاب کے پہلے ایڈیشن میں تو شامل کیا لیکن اسکے بعد کے ایڈیشن میں کسی دباؤ اور خوف وہراس سے حذف کردیا ہے۔ یہاں پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد امام کے حقوق وفضائل کو پوشیدہ اور چھپایا گیا ہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

اب یہاں پر ہم اس بات کی تشریح کررہے ہیں۔

تاریخی حقایق کا تجزیہ:

محمد بن جریر طبری جو تاریخ اسلام کا ایک عظیم مؤرخ ہے، اس نے اپنی تاریخ طبری میں اس تاریخی فضیلت کو معتبر سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے [۱] لیکن جب اپنی تفسیر [۲] میں اس آیت وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ پر پہنچتا ہے تو اس سند کو توڑ مروڑ کر مجمل اور مبہم نقل کرتا ہے جس کی وجہ تعصب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

اس کے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت ختم ہونے کے بعد حاضرین کو مخاطب کر کے پوچھا تھا:

فأیکم یوازرنی علیٰ ان یکون أخی و وصیّی وخلیفتی؟

---

[۱] اس تاریخی فضیلت کو ان کتابوں نے نقل کیا ہے، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱٦، تفسیر طبری ج ۱۹ ص ۷٤، کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲٤، شرح شفای قاضی عیاض ج ۳ ص ۳۷، سیرۂ حلبی ج ۱ ص ۳۲۱ و۔۔۔اس حدیث کو تاریخ وتفسیر لکھنے والوں نے دوسرے طریقے سے بھی نقل کیا ہے جن کو ہم یہاں نقل کرنے سے پرہیز کررہے ہیں۔

[۲] تفسیر طبری، ج ۱۹، ص ۷٤

لیکن طبری نے اس سوال کو اس طرح نقل کیا ہے۔

فأيكم يوازرني على ان يكون أخي و كذا و كذا؟!

تعجب کی بات نہیں ہے کہ دو کلمہ وصی و خلیفتی کو تبدیل کر کے مبہم اور مجمل الفاظ کو اس کی جگہ پر ذکر کرنا سوائے تعصب اور خلیفہ کے مقام و منزلت کو گھٹانے کے کچھ نہیں ہے۔

اس نے نہ صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سوال میں تحریف کیا ہے، بلکہ حدیث کا دوسرا حصہ جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ ان هذا اخي و وصيّي و خليفتي بھی بدل ڈالا ہے، اور دو ایسے الفاظ جو مولائے کائنات امیر المومنین کی بلافصل خلافت پر واضح دلیل تھے کو ایسے لفظوں یعنی کذا و کذا سے بدل دیا ہے جو غیر معروف اور غیر مشہور ہیں۔

ابن کثیر شامی جس کی تاریخ کی اساس تاریخ طبری ہے، لیکن جب اس سند تک پہنچا ہے تو تاریخ طبری کو چھوڑ کر طبری کی تفسیر کی روش کی پیروی کی اور وہ بھی مبہم اور مجمل طریقے سے۔ ان تمام چیزوں سے بدتر وہ تحریف ہے جسے اس زمانے کے روشن فکر اور مصر کے مشہور مورخ ڈاکٹر محمد حسنین ہیکل نے اپنی کتاب حیات محمد میں کیا ہے اور خود اپنی کتاب کے معتبر ہونے پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔

کیونکہ اولاً انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دو حساس جملے کو جو دعوت کے آخر میں پیغمبر نے بعنوان سوال فرمایا تھا اس کو نقل کیا ہے لیکن اس دوسرے جملے کو جو پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ تو میرا بھائی، وصی اور میرا خلیفہ ہے کو بالکل حذف کر دیا اور اس کا تذکرہ تک نہیں کیا۔

ثانیاً اپنی کتاب کے دوسرے اور تیسرے ایڈیشن میں اپنا تعصب کچھ اور بھی دکھایا اور اس حدیث کے پہلے حصے کو بھی حذف کر دیا۔ گویا متعصب افراد نے انہیں اس پہلے جملے کو نقل کرنے پر ہی بہت ملامت کی، اور اس کتر بیونت کی وجہ سے ناقدین تاریخ کو تنقید کا موقع دیا، اور اپنی کتاب کے اعتبار کو گرا دیا۔

اسکافی کا بیان

اسکافی نے اپنی مشہور و معروف کتاب میں اس تاریخی فضیلت کا تذکرہ کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے باپ، چچا اور بنی ہاشم کی بزرگ شخصیتوں کے سامنے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عہد و پیمان باندھا کہ ہم آپ کی مدد کریں گے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں اپنا بھائی، وصی اور خلیفہ قرار دیا۔ اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

وہ افراد جو یہ کہتے ہیں کہ امام بچپن میں ہی صاحب ایمان تھے، اور یہ وہ زمانہ ہوتا ہے کہ جب بچہ اچھے اور برے میں تمیز نہیں کر پاتا، اس تاریخی فضیلت کے سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟!

کیا یہ ممکن ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کثیر تعداد میں موجود افراد کے کھانے کا انتظام ایک بچے کے حوالے کریں؟

یا ایک چھوٹے بچے کو حکم دیں کہ بزرگان کو کھانے پر مدعو کرے؟

کیا یہ بات صحیح ہے کہ پیغمبر ایک نابالغ بچے کو راز نبوت بتائیں اور اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ میں دیں اور اسے اپنا بھائی، وصی اور اپنا خلیفہ لوگوں کے لئے معین کریں؟!

بالکل نہیں! بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اس دن جسمانی قوت اور فکری لحاظ سے اس حد پر پہنچ چکے تھے کہ ان کے اندر ان تمام کاموں کی صلاحیت موجود تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس بچے نے کبھی بھی دوسرے بچوں سے انسیت نہ رکھی اور نہ ان کے گروہ میں شامل ہوئے اور نہ ہی ان کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہوئے، بلکہ جس وقت سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نصرت و مدد اور فداکاری کا پیمان باندھا تو اپنے کئے ہوئے وعدے پر قائم و مستحکم رہے اور ہمیشہ اپنی گفتار کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار میں ڈھالتے رہے اور پوری زندگی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مونس و ہمدم رہے۔

وہ نہ صرف اس موقع پر پہلے شخص تھے جو سب سے پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر اپنے ایمان کا اظہار کیا، بلکہ اس وقت بھی جب کہ قریش کے سرداروں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ اپنے وعدے میں سچے ہیں اور آپ کا رابطہ خدا سے ہے تو کوئی معجزہ دکھائیں (یعنی حکم دیں کہ خرمے کا درخت یہاں سے اکھڑ کر آپ کے سامنے کھڑا ہوجائے) تو اس وقت بھی علی وہ واحد شخص تھے جو تمام لوگوں کے انکار کرنے کے باوجود اپنے ایمان کا لوگوں کے سامنے اظہار کیا۔[1]

امیر المومنین علیہ السلام نے قریش کے سرداروں کے معجزہ طلبی کے واقعے کو اپنے ایک خطبہ میں نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے کہا: اگر خدا ایسا کرے تو کیا خدا کی وحدانیت اور میری رسالت پر ایمان لاؤ گے؟ سب نے کہا: ہاں یا رسول اللہ۔

اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی اور خدا نے ان کی دعا کو قبول کیا اور درخت اپنی جگہ سے اکھڑ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بڑے ادب سے کھڑا ہوگیا۔ معجزہ طلب کرنے والے سرداروں نے کفر وعناد و عداوت کی راہ اختیار کی اور تصدیق کرنے کے بجائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر کے خطاب سے نوازا، اور میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھڑا تھا، میں نے ان کی طرف رخ کر کے کہا: اے پیغمبر! میں وہ پہلا شخص ہوں جو آپ کی رسالت پر ایمان لایا، اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ درخت نے اس کام کو خدا کے حکم سے انجام دیا ہے تاکہ آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اور آپ کے قول کو سچا کر دکھائے۔

اس وقت میرا یہ اعتراف کرنا اور تصدیق کرنا ان لوگوں پر گراں گزرا، ان لوگوں نے کہا کہ تمہاری تصدیق علی کے علاوہ کوئی نہیں کرے گا۔[2]

---

[1] النقض علی العثمانیہ ص ۲۵۲، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۳ ص ۲۴۴ و ۲۴۵، میں تذکرہ کیا ہے۔

[2] نہج البلاغہ عبدہ، خطبہ ۲۳۸ (قاصعہ)

تیسری فصل

بے مثال فداکاری

ہرانسان کے اعمال وکردار کا پتہ اس کے فکر اور عقیدے سے ہوتا ہے، اور قربانی اور فداکاری اہل ایمان کی علامت ہے۔ اگر انسان کا ایمان کسی چیز پر اس منزل تک پہنچ جائے کہ اسے اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز رکھے تو حقیقت میں اس چیز پر کبھی آنچ نہیں آنے دے گا۔ اور اپنی ہستی اور تمام کوششوں کو اس پر قربان کرے گا قرآن مجید نے اس حقیقت کو اس انداز سے بیان کیا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ [1]

سچے مومن تو بس وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انہوں نے اس میں سے کسی طرح کا شک وشبہ نہ کیا اور اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں

بعثت کے ابتدائی ایام میں مسلمانوں نے بہت زیادہ شکنجے اور ظلم و بربریت کو اپنی کامیابی کی راہ میں برداشت کیا تھا جس چیز نے دشمنوں کو خدا کی وحدانیت کے اقرار سے روک رکھا تھا وہی بیہودہ خاندانی عقائد اور اپنے خداؤں پر فخر ومباہات اور قوم پرستی پر تکبر وغرور اور ایک قبیلے کا دوسرے قبیلے والوں سے کینہ وعداوت تھیم یہ تمام موانع مکہ اور اطرافیان مکہ میں اسلام کے نشر واشاعت میں اس وقت تک رہے جب تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کرنہ لیا تھا اور صرف اسلام کی قدرت کاملہ سے ہی یہ تمام موانع ختم ہوئے۔

مسلمانوں پر قریش کی زیادتی سبب بنی کہ ان میں سے کچھ لوگ حبشہ اور کچھ لوگ مدینہ کی طرف ہجرت کریں، اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام جنہیں خاندان بنی ہاشم خصوصاً حضرت ابوطالب کی مکمل حمایت حاصل تھی لیکن جعفر بن ابی طالب مجبور ہوئے کہ بعثت کے پانچویں سال چند مسلمانوں کے ساتھ مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کریں اور ہجرت کے ساتویں سال (فتح خیبر کے سال) تک وہیں پر رہیں۔

بعثت کا دسواں سال پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بہت سخت تھا، جب آپ کے حامی اور پشت پناہ اور مربی اور عظیم

---

[1] سورۂ حجرات، آیت ۱۵

چچا کا انتقال ہو گیا۔ ابھی آپ کے چچا جناب ابوطالب کی وفات کو چند دن نہ گزرے تھے کہ آپ کی عظیم و مہربان بیوی حضرت خدیجہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ جس نے اپنی پوری زندگی اور جان و مال کو پیغمبر کے عظیم ہدف پر قربان کرنے پر کبھی دریغ نہیں کیا، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دو باعظمت حامیوں کی رحلت کی وجہ سے مکہ کے مسلمانوں پر بہت زیادہ ظلم و زیادتی ہونے لگی، یہاں تک کہ بعثت کے تیرہویں سال تمام قریش کے سرداروں نے ایک میٹنگ میں یہ طے کیا کہ توحید کی آواز کو ختم کرنے کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندان میں ڈال دیا جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے یا پھر کسی دوسرے ملک میں قید کر دیا جائے تا کہ یہ آواز توحید ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے، قرآن مجید نے ان کے ان تینوں ارادوں کا تذکرہ کیا ہے۔

ارشاد قدرت ہے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ [1]

اور (اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب کفار تم سے فریب کر رہے تھے تا کہ تم کو قید کر لیں یا تم کو مار ڈالیں یا تمہیں (گھر سے) باہر نکال دیں وہ تو یہ تدبیر کر رہے تھے اور خدا بھی (ان کے خلاف) تدبیر کر رہا تھا اور خدا تو سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔

قریش کے سرداروں نے یہ طے کیا کہ ہر قبیلے سے ایک شخص کو چنا جائے اور پھر یہ منتخب افراد نصف شب میں یکبارگی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر پر حملہ کریں اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور اس طرح سے مشرکین بھی ان کی تبلیغ اور دعوت حق سے سکون پا جائیں گے اور ان کا خون پورے عرب کے قبیلوں میں پھیل جائے گا۔ اور بنی ہاشم کا خاندان ان تمام قبیلوں سے جو اس خون کے بہانے میں شامل تھے جنگ و جدال نہیں کر سکتے، فرشتۂ وحی نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکوں کے اس برے ارادے سے باخبر کیا اور حکم خدا کو ان تک پہنچایا کہ جتنی جلدی ممکن ہو مکہ کو چھوڑ کر یثرب چلے جائیں۔

ہجرت کی رات آ گئی، مکہ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر رات کے اندھیروں میں چھپ گیا، قریش کے مسلح سپاہیوں نے چاروں طرف سے پیغمبر (ص) کے گھر کا محاصرہ کر لیا اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ضروری تھا کہ گھر کو چھوڑ کر نکل جائیں اور اس طرح سے جائیں کہ لوگ یہی سمجھیں کہ پیغمبر گھر میں موجود ہیں اور اپنے بستر پر آرام فرما رہے ہیں۔ لیکن اس کام کے لئے ایک ایسے بہادر اور جانباز شخص کی ضرورت تھی جو آپ کے بستر پر سوئے اور پیغمبر کی سبز چادر کو اس طرح اوڑھ کر سوئے کہ جو لوگ قتل کرنے کے ارادے سے آئیں وہ یہ سمجھیں کہ پیغمبر ابھی تک گھر میں موجود ہیں اور ان کی نگاہیں صرف پیغمبر کے گھر پر رہے اور گلی کوچوں اور مکہ سے باہر آنے جانے والوں پر پابندی نہ لگائیں، لیکن ایسا کون ہے جو اپنی جان کو نچھاور کرے اور پیغمبر کے بستر پر سو جائے؟ یہ بہادر شخص وہی ہے جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لایا اور ابتدائے بعثت سے ہی اس شمع حقیقی کا

---

[1] سورۂ انفال، آیت ۳۰

پروانہ کی طرح محافظ رہا، جی ہاں یہ عظیم المرتبت انسان حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نہ تھا اور یہ افتخار بھی اسی کے حصہ میں آیا، یہی وجہ ہے کہ پیغمبر نے حضرت علی علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: مشرکین قریش مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اور ان کا یہ ارادہ ہے کہ یک بارگی مل جل کر میرے گھر پر حملہ کریں اور مجھے بستر پر ہی قتل کردیں۔ خداوند عالم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مکہ سے ہجرت کرجاؤں۔ اس لئے ضروری ہے کہ آج کی شب تم میرے بستر پر سبز چادر کو اوڑھ کر سوجاؤ تا کہ وہ لوگ یہ تصور کریں کہ میں ابھی بھی گھر میں موجود ہوں اور اپنے بستر پر سو رہا ہوں اور یہ لوگ میرا پیچھا نہ کریں۔ حضرت علی علیہ السلام پیغمبر کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے ابتداءِ شب سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سو گئے۔

چالیس آدمی ننگی تلواریں لئے ہوئے رات بھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کئے رہے اور دروازے کے جھروکوں سے گھر کے اندر نگاہیں جمائے تھے اور گھر کے حالات کا سرسری طور پر جائزہ لے رہے تھے، ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ خود پیغمبر اپنے بستر پر آرام کر رہے ہیں۔ یہ جلاد صفت انسان مکمل طریقے سے گھر کے حالات پر قبضہ جمائے تھے اور کوئی چیز بھی ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں تھی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ دشمنوں کے اتنے سخت پہروں کے باوجود پیغمبر کس طرح سے اپنے گھر کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ بہت سے مؤرخین کا نظریہ ہے کہ پیغمبر اکرم جب گھر سے نکلے تو سورۂ یٰسین کی تلاوت کر رہے تھے۔[۱]

اور محاصرین کی صفوں کو توڑتے ہوئے ان کے درمیان سے اس طرح نکلے کہ کسی کو بھی احساس تک نہ ہوا۔ یہ بات قابل انکار نہیں ہے کہ مشیت الٰہی جب بھی چاہے پیغمبر کو بطور اعجاز اور غیر عادی طریقے سے نجات دے، کوئی بھی چیز اس سے منع نہیں کرسکتی۔ لیکن یہاں پر بات یہ ہے کہ بہت زیادہ قرینے اس بات کی حکایت کرتے ہیں کہ خدا اپنے پیغمبر کو معجزے کے ذریعے سے نجات نہیں دینا چاہتا تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ضروری نہیں تھا کہ حضرت علی علیہ السلام پیغمبر کے بستر پر سوتے اور خود پیغمبر غار ثور میں جاتے اور پھر بہت زیادہ زحمت ومشقت کے ساتھ مدینے کا راستہ طے کرتے۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ جس وقت پیغمبر اپنے گھر سے نکلے اس وقت تمام دشمن سو رہے تھے اور پیغمبر ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر چلے گئے، لیکن یہ نظریہ حقیقت کے برخلاف ہے، کیونکہ کوئی بھی عقلمند انسان یہ قبول نہیں کرسکتا کہ چالیس جلاد صفت انسانوں نے گھر کا محاصرہ صرف اس لئے کیا تھا کہ پیغمبر گھر سے باہر نہ جاسکیں تا کہ مناسب وقت اور موقع دیکھ کر انہیں قتل کریں اور وہ لوگ اپنے وظیفے کو اتنا نظر انداز کردیں کہ سب کے سب سے آرام سے سوجائیں۔

لیکن بعید نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ پیغمبر محاصرین کے درمیان سے ہو کر نکلے تھے۔[۲]

---

[۱] یہاں سورۂ یٰسین کی آٹھویں اور نویں آیتیں مراد ہیں۔

[۲] سیرۂ حلبی ج۲ ص۳۲

خانۂ وحی پر حملہ

قریش کے سپاہی اپنے ہاتھوں کو قبضۂ تلوار پر رکھے ہوئے اس وقت کے منتظر تھے کہ سب کے سب اس خانۂ وحی پر حملہ کریں اور پیغمبر کو قتل کر دیں جو بستر پر آرام کر رہے ہیں۔ وہ لوگ دروازے کے جھروکے سے پیغمبر کے بستر پر نگاہ رکھے تھے اور بہت زیادہ ہی خوشحال تھے اور اس فکر میں غرق تھے کہ جلدی ہی اپنی آخری آرزؤں تک پہنچ جائیں گے، مگر علی علیہ السلام بڑے اطمینان وسکون سے پیغمبر کے بستر پر سو رہے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خداوند عالم نے اپنے حبیب، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں کے شر سے نجات دیا ہے۔ دشمنوں نے پہلے یہ ارادہ کیا تھا کہ آدھی رات کو پیغمبر کے گھر پر حملہ کریں گے لیکن کسی وجہ سے اس

ارادے کو بدل دیا اور یہ طے کیا کہ صبح کو پیغمبر کے گھر میں داخل ہوں گے اور اپنے مقصد کی تکمیل کریں گے۔

رات کی تاریکی ختم ہوئی اور صبح صادق نے افق کے سینے کو چاک کیا۔ دشمن برہنہ تلواریں لئے ہوئے یکبارگی پیغمبر کے گھر پر حملہ آور ہوئے اور اپنی بڑی اور اہم آرزوؤں کی تکمیل کی خاطر بہت زیادہ خوشحال پیغمبر کے گھر میں وارد ہوئے، لیکن جب پیغمبر کے بستر کے پاس پہنچے تو پیغمبر کے بجائے حضرت علی علیہ السلام کو ان کے بستر پر پایا، ان کی آنکھیں غصے سے لال ہوگئیں اور تعجب نے انہیں قید کرلیا۔ حضرت علی علیہ السلام کی طرف رخ کر کے پوچھا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہیں؟

آپ نے فرمایا: کیا تم لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرے حوالے کیا تھا جو مجھ سے طلب کر رہے ہو؟

اس جواب کو سن کر غصے سے آگ بگولہ ہوگئے اور حضرت علی علیہ السلام پر حملہ کر دیا اور انہیں مسجد الحرام لے آئے، لیکن تھوڑی جستجو و تحقیق کے بعد مجبور ہو کر آپ کو آزاد کر دیا، وہ غصے میں بھنے جا رہے تھے، اور ارادہ کیا کہ جب تک پیغمبر کو قتل نہ کرلیں گے آرام سے نہ بیٹھیں گے۔ [۱]

قرآن مجید نے اس عظیم اور بے مثال فداکاری کو ہمیشہ اور ہر زمانے میں باقی رکھنے کے سلسلے میں حضرت علی علیہ السلام کی جانبازی کو سراہا ہے اور انہیں ان افراد میں شمار کیا ہے جو لوگ خدا کی مرضی کی خاطر اپنی جان تک کو نچھاور کر دیتے ہیں:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ

اور لوگوں میں سے خدا کے بندے کچھ ایسے ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور خدا ایسے بندے پر بڑا ہی شفقت والا ہے۔ [۲]

---

[۱] تاریخ طبری ج ۲ ص ۹۷

[۲] سورۂ بقرہ، آیت ۲۰۷

بنی امیہ کے زمانے کے مجرم

بہت سارے مفسرین نے اس آیت کی شان نزول کولیلۃ المبیت سے مخصوص کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں اسی مناسبت سے نازل ہوئی ہے۔[1]

سمرہ بن جندب، بنی امیہ کے زمانے کا بدترین مجرم صرف چار لاکھ درہم کی خاطر اس بات پر راضی ہو گیا کہ اس آیت کے نزول کو حضرت علی علیہ السلام کی شان میں بیان نہ کر کے لوگوں کے سامنے اس سے انکار کر دے اور مجمع عام میں یہ اعلان کر دے کہ یہ آیت عبدالرحمن بن ملجم کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ اس آیت کو علی کے بارے میں نازل ہونے سے انکار کیا، بلکہ ایک دوسری آیت جو منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی اس کو حضرت علی علیہ السلام سے مخصوص کر دیا[2] کہ یہ آیت ان کی شان میں نازل ہوئی ہے وہ آیت یہ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ[3]

اے رسول! بعض لوگ (منافقین سے ایسے بھی ہیں) جن کی (چکنی چپڑی) باتیں (اس ذراسی) دنیوی زندگی میں تمہیں بہت بھاتی ہیں اور وہ اپنی دلی محبت پر خدا کو گواہ مقرر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ (تمہارے) دشمنوں میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہیں۔

اس طرح سے حقیقت پر پردہ ڈالنا اور تحریف کرنا ایسے مجرم سے کوئی بعید نہیں ہے۔ وہ عراق میں ابن زیاد کی حکومت کے وقت بصرہ کا گورنر تھا، اور خاندان اہلبیت سے بغض و عداوت رکھنے کی وجہ سے ۸ ہزار آدمیوں کو صرف اس جرم میں قتل کر ڈالا تھا کہ وہ علی کی ولایت و دوستی پر زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب ابن زیاد نے اس سے باز پرس کی کہ تم نے کیوں اور کس بنیاد پر اتنے لوگوں کو قتل کر ڈالا، کیا تو نے اتنا بھی نہ سوچا کہ ان میں سے بہت سے افراد بے گناہ بھی تھے، اس نے بہت ہی تمکنت سے جواب دیا لو قتلت مثلهم ما خشیت میں اس سے دو برابر قتل کرنے میں بھی کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتا۔[4]

سمرہ کے شرمناک کارناموں کا تذکرہ یہاں پر ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہ وہی شخص ہے جس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

---

[1] حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں اس آیت کے نزول کے متعلق سید بحرینی نے اپنی کتاب تفسیر برہان (ج۱ ص ۲۰۶ ـ ۲۰۷) میں تحریر کیا ہے۔ مرحوم بلاغی نے اپنی کتاب تفسیر آلاء الرحمان، ج۱ ص ۱۸۰ ـ ۱۸٤، میں نقل کیا ہے۔ مشہور شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ مفسرین نے اس آیت کے نزول کو حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نقل کیا ہے (مراجعہ کریں ج۱۳ ص ۲٦۲)

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج٤ ص ۷۳

[3] سورۂ بقرہ، آیت ۲۰٤

[4] تاریخ طبری ج۲ سن ۵۰ ہجری کے واقعات

حکم ماننے سے انکار کردیا آپ نے فرمایا: جب بھی اپنے کھجور کے پیڑ کی شاخیں صحیح کرنے کے لئے کسی کے گھر میں داخل ہوتو ضروری ہے کہ صاحب خانہ سے اجازت لے،لیکن اس نے ایسانہیں کیا یہاں تک کہ پیغمبراس درخت کو بہت زیادہ قیمت دیکر خریدنا چاہ رہے تھے پھر بھی اس نے پیغمبر کے ہاتھ نہیں بیچا اور کہا کہ اپنے درخت کی دیکھ بھال کے لئے کبھی بھی اجازت نہیں لے گا۔

اس کی ان تمام باتوں کوسن کر پیغمبر نے صاحب خانہ کوحکم دیا کہ جاؤ اس شخص کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر دور پھینک دو۔اورسمرہ سے کہا: انك رجل مضار و لا ضرر و لا ضرار یعنی تو لوگوں کونقصان پہنچاتا ہےاوراسلام نے کسی کو یہ حق نہیں دیا کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کونقصان پہنچائے۔

جی ہاں، یہ چندروزہ تحریف سادہ مزاج انسانوں پر بہت کم اثر انداز ہوئی،لیکن کچھ ہی زمانہ گذرا تھا کہ تعصب کی چادریں ہٹتی گئیں اور تاریخ اسلام کے محققین نے شک وشبہات کے پردے کو چاک کرکے حقیقت کوواضح وروشن کردیا ہے اور محدثین ومفسرین قرآن نے ثابت کردیا کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے، یہ تاریخی واقعہ اس بات پر شاہد ہے کہ شام کے لوگوں پر اموی حکومت کی تبلیغ کا اثر اتنا زیادہ ہو چکا تھا کہ جب بھی حکومت کی طرف سے کوئی بات سنتے تو اس طرح یقین کرلیتے گویا لوح محفوظ سے بیان ہورہی ہے، جب شام کے افراد سمرہ بن جندب جیسے کی باتوں کی تصدیق کرتے تھے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ تاریخ اسلام سے ناآشنا تھے، کیونکہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت عبدالرحمن پیدا بھی نہ ہوا تھا اور اگر پیدا ہو بھی گیا تھا تو کم از کم حجاز کی زمین پر قدم نہ رکھا تھا اور پیغمبر کو نہیں دیکھا تھا کہ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوتی۔

ناروا تعصب

حضرت علی علیہ السلام کی فداکاری، اس رات جب کہ پیغمبر کے گھر کو قریش کے جلادوں نے محاصرہ کیا تھا ایسی چیز نہیں ہے جس سے انکار کیا جاسکے یا اسے معمولی سمجھا جائے۔

خداوند عالم نے اس تاریخی واقعے کو ہمیشہ باقی رکھنے کے لئے قرآن مجید کے سورۂ بقرہ آیت ۲۰۷ میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور بزرگ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔لیکن حضرت علی علیہ السلام سے بغض وعداوت اور کینہ رکھنے والوں نے پوری کوشش وطاقت سے اس بات کی کوشش کی کہ اس بزرگ اور عظیم تاریخی فضیلت کی اس طرح سے تفسیر کی جائے کہ حضرت علی علیہ السلام کی عظیم و بے مثال قربانی کی کوئی فضیلت باقی نہ رہے۔

جاحظ، اہلسنت کا ایک مشہور ومعروف دانشمند لکھتا ہے: علی کا پیغمبر کے بستر پر سونا ہرگز اطاعت اور بزرگ فضیلت شمار نہیں ہوسکتی، کیونکہ پیغمبر نے انہیں اطمینان دلایا تھا اگر میرے بستر پر سوجاؤ گے تو تمہیں کوئی تکلیف ونقصان نہیں پہنچے گا۔[1]

---

[1] العثمانیہ،ص ۴۵

اس کے بعد ابن تیمیہ دمشقی [1] نے اس میں کچھ اور اضافہ کیا ہے کہ علی کسی اور طریقے سے جانتے تھے کہ میں قتل نہیں ہوسکتا، کیونکہ پیغمبر نے ان سے کہا تھا کہ کل مکہ کے ایک معین مقام پر اعلان کرنا کہ جس کی بھی امانت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہے آکر اپنی امانت واپس لے جائے۔ علی اس ماموریت کو جو پیغمبر نے انہیں دیا تھا، سے خوب واقف تھے کہ اگر پیغمبر کے بستر پر سوؤں گا تو مجھے کوئی بھی ضرر نہیں پہنچے گا اور میری جان صحیح وسالم بچ جائے گی۔

جواب

اس سے پہلے کہ اس موضوع کے متعلق بحث کریں ایک نکتے کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ جاحظ اور ابن تیمیہ اور ان دونوں کے ماننے والوں نے جو خاندان اہلبیت سے عداوت رکھنے میں مشہور ہیں، علی کی اس فضیلت سے انکار کرنے کی وجہ سے غیر شعوری طور پر بڑی فضیلت کو حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت کیا ہے، کیونکہ حضرت علی علیہ السلام پیغمبر کی طرف سے مامور تھے کہ ان کے بستر پر سوجائیں، ایمان کے اعتبار سے یہ بات دو حالتوں سے خارج نہیں ہے، یا ان کا ایمان پیغمبر کی صداقت پر ایک حد تک تھا یا وہ بغیر چون وچرا پیغمبر کی ہر بات پر ایمان رکھتے تھے۔ پہلی صورت میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت علی علیہ السلام کو اپنی جان وسلامتی کے باقی رہنے کا قطعی طور پر علم تھا۔ کیونکہ جو شخص ایمان وعقیدے کے اعتبار سے ایک عام مرتبہ پر فائز ہو، ہرگز پیغمبر کی گفتار سے یقین واعتماد حاصل نہیں کرسکتا، اور اگر ان کے بستر پر سوجائے تو بہت زیادہ ہی فکر منداور مضطرب رہے گا۔

لیکن اگر حضرت علی علیہ السلام ایمان کے اعتبار سے عالی ترین مرتبہ پر فائز تھے اور پیغمبر کی گفتگو کی سچائیاں ان کے دل ودماغ پر سورج کی روشنی کی طرح واضح وروشن تھی تو ایسی صورت میں حضرت علی علیہ السلام کے لئے بہت بڑی فضیلت کو ثابت کیا ہے۔ کیونکہ جب بھی کسی شخص کا ایمان اس بلندی پر پہنچ جائے کہ جو کچھ بھی پیغمبر سے سنے اسے صحیح اور سچا مانے کہ وہ اس کے لئے روز روشن کی طرح ہو اور اگر پیغمبر اس سے کہیں کہ میرے بستر پر سوجاؤ تو اسے کوئی نقصان نہ پہنچے گا تو وہ بستر پر اتنے اطمینان اور آرام سے سوئے کہ اسے ایک سوئی کی نوک کے برابر بھی خطرہ محسوس نہیں ہو تو ایسی فضیلت کی کوئی بھی چیز برابری نہیں کرسکتی۔

آیئے اب تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں: ابھی تک ہماری بحث اس بات پر تھی کہ پیغمبر نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ تم قتل نہ ہوگے۔ لیکن اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ بات ایسی نہیں ہے جیسا کہ جاحظ اور ابن تیمیہ کے ماننے والوں نے گمان کیا ہے اور تمام مؤرخین نے اس واقعہ کو اس طرح نقل نہیں کیا ہے جیسا کہ ان دونوں نے لکھا ہے:

---

[1] ابن تیمیہ علمائے اسلام سے مخالفت رکھتا تھا اور ایک خاص عقیدہ، شفاعت، قبروں کی زیارت و۔۔۔ کے متعلق رکھتا تھا اس لئے علمائے وقت نے اسے چھوڑ دیا تھا اور آخر کار شام کے زندان میں ۷۲۸ ہجری میں اس کا انتقال ہوگیا۔

طبقات کبریٰ[1] کے مؤلف نے واقعۂ ہجرت کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اور جاحظ کے اس جملے کو (کہ پیغمبر نے علی سے کہا کہ میرے بستر پر سو جاؤ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا) ہرگز تحریر نہیں کیا ہے۔

نہ صرف یہ بلکہ مقریزی نویں صدی کا مشہور مؤرخ[2] اس نے اپنی مشہور کتاب امتاع الاسماع میں بھی کاتب واقدی کی طرح اس واقعے کا تذکرہ کیا ہے اور اس بات سے انکار کیا ہے کہ پیغمبر نے علی سے کہا کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

جی ہاں۔ انہی افراد کے درمیان ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرت ج۱ ص ۴۸۳ پر اور طبری نے اپنی کتاب تاریخ طبری ج۲ ص ۹۹ پر اس کا تذکرہ کیا ہے اور اسی طرح ابن اثیر نے اپنی کتاب تاریخ کامل ج۲ ص ۳۸۲ پر اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مؤرخین نے اسے نقل کیا ہے ان تمام مؤرخین نے سیرۂ ابن ہشام یا تاریخ طبری سے نقل کیا ہے۔

اس بناء پر عقل اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ پیغمبر نے یہ بات کہی ہے، اور اگر مان لیں کہ پیغمبر نے یہ بات کہی بھی ہے تو کسی بھی صورت سے یہ معلوم نہیں کہ ان دونوں باتوں کو (نقصان نہ پہنچنا اور لوگوں کی امانت واپس کرنا) اسی رات میں پہلی مرتبہ کہا ہو۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس واقعے کو علماء اور شیعہ مورخین اور بعض سیرت لکھنے والے اہلسنت نے دوسرے طریقے سے نقل کیا ہے، جس کی ہم وضاحت کر رہے ہیں:

شیعوں کے مشہور و معروف دانشمند مرحوم شیخ طوسی اپنی کتاب امالی میں ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے، جو کہ پیغمبر کی سلامتی اور نجات پر ختم ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

شب ہجرت گزر گئی۔ اور علی اس مقام سے آگاہ تھے جہاں پیغمبر نے پناہ لی تھی۔ اور پیغمبر کے سفر پر جانے کے مقدمات کو فراہم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ رات میں ان سے ملاقات کریں۔[3]

پیغمبر نے تین رات غار ثور میں قیام کیا، ایک رات حضرت علی علیہ السلام، ہند بن ابی ہالہ غار ثور میں پیغمبر کی خدمت میں پہنچے، پیغمبر نے حضرت علی علیہ السلام کو چند چیزوں کا حکم دیا:

۱۔ دو اونٹ ہمارے اور ہمارے ہم سفر کے لئے مہیا کرو (اس وقت ابوبکر نے کہا: میں نے پہلے ہی سے دو اونٹ اس کام کے لئے مہیا کر لئے ہیں،

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اس وقت تمہارے ان دونوں اونٹوں کو قبول کروں گا جب تم ان دونوں کی قیمت مجھ سے لے لو، پھر علی کو حکم دیا کہ ان اونٹوں کی قیمت ادا کر دو

---

[1] محمد بن سعد جو کاتب واقدی کے نام سے مشہور ہے ۱۶۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۳۰ ہجرت میں دنیا سے رخصت ہوئے ان کی کتاب طبقات جامع ترین اور سب سے اہم کتاب ہے جو سیرت پیغمبر پر لکھی گئی ہے ج۱ ص ۲۲۸ پر رجوع کر سکتے ہیں

[2] تقی الدین احمد بن علی مقریزی (وفات ۸۴۵ ہجری)

[3] اعیان الشیعہ ج۱ ص ۲۳۷

۲۔ میں قریش کا امانتدار ہوں اور ابھی لوگوں کی امانتیں میرے پاس گھر میں موجود ہیں، کل مکہ کے فلاں مقام پر کھڑے ہوکر بلند آواز سے اعلان کرو کہ جس کی امانت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہے وہ آئے اور اپنی امانت لے جائے۔

۳۔ امانتیں واپس کرنے کے بعد تم بھی ہجرت کے لئے تیار رہو، اور جب بھی تمہارے پاس میرا خط پہنچے تو میری بیٹی فاطمہ اور اپنی ماں فاطمہ بنت اسد اور زبیر بن عبد المطلب کی بیٹی فاطمہ کو اپنے ہمراہ لے آؤ۔

پھر فرمایا: اب تمہارے لئے جو بھی خطرہ یا مشکلات تھیں وہ دور ہوگئیں ہیں اور تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔[۱]

یہ جملہ بھی اسی جملے کی طرح ہے جسے ابن ہشام نے سیرۂ ہشام میں اور طبری نے تاریخ طبری میں نقل کیا ہے، لہٰذا اگر پیغمبر نے حضرت علی علیہ السلام کو امان دیا ہے تو وہ بعد میں آنے والی رات کے لئے تھا نہ کہ ہجرت کی رات تھی، اور اگر حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کی امانتوں کو ادا کردو تو وہ دوسری یا تیسری رات تھی نہ لیلۃ المبیت تھا۔

اگرچہ اہلسنت کے بعض مؤرخین نے واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب ہجرت ہی حضرت علی علیہ السلام کو امان دیا تھا اور اسی رات امانتوں کے ادا کرنے کا حکم دیا تھا مگر یہ قول توجیہ کے لائق ہے کیونکہ انہوں نے صرف اصل واقعہ کو نقل کیا ہے وقت اور جگہ اور امانتوں کے واپس کرنے کو وہ بیان نہیں کرنا مقصود نہیں تھا کہ جس کی وجہ سے دقیق طور پر ہر محل کا ذکر کرتے۔

حلبی اپنی کتاب سیرۂ حلبیہ میں لکھتا ہے:

جس وقت پیغمبر غار ثور میں قیام فرما تھے تو انہی راتوں میں سے کسی ایک رات حضرت علی علیہ السلام، پیغمبر کی خدمت اقدس میں شرفیاب ہوئے، پیغمبر نے اس رات حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ لوگوں کی امانتیں واپس کردو اور پیغمبر کے قرضوں کو ادا کردو۔[۲]

درالمنثور میں ہے کہ علی علیہ السلام نے شب ہجرت کے بعد پیغمبر سے ملاقات کی تھی۔[۳]

امام کی فداکاری پر دو معتبر گواہ

تاریخ کی دو چیزیں اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا عمل، ہجرت کی شب، فداکاری کے علاوہ کچھ اور نہ تھا اور حضرت علی علیہ السلام صدق دل سے خدا کی راہ میں قتل اور شہادت کے لئے آمادہ تھے ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ اس تاریخی واقعہ کی مناسبت سے جو امامؑ نے اشعار کہے ہیں اور سیوطی نے ان تمام اشعار کو اپنی تفسیر[۴] میں نقل

---

[۱] پیغمبر کی عبارت یہ ہے: انهم لن یصلوا الیك من الآن بشیء تکرهه

[۲] سیرۂ حلبی، ج۲ ص۳۷۔۳۶

[۳] سیرۂ حلبی، ج۲ ص۳۷۔۳۶

[۴] الدر المنثور، ج۳ ص۱۸۰

کیاہے جوآپ کی جانبازی اورفداکاری پرواضح دلیل ہے۔

وقیت بنفسی خیر من وطأ الحصیٰ و من طاف بالبیت العتیق وبالحجر

محمد لما خاف أن یمکروا به فوقاہ ربی ذو الجلال من المکر

و بتّ اراعیهم متی ینشروننی و قد وطنت نفسی علی القتل والأسر

میں نے اپنی جان کوروئے زمین کی بہترین اورسب سے نیک شخصیت جس نے خداکے گھراورحجراسماعیل کا طواف کیاہےاسی کے لئے سپر(ڈھال)قراردیاہے۔ وہ عظیم شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اورمیں نے یہ کام اس وقت انجام دیا جب کفار ان کوقتل کرنے کے لئے آمادہ تھےلیکن میرے خدانے انہیں دشمنوں کےمکروفریب سےمحفوظ رکھا۔میں ان کے بستر پر بڑے ہی آرام سےسویااوردشمن کےحملہ کامنتظرتھااورخودکومرنے یاقید ہونے کے لئے آمادہ کررکھاتھا۔

۲۔شیعہ اورسنی مؤرخین نےنقل کیاہے کہ خداوندعالم نے اس رات اپنے دوبزرگ فرشتوں،جبرئیل ومیکائیل کومخاطب کرتے ہوئے کہاکہ اگرمیں تم میں سےایک کے لئےموت اوردوسرے کے لئےحیات مقررکروں توتم میں سےکون ہے جوموت کوقبول کرےاوراپنی زندگی کودوسرے کےحوالےکردے؟اس وقت دونوں فرشتوں میں سے کسی نےبھی موت کوقبول نہیں کیااور نہ ایک دوسرے کےساتھ فداکاری کرنے کاوعدہ کیا۔پھرخدانے ان دونوں فرشتوں سےکہا:زمین پرجاؤاوردیکھوکہ علی نے کس طرح سےموت کواپنے لئےخریداہےاورخودکوپیغمبرپرفداکردیاہے،جاؤعلی کودشمنوں کےشرسےمحفوظ رکھو۔[1]

اگرچہ بعض لوگوں نے طویل زمانہ گذرنے کی وجہ سے اس عظیم فضیلت پر پردہ ڈالا ہے،مگرابتدائے اسلام میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ عمل دوست اوردشمن سب کی نظرمیں ایک بہت بڑی اورفداکاری شمارکی جاتی تھی۔

چھ آدمیوں پرمشتمل شوریٰ جوعمرکےحکم سےخلیفہ معین کرنے کے لئے بنائی گئی تھی،حضرت علی علیہ السلام نے اپنی اس عظیم فضیلت کا ذکرکرتے ہوئے شرکائے شوریٰ پراعتراض کیااورکہا:میں تم سب کوخداکی قسم دے کرکہتاہوں کہ کیامیرے علاوہ کوئی اورتھاجوغارثورمیں پیغمبرکے لئےکھانالےگیا؟

کیامیرےعلاوہ کوئی ان کے بستر پرسویا؟اورخودکواس بلامیں ان کی سپرقراردیا؟سب نےایک آوازہوکرکہا:خدا کی قسم تمہارےعلاوہ کوئی نہ تھا۔[2]

مرحوم سیدبن طاؤس نےحضرت علی علیہ السلام کی اس عظیم فداکاری کے بارے میں بہترین تحلیل کرتے ہیں اورانہیں اسماعیل کی طرح فداکاراورباپ کےسامنےراضی بہ رضارہنے سے قیاس کرتے ہوئےحضرت علی علیہ السلام کےایثارکوعظیم ثابت کیاہے۔[3]

---

[1] بحارالانوارج۱۹ص۳۹،احیاءالعلوم غزالی

[2] خصال صدوق ج۲ص۱۲۳،احتجاج طبرسی ص۷٤

[3] رجوع کریں اقبال ص۵۹۳،بحارالانوارج۱۹ص۹۸

تیسرا باب

بعد ہجرت اور پیغمبرؐ سے پہلے
حضرت علی علیہ السّلام کی زندگی

پہلی فصل

اس زمانے پر ایک نظر

پیغمبر اسلام ﷺ کی ہجرت کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا آپ کی زندگی کا تیسرا حصہ ہے۔اور اس فصل کے تمام صفحات حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کے اہم ترین اور تعجب خیز حالات پر مشتمل ہیں، اور امامؑ کی زندگی کے مہم اور حساس امور زندگی کے اس دور سے وابستہ ہیں جسے ہم دو مرحلوں میں خلاصہ کررہے ہیں:

۱۔میدان جنگ میں آپ کی فداکاری اور جانبازی

پیغمبر اسلام ﷺ نے مدینے کی اپنی پوری زندگی میں مشرکوں، یہودیوں اور فتنہ وفساد برپا کرنے والوں کے ساتھ ۲۷ غزوات میں لڑیں۔مسلمانوں کی تاریخ لکھنے والوں کی نظر میں جن لوگوں نے ان غزوات کے حالات اور شجاعتوں کا تذکرہ کیا ہے، کہتے ہیں کہ غزوہ یعنی وہ جنگ جس میں پیغمبر اسلام ﷺ نے اسلامی لشکر کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی، اور خود سپاہیوں کے ہمراہ میدان جنگ گئے اور انہی کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔غزوات کے علاوہ ۵۵ سریہ بھی آپ کے حکم سے انجام پائیں۔[۱]

سریہ سے مراد وہ جنگ ہے جس میں اسلامی فوج کے کچھ سپاہی وجانباز دشمنوں کو شکست دینے اور ان سے لڑنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے اور لشکر کی سپہ سالاری اسلامی فوج کے اہم شخص کے ہاتھوں میں تھی، حضرت امیر علیہ السلام نے پیغمبر کے غزوات میں سے ۲۶ غزووں میں شرکت کی اور صرف جنگ تبوک میں پیغمبر اسلام ﷺ کے حکم سے مدینہ میں رہے اور جنگ تبوک میں شریک نہ ہوئے۔کیونکہ یہ خوف تھا کہ مدینے کے منافقین پیغمبر کی عدم موجودگی میں مدینہ پر حملہ کردیں اور مدینہ میں اسلامی امور کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

جن سریوں کی باگ ڈور امام کے ہاتھوں میں تھی ان کی تعداد معین نہیں ہے مگر پھر بھی ہم ان کی تفصیلات اس حصے میں بیان کریں گے۔

۲۔وحی (قرآن) کا لکھنا

کتابت وحی اور بہت سی تاریخی اور سیاسی سندوں کا منظم کرنا اور تبلیغی اور دعوتی خطوط لکھنا حضرت علی علیہ السلام کا عظیم اور

---

[۱] واقدی نے اپنی کتاب مغازی، ج۱ص۲ میں پیغمبر کی سریہ کی تعداد اس سے کم لکھی ہے۔

حساس ترین کارنامہ تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے قرآن کی تمام آیتوں کو چاہے وہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں یا مدینے میں یا پیغمبر کی زندگی میں نازل ہوئی ہوں بہت ہی عمدہ طریقے سے انہیں لکھا، اوراسی وجہ سے کاتب وحی اور محافظ قرآن مشہور ہوئے، اسی طرح سیاسی و تاریخی اسناد کے منظم کرنے اور تبلیغی خطوط لکھنے، جو آج بھی تاریخ اور سیرت کی بہت سی کتابوں میں موجود ہیں، حضرت علی علیہ السلام سب سے پہلے کاتب مشہور ہوئے، یہاں تک کہ حدیبیہ کا تاریخی صلح نامہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے املاء پر مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں سے لکھا گیا۔

امامؑ کی علمی اور قلمی خدمات صرف اسی پر منحصر نہیں تھیں بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار اور سنتوں کی بہت زیادہ حفاظت بھی کی ہے اور مختلف اوقات میں پیغمبر کی حدیثوں کو جو احکام، فرائض، آداب، سنت، حادثات وواقعات اور غیب کی خبروں پر مشتمل تھیں تحریر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ امامؑ نے پیغمبر سے جو کچھ بھی سنا اسے چھ کتابوں میں لکھ کر اپنی یادگار چھوڑی۔ اور امامؑ کی شہادت کے بعد یہ تمام کتابیں آپ کے بیٹوں کے پاس عظیم میراث کے طورر پر پہنچیں اور امیر المومنین کے بعد دوسرے رہبروں نے مناظرے وغیرہ کے وقت ان کتابوں کو بعنوان دلیل پیش کیا۔ زرارہ جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے اہم ترین شاگرد تھے انہوں نے ان کتابوں میں سے چند کتابوں کو آپ کے پاس دیکھا اور خصوصیتوں کو نقل کیا ہے۔ [1]

امام نے کس طرح ہجرت کی

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے بعد امامؑ پیغمبر کے خط کے منتظر تھے۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ابوواقد لیثی حضرت کا خط لیکر مکہ پہنچا اور حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کیا۔ پیغمبر نے جو کچھ بھی ہجرت کی تیسری شب غار ثور میں زبانی حضرت علی علیہ السلام سے کہا تھا اس خط میں ان چیزوں کی تاکید کی اور حکم دیا کہ خاندان رسالت کی عورتوں کو لے کر روانہ ہو جائیں اور غریب و ناتوان افراد جو ہجرت کی طرف مائل ہیں ان کی مدد کریں۔

امامؑ لوگوں کی امانت ادا کرنے کے سلسلے میں پیغمبر کے حکم پر پورے طور پر عمل کر چکے تھے اور اب صرف ایک کام باقی تھا اور وہ یہ کہ خود اور خاندان رسالت کی عورتوں کو مدینہ لے جانے کا اسباب فراہم کریں۔ لہٰذا مومنین کا وہ گروہ جو ہجرت کے لئے آمادہ تھا اسے حکم دیا کہ خاموشی سے مکہ سے باہر نکل جائیں اور چند کیلو میٹر دور ذوطوی مقام پر قیام کریں تاکہ امام کا قافلہ وہاں پہنچ جائے، حضرت علی علیہ السلام نے مومنین کو خاموشی سے جانے کا حکم دیا تھا مگر خود دن کے اجالے میں سفر کے لئے آمادہ ہوئے اور عورتوں کو ام ایمن کی بیٹی ایمن کے ذریعے عماریوں پر سوار کرایا اور ابوواقد سے کہا اونٹوں کو آہستہ آہستہ لے جاؤ

---

[1] تہذیب الاحکام شیخ طوسی ج ۲ ص ۲۰۹ طبع نجف، فہرست نجاشی ص ۲۵۵، طبع ہندوستان، مؤلف نے ان چھ کتابوں کے متعلق بررسی مسند احمد کے مقدمہ میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

کیونکہ عورتیں تیز تیز جانے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

ابن شہر آشوب لکھتے ہیں:

جب عباس حضرت علی علیہ السلام کے اس ارادے سے باخبر ہوئے کہ وہ دن کے اجالے میں دشمنوں کے سامنے سے مکہ سے ہجرت کر رہے ہیں اور عورتوں کو بھی اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں تو فوراً حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوشیدہ طور سے مکہ سے گئے تو قریش ان کو تلاش کرنے کے لئے پورے مکہ اور اطراف مکہ میں ڈھونڈتے رہے تو تم کس طرح سے دشمنوں کے سامنے عورتوں کے ہمراہ مکہ سے باہر نکلو گے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ دشمن تمہیں مکہ سے باہر نہیں جانے دیں گے؟

علی علیہ السلام نے اپنے چچا کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: کل رات جب میں نے غار ثور میں پیغمبر سے ملاقات کی اور پیغمبر نے حکم دیا کہ ہاشمی عورتوں کے ساتھ مکہ سے ہجرت کرنا تو اسی وقت مجھے خوشخبری بھی دی کہ اب مجھے کوئی بھی تکلیف نہیں پہنچے گی، میں اپنے پروردگار پر اعتماد اور احمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول پر ایمان رکھتا ہوں اور ان کا اور میرا راستہ ایک ہی ہے اسی لئے میں دن کے اجالے اور دشمنوں کی آنکھوں کے سامنے سے مکہ سے ہجرت کروں گا۔

پھر، امامؑ نے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔[۱]

امام نے نہ صرف اپنے چچا کو ایسا جواب دیا، بلکہ جب لیثی نے اونٹوں کی ذمہ داری اپنے سر لی اور قافلے کو جلدی جلدی لے جانے لگا تاکہ دشمنوں کے سامنے سے جلدی سے دور ہو جائے تو امام نے اُسے اونٹوں کو تیز تیز لے جانے سے منع کیا اور فرمایا: پیغمبر نے مجھ سے فرمایا ہے کہ اس سفر میں تمہیں کوئی تکلیف واذیت نہیں پہنچے گی پھر اونٹوں کو لے جانے کی ذمہ داری خود لے لی اور یہ رجز پڑھا۔

تمام امور کی باگ ڈور خدا کے ہاتھ میں ہے لہٰذا ہر طرح کی بدگمانی کو اپنے سے دور کرو کیونکہ اس جہان کا پیدا کرنے والا ہر اہم حاجت کے لئے کافی ہے۔[۲]

---

[۱] امام علیہ السلام کے اشعار یہ ہیں:

ان ابن آمنة النبی محمداً رجل صدوق قال عن جبرئیل
ارخ الزمام و لاتخف عن عائق فالله یردیهم عن التنکیل
انی بربی واثق و باحمد و سبیله متلا حق بسبیلی

[۲] امالی شیخ طوسی ص ۲۹۹، بحار الانوار ج ۱۹ ص ٦٥ اور رجز کی عبارت یہ ہے:

لیس الا الله فارفع ظنکا
یکفیك رب الناس ما اهمّکا

قریش نے حضرت علی علیہ السلام کا تعاقب کیا

امام کا قافلہ سرزمین ضجنان پہنچنے والا تھا کہ سات نقاب پوش سوار سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیئے جو اپنے گھوڑوں کو بہت تیزی کے ساتھ قافلے کی طرف دوڑائے ہوئے تھے۔امام نے عورتوں کو ہرطرح کی مشکلات سے بچانے اور ان کی حفاظت کے لئے واقد اور ایمن کو حکم دیا کہ فوراً اونٹوں کو بٹھا دو اوران کے پیروں کو باندھ دو۔پھرعورتوں کو اونٹوں سے اتارنے میں مدد فرمائی، جیسے ہی یہ کام ختم ہوا تمام نقاب پوش سوار برہنہ تلواریں لئے ہوئے قافلے کے قریب آ گئے اور چونکہ وہ غصے سے بھرے ہوئے تھے اس لئے اس طرح برا و ناسزا کہنا شروع کر دیا: کیا تم یہ سوچتے ہو کہ ان عورتوں کے ساتھ ہمارے سامنے فرار کر سکتے ہو؟ بس اس سفر سے باز آ جاؤ!

حضرت علی علیہ السلام نے کہا: اگر واپس نہ گیا تو کیا کرو گے؟

انہوں نے کہا: زبردستی تم کو اس سفر سے روکیں گے یا تمہارے سر قلم کر دیں گے۔

اتنا کہنے کے بعد وہ لوگ اونٹوں کی طرف بڑھے تا کہ ان کو واپس لے جائیں اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے اپنی تلوار نکال کر ان کو اس کام سے روکا۔ان میں سے ایک شخص نے اپنی برہنہ تلوار حضرت علی علیہ السلام کی طرف بڑھائی۔ابوطالب کے لال نے اس کی تلوار کے وار کو روکا اور غصے کی حالت میں تھے ان پر حملہ کیا اور اپنی تلوار سے جناح نامی شخص پر وار کیا۔قریب تھا کہ تلوار اس کے شانے کو کاٹتی کہ اچانک اس کا گھوڑا پیچھے کی طرف ہٹا اور امام کی تلوار گھوڑے کی پشت پر جا لگی، اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے ان سب کو متوجہ کرتے ہوئے بآواز بلند کہا:

میں عازم مدینہ ہوں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کے علاوہ میرا کوئی اور مقصد نہیں ہے، جو شخص بھی یہ ارادہ رکھتا ہے کہ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرے اور ان کا خون بہائے وہ میرے ساتھ یا میرے نزدیک آئے۔

اتنا کہنے کے بعد آپ نے ایمن اور ابو واقد کو حکم دیا کہ فوراً اٹھ کر اونٹوں کے پیر کھول دیں اور چلنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

دشمنوں نے یہ احساس کر لیا کہ حضرت علی علیہ السلام جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہیں اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان کے ساتھیوں میں سے ایک شخص عنقریب مرنے ہی والا تھا، لہٰذا اپنے ارادے سے باز آ گئے اور مکہ کے راستے کی طرف چل پڑے۔امام نے بھی اپنے سفر کو مدینے کی طرف جاری رکھا۔آپ نے کوہ ضجنان کے نزدیک ایک دن اور ایک رات قیام کیا تا کہ وہ لوگ جو ہجرت کے لئے آمادہ تھے وہ بھی آ جائیں۔تمام افراد میں سے جو حضرت علی علیہ السلام اور ان کے ہمراہیوں سے ملحق ہوئے ان میں ایک ام ایمن تھیں جو ایک پاکدامن عورت تھیں جنہوں نے آخر عمر تک خاندان رسالت کو نہیں چھوڑا۔

تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے یہ پورا راستہ پیدل چل کر تمام کیا، اور ہر ہر منزل پر خدا کا ذکر کرتے رہے

اور پورے سفر میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نماز پڑھی۔

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ درج ذیل آیت ان افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1]

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا[2]

جولوگ اٹھتے، بیٹھتے، کروٹ لیتے (الغرض ہر حال میں) خدا کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں غور وفکر کرتے ہیں اور (بے ساختہ) کہہ اٹھتے ہیں کہ خداوندا تو نے اس کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے۔

جب حضرت علی علیہ السلام، اوران کے ہمراہی مدینۂ منورہ پہنچے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے دیدار کے لئے فوراً گئے جس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ حضرت علی علیہ السلام پر پڑی تو آپ نے دیکھا کہ ان کے پیر ورم کر گئے ہیں اوران سے خون کے قطرے گر رہے ہیں۔ آپ نے فوراً حضرت علی علیہ السلام کو گلے سے لگایا اور فرط محبت سے آپ کی چشم مبارک سے آنسوؤں کے قطرات جاری ہو گئے۔[3]

---

[1] امالی شیخ طوسی ص ۳۰۳۔۳۰۱

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۱

[3] اعلام الوریٰ ص ۱۹۲، تاریخ کامل ج ۲ ص ۷۵

دوسری فصل

دو بڑی فضیلتیں

اگر اجتماعی مسئلوں کے ہر مسئلے پر شک کریں یا ان کو ثابت کرنے کے لئے تحقیق، دلیل اور برہان کے محتاج رہیں تو ایسی صورت میں اجتماعی اتحاد و ہمبستگی اور منافع وغیرہ کے سلسلے میں شک و تردید میں نہیں الجھیں گے۔ اور کوئی شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہے کہ نا اتفاقی اور اختلاف مفید چیز ہے اور اتحاد و اتفاق برا اور نقصان دہ ہے۔ کیونکہ اتفاق کی وجہ سے سب سے کم فائدہ جو معاشرے کو پہنچے گا وہ یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی اور بکھری ہوئی فوجیں آپس میں مل جائیں گی، اور عظیم فوج کے سائے میں معاشرے میں مختلف طریقوں سے بڑے بڑے تحولات پیدا ہوں گے۔

وہ پانی جو بڑی بڑی ندیوں کے کنارے چھوٹی چھوٹی نہروں کی طرح بہتا ہوا نظر آتا ہے وہ چھوٹے دریاؤں سے ملنے کی وجہ سے وجود میں آیا ہے جس کے اندر نہ اتنی صلاحیت ہے کہ بجلی پیدا کر سکے اور نہ اتنی مقدار ہی میں ہے کہ اس سے کھیتی کی جا سکے، لیکن جب یہ چھوٹی چھوٹی نہریں ایک جگہ جا کر مل جاتی ہیں تو ایک دریا کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور اب یہ دریا ہزاروں کیلو واٹ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے اور اس کے پانی سے ہزاروں ایکٹر زمین سیراب کر کے کھیتی کی جاتی ہے۔

غرض ز انجمن واجتماع وجمع قواست
چرا کہ قطرہ چوشد متصل بہ ہم دریا است

اجتماع اور انجمن اور جمع ہونے کا مقصد طاقت ہے، کیونکہ اگر پانی کا ایک قطرہ دریا سے مل جائے تو وہ بھی دریا بن جاتا ہے۔

ز قطرہ ہیچ نیایدولی چو دریا گشت
ہر آنچہ نفع تصور کنی در آن آنجا است

قطرہ سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا، لیکن اگر یہی قطرہ دریا بن گیا تو تم جتنا بھی فائدہ سوچ سکتے ہو تمہیں ملے گا۔

ز قطرہ ماہی پیدا نمی شود ہرگز
محیط گشت، از آن نہنگ خواہد خاست

قطرہ میں کبھی بھی مچھلی زندہ نہیں رہ سکتی، مگر جب یہی قطرہ دریا بن گیا تو اس میں نہنگ مچھلی زندہ رہ سکتی ہے۔

ز گندم نتوان پخت نان وقوت نمود

چو گشت خرمن وخروار وقت برگ ونواست

ایک گیہوں سے روٹی نہیں پکائی جاسکتی اور زندگی بسر نہیں ہوسکتی جب وہ کھلیہان میں گیا تو ایک ذخیرہ بن گیا ہے

ز فرد فرد محال است کارہای بزرگ

ولی ز جمع توان خواستہ ہر چہ خواہی خواست

ایک بڑا کام الگ الگ مردوں سے انجام پانا بہت محال ہے، لیکن اگر یہی تمام لوگ ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو جو بھی کرنا چاہیں انجام دے سکتے ہیں۔

بلی چو مورچگان را وفاق دست دہد

بہ قول شیخ، ہژ بر ژیان اسیر و فنا است

اگر چیونٹیوں کی طرح اتحاد واتفاق کا دامن ہاتھ میں رہے تو شیخ کے بقول زندگی فنا و برباد ہے۔

اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے نہ صرف مادی چیزوں کو طلب کرے بلکہ ضروری ہے کہ لوگوں کی فکری اور معنوی قدرت وطاقت سے اجتماعی مشکلوں کا حل تلاش کرے، اور صحیح لائحہ عمل بنانے میں مدد طلب کرے، اور ایک دوسرے سے مشورہ اور تبادلہ نظر کے نئے نئے راستے ہموار کرے اور بزرگ وسنگین پہاڑ جیسی مشکلوں سے ہوشیار رہے۔

یہی وجہ ہے کہ آئین اسلام کے اصلی اور بیش قیمتی برناموں میں تبادلہ خیالات اور مشورے کی اجتماعی امور میں بہت زیادہ اہمیت بیان کی گئی ہے، اور قرآن مجید نے جن لوگوں کو حق پسند اور حق شناس جیسے ناموں سے تعبیر کیا ہے ان کے تمام کام مشورے اور تبادلہ خیالات سے انجام پاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ [1]

اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ان کے کل کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔

اتحاد اور اخوت

آئین اسلام کا ایک اہم اور اجتماعی اصول اخوت و برادری ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف صورتوں سے اخوت و

[1] سورۂ شوریٰ آیت ۳۸

برادری کو عام کرنے میں بہت زیادہ کوشاں رہے ہیں۔

مہاجرین کے مدینہ پہنچنے کے بعد پہلی مرتبہ اخوت و برادری کا رشتہ انصار کے دوگروہ یعنی اوس وخزرج کے درمیان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے قائم ہوا۔

یہ دو قبیلے جو مدینہ ہی کے رہنے والے تھے اور عرصۂ دراز سے آپس میں جنگ و جدال کرتے تھے، رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوششوں کے نتیجے میں ایک دوسرے کے بھائی بن گئے اور ارادہ کر لیا کہ ہم لوگ پرانی باتوں کو کبھی نہیں دہرائیں گے۔ اس اخوت و برادری کا ہدف و مقصد یہ تھا کہ اوس وخزرج جو اسلام کے دو اہم گروہ مشرکوں کے مقابلے میں تھے وہ آپس میں ظلم و بربریت، لڑائی جھگڑا اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے باز آجائیں اور پرانی دشمنی کی جگہ صلح وصفا کو یاد رکھیں۔

دوسری مرتبہ پیغمبر نے اپنے صحابیوں اور دوستوں کو چاہے مہاجرین سے ہوں یا انصار میں سے، حکم دیا کہ آپس میں ایک دوسرے کو اپنا بھائی بنالیں اور دوسرے کے بھائی بن جائیں، کتنی عمدہ بات ہے کہ دو مہاجر ایک دوسرے کے بھائی یا ایک مہاجر میں سے اور ایک انصار میں سے ایک دوسرے کے بھائی بن گئے اور بھائی چارگی کے عنوان سے ایک دوسرے کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا اور اس طرح سے ایک سیاسی اور معنوی قدرت وطاقت ابھر کر ان کے سامنے آگئی۔

اسلامی مؤرخین ومحدثین لکھتے ہیں:

ایک دن پیغمبر اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنے دوستوں سے فرمایا: تآخوافی اللہ اخوین اخوین

یعنی خدا کی راہ میں آپس میں دو دو آدمی بھائی بن جاؤ۔

تاریخ نے اس موقع پر ان افراد کا نام ذکر کیا ہے جن لوگوں نے اس دن پیغمبر کے حکم سے ایک دوسرے کے ساتھ رشتۂ اخوت کو قائم کیا مثلاً ابوبکر اور عمر، عثمان اور عبدالرحمن بن عوف، طلحہ اور زبیر، ابی ابن کعب اور ابن مسعود، عمار اور ابوحذیفہ، سلمان اور ابوالدرداء وغیرہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بنے اور ان افراد کی بھائی چارگی کو پیغمبر نے تائید کیا۔ یہ برادری اور بھائی چارگی جو چند افراد کے درمیان قائم ہوئی اس برادری اور اسلامی برادری کے علاوہ ہے جسے قرآن کریم نے اسلامی معاشرے میں معیار و میزان قرار دیا ہے اور تمام مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی کہا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی تھے:

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنے افراد بھی مسجد نبوی میں حاضر تھے انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا، صرف علی ان کے درمیان تنہا بچے جن کے لئے بھائی کا انتخاب نہیں کیا، اس وقت حضرت علی علیہ السلام آنکھوں میں آنسوؤں کا سوغات لئے ہوئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور کہا آپ نے اپنے تمام دوستوں کے لئے ایک ایک بھائی کا انتخاب کر دیا لیکن میرے لئے کسی کو بھائی نہیں بنایا۔

اس وقت پیغمبر اکرم نے اپنا تاریخی کلام جو حضرت علی علیہ السلام کی پیغمبر سے قربت و منزلت اور نسبت اور آپ کی شخصیت کو اجاگر کرتا ہے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ مَا اَخَّرْتُكَ اِلاَّ لِنَفْسِیْ اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ[1]

تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ وہ خدا جس نے ہمیں حق پر مبعوث کیا ہے میں نے تمہاری برادری کے سلسلے میں خود تاخیر سے کام لیا ہے تاکہ تمہیں اپنا بھائی قرار دوں، ایسی بھائی چارگی جو دونوں جہان (دنیا و آخرت) میں باقی رہے۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ کلام حضرت علی علیہ السلام کی عظمت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نسبت کو معنوی و پاکیزگی اور دین کے اہداف میں خلوص کو بخوبی واضح و روشن کرتا ہے۔ خود اہلسنت کے دانشمندوں میں سے الریاض النضرۃ کے مؤلف نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔[2]

یہاں پر آیت مباہلہ [3] کی تفسیر کا مبنیٰ سمجھ میں آتا ہے تمام علمائے تفسیر کا اتفاق ہے کہ **وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ** سے مراد علی بن ابی طالب ہیں جسے قرآن نے نفس پیامبر کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ اس لئے کہ فکری اور روحی جاذبیت نہ یہ کہ صرف دو فکروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے بلکہ کبھی کبھی دو انسان کو ایک ہی شخص بتاتی ہے۔

اس لئے کہ ہر موجود اپنے ہم جنس کو جذب اور اپنے مخالف کو دفع کرتی ہے، اور یہ عالم اجسام اور اجرام زمین و آسمان سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ عظیم و بزرگ شخصیتیں جذب اور دفع کا مظہر ہیں۔ ایک گروہ کو جذب اور دوسرے گروہ کو دفع کرتی ہیں۔ اس طریقے کی کشش اور گریز سنخیت یا روح کے متضاد ہونے کی وجہ سے ہے اور یہی سنخیت اور تضاد ہے جو ایک گروہ کو اپنے قریب کرتی ہے اور دوسرے گروہ کو اپنے سے دور کر دیتی ہے۔ اس مسئلہ کو اسلامی فلسفہ نے اس طرح تعبیر کیا ہے السنخیۃ علۃ الانضمام یعنی سنخیت اور مشابہت اجتماع اور انضمام کا سرچشمہ ہے۔

امام کی ایک اور فضیلت

جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو چکی تو پیغمبر کے صحابیوں نے مسجد کے اطراف میں اپنے اپنے لئے گھر بنائے اور ہر گھر کا ایک دروازہ مسجد کی طرف کھلا رکھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بحکم خدا فرمایا: تمام دروازے جو مسجد کی طرف کھلتے ہیں اسے بند کر دیا جائے سوائے علی بن ابی طالب کے دروازے کے، یہ بات رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بہت سے صحابیوں پر ناگوار

---

[1] مستدرک حاکم، ج ۳ ص ۱٤، استیعاب، ج ۳ ص ۳٥

[2] الریاض النضرۃ ج ۲ ص ۱٦ مؤلف محب الدین طبری

[3] سورہ آل عمران ٦١

گذری۔ لہٰذا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: خداوند عالم نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمام دروازے جو مسجد کی طرف کھلتے ہیں انہیں بند کردوں سوائے حضرت علی علیہ السلام کے دروازے کے، اور خود میں نے اپنی طرف سے دروازہ بند کرنے یا کھولنے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ میں اس مسئلے میں خدا کے حکم کا پابند ہوں۔[1]

اس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابیوں نے اس واقعہ کو حضرت علی علیہ السلام کی ایک بہت بڑی فضیلت سمجھا یہاں تک کہ بہت زمانے کے بعد خلیفۂ دوم نے کہا کہ، کاش وہ تین فضیلتیں جو علی کو نصیب ہوئیں وہ مجھے بھی نصیب ہوتیں، اور وہ تین فضیلتیں یہ ہیں:

۱۔ پیغمبر نے اپنی بیٹی کا عقد علی سے کیا۔

۲۔ تمام دروازے جو مسجد کی طرف کھلتے تھے وہ بند ہو گئے صرف علی کے گھر کا دروازہ کھلا رہا۔

۳۔ جنگ خیبر میں پیغمبر نے علم کو علی کے ہاتھوں میں دیا۔[2]

حضرت علی علیہ السلام اور لوگوں کے درمیان جو فرق ہے وہ اسی لئے کہ آپ کا مسجد سے کسی وقت بھی رابطہ منقطع نہیں ہوا، وہ خدا کے گھر میں پیدا ہوئے اور کعبہ میں آنکھ کھولی اس بنا پر پہلے ہی دن سے مسجد آپ کا گھر تھا اور یہ تمام فضیلتیں کسی دوسرے کے لئے نہ تھیں۔ اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام ہمیشہ اور ہر حالت میں مسجد کے احکام کی رعایت کرتے تھے لیکن دوسرے افراد بہت کم مسجد کے آداب و احکام کی رعایت کرتے تھے۔

---

[1] مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۹، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۲۵، الریاض النضرۃ ج ۳ ص ۱۹۲

[2] مسند احمد، ج ۲، ص ۲۶

تیسری فصل

جنگ بدر کا بے نظیر بہادر

ضمضم نامی شخص کی دلسوز آواز، جس نے اپنے اونٹ کا کان کاٹ ڈالا، اس کی ناک کو شگافتہ کر ڈالا، کوہان کو موڑے، اونٹ کو الٹا کئے ہوئے تھا، نے قریش کو اپنی طرف متوجہ کیا۔اس نے اپنے پیراہن کو آگے سے پیچھے تک پھاڑ دیا اور اونٹ کی پیٹھ پر سوار جس کے کان اور دماغ سے خون ٹپک رہا تھا، کھڑا ہوا تھا اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اے لوگو جس اونٹ کے ناف میں مشک ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے خطرے میں ہے۔ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ ان تمام اونٹوں کو سر زمین بدر کا تاوان قرار دیں، میری مدد کو پہنچو میری مدد کرو۔

اس کے مسلسل چیخنے اور استغاثہ کرنے کی وجہ سے قریش کے تمام بہادر اور نو جوان گھر، کارخانہ اور دوکانوں سے نکل کر اس کے پاس جمع ہو گئے۔ زخمی اونٹ کی حالت اور ضمضم کی آہ و بکا نے ان لوگوں کی عقلوں کو حیرت میں ڈال دیا اور لوگوں کو احساس کے حوالے کر دیا، اکثر لوگوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ شہر مکہ کو کاروان قریش سے نجات دینے کے لئے بدر کی طرف چلے جائیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بلند و بالا تھے کہ کسی کے مال و دولت پر نگاہ کرتے اور کسی گروہ کے مال و متاع کو بغیر کسی سبب کے تاوان قرار دیتے، تو پھر کیا ہوا کہ آپ نے اس طرح کا ارادہ بنا لیا تھا؟

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد اس کام سے فقط دو چیز تھا۔

۱۔ قریش کو اس بات کا علم ہو جائے کہ ان کے تجارت کرنے کا طریقہ، اسلام کے ہاتھوں میں قرار دیا گیا ہے اور اگر وہ لوگ اسلام کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کے لئے مانع ہوں اور بیان آزادی کو مسلمانوں سے چھین لیں تو ان کے حیات کی رگوں کو اسلامی طاقتوں کے ذریعہ کاٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ بولنے والا جتنا بھی قوی ہو اور چاہے جتنا بھی خلوص و استقامت دکھائے لیکن اگر آزادئ بیان و تبلیغ سے استوار نہ ہو تو شائستہ طور پر اپنے وظیفے کو انجام نہیں دے سکتا۔

مکہ میں قریش، اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور آئین الٰہی کی طرف لوگوں کے متوجہ ہونے میں سب سے زیادہ مانع تھے۔ ان لوگوں نے تمام قبیلے والوں کو اجازت دیدیا کہ حج کے زمانے میں مکہ آئیں لیکن اسلام اور مسلمانوں کے عظیم المرتبت رہبر کو مکہ اور اطراف مکہ میں داخلے پر پابندی عائد کر دی، یہاں تک کہ اگر ان کو پکڑ لیتے تو قتل کر دیتے۔ اس وقت جب لوگ

حج کے زمانے میں حجاز کے تمام شہروں سے خانہ کعبہ کے اطراف جمع ہورہے تھے، قوانین اسلام وتوحید کے پیغام کو پہنچانے کا بہترین وقت تھا۔

۲۔ مسلمانوں کے بعض گروہ جو کسی بھی وجہ سے مکہ سے مدینے کی طرف ہجرت نہیں کرسکے تھے وہ ہمیشہ قریش کے عذاب میں مبتلا تھے۔ وہ اپنا مال ومتاع اور جو لوگ ہجرت کر گئے تھے ان کے مال ومتاع کو آج تک حاصل نہ کرسکے تھے اور قریش کی طرف سے ہمیشہ ڈرائے اور دھمکائے جاتے تھے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاروان قریش سے تجارت کے سامانوں کا تاوان لینے کے لئے قدم اٹھایا اور ارادہ کیا کہ سختی سے ان کی تنبیہ کی جائے جنہوں نے مسلمانوں سے ہر طرح کی آزادی کو چھین لیا تھا اور مسلسل انہیں اذیت وتکلیف دیتے رہتے تھے اور ان کے اسباب کی پرواہ تک نہ کرتے تھے۔

اسی وجہ سے پیغمبر ماہ رمضان ۲ ھ میں ۳۱۳ آدمیوں کے ہمراہ کاروان قریش کے مال وسامان سے تاوان لینے کے لئے مدینہ سے باہر آئے اور بدر کے کنویں کے پاس ٹھہر گئے، قریش کا تجارتی لشکر شام سے مکہ کی طرف واپس جارہا تھا اور راستے میں اسے بدر نامی دیہات سے ہوکر گذرنا تھا۔

ابوسفیان جو اس قافلے کا سرپرست تھا، پیغمبر کے ارادے سے باخبر ہوگیا اور اس خبر کو قریش کے سرداروں کے پاس ضمضم کے ذریعے بھیج دیا اور اسے قریش کے سرداروں کے پاس اپنا پیغام بھجوانے کے لئے اجیر کرلیا تاکہ لوگ قافلے کی مدد کرنے جلد سے جلد آجائیں۔ ضمضم نے جو ماحول بنایا وہ باعث ہوا کہ قریش کے تمام بہادر نوجوان اور جنگجو، قافلے کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور جنگ کے ذریعے اس کام کا خاتمہ کردیں۔

قریش نے ایسے نوسو سپاہیوں کا لشکر تیار کیا جو جنگ کے امور میں پختہ دلیری سے لڑنے والے بہترین اسلحوں کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوئے لیکن مقصد پر پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں ابوسفیان کے دوسرے ایلچی نے اس خبر سے آگاہ کیا کہ قافلے نے اپنا راستہ بدل دیا ہے اور ایک دوسرے راستے سے مسلمانوں سے بچ کر نکل گیا اور اپنے کو محفوظ کرلیا ہے، لیکن ان لوگوں نے اسلام کو، جو ابھی شباب کی منزل پر پہنچا تھا سرکوبی کے لئے اپنے ہدف کی طرف سفر جاری رکھا اور ۱۷ رمضان ۲ ھ کی صبح کو ایک پہاڑ کے پیچھے سے بدر کے میدان میں وارد ہوئے۔

مسلمان بدر کے شمالی طرف سے گذرنے والے درہ کی ڈھلان **العدوۃ الدنیا** [۱] کو پناہ گاہ بنائے ہوئے قافلہ کے گذرنے کا انتظار کررہے تھے۔ کہ اچانک یہ خبر پہنچی کہ قریش کا لشکر اپنے تجارتی سامان کی حفاظت کے لئے مکہ سے روانہ ہوچکا ہے اور **العدوۃ القصوی** [۲] درہ کی بلندی سے نیچے اتر رہا ہے۔

---

[۱] سورۂ انفال، آیت ۴۲

[۲] سورۂ انفال، آیت ۴۲

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انصار سے عہد و پیمان، دفاعی تھا نہ کہ جنگی، انہوں نے عقبہ میں پیغمبر کے ساتھ عہد کیا تھا کہ اگر دشمن نے مدینہ پر حملہ کیا تو وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کریں گے نہ یہ کہ ان کے ساتھ مدینہ کے باہر دشمنوں سے لڑیں گے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سپاہیوں کی ایک میٹنگ جو کچھ جوانان انصار اور کچھ مہاجرین کے نوجوانوں پر مشتمل تھی بلائی اور اس میں لوگوں کا نظریہ جاننا چاہا۔ اس میٹنگ میں جو نظریات وجود میں آئے وہ یہ تھے کہ کچھ لوگوں نے شجاعت و بہادری کی بات کی اور کچھ لوگوں نے بزدلی اور عاجزی و بے چارگی کی باتیں کیں۔

سب سے پہلے ابوبکر اٹھے اور کہا:

قریش کے بزرگان اور نوجوان نے اس قافلے سے مقابلے کے لئے شرکت کی ہے، اور قریش آج تک کسی بھی قانون پر ایمان نہیں لائے اور ایک لمحہ کے لئے بھی ذلیل و رسوا نہیں ہوئے ہیں اور ہم لوگ مکمل تیاری کے ساتھ یہاں نہیں آئے ہیں [1] یعنی مصلحت یہ ہے کہ یہاں سے مدینہ واپس چلے جائیں۔

عمر بھی اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنے دوست کی بات کی مزید وضاحت کی۔

اسی وقت مقداد اٹھے اور انہوں نے کہا: خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں جو موسیٰ سے کہیں: اے موسیٰ تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ جہاد کرو اور ہم لوگ یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم اس کے برعکس کہتے ہیں کہ آپ پروردگار کے زیر سایہ جہاد کیجئے ہم بھی آپ کے ہمراہ جہاد کریں گے۔

طبری لکھتا ہے کہ جس وقت مقداد اٹھے اور چاہا کہ گفتگو کریں تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے سے غیض و غضب (جو عمر و ابوبکر کی باتیں سن کر ہوا تھا) کے آثار نمودار تھے۔ لیکن جب مقداد کی گفتگو اور مدد کرنے کی خوشخبری سنی تو آپ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ [2]

سعد معاذ بھی اٹھے اور کہا کہ جب بھی تم اس دریا (بحر احمر کی طرف اشارہ) کی طرف قدم بڑھاؤ گے ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے اپنے قدم بڑھائیں گے، اور جہاں پر بھی تم مصلحت سمجھنا ہمیں راستہ دیدینا، اس موقع پر خوشی اور مسرت کے آثار پیغمبر کے چہرۂ اقدس پر آشکار ہوئے اور خوشخبری کے طور پر ان سے کہا: میں قریش کے قتل عام کی وجہ سے مضطرب ہوں۔ پھر اسلام کی فوج پیغمبر کی سپہ سالاری میں وہاں سے روانہ ہوگئی اور دریائے بدر کے کنارے مستقر ہوئی۔

حقیقت کو چھپانا:

طبری اور مقریزی جیسے مؤرخین نے کوشش کی ہے کہ حقیقت کے چہرے کو تعصب کے پردے سے چھپادیں اور

---

[1] مغازی واقدی ج۱ ص ۴۸

[2] تاریخ طبری ج۲ ص ۱۴۰، عبداللہ بن مسعود سے نقل ہوا ہے۔

شیخین کی پیغمبر کے ساتھ ہوئی گفتگو کو جس طرح سے کہ واقدی نے مغازی میں نقل کیا ہے اس طرح نقل نہ کریں، لہٰذا کہتے ہیں کہ ابوبکر نے اٹھ کر بہترین گفتگو کی اور اسی طرح سے عمر نے بھی اٹھ کر اچھی باتیں کیں۔

لیکن ضروری ہے کہ یہاں پران دو تاریخ لکھنے والوں سے سوال کیا جائے کہ جب ان دونوں نے اس میٹنگ میں اچھی اچھی باتیں کہی تھیں تو پھر تم لوگوں نے ان کی اصل گفتگو کو نقل کرنے سے کیوں گریز کیا؟ جب کہ تم لوگوں نے مقداد اور سعد کی گفتگو کو تمام جزئیات کے ساتھ نقل کیا ہے؟ تو اگر ان لوگوں نے بھی اچھی گفتگو اور عمدہ بات کہی تھی تو کیوں پیغمبر کا چہرہ ان کی باتیں سن کر رنجیدہ ہو گیا جیسا کہ خود طبری نے اس چیز کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے؟

لہٰذا ضروری ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت و عظمت کے بارے میں اس جنگ کے حوالے سے تحقیق و جستجو کیا جائے۔

حق و باطل کا مقابلہ

مسلمان اور قریش دونوں گروہوں نے جنگ کے لئے صف بندی شروع کردی، اور چند چھوٹے چھوٹے حادثوں نے آتش جنگ کو شعلہ ور کر دیا، ابتدا میں ایک ایک شخص لڑنے کو آمادہ ہوا تین افراد بنام عتبہ پدر ہندہ (ابوسفیان کی بیوی کا باپ) اور اس کا بڑا بھائی شیبہ اور عتبہ کا بیٹا ولید میدان جنگ میں آ کر کھڑے ہو گئے اور اپنا مقابل طلب کیا۔ سب سے پہلے انصار میں سے تین آدمی ان سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں آئے اور اپنا تعارف کرایا، لیکن مکہ کے بہادروں نے ان سے جنگ کرنے سے پرہیز کیا اور آواز دی یا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ اِلَيْنَا اَكْفَاءَنَا مِنْ قَوْمِنَا یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جو لوگ ہماری قوم اور ہمارے شایان شان ہیں انہیں ہمارے ساتھ جنگ کے لئے بھیجو۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب اور حمزہ اور علی کو حکم دیا کہ اٹھ کر دشمن کا جواب دیں، اسلام کے تین عظیم سپہ سالار چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ ہر ایک نے اپنا اپنا تعارف کرایا او رعتبہ تینوں افراد سے لڑنے کے لئے تیار ہو گیا اور کہا کہ یہ سب کے سب ہمارے شایان شان ہیں۔

یہاں پر بعض مؤرخین مثلاً واقدی لکھتا ہے:

جس وقت انصار کے تین بہادر میدان جنگ میں جانے کے لئے تیار ہوئے تو خود پیغمبر نے انہیں جنگ کرنے سے روکا، کیونکہ پیغمبر نہیں چاہتے تھے کہ اسلام کی سب سے پہلی جنگ میں انصار شرکت کریں اور اسی کے ساتھ ساتھ تمام افراد کو اس بات سے بھی باخبر کر دیا کہ آئین توحید میری نگاہ میں اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ آپ نے اپنے عزیز ترین اور نزدیک ترین افراد کو بھی اس جنگ میں شریک کیا اسی وجہ سے بنی ہاشم کی طرف رخ کر کے کہا کہ اٹھو اور باطل کے ساتھ جنگ کرو کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ نور خدا کو خاموش کر دیں۔ [1]

---

[1] مغازی واقدی ج۱ ص۶۲

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اس جنگ میں ہر سپاہی اپنے ہم سن و سال اور اپنے مقابل سے لڑنے گیا اور اس میں سب سے جوان فرد حضرت علی علیہ السلام، ولید (جو معاویہ کا ماموں تھا) سے لڑے اور ان سے کچھ بڑے حمزہ جنہوں نے عتبہ (معاویہ کا نانا) سے اور عبیدہ جوان دونوں سے بوڑھے تھے شیبہ سے جنگ کرنا شروع کر دی۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ شیبہ، حمزہ کا مقابل اور عتبہ، عبیدہ کا مقابل تھا۔[۱] اب دیکھتے ہیں کہ ان دونوں نظریوں میں کونسا نظریہ صحیح ہے ان دونوں کی تحقیق و جستجو کے بعد حقیقت واضح ہو جائے گی۔

۱۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ علی اور حمزہ نے اپنے حریف و مقابل کو فوراً ہی زمین پر گرا دیا۔ لیکن عبیدہ اور ان کے مقابل کے درمیان بہت دیر تک زور آزمائی ہوتی رہی اور ان میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کو مجروح کر دیا اور کسی نے بھی ایک دوسرے پر غلبہ حاصل نہیں کیا۔ علی اور حمزہ اپنے رقیبوں کو قتل کرنے کے بعد عبیدہ کی مدد کی لئے دوڑے اور ان کے مقابل کو قتل کر دیا۔

۲۔ امیر المومنین علیہ السلام معاویہ کو خط لکھتے ہوئے اسے یاد دلاتے ہیں کہ

وَعِنْدِیْ اَلسَّیْفُ الَّذِیْ اَعْضَضْتُہ بِجَدِّكَ وَخَالِكَ وَاَخِیْكَ فِیْ مَقَامٍ وَاحِدٍ[۲]

وہ تلوار جسے میں نے ایک دن تیرے نانا (عتبہ، ہندہ کا باپ ہند معاویہ کی ماں) اور تیرے ماموں (ولید بن عتبہ) اور تیرے بھائی (حنظلہ) کے سر پر چلائی تھی اب بھی میرے پاس موجود ہے یعنی ابھی اسی قدرت پر باقی ہوں۔

ایک اور مقام پر حضرت امیر فرماتے ہیں کہ

قَدْ عَرَفْتَ مَوَاقِعَ نصالِهَا فِیْ اَخِیْكَ وَخَالِكَ وَجَدِّكَ وَمَا هِیَ مِنَ الظَّالِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ۔[۳]

اے معاویہ! مجھے تلوار سے ڈراتا ہے؟ جب کہ میری تلوار جو تیرے بھائی، ماموں، اور نانا کے سر پر پڑی تھی تو اس سے خوب باخبر ہے اور تو یہ بھی جانتا کہ میں نے ان سب کو ایک ہی دن میں قتل کر دیا تھا۔

امامؑ کے ان دونوں خطوط سے بخوبی استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کے جد کو قتل کیا تھا اور دوسری طرف یہ بھی جانتے ہیں کہ حمزہ اور حضرت علی علیہ السلام دونوں نے اپنے مد مقابل کو بغیر کسی تاخیر کے ہلاک کر ڈالا تھا، لہٰذا اگر حمزہ کی جنگ عتبہ (معاویہ کا جد) سے ہوتی تو حضرت امیر علیہ السلام یہ کبھی نہیں فرماتے کہ اے معاویہ تیرے جد میری ہی تلوار کے وار سے ہلاک ہوئے ہیں ایسی صورت میں یہ کہنا پڑے گا کہ شیبہ اور حمزہ ایک ساتھ لڑے اور عتبہ، عبیدہ کے مقابلے میں تھا اور حضرت علی اور حمزہ اپنے اپنے حریفوں کو قتل کرنے کے بعد اس کی طرف گئے اور اسے قتل کر دیا۔

---

[۱] سیرۂ ابن ہشام ج۱ ص ٦٢٥

[۲] نہج البلاغہ نامہ ٦٤

[۳] نہج البلاغہ نامہ ٦٤

چوتھی فصل

حضرت علی علیہ السلام رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد ہیں

حکم الٰہی اور سنت حسنہ پر عمل پیرا ہونے کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے لئے ضروری تھا کہ جوانی کے بحران سے نکلنے کے لئے اپنی زندگی کی کشتی کو سکون و آرام دیں، مگر حضرت علی علیہ السلام جیسی شخصیت کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی کو وقتی آرام و آسایش کے لئے اپنی شریک حیات بنائیں اور اپنی زندگی کے بقیہ ایام کو ایسے ہی چھوڑ دیں۔ لہٰذا ایسی شریک حیات چاہتے ہیں جو ایمان، تقویٰ، علم اور بصیرت، نجابت و اصالت میں ان کی کفو اور ان کی ہم پلہ ہو۔ اور ایسی شریک حیات سوائے پیغمبر کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جن کی تمام خصوصیات سے بچپن سے لے کر اس وقت تک آپ واقف تھے، کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے شادی کے خواہشمند افراد

حضرت علی علیہ السلام سے پہلے بہت سے دوسرے افراد مثلاً ابوبکر، عمر نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ شادی کے لئے پیغمبر کو رشتہ دیا تھا اور دونوں نے پیغمبر سے ایک ہی جواب سنا تھا آپ نے فرمایا تھا کہ میں زہرا کی شادی کے سلسلے میں وحی کا منتظر ہوں۔

ان دونوں نے جو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے شادی کے سلسلے میں ناامید ہو چکے تھے رئیس قبیلہ اوس، سعد معاذ کے ساتھ گفتگو کی اور آپس میں سمجھ لیا کہ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی زہرا کا کفو نہیں بن سکتا، اور پیغمبر کی نظر انتخاب بھی علی کے علاوہ کسی پر نہیں ہے۔ اسی بنا پر یہ لوگ ایک ساتھ حضرت علی علیہ السلام کی تلاش میں نکلے اور بالآخر انہیں انصار کے ایک باغ میں پایا۔ آپ اپنے اونٹ کے ساتھ کھجور کے درختوں کی سینچائی میں مصروف تھے، ان لوگوں نے علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: قریش کے شرفا نے پیغمبر کی بیٹی سے شادی کے لئے رشتہ دیا تو پیغمبر نے ان کے جواب میں کہا کہ زہرا کی شادی کے سلسلے میں میں حکم خدا کا منتظر ہوں ہمیں امید ہے کہ اگر تم نے (اپنے تمام فضائل کی وجہ سے) فاطمہ سے شادی کی درخواست کی تو تمہاری درخواست ضرور قبول ہو جائے گی اور اگر تمہاری مالی حالت اچھی نہیں ہے تو ہم سب تمہاری مدد کریں گے۔

اس گفتگو کو سنتے ہی حضرت علی علیہ السلام کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے اور کہا: میری بھی یہی آرزو ہے کہ میں پیغمبر کی

بیٹی سے شادی کروں۔ اتنا کہنے کے بعد آپ کام چھوڑ کر پیغمبر کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے، اس وقت پیغمبر ام سلمہ کے پاس تھے۔ جس وقت آپ نے دروازے پر دستک دی۔ پیغمبر نے فوراً ام سلمہ سے کہا جاؤ اور دروازہ کھولو، کیونکہ یہ وہ شخص ہے جسے خدا اور اس کا رسول دوست رکھتا ہے۔

ام سلمہ کہتی ہیں کہ اس شخص کو دیکھنے کے لئے میرا دل بے چین ہوگیا کہ جس شخص کی پیغمبر نے ستائش کی ہے۔ میں اٹھی کہ دروازہ کھولوں۔ عنقریب تھا کہ میرے پیر لڑکھڑا جاتے۔ میں نے دروازہ کھولا حضرت علی علیہ السلام داخل ہوئے اور پیغمبر کے پاس بیٹھ گئے، لیکن پیغمبر کی عظمت وجلالت کی وجہ سے حیا مانع بن رہی تھی کہ پیغمبر سے گفتگو کریں، اس لئے سر کو جھکائے بیٹھے تھے یہاں تک کہ پیغمبر نے خاموشی کو ختم کیا اور کہا: شاید کسی کام سے آئے ہو؟ حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا: ہماری رشتہ داری ومحبت خاندان رسالت سے ہمیشہ ثابت و پائدار رہی اور ہمیشہ دین وجہاد کے ذریعے اسلام کو ترقی کے راستے پر لگاتے رہے ہیں، یہ تمام چیزیں آپ کے لئے روشن وواضح ہیں۔ پیغمبر نے فرمایا: جو کچھ تم نے کہا تم اس سے بلند و بالا ہو۔ حضرت علی علیہ السلام نے کہا: کیا آپ میری شادی فاطمہ سے کر سکتے ہیں۔ [1]

حضرت علی علیہ السلام نے اپنا پیغام دیتے وقت تقویٰ اور اپنے گذرے ہوئے روشن سابقہ اور اسلام پر اعتماد کیا، اور اس طرح سے دنیا والوں کو یہ پیغام دیا کہ معیار فضیلت یہ چیزیں ہیں نہ کہ خوبصورتی، دولت اور منصب وغیرہ۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوہر کے انتخاب میں عورت کو آزاد رکھا ہے اور حضرت علی علیہ السلام کے جواب میں فرمایا: تم سے پہلے کچھ لوگ اور بھی میری بیٹی سے شادی کی درخواست لے کر آئے تھے، میں نے ان کی درخواست کو اپنی بیٹی کے سامنے پیش کیا لیکن اس کے چہرے پر ان لوگوں کے لئے عدم رضایت کو بہت شدت سے محسوس کیا۔ اب میں تمہاری درخواست کو اس کے سامنے پیش کروں گا پھر جو بھی نتیجہ ہوگا تمہیں مطلع کروں گا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ زہرا کے گھر آئے آپ ان کی تعظیم کے لئے اٹھیں، آپ کے کاندھے سے ردا اٹھایا اور آپ کے پیر سے جوتے اتارے اور پائے اقدس کو دھلایا پھر وضو کر کے آپ کے پاس بیٹھ گئیں۔ پیغمبر نے اپنی بیٹی سے اس طرح گفتگو شروع کی:

چچا ابو طالب کا نور نظر علی وہ ہے جس کی فضیلت ومرتبہ اسلام کی نظر میں ہم پر واضح وروشن ہے۔ میں نے خدا سے دعا کی تھی کہ خدا کی بہترین مخلوق سے تمہارا عقد کروں اور اس وقت وہ تم سے شادی کی درخواست لے کر آیا ہے اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ جناب فاطمہ زہرا نے مکمل خاموشی اختیار کر لی، لیکن اپنے چہرے کو پیغمبر کے سامنے سے نہیں ہٹایا اور ہلکی سی ناراضگی کے آثار بھی چہرے پر رونما نہ ہوئے۔ رسول اسلام اپنی جگہ سے اٹھے اور فرمایا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ سُکُوتُہَا اِقْرَارُہَا یعنی

[1] حضرت علی علیہ السلام شادی کے پیغام کے وقت ایک سنت پر عمل کر رہے تھے، جب کہ ان پر بہت زیادہ حیا طاری تھی۔ آپ بذات خود اور بغیر کسی واسطے کے پیغام دے رہے تھے، اور یہ روحی شجاعت و بہادری، عفاف کے ہمراہ لائق تقدیر ہے۔

خدا بہت بڑا ہے۔ میری بیٹی کی خاموشی اس کی رضایت کی دلیل ہے۔[1]

روحی،فکری اوراخلاقی اعتبار سے برابر ہونا

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے آئین میں ہر مرد مسلمان ایک دوسرے مسلمان کا کفو اور ہم پلہ ہے۔ اور ہر مسلمان عورت جو ایک مسلمان مرد کے عقد میں آتی ہے اپنے برابر و کفو سے عقد باندھتی ہے لیکن اگر روحی وفکری اعتبار سے دیکھا جائے تو بہت سی عورتیں بعض مردوں کے ہم شان و ہم رتبہ نہیں ہیں یا اس کے برعکس بعض مرد بعض عورتوں کے برابر و ہم رتبہ نہیں ہیں۔

شریف ومومن اور متدین مسلمان جو انسانیت کے بلند و بالا مراتب اور اخلاق وعلم و دانش کے وسیع مراتب پر فائز ہیں انہیں چاہئے کہ ایسی عورتوں کو اپنی شریک حیات بنائیں جو روحی و اخلاقی اعتبار سے ان کے ہم مرتبہ اور ان سے مشابہ ہوں۔

یہ امر پاکدامن اور پرہیزگار عورتوں، جو فضائل اخلاقی اور اعلی ترین علم و اندیشہ سے مالا مال ہیں، کے لئے بھی ہے۔ شادی کا سب سے اہم مقصد، پوری زندگی میں سکون و اطمینان کا ہونا ہے اور یہ چیز بغیر اس کے ممکن نہیں ہے اور جب تک اخلاقی مشابہت اور روحی ہم آہنگی پوری زندگی پر سایہ فگن نہیں ہوتیں شادی عبث اور بیکار ہو جاتی ہے۔

اس حقیت کے بیان کرنے کے بعد خدا کے اس کلام کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے جو اس نے اپنے پیغمبر سے فرمایا تھا:

لَوْ لَمْ اَخْلُقْ عَلِيّاً لَمَا كَانَ لِفَاطِمَةَ اِبْنَتِكَ كُفْوٌ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ[2]

اگر میں نے علی کو پیدا نہ کیا ہوتا تو روئے زمین پر ہرگز تمہاری بیٹی فاطمہ کا کفو نہ ہوتا۔

بطور مسلم اس برابری اور کفو سے مراد مقام و مرتبے میں برابری ہے۔

شادی کے اخراجات:

حضرت علی علیہ السلام کے پاس مال دنیا میں صرف تلوار اور زرہ تھی جس کے ذریعے آپ راہ خدا میں جہاد کرتے تھے اور ایک اونٹ تھا کہ جس کے ذریعہ سے مدینہ کے باغوں میں کام کر کے خود کو انصار کی مہمانی سے بے نیاز کرتے تھے۔

منگنی اور عقد وغیرہ کے بعد وہ وقت بھی آ پہنچا کہ حضرت علی علیہ السلام اپنی شریک زندگی کے لئے کچھ سامان آمادہ کریں اور اپنی نئی زندگی کو پیغمبر کی بیٹی کے ساتھ شروع کریں۔ پیغمبر نے قبول کرلیا کہ حضرت علی علیہ السلام اپنی زرہ کو بیچ دیں اور اس کی قیمت سے فاطمہ کی مہر کے عنوان سے پیغمبر کو کچھ ادا کریں۔ زرہ چارسو درہم میں فروخت ہوئی۔ پیغمبر نے اس میں کچھ درہم بلال کو دیا تا کہ زہرا کے لئے عطر خریدیں اور اس میں سے کچھ درہم عمار یاسر اور اپنے کچھ دوستوں کو دیا تا کہ علی و فاطمہ کے گھر کے لئے کچھ ضروری سامان خریدیں۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے جہیز کو دیکھ کر اسلام کی عظیم خاتون کی زندگی کے حالات

---

[1] کشف الغمہ ج۱ص۵۰

[2] بحارالانوار، ج۴۳ ،ص۹۔

کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پیغمبر کے بھیجے ہوئے افراد بازار سے واپس آ گئے اور جو کچھ بھی سامان انہوں نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے لئے آمادہ کیا تھا وہ یہ ہیں:

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا جہیز:

١۔ پیراہن ٧ درہم کا۔ ٢۔ روسری ١ درہم کا۔

٣۔ کالی چادر، جو پورے بدن کو چھپا نہیں سکتی تھی۔

٤۔ ایک عربی تخت، جو لکڑی اور کھجور کی چھال سے بنا تھا۔

٥۔ دو مصری کتان سے بنی ہوئی توشک جس میں ایک ریشمی اور دوسری کھجور کی چھال سے بنی تھی۔

٦۔ چار مسندیں، دو ریشم اور دو کھجور کی چھال سے بنی ہوئیں۔

٧۔ پردہ۔ ٨۔ ہجری چٹائی۔

٩۔ چکی۔ ١٠۔ بڑا طشت۔

١١۔ چمڑے کی مشک۔ ١٢۔ دودھ کے لئے لکڑی کا پیالہ۔

١٣۔ پانی کے لئے چمڑے کے کچھ برتن۔ ١٤۔ لوٹا۔

١٥۔ پیتل کا بڑا برتن (لگن) ١٦۔ چند پیالے۔

١٧۔ چاندی کے بازو بند۔

پیغمبر کے دوستوں نے جو کچھ بھی بازار سے خریدا تھا پیغمبر کے حوالے کیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کے گھر کا سامان دیکھ کر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِقَوْمٍ جُلَّ آنِيَتِهِمُ الْخَزَفَ

خداوندا جو لوگ زیادہ تر مٹی کے برتن استعمال کرتے ہیں ان کی زندگی کو مبارک قرار دے۔[1]

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا مہر:

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کا مہر پانچ سو درہم تھا اور ہر درہم ایک مثقال چاندی کے برابر تھا (ہر مثقال ١٨ چنے کے برابر ہوتا ہے)۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم المرتبت بیٹی کا عقد بہت زیادہ سادگی اور بغیر کسی کمی کے ہوا عقد ہوئے ایک مہینہ سے زیادہ گزر گیا پیغمبر کی عورتوں نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا: اپنی بیوی کو اپنے گھر کیوں نہیں لے جاتے؟ حضرت علی علیہ السلام نے

[1] بحار الانوار ج ٤٣ ص ٩٤، کشف الغمہ، ج١ ص ٣٥٩، کشف الغمہ کے مطابق حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر کے تمام سامان کل ٦٣ درہم میں خریدے گئے تھے۔

ان لوگوں کو جواب دیا: لے جاؤں گا۔ ام ایمن پیغمبر کی خدمت حاضر ہوئیں اور کہا اگر خدیجہ زندہ ہوتیں تو وہ فاطمہ کے مراسم ازدواج کو دیکھ کر خوش ہو جاتیں۔

پیغمبر نے جب خدیجہ کا نام سنا تو آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور کہا: اس نے میری اس وقت تصدیق کی تھی جب سب نے مجھے جھٹلا دیا تھا۔ اور خدا کے دین کو دوام بخشنے کیلئے میری مدد کی اور اپنے مال کے ذریعے اسلام کے پھیلانے میں مدد کی۔ [1]

ام ایمن نے کہا: فاطمہ کو ان کے شوہر کے گھر بھیج کر ہم سب کو خوشحال کیجئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک کمرہ کو زہرا کے زفاف کے لئے آمادہ کرو اور انہیں آج کی رات اچھے لباس سے آراستہ کرو۔ [2]

جب دلہن کی رخصتی کا وقت قریب آیا تو پیغمبر نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو اپنے پاس بلایا۔ زہرا پیغمبر کے پاس آئیں، جبکہ ان کے چہرے پر شرم و حیا کا پسینہ تھا اور بہت زیادہ شرم کی وجہ سے پیر لڑکھڑا رہے تھے اور ممکن تھا کہ زمین پر گر جائیں۔ اس موقع پر پیغمبر نے ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا:

اَقَالَكِ اللهُ الْعَثْرَةَ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ.

خدا تمہیں دونوں جہان کی لغزش سے محفوظ رکھے، پھر زہرا کے چہرے سے حجاب ہٹایا اور ان کے ہاتھ کو علی کے ہاتھ میں دیا اور مبارکباد پیش کر کے فرمایا:

بَارِكْ لَكَ فِي اِبْنَةِ رَسُوْلِ اللهِ يَا عَلِيُّ نِعْمَتِ الزَّوْجَةُ فَاطِمَةُ

پھر فاطمہ کی طرف رخ کر کے کہا: نِعْمَ الْبَعْلُ عَلِيٌّ۔

پھر دونوں کو اپنے گھر جانے کے لئے کہا اور بزرگ شخصیت مثلاً سلمان کو حکم دیا کہ جناب زہرا سلام اللہ علیہا کے اونٹ کی مہار پکڑیں اور اس طرح اپنی باعظمت بیٹی کی جلالت کا اعلان کیا۔

جس وقت دولہا و دولہن حجلہ عروسی میں گئے تو دونوں شرم و حیا سے زمین کی طرف نگاہ کئے ہوئے تھے، پیغمبر ان کے کمرے میں داخل ہوئے اور ایک برتن میں پانی لیا اور تبرک کے طور پر اپنی بیٹی کے سر اور بدن پر چھڑکا، پھر دونوں کے حق میں اس طرح سے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ اِبْنَتِيْ وَ اَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَيَّ اَللّٰهُمَّ وَ هٰذَا اَخِيْ وَ اَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَيَّ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ وَلِيّاً وَ------- [3]

---

[1] بحارالانوار ج ۴۳ ص ۱۳۰

[2] بحارالانوار ج ۴۳ ص ۵۹

[3] بحارالانوار ج ۴۳ ص ۹۶

پانچویں فصل

جنگ اُحد میں امیر المومنین علیہ السلام کی جاں نثاری

جنگ بدر میں شکست کی وجہ سے قریش کے دل بہت زیادہ افسردہ اور مرجھائے ہوئے تھے۔ان لوگوں نے اس مادی اور معنوی شکست کی تلافی کے لئے ارادہ کیا کہ اپنے قتل ہونے والوں کا انتقام لیں۔اور اکثر عرب کے قبیلوں کے بہادر وجانباز اور جنگجو قسم کے افراد کا ایک منظم لشکر تیار کر کے مدینہ کی طرف روانہ کریں۔

لہٰذا عمرو عاص اور بعض دوسرے افراد کو مامور کیا گیا کہ کنانہ اور ثقیف قبیلے کے افراد کو اپنا بنائیں اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے میں ان سے مدد طلب کریں۔ان لوگوں نے کافی محنت و مشقت کر کے تین ہزار جنگ جو افراد کو مسلمانوں سے مقابلے کے لئے آمادہ کر لیا۔

اسلام کے اطلاعاتی دستہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے ارادے اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے وہاں سے روانہ ہونے سے آگاہ کر دیا۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں سے مقابلے کے لئے جانبازوں کی ایک کمیٹی بنائی جس میں سے اکثریت کا کہنا یہ تھا کہ اسلام کا لشکر مدینے سے نکل جائے اور شہر کے باہر جا کر دشمنوں سے مقابلہ کرے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد ایک ہزار کا لشکر لے کر مدینہ سے کوہ احد کی طرف نکل پڑے۔

۷ شوال ۳ ھ کی صبح کو دونوں لشکر صف بستہ ایک دوسرے کے روبرو کھڑے ہو گئے، اسلام کی فوج نے ایسی جگہ کو مورچہ بنایا کہ ایک طرف یعنی پیچھے سے طبیعی طور پر ایک محافظ کوہ احد تھا لیکن کوہ احد کے بیچ میں اچھی خاصی جگہ کٹی ہوئی تھی اور احتمال یہ تھا کہ دشمن کی فوج کوہ کو چھوڑ کر اسی کٹی ہوئی جگہ اور مسلمانوں کے لشکر کے پیچھے کی طرف سے حملہ کرے، لہٰذا پیغمبر نے اس خطرے کو ختم کرنے کے لئے عبداللہ جبیر کو پچاس تیراندازوں کے ساتھ اسی پہاڑی پر بھیج دیا تا کہ اگر دشمن اس راستے سے داخل ہو تو اس کا مقابلہ کریں۔اور حکم دیا کہ ایک لحمہ کے لئے بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹیں، یہاں تک کہ اگر مسلمانوں کو فتح نصیب ہو جائے اور دشمن بھاگنے بھی لگیں جب بھی اپنی جگہ چھوڑ کر نہ جائیں۔

پیغمبر نے علم کو مصعب کے حوالے کیا کیونکہ وہ قبیلۂ بنی عبدالدار کے تھے اور قریش کے پرچمدار بھی اسی قبیلے کے رہنے والے تھے۔

جنگ شروع ہوگئی اور مسلمانوں کے جانباز اور بہادروں کی وجہ سے قریش کی فوج بہت زیادہ نقصان اٹھانے کے

بعد بھاگنے لگی، پہاڑی پر بیٹھے ہوئے تیراندازوں نے یہ خیال کیا کہ اب اس پہاڑی پر رکنا ضروری نہیں ہے۔لہٰذا پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مال غنیمت لوٹنے کے لئے مورچہ کو چھوڑ کر میدان میں آ گئے، خالد بن ولید جو جنگ کرنے میں بہت ماہر و بہادر تھا جنگ کے پہلے ہی سے وہ جانتا تھا کہ اس پہاڑی کا دہانہ کامیابی کی کلید ہے، اس نے کئی مرتبہ کوشش کی تھی کہ اس کے پشت پر جائے اور وہاں سے اسلام کے لشکر پر حملہ کرے، مگر محافظت کرنے والے تیراندازوں نے اسے روکا اور یہ پیچھے ہٹ گیا، اس مرتبہ جب خالد نے اس جگہ کو محافظوں سے خالی پایا تو ایک زبردست اور غافل گیر حملہ کرتے ہوتے فوج اسلام کی پشت سے ظاہر ہوا، اور غیر مسلح اور غفلت زدہ مسلمانوں پر پیچھے کی جانب سے حملہ کردیا، مسلمانوں کے درمیان عجیب کھلبلی مچ گئی اور قریش کی بھاگتی ہوئی فوج اسی راستے سے دوبارہ میدان جنگ میں اتر آئی، اور اسی دوران اسلامی فوج کے پرچم دار مصعب بن عمیر دشمن کے ایک سپاہی کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے اور چونکہ مصعب کا چہرا چھپا ہوا تھا، ان کے قاتل نے یہ سوچا کہ یہ پیغمبر ہیں۔لہٰذا چیخنے لگا اَلَا قَدْ قُتِلَ مُحَمَّداً (اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ محمد قتل ہو گئے) پیغمبر کے قتل کی خبر مسلمانوں کے درمیان پھیل گئی۔اور ان کی اکثریت میدان چھوڑ کر بھاگنے لگی اور میدان میں چند لوگوں کے علاوہ کوئی باقی نہ بچا۔

اسلام کا بزرگ سیرت نگار، ابن ہشام اس طرح رقمطراز ہے:

انس بن مالک کا چچا انس بن نضر کہتا ہے: جس وقت اسلام کی فوج ذہنی دباؤ کا شکار ہوئی اور پیغمبر کے قتل کی خبر چاروں طرف پھیل گئی تو اکثر مسلمان اپنی جان بچانے کی فکر کرنے لگے اور ہر شخص ادھر ادھر چھپنے لگا۔انس کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ انصار و مہاجر کا ایک گروہ جس میں عمر بن خطاب، طلحہ اور عبید اللہ بھی تھے ایک کنارے پر بیٹھا اپنی نجات کی فکر کر رہا ہے۔میں نے اعتراض کے انداز میں ان سے کہا: کیوں یہاں بیٹھے ہو؟

ان لوگوں نے مجھے جواب دیا: پیغمبر قتل ہو گئے ہیں اور اب جنگ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔میں نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر پیغمبر قتل ہو گئے تو کیا زندگی کا کوئی فائدہ نہیں ہے تم لوگ اٹھو اور جس راہ میں وہ قتل ہوئے ہیں تم بھی شہید ہو جاؤ۔اور اگر محمد قتل کر دیئے گئے تو محمد کا خدا زندہ ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ میری باتوں کا ان پر ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا، میں نے اسلحہ اٹھایا اور جنگ میں مشغول ہو گیا۔[1]

ابن ہشام کہتے ہیں:

انس کو اس جنگ میں ستر زخم لگے اور اس کی لاش کو اس کی بہن کے علاوہ کوئی پہچان نہ سکا، مسلمانوں کے بعض گروہ اس قدر افسردہ تھے کہ انہوں نے خود ایک بہانہ تلاش کیا کہ عبداللہ بن ابی منافق کا ساتھ کس طرح سے دیں تا کہ ابوسفیان سے ان کے لئے امان نامہ لیں۔اور مسلمانوں کے بعض گروہ نے پہاڑی پر پناہ لی۔[2]

---

[1] سیرۂ ابن ہشام ج ۳ ص ۸٤ ـ ۸۳

[2] سیرۂ ابن ہشام ج ۳ ص ۸٤ ـ ۸۳

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ بغداد میں ۶۰۸ ھ میں ایک شخص واقدی کی کتاب مغازی کوایک بزرگ دانشمند محمد بن معدعلوی سے پڑھتا تھا۔ایک دن میں نے بھی اس درس میں شرکت کی۔اورجس وقت گفتگو یہاں پہنچی کہ محمد بن مسلمہ جوصریحاً نقل کرتا ہے کہ احد کے دن خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مسلمان پہاڑی کے اوپر چڑھ رہے تھے اور پیغمبران کا نام لے کر پکار رہے تھے کہ اِلَیَّ یا فلان (اے فلاں میری طرف آؤ) لیکن کسی نے بھی پیغمبر کی آواز پر لبیک نہ کہا۔استاد نے مجھ سے کہا فلاں سے مراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے پیغمبر کے بعد مقام ومنصب کو حاصل کیا۔اورراوی نے خوف وڈر کی وجہ سے ان کا نام لکھنے سے پرہیز کیا ہے اوروہ نہیں چاہتا تھا کہ صریحی طور پران سب کا نام لکھے۔[۱]

جاںثاری مقصدوہدف پرایمان کی علامت ہے

جاںثاری اور جانبازی، مقصدوہدف پرایمان کی علامت ونشانی ہے اوراس کے ذریعے سے انسان کی جاںثاری کا اندازہ اس کے ہدف پرایمان واعتقاد کے ذریعے لگایا جاسکتا ہے، اورحقیقت میں بلندترین اورصحیح کسوٹی ایک شخص کے عقیدے کا اندازہ کرنے کے لئے، اس کے گزرے ہوئے حالات کودیکھ کر لگایا جاسکتا ہے۔قرآن کریم نے اس حقیقت کو اپنی آیتوں میں اس طرح سے بیان کیا ہے:

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ لَمۡ يَرۡتَابُوۡا وَجٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ[۲]

(سچے مومن) توبس وہی ہیں جوخدااوراس کے رسول پرایمان لائے پھرانہوں نے اس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہ کیااوراپنے مال سے اوراپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔

جنگ احد، مومن اورغیرمومن کی پہچان کے لئے بہترین کسوٹی تھی اورایک عمدہ پیمانہ تھا بہت سے ان افراد کے لئے جوایمان کا دعوی کرتے تھے۔مسلمانوں کے بعض گروہ کا اس جنگ سے بھاگنا اتنا پراثر تھا کہ مسلمانوں کی عورتیں جواپنے بیٹوں کے ساتھ میدان جنگ میں آئی تھیں اورکبھی کبھی زخمیوں کی خبرگیری کرتی تھیں اور پیاسے جانبازوں کو پانی سے سیراب کرتی تھیں اس بات پرمجبور ہوگئیں کہ پیغمبر کا دفاع کریں۔

جب نسیبہ نامی عورت نے ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو ہاتھ میں تلوار لے کر رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمنوں سے دفاع کیا۔جس وقت پیغمبر نے اس عورت کی جاںثاری کو بھاگنے والوں کے مقابلے میں مشاہدہ کیا تو آپ نے اس بہادرعورت کے بارے میں ایک تاریخی جملہ ارشادفرمایا:

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱۵ ص ۲۳

[۲] سورۂ حجرات آیت ۱۵

مَقٰامُ نَسِیْبَۃِ بِنْتِ کَعْبٍ خَیْرٌ مِنْ مَقٰامِ فُلٰانٍ وَ فُلٰانٍ

کعب کی بیٹی نسیبہ کا مقام و مرتبہ فلاں فلاں سے بہتر ہے۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ راوی نے پیغمبر کے ساتھ خیانت کی ہے کیونکہ جن لوگوں کا نام پیغمبر نے صریحی طور پر ذکر کیا تھا اسے بیان نہیں کیا۔[۱]

انہی افراد کے مقابلے میں تاریخ ایک ایسے جانباز کا اعتراف کرتی ہے جو اسلام کی پوری تاریخ میں فداکاری اور جانثاری کا نمونہ ہے، اور جنگ احد میں مسلمانوں کی دوبارہ کامیابی اسی جانثار کی قربانیوں کا نتیجہ تھی۔ یہ عظیم المرتبت جانثار، یہ حقیقی فداکار مولائے متقیان حضرت امیر المومنین کی ذات گرامی ہے۔ جنگ کی ابتدا میں قریش کے بھاگنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پرچم اٹھانے والے ۹ افراد ایک کے بعد ایک مولائے کائنات کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دلوں میں شدید رعب بیٹھ گیا اور ان کے اندر ٹھہرنے اور مقابلے کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہی۔[۲]

امام کی جانثاری پر ایک نظر:

معاصر مصری مؤرخین جنہوں نے اسلامی واقعات کا تجزیہ کیا ہے حضرت علی علیہ السلام کے حق کو جیسا کہ آپ کے شایان شان تھا یا کم از کم جیسا کہ تاریخ نے لکھا ہے ادا نہیں کیا ہے، اور امیر المومنین کی جانثاری کو دوسرے کے حق میں قرار دیا ہے اس بنا پر ضروری ہے کہ مختصر طور پر حضرت امیر کی جانثاریوں کو انہی کے مأخذ سے بیان کروں۔

۱۔ ابن اثیر نے اپنی تاریخ[۳] میں لکھا ہے:

پیغمبر چاروں طرف سے قریش کے لشکر میں گھر گئے تھے، ہر گروہ جب بھی پیغمبر پر حملہ کرتا تو حضرت علی علیہ السلام پیغمبر کے حکم سے جب کچھ قتل ہو جاتے تھے تو باقی راہ فرار اختیار کرتے تھے۔ ایسا جنگ احد میں کئی مرتبہ ہوا۔ اس جانثاری کی بنیاد پر جبرئیل امین نازل ہوئے اور حضرت علی علیہ السلام کے ایثار کو پیغمبر کے سامنے سراہا اور کہا: یہ ایک بلند ترین جانثاری ہے جس کو انہوں نے کر دکھایا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل امین کی تصدیق کی اور کہا: میں علی سے ہوں اور علی مجھ سے ہیں

کچھ ہی دیر کے بعد میدان میں ایک آواز سنائی دی جس کا مفہوم یہ تھا:

لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوْالْفِقَارِ وَلَا فَتٰی اِلَّا عَلِی

ذوالفقار جیسی کوئی تلوار نہیں اور علی کے جیسا کوئی جوان نہیں۔

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۴ ص ۲۶۶

[۲] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۴ ص ۲۵۰

[۳] تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۰۷

ابن ابی الحدید اس واقعہ کی مزید شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ گروہ جس نے پیغمبر پر حملہ کیا تا کہ ان کو قتل کردیں اس میں پچاس آدمی تھے اور علی علیہ السلام نے جو کہ پا پیادہ جنگ کررہے تھے ان لوگوں کو متفرق کردیا۔

پھر جبرئیل امین علیہ السلام کے نازل ہونے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس مطلب کے علاوہ جو کہ تاریخ کے اعتبار سے مسلم ہے میں نے محمد بن اسحاق کی کتاب غزوات کے بعض نسخوں میں جبرئیل امین کے نزول کے متعلق دیکھا ہے کہ یہاں تک ایک دن اپنے استاد عبدالوہاب سکینہ سے اس واقعہ کی صحت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا صحیح ہے، میں نے ان سے کہا پھر کیوں اس صحیح روایت کو صحاح ستہ کے مؤلفین نے نہیں لکھا؟ انہوں نے جواب میں کہا: بہت سی صحیح روایتیں موجود ہیں جس کے لکھنے میں صحاح ستہ کے مؤلفین سے غفلت ہوئی ہے۔ [1]

۲۔ حضرت امیر المومنین نے رأس الیہود کے متعلق اپنے اصحاب کے بعض گروہ کے سامنے جو تفصیلی تقریر فرمائی اس میں اپنی جانثاری کے بارے میں اس طرح اشارہ کیا ہے:

جس وقت قریش کے لشکر نے طوفان کی طرح ہم پر حملہ کیا تو انصار اور مہاجرین اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوگئے، لیکن میں نے ستر زخم کھانے کے باوجود بھی حضرت کا دفاع کیا۔

پھر آپ نے قبا کو اتارا اور زخم کے نشانات جو باقی تھے اس پر ہاتھ لگا کر دکھایا، یہاں تک کہ بنا برنقل، خصال شیخ صدوق حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر کے دفاع کرنے میں اتنی جانفشانی و جانثاری کی کہ آپ کی تلوار ٹوٹ گئی اور پیغمبر نے اپنی تلوار، ذوالفقار کو حضرت علی علیہ السلام کے حوالے کیا تا کہ اس کے ذریعے سے راہ خدا میں جہاد کرتے رہیں۔ [2]

۳۔ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

جب پیغمبر کے اکثر صحابی وسپاہی میدان سے بھاگ گئے تو دشمنوں نے پیغمبر پر اور بڑھ چڑھ کر حملہ کرنا شروع کردیا۔ بنی کنانہ قبیلہ کا ایک گروہ اور بنی عبد مناف قبیلے کا گروہ جن کے درمیان چار نامی پہلوان موجود تھے پیغمبر کی طرف حملہ آور ہوئے۔ اس وقت علی پیغمبر کی چاروں طرف سے پروانہ کی طرح حفاظت کررہے تھے، اور دشمن کو نزدیک آنے سے روک رہے تھے، ایک گروہ جس کی تعداد پچاس آدمیوں سے بھی زیادہ تھی انہوں نے پیغمبر کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا اور صرف حضرت علی علیہ السلام کا شعلہ ور حملہ تھا جس نے اس گروہ کو منتشر کردیا، لیکن وہ پھر دوبارہ آگئے اور پھر سے حملہ شروع کردیا اور اس حملے میں وہ چار نامی پہلوان اور دس دوسرے افراد جن کا نام تاریخ نے بیان نہیں کیا ہے قتل ہوگئے۔ جبرئیل نے حضرت علی علیہ السلام کی اس جانثاری پر پیغمبر کو مبارک باد دی اور پیغمبر نے فرمایا: علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔

٤۔ اس پہلے کی جنگوں میں لشکر کی علمبرداری کے سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط رکھی گئی اور پرچم کو بہادر اور دلیر افراد

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ١٤ ص ٢١٥

[2] خصال شیخ صدوق ج ٢ ص ١٥

کے ہاتھ میں دیا گیا۔علمبر دار کے بہادر ہونے کی وجہ سے جنگجوؤں میں بہادری وشجاعت بڑھ گئی اور سپاہیوں کو ذہنی خلفشار سے بچانے کے لئے کچھ لوگوں کو لشکر کا علمبر دار معین کیا گیا تا کہ اگر ایک مارا جائے تو دوسرا اس کی جگہ پر پرچم کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔

قریش، مسلمانوں کی بہادری اور جانثاریوں سے جنگ بدر میں باخبر تھے، اسی وجہ سے اپنے بہت زیادہ سپاہیوں کو لشکر کا علمبر دار بنایا تھا۔قریش کا سب سے پہلا علمبر دار طلحہ بن طلیحہ تھا وہ پہلا شخص تھا جو حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا۔اس کے قتل کے بعد قریش کے پرچم کو افراد درج ذیل نے سنبھالا اور تمام کے تمام حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں مارے گئے۔سعید بن طلحہ، عثمان بن طلحہ، شافع بن طلحہ، حارث بن ابی طلحہ، عزیز بن عثمان، عبداللہ بن جمیلہ، ارطاۃ بن شراحبیل، صوأب۔

ان لوگوں کے مارے جانے کی وجہ سے قریش کی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ گئی، اس طرح سے مسلمانوں نے حضرت علی علیہ السلام کی جانثاری کی وجہ سے جنگ فتح کر لی۔[1]

علامہ شیخ مفید اپنی کتاب ارشاد میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ قریش کے علمبر داروں کی تعداد ۹ آدمیوں پر مشتمل تھی اور تمام کے تمام یکے بعد دیگرے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں مارے گئے۔

ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ میں ان افراد کے علاوہ اور بھی نام ذکر کئے ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کے پہلے ہی حملہ میں قتل ہو گئے تھے۔[2]

---

[1] تفسیر قمی ص ۱۰۳، ارشاد مفید ص ۱۱۵، بحار الانوار ج ۲۰ ص ۱۵

[2] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۸۴، ۸۱

چھٹی فصل

اسلام کی شرک پر کامیابی

عرب کے بت پرستوں کی فوج چیونٹی اور ٹڈی کی طرح ایک گہرے خندق کے کنارے آکر رک گئی جسے مسلمانوں نے چھ دن میں کھودی تھی۔ان لوگوں نے سوچا پچھلی مرتبہ کی طرح اس مرتبہ بھی احد کے جنگل میں مسلمانوں سے مقابلہ کریں گے لیکن اس مرتبہ وہاں کوئی موجود نہ تھا۔بہرحال وہ لوگ آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ شہر مدینہ کے دروازے تک پہنچ گئے۔مدینے کے نزدیک ایک گہری اور خطرناک خندق دیکھ کر وہ لوگ حیران و پریشان ہوگئے،دشمن کی فوج کے سپاہیوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی جب کہ اسلام کے مجاہدوں کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی۔[۱]

تقریباً ایک مہینے تک مدینہ کا محاصرہ کئے رہے اور قریش کے سپاہی ہر لحہ اس فکر میں تھے کہ کسی طرح سے خندق کو پار کر جائیں۔دشمن کے سپاہی خندق کے سپاہیوں سے مقابلے کے لئے جنہوں نے تھوڑے سے فاصلے پر اپنے دفاع کے لئے مورچہ بنایا تھا روبرو ہوئے اور دونوں طرف سے تیر چلنے کا سلسلہ شب و روز جاری رہا اور کسی نے بھی ایک دوسرے پر کامیابی حاصل نہ کی۔

دشمن کی فوج کا اس حالت پر باقی رہنا بہت دشوار اور مشکل تھا،چونکہ ٹھنڈی ہوا اور غذا کی کمی انہیں موت کی دعوت دے رہی تھی اور عنقریب تھا کہ جنگ کا خیال ان کے دماغوں سے نکل جائے اور سستی اور تھکن ان کی روح میں رخنہ پیدا کردے۔اس وجہ سے فوج کے بزرگوں کے پاس کوئی اور چارہ نہ تھا مگر یہ کہ کسی بھی صورت سے ان کے بہادر و دلیر سپاہی خندق کو پار کر جائیں۔فوج قریش کے چھ پہلوان و بہادر اپنے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے خندق کے پاس گئے اور دھاوا بول دیا اور بہت ہی احتیاط سے خندق پار کر کے میدان میں داخل ہوگئے،ان چھ پہلوانوں میں عرب کا نامی گرامی پہلوان عمرو بن عبدود بھی تھا جو شبہ جزیرہ کا قوی اور بہادر جنگجو مشہور تھا،لوگ اسے ایک ہزار بہادروں پر بھاری سمجھتے تھے اور وہ اندر سے لوہے کی زرہ پہنے ہوئے تھا اور مسلمانوں کی صفوں کے سامنے شیر کی طرح غرایا اور تیز تیز چلا کر کہا کہ بہشت کا دعویٰ کرنے والے کہاں ہیں؟ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھے جہنم واصل کردے یا میں اس کو جنت میں بھیج دوں؟

اس کے کلمات موت کی آواز تھے اور اس کے مسلسل نعروں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس طرح ڈر بیٹھ گیا

---

[۱] امتاع الاسماع،مقریزی،منقول از سیرۂ ہشام ج۲ ص۲۳۸

تھاایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کے کان بند ہو گئے ہوں اور زبانیں گنگ ہوگئی ہوں۔[۱]

ایک مرتبہ پھر عرب کے بوڑھے پہلوان نے اپنے گھوڑے کی لگام کو چھوڑ دیا اور مسلمانوں کی صفوں کے درمیان پہنچ گیا اور ٹہلنے لگا اور پھر اپنا مقابل مانگنے لگا۔

جتنی مرتبہ بھی اس عرب کے نامی پہلوان کی آواز جنگ کے لئے بلند ہوتی تھی فقط ایک ہی جوان اٹھتا تھا اور پیغمبر سے میدان جنگ میں جانے کی اجازت مانگتا، مگر ہر بار پیغمبر اسے منع کر دیتے تھے اور وہ جوان حضرت علی علیہ السلام تھے۔ پیغمبر ان کی درخواست پر فرماتے تم بیٹھ جاؤ یہ عمرو ہے۔

عمرو نے تیسری مرتبہ پھر آواز دی اور کہا میری آواز چیختے چیختے بیٹھ گئی، کیا تمہارے درمیان کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو میدان جنگ میں قدم رکھے؟ اس مرتبہ بھی حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر سے بہت اصرار کیا کہ جنگ میں جانے کی اجازت دیدیں۔ پیغمبر نے فرمایا: یہ لڑنے والا عمرو ہے، حضرت علی علیہ السلام خاموش ہو گئے بالآخر پیغمبر نے حضرت علی علیہ السلام کی درخواست کو قبول کرلیا۔ پھر اپنی تلوار انہیں عطا کی اور اپنا عمامہ ان کے سر پر باندھا اور ان کے حق میں دعا کی[۲] اور کہا: خداوندا! علی کو دشمن کے شر سے محفوظ رکھ۔ پروردگارا: جنگ بدر میں عبیدہ اور جنگ احد میں شیر خدا حمزہ کو تو نے مجھ سے لے لیا، خدایا! علی کو مشکلات سے دور رکھ۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی:

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ[۳]

پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ دینا کہ تو تمام وارثوں سے بہتر وارث ہے۔

پھر اس تاریخی جملے کو بیان فرمایا:

برزَ الايمانُ كلّهُ الى الشرك كلِّه

یعنی ایمان و شرک کے دو مظہر ایک دوسرے کے روبرو ہوئے ہیں۔[۴]

حضرت علی علیہ السلام مکمل ایمان کے مظہر اور عمرو شرک و کفر کا کامل مظہر تھا۔ شاید پیغمبر کے اس جملے سے مقصد یہ ہو کہ ایمان اور شرک کا فاصلہ کم ہو گیا ہے اور اس جنگ میں ایمان کی شکست شرک کی موقعیت کو پوری دنیا میں اجاگر کر دے گی۔

امام تاخیر کے جبران کے لئے بہت تیزی سے میدان کی طرف روانہ ہوئے اور عمرو کے پڑھے ہوئے رجز کے

---

[۱] واقدی نے اپنی کتاب مغازی میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کہتا ہے کہ کان علی رؤوسہم الطیر گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے تھے۔ مغازی ج۲ ص ۴۸

[۲] تاریخ الخمیس ج۱ ص ۴۸۶

[۳] سورۂ انبیاء آیت ۸۹

[۴] کنز الفوائد ص ۱۳۷

وزن اور قافیہ پر رجز پڑھنا شروع کیا جس کا مفہوم یہ تھا: جلدی نہ کر اے بہادر میں تجھے جواب دینے کے لئے آیا ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام لوہے کی زرہ پہنے ہوئے تھے اور ان کی آنکھیں مغفر (لوہے کی ٹوپی) کے درمیان چمک رہی تھیں، عمرو حضرت علی علیہ السلام کو پہچاننے کے بعد ان سے مقابلہ کرنے سے کترانے لگا اور کہا تمہارے باپ ہمارے دوستوں میں سے تھے اور میں نہیں چاہتا کہ ان کے بیٹے کے خون کو بہاؤں۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

جب میرے استاد ابوالخیر نے تاریخ کے اس حصے کا درس دیا تو اس طرح بیان کیا: عمرو نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی اور بہت ہی قریب سے حضرت علی علیہ السلام کی شجاعت و بہادری کو دیکھا تھا اسی وجہ اس نے بہانہ بنایا اور بہت خوفزدہ تھا کہ کس طرح سے ایسے بہادر سے مقابلہ کرے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس سے کہا: تو میری فکر نہ کر۔ میں چاہے قتل ہو جاؤں چاہے فتح حاصل کرلوں، خوش نصیب رہوں گا اور میری جگہ جنت میں ہے لیکن ہر حالت میں جہنم تیرا انتظار کر رہا ہے اس وقت عمرو نے ہنس کر کہا: اے میرے بھتیجے یہ تقسیم عادلانہ نہیں ہے جنت اور جہنم دونوں تمہارا مال ہے۔[1]

اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے اسے وہ نذر یاد دلائی جس کو جو اس نے خدا سے کیا تھا کہ اگر قریش کا کوئی شخص اس سے دو چیزوں کا تقاضا کرے تو وہ ایک چیز کو قبول کرلے گا۔ عمرو نے کہا: بالکل ایسا ہی ہے حضرت علی علیہ السلام نے کہا: میری پہلی درخواست یہ ہے کہ اسلام قبول کرلے۔ عرب کے نامی پہلوان نے کہا: یہ درخواست مجھ سے نہ کرو مجھے تمہارے دین کی ضرورت نہیں ہے، ۔ پھر علی نے کہا: جا اور جنگ کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دے اور اپنے گھر کی طرف چلا جا۔ اور پیغمبر کے قتل کو دوسروں کے حوالہ کردے کیونکہ اگر وہ کامیاب ہو گیا تو قریش کے لئے باعث افتخار ہوگا اور اگر قتل ہو گیا تو تیری آرزو بغیر جنگ کے پوری ہو جائے گی۔

عمرو نے جواب میں کہا: قریش کی عورتیں اس طرح گفتگو نہیں کرتیں، کس طرح واپس جاؤں، جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے قبضے میں ہیں اور اب وہ وقت پہنچ چکا ہے کہ جو میں نے نذر کی تھی اس پر عمل کروں؟ کیونکہ میں نے جنگ بدر کے بعد نذر کی تھی کہ اپنے سر پر تیل اس وقت تک نہیں رکھوں گا جب تک محمد سے اپنے بزرگوں کا انتقام نہ لے لوں گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس سے کہا: اب تو جنگ کے لئے آمادہ ہو جا! تاکہ پڑی ہوئی گتھی کو شمشیر کے ذریعے سلجھائیں۔ اس وقت بوڑھا پہلوان سخت غصے کی وجہ سے جلتے ہوئے لوہے کی طرح سرخ ہو گیا اور جب حضرت علی علیہ السلام کو پیادہ دیکھا تو خود گھوڑے سے اتر آیا گھوڑے کو ایک ہی وار میں قتل کر دیا اور ان کی طرف بڑھا اور اپنی تلوار سے حضرت

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۲ ص ۱۴۸

علی علیہ السلام پر حملہ کر دیا اور پوری قوت سے حضرت کے سر پر مارا، حضرت علی علیہ السلام نے اس کی ضربت کو اپنی سپر کے ذریعے روکا لیکن سپر دو ٹکڑے ہوگئی اور خود بھی ٹوٹ گئی اور آپ کا سر زخمی ہوگیا اسی لمحے امام نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ایک کاری ضرب لگائی اور اسے زمین پر گرا دیا۔ تلوار کے چلنے کی آواز اور میدان میں گرد و غبار کی وجہ سے دونوں طرف کے سپاہی اس منظر کو نزدیک سے نہیں دیکھ پا رہے تھے، لیکن اچانک جب حضرت علی علیہ السلام کی تکبیر کی آواز بلند ہوئی تو مسلمان خوش ہو کر چیخنے لگے اور ان کو یقین ہوگیا کہ حضرت علی علیہ السلام نے عرب کے پہلوان پر غلبہ پالیا ہے۔ اور مسلمانوں کو اس کے شر سے محفوظ کر دیا ہے۔

اس نامی و مشہور پہلوان کے قتل ہونے کی وجہ سے، پانچ اور نامی پہلوان، عکرمہ، ہبیرہ، نوفل، ضرار اور مرداس، جنہوں نے عمرو کے ساتھ خندق پار کیا تھا اور حضرت علی علیہ السلام اور عمرو کی جنگ کے نتیجے کے منتظر تھے، وہاں سے بھاگ گئے۔ ان میں سے چار پہلوان خندق سے پار ہوگئے تاکہ قریش کو عمرو کے مرنے کی خبر سنائیں، مگر نوفل بھاگتے وقت اپنے گھوڑے سے خندق میں گر گیا اور حضرت علی علیہ السلام جوان سب کا پیچھا کر رہے تھے خندق میں گئے اور اس کو ایک ہی حملے میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔[1]

اس نامی پہلوان کی موت کی وجہ سے شعلۂ جنگ ہوگیا اور عرب کے ہر قبیلے والے اپنے اپنے قبیلے کی طرف واپس جانے لگے۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ دس ہزار کا لشکر ٹھنڈک اور بھوک کی وجہ سے اپنے گھروں کی طرف چلا گیا اور اسلام کی اساس و بنیاد جسے عرب کے نامی اور قوی دشمن نے دھمکی دی تھی حضرت کی جانثاری کی وجہ سے محفوظ ہوگئی۔

اس جانثاری کی اہمیت

جو لوگ اس جنگ کے جزئیات اور مسلمانوں کی ابتر حالت اور قریش کے نامی پہلوان کی دھمکیوں کے خوف و ہراس سے مکمل باخبر نہیں ہیں وہ اس جانثاری اور قربانی کی واقعی حقیقت کو کبھی بھی سمجھ نہیں سکتے۔ لیکن ایک محقق جس نے تاریخ اسلام کے اس باب کا دقیق مطالعہ کیا ہے اور بہترین روش اور طریقے سے اس کا تجزیہ و تحلیل کیا ہے پر اس واقعے کی اہمیت پوشیدہ نہیں ہے۔

اس حقیقت کا جاننا بھی ضروری ہے کہ اگر حضرت علی علیہ السلام میدان جنگ میں دشمن سے مقابلے کے لئے نہ جاتے تو پھر کسی بھی مسلمان میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ عمرو کے مقابلے میں جاتا، اور ایک فوج کے لئے سب سے بڑی ذلت و رسوائی کی بات یہ ہے کہ دشمن مقابلے کے لئے بلائے اور کوئی نہ جائے اور سپاہیوں پر خوف چھا جائے۔ حتی اگر دشمن جنگ کرنے سے باز آجاتا اور محاصرہ کو ختم کر کے اپنے گھر واپس چلا جاتا۔ تب بھی اس ذلت کا داغ تاریخ اسلام کی پیشانی پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہتا۔

اگر حضرت علی علیہ السلام اس جنگ میں شرکت نہ کرتے یا شہید ہو جاتے تو قریب تھا کہ وہ سلع میں پیغمبر کے پاس رہنے

---

[1] تاریخ الخمیس ج۱ ص ۴۸۷

والے سپاہی جو عمرو کی للکار سے بید کے درختوں کی طرح لرز رہے تھے، میدان چھوڑ کر چلے جاتے اور کوہ سلع سے اوپر جاتے اور پھر وہاں سے بھاگ جاتے، جیسا کہ جنگ احد اور حنین میں ہوا اور تاریخ کے صفحات پر آج بھی درج ہے کہ سب کے سب فرار ہو گئے علاوہ چند افراد کے، جنہوں نے پیغمبر کی جان بچائی اور سب کے سب جان بچا کر بھاگ گئے اور پیغمبر کو میدان میں تنہا چھوڑ دیا۔

اگر امامؑ اس مقابلے میں (معاذ اللہ) ہار جاتے تو نہ صرف یہ کہ جتنے بھی سپاہی کوہ سلع کے دامن میں اسلام کے زیر پرچم اور پیغمبر کے پاس کھڑے تھے بھاگ جاتے بلکہ وہ تمام سپاہی جو پوری خندق کے کنارے حفاظت اور مورچہ سنبھالنے کے لئے کھڑے تھے وہ مورچے کو چھوڑ دیتے اور ادھر اُدھر بھاگ جاتے۔

اگر حضرت علی علیہ السلام نے قریش کے پہلوانوں کا مقابلہ کر کے ان کو بڑھنے سے روکا نہ ہوتا یا اس راہ میں قتل ہو جاتے تو دشمن بڑی آسانی سے خندق کو پار کر جاتا اور پھر دشمن کی فوج اسلام کی فوج کی طرف بڑھتی اور پورے میدان میں بڑھ بڑھ کر حملہ کرتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آئین توحیدی پر شرک کامیاب ہو جاتا اور اسلام خطرے میں پڑ جاتا، ان تمام چیزوں کو دیکھنے کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، الہام اور وحی الٰہی سے حضرت علی علیہ السلام کی جانثاری کو اس طرح سراہتے ہیں:

ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ [1]

اس ضربت کی عظمت و رفعت جو علی نے خندق میں دشمن پر ماری تھی دونوں جہان کی عبادتوں سے بہتر ہے۔

اس بیان کا فلسفہ یہ ہے کہ اگر یہ جانثاری واقع نہ ہوتی تو قانون شرک پوری دنیا پر چھا جاتا اور پھر کوئی بھی ایسی شمع باقی نہ رہتی جس کے اردگرد ثقلین طواف کرتا۔ اور اس کی نورانیت کے زیر سایہ خدا کی عبادت و پرستش کرتا۔

ہم یہاں پر بڑے فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ امام نے اپنی بے نظیر اور عظیم فداکاری کی وجہ سے اس دنیا کے مسلمانوں اور توحید کے متوالوں کو رہین منت قرار دیا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اتنا زمانہ گزر جانے کے بعد بھی اسلام و ایمان، امام کی فداکاری و جانثاری کے صدقے میں آج تک باقی ہے۔

جی ہاں، حضرت علی علیہ السلام کی فداکاری و جانثاری کے علاوہ آپ کی سخاوت و فیاضی کا یہ عالم تھا کہ عمرو بن عبدود کو قتل کرنے کے بعد اس کی قیمتی زرہ اور لباس کو اس کی لاش کے پاس چھوڑ کر میدان سے واپس آ گئے، جب کہ عمرو نے اس کام کی وجہ سے آپ کی ملامت و سرزنش کی، لیکن امامؑ نے اس کی ملامت و سرزنش پر کوئی توجہ نہ دی۔ اور جب اس کی بہن اس کی لاش کے سرہانے پہنچی تو اس نے کہا کہ ہرگز میں تم پر گریہ نہ کروں گی کیونکہ تو کسی کریم و شریف کے ہاتھوں قتل ہوا ہے [2] جس نے تیرے قیمتی لباس اور قیمتی اسلحوں تک کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۲، بحار الانوار ج۲۰ ص ۲۱۶

[2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۲، بحار الانوار ج۲۰ ص ۳۳

ساتویں فصل

جنگ خیبر اور اس کے تین اہم امتیازات

کس طرح سے دشمن کی زبان حضرت علی علیہ السلام کی عظمت وافتخار کو بیان کرنے لگی اور وہ نشست جو آپ کو برا و ناسزا کہنے کے لئے تیار کی گئی تھی مدح وستائش میں تبدیل ہوگئی؟

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد معاویہ کو فرصت ملی کہ خود اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کی خلافت کے لئے زمین ہموار کرے اور بزرگ صحابیوں اور رسول کے دوستوں سے جو مکہ اور مدینہ میں زندگی بسر کر رہے تھے، یزید کی بیعت لے، تاکہ اس کا بیٹا خلیفۃ المسلمین اور پیغمبر کا جانشین معین ہوجائے۔

اسی مقصد کے لئے معاویہ سرزمین شام سے خدا کے گھر کی زیارت کے لئے روانہ ہوا اور اپنے قیام کے دوران حجاز کے دینی مراکز اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوستوں سے ملاقاتیں کیں اور جب کعبہ کے طواف سے فارغ ہوا تو دار الندوہ جس میں جاہلیت کے زمانے میں قریش کے بزرگ افراد جمع ہوتے تھے، میں تھوڑی دیر آرام کیا اور سعد وقاص اور دوسری اسلامی شخصیتوں سے ملاقات کی جن کی مرضی کے بغیر اس زمانے میں یزید کی خلافت وجانشینی ممکن نہ تھی۔

وہ اس تخت پر بیٹھا جو دار الندوہ میں اسی کے لئے رکھا گیا تھا اور سعد وقاص کو بھی اپنے ساتھ بیٹھایا۔ اس نے جلسہ کے ماحول کو دیکھا اور امیر المومنین کو برا اور ناسزا کہنے لگا یہ برا کام، اور وہ بھی خدا کے گھر کے پاس، اور وہ بھی اس صحابی پیغمبر کے سامنے جس نے حضرت امیر کی جانثاریوں اور قربانیوں کو بہت نزدیک سے دیکھا تھا اور جس کے فضائل وکمالات سے مکمل آگاہ تھا ایسی حرکت کرنا آسان کام نہ تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کچھ ہی دنوں پہلے کعبہ کے سامنے کعبے کے اندر اور باہر بہت سے باطل خدا پناہ لئے ہوئے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں ہی وہ ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہوئے تھے اور اس نے پیغمبر کے حکم سے پیغمبر کے کاندھوں پر قدم رکھا تھا اور ان بتوں کو جس کی خود معاویہ اور اس کے باپ دادا بہت زمانے تک عبادت کیا کرتے تھے اسے عزت کے منارے سے ذلت کے گڑھے میں گرایا اور سب کو توڑ ڈالا تھا۔[1]

معاویہ چاہتا تھا کہ توحید اور وحدانیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے راہ توحید کے بزرگ جانثار، کہ جس کی قربانیوں اور فداکاریوں کے صدقے میں توحید کے درخت نے لوگوں کے دلوں میں وحدانیت کی بنیاد رکھی اور اس کے اثرات مرتب

[1] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۶۷، تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۹۵

ہو گئے، ایسی شخصیت پر تنقید کرے اور اسے برا اور ناسزا کہے۔

سعد وقاص باطنی طور پر امام کے دشمنوں میں سے تھا اور آپ کے معنوی مقامات اور ظاہری افتخارات سے حسد کرتا تھا۔ جس دن عثمان مصریوں کے ہجوم کی وجہ سے قتل ہوئے سب لوگوں نے تہہ دل سے امیر المومنین کو خلافت اور زعامت کے لئے انتخاب کیا۔ سوائے چند افراد کے جنہوں نے آپ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ سعد وقاص بھی انہیں میں سے ایک تھا۔ جب عمار نے اسے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کے لئے دعوت دی تو اس نے بہت خراب جواب دیا۔ عمار نے اس واقعے کو امام کی خدمت میں عرض کیا۔

امامؑ نے فرمایا: حسد نے اس کو میری بیعت اور میرا ساتھ دینے سے روک دیا ہے۔

سعد، امامؑ کا اتنا سخت مخالف تھا کہ ایک دن خلیفۂ دوم نے شورائے خلافت تشکیل دینے کا حکم دیا اور شوری کے چھ آدمیوں کا خود انتخاب کیا اور سعد وقاص اور عبد الرحمن بن عوف، سعد کا چچازاد بھائی اور عثمان کا بہنوئی، کو شوری کے عہدہ داروں میں قرار دیا۔ شوری کے علاوہ دوسرے افراد نے بڑی باریک بینی سے کہا کہ عمر، شوری تشکیل دیکر کہ جس میں سعد وعبد الرحمن جیسے افراد بھی شامل ہیں، چاہتا ہے کہ تیسری مرتبہ خلافت کو حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں سے چھین لے اور آخر میں نتیجہ بھی یہی ہوا کہ جس کی پیشنگوئی ہوئی تھی۔

سعد نے، امامؑ سے عداوت ودشمنی رکھنے کے باوجود جب دیکھا کہ معاویہ، علی کو برے اور نازیبا الفاظ سے یاد کر رہا ہے تو تلملا اٹھا اور معاویہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

مجھے اپنے تخت پر بٹھا کر میرے سامنے علی کو برا کہتا ہے؟ خدا کی قسم اگر ان تین فضیلتوں میں سے جو علی کے پاس تھیں ایک بھی فضیلت میرے پاس ہوتی تو اس سے بہتر ہوتی کہ وہ ساری چیزیں جن پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں میری ملکیت میں ہوتیں۔

۱۔ جس دن پیغمبر نے مدینے میں اسے اپنا جانشین بنایا اور خود جنگ تبوک پر چلے گئے اور علی سے اس طرح فرمایا: تمہاری نسبت مجھ سے ایسی ہی ہے جیسے ہارون کو موسی سے تھی سوائے اس کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

۲۔ جس دن نصارائے نجران کے ساتھ مباہلہ تھا تو پیغمبر نے علی، فاطمہ، حسن وحسین کا ہاتھ پکڑا اور کہا: پروردگارا یہی میرے اہلبیت ہیں۔

۳۔ جس دن مسلمانوں نے یہودیوں کے اہم ترین قلعہ خیبر کے بعض حصوں کو فتح کیا تھا لیکن قلعہ قموص جو سب سے بڑا قلعہ اور یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا آٹھ دن تک اسلامی فوج کے محاصرے میں تھا اور اسلام کے مجاہدین میں اسے فتح کرنے اور کھولنے کی صلاحیت نہ تھی، اور رسول اسلام کے سر میں اتنا شدید درد تھا کہ وہ بہ نفس نفیس جنگ میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے تا کہ فوج کی سپہ سالاری اپنے ہاتھوں میں لیتے، روزانہ آپ علم کو لیتے اور فوج کے بزرگوں کو دیتے تھے اور وہ سب کے

سب بغیر نتیجہ کے واپس آجاتے تھے۔ایک دن علَم کو ابوبکر کے ہاتھ میں دیا پھر دوسرے دن عمر کو دیا لیکن دونوں کسی شجاعت کا مظاہرہ کئے بغیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس آگئے۔اسی طرح سلسلہ چلتا رہا،اس طرح کی ناکامی پیغمبر خدا کے لئے بہت سخت تھی،لہٰذا آپ نے فرمایا:

کل میں علَم ایسے شخص کو دوں گا جو ہرگز جنگ کرنے سے فرار نہیں کرے گا اور دشمن کو اپنی پیٹھ نہیں دکھائے گا اور اس کو خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوست رکھتے ہوں گے اور خداوند عالم اس قلعہ کو اس کے ہاتھوں سے فتح کرائے گا

جب پیغمبر کی بات کو حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا گیا تو آپ نے خدا کی بارگاہ میں عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ لا مُعْطِیَ لِمٰا مَنَعْتَ وَلا مٰانِعَ لِمٰا اَعْطَیْتَ

یعنی پروردگارا، جو کچھ عطا کرے گا اسے کوئی لینے والا نہیں ہے اور جو کچھ تو نہیں دے گا اس کا دینے والا کوئی نہ ہوگا۔

(سعد کا بیان ہے) جب سورج نکلا تو اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے خیمے کے اطراف میں جمع ہو گئے تا کہ دیکھیں کہ یہ افتخار رسول کے کس صحابی کو نصیب ہوتا ہے جب پیغمبر خیمے سے باہر آئے سب سر اٹھا اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگے میں (سعد) پیغمبر کے بغل میں کھڑا تھا کہ شاید اس افتخار کا مصداق میں بن جاؤں،اور شیخین سب سے زیادہ خواہشمند تھے کہ یہ افتخار ان کو نصیب ہوجائے۔اسی اثناء میں پیغمبر نے پوچھا علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے حضرت سے کہا: وہ آشوب چشم کی وجہ سے آرام کررہے ہیں۔پیغمبر کے حکم سے سلمہ بن اکوع حضرت علی علیہ السلام کے خیمے میں گئے اور ان کے ہاتھ کو پکڑ کر پیغمبر کی خدمت میں لائے۔پیغمبر نے ان کے حق میں دعا کی اور آپ کی دعا ان کے حق میں مستجاب ہوئی اس وقت پیغمبر نے اپنی زرہ حضرت علی علیہ السلام کو پہنایا،ذو الفقار ان کی کمر میں باندھا اور علَم ان کے ہاتھوں میں دیا اور فرمایا کہ جنگ کرنے سے پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا،اور اگر یہ قبول نہ کریں تو ان تک یہ پیغام دینا کہ اگر وہ چاہیں تو اسلام کے پرچم تلے جزیہ دیں اور اسلحہ اتار کر آزادانہ زندگی بسر کریں۔اور اپنے مذہب پر باقی رہیں۔اور اگر کسی چیز کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کرنا،اور جان لو کہ جب بھی خداوند عالم تمہارے ذریعے کسی کی راہنمائی کرے اس سے بہتر یہ ہے کہ سرخ بالوں والے اونٹ تمہارا مال ہوں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ کردو۔ [1]

سعد بن وقاص نے ان واقعات کو جن کو میں نے تفصیل سے بیان کیا ہے مختصر طور پر بیان کیا اور احتجاج کے طور پر معاویہ کی مجلس ترک کری۔

خیبر میں اسلام کی تابناک کامیابی

اس مرتبہ بھی مسلمانوں نے حضرت امیر المومنین کی جانثاریوں کے طفیل عظیم الشان کامیابی و فتح حاصل کرلیا۔یہی

---

[1] صحیح بخاری ج ٥ ص ٢٣۔٢٢،صحیح مسلم ج ٧ ص ١٢٠،تاریخ الخمیس ج ٢ ص ٩٥،قاموس الرجال ج ٤ ص ٣١٤ منقول از مروج الذہب۔

وجہ ہے کہ امام کو فاتح خیبر کہتے ہیں۔ جب امام ایک گروہ کے ساتھ جو آپ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا قلعہ کے پاس پہنچے تو آپ نے علم کو زمین (پتھر) میں نصب کر دیا، اس وقت قلعہ میں موجود تمام سپاہی باہر چلے گئے۔ مرحب کا بھائی حارث نعرہ لگاتا ہوا حضرت علی علیہ السلام کی طرف دوڑا اس کا نعرہ اتنا شدید تھا کہ جو سپاہی حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ تھے وہ پیچھے ہٹ گئے اور حارث نے بھوکے شیر کی طرح حضرت علی علیہ السلام پر حملہ کیا لیکن کچھ ہی دیر گزری ہوگی کہ اس کا بے جان جسم زمین پر گر پڑا۔

بھائی کی موت نے مرحب کو بہت زیادہ متاثر کیا، وہ اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے سامنے میدان میں آیا، وہ اسلحوں سے لیس تھا۔ لوہے کی بہترین زرہ اور پتھر کا خود اپنے سر پر رکھے تھا اور ایک اور خود اس کے اوپر سے پہن رکھا تھا، دونوں طرف سے رجز پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسلام و یہودی کے دو بہادروں کی تلوار اور نیزے کی آواز نے دیکھنے والوں کے دلوں میں عجیب وحشت ڈال رکھی تھی اچانک اسلام کے جانباز کی برق شرر بار تلوار مرحب کے سر سے داخل ہوئی اور اس کو دو ٹکڑے کرتے

ہوئے زمین پر گرا دیا۔ یہودی بہادر کا جو مرحب کے پیچھے کھڑے تھا وہ بھاگ گیا اور وہ گروہ جو حضرت علی علیہ السلام سے مقابلہ کرنا چاہتا تھا ان لوگوں نے فرداً فرداً جنگ کیا اور سب کے سب ذلت کے ساتھ قتل ہو گئے۔

اب وہ وقت آ پہنچا کہ امام قلعہ میں داخل ہوں مگر بند دروازہ امام اور سپاہیوں کے لئے مانع ہوا۔ غیبی طاقت سے آپ نے باب خیبر کو اپنی جگہ سے اکھاڑا اور سپاہیوں کے داخل ہونے کے لئے راستہ ہموار کر دیا اور اس طرح سے فساد و بربریت کے آخری گھر کو اجاڑ دیا اور مسلمانوں کو اس شریر اور خطرناک عناصر جو ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے دل میں رکھتے یا رکھے ہیں آسودہ کر دیا۔[1]

امیر المومنین کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت

ابھی ہم نے حضرت علی علیہ السلام کی تین فضیلتوں میں سے ایک فضیلت جو سعد بن وقاص نے معاویہ کے سامنے بیان کی تھی کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، اس لئے بہتر ہے کہ باقی ان دو فضیلتوں کو بھی بطور خلاصہ بیان کر دیں۔

تمام افتخارات میں سے ایک افتخار امام کے لئے یہ بھی ہے کہ تمام جنگوں میں آپ پیغمبر کے ساتھ ساتھ اور ہمیشہ لشکر کے علمبردار رہے سوائے جنگ تبوک کے، کیونکہ آپ پیغمبر کے حکم سے مدینہ میں موجود تھے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقوں کے ارادے سے باخبر تھے کہ میرے مدینے سے نکلنے کے بعد یہ لوگ مدینہ پر حملہ کریں گے۔ اسی وجہ سے آپ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: تم میرے اہلبیت اور رشتہ داروں اور گروہ مہاجرین کے سرپرست ہو۔ اور میرے اور تمہارے علاوہ اس

---

[1] محدثین اور سیرت لکھنے والوں نے فتح خیبر کی خصوصیات اور امام کے قلعہ میں داخل ہونے اور اس واقعہ کے دوسرے حادثات کو بہت تفصیل سے لکھا ہے دلچسپی اور تفصیلات کے خواہشمند افراد ان کتابوں کی طرح مراجعہ کریں جو سیرت پیغمبر پر لکھی گئی ہیں۔

کام کے لئے کوئی دوسرا لیاقت نہیں رکھتا۔

حضرت علی علیہ السلام کے مدینے میں قیام کی وجہ سے منافقوں کے ارادوں پر پانی پھر گیا، لہٰذا منافقوں نے ہر جگہ یہ افواہ اڑا دی کہ پیغمبر اور حضرت علی علیہ السلام کے درمیان کشیدگی ہے اور حضرت علی علیہ السلام نے راستے کی دوری اور شدید گرمی کی وجہ سے خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے دوری اختیار کر لی ہے۔

ابھی پیغمبر مدینے سے زیادہ دور نہیں ہوئے تھے کہ یہ خبر پورے مدینہ میں پھیل گئی، امام علی علیہ السلام ان کی تہمت کا جواب دینے کے لئے پیغمبر کی خدمت میں پہنچے اور حضرت سے پورا ماجرا بیان کیا۔ پیغمبر نے اپنے اس تاریخی جملے (کہ جس کی سعد بن وقاص نے خواہش کی تھی کہ کاش اس کے بارے میں کہا جاتا) سے حضرت کو تسلی دی اور فرمایا:

اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی

کیا تم راضی نہیں ہو کہ تمہاری نسبت مجھ سے ایسے ہی ہے جیسے ہارون کی نسبت موسیٰ سے تھی؟ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ [1]

اس حدیث، جسے دانشمندوں کی اصطلاح میں، حدیث منزلت کہتے ہیں، نے تمام وہ منصب جو ہارون کے پاس تھے حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت کر دیا سوائے نبوت کے کیونکہ نبوت کا باب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

یہ حدیث اسلام کی متواتر حدیثوں میں سے ایک ہے جسے محدثین اور مؤرخین نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے:۔

حضرت علی علیہ السلام کی تیسری عظیم فضیلت جسے سعد بن وقاص نے بیان کیا ہے وہ پیغمبر کا نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ تھا، ان لوگوں نے پیغمبر سے مسیحیت کے باطل عقیدوں کے بارے میں تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد بھی اسلام قبول نہیں کیا لیکن مباہلہ کے لئے اپنی آمادگی کا اعلان کر دیا۔

مباہلہ کا وقت آیا پیغمبر نے اپنے اعزاء میں سے صرف چار آدمیوں کا انتخاب کیا تا کہ اس تاریخی واقعے میں شرکت کریں اور یہ چار افراد سوائے حضرت علی علیہ السلام اور آپ کی بیٹی فاطمہ اور حسن و حسین کے کوئی اور نہ تھا۔ کیونکہ تمام مسلمانوں کے درمیان ان سے زیادہ کوئی پاک و پاکیزہ اور ایمان میں محکم نہیں تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان مباہلہ میں عجب شان سے آئے اپنی آغوش میں امام حسین کو لئے ہوئے تھے، ایک ہاتھ سے امام حسن کی انگلیاں پکڑے تھے اور فاطمہ اور حضرت علی علیہ السلام آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے وہاں پہنچنے سے پہلے اپنے ہمراہیوں سے کہا میں جب بھی دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا۔

پیغمبر کا نورانی چہرہ اور چار افراد کا چہرہ جن میں تین آپ کے شجرہ مقدس کی شاخیں تھیں، نے ایسا ولولہ پیدا کر دیا

---

[1] سیرۂ ابن ہشام ج ۲ ص ۵۲۰، بحار الانوار ج ۲۱ ص ۲۰۷، مرحوم شرف الدین نے اپنی کتاب المراجعات میں اس حدیث کے تمام ماخذ کو ذکر کیا ہے۔

کہ نجران کے عیسائی مبہوت ہو گئے عیسائیوں کے سب سے بڑے پادری نے کہا کہ میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ بددعا کر دیں تو یہ بیابان بھڑکتے ہوئے جہنم میں تبدیل ہو جائے اور یہ عذاب وادی نجران تک پہنچ جائے لہٰذا انہوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔

عائشہ کہتی ہیں:

مباہلہ کے دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چار ہمراہیوں کو اپنی کالی عبا کے دامن میں چھپایا اور اس آیت کی تلاوت فرمائی:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ [۱]

زمخشری کہتے ہیں:

مباہلہ کا واقعہ اور اس آیت کا مفہوم یہ دونوں اصحاب کساء کی فضیلت پر بہت بڑے گواہ ہیں اور مذہب اسلام کی حقانیت پر ایک اہم سند اور زندہ مثال شمار ہوتے ہیں۔ [۲]

---

[۱] سورۂ احزاب آیت ۳۳

[۲] کشاف ج۱ ص۲۸۲۔۲۸۳، تفسیر امام رازی ج۲ ص۴۷۱۔۴۷۲

آٹھویں فصل

دشمنوں کے ساتھ انصاف سے پیش آنا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: علی احکام خداوندی کے جاری کرنے میں بہت زیادہ غور وفکر اور سختی سے عمل کرتے تھے اور ہرگز ان کی زندگی میں چاپلوسی اور خوشامدی کا دخل نہیں تھا

جولوگ اپنی زندگی میں پاکیزہ مقصد کی تلاش میں رہتے ہیں وہ دن رات اس کی تلاش وجستجو کرتے رہتے ہیں، اور ان چیزوں کے مقابلے میں جو ان کے ہدف کی مخالف ہوں ان سے بے توجہ بھی نہیں رہتے ہیں۔ یہ لوگ ہدف تک پہنچنے میں جو راستہ طے کرتے ہیں اس میں بعض محبت والفت کرنے والے ملتے ہیں تو بعض عداوت ودشمنی کرتے ہیں۔ پاک دل اور روشن ضمیر ان کی عدالت پختہ گیری پر فریفتہ ہوئے ہیں لیکن غافل اور غیر متدین افراد ان کی سختی اور عدالت سے ناراض ہوتے ہیں۔

وہ لوگ جو اچھے اور برے کام انجام دیتے ہیں اور مسلمان اور غیر مسلمان کو ایک ہی صف میں رکھتے ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ کسی کی مخالفت مول لیں ایسے لوگ کبھی مذہبی اور بامقصد نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ تمام طبقوں کے ساتھ اتحاد ودوستی، منافقت اور دورخی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت کے زمانے میں ایک شخص نے اپنے علاقہ کے حاکم کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ تمام طبقے کے لوگ اس سے راضی ہیں۔ امام نے فرمایا: لگتا ہے کہ وہ شخص عادل نہیں ہے کیونکہ تمام لوگوں کا راضی ہونا اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ وہ منافق اور صحیح فیصلہ کرنے والا نہیں ہے ورنہ تمام لوگ اس سے راضی نہ ہوتے۔

امیر المومنین علیہ السلام ان لوگوں میں سے ان ہیں جو صلح وآشتی کرنے والوں سے مہر ومحبت اور پاکیزہ وصاف دلوں کو بلندی عطا کرتے تھے اور اسی کے مقابلے میں غیظ وغضب کی آگ میں جلنے والوں اور قانون توڑنے والوں کو انہیں کے سینے میں ڈال دیا کرتے تھے۔

امام عدالت کی رعایت اور کا اصول وقوانین پر سختی سے عمل کرنا صرف آپ کی حکومت کے زمانے سے مخصوص نہیں ہے اگرچہ بہت سے مؤرخین اور مقررین جب امام کی پاکیزگی اور عدالت کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو اکثر آپ کی حکومت کے دوران رونما ہونے والے واقعات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ کی حکومت کے زمانے میں یہ عظیم انسانی فضیلت

بہت زیادہ رائج تھی، مگر امام کا عدالت وانصاف اور قوانین پر سختی سے عمل پیرا ہونا رسول اسلام کے زمانے سے ہی ہر خاص و عام کی زبان پر تھا، اس بنا پر وہ لوگ جو امام کی عدالت وانصاف کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ گاہے بہ گاہے پیغمبر سے حضرت علی علیہ السلام کی شکایت کرتے تھے اور ہمیشہ پیغمبر اس کے برعکس کہتے تھے اور کہتے تھے علی قانون الٰہی کے اجراء میں کسی کی رعایت نہیں کرتا۔

زمانہ پیغمبر میں آپ سے متعلق چند واقعات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں اور ہم یہاں بطور مثال دو واقعات کو نقل کررہے ہیں:

۱۔ ۱۰ھ میں جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ خدا کی زیارت کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت علی علیہ السلام کو مسلمانوں کے ایک گروہ کے ساتھ یمن بھیج دیا۔ پیغمبر نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ جب یمن سے واپس آئیں تو وہ کپڑے جسے نجران کے عیسائیوں نے مباہلہ کے دن دینے کا دعدہ کیا تھا اسے اپنے ہمراہ لائیں اور اسے آپ کے پاس پہنچادیں، آپ کو ماموریت انجام دینے کے بعد معلوم ہوا کہ پیغمبر خانۂ کعبہ کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے ہیں اس لئے آپ نے راستے کو کو بدل دیا اور مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ آپ نے مکہ کے راستے کو بہت تیزی کے ساتھ طے کیا، تاکہ جلد سے جلد پیغمبر کے پاس پہنچ جائیں۔ اسی وجہ سے ان تمام کپڑوں کو اپنے لشکر کے ایک سپہ سالار کے حوالے کردیا اور اپنے سپاہیوں سے الگ ہو گئے اور مکہ سے نزدیک پیغمبر کے پاس پہنچ گئے۔ پیغمبر اپنے بھائی کے دیدار سے بہت زیادہ خوشحال ہوئے اور جب احرام کے لباس میں دیکھا تو آپ سے احرام کی نیت کے متعلق حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا: میں نے احرام پہنتے وقت کہا تھا خدایا میں اسی نیت پر احرام باندھ رہا ہوں جس نیت پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے یمن اور نجران کے سفر اور وہ کپڑے جو لے کر آئے تھے، سے پیغمبر کو مطلع کیا اور پھر پیغمبر کے حکم سے اپنے سپاہیوں کے پاس واپس چلے گئے تاکہ دوبارہ ان کے ساتھ مکہ واپس جائیں۔

جب امام اپنے سپاہیوں کے پاس پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ آپ کے جانشین سپہ سالار نے تمام کپڑوں کو سپاہیوں کے درمیان تقسیم کردیا ہے اور تمام سپاہیوں نے ان کپڑوں کو احرام بنا کر پہن لیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے سپہ سالار کے اس عمل پر بہت سخت ناراض ہوئے اور اس سے کہا: ان کپڑوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کرنے سے پہلے تم نے کیوں سپاہیوں میں تقسیم کردیا؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کے سپاہیوں نے بہت اصرار کیا کہ میں کپڑے کو ان لوگوں کے درمیان بطور امانت تقسیم کردوں اور حج کی ادائیگی کے بعد سب سے واپس لے لوں۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس کی بات کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ تمہیں یہ اختیار نہیں تھا۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ تمام تقسیم

ہوئے کپڑوں کو جمع کرو، تاکہ مکہ میں پیغمبر کے سپرد کریں۔[1]

وہ گروہ جنہیں عدالت وانصاف اور منظم ومرتب رہنے سے تکلیف ہوتی ہے وہ ہمیشہ تمام امور کو اپنے اعتبار سے جاری کروانا چاہتے ہیں وہ لوگ پیغمبر کی خدمت میں آئے اور حضرت علی علیہ السلام کے نظم وضبط اور سخت گیری کی شکایت کی، لیکن وہ لوگ اس نکتہ سے بے خبر تھے کہ اس طرح سے قانون شکنی اور بے جا خلاف ورزی ایک بڑی قانون شکنی اور خلاف ورزی شمار ہوتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں ایک گناہگار شخص (خصوصاً وہ گناہگار جو اپنی لغزشوں کو بہت چھوٹا تصور کرے) اس سوار کی طرح ہے جو ایک سرکش اور بے لگام گھوڑے پر سوار ہو۔ تو یقیناوہ گھوڑا اپنے سوار کو گڑھوں اور پتھروں پر گرا دے گا۔[2]

امامؑ کا مقصد اس تشبیہ سے یہ ہے کہ کوئی بھی گناہ چاہے جتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اگر اس کو نظر انداز کر دیا جائے تو دوسرے گناہوں کو اپنے ساتھ لاتا ہے اور جب تک انسان کو گناہ کا مرتکب نہیں کر دیتا اور آگ میں نہیں ڈال دیتا اس سے دوری اختیار نہیں کر پاتا۔ اسی وجہ سے انسان کے لئے ضروری ہے کہ شروع سے ہی اپنے کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔ اور اسلامی اصول وقوانین کی معمولی مخالفت سے پرہیز کرے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حضرت علی علیہ السلام کے تمام کام اور ان کی عدالت سے مکمل طور پر باخبر تھے، اپنے کسی ایک صحابی کو بلایا اور اس سے کہا کہ شکایت کرنے والوں کے پاس جاؤ اور میرے اس پیغام کو ان تک پہنچا دو۔

علی کی برائی کرنے سے باز آجاؤ کیونکہ وہ خدا کے احکام کو جاری کرنے میں بہت سخت ہے اور اس کی زندگی میں ہرگز چاپلوسی اور خوشامد نہیں پائی جاتی۔

۲۔ خالد بن ولید قریش کا ایک بہادر سردار تھا۔ اس نے ۷ھ میں مکہ سے مدینے کی طرف ہجرت کی اور مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگا۔ مگر اس کے پہلے کہ وہ قوانین الٰہی پر عمل پیرا ہوتا، اسلام کی نو بنیاد حکومت کو گرانے کے لئے قریش کی طرف سے جتنی بھی جنگیں ہوئیں اس میں شریک رہا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے جنگ احد میں مسلمانوں پر رات میں چھپ کر حملہ کیا اور ان کی فوج کی پشت سے میدان جنگ میں وارد ہوا۔ اور اسلام کے مجاہدوں پر حملہ کیا۔ اس شخص نے اسلام لانے کے بعد بھی حضرت علی علیہ السلام سے عداوت ودشمنی کو فراموش نہیں کیا اور امام کی قدرت وطاقت وبہادری سے ہمیشہ حسد کرتا رہا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے بعد خلیفہ وقت سے حضرت علی علیہ السلام کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی، لیکن کسی علت کی بنا پر کامیاب نہ ہوسکا۔[3]

---

[1] بحار الانوار ج۲۱ ص ۳۸۵

[2] اَلَّا وَاِنَّ الْخَطَایَا خَیْلُ شُمُسٍ حُمِلَ عَلَیْهَا اَهْلُهَا وَخُلِعَتْ لُجُمُهَا فَتَقَحَّمَتْ بِهِمْ فِی النَّارِ۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۶

[3] اس واقعہ کی تشریح زندگانی امیر المومنین کے چوتھے حصے میں آئی ہے جو حصہ مخصوص ہے امام کی زندگی کے حالات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد سے۔

احمد بن حنبل اپنی کتاب مسند میں تحریر کرتے ہیں:

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اسی گروہ کے ساتھ کہ جس میں خالد بھی موجود تھا یمن بھیجا، اسلام کی فوج سے یمن کے ایک مقام پر قبیلہ بنی زید سے جنگ ہوئی اور دشمنوں پر کامیابی حاصل کر لی اور کچھ مال غنیمت ہاتھ لگا۔ امام نے عدالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مال غنیمت تقسیم کر دیا اور یہ روش خالد بن ولید کی رضایت کے برخلاف تھی۔ اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کے درمیان سوء تفاہم پیدا کرنے کے لئے خط لکھا اور اسے بریدہ کے حوالے کیا تا کہ جتنی جلدی ممکن ہو پیغمبر تک پہنچا دے۔

بریدہ کہتا ہے:

میں بہت تیزی کے ساتھ مدینہ پہنچا اور اس نامہ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حوالے کیا، حضرت نے اس نامہ کو اپنے کسی ایک صحابی کو دیا تا کہ وہ پڑھے اور جب وہ نامہ پڑھ چکا تو میں نے اچانک پیغمبر کے چہرے پر غیظ و غضب کے آثار دیکھا۔

بریدہ کہتا ہے کہ میں اس طرح کا خط لا کر بہت شرمندہ ہوا اور عذر خواہی کے لئے کہا کہ خالد کے حکم سے میں نے یہ کام کیا ہے اور میرا اس کے حکم کی پیروی کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

وہ کہتا ہے کہ جب میں خاموش ہو گیا تو کچھ دیر کے لئے سکوت طاری رہا۔ اچانک پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس خاموشی کو توڑا اور فرمایا:

علی کے بارے میں بری باتیں نہ کہو

فَاِنَّه مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِیُّکُمْ بَعْدِیْ

وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ میرے بعد تمہارے ولی و حاکم ہیں۔

بریدہ کہتا ہے کہ میں اپنے کئے پر بہت نادم تھا چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے استغفار کی درخواست کی۔، پیغمبر نے کہا جب تک علی نہ آئیں اور اس کے لئے رضایت نہ دیں میں تیرے لئے استغفار نہیں کروں گا۔ اچانک حضرت علی علیہ السلام پہنچے اور میں نے ان سے درخواست کی کہ پیغمبر سے میری سفارش کر دیں کہ وہ میرے لئے استغفار کریں۔ [1]

اس روداد کی وجہ سے بریدہ نے اپنی دوستی کو خالد سے ختم کر لیا اور صدق دل سے حضرت علی علیہ السلام سے محبت کرنے لگا اور پیغمبر کی رحلت کے بعد اس نے ابوبکر کی بیعت بھی نہ کی اور ان بارہ آدمیوں میں سے ایک تھا جنہوں نے ابوبکر کے اس عمل پر اعتراض کیا اور انہیں خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔ [2]

---

[1] اسد الغابہ ج۱ ص۱۷۶، والدرجات الرفیعہ ص۴۰۱

[2] رجال مامقانی ج۱ ص۱۹۹ منقول از احتجاج۔

نویں فصل

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخصوص نمائندہ وسفیر

حضرت علی علیہ السلام نے خدا کے حکم سے سورۂ برائت اور وہ مخصوص حکم جو بت پرستی کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے تھا حج کے موقع پر تمام عرب قبیلے کے سامنے پڑھا، اور اس کام کے لئے پیغمبر کی جگہ اور جانشینی کا منصب حاصل کیا۔ تاریخ اسلام اس بات کی حکایت کرتی ہے کہ جس دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان کیا اسی دن اپنی رسالت کے اعلان کے بعد فوراً علی کی خلافت و جانشینی کا اعلان کیا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کے تیس سالہ دور میں کبھی کنایہ کے طور پر تو کبھی اشارے کے ذریعے اور کبھی واضح طور پر امت کی رہبری اور حکومت کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی لیاقت وشائستگی کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اور جن لوگوں کے متعلق ذرہ برابر بھی یہ احتمال پایا جاتا تھا کہ وہ پیغمبر کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت کریں گے ان کو نصیحت کرتے رہے اور انہیں عذاب الٰہی سے ڈراتے رہے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جب قبیلۂ بنی عامر کے رئیس نے پیغمبر سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں آپ کے قوانین کا بہت سختی سے دفاع کروں گا بشرطیکہ آپ اپنے بعد حکومت کی ذمہ داری مجھے سونپ دیں تو پیغمبر نے اس کے جواب میں فرمایا:

الامر الی اللہ یضعہ حیث شاء[۱]

یعنی یہ خدا کے اختیار میں ہے وہ جس شخص کو بھی اس کام کے لئے منتخب کرے وہی میرا جانشین ہوگا۔ جس وقت حاکم یمامہ نے بھی قبیلۂ بنی عامر کے رئیس کی طرح سے پیغمبر سے خواہش ظاہر کی، اس وقت بھی پیغمبر کو بہت برا لگا اور آپ نے اس کے سینے پر ہاتھ سے مارا۔[۲]

اس کے علاوہ بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مقامات پر مختلف عبارتوں کے ذریعے حضرت علی علیہ السلام کو اپنی جانشینی کے عنوان سے پہچنوایا ہے اور اس طرح امت کو متنبہ و متوجہ کیا ہے کہ خدا نے حضرت علی علیہ السلام کو ہمارا وصی اور خلیفہ منتخب کیا ہے اور اس کام میں پیغمبر کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ نمونہ کے طور پر چند موارد یہاں پر ذکر کر رہے ہیں:

---

[۱] تاریخ طبری ج۸ ص۸۴، تاریخ ابن اثیر ج۲ ص۶۵

[۲] طبقات ابن سعد ج۱ ص۲۶۲

۱۔آغاز بعثت میں، جب خدا نے پیغمبر کوحکم دیا کہ اپنے اعزاواحباب اور رشتہ داروں کواسلام قبول کرنے کی دعوت دیں تو آپ نے اسی جلسہ میں حضرت علی علیہ السلام کواپنے بعد اپناوصی وخلیفہ قرار دیا۔

۲۔جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو اپنے سے حضرت علی علیہ السلام کی نسبت کو بیان کیا یعنی وہ نسبت جو ہارون کوموسی سے تھی وہی نسبت میرے اور علی کے درمیان ہے اور جتنے منصب ہارون کے پاس تھے سوائے نبوت کے، وہ سب منصب علی کے پاس بھی ہیں۔

۳۔بریدہ اور دوسری اسلامی شخصیتوں سے کہا کہ علی میرے بعد سب سے بہترین حاکم ہے۔

٤۔غدیر خم کے میدان میں اور ۸۰ ہزار (یا اس سے زیادہ) کے مجمع میں حضرت علی علیہ السلام کو ہاتھوں پر بلند کر کے لوگوں کو پہچنوایا اور لوگوں کو اس مسئلے سے آگاہ کیا۔

اس کے علاوہ اکثر مقامات پر پیغمبر نے سیاسی کاموں کو حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کر دیا اور اس طرح سے اسلامی معاشرہ کے ذہنوں کو حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کی طرف مائل کیا۔مثال کے طور پر درج ذیل واقعہ کا تجزیہ کرتے ہیں۔

۲۰ سال سے زیادہ عرصہ گزرا ہوگا کہ شرک اور دوگانہ پرستی کے بارے میں اسلام کا نظریہ حجاز کی سرزمین اور عرب کے مشرک قبیلوں تک پہنچ گیا تھا اور بتوں اور بت پرستوں کے بارے میں ان میں سے اکثر اسلامی نظریئے سے واقف ہو گئے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ بت پرستی بزرگوں کے باطل عمل کی پیروی کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اور ان کے باطل خدا اتنے ذلیل وخوار ہیں کہ صرف دوسروں کے امور انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے ضرر کو بھی اپنے سے دور نہیں کر سکتے اور نہ خود کو ہی نفع پہنچا سکتے ہیں، اور اس طرح کے عاجز ومجبور خدا تعریف وخضوع کے لائق نہیں ہیں۔

دوسرا گروہ جس نے صدق دل اور بیدار ضمیر کے ساتھ پیغمبر کے کلام کو سنا تھا انہوں نے اپنی زندگی میں کافی مستحکم تبدیلیاں پیدا کر لی تھیں، اور بت پرستی چھوڑ کر خدا کی وحدانیت کو قبول کر لیا تھا خصوصاً جس وقت پیغمبر نے مکہ فتح کیا اور مذہبی مقررین کو موقع مل گیا کہ وہ آزادی سے اسلام کی تبلیغ ونشر واشاعت کریں تو کچھ لوگوں نے بتوں کو توڑ ڈالا اور توحید کی آواز حجاز کے اکثر مقامات پر گونج اٹھی۔

لیکن متعصب اور بیوقوف لوگ جنہیں اپنی دیرینہ عادتوں کے ختم کرنے میں بہت دشواری تھی وہ کشمکش کے عالم میں تھے اور اپنی بری عادتوں سے باز نہ آئے اور خرافات وبدبختی کی پیروی کرتے رہے۔

اب وہ وقت آ گیا تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر طرح کی بت پرستی اور غیر انسانی کاموں کو اپنے سپاہیوں کے ذریعے ختم کر دیں۔اور طاقت کے ذریعے بت پرستی کو جو معاشرے کو برباد اور اجتماعی واخلاقی اعتبار سے فاسد کر رہے ہیں اور حریم انسانیت کے لئے کل بھی نقصان دہ تھے (اور آج بھی ہیں) اسے جڑ سے اکھاڑ دیں اور خدا اور اس کے رسول سے بیزاری و دوری کو منیٰ کے میدان میں عید قربان کے دن اس عظیم و بزرگ اجتماع میں جس میں حجاز کے تمام افراد جمع ہوتے ہیں اعلان

کریں۔ اور خود پیغمبر یا کوئی اور سورۂ برائت کے پہلے حصے کو جس میں خدا اور پیغمبر کی مشرکوں سے بیزاری کا تذکرہ ہے۔ اس بڑے مجمع میں پڑھے اور بلندترین آواز سے حجاز کے بت پرستوں میں اعلان کرے کہ چار مہینے کے اندر اپنی وضعیت کو معین کریں کہ اگر مذہب توحید کو قبول کرلیں تو مسلمانوں کے زمرے میں شامل ہو جائیں گے اور دوسروں کی طرح یہ لوگ بھی اسلام کے مادی اور معنوی چیزوں سے بہرہ مند ہوئیں گے۔ لیکن اگر اپنی دشمنی اور ہٹ دھرمی پر باقی رہے تو چار مہینہ گزرنے کے بعد جنگ کے لئے آمادہ رہیں اور یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ جہاں بھی گرفتار ہوئے قتل کر دیئے جائیں گے۔

سورۂ برائت اس وقت نازل ہوا جب پیغمبر نے حج میں نہ جانے کا ارادہ کرلیا تھا کیوں کہ گذشتہ سال جو فتح مکہ کا سال تھا مراسم حج میں شرکت کیا تھا اور ارادہ کیا تھا کہ آئندہ سال کہ جسے بعد میں حجۃ الوداع کہا جائے گا اس حج میں شرکت کریں۔ اس لئے ضروری تھا کہ کسی کو خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کریں۔ سب سے پہلے آپ نے ابوبکر کو بلایا اور سورۂ برائت کے ابتدائی کچھ حصے کی تعلیم دی اور انہیں چالیس آدمیوں کے ساتھ مکہ روانہ کیا تا کہ عید قربان کے دن لوگوں کے سامنے ان آیتوں کو پڑھیں۔

ابوبکر ابھی مکہ کے راستے ہی میں تھے کہ اچانک وحی الٰہی کا نازل ہوئی اور پیغمبر کو حکم ہوا کہ اس پیغام کو خود یا جو آپ سے ہو وہ لوگوں تک پہنچائے، کیونکہ ان دو کے علاوہ کوئی اور اس پیغام کے پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔[1]

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ شخص جو وحی کے اعتبار سے پیغمبر کے اہلبیت میں سے ہے اور اتنی شائستگی و لیاقت رکھتا ہے وہ کون ہے؟

تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ مکہ کی طرف روانہ ہو جاؤ اور ابوبکر سے راستے میں ملاقات کرو اور ان سے آیات برائت کو لے لو اور ان سے کہہ دو کہ اس کام کی انجام دہی کے لئے وحی الٰہی نے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ ان آیتوں کو یا خود یا ان کے اہلبیت کی ایک فرد لوگوں کو پڑھ کر سنائے، اس وجہ سے یہ ذمہ دار مجھے سونپی گئی ہے۔

حضرت علی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ پر سوار ہو کر جابر اور آپ کے دوسرے صحابیوں کے ہمراہ مکہ کے لئے روانہ ہو گئے اور حضرت کے پیغام کو ابوبکر تک پہنچایا، انہوں نے بھی (سورۂ برائت کی) آیتوں کو حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔

امیر المومنین علیہ السلام مکہ میں داخل ہوئے اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو جمرۂ عقبہ کے اوپر کھڑے ہو کر بلند آواز سے سورۂ برائت کی تیرہ آیتوں کی تلاوت کی، اور چار مہینے کی مہلت جو پیغمبر نے دی تھی بلند آواز سے تمام شرکت کرنے والوں کے گوش گزار کیا۔ تمام مشرکین سمجھ گئے کہ صرف چار مہینے کی مہلت ہے جس میں ہمیں اسلامی حکومت کے ساتھ اپنے رابطے کو واضح

---

[1] لَا یُوَدِّیْهَا عَنْكَ اِلَّا اَنْتَ اَوْ رَجُل مِنْكِ اور بعض روایتوں میں اس طرح ہے اور جل من اہل بیتک سیرۂ ابن ہشام ج ٤ ص ٥٤٥ وغیرہ

کرنا ہے۔قرآن کی آیتیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام نے مشرکین کی فکروں پر عجیب اثر ڈالا اور ابھی چار مہینہ بھی مکمل نہ ہوا تھا کہ مشرکین نے جوق در جوق مذہب توحید کو قبول کرلیا اور ابھی دسویں ہجری بھی تمام نہ ہوئی تھی کہ پورے حجاز سے شرک کا خاتمہ ہوگیا۔

بے جا تعصب

جب ابوبکر اپنی معزولی سے باخبر ہوئے تو ناراضگی کے عالم میں مدینہ واپس آگئے اور گلہ وشکوہ کرنے لگے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوکر کہا: مجھے آپ نے اس کام (آیات الٰہی کے پہنچانے اور قطعنامہ کے پڑھنے) کے لئے لائق و شائستہ جانا، مگر زیادہ دیر نہ گزری کہ آپ نے مجھے اس مقام ومنزلت سے دور کردیا، کیا اس کے لئے خدا کی طرف سے کوئی حکم آیا ہے؟

پیغمبر نے شفقت بھرے انداز سے فرمایا کہ وحی الٰہی کا نمائندہ آیا اور اس نے کہا: میرے یا وہ شخص جو مجھ سے ہے کے علاوہ کوئی اور اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ [1]

بعض متعصب مؤرخین جو حضرت علی علیہ السلام کے فضائل کے تجزیہ وتحلیل میں بہت زیادہ منحرف ہوئے ہیں، ابوبکر کے اس مقام سے معزول ہونے اور اسی مقام پر حضرت علی علیہ السلام کے منصوب ہونے کی اس طرح سے توجیہ کی ہے کہ ابوبکر شفقت و مہربانی کے مظہر اور حضرت علی علیہ السلام بہادری وشجاعت کے مظہر تھے اور الٰہی پیغام کے پہنچانے اور قطعنامہ کے پڑھنے میں بہادر دل اور قدرت مند روح کی ضرورت تھی اور یہ صفات حضرت علی علیہ السلام کے اندر بہت زیادہ پائے جاتے تھے۔

یہ توجیہ: ایک بے جا تعصب کے علاوہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ اس کے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ پیغمبر نے اس عزل و نصب کی علت کی دوسرے انداز سے تفسیر کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کام کے لئے میرے اور وہ شخص جو مجھ سے ہے کے علاوہ کوئی بھی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس واقعہ کا دوسرے طریقے سے تجزیہ کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ عرب کا یہ دستور تھا کہ جب بھی کوئی چاہتا تھا کہ کسی عہد و پیمان کو توڑ دے تو اس نقض (عہد و پیمان کے توڑنے) کو خود وہ شخص یا اسی کے رشتہ داروں میں سے کوئی ایک شخص انجام دیتا ہے ورنہ عہد و پیمان خود اپنی جگہ پر باقی رہتا ہے اسی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام اس کام کے لئے منتخب ہوئے۔

اس توجیہ کا باطل ہونا واضح ہے کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت علی علیہ السلام کے بھیجنے کا اصلی مقصد آیتوں کی تلاوت اور قطعنامہ کا پہنچانا اور عہد و پیمان کا توڑنا نہیں تھا بلکہ سورۂ توبہ کی چوتھی آیت میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ وہ لوگ

---

[1] روح المعانی ج۱۰ تفسیر سورۂ توبہ ص۴۵

جنہوں نے اپنے عہد و پیمان پر مکمل عمل کیا ہے ان کا احترام کرواور عہد و پیمان کی مدت تک اس کو پورا کرو۔ [1]

اس بنا پر اگر عہد کا توڑنا بھی عہد توڑنے والوں کے بہ نسبت اس کام میں شامل تھا تو مکمل طور پر جزئی حیثیت رکھتا ہے جب کہ اصلی ہدف یہ تھا کہ بت پرستی ایک غیر قانونی امر اور ایک ایسا گناہ جو قابل معاف نہیں ہے، اعلان ہو۔

اگر ہم چاہیں کہ اس واقعہ کا غیر جانبدارانہ فیصلہ کریں تو ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم الٰہی سے یہ ارادہ تھا کہ اپنی زندگی میں ہی حضرت علی علیہ السلام کو سیاسی مسائل اور حکومت اسلامی سے مربوط مسئلوں میں آزاد رکھیں۔ تاکہ تمام مسلمان آگاہ ہو جائیں اور خورشید رسالت کے غروب ہونے کے بعد سیاسی اور حکومتی امور میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف رجوع کریں اور جان جائیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان تمام امور میں حضرت علی علیہ السلام سے زیادہ شائستہ کوئی نہیں ہے کیونکہ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ خدا کی طرف سے تنہا وہ شخص جو مشرکین مکہ سے امان میں رہنے کے لئے منصوب ہوا وہ حضرت علی علیہ السلام تھے، کیونکہ یہ چیز حکومتی امور سے متعلق ہے۔

مگر (ہاں) جن مشرکوں سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا پھر ان لوگوں نے بھی کچھ تم سے (وفائے عہد میں) کمی نہیں کی۔ اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی ہو تو ان کے عہد و پیمان کو جتنی مدت کے واسطے مقرر کیا ہے پورا کردو خدا پرہیزگاروں کو یقینا دوست رکھتا ہے۔

---

[1] إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾

علاوہ ان افراد کے جن سے تم مسلمانوں نے معاہدہ کر رکھا ہے اور انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اور تمہارے خلاف ایک دوسرے کی مدد نہیں کی ہے تو چار مہینے کے بجائے جو مدّت طے کی ہے اس وقت تک عہد کو پورا کرو کہ خدا تقویٰ اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (سورۂ توبہ آیت ۴)

دسویں فصل

مسلمانوں کے لئے آئندہ کا لائحہ عمل

دین اسلام کی تحریک کی مخالفت قریش والوں سے بلکہ تمام بت پرستوں کے ساتھ شبہ جزیرہ سے شروع ہوئی۔ وہ لوگ اس آسمانی مشعل کو خاموش کرنے کے لئے مختلف قسم کے مکروفریب اور سازشیں کرتے رہے، لیکن جتنا بھی کوشش کرتے تھے ناکام ہی رہتے، ان سب کی آخری خواہش یہ تھی کہ رسالتمآب کے بعد اس تحریک کی بنیادوں کو ڈھادیں۔ اور انہیں کی طرح وہ لوگ جو پیغمبر سے پہلے زندگی بسر کررہے تھے ان کو بھی ہمیشہ کے لئے خاموش کردیں۔[1]

قرآن مجید نے اپنی بہت سی آیتوں میں ان کی سازشوں اور کھیلے جانے والے کھیلوں کو بیان کیا ہے بت پرستوں کی فکروں کو جوانہوں نے پیغمبر کی موت کے سلسلے میں کیا تھا اسے اس آیت میں بیان کیا ہے ارشاد قدرت ہے:

اَمۡ تَاۡمُرُهُمۡ اَحۡلَامُهُمۡ بِهٰذَآ اَمۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ[2]

کیا (تم کو) یہ لوگ کہتے ہیں کہ (یہ) شاعر ہیں (اور) ہم تو اس کے بارے میں زمانے کے حوادث کا انتظار کررہے ہیں تو تم کہہ دو کہ (اچھا) تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، کیا ان کی عقلیں انہیں یہ (باتیں) بتاتی ہیں یا یہ لوگ سرکش ہی ہیں؟

اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ دشمنوں کی تمام سازشیں ایک کے بعد ایک کس طرح ناکام ہوگئیں اور دشمن کے اندر اتنی صلاحیت نہ رہی کہ پھیلتے ہوئے اسلام کو روک سکے، بلکہ اس وقت ہمیں اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنا ہے کہ پیغمبر کے بعد کس طرح سے اس اسلام کو دوام عطا ہو؟ اس طرح سے کہ پیغمبر کے بعد اسلام کی یہ تحریک رک نہ جائے یا گزشتہ کی طرح عقب ماندگی کا شکار نہ ہوجائے۔ یہاں پر دو صورتیں ہیں اور ہم دونوں صورتوں کے متعلق بحث کریں گے:

۱۔ امت اسلامیہ کے ہر فرد کی فکر وعقل اس مرحلہ تک پہنچ جائے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی اسلام کی نئی بنیاد کی تحریک کی اسی طرح رہبری کریں جیسے عہد رسالت میں کیا ہے، اور اسے ہر طرح کی مشکلات سے بچائیں اور امت اور بعد میں آنے والی نسلوں کو صراط مستقیم (سیدھے راستے) کی طرف ہدایت کریں۔

---

[1] ورقہ ابن نوفل کی طرح، کہ جس نے عیسائیوں کی بعض کتابوں کا مطالعہ کیا اور بت پرستی کے مذہب کو چھوڑ کر خود عیسائی بن گیا۔

[2] سورۂ طور، آیت ۳۲۔۳۰

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت کی رہبری کا دارومدار ایسے افراد نے اپنے ذمہ لے لیا تھا کہ افسوس اکثر افراد اس کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ اس وقت یہاں اس سلسلے میں بحث نہیں کرنا ہے لیکن اتنی بات ضرور کہنا ہے کہ تمام طبیعتوں اور ایک امت کے دل کو گہرائیوں سے بدلنا ایک دن، دو دن یا ایک سال، یا دس سال کا کام نہیں ہے اور انقلاب لانے والا کہ جس کی آرزو یہ ہوتی ہے کہ اپنی تحریک کو ہر زمانے کے لئے پایداری اور دوام بخش دے وہ مختصر سی مدت میں اس کام کو انجام نہیں دے سکتا۔

انقلاب کا ہمیشہ باقی رہنا اور لوگوں کے دلوں میں اس طرح رچ بس جانا، انقلاب لانے والے کے مرنے کے بعد بھی اس کی تحریک ایک قدم بھی پیچھے نہ رہے اور پرانے رسم و رواج اور آداب و اخلاق دوبارہ واپس نہ آجائیں اور اس تحریک کو چلانے کے لئے ایسے اہم افراد یا شخص کی ضرورت ہے جو اس تحریک کی باگ ڈور سنبھالے اور ہمیشہ اس کی حفاظت کرے اور معاشرے میں مسلسل تبلیغ کر کے غیر مطلوب چیزوں سے لوگوں کو دور رکھے تا کہ ایک نسل گزر جائے اور نئی نسل ابتداء سے اسلامی اخلاق و آداب کی عادت کر لے اور آنے والی نسلوں تک برقرار رکھے۔

تمام آسمانی تحریکوں کے درمیان اسلامی تحریک کی ایک الگ خصوصیت ہے اور اس تحریک کو بقا اور دوام بخشنے کے لئے ایسے اہم افراد کی ضرورت تھی۔ کیونکہ مذہب اسلام ایسے افراد کے درمیان آیا جو پوری دنیا میں سب سے پست تھے اور اجتماعی اور اخلاقی نظام کے اعتبار اور انسانیت کے ہر طرح کی ثقافت سے محروم تھے، مذہبی چیزوں میں حج کے علاوہ جسے اپنے بزرگوں سے میراث میں پایا تھا کسی اور چیز سے آشنا نہ تھے۔

جناب موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی تعلیمات نے ان پر کوئی اثر نہ کیا تھا، حجاز کے اکثر لوگ اس کی خبر نہیں رکھتے تھے، جب کہ جاہلیت کے عقائد اور رسومات ان کے دلوں میں مکمل طریقے سے رسوخ کر چکے تھے اور روح و دل سے انہیں چاہتے تھے۔

ممکن ہے کہ ہر طرح کی مذہبی طبیعت ایسی ملتوں کے درمیان بہت جلد اپنا اثر پیدا کر لے مگر اس کے باقی رکھنے اور اسے دوام و پائداری بخشنے کے لئے ان کے درمیان بہت زیادہ تلاش و کوشش کی ضرورت ہے تا کہ ان لوگوں کو ہر طرح کے انحرافات اور پستی سے بچائے۔

جنگ احد اور حنین کے رقت آمیز اور دل ہلا دینے والے واقعات اور مناظر کہ جس میں تحریک کو بڑھاوا دینے والے عین جنگ کے وقت پیغمبر کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اور انہیں میدان جنگ میں تنہا چھوڑ دیا تھا یہ اس بات کے گواہ ہیں کہ پیغمبر کے صحابی ایمان و عقل کی اس منزل پر نہ تھے کہ پیغمبر تمام امور کی ذمہ داری ان کے سپرد کرتے اور دشمن کے اس آخری حربہ کو جس میں وہ پیغمبر کی موت کے امیدوار تھے اسے ختم کرتے۔

جی ہاں۔ اگر امت کی رہبری کو خود امت کے سپرد کرتے تب بھی صاحب رسالت کے نظریات کو حاصل نہیں کر سکتے

تھے بلکہ ضروری تھا کہ کوئی اور فکر کی جائے کہ جس کی طرف ہم اشارہ کررہے ہیں۔

۲۔تحریک کی بقاو پایداری کے لئے بہترین راستہ تو یہ تھا کہ خداوند عالم کی طرف سے ایک شائستہ شخص، جو تحریک کے اصول وفروع پر عقیدہ وایمان میں پیغمبر کی طرح ہوتا کہ امت کی رہبری کے لئے اس شخص کا انتخاب ہوتا، تا کہ مستحکم ایمان اور وسیع علم جو کہ خطا ولغزش سے پاک ہو اس امت کی رہبری کو اپنے ہاتھوں میں لیتا اور ہمیشہ کے لئے اسے دوام بخشتا۔

یہ وہی بات ہے جس کے صحیح ومحکم کا مذہب تشیع ادعا کرتا ہے اور اکثر تاریخیں اس بات پر گواہ ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کی واپسی پر ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو اس اہم مشکل کی گرہ کو کھول دیا تھا اور خدا کی طرف سے اپنا وصی وجانشین معین کر کے اسلام کی بقاو استمرار کا انتظام کردیا تھا۔

امامت کے بارے میں دو نظریے

شیعہ دانشمندوں کی نظر میں خلافت ایک الٰہی منصب ہے جو خداوند عالم کی طرف سے امت اسلامی کے شائستہ اور عقلمند شخص کو دیا جاتا ہے۔امام اور نبی کے درمیان واضح اور روشن فرق یہ ہے کہ پیغمبر شریعت لے کر آتا ہے اس پر وحی نازل ہوتی ہے اور وہ صاحب کتاب ہوتا ہے، جب کہ امام اگر چہ ان چیزوں کا حقدار نہیں ہے لیکن حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے علاوہ دین کی ان چیزوں کا بیان اور تشریح کرنے والا ہوتا ہے جو پیغمبر وقت کی کمی یا حالات کے صحیح نہ ہونے کی بنا پر اسے بیان نہیں کر پاتا، اور ان تمام چیزوں کے بیان کو اپنے وصیوں کے ذمہ کردیتا ہے۔اس بنا پر شیعوں کی نظر میں خلیفہ صرف حاکم وقت اور اسلام کا ذمہ دار،قوانین کا جاری کرنے والا اور لوگوں کے حقوق کا محافظ اور ملک کی سرحدوں کا نگہبان ہی نہیں ہوتا، بلکہ مذہبی مسائل اور مبہم نکات کا واضح اور روشن کرنے والا ہوتا ہے اور ان احکام وقوانین کو مکمل کرنے والا ہوتا ہے جو کسی وجہ سے دین کی بنیاد رکھنے والا بیان نہیں کر پاتا ہے۔

لیکن خلافت، اہلسنت کے دانشمندوں کی نظر میں ایک عام اور مشہور منصب ہے اور اس مقام کا مقصد صرف ظاہری چیزوں اور مسلمانوں کی مادیات کی حفاظت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔خلیفۂ وقت عمومی رائے مشوروں سے سیاسی اقتصادی اور قضائی امور کو چلانے کے لئے منتخب ہوتا ہے اور وہ شئون واحکامات جو پیغمبر کے زمانے میں بطور اجمال تشریع ہوئے ہیں اور پیغمبر کسی علت کی بنا پر اسے بیان نہ کرسکے ہوں، اس کے بیان کرنے کی ذمہ داری علماء اور اسلامی دانشمندوں پر ہے کہ اس طرح کی مشکلات کو اجتہاد کے ذریعے حل کریں۔

حقیقت خلافت کے بارے میں اس مختلف نظریہ کی وجہ سے دو مختلف گروہ مسلمانوں کے درمیان وجود میں آگئے اور وہ بھی دو حصوں میں بٹ گئے اور آج تک یہ اختلاف باقی ہے۔

پہلے نظریہ کے مطابق امام، پیغمبر کے بعض امور میں شریک اور اس کے برابر ہے اور جو شرائط پیغمبر کے لئے لازم

ہیں وہی شرائط امام کے لئے بھی ضروری ہیں۔ان شرائط کو ہم یہاں بیان کررہے ہیں:

۱۔پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ معصوم ہو یعنی اپنی پوری عمر میں گناہ کے قریب نہ جائے اور دین کے حقائق واحکام بیان کرنے،لوگوں کے اسلامی ومذہبی سوالوں کے جوابات دینے میں خطا کا مرتکب نہ ہو۔امام کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے اور دونوں کے لئے ایک ہی دلیل ہے۔

۲۔پیغمبر،شریعت کو سب سے زیادہ اور بہتر طور پر جانتا ہو۔اور مذہب کی کوئی بھی چیز اس سے پوشیدہ نہ ہو۔اور امام بھی جو کہ شریعت کی ان چیزوں کو مکمل کرنے اور بیان کرنے والا ہے جو پیغمبر کے زمانے میں بیان نہیں ہوئی ہیں،ضروری ہے کہ دین کے احکام ومسائل کو سب سے زیادہ جانتا ہو۔

۳۔نبوت ایک انتصابی مقام ہے نہ انتخابی،اور پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ خدا اس کی معرفی کرے اور اسی کی طرف سے مقام نبوت پر منصوب ہو کیونکہ تنہا اسی کی ذات ہے جو معصوم کو غیر معصوم سے جدا کرتا ہے اور صرف خدا ان لوگوں کو پہچانتا ہے جو غیبی عنایتوں کی وجہ سے اس مقام پر پہنچے ہیں اور دین کی تمام جزئیات سے واقف وآگاہ ہیں۔

یہ تینوں شرطیں جس طرح سے پیغمبر کے لئے معتبر ہیں اسی طرح امام اور اس کے جانشین کے لئے معتبر ہیں۔لیکن دوسرے نظریہ کے مطابق،نبوت کی کوئی بھی شرط امامت کے لئے ضروری نہیں ہیں نہ معصوم ہونا ضروری ہے نہ عادل ہونا اور نہ ہی عالم ہونا ضروری ہے نہ شریعت پر مکمل دسترسی ضروری ہے نہ انتصاب ہونا،اور نہ عالم غیب سے رابطہ ہونا ضروری ہے بلکہ بس اتنا کافی ہے کہ اپنے ہوش وحواس اور تمام مسلمانوں کے مشورے سے اسلام کی شان وشوکت کی حفاظت کرے اور قانون کے نفاذ کے لئے امنیت کو جزا قرار دے،اور جہاد کے ذریعے اسلام کو پھیلانے کی کوشش کرے۔

ابھی ہم اس مسئلہ کو(کہ کیا مقام امامت ایک انتصابی مقام ہے یا ایک انتخابی مقام اور کیا پیغمبر کے لئے ضروری تھا کہ وہ خود کسی کو اپنا جانشین معین کریں یا امت کے حوالے کردیں)ایک اجتماعی طریقے سے حل کرتے ہیں۔اور قارئین محترم کو بھی اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ اجتماعی اور فرہنگی حالات خصوصاً پیغمبر کے زمانے کے سیاسی حالات سبب بنے کہ خود پیغمبر اپنی زندگی میں جانشینی کی مشکلات کو حل کریں اور اس کے انتخاب کو امت کے حوالے نہ کریں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ مذہب اسلام،جہانی مذہب اور آخری دین ہے اور جب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ رہے امت کی رہبری کو اپنے ذمے لئے رہے اور آپ کی وفات(شہادت)کے بعد ضروری ہے کہ امت کی رہبری امت کے بہترین فرد کے ذمے ہو،ایسی صورت میں پیغمبر کے بعد رہبری،کیا ایک مقام تنصیصی (نص یا قرآنی دلیل) ہے یا مقام انتخابی؟

یہاں پر دو نظریے ہیں:

شیعوں کا نظریہ ہے کہ مقام رہبری،مقام تنصیصی (نص) ہے اور ضروری ہے کہ پیغمبر کا جانشین خدا کی طرف سے

معین ہو۔ جب کہ اہلسنت کا نظریہ ہے کہ یہ مقام انتخابی ہے اور امت کے لئے ضروری ہے کہ پیغمبر کے بعد ملک وامت کے نظام کو چلانے کے لئے کسی شخص کو منتخب کریں، اور ہر گروہ نے اپنے نظریوں پر دلیلیں پیش کی ہیں جو عقاید کی کتابوں میں ہیں یہاں پر جو چیز بیان کرنے کی ضرورت ہے وہ پیغمبر کے زمانے میں حاکم کے حالات کا تجزیہ وتحلیل کرنا ہے تا کہ دونوں نظریوں میں سے ایک نظریہ کو ثابت کرسکیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اسلام کی داخلی اور خارجی سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ پیغمبر کا جانشین خدا کے ذریعے خود پیغمبر کے ہاتھوں معین ہو۔ کیونکہ اسلامی معاشرہ کو ہمیشہ ایک خطرناک مثلث یعنی روم، ایران، اور منافقین کی طرف سے جنگ، فساد اور اختلاف کا خطرہ لاحق تھا، اسی طرح امت کے لئے مصلحت اسی میں تھی کہ پیغمبر سیاسی رہبر معین کر کے تمام امتیوں کو خارجی دشمن کے مقابلے میں ایک ہی صف میں لاکر کھڑا کردیں۔ اور دشمن کے نفوذ اور اس کے تسلط کو (جس کی اختلاف باطنی بھی مدد کرتا) ختم کردیں اب ہم اس مطلب کی وضاحت کررہے ہیں۔

اس خطرناک مثلث کا ایک حصہ بادشاہِ روم تھا۔ یہ ایک عظیم طاقت شبہ جزیرہ کے شمال میں واقع تھی جس کی طرف سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اور زندگی کے آخری لمحے تک فکرمند ہے۔۔ سب سے پہلی لڑائی مسلمانوں کی روم کے عیسائی فوج کے ساتھ ۸ ھ میں فلسطین میں ہوئی۔ اس جنگ میں اسلام کے تین عظیم سپہ سالار یعنی جعفر طیار، زید بن حارثہ اور عبد اللہ بن رواحہ شہید ہو گئے اور اسلامی فوج کی بہت بڑی شکست ہوئی۔

کافروں کی فوج کے مقابلے سے اسلام کی فوج کے پیچھے ہٹنے سے قیصر کی فوج کے حوصلے بلند ہو گئے اور ہر لحہ یہ خطرہ بنارہا کہ کہیں نئی اسلامی حکومت کے مرکز پر حملہ نہ ہوجائے۔

اسی وجہ سے پیغمبر ۹ ھ میں بہت زیادہ فوج کے ساتھ شام کے اطراف کی طرف روانہ ہوئے تا کہ ہر طرح کی فوجی لڑائی میں خود رہبری کریں۔ اس سفر میں اسلامی فوج نے زحمت ورنج برداشت کر کے اپنی دیرینہ حیثیت کو پالیا اور اپنی سیاسی زندگی کو دوبارہ زندہ کیا۔ لیکن اس کھوئی ہوئی کامیابی پر پیغمبر مطمئن نہیں ہوئے اور اپنی بیماری سے چند دن پہلے فوج اسلام کو اسامہ بن زید کی سپہ سالاری میں دے کر حکم دیا کہ شام کے اطراف میں جائیں اور جنگ میں شرکت کریں۔

اس مثلث کا دوسرا خطرناک حصہ ایران کا بادشاہ تھا۔ یہ سبھی جانتے ہیں کہ ایران کے خسرو نے شدید غصہ کے عالم میں پیغمبر کے خط کو پھاڑا تھا۔ اور پیغمبر کے سفیر کو ذلیل وخوار کر کے اپنے محل اور ملک سے نکالا تھا، صرف یہی نہیں بلکہ یمن کے گورنر کو نامہ لکھا تھا کہ پیغمبر کو گرفتار کرلے۔ اور اگر وہ گرفتاری نہ دیں تو انہیں قتل کردے۔

خسرو پرویز، اگرچہ پیغمبر کے زمانے میں ہی مرگیا تھا لیکن یمن کو آزاد کرنے کا مسئلہ (جو مدتوں تک ایران کے زیر نظر تھا) خسرو ایران کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھا۔ اور غرور وتکبر نے ایران کے سیاست دانوں کو اس بات کی اجازت نہ دی کہ اس طرح کی قدرت (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو برداشت کرسکیں۔

اوراس مثلث کا تیسرا خطرہ گروہ منافقین کی طرف سے تھا جو ہمیشہ ستون پنجم (مدد وطاقت) کی طرح مسلمانوں کے خلاف سازش میں لگے تھے، یہاں تک کہ ان لوگوں نے کہ جنگ تبوک میں جاتے وقت راستے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا چاہا۔ منافقین کے بعض گروہ آپس میں یہ کہتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کے بعد اسلامی تحریک ختم ہو جائے گی اور سب کے سب آسودہ ہو جائیں گے۔

پیغمبر کے انتقال کے بعد ابوسفیان نے بے ہودہ قسم کے مکر و حیلے اپنائے اور چاہا کہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ بیعت کر کے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے کو روبرو کر دے اور اچھے لوگوں کو برائیوں کی طرف راغب کرے۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام اس کی سازش سے باخبر تھے، چنانچہ اس کو ہوشیار کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! فتنہ وفساد برپا کرنے کے علاوہ تیرا کوئی اور مقصد نہیں ہے اور صرف آج ہی تو نہیں چاہتا کہ فتنہ وفساد برپا کرے بلکہ تو چاہتا ہے کہ ہمیشہ فتنہ وفساد ہوتا رہے، جا مجھے تیری ضرورت نہیں ہے۔ [1]

منافقوں کی تخریب کاری (فتنہ وفساد) اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ قرآن مجید نے سورۂ آل عمران، نساء، مائدہ، انفال، توبہ، عنکبوت، احزاب، محمد، فتح، مجادلہ، حدید، منافقون اور حشر میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

کیا ایسے سخت دشمنوں کے بعد جو اسلام کے کمین میں بیٹھے تھے صحیح تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعد نو بنیاد اسلامی معاشرے کے لئے دینی وسیاسی رہبر وغیرہ کو معین نہ کرتے؟ اجتماعی محاسبہ کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر پر ضروری تھا کہ رہبر کا تعیین کریں اور تاکہ اپنے بعد ہونے والے تمام اختلاف کو روک دیں اور ایک محکم دفاعی طاقت کو وجود میں لا کر وحدت اسلامی کی بنیاد کو محفوظ کریں، اور ہر ناگوار حادثہ رونما ہونے سے پہلے اور یہ کہ رسول اسلام کے انتقال کے بعد ہر گروہ یہ کہے کہ رہبر ہم میں سے ہو یہ سوائے رہبر معین کئے ممکن نہ تھا۔

مذکورہ باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نظریہ بالکل صحیح ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنے بعد ہونے والے رہبر کو خود معین کریں شاید یہی وجہیں تھیں کہ پیغمبر بعثت کی ابتداء سے آخر عمر تک مسئلہ جانشینی کو ہمیشہ بیان کرتے رہے اور اپنے جانشین کو آغاز رسالت میں بھی اور آخر زمانہ رسالت میں بھی معین کیا، ان دونوں کی توضیح ملاحظہ کیجئے۔

دلیل عقلی، فلسفی اور اجتماعی حالات سے قطع نظر کہ یہ سب کی سب میرے نظریئے کی تائید کرتی ہیں، وہ حدیثیں اور روایتیں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وارد ہوئی ہیں علمائے شیعہ کے نظریہ کی تصدیق کرتی ہیں۔ پیغمبر اکرم نے اپنی رسالت کے زمانے میں کئی دفعہ اپنے جانشین اور وصی کو معین کیا ہے اور امامت کے موضوع کو عمومی رائے اور انتخاب کے ذریعے ہونے والی بحث کو ختم کر دیا ہے۔

---

[1] کامل ابن اثیر ج۲ ص۲۲۰، العقد الفرید ج۲ ص۲۴۹

پیغمبر نے نہ صرف اپنی آخری عمر میں اپنا جانشین معین کیا تھا، بلکہ آغاز رسالت میں کہ ابھی سو آدمیوں کے علاوہ کوئی ان پر ایمان نہ لایا تھا اپنے وصی و جانشین کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

جس دن خدا نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں اور عمومی دعوت سے پہلے انہیں مذہب توحید قبول کرنے کے لئے بلائیں، تو اس مجمع میں جس میں بنی ہاشم کے ٤٥ سردار موجود تھے، آپ نے فرمایا: تم میں سے سب سے پہلے جو میری مدد کرے گا وہی میرا بھائی، وصی اور میرا جانشین ہوگا

جس وقت حضرت علی علیہ السلام ان کے درمیان سے اٹھے اور ان کی رسالت کی تصدیق کی۔ اسی وقت پیغمبر نے مجمع کی طرف رخ کر کے کہا: یہ جوان میرا بھائی، وصی اور جانشین ہے

مفسرین و محدثین کے درمیان یہ حدیث یوم الدار اور حدیث بدء الدعوۃ کے نام سے مشہور ہے۔

پیغمبر نے نہ صرف آغاز رسالت میں بلکہ مختلف مناسبتوں اور سفر و حضر میں حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و جانشینی کو صراحت سے بیان کیا تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی ایک عظمت و صراحت کے اعتبار سے حدیث غدیر کے برابر نہیں ہے

اب ہم واقعہ غدیر کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

واقعۂ غدیرخم

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۰ ھ میں وظیفۂ حج اور مناسک حج کی تعلیم کے لئے مکہ معظّمہ روانہ ہوئے اور اس مرتبہ یہ حج پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری حج تھا اسی وجہ سے اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ وہ افراد جو پیغمبر کے ہمراہ حج کرنا چاہتے تھے یا حج کی تعلیمات سے روشناس ہونا چاہتے تھے پیغمبر کے ہمراہ روانہ ہوئے جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔

حج کے مراسم تمام ہوئے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے کے لئے روانہ ہوئے جب کہ بہت زیادہ لوگ آپ کی خدا حافظی کے لئے آئے سوائے ان لوگوں کے جو مکہ میں آپ کے ہمراہ ہوئے تھے وہ سب کے سب آپ کے ہمراہ تھے وہ پہلے ہی روانہ ہوگئے۔ جب یہ قافلہ بے آب و گیاہ جنگل بنام غدیر خم پہنچا جو جحفہ [۱] سے تین میل کی دوری پر واقع ہے، وحی کا فرشتہ نازل ہوا اور پیغمبر کو ٹھہرنے کا حکم دیا پیغمبر نے بھی سب کو ٹھہرنے کا حکم دیدیا تا کہ جو پیچھے رہ گئے ہیں وہ بھی پہنچ جائیں۔

قافلے والے اس بے آب و گیاہ اور بے موقع، دوپہر کے وقت، تپتے ہوئے صحرا میں اور گرم و تپتی ہوئی زمین پر پیغمبر کے اچانک رک جانے سے متعجب تھے، لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے: لگتا ہے خدا کی طرف سے کوئی اہم حکم آگیا ہے اور حکم کی اتنی ہی اہمیت ہے کہ پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ اس سخت حالت میں آگے بڑھنے سے سب کو روک دیں اور خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں۔

رسول اسلام پر خدا کا یہ فرمان نازل ہوا:

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ [۲]

اے پیغمبر، جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھ لو کہ)

---

[۱] جحفہ: رابغ سے چند میل دور مدینے کے راستے میں واقع ہے اور حاجیوں کی ایک میقات میں سے ہے۔

[۲] سورۂ مائدہ آیت ٦٧

تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا اور (تم ڈرو نہیں) خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

اگر آیت کے مفہوم پر غور کیا جائے تو چند نکات سامنے میں آتے ہیں:

۱۔ وہ حکم جسے پہنچانے کے لئے پیغمبر کو حکم دیا گیا وہ اتنا عظیم اور اہم تھا کہ (بر فرض محال) اگر پیغمبر اس کے پہنچانے میں خوف کھاتے اور اسے نہیں پہنچاتے تو گویا آپ نے رسالت الٰہی کو انجام نہیں دیا بلکہ اس پیغام کے پہنچانے کی وجہ سے آپ کی رسالت مکمل ہوئی۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ ما انزل الیک سے مراد ہرگز قرآن مجید کی تمام آیتیں اور اسلامی احکامات نہیں ہیں کیونکہ اگر پیغمبر، خداوند عالم کے تمام احکامات کو نہ پہنچائیں تو اپنی رسالت کو انجام نہیں دیا ہے تو یہ ایک ایسا واضح اور روشن امر آیت کے نزول کا محتاج نہیں ہے، بلکہ اس حکم سے مراد ایک خاص امر کا پہنچانا ہے تا کہ اس کے پہنچانے سے رسالت مکمل ہو جائے اور اگر یہ حکم نہ پہنچایا جائے تو رسالت عظیم اپنے کمال تک نہیں پہونچ سکتی، اس بنا پر ضروری ہے کہ یہ حکم اسلامی اصول کا ایک اہم پیغام ہو تا کہ دوسرے اصول و فروع سے ارتباط رکھے ہو اور خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی رسالت کے بعد اہم ترین مسئلہ شمار ہو۔

۲۔ معاشرے کو دیکھتے ہوئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ احتمال تھا کہ ممکن ہے اس پیغام کو پہنچاتے وقت لوگوں کی طرف سے انہیں ضرر پہنچے لیکن خداوند عالم ان کے ارادے کو قوت و طاقت دینے کے لئے ارشاد فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ.

اب ہم ان احتمالات کا تجزیہ کریں گے جو ماموریت کے سلسلے میں مفسرین اسلامی نے بیان کئے ہیں کہ کون سا احتمال آیت کے مفہوم سے نزدیک ہے۔

شیعہ محدثین اور اسی طرح اہلسنت کے ۳۰ بزرگ محدثین [1] نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں نازل ہوئی ہے جس میں خدا نے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو مومنوں کا مولی بنائیں۔

پیغمبر کے بعد ولایت و جانشینی عظیم اور اہم موضوعات میں سے ہے اور اس کے پہنچانے سے رسالت کی تکمیل ہوئی ہے نہ یہ کہ امر رسالت میں نقص شمار کیا جائے۔

اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اجتماعی اور سیاسی حالات کی رو سے اپنے اندر رعب و ڈر محسوس کرتے کیونکہ حضرت علی علیہ السلام جیسے شخص کی وصایت اور جانشینی جن کی عمر ۳۳ سے زیادہ نہ تھی، کا اعلان ایسے گروہ کے سامنے جو

---

[1] مرحوم علامہ امینی نے اپنی کتاب الغدیر، ج۱ ص ۱۹۶ تا ۲۰۹ تک ان تیس افراد کے نام و خصوصیات مکمل طریقے سے بیان کئے ہیں۔ جن کے درمیان بہت سے نام مثلاً طبری، ابونعیم اصفہانی، ابن عساکر، ابواسحاق حموینی، جلال الدین سیوطی وغیرہ شامل ہیں اور پیغمبر کے صحابی میں ابن عباس، ابوسعید خدری و براء ابن عازب وغیرہ کے نام پائے جاتے ہیں۔

عمر کے لحاظ سے ان سے بہت بڑے تھے، بہت زیادہ دشوار تھا۔[1]

اس کے علاوہ اس مجمع میں پیغمبر کے اردگرد بیٹھے لوگوں کے بہت سے رشتہ داروں کا خون مختلف جنگوں میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں بہا تھا اور ایسے کینہ توز افراد پر ایسے شخص کی حکومت بہت دشوار مرحلہ تھا، اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام پیغمبر کے چچازاد بھائی اور داماد تھے اور ایسے شخص کو خلافت کے لئے معین کرنا کم ظرفوں کی نگاہ میں، رشتہ دار کو بڑھاوا دینا تھا۔

لیکن ان تمام سخت حالات کے باوجود خداوند عالم کا حکیمانہ ارادہ یہ تھا کہ اس تحریک کو دوام بخشنے کے لئے حضرت علی علیہ السلام کو خلافت و جانشینی کے لئے منتخب کیا جائے اور اپنے پیغمبر کی رسالت کو رہبر و رہنما کا تعیین کر کے پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔

واقعہ غدیر کی تشریح:

۱۸ ذی الحجہ کو غدیر خم کی سرزمین پر دوپہر کا تپتا ہوا سورج چمک رہا تھا اور اکثر مؤرخین نے مجمع جن کی تعداد ۷۰ ہزار سے ۱۲۰ ہزار تک بیان کی ہے اس جگہ پر پیغمبر کے حکم سے ٹھہرے ہوئے تھے اور اس روز رونما ہونے والے تاریخی واقعہ کا انتظار کر رہے تھے اور شدید گرمی کی وجہ سے اپنی رداؤں کو دو حصوں میں تہہ کر کے ایک حصے کو سر پر اور دوسرے حصے کو پیر کے نیچے رکھے ہوئے تھے۔

ایسے حساس موقع پر ظہر کی اذان پورے بیابان میں گونج اٹھی اور مؤذن کی تکبیر کی آواز بلند ہوئی،

لوگ نماز ظہر ادا کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے اور پیغمبر نے اس عظیم الشان مجمع میں جس کی سرزمین غدیر پر مثال نہیں ملتی نماز ظہر باجماعت ادا کی، پھر لوگوں کے درمیان اس منبر پر جو اونٹ کے کجاووں سے بنایا گیا تھا تشریف لائے اور بلند آواز سے یہ خطبہ پڑھا۔

تمام تعریفیں خدا سے مخصوص ہیں ہم اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی پر ہمارا ایمان ہے اور اسی پر بھروسہ ہے اور برے نفس اور خراب کردار سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں کہ اس کے علاوہ گمراہوں کا کوئی ہادی و رہنما نہیں ہے وہ خدا جس نے ہر شخص کی ہدایت کی اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد خدا کا بندہ اور اسی کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔

اے لوگو، عنقریب میں تمہارے درمیان سے خدا کی بارگاہ میں واپس چلا جاؤں گا اور میں مسئول ہوں اور تم بھی

---

[1] خصوصاً ان عربوں پر جو اہم منصبوں کو قبیلے کے بزرگوں کے شایان شان سمجھتے تھے اور نوجوانوں کو اس بہانے سے کہ وہ تجربہ نہیں رکھتے ان کو اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے اسی لئے جب پیغمبر نے عتاب بن اسید کو مکہ کا حاکم اور اسامہ بن زید کو فوج کا سپہ سالار بنا کر تبوک بھیجا تو بہت سے اصحاب پیغمبر اور دوستوں نے اعتراض کیا۔

مسئول ہو میرے بارے میں کیا فکر کرتے ہو؟

پیغمبر کے صحابیوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے خدا کے مذہب کی تبلیغ کی اور ہم لوگوں کے ساتھ نیکی کی اور ہمیشہ نصیحت کی اور اس راہ میں بہت زیادہ زحمتیں برداشت کیں خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

پیغمبر نے پھر مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا:

کیا تم گواہی نہیں دو گے کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہے؟ جنت و جہنم اور موت حق ہیں اور قیامت بغیر کسی شک وتردید کے ضرور آئے گی اور خداوند عالم ان لوگوں کو جو قبروں میں دفن ہیں دوبارہ زندہ کرے گا؟

پیغمبر کے صحابیوں نے کہا: ہاں ہاں ہم گواہی دیتے ہیں۔

پھر پیغمبر نے فرمایا: میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں بطور یادگار چھوڑ کر جارہا ہوں کس طرح ان کے ساتھ برتاؤ کرو گے؟ کسی نے پوچھا: ان دو گرانقدر چیز سے کیا مراد ہے؟

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ثقل اکبر جو خدا کی کتاب ہے جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں ہے اس کو مضبوطی سے پکڑلو تا کہ گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اور ثقل اصغر میری عترت اور میرے اہلبیت ہیں میرے خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میری یہ دونوں یادگاریں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی۔

اے لوگو، کتاب خدا اور میری عترت پر سبقت نہ لے جانا بلکہ ہمیشہ اس کے نقش قدم پر چلنا تا کہ تم محفوظ رہ سکو، اس موقع پر پیغمبر نے حضرت علی علیہ السلام کو ہاتھوں پر بلند کیا یہاں تک کہ آپ کے بغل کی سفیدی دکھائی دینے لگی اور سب نے حضرت علی علیہ السلام کو پیغمبر کے ہاتھوں پر دیکھا اور انہیں اچھی طرح سے پہچانا اور جان لیا کہ اس اجتماع اور ٹھہرنے کا مسئلہ حضرت علی علیہ السلام سے مربوط ہے اور سب کے سب پوری توجہ اور دلچسپی کے ساتھ آمادہ ہوئے کہ پیغمبر کی باتوں کو غور سے سنیں۔

پیغمبر نے فرمایا: اے لوگو، تمام مومنین میں سب سے بہتر شخص کون ہے؟

پیغمبر کے صحابیوں نے جواب دیا خدا اور اس کا پیغمبر بہتر جانتا ہے۔

پیغمبر نے پھر فرمایا: خداوند عالم میرا مولا اور میں تم لوگوں کا مولا ہوں اور ان کے نفسوں سے زیادہ ان پر حق تصرف رکھتا ہوں۔ اے لوگو! جس جس کا میں مولا اور رہبر ہوں علی بھی اس کے مولا اور رہبر ہیں۔

رسول اسلام نے اس آخری جملے کی تین مرتبہ تکرار کی [1] اور پھر فرمایا:

پروردگارا، تو اسے دوست رکھ جو علی کو دوست رکھتا ہو اور تو اسے دشمن رکھ جو علی کو دشمن رکھتا ہو۔

[1] احمد بن حنبل نے اپنی کتاب مسند میں نقل کیا ہے کہ پیغمبر نے اس جملے کی چار مرتبہ تکرار کی۔

خدایا علی کے چاہنے والوں کی مدد کر اور ان کے دشمنوں کو ذلیل ورسوا کر، خدایا علی کو حق کا محور قرار دے۔

پھر فرمایا: دیکھو جو بھی اس بزم میں شریک نہیں ہے ان تک یہ پیغام الٰہی پہنچا دینا اور دوسروں کو اس واقعہ کی خبر دے دینا۔

ابھی یہ عظیم الشان مجمع اپنی جگہ پر بیٹھا ہی تھا کہ وحی کا فرشتہ نازل ہوا اور پیغمبر اسلام ﷺ کو خوشخبری دی کہ خدا نے آج تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کو مومنین پر تمام کر دیا۔[1]

اس وقت پیغمبر کی تکبیر بلند ہوئی اور فرمایا: خدا کا شکر کہ اس نے اپنے دین کو کامل کر دیا اور نعمتوں کو تمام کر دیا اور میری رسالت اور میرے بعد علی کی ولایت سے خوشنود ہوا۔

پیغمبر اسلام ﷺ منبر سے اترے اور آپ کے صحابی گروہ در گروہ حضرت علی علیہ السلام کو مبارکباد دیتے رہے اور انہیں اپنا مولی اور تمام مومنین زن و مرد کا مولا مانا اس موقع پر رسول خدا ﷺ کا شاعر حسان بن ثابت اپنی جگہ سے اٹھا اور غدیر کے اس عظیم و تاریخی واقعہ کو اشعار کی شکل میں سجا کر ہمیشہ کے لئے جاویدان بنا دیا یہاں اس مشہور قصیدے کے دو شعر کا ترجمہ پیش کرتے ہیں:

پیغمبر نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اٹھو میں نے تمہیں لوگوں کی راہنمائی اور پیشوائی کے لئے منتخب کیا جس شخص کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے۔ اے لوگو! تم پر لازم ہے کہ علی کے سچے پیرو اور ان کے حقیقی چاہنے والے بنو۔[2]

جو کچھ اب تک بیان کیا گیا وہ اس عظیم تاریخی واقعہ کا خلاصہ تھا جو اہلسنت کے دانشمندوں نے بیان کیا ہے شیعہ کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مرحوم طبرسی نے اپنی کتاب احتجاج میں پیغمبر کا ایک تفصیلی خطبہ نقل کیا ہے تفصیل کے خواہشمند قارئین اس کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

غدیر کا واقعہ کبھی بھی بھلایا نہیں جا سکتا

خداوند عالم کا حکیمانہ ارادہ یہ ہے کہ عظیم تاریخی واقعہ غدیر ہر زمانے اور ہر صدی میں لوگوں کے دلوں میں زندہ اور کتابوں میں بطور سند لکھا رہے، ہر زمانے میں اسلام کے محققین، تفسیر، حدیث، کلام اور تاریخ کی کتابوں میں اس کے متعلق گفتگو کریں اور مقررین و خطباء اپنی تقریروں، وعظ و نصیحت اور خطابتوں میں اس واقعہ کا تذکرہ کریں اور اسے حضرت علی علیہ السلام کا ایسا فضائل شمار کریں جو غیر قابل انکار ہو نہ، صرف مقررین اور خطیب بلکہ بہت سارے شعراء اور دیگر افراد نے بھی اس واقعے سے ستفادہ کیا ہے اور اپنے ادبی ذوق کو اس واقعہ میں غور و فکر کر کے اور صاحب ولایت کے ساتھ حسن خلوص سے

---

[1] اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (سورۂ مائدہ، آیت ۳)

[2] فقال له قم یا علی فاننی رضیتك من بعدی اماماً و هادیاً فمن کنت مولاه فهذا ولیه فکونوا له اتباع صدق موالیاً.

پیش آ کر اپنی فکروں کو جلا بخشی ہے اور عمدہ و عالی ترین قصائد مختلف انداز اور مختلف زبانوں میں کہہ کر اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں۔

شاسی وجہ سے بہت کم ایسا تاریخی واقعہ ہے جو غدیر کے مثل تمام دانشمندوں کی توجہ کا مرکز بنا ہو بلکہ تمام افراد خصوصاً محدثین، متکلمین، فلسفی، خطیب وشاعر، مؤرخ اور تاریخ لکھنے والے سب ہی اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور سب نے کچھ نہ کچھ اس سلسلے میں لکھا ہے۔

اس حدیث کے ہمیشہ باقی رہنے کی ایک علت، اس واقعہ کے بارے قرآن مجید کی دو آیتوں کا نازل ہونا ہے[1] اور جب تک قرآن باقی ہے یہ تاریخی واقعہ بھی باقی رہے گا اور کبھی بھی ذہنوں سے بھلایا نہیں جا سکتا، اسلامی معاشرہ نے شروع سے ہی اسے ایک مذہبی عید شمار کیا ہے اور تمام شیعہ آج بھی اس دن عید مناتے ہیں اور وہ تمام رسومات اور خوشیاں جو دوسری عیدوں میں انجام دیتے ہیں اس عید میں بھی انجام دیتے ہیں۔

تاریخ کی کتابیں دیکھنے سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸ ذی الحجہ کا دن مسلمانوں کے درمیان عید غدیر کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں تک کہ ابن خلکان، مستعلی بن المستنصر کے بارے میں کہتا ہے:

۴۸۷ ھ میں ۱۸ ذی الحجہ کو غدیر کے دن لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کیا۔[2]

العبیدی المستنصر باللہ کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس کا انتقال ۴۸۷ ھ میں اس وقت ہوا جب ذی الحجہ مہینے کی بارہ راتیں باقی تھیں اور یہ رات ۱۸ ذی الحجہ یعنی شب غدیر تھی۔[3]

تنہا ابن خلکان نے ہی اس رات کو غدیر کی رات نہیں کہا ہے بلکہ مسعودی[4] اور ثعلبی[5] نے بھی اس رات کو امت اسلامی کی معروف ومشہور رات کہا ہے۔

اس اسلامی عید کی بازگشت خود عید غدیر کے دن ہوتی ہے کیونکہ پیغمبر نے اس دن مہاجرین وانصار، بلکہ اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ علی کے پاس جائیں اور ان کی اس عظیم فضیلت پر انہیں مبارکباد دیں۔

زید بن ارقم کہتے ہیں: مہاجرین میں سب سے پہلے جس نے علی کے ہاتھ پر بیعت کی وہ ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر تھے اور بیعت اور مبارکبادی کا یہ سلسلہ مغرب تک چلتا رہا۔

---

[1] سورۂ مائدہ آیت ۳ اور ۶۷

[2] وفیات الاعیان ج۱ ص ۶۰ وج۲ ص ۲۲۳

[3] وفیات الاعیان ج۱ ص ۶۰ وج۲ ص ۲۲۳

[4] التنبیہ والاشراف ص ۸۲۲

[5] ثمار القلوب ۵۱۱

اس تاریخی واقعہ کی اہمیت کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ ۱۱۰ صحابیوں نے حدیث غدیر کو نقل کیا ہے۔ البتہ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اتنے زیادہ گروہوں میں سے صرف اتنی تعداد میں لوگوں نے واقعہ غدیر کو نقل کیا ہے بلکہ صرف اہلسنت کے ۱۱۰ دانشمندوں نے واضح طور پر نقل کیا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ پیغمبر نے اپنے خطبے کو ایک لاکھ کے مجمع میں بیان کیا لیکن ان میں سے بہت زیادہ لوگ حجاز کے نہیں تھے اور ان سے حدیث نقل نہیں ہوئی ہے اور ان میں سے جن گروہوں نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے تاریخ نے اسے اپنے دامن میں جگہ تک نہیں دیا ہے، اور اگر لکھا بھی ہے تو ہم تک نہیں پہنچا ہے۔

دوسری صدی ہجری جو کہ تابعین کا زمانہ ہے ۸۹ افراد نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس صدی کے بعد جتنے بھی حدیث کے راوی ہیں سب کے سب اہل سنت کے دانشمند اور علماء ہیں اور اس میں ۳۶۰ افراد نے اس حدیث کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور بہت زیادہ لوگوں نے اس کی حقانیت اور صحیح ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

تیسری صدی میں ۹۲ دانشمندوں نے، چوتھی صدی میں ۴۳ دانشمندوں نے، پانچویں صدی میں ۲۴ دانشمندوں نے، چھٹی صدی میں بیس دانشمندوں نے، ساتویں صدی میں ۲۱ دانشمندوں نے، آٹھویں صدی میں ۱۸ دانشمندوں نے، نویں صدی میں ۱۶ دانشمندوں نے، دسویں صدی میں ۱۴ دانشمندوں نے، گیارہویں صدی میں ۱۲ دانشمندوں نے، بارہویں صدی میں ۱۳ دانشمندوں نے، تیرہویں صدی میں ۱۲ دانشمندوں نے اور چودہویں صدی میں ۲۰ دانشمندوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

کچھ محدثین و مؤرخین نے صرف اس حدیث کے نقل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس کی سند اور اس کے مفاد و مفہوم کے بارے میں مستقل طور پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔

اسلام کے بزرگ مؤرخ طبری نے ایک کتاب بنام الولایۃ فی طریق حدیث الغدیر لکھا ہے اور اس حدیث کو ۷۰ سے زیادہ طریقوں سے پیغمبر سے نقل کیا ہے۔

ابن عقدہ کوفی نے اپنے رسالہ ولایت میں اس حدیث کو ۱۰۵ افراد سے نقل کیا ہے۔

ابوبکر محمد بن عمر بغدادی جو جعانی کے نام سے مشہور ہے اس حدیث کو ۲۵ طریقوں سے نقل کیا ہے، جن لوگوں نے اس تاریخی واقعہ کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں ان کی تعداد ۲۶ ہے۔

شیعہ دانشمندوں نے اس اہم اور تاریخی واقعے کے متعلق بہت قیمتی کتابیں لکھی ہیں اور تمام کتابوں میں سب سے جامع اور عمدہ کتاب الغدیر ہے جو عالم تشیع کے مشہور و معروف دانشمند علامۂ مجاہد مرحوم آیت اللہ امینی کی تحریر کردہ ہے، امام علی علیہ السلام کی حالات زندگی لکھنے والوں نے اس کتاب سے ہمیشہ بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔

كنتُ اناوَ على بن ابى طالب نوراً بين يد الله تعالى قبل ان يخلق آدم باربعة الآف عاماً فلما خلق آدم قسّم ذٰلك النور فجزءٌ اناو جزءٌ على. [1]

خلقت آدم علیہ السلام سے چار ہزار سال پہلے میں اور علی بن ابی طالب علیہما السلام ، خداوند متعال کے نزدیک نور کی صورت میں موجود تھے جس وقت خداوند عالم نے آدم علیہ السلام کے نور کو خلق کرنا چاہا تو اس نور کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا کہ اسی نور کا ایک حصہ میں ورایک حصہ علی بن ابی طالب علیہما السلام ہیں۔

---

[1] تذکرۃ الخواص۔ سبط ابن جوزی

چوتھا باب

پیغمبرؐ کی وفات کے بعد اور خلافت سے پہلے حضرت علی علیہ السّلام کی زندگی

پہلی فصل

حضرت علی علیہ السلام کی پچیس سالہ خاموشی

حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات جو پیغمبر کی زندگی میں رونما ہوئے تھے ان کی تحقیق وجستجو تمام ہوگئی۔ اگر چہ اس حصے میں تفصیلی تحقیق اور مکمل معلومات حاصل نہ ہوسکی اور امام کے بہت سے حالات و واقعات اس زمانے میں جب آپ اس سے رونما ہوئے تھے لیکن اہمیت کے لحاظ سے دوسرے مرحلے میں تھے لہٰذا بیان نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن وہ عظیم واقعات جو امام کی شخصیت کو اجاگر کرتے ہیں یا آپ کے ایمان وعظمت کو واضح و روشن کرتے ہیں ترتیب سے بیان کئے جا چکے ہیں اور اس کی وجہ سے آپ کے فضائل و کمالات اور حسن اخلاق سے ایک حد تک آشنا ہو چکے ہیں۔

اب ہم امامؑ کی زندگی کے دوسرے حصے کو جو آپ کی زندگی کا چوتھا مرحلہ ہے اس کی کا تجزیہ کر رہے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کے تین مرحلوں نے آپ کی عمر عزیز کے ۳۳ سال لے لئے، اور امام اس مختصر سی مدت میں اسلام کے سب سے بڑے شجاع و بہادر اور اسلام کے عظیم الشان رہبر کی حیثیت سے پہچانے گئے۔ اور پوری تاریخ اسلام میں پیغمبر کے بعد کوئی بھی شخص فضیلت، تقویٰ، علم و دانش، خدا کی راہ میں جہاد و کوشش، برادری و مواسات، غریبوں اور یتیموں کی دیکھ بھال وغیرہ میں آپ کے ہم رتبہ نہ تھا۔ اور تمام جگہوں پر خصوصاً حجاز و یمن میں آپ کی شجاعت و بہادری، فداکاری، جانبازی، اور پیغمبر کی مہر و محبت علی کے ساتھ مشہور تھی۔

ان تمام کمالات کے بعد ضروری تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام کا محور اور اسلامی معاشرہ کی باگ ڈور حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں میں ہوتی، لیکن جب تاریخ کے صفحات پر نظر پڑتی ہے تو اس کے برخلاف نظر آتا ہے کیونکہ امام اپنی زندگی کے چوتھے مرحلے میں جو ایک چوتھائی صدی تھی اور وہ شرائط و حالات جو رونما ہوئے تھے اس عمومی جگہ سے اپنے آپ کو کنارے کر کے خاموشی اختیار کر لی تھی نہ کسی جنگ میں شرکت کی نہ کسی عمومی جلسے میں رسمی طور پر تقریر فرمائی۔ تلوار کو نیام میں رکھ لیا تھا اور تنہائی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ یہ خاموشی اور طولانی کنارہ کشی اس شخص کے لئے جو اس کے پہلے ہمیشہ عمومی مجمع میں رہا ہو اور اسلام کی دوسری عظیم شخصیت اور مسلمانوں کے لئے ایک عظیم رکن کی حیثیت سے شمار ہو اس کے لئے یہ سہل و آسان نہ تھا۔ روح بزرگ، حضرت علی علیہ السلام سے چاہتی تھی کہ خود اس پر مسلط ہو جائے اور خود کو نئے حالات جو ہر اعتبار سے سابقہ حالات سے مخالف تھے، تطبیق کرے۔

اس خاموشی کے زمانے میں امام چند چیزوں میں مصروف تھے جو درج ذیل ہیں:

١۔خدا کی عبادت: وہ بھی ایسی عبادت جو حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کی شایان شان تھی یہاں تک کہ امام سجاد اپنی تمام عبادت وتہجد کو اپنے دادا کی عبادت کے مقابلے میں بہت ناچیز جانتے ہیں۔

٢۔قرآن کی تفسیر اور آیتوں کی مشکلات کو حل اور شاگردوں کی تربیت کرتے تھے وہ بھی ابن عباس جیسے شاگرد جو امام کے بعد سب سے بڑے مفسر قرآن کے نام سے مشہور ہوئے۔

٣۔تمام فرقوں اور مذہبوں کے دانشمندوں کے سوالات کے جوابات دیتے تھے،خصوصاً وہ تمام یہودی اور عیسائی جو پیغمبر کی وفات کے بعد اسلام کے سلسلے میں تحقیق کرنے کے لئے مدینہ آئے تھے۔ان لوگوں نے ایسے ایسے سوالات کئے تھے کہ جس کا جواب حضرت علی علیہ السلام، جو توریت اور انجیل پر مکمل تسلط رکھتے تھے اور جیسا کہ ان کی گفتگو سے بھی واضح تھا، کے علاوہ کوئی بھی صلاحیت نہیں رکھتا، اگر یہ فاصلہ امام کے ذریعے پُر نہ ہوتا تو جامعہ اسلامی شدید شکست کھا جاتا، اور جب امامؑ نے تمام سوالوں کا محکم اور مدلل جواب دیدیا تو وہ خلفاء جو پیغمبر کی جگہ بیٹھے تھے ان کے چہرے پر مسکراہٹ اور عظیم خوشی کے آثار نظر آئے۔

٤۔بہت زیادہ ایسے نئے مسائل کا حل پیش کرنا جس کا اسلام میں وجود نہ تھا اور اس کے متعلق قرآن مجید اور حدیث پیغمبر موجود نہ تھی یہ امام کی زندگی کا ایک حساس پہلو ہے اور اگر صحابیوں کے درمیان حضرت علی علیہ السلام جیسی شخصیت موجود نہ ہوتی۔جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کے مطابق امت کی سب سے دانا اور قضاوت وفیصلہ کرنے میں سب سے اہم شخصیت تھی تو صدر اسلام کے بہت سے ایسے مسائل بغیر جواب کے رہ جاتے اور بہت سی گتھیاں نہ سلجھتیں۔

یہی نئے نئے رونما ہونے والے حادثات وواقعات ثابت کرتے ہیں کہ پیغمبر کی رحلت کے بعد ایک آگاہ اور معصوم،مثل پیغمبر کے لوگوں کے درمیان موجود ہو جو اسلام کے تمام اصول وفروغ پر کافی تسلط رکھتا ہو اور اس کا علم وکمال امت کو غیر شرعی اور بے جا عمل اور وہم وگمان سے دور کردے اور یہ تمام عظیم خصوصیتیں پیغمبر کے تمام دوستوں صحابیوں کی تصدیق کی بنیاد پر حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور میں نہ تھیں،

امام کے کچھ فیصلے اور قرآن مجید کی آیتوں سے ان کو ثابت کرنا وغیرہ حدیث وتاریخ کی کتابوں میں تحریر ہیں[1]

٥۔جب خلافت پر بیٹھنے والے سیاسی مسائل یا مشکلات کی وجہ سے مجبور ولاچار ہوئے تو ان کی نگاہ میں تنہا امام مورد اعتماد تھے جو ان کے سروں پر منڈلاتی ہوئی مشکلات کو حل کرتے اور ان کی راہ ہموار کرتے ان میں سے بعض مشورے نہج البلاغہ اور تاریخ کی کتابوں میں نقل ہوئے ہیں،

---

[1] ۔محقق عالی قدر جناب شیخ محمد تقی شوستری نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا ترجمہ فارسی میں بھی ہے۔

٦۔ پاک ضمیر اور پاکیزہ روح رکھنے والوں کی تربیت تاکہ وہ امام کی رہبری اور معنوی تصرف کے زیر نظر معنوی کمالات کی بلندیوں کو فتح کرسکیں اور وہ چیزیں جسے آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے وہ دل کی نورانی آنکھوں اور باطنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔

٧۔ بہت زیادہ بیوہ اور یتیموں کی زندگی کے روزمرہ کے امور کے لئے کوشش وتلاش کرنا یہاں تک کہ امام نے خود اپنے ہاتھوں سے باغ لگایا اور آب پاشی کے لئے نہریں نکال کر اسے خدا کی راہ میں وقف کردیا۔

یہ تمام فعالیت اور امور کا انجام دینا امام کا وہ کارنامہ تھا جو آپ نے اس ٢٥ سالہ دور میں انجام دیا تھا، لیکن یہ بات نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتی ہے کہ اسلام کے بڑے بڑے تاریخ دانوں نے امام کی زندگی کے ان خدمات کو زیادہ اہمیت نہیں دی، اور امام کی زندگی کے اس دور کی خصوصیات و جزئیات کو صحیح طریقے سے نہیں لکھا ہے جب کہ یہی تاریخدان جب بنی امیہ اور بنی عباس کے سپہ سالاروں کے حالات لکھتے ہیں تو اتنا دقیق اور تفصیلی گفتگو کرتے ہیں کہ کوئی بھی چیز باقی نہ رہ جائے۔

کیا یہ افسوس کا مقام نہیں ہے کہ امام کی پچیس سالہ زندگی کی خصوصیات مبہم اور غیر واضح ہوں مگر ظالموں کی تاریخ، جنایت و بدبخت محققین اور معاویہ، مروان اور خلفاء بنی عباس کے بیٹوں کی عیاشی و شرابخوری کی تاریخ بہت ہی دقت ومحنت سے لکھی جائے، اور ان محفلوں میں پڑھے جانے والے اشعار وہ باتیں جو خلفاء اور ناچ ورنگ کی محفل منعقد کرنے والوں کے درمیان ہوئیں اور وہ راز ونیاز جورات کے اندھیرے میں طے ہوئے تھے وہ تاریخ اسلام، کے نام سے اپنی اپنی کتابوں میں لکھیں؟ نہ صرف ان کی زندگیوں کا صرف یہ حصہ لکھا بلکہ ان کے حاشیہ نشینوں نوکروں، اور ان کے علاوہ خادموں اور بکریوں، اور زیور وآلات، عورتوں اور محبوباؤں کے آرائش وسنورنے، اور ان کی زندگی کی خصوصیات تک کو اپنی اپنی کتابوں میں بیان کیا لیکن جب اولیاء خدا اور حق شناس افراد کی بات آتی ہے تو وہی، اگر ان کی جاںثاری اور فداکاری نہ ہوتی تو ہرگز یہ نالائق گروہ خلافت وسرداری کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں نہ دیتے گویا ان کی فکریں زنجیروں سے بندھی ہوں۔ اور تاریخ کے ان ابواب سے اتنی تیزی سے گزرنا چاہتے ہیں کہ جلد از جلد تاریخ کا یہ حصہ ختم ہوجائے۔

اسلام کا پہلا ورق جدا ہوگیا

اس فصل کا پہلا ورق اس وقت جدا ہوگیا جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر امام کے سینے پر تھا اور آپ کی روح، خدا کی بارگاہ میں چلی گئی، حضرت علی علیہ السلام اس واقعہ کو اپنے ایک تاریخی [1] خطبے میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

پیغمبر کے صحابہ جو آپ کی تاریخی زندگی کے محافظ ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ میں نے ایک لحمہ کے لئے بھی خدا اور اس

---

[1] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ١٩٢۔ لقد علم المستحفظون من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ۔

کے پیغمبر دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے میں دوری اختیار نہیں کی جب کہ بڑے بڑے طاقتور لوگ بھاگ گئے اور جنگ سے پیچھے ہٹ گئے، میں نے اپنی جان کو پیغمبر خدا کی راہ میں قربان کرنے سے ذریغ نہ کیا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا اس وقت ان کا سر میرے سینے پر تھا، اور میرے ہاتھوں پر ان کی روح بدن سے جدا ہوئی اور میں نے بطور تبرک اپنے ہاتھوں کو چہرے پر ملا، اس وقت ہم نے ان کے بدن کو غسل دیا اور فرشتوں نے ہماری مدد کی، فرشتوں کا ایک گروہ زمین پر آتا تھا تو دوسرا چلا جاتا تھا اور ان کے ہمہمہ کی آواز جب کہ وہ پیغمبر کے جنازے پر نماز پڑھ رہے تھے میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھی یہاں تک کہ ہم نے انہیں ان کی قبر میں رکھ دیا۔ پیغمبر کی زندگی میں بھی اور ان کی رحلت کے بعد بھی کوئی مجھ سے زیادہ سزاوار نہیں ہے پیغمبر کے انتقال کے بعد بعض گروہ نے خاموشی اختیار کر لی اور دوسرا گروہ پوشیدہ طور پر راز و رموز تلاش کرنے میں مصروف ہو گیا۔

پیغمبر کی رحلت کے بعد سب سے پہلا واقعہ جس سے مسلمان روبرو ہوئے وہ عمر کی طرف سے پیغمبر کی وفات کو جھٹلانا تھا۔ اس نے پیغمبر کے گھر کے سامنے شور و غوغا کرنا شروع کر دیا اور جو لوگ یہ کہتے تھے کہ پیغمبر کا انتقال ہو گیا ہے ان کو دھمکی دیتا تھا، جب کہ عباس اور ابن مکتوم ان آیتوں کی تلاوت کر رہے تھے جس کے مفہوم سے واضح ہو رہا تھا کہ پیغمبر کا انتقال ہو گیا ہے مگر اس کا لوگوں پر کوئی اثر نہ پڑا یہاں تک کہ عمر کا دوست ابوبکر جو مدینہ کے باہر تھا وہ آیا، اور جیسے ہی اس حالات سے باخبر ہوا تو اس نے بھی اسی آیت [1] کو پڑھا کہ جس کو دوسروں نے اس سے پہلے پڑھا تھا اور عمر کو خاموش کر دیا۔

جس وقت حضرت علی علیہ السلام پیغمبر کو غسل دے رہے تھے اس وقت اصحاب کا ایک گروہ ان کی مدد کر رہا تھا اور غسل وکفن کے ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا، اور خود پیغمبر کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے آمادہ ہو رہا تھا اور اکثر افراد سقیفہ بنی ساعدہ میں پیغمبر کے جانشین کا انتخاب کر رہے تھے اگر چہ سقیفہ میں تمام امور کی باگ ڈور انصار کے ہاتھوں میں تھی لیکن جب ابوبکر و عمر اور ابوعبیدہ جو مہاجرین میں سے تھے اس واقعہ سے باخبر ہوئے تو پیغمبر کا جسم اطہر جو غسل کے لئے آمادہ تھا چھوڑ کر سقیفہ میں انصار کے ساتھ شریک ہو گئے، اور لفظی تکرار اور مار پیٹ کے بعد ابوبکر پانچ آدمی کے ووٹ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ منتخب ہوئے، جب کہ مہاجرین میں ان تین آدمیوں کے علاوہ کوئی بھی اس چیز سے آگاہ نہ تھا۔ [2]

ایسے پر آشوب ماحول میں امام علی علیہ السلام، پیغمبر کے غسل وکفن میں مشغول تھے اور انجمن سقیفہ اپنے کام میں مشغول تھی۔ ابوسفیان جو بہت بڑا سیاسی اور سوجھ بوجھ رکھتا تھا مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے گھر آیا اور آپ سے کہنے لگا اپنا ہاتھ بڑھائے تا کہ میں آپ کی بیعت کروں اور آپ کو مسلمانوں کے خلیفہ کے عنوان سے

---

[1] سورۂ زمر، آیت ۳۰، (مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ) تم مرجاؤ گے اور دوسرے بھی مرجائیں گے۔

[2] سقیفہ کی تاریخ اور کس طرح ابوبکر ۵۔آدمیوں کی رائے سے خلیفہ بنے اگر تفصیل جاننا ہو تو میری کتاب، رہبری امت اور پیشوائی در اسلام کا مطالعہ کریں چونکہ ہم نے ان دونوں کتاب میں واقعۂ سقیفہ کو تفصیل سے لکھا ہے لہٰذا یہاں پر مختصر تحریر کیا ہے۔

لوگوں کے سامنے روشناس کراؤں، کیونکہ اگر میں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو عبد مناف کے فرزندوں میں سے کوئی بھی آپ کی مخالفت کے لئے نہیں اٹھے گا اور آخر میں پورا عرب آپ کو اپنا حاکم و سردار قبول کر لے گا لیکن حضرت علی علیہ السلام نے ابو سفیان کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دی کیونکہ اس کی نیت سے آگاہ تھے آپ نے فرمایا فی الحال میں پیغمبر کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہوں۔

ابوسفیان کی درخواست کے وقت یا اس کے پہلے عباس نے بھی حضرت علی علیہ السلام سے درخواست کی کہ اپنے بھتیجے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کریں لیکن حضرت نے ان کی درخواست کو قبول نہیں کیا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ تکبیر کی آواز کانوں سے ٹکرائی حضرت علی علیہ السلام نے عباس سے اس کا سبب پوچھا عباس نے کہا۔

میں نے نہیں کہا تھا کہ دوسرے لوگ بیعت لینے میں تم پر سبقت کر رہے ہیں؟۔ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ تا کہ تمہاری بیعت کریں؟ لیکن تم حاضر نہ ہوئے اور دوسروں نے تم پر سبقت حاصل کر لی۔

کیا عباس اور ابوسفیان کی درخواست عاقلانہ تھی؟

اگر حضرت علی علیہ السلام، عباس کی درخواست قبول کر لیتے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے فوراً بعد بڑی بڑی شخصیتوں کو بیعت کی دعوت دیتے تو یقیناً سقیفہ میں لوگ جمع نہیں ہو سکتے تھے یا اصلاً سقیفہ کا وجود ہی نہ ہوتا، کیونکہ دوسرے افراد کے اندر ہرگز اتنی جرأت نہ تھی کہ خلافت اسلامی جیسے اہم مسئلہ پر ایک گروہ کے مختصر سے مجمع میں تبادلہ خیالات کرتے، اور ایک شخص کو چند آدمیوں کی رائے سے جانشین کے لئے منتخب کرتے۔

بہر حال، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمومی دعوت اور چند اہم شخصیتوں کا حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں پر خصوصی بیعت کرنا حقیقت سے دور تھا اور تاریخ نے اس بیعت کے سلسلے میں بھی وہی فیصلہ کیا ہے جو ابوبکر کی بیعت کے بارے میں کیا ہے، اس لئے کہ حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی دو حال سے خالی نہیں تھی یا امام، خدا کی طرف سے ولی و حاکم منصوص تھے یا نہیں تھے؟

پہلی صورت میں۔ بیعت لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور خلافت کے لئے رائے لینا اور اس منصب پر قبضہ کرنے کے لئے کسی کو خلیفہ بنانا خدا کی معین کی ہوئی چیزوں کی توہین کرنا ہے اور خلافت کے موضوع کو جو الٰہی منصب ہے اور یہ کہ خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ خدا کی طرف سے معین ہو اس قانون کی توہین کرتا ہے اور اُسے ایک انتخابی مقام و منصب قرار دینا ہے، جب ایک متدین اور حقیقت پسند انسان اپنی شخصیت و منزلت کی حفاظت کے لئے حقیقت اور اصلیت میں تحریف نہیں کرتا، اور حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرتا تو کس طرح سے امام معصوم ایسا کر سکتا ہے؟

دوسری صورت میں:۔ خلافت کے لئے حضرت علی علیہ السلام کا انتخاب بالکل اسی طرح ہوتا جس طرح سے خلافت کے

لئے ابو بکر کا انتخاب ہوا، اور ابو بکر کے جگری دوست خلیفہ دوم (عمر) ابو بکر کے انتخاب کے سلسلے میں بہت دنوں تک یہی کہتے رہے۔

کانت بیعة ابی بکر فلتة وقی الله شرھا۔ [1]

ابوبکر کا خلافت کے لئے منتخب ہونا ایک جلد بازی کا کام تھا اور خدا نے اس کے شر کو روک دیا،

ان تمام چیزوں سے اہم بات یہ کہ ابوسفیان اپنی درخواست میں ذرہ برابر بھی حسن نیت نہیں رکھتا تھا اور اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف، اضطراب اور گروہ بندی پیدا کر دے اور عربوں کو پھر سے جاہلیت کے اندھیرے میں ڈال دے اور اسلام کے نئے اور ہرے بھرے درخت کو ہمیشہ کے لئے خشک کر دے۔

وہ حضرت علی علیہ السلام کے گھر آیا اور امام کی مدح میں اشعار پڑھا جس کے دو شعر کا ترجمہ یہاں پیش کر رہے ہیں۔

اے ہاشم کے بیٹو، اپنی خاموشی کو ختم کر دو تا کہ لوگ خصوصاً قبیلۂ تیم اور قبیلۂ عدی کے لوگ تمہارے

مسلم حق کو لالچی نگاہوں سے نہ دیکھیں۔

خلافت کا حق تمہیں ہے اور تمہاری طرف آیا ہے اور اس کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی شائستگی و لیاقت نہیں رکھتا ہے [2]

لیکن حضرت علی علیہ السلام کنایتہً اس ناپاک نیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تو ایسی فکر میں ہے جس کے اہل ہم نہیں ہیں۔

طبری لکھتا ہے:

علی نے اس کی ملامت کی اور کہا تیرا ہدف فتنہ و فساد کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو ہمیشہ، اسلام کے لئے کینہ پرور ثابت ہوا ہے مجھے تیرے وعظ و نصیحت کی ضرورت و حاجت نہیں ہے [3]

ابوسفیان، مسلمانوں کے درمیان پیغمبر کی جانشینی کے اختلافی مسئلے سے بخوبی واقف تھا اور اس سلسلے میں اس نے یہ نظریہ پیش کی۔

میں ایک ایسا طوفان دیکھ رہا ہوں جسے خون کے علاوہ کوئی دوسری چیز خاموش نہیں کر سکتی [4]

ابوسفیان اپنے نظریہ میں بہت صحیح تھا، اور اگر خاندان بنی ہاشم کی قربانی اور عفو و درگذر نہ ہوتی تو اس اختلافی طوفان

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۰۵ سیرہ ابن ہشام ج ٤ ص ۳۰۸

[2] الدرجات الرفیعہ ص ۸۷

[3] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ٤٥

[4] انی لأری عجاجة لا یُطفؤھا الا الدم شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ٤٤ جوہری کی کتاب السقیفہ سے ماخوذ۔

کو قتل و غارت گری کے علاوہ کوئی دوسری چیز روک نہیں سکتی تھی۔

بغض و کینہ رکھنے والا گروہ

جاہل عرب کے بہت سے قبیلے بدلہ لینے اور بغض و کینہ رکھنے میں بہت مشہور تھے، جب ہم تاریخ جاہلیت عرب کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے حادثے ہمیشہ بڑے بڑے حادثات میں تبدیل ہوتے تھے، اس کی صرف وجہ یہ تھی کہ ان کے اندر بدلہ لینے کی فکر کبھی ختم نہیں ہوتی تھی یہ بات صحیح ہے کہ وہ لوگ اسلامی تعلیمات کی بناء پر ایک حد تک جاہلیت سے دور ہوئے تھے اور نئی زندگی حاصل کر لی تھی لیکن ایسا نہیں تھا کہ ان کے اس طرح کے احساسات مکمل طور پر ختم ہو گئے تھے، اور کوئی اثر ان کے اندر باقی نہ تھا، بلکہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی کم وبیش بدلہ لینے کی حس ان کے اندر باقی تھی۔

یہ بات بغیر کسی دلیل کے نہ تھی کہ حباب بن منذر نے جو گروہ انصار کا بہادر شخص اور گروہ انصار کے لئے خلافت کا امیدوار تھا سقیفہ میں خلیفہ دوم کی طرف رخ کر کے کہا تھا۔

ہم تمہاری خلافت و جانشینی کے ہرگز مخالف نہیں ہیں اور نہ اس کام پر حسد کرتے ہیں لیکن ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ حکومت کی باگ ڈور ایسے افراد کے ہاتھ میں چلی جائے کہ ہم نے شرک کو مٹانے اور اسلام کو پھیلانے کے لئے اسلامی جنگوں میں ان کے باپ دادا اور ان کے فرزندوں کو قتل کیا ہے کیونکہ مہاجرین کے اعزاء و احباب انصار کے فرزندوں اور نوجوانوں کے ہاتھ قتل ہوئے ہیں۔ چنانچہ اگر انہی افراد کے ہاتھ میں حکومت آجائے تو ہماری حالت یقینا تبدیل ہو جائے گی۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

میں نے کتاب سقیفہ تالیف احمد بن عبد العزیز جوہری کو ٦١٠ ھ میں استاد ابن ابی زید رئیس بصرہ سے پڑھی، اور جب بحث حباب بن منذر کی گفتگو تک پہنچی تو میرے استاد نے کہا حباب کی پیشنگوئی بہت عاقلانہ تھی اور جس چیز کا اسے خوف تھا وہ یہ کہ مسلم بن عقبہ مدینہ پر حملہ کرے گا اور اس شہر کو یزید کے حکم سے محاصرہ میں رکھا جائے گا اور ہوا بھی یہی بنی امیہ نے جنگ بدر میں قتل ہونے والے اپنے تمام افراد کا بدلہ انصار کے بیٹوں سے لے لیا۔

پھر استاد نے ایک اور مطلب کی یاد دہانی کرتے ہوئے کہا:

جس چیز کی حباب نے پیشین گوئی کی تھی پیغمبر نے بھی اس کی پیشین گوئی کی تھی، آپ بعض عربوں کے بغض و کینہ اور اپنے خاندان کے ساتھ بدلہ لینے کے متعلق خوف زدہ تھے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ان کے بہت سے رشتہ داروں کو مختلف جنگوں میں بنی ہاشم کے جوانوں نے قتل کیا تھا اور اس سے بھی آگاہ تھے کہ اگر حکومت کی باگ ڈور دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی تو ممکن ہے خاندان رسالت سے بدلہ لینے کی جرأت ان کے اندر پیدا ہو جائے اسی وجہ سے آپ ہمیشہ حضرت علی علیہ السلام کے

بارے میں سفارش کرتے تھے اور انہیں اپنا وصی اور امت کے حاکم کے عنوان سے پہچنواتے تھے، تاکہ جو مقام و مرتبہ اور منزلت خاندان رسالت کی ہو اس کی وجہ سے علی اور ان کے اہلبیت کا خون محفوظ رہے، لیکن کوئی کیا کر سکتا ہے تقدیر نے تمام چیزوں کو بدل ڈالا اور حکومت دوسروں کے ہاتھوں میں آ گئی اور پیغمبر کی پیشنگوئی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکی اور جو چیز نہیں ہونی چاہیئے تھی وہ ہو گئی اور ان کے خاندان کا کتنا پاک و پاکیزہ خون بہا دیا گیا۔[1]

اگر چہ رئیس بصرہ کی بات شیعہ نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ شیعہ عقیدہ کے مطابق، پیغمبر نے خدا کے حکم سے حضرت علی علیہ السلام کو امت کی رہبری کے لئے منصوب اور معین کیا اور حضرت علی علیہ السلام کو منتخب کرنے کی وجہ ان کے اور ان کے اہلبیت کے خون کی حفاظت کرنا مقصود نہیں تھی بلکہ حضرت علی علیہ السلام کے اندر وہ خوبیاں تھیں کہ ایسا بابرکت مقام و منزلت ان کے لئے ہوا۔

لیکن بہر حال اس کی تحلیل بالکل صحیح تھی کیونکہ اگر حکومت کی باگ ڈور حضرت علی علیہ السلام کے خاندان کے ہاتھوں میں ہوتی تو کبھی بھی کربلا کا خونین واقعہ نہ ہوتا اور امام کے بچے بنی امیہ اور بنی عباس کے جلادوں کے ہاتھ شہید نہ ہوتے اور خاندان رسالت کا پاکیزہ خون مٹھی بھر مسلمان نما افراد کے ہاتھوں نہ بہتا۔

بامقصد خاموشی

حقیقت ہے کہ اسلامی معاشرہ اور خاندان رسالت کو عجیب مشکلات سے دوچار کر دیا تھا اور ہر لحہ اس بات کا ڈر تھا کہ مسلمانوں کے درمیان خلافت کے موضوع پر جنگ چھڑ جائے اور اسلامی معاشرے کا شیرازہ بکھر جائے اور عرب قبیلوں کے تازہ مسلمان، جاہلیت اور بت پرستی کے دور کی طرف پلٹ جائیں، اسلامی تحریک، ابھی نئی نئی اور جواں سال تحریک تھی اور ابھی اس تحریک نے لوگوں کے دلوں میں جڑ نہیں پکڑی تھی اور ان میں سے اکثریت نے دل کی گہرائیوں سے اس تحریک کو قبول نہیں کیا تھا۔

ابھی حضرت علی علیہ السلام اور پیغمبر کے بہت سے باوفا اصحاب پیغمبر کے غسل و کفن اور دفن سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ اصحاب کے دو گروہ آپس میں خلافت کے مدعی ہو گئے اور اس راہ میں بہت زیادہ مشکلات کھڑی کر دیں وہ دو گروہ یہ تھے:

۱۔ انصار، خصوصاً قبیلۂ خزرج جو مہاجرین سے پہلے ایک مقام پر جسے سقیفہ بنی ساعدہ کہتے ہیں جمع ہو گئے تھے اور چاہا تھا کہ تمام امور کی ذمہ داری سعد بن عبادہ رئیس خزرج کے حوالہ کریں اور اسے پیغمبر کا جانشین منتخب کریں۔ لیکن چونکہ انصار کے قبیلے میں اتحاد و اتفاق نہ تھا اور ابھی بھی پرانے کینے ان کے دلوں میں جڑ پکڑے ہوئے تھے خصوصاً اوس و خزرج کے قبیلے والے اپنے اپنے کینوں کو نہیں بھولے تھے۔ انصار کا گروہ داخلی مخالفت کی وجہ سے ایک

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۲ ص ۵۳

دوسرے کے مقابلے میں آ گیا اور قبیلۂ اوس کے لوگ سعد کی پیشوائی میں جو کہ خزرج سے تھا مخالفت کی اور نہ صرف یہ کہ انہوں نے اس راہ میں ان کی مدد نہ کی بلکہ خواہش ظاہر کی کہ امت کی باگ ڈور مہاجرین میں سے کسی کے ہاتھ میں ہو۔

۲۔مہاجرین، اوران سب کے رئیس ابوبکر اوران کے ہم فکر ہیں کی تعداد سقیفہ میں بہت کم تھی لیکن اس علت کی بناء پر جس کا اشارہ ہم کر چکے ہیں انہوں نے ابوبکر کے لئے ووٹ جمع کرلیا اور کامیابی کے ساتھ سقیفہ سے باہر آئے اور مسجد تک آتے آتے بہت زیادہ لوگوں کو اپنے ساتھ کرلیا۔ اور ابوبکر خلیفہ رسول کے عنوان سے منبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیٹھے اور لوگوں کو بیعت واطاعت کی دعوت دی۔

تیسرا گروہ اور مسئلہ خلافت

ان دو گروہوں کے مقابلے میں ایک گروہ اور بھی موجود تھا جو روحانی اور معنوی طاقت سے سرشار تھا اور اس گروہ میں حضرت علی علیہ السلام جیسی شخصیت اور بنی ہاشم کے افراد اور کچھ اسلام کے سچے ماننے والے موجود تھے جو خلافت کو حضرت علی علیہ السلام کا حق سمجھتے تھے اور ان کو دوسرے افراد کے مقابلے میں خلافت ورہبری کے لئے ہر طرح سے لائق وشائستہ جانتے تھے۔

ان لوگوں نے خود مشاہدہ کیا کہ ابھی پیغمبر کا جنازہ دفن بھی نہ ہوا تھا کہ گروہ مہاجرین وانصار خلافت کے مسئلے پر جنگ وجدال کرنے لگے۔

اس گروہ نے اپنی مخالفت کی آواز کو مہاجرین وانصار بلکہ تمام مسلمانوں تک پہنچانے کے لئے یہ اعلان کردیا کہ ابوبکر کا انتخاب غیر قانونی اور نص پیغمبر اور اصول مشورہ کے خلاف تھا، اسی وجہ سے وہ لوگ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر میں جمع ہوئے اور سقیفہ میں حاضر نہیں ہوئے، لیکن یہ اجتماع آخر کار ختم ہوا اور خلافت ابوبکر کی مخالفت کرنے والے مجبور ہو کر حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر سے باہر نکل کر مسجد کی طرف چلے گئے۔

ایسے حالات میں تیسرے گروہ پر بہت اہم ذمہ داری آ پڑی، خصوصاً امامؑ کے لئے کہ آپ نے خود مشاہدہ کیا کہ خلافت ورہبری اپنے اصلی محور سے خارج ہوگئی۔ جس کے نتیجہ میں بہت سے امور اپنے اصلی محور سے خارج ہو جائیں گے اسی وجہ سے امام نے خاموشی اختیار کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ غیر مناسب کام پر خاموش رہنے کی وجہ سے ان کی تائید ہوجاتی، اور امام جیسی عظیم شخصیت کا ایسی صورت حال میں خاموش رہنے کی وجہ سے ممکن تھا کہ ان لوگوں کے لئے حقانیت کی دلیل بن جاتی اور ان کی خلافت ثابت ہو جاتی، لہٰذا آپ نے خاموشی ختم کردی۔ اور اپنا سب سے پہلا وظیفہ انجام دیا یعنی خطبہ کے ذریعے حقانیت کو یاد دلایا اور مسجد نبوی میں جو آپ سے زبردستی بیعت لینا چاہ رہے تھے اس مہاجرین کے گروہ کو مخاطب کر کے کہا:

اے گروہ مہاجر، اس حکومت کو حضرت محمد مصطفی نے جس اساس و بنیاد پر قائم کیا ہے اس سے خارج نہ کرو اور اپنے

گھروں میں داخل نہ کرو، خدا کی قسم پیغمبر کا خاندان اس امر کے لئے زیادہ سزاوار ہے کیونکہ ان کے خاندان میں ایسے افراد موجود ہیں جو مفاہیم قرآن اور دین کے اصول وفروع کی مکمل معلومات رکھتے ہیں اور پیغمبر کی سنتوں سے واقف ہیں اور اسلامی معاشرے کو اچھی طرح سے چلا سکتے ہیں اور ظلم وفساد کو روک سکتے ہیں اور مال غنیمت کو برابر برابر تقسیم کرتے ہیں، ایسے افراد کی موجودگی میں یہ منصب دوسروں تک نہیں پہنچ سکتا، ایسا نہ ہو کہ تم خواہشات نفسانی کی پیروی کرو اور صراط مستقیم سے بھٹک کر حقیقت سے دور ہو جاؤ۔ [1]

اس بیان میں امامؑ نے خلافت کے لئے اپنی لیاقت وشائستگی کو آسمانی کتابوں کا علم رکھنے اور پیغمبر کی سنتوں اور اپنی روحانی طاقت کو معاشرے کی رہبری کے شایان شان جانا ہے اور اگر پیغمبر سے اپنے رشتہ کی طرف بھی اشارہ کرتے تو مہاجرین کی طرح کا ایک استدلال ہو جاتا کہ انہوں نے پیغمبر کی طرف اپنے کو نسبت دی ہے شیعہ روایتوں کے مطابق امیر المومنین بنی ہاشم کے گروہ کے ساتھ ابوبکر کے پاس گئے اور خلافت کے لئے اپنے کو سزاوار بتایا اور اپنے ان تمام فضائل وکمالات یعنی علم کتاب وسنت، اسلام قبول کرنے میں سبقت وغیرہ اور جنگ کے میدان میں ثابت قدم اور فصاحت وبلاغت وغیرہ کو بیان کیا اور فرمایا:

میں پیغمبر کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کے مقام ومنصب کا حقدار ہوں، میں ان کا وزیر اور وصی اور اسرار کا گنجینہ اور علوم کے خزانہ کا مخزن ہوں۔ میں ہی صدیق اکبر اور میں ہی فاروق اعظم ہوں میں پہلا وہ شخص ہوں جو ان پر ایمان لایا میں مشرکوں سے جنگ کرنے میں سب سے زیادہ ثابت قدم، کتاب خدا اور پیغمبر کی سنت کا سب سے زیادہ جاننے والا، دین کے اصول وفروع پر تم سب سے زیادہ نگاہ رکھنے والا، اور گفتگو کرنے میں تم سب سے زیادہ فصیح وبلیغ اور ہر معاملے میں تم سب سے زیادہ مستحکم ہوں۔ تو پھر کیوں اس میراث میں ہمارے مقابلے پر اٹھ کھڑے ہو۔ [2]

امیر المومنین علیہ السلام اپنے ایک خطبہ میں خلافت کو اس شخص کا حق جانتے ہیں جو حکومت کو چلانے میں تمام لوگوں سے زیادہ اہلیت رکھتا ہو اور تمام قوانین الٰہی وغیرہ پر مکمل تسلط رکھتا ہو جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

اے لوگو، حکومت کی قیادت کے لئے سب سے اچھا شخص وہ ہے جو تمام الٰہی قوانین کو جانتا ہو۔ اگر کسی شخص کے اندر یہ تمام شرائط موجود نہیں ہوں۔ اور خلافت کی تمنا کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ تو اپنے اس عمل اور فکر سے باز آجا، لیکن اگر وہ اپنی ضد پر باقی رہا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ [3]

یہ منطق فقط حضرت علی علیہ السلام ہی کی نہیں ہے بلکہ آپ کے بعض مخالفین کا بھی یہی نظریہ ہے، اور انہوں نے حضرت

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۱۱

[2] احتجاج طبرسی ج۱ ص۹۵

[3] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱٦۸، ایہا الناس ان احق الناس بہذا الامر اقواہم علیہ۔۔۔

علی علیہ السلام کے لئے خلافت کا اعتراف کیا ہے اور ان کا یقین وایمان بھی یہی ہے کہ کسی غیر کو ان کے اوپر مقدم کرنا گویا ایک بڑے اور اہم حق کو پامال کرنا ہے۔

جب ابوعبیدۂ جراح کو اس بات کی خبر ملی کہ حضرت علی علیہ السلام نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی ہے تو امام کی طرف رخ کر کے کہتا ہے:

امت کی باگ ڈور کو ابوبکر کے حوالے کر دو اور اگر زندہ رہ گئے اور لمبی عمر نصیب ہوئی تو حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے تم سب سے زیادہ حقدار ہو کیونکہ تمہیں تمام فضائل کا ملکہ حاصل ہے اور مستحکم ایمان اور عالم علم لدنی اور حقیقتوں کا درک کرنا اور اسلام قبول کرنے میں سبقت کرنا اور پیغمبر کا بھائی وداماد ہونا یہ تمام فضائل وکمالات سب پر واضح وآشکار ہیں۔[1]

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے حق خلافت کی واپسی کے لئے صرف متوجہ اور متنبہ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اکثر مؤرخین کی تحریر کے مطابق اکثر راتوں میں آپ نے پیغمبر کی بیٹی اور اپنے نور چشم حسنینؑ کے ہمراہ انصار کے سرداروں سے ملاقات کی تاکہ خلافت کو اس کے صحیح مقام پر واپس لائیں۔لیکن افسوس کہ ان لوگوں نے قابل اطمینان جواب نہیں دیا۔اور یہ عذر پیش کیا کہ اگر حضرت علی علیہ السلام دوسروں سے پہلے خلافت کی فکر کرتے اور ہم سے بیعت طلب کرتے تو ہم لوگ انہی کے ہاتھ پہ بیعت کرتے اور کبھی بھی دوسروں کی بیعت نہ کرتے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا کہ کیا یہ بات درست تھی کہ میں پیغمبر کے جنازے کو بغیر غسل وکفن گھر کے ایک گوشہ میں چھوڑ دیتا اور خلافت کی فکر کر کے لوگوں سے بیعت لیتا؟ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی نے حضرت علی علیہ السلام کی بات کی تائید کرتے ہوئے فرمایا: علی اپنے وظیفہ میں دوسروں سے بہت زیادہ آشنا تھے وہ گروہ جس نے علی کے حق کو ان سے چھین لیا ہے خدا اس کا حساب لے گا۔[2]

امامؑ کا اس سلسلے میں یہ پہلا کام تھا جو تجاوز کرنے والے گروہ کے مقابلے میں انجام دیا تھا تاکہ توجہ وتذکر اور گروہ انصار کے بزرگوں کی مدد سے اپنے حق کو غاصبوں سے واپس لے لیں،لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس راہ میں امام کو کوئی نتیجہ نہ ملا،اور آپ کا حق پامال کر دیا گیا،اس وقت سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے پر آشوب اور حساس ماحول میں امام کا فریضہ کیا تھا؟ کیا آپ کا فریضہ صرف یہ تھا کہ آپ اپنی نگاہوں سے اس منظر کو دیکھتے رہیں اور خاموش بیٹھ جائیں یا اس کی حفاظت کے لئے قیام کریں؟

امام کے لئے صرف ایک راستہ تھا

امامؑ کا خلافت کے سلسلے میں مسجد پیغمبر میں مہاجرین اور انصار کو متوجہ کرنے کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں پر حقیقت آشکار

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص۱۲

[2] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص۱۲،شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ج۲ ص ٤٧ معاویہ کے نامہ سے ماٴخوذ۔

ہوگئی اور آپ نے تمام مسلمانوں پر حجت تمام کر دیا،لیکن خلیفہ اوران کے ہم فکر وخیال افراد منصب خلافت پر اپنا قبضہ جمائے رہے اور دھیرے دھیرے ایک طاقت بن کرا بھرنے لگے

اور زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ لوگوں کے دلوں میں خلافت مستحکم ہونے لگی اور رفتہ رفتہ لوگ اس حکومت کو اصل حکومت شمار کرنے لگے اوراسی کے پیرو ہو گئے۔

ایسے حساس ماحول میں جب کہ ہرلحہ خاندان رسالت کونقصان اور حکومت وقت کو فائدہ ہورہا تھا حضرت علی علیہ السلام جیسی شخصیت کا فریضہ کیا تھا؟ امام کے سامنے صرف دوراستے تھے ایک یہ کہ خاندان رسالت کے مردوں اوراپنے سچے ماننے والوں اور پیروی کرنے والوں کی مدد سے قیام کرتے اوراپنے حق کوان لوگوں سے واپس لے لیتے، یا یہ کہ مکمل طور پر خاموشی اختیار کر کے تمام عمومی واجتماعی امور سے کنارہ کشی کر لیتے اور جتنا ممکن ہوتا اپنے اخلاقی وفردی فریضے پرعمل کرتے۔

تمام قرائن وشواہد (جو آئندہ بیان ہوں گے) سے واضح ہوتا ہے کہ امامؑ اگر ایسے حالات میں قیام کرتے تو اس نئے اسلام اور نئے معاشرۂ اسلامی کوکوئی فائدہ نہیں پہنچتا لہٰذا امامؑ کے لئے ضروری تھا کہ دوسرا راستہ اپناتے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے مرتد ہونے سے خوف زدہ تھے

١۔قرآن کریم کی آیتیں اس بات کی حکایت کرتی ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی میں اسلامی معاشرہ کے مستقبل کے لئے بہت فکر مند تھے، اور مسلسل ناخوشگوار واقعات دیکھنے کے بعد اس احتمال نے انہیں زیادہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ کہیں کچھ لوگ ہمارے بعد اپنے جاہلیت کے ماحول کو پھر سے اختیار کر لیں اور سنت الٰہی کو بھول جائیں۔

یہ خیال اس وقت اور محکم ہوگیا جب جنگ احد میں پیغمبر کے مرنے کی خبر پھیلا کر لوگ میدان جنگ سے فرار ہو گئے اور پیغمبر نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اکثر مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کر لی۔اور پہاڑوں اور دوسرے مقامات پر پناہ لے لی اور بعض افراد نے چاہا کہ منافقوں کے سردار (عبداللہ ابن ابی) سے بات کر کے ابوسفیان سے امان نامہ لے لیں۔اور ان کا ایمان وعقیدہ اتنا پستی کی طرف آ گیا کہ خداوند عالم کے متعلق بدگمانی کرنے لگے اور غلط فکریں کرنے لگے۔قرآن مجید نے اس راز کا پردہ فاش کر دیا۔

ارشاد قدرت ہے:

مِّنۡكُمۡ ۙ وَطَآٮِٕفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ يَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَـقِّ ظَنَّ الۡجَـاهِلِيَّةِ‌ ؕ يَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَىۡءٍ [1]

اور ایک گروہ جن کواس وقت بھی (بھاگنے کی شرم سے) جان کے لالے پڑے تھے خدا کے ساتھ (خواہ مخواہ) زمانہ

---

[1] سورۂ آل عمران آیت ١٥٣

جاہلیت کی ایسی بدگمانیاں کرنے لگے (اور) کہنے لگے بھلا کیا یہ امر (فتح) کچھ بھی ہمارے اختیار میں ہے۔

قرآن کریم نے دوسری آیت میں پیغمبر کی رحلت کے بعد صحابہ کے درمیان اختلاف وکشیدگی کی بھی خبر دی ہے ارشاد قدرت ہوتا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ[1]

اور محمد ﷺ تو صرف رسول ہیں ان سے پہلے اور بھی بہت سے پیغمبر گزر چکے ہیں پھر کیا اگر محمد ﷺ اپنی موت سے مرجائیں یا مار ڈالے جائیں تو تم الٹے پاؤں (اپنے کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا (بھی) تو (سمجھ لو) ہرگز خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑے گا اور عنقریب خدا شکر کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا۔

یہ آیت پیغمبر کے اصحاب کے دو گروہوں میں تقسیم ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے (ایک عصر جاہلیت کی طرف واپس جانا، دوسرے ثابت قدم اور شکر گذار رہنا) کہ پیغمبر کی رحلت کے بعد ممکن ہے مسلمان اختلاف اور گروہوں میں تقسیم ہو جائیں۔

۲۔ سقیفۂ بنی ساعدہ میں موجود افراد کا اگر جائز لیا جائے تو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ اس دن کس طرح سے ایک دوسرے کے رازوں کا پردہ فاش ہو رہا تھا۔ اور ایک بار پھر قومی اور خونی تعصب اور جاہلیت کی فکریں پیغمبر کے صحابہ کی زبانی زندہ ہو گئیں تھیں، اور یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ ابھی مکمل طور پر اسلامی تربیت ان کے اندر نفوذ نہیں ہوئی ہے اور اسلام وایمان صرف ان کے جاہلیت کے چہرے پر پڑا ہے۔

اس تاریخی واقعہ کی تحقیق کرنے کے بعد یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ سقیفہ میں جمع ہونے کا ہدف اور ان تقریروں اور لڑائیوں کا مقصد ذاتی مفاد کے علاوہ کچھ نہ تھا، اور ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ خلافت کے لباس کو خود پہن لے جب کہ حق یہ تھا کہ امت کی بہترین فرد اس خلافت کے لباس کو پہنے، اور جو چیز اس مجمع یا انجمن سقیفہ میں بیان نہیں ہوئی تھی وہ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت اور مفاد کا تذکرہ اور خلافت کو ایسے شخص کے سپرد کرنا جو اپنی ذہانت وعقلمندی علم ودانش اور بہترین اخلاقی ومعنوی روح کے ذریعے اسلام کی کشتی کو نجات کے ساحل تک پہنچاتا تھا۔

ایسے حالات میں جب کہ اسلامی عقیدہ لوگوں کے دلوں میں رسوخ نہیں کیا تھا اور جاہلیت کی رسم وعادت اور پیروی ان کے ذہنوں سے نہیں نکلی تھی اور ہر طرح کی خانہ جنگی، گروہ بندی، معاشرے کو بکھیر دینے اور بہت زیادہ افراد کے بت پرستی اور شرک کی طرف جانے کا امکان تھا۔

---

[1] سورۂ آل عمران آیت ۱۴۴

۳۔ان تمام چیزوں سے واضح وروشن حضرت علی علیہ السلام کی وہ گفتگو ہے جوآپ نے سقیفہ کے واقع ہونے سے پہلے کی تھی آپ نے اپنی گفتگو میں اتحاد اسلامی کی اہمیت اوراختلاف وتفرقہ کے برے انجام کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً جب ابوسفیان نے چاہا کہ حضرت علی علیہ السلام کو بیعت لینے کے لئے راضی کرے اوراس کے ذریعے اپنے بدترین مقاصد کوعملی جامہ پہنائے تواس وقت امام نے مجمع کی طرف رخ کر کے فرمایا:

فتنہ وفساد کی موجوں کونجات کی کشتی سے توڑ دواورتفرقہ واختلاف سے پرہیز کرواورفخر ومباہات، تکبروغرورکودل سے نکال دو۔اگر میں کچھ کہوں تو لوگ کہیں گے کہ حکومت کے لالچی ہیں اوراگر خاموشی سے بیٹھ جاؤں تو لوگ کہتے ہیں کہ موت سے ڈرتے ہیں۔خدا کی قسم ابوطالب کے بیٹے کے نزدیک موت سے مانوس ہوناماں کے پستان سے مانوس ہونے سے زیادہ بہتر ہے، اگرعلم و آگاہی کے بعد خاموشی اختیار کریں تو گویا ہم بھی انہیں میں سے ہوگئے اوراگرتم بھی ہماری طرح ان چیزوں سے باخبر ہوتے توتم بھی گہرے کنویں میں ڈالی ہوئی رسی کی طرح پریشان ولرزاں ہوتے۔[1]

جس علم وآگاہی کے متعلق آپ گفتگوکررہے تھے وہ اختلاف وتفرقہ کاوحشتناک نتیجہ تھا آپ جانتے تھے کہ خلافت کے لئے قیام یاخانہ جنگی کا ہونااسلام کے مٹ جانے اورلوگوں کا جاہلیت کےعقیدے پرواپس ہوجانے کاباعث تھا۔

٤۔جس وقت پیغمبر کے انتقال کی خبرنومسلم قبیلوں کے درمیان منتشر ہوئی اسی وقت ایلگروہ اپنے بزرگوں کے مذہب کی طرف واپس جانے کے لئے تیار ہوگیااورمرکزی حکومت کی مخالفت کے لئے آمادہ ہوگیااورجزیہ دینے سے انکارکردیا۔ سب سے پہلے جوکام مرکزی حکومت نے انجام دیا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کاایک گروہ جوجنگ کے لئے آمادہ تھاان کوتیارکیا تا کہ دوبارہ مرکزی حکومت کی اطاعت اوراسلامی قوانین سے انکارنہ کیا جاسکے۔اوراس کے نتیجہ میں دوسرے قبیلے والوں کے ذہنوں سےاپنے اپنے مذہب کی طرف واپس جانے کاخیال ہمیشہ کے لئے نکل جائے گا۔

بعض قبیلوں کے مذہب اسلام سے پھرجانے کےعلاوہ، یمامہ میں ایک اورفتنہ برپاہوگیااوروہ نبوت کادعوی کرنے والےافراد تھےمثلاً مسیلمہ وسجاح وطلیحہ وغیرہ۔

ایسے حالات میں جب مہاجرین وانصار کے درمیان اتحاد کا خاتمہ ہوچکا تھااوراطراف کے قبیلے والے اپنے پرانے مذہب کی طرف جانے پرآمادہ تھے،نبوت کا جھوٹادعویٰ کرنے والے نجد،اوریمامہ میں کھڑے ہوگئے،ایسے ماحول میں امام کے لئے مناسب نہیں تھا کہ آپ بھی ایک اورمحاذ قائم کرتے اوراپنے حق کے لئے قیام کرتے،امام اس خط میں جو آپ نےمصر کےلوگوں کے نام لکھا تھااس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئےفرماتے ہیں:

خدا کی قسم، میں نے کبھی بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ عرب خلافت کوپیغمبر کے خاندان سے لےلیں گے یاہمیں اس کے

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ٥

لینے سے روک دیں گے مگر ہوا وہی، دیکھتے ہی دیکھتے لوگ فلاں شخص کی بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنا ہاتھ روک لیا یہاں تک کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ پھرنے والے اسلام سے پھر گئے اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو مٹانا چاہتے ہیں مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ اسلام میں کوئی رخنہ یا خرابی دیکھتے ہوئے بھی اگر ہم نے اسلام اور اہل اسلام کی نصرت نہ کی تو (اس کوتاہی کی وجہ سے) میرے سر پر وہ مصیبت آ پڑے گی جو تمہاری حکومت میرے ہاتھ سے نکل جانے (کی مصیبت) سے بھی بڑی ہوگی (وہ حکومت) جو حقیقت میں چند دنوں سے زیادہ نہیں ہے اور اس کی بود و باش اسی طرح نابود ہوجائے گی جس طرح سراب نابود ہوجاتا ہے، یا جیسے بادل چھنٹ جاتا ہے، غرض ان بدعتوں (کے ہجوم) میں، میں اٹھ کھڑا ہوا یہاں تک کہ باطل کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ نیست و نابود ہوگیا اور دین کو اطمیان نصیب ہوا اور تباہی سے بچ گیا۔[1]

عثمان کی خلافت کے آغاز میں اس شوریٰ نے جو خلافت کے تعیین کے لئے بنائی گئی تھی جب عثمان کے حق میں رائے دیا اس وقت امامؑ اس شوریٰ کے عہدہ داروں سے مخاطب ہوئے اور کہا:

تم خوب جانتے ہو کہ میں منصب خلافت کا تم سب سے زیادہ حقدار ہوں لیکن جب تک مسلمانوں کے امور کا نظم و نسق درست رہے گا میں خلافت سے کنارہ کشی کرسکتا ہوں اگرچہ میرے اوپر ظلم و ستم ہوتا رہے اور اگر میں خاموشی سے کام لوں تو صرف اس بنا پر کہ خدا کے نزدیک میرا اجر و ثواب ملتا رہے گا۔[2]

ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

جب علی کو لوگوں نے خلافت سے معزول کردیا تو آپ نے مکمل خاموشی اختیار کرلی۔ ایک دن آپ کی محترم و باعظمت بیوی فاطمہ زہرا نے انہیں اپنے حق کو واپس لینے کے لئے قیام و تحریک کی خاطر متوجہ کیا تو اسی وقت مؤذن کی آواز اشھدان محمداًرسول اللہ بلند ہوئی آپ نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی طرف رخ کر کے کہا: کیا تم پسند کروگی کہ زمین پر سے یہ آواز ہمیشہ کے لئے خاموش ہوجائے؟ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے کہا: ہرگز نہیں۔ امام نے فرمایا: یہی بہترین راستہ ہے جسے میں نے اختیار کیا ہے۔[3]

اس موضوع کی اہمیت کے مدنظر اس سلسلے میں کچھ مزید بحث کریں گے تا کہ امام کے مسلحانہ قیام کے نتائج کی صحیح سندوں کے ساتھ تحقیق کرسکیں۔

---

[1] نہج البلاغہ عبدہ، نامہ ٦٢

[2] نہج البلاغہ عبدہ، خطبہ ٧١

[3] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ١١ ص ١١٣

اعلیٰ مقصد کی اہمیت

اجتماعی مسئلوں میں بہت کم ہی مسئلے ایسے ہوتے ہیں جو اہمیت اور دقت کے لحاظ سے مدیریت اور رہبری کے مقام تک پہنچتے ہیں۔ رہبری کے شرائط اتنے زیادہ دقیق اور اہمیت کے حامل ہیں کہ بڑے

اجتماع کے درمیان فقط چند ہی لوگ شرائط پر پورے اتریں گے۔

ہر طرح کی رہبری کے دوران، آسمانی رہبروں کے مراتب دوسرے رہبروں سے بہت سنگین اور ان کے فرائض بہت عظیم ہوتے ہیں اور دنیاوی رہبر سماج کے انتخاب کرنے کے بعد ایسے مقام و مرتبہ پر پہنچتے ہیں۔

الٰہی و معنوی رہبری میں مقصد، مقام و منصب کی حفاظت سے زیادہ بلند و باعظمت ہوتا ہے اور رہبر اس لئے قیام کرتا ہے کہ مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور اگر اس کے سامنے دوراستے ہوں اور مجبور ہو کہ ایک کو چھوڑ دے اور دوسرے کو قبول کرے تو مقصد کے اصول و اساس کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ رہبری کو چھوڑ دے اور مقصد کو اپنے مقام و منصب رہبری سے زیادہ مقدس قرار دے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت امیر المومنین علیہ السلام بھی ایسے ہی اہم مسئلہ سے دوچار ہوئے، جب کہ رہبری اور حاکمیت سے ان کا مقصد اس پودے کی دیکھ بھال تھی جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں حجاز کی سرزمین پر لگایا گیا تھا اور ضروری تھا کہ زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ ایک تناور اور مضبوط درخت میں تبدیل ہوجائے اور اس کی تمام شاخیں پوری دنیا پر چھا جائیں اور لوگ اس کے سائے میں آرام کریں۔ اور اس کے بابرکت پھلوں سے استفادہ کریں۔

پیغمبر کے انتقال کے بعد امامؑ اس بات سے بخوبی آگاہ ہوگئے کہ ہم ایسے حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں کہ اگر حکومت پر قبضہ کرنے اور اپنے حق و مقام کے لئے اصرار کریں تو ایسے حالات رونما ہوں گے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام زحمتیں اور جو اس مقدس مقصد میں آپ کا خون بہا ہے بے کار ہو جائے گا۔

پرانے کینے اور بغض وحسد

اسلامی معاشرہ ان دنوں بہت زیادہ مشکلات و اختلافات اور تفرقہ کا شکار تھا کہ ایک چھوٹی سی خانہ جنگی یا معمولی سی خوں ریزی مدینہ کے اندر یا باہر ایک زبردست جنگ کا سبب بن جاتی۔ بہت سے قبیلے والے جو مدینہ یا مدینہ سے باہر زندگی بسر کر رہے تھے ان کو حضرت علی علیہ السلام سے کوئی محبت وانسیت نہیں تھی بلکہ ان سے بغض اور حسد و کینہ کو اپنے دل میں رکھے تھے کیونکہ حضرت علی علیہ السلام ہی تھے جنھوں نے ان قبیلوں کے کفر کے پرچم کو سرنگوں کیا تھا اور ان کے پہلوانوں کو ذلت کے ساتھ زمین پر گرایا تھا۔

اگر چہ ان لوگوں نے بعد میں اسلام سے اپنے رشتے کو مضبوط کرلیا تھا۔ اور ظاہراً خدا پرستی اور اسلام کی پیروی کر

رہے تھےلیکن اسلام کے جانبازوں سے اپنے دل میں بغض وعداوت کو چھپائے ہوئے تھے۔

ایسے حالات میں اگر امامؑ اپنی قدرت کاملہ سے اپنا حق لینے کے لئےمسلحانہ قیام کرتے تو اس کے نتیجے میں یہ صورتیں پیش آتیں۔

۱۔اس جنگ میں امام کے بہت سے عزیزاورساتھی جوآپ کی امامت ورہبری پرجان ودل سے معتقد تھے۔شہید ہو جاتے۔البتہ جب بھی ان افراد کی قربانیوں کی وجہ سے حق اپنی جگہ واپس آجاتا تو مقصد کے پیش نظران کی جانبازی و فداکاری پراتناافسوس نہ ہوتا،لیکن جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔ان افراد کےشہید ہوجانے کے بعدبھی حق،صاحب حق کے پاس واپس نہیں آپاتا۔

۲۔صرف حضرت علی علیہ السلام ہی اپنے دوستوں اورساتھیوں سے نہ بچھڑتے، بلکہ بنی ہاشم اورحضرت علی علیہ السلام کے سچے پیرواوردوستوں کے قیام کی وجہ سےپیغمبر کے بہت زیادہ صحابی جوامام کی خلافت پرراضی نہ تھےان کا ساتھ نہ دیتے اورقتل ہو جاتے اورنیتجتاً مسلمانوں کی قدرت مرکز میں کمزورہوجاتی،یہ گروہ اگرچہ رہبری کےمسئلے میں امام کےمقابلے میں کھڑاتھالیکن دوسرےامورمیں امام کےمخالف نہیں تھااورشرک وبت پرستی،یہودیوں اورعیسائیوں کےمقابلے میں قدرت مندشمارکیاجاتا تھا۔

۳۔مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے،دوردرازمیں رہنےوالے قبیلےجن کی سرزمین پراسلام کاپوداابھی قاعدے سے ہرا بھرا نہ ہوا تھا وہ اسلام کےمخالفوں اوردشمنوں سےمل جاتے اورایک طاقت بن کرابھرتے اورممکن تھا کہ مخالفوں کی قدرت وطاقت اورمرکز میں صحیح رہبری نہ ہونے کی وجہ سے،توحید کے چراغ کوہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کردیتے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے اس تلخ ودردناک حقیقت کو بہت نزدیک سے محسوس کیا تھااسی لئےمسلحانہ قیام پرخاموشی کو ترجیح دیا۔بہتر ہے کہ اس مطلب کوامامؑ کی زبان مبارک سے سنیں۔

عبداللہ بن جنادہ کہتا ہے:

میں علی کی حکومت کےاوائل میں مکہ سے مدینہ آیا میں نے دیکھا کہ تمام لوگ مسجدنبوی میں بیٹھے ہوئے تھےاورامام کی آمد کےمنتظر تھے کچھ ہی دیرگزری تھی کہ علی اپنی تلوارلٹکائے ہوئے گھر سے باہرآئے۔تمام لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف تھیں یہاں تک کہ آپ مسندخطابت پرجلوہ افروز ہوئے اورخدا کی حمدوثنا کے بعداپنی گفتگو کا آغازاس طرح کیا۔

اے لوگو، آگاہ رہو! جب پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان سے اٹھ گئے تو اس وقت ضروری تھا کہ کوئی بھی ہمارے ساتھ حکومت کے سلسلے میں نزاع واختلاف نہ کرتا اوراسے لالچی نگاہوں سے نہ دیکھتا کیونکہ ہم ان کی عترت کے وارث اوران کے ولی ہیں لیکن توقع کے خلاف،قریش کےایک گروہ نے ہمارےحق کی طرف ہاتھ بڑھایا۔خلافت کوہم سے چھین لیااوراس پرقابض ہوگئے،خدا کی قسم،اگرمسلمانوں کے درمیان تفرقہ اوراختلاف کاڈرنہ ہوتااورپھران کےاسلام سے

بت پرستی اور کفر کی طرف پلٹ جانے کا خطرہ نہ ہوتا اور اسلام کے مٹ جانے اور ختم ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو نقشہ کچھ اور ہی ہوتا جس کا تم مشاہدہ کرتے۔ [1]

کلبی کہتا ہے: جب علی، طلحہ وزبیر جیسے لوگوں کو بے وفائی اور عہد شکنی پر متنبہ کرنے کے لئے بصرہ کے لئے روانہ ہوئے تو اس وقت آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا:

جس وقت خدا نے اپنے پیغمبر کی روح قبض کیا اس وقت قریش نے اپنے کو محترم سمجھ کر اپنے آپ کو ہم پر مقدم سمجھا اور ہمارے حق کو ہم سے چھین لیا، لیکن میں نے صبر و بردباری کو اس کام سے بہتر سمجھا کہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ واختلاف اور ان کا خون بہہ جائے، کیونکہ لوگوں نے ابھی ابھی اسلام قبول کیا تھا اور دینی بیداری ان کے اندر ابھی ابھی سرایت ہوئی تھی۔ اور تھوڑی سی غفلت انہیں خراب کر دیتی اور ایک معمولی شخص بھی انہیں بدل ڈالتا۔ [2]

ابن ابی الحدید جو حضرت علی علیہ السلام سے محبت اور خلفاء سے تعصب رکھتا ہے صحابہ کے بعض گروہ جو حضرت علی علیہ السلام سے کینۂ وعداوت رکھتے تھے ان کے بارے میں لکھتا ہے:

تجربہ سے یہ ثابت ہے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ کینہ اور حسد کی آگ فراموش ہو جاتی ہے اور کینوں سے بھرے ہوئے دل سرد ہو جاتے ہیں اور اسی طرح زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک نسل ختم ہو جاتی ہے تو دوسری نسل اس کی جانشین بن جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیرینہ کینہ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہو جاتا ہے، جس دن حضرت علی علیہ السلام مسند خلافت پر بیٹھے پیغمبر کو گزرے ہوئے پچیس سال ہو چکے تھے اور امید یہ تھی کہ اس طولانی مدت میں لوگ اپنے دلوں سے کینہ وعداوت کو بھلا بیٹھے ہوں گے لیکن امید کے برخلاف حضرت علی علیہ السلام کے مخالفوں کی روح ومزاج بدلے نہیں تھے اور علی سے کینہ وعداوت جو پیغمبر کے زمانے یا ان کے بعد لئے ہوئے ختم نہیں ہوئے تھے یہاں تک کہ فرزندان قریش، ان کے جوان اور نئی نسلیں جنہوں نے اسلام کے خونین جنگوں، واقعہ کو دیکھا بھی نہ تھا اور امام کی شجاعت و بہادری کو جنگ بدر، احد وغیرہ میں قریش کے خلاف مشاہدہ نہیں کیا تھا اپنے بزرگوں کی طرح حضرت علی علیہ السلام سے بہت سخت دشمنی وعداوت رکھتے تھے اور ان سے کینے کو اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے۔

چنانچہ امامؑ ایسے حالات میں پیغمبر کے انتقال کے بعد مسند خلافت پر بیٹھے اور حکومت کی باگ ڈور کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور مخالفین کے دل میں حسد کی آگ بھڑکنے لگی، اور ایسے ایسے حالات رونما ہوئے کہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام مٹنے اور مسلمان نابود ہونے لگے اور جاہلیت اسلامی ملکوں سے ختم نہ ہوئی۔ [3]

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱ ص ۳۰۷

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۸ ص ۳۰

[3] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱۱ ص ۱۱۴ خطبہ ۲۱۱

امامؑ اپنی ایک تقریر میں اپنے مسلحانہ قیام کے نتیجہ کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پیغمبر کے انتقال کے بعد میں نے اپنے کام میں بہت غور وفکر کی اور قریش کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے اپنے اہلبیت کے علاوہ کسی کو اپنا مددگار و ناصر نہ پایا۔ لہٰذا ان کی موت پر راضی نہ ہوا اور اس آنکھ کو جس میں خس وخاشاک تھے اسے بند کرلیا اور گلے میں جو ہڈی اٹکی تھی اسے نگل گیا اور زہر سے زیادہ تلخ حوادث و واقعات پر صبر کیا۔[1]

مسلمانوں کا اتحاد

مسلمانوں کا متحد ہونا امامؑ کی سب سے بڑی خواہش و آرزو تھی آپ بخوبی جانتے تھے کہ اسی اتحاد نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بڑے بڑے سرکشوں کے دلوں پر اپنا رعب بٹھا رکھا تھا اور بڑی بڑی طاقتوں کو ختم کردیا تھا اور اسلام کا پیغام بہت تیزی سے پھیل رہا تھا لیکن اگر یہی اتحاد و وحدت مسئلہ رہبری کے وقت ختم ہوگیا تو مسلمان بہت سی مصیبتوں اور مشکلات اور اختلاف کا شکار ہوجائیں گے خصوصاً قریش کے بعض گروہ جو اسلام کے دشمن تھے اور بہانہ تلاش کر رہے تھے تاکہ اسلام کے اوپر حملہ کریں۔

مہاجرین کے درمیان بہانہ کی تلاش میں سہیل بن عمرو، حارث بن ہشام، عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ تھے جو زمانہ قدیم سے مسلمانوں خصوصاً انصار کے دشمن تھے، لیکن کسی علت کی وجہ سے ظاہراً اسلام لائے اور کفر و بت پرستی کو چھوڑ دیا۔ جب انصار، سقیفہ میں شکست کھانے کے بعد امام کی حمایت میں اٹھے اور لوگوں کو آپ کی پیروی کی دعوت دی تو یہ افراد بہت زیادہ ناراض ہوئے اور اہل خلافت سے کہا کہ انصار سے گروہ خزرج کو بیعت کے لئے بلائیں اور اگر بیعت کرنے سے انکار کریں تو ان سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوجائیں۔

ان تینوں افراد (سہیل بن عمرو، حارث بن ہشام، عکرمہ بن ابوجہل) نے مجمع عام میں تقریریں کیں۔ ابوسفیان بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ ان لوگوں کے مقابلے میں انصار کا ایک خطیب ثابت بن قیس مہاجرین پر تنقید کرنے کے لئے اٹھا اور ان کی تقریروں کا جواب دیا۔

مہاجرین و انصار کے درمیان مدتوں بحث و مباحثہ تقاریر اور اشعار کے ذریعے جنگ چلتی رہی اور طرفین کی تقریر و اشعار کو ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں بیان کیا ہے۔[2]

ان حالات کو مدنظر رکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کیوں امامؑ نے خاموشی کو مسلحانہ قیام پر ترجیح دی اور کس

---

[1] فَنَظَرْتُ فَاِذَا لَيْسَ لِيْ مُعِيْنٌ اِلَّا اَهْلُ بَيْتِيْ فَضَنَنْتُ بِهِمْ عَنِ الْمَوْتِ وَ اَغْضَيْتُ عَلَى الْقَذٰى وَ شَرِبْتُ عَلَى الشَّجٰى وَ صَبَرْتُ عَلٰى اَخْذِ الْكَظَمِ وَ عَلٰى اَمَرَّ مِنْ طَعْمِ الْعَلْقَمِ. نہج البلاغہ عبدہ، خطبہ ۲۶ اور خطبہ نمبر ۲۱۲ میں بھی ایسا ہی مضمون ہے۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶ ص ۴۵ ۔ ۲۳

طرح دوراندیشی اور تدبیر سے اسلام کی کشتی کو طوفان کے تھپیڑوں سے نکال کر ساحل نجات کی طرف رہبری کی۔ اگر مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق سے الفت نہ ہوتی اور برے انجام و اختلاف اور تفرقہ بازی کا ڈر خوف نہ ہوتا تو آپ ہرگز اجازت نہیں دیتے کہ مقام و منصب رہبری آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس ہوتا۔

واقعہ سقیفہ ہی کے زمانے میں حضرت علی علیہ السلام کے ایک محب نے آپ کی شان میں کچھ اشعار کہے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے:

میں نے ہرگز یہ فکر نہیں کیا تھا کہ امت کی رہبری کو بنی ہاشم کے خاندان اور امام ابوالحسن سے چھین لیں گے۔

کیا حضرت علی علیہ السلام سب سے پہلے شخص نہیں ہیں جنہوں نے تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی؟ اور کیا قرآن اور سنت پیغمبر کا تم سے زیادہ علم نہیں رکھتے؟

کیا وہ پیغمبر کے سب سے قریبی نہ تھے؟ کیا وہ، وہ شخص نہیں ہیں کہ جبرئیل نے جس کی پیغمبر کو غسل و کفن و دفن دیتے وقت مدد کی؟ [۱]

جب امام اس کے اشعار سے باخبر ہوئے تو آپ نے ایک قاصد بھیجا کہ اس کو جا کر اشعار پڑھنے سے منع کر دے اور آپ نے فرمایا:

سَلامَةُ الدِّيْنِ اَحَبُّ اِلَيْنا مِنْ غَيْرِهِ

اسلام کا تمام اختلافات سے محفوظ و سالم رہنا ہمارے لئے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے۔

جنگ صفین میں بنی اسد کے قبیلے کے ایک شخص نے امام سے پوچھا: کس طرح سے قریش نے آپ کو مقام خلافت سے دور کر دیا؟ حضرت علی علیہ السلام اس کے بے موقع سوال سے ناراض ہو گئے، کیونکہ آپ کے سپاہیوں کے بعض گروہ خلفاء کو مانتے تھے اور اس طرح کے مسائل کی وجہ سے سپاہیوں کے درمیان اختلاف ہو جاتا لہٰذا امام نے ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

اس احترام کا خیال کرتے ہوئے کہ تو پیغمبر پر ایمان لایا اور یہ کہ ہر مسلمان کو سوال کرنے کا حق ہے تمہیں مختصراً اس سوال کا جواب دے رہا ہوں۔ امت کی رہبری پر میرا حق تھا اور میرے اور پیغمبر کے درمیان جو رشتہ تھا وہ دوسروں سے بہتر تھا لیکن بعض گروہوں نے اس سے بخل کیا اور بعض گروہ نے اس سے چشم پوشی کر لی اور میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے والا خدا ہے اور سب کو اسی کی بارگاہ میں پلٹ کر جانا ہے۔ [۲]

یہ تمام مطالب جو بیان ہوئے ہیں وہ سب حضرت علی علیہ السلام کی خاموشی کی علتیں تھیں آپ نے اسلام کی حفاظت کے لئے اپنے حق کو چھوڑ دیا اور پچیس سال تک خاموشی کی زندگی بسر کرتے رہے اور زہر سے زیادہ تلخ شربت خاموشی پیتے رہے۔

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ٦، ص ٢١

[۲] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ١٥٧

دوسری فصل

خلفائے ثلاثہ کی خلافت اور امیر المومنین کا طریقۂ کار

اہلسنت کے محقق ودانشمند، جنہوں نے نہج البلاغہ شرحیں لکھی ہیں امام کے بیانات کو خلافت کے سلسلے میں اپنی شائستگی کا تجزیہ کیا ہے اوران تمام چیزوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امام کا مقصد ان بیانوں سے خلافت کے متعلق اپنی شائستگی دکھانا ہے بغیر اس کے کہ پیغمبر کی طرف سے ان کی خلافت پر نص وارد ہو۔

دوسرے لفظوں میں، چونکہ حضرت علی علیہ السلام پیغمبر کے سب سے قریبی رشتہ دار اور داماد تھے اور علم و دانش کے اعتبار سے سب سے بلند تھے اور عدالت کے اجراء کرنے اور سیاست سے باخبر اور حکومت چلانے میں مہارت وغیرہ کی وجہ سے پیغمبر کے تمام صحابہ سے افضل تھے اس لئے بہتر تھا کہ امت آپ کو خلافت کے لئے منتخب کرتی، لیکن چونکہ امت کے سرداروں نے ان کے علاوہ دوسروں کو منتخب کیا تھا اسی لئے امام نے اس طرح شکوہ کیا ہے: میں خلافت و ولایت کے لئے دوسروں سے زیادہ سزاوار ہوں۔

وہ حق جس کا امام ہمیشہ یا تذکرہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جس دن سے پیغمبر کا انتقال ہوا ہے اسی دن سے مجھے لوگوں نے اس حق سے محروم کردیا ہے وہ شرعی حق نہیں تھا جو صاحب شریعت کی طرف سے انہیں دیا گیا تھا کہ دوسروں کو ان پر مقدم کرنا شریعت کے قوانین کی مخالفت کرنا تھا۔ بلکہ یہ حق ایک فطری حق تھا اور ہر شخص پر لازم تھا کہ بہترین فرد کے ہوتے ہوئے دوسروں کو منتخب نہ کریں اور امت کی باگ ڈور کو امت کے سب سے زیادہ علم رکھنے والے صاحب بصیرت اور لیاقت رکھنے والے کے سپرد کرے لیکن اگر کوئی گروہ مصلحت کی وجہ سے اس فطری قانون کی پیروی نہ کرے اور اس کام کو اس شخص کے حوالے کردے جو علم، قدرت اور روحی و جسمی اعتبار سے کم مرتبہ رکھتا ہو تو ایسی صورت میں جو شخص ان تمام امور میں اعلیٰ مراتب پر فائز ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی زبان سے گلہ و شکوہ کرے اور کہے:

فَوَ اللهِ مَازِلْتُ مَدْفُوعاً عَنْ حَقِّي مُستأَثَراً عَلَيّ مُنْذُ أن قَبَضَ اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ حَتّٰی يَوْمَ النّاسِ هٰذَا[1]

خدا کی قسم، جس دن خدا نے پیغمبر کی روح کو قبض کیا اس دن سے آج تک میں اپنے حق سے محروم رہا ہوں۔

[1] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۵

امامؑ نے یہ گلہ اس وقت کیا جب طلحہ وزبیر نے آپ سے لڑنے کے لئے پرچم کو بلند کیا تھا اور بصرہ کو اپنا مورچہ بنایا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شارحین نہج البلاغہ نے جو یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خلافت کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی شائستگی، ذاتی تھی، یہ ان کی خام خیالی ہے اور امام کی باتوں کو ذاتی شائستگی پر حمل نہیں کر سکتے کیونکہ ذاتی شائستگی خلفاء پر آپ کی سخت تنقید کی مجوز نہیں بن سکتی اس لئے کہ

اولاً: امام نے اپنی تقریر میں بعض موقعوں پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت پر تکیہ کیا ہے، مثلاً جب آپ خاندان نبوت کا تعارف کراتے ہیں تو فرماتے ہیں:

هم موضعُ سِرِّهٖ و ملجأ امرِه و عِيبةُ علمِه و موئِلُ حكمِه و كهوفُ كتبِه و جبالُ دينِه... لايقاسُ بآلِ محمدٍصلى الله عليه وآله وسلم من هذه الامة احد... هم أساسُ الدينِ و عمادُ اليقينِ اليهم يفيئُ الغالى و بهم يلحقُ التالى. و لهم خصائصُ حقِ الولاية و فيهم الوصيةُ و الوراثة[1]

خاندان نبوت پیغمبر کے راز دار اور ان کے فرمان کی پناہ گاہ، ان کے علم وحکمت کا منبع ومخزن ان کی کتاب کی حفاظت کرنے والے، اور ان کے مذہب کو مستحکم کرنے والے ہیں، امت میں سے کسی شخص کا بھی قیاس ان سے نہیں کر سکتے۔ وہ دین کی اساس اور ایمان ویقین کے ستون ہیں راہ حق سے بھٹکے ہوئے لوگ ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور پناہ لینے والے ان سے ملحق ہوتے ہیں اور امامت کی خصوصیات (علوم ومعارف اور دوسرے تمام شرائط امامت) ان کے پاس ہیں اور پیغمبر کی وصیت ان کے بارے میں ہے اور یہی لوگ پیغمبر کے وارث ہیں۔

اس جملے سے کہ پیغمبر کی وصیت ان لوگوں کے بارے میں ہے امام کی مراد کیا ہے؟

لفظ ولایت پر غور کرنے کے بعد ولہم خصائص الولایۃ واضح ہوتا ہے کہ وصیت سے مراد ان لوگوں کے لئے خلافت کی وصیت اور ولایت کی سفارش ہے جو غدیر کے دن اور دوسرے دنوں میں بطور واضح بیان ہوئے ہیں۔

ثانیاً: لیاقت وصلاحیت اور شائستگی ہی صرف حق کو ثابت نہیں کرتی جب تک کہ دوسرے شرائط بھی موجود نہ ہوں۔ مثلاً لوگوں کا انتخاب کرنا جب کہ امام نے اپنے بیان میں اپنے حق کے متعلق کہا ہے اور کہا کہ پیغمبر کے بعد ان کا حق پامال کیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہوں کہ اسلام میں رہبری کی مشکل کا حل اگر مشورہ، مذاکرہ، یا عمومی افکار ہو تو ایسی صورت میں وہ شخص (جو گرچہ تمام جہتوں سے دوسروں پر فضیلت وبرتری رکھتا ہے) اگر ایسے مقام ومنصب کے لئے منتخب نہ ہو تو اپنے کو

---

[1] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۲

صاحب حق نہیں کہہ سکتا تا کہ لوگوں کے تجاوز کو ایک قسم کے ظلم وستم سے تعبیر کرے اور جو اس کی جگہ پر منتخب ہوا ہے اس پر اعتراض کرے۔ جب کہ تمام خطبوں میں امامؑ کا لہجہ اس کے برخلاف ہے، وہ اپنے کو اس خلافت کا مکمل حقدار سمجھتے تھے اور اس پر تجاوز کرنے کو اپنے اوپر ایک قسم کے ظلم وستم سے تعبیر کرتے تھے اور قریش کو اپنے حق کا غاصب بتایا، چنانچہ آپ نے فرمایا:
بارالہا! قریش کے مقابلے میں اور جن لوگوں نے ان کی مدد کی ہے ان کے مقابلے میں میری مدد فرما، کیونکہ ان لوگوں نے مجھ سے قطع تعلق کیا ہے اور میرے عظیم منصب کو حقیر سمجھا ہے اور ان لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا ہے کہ خلافت کے سلسلے میں جو کہ میرا حق ہے جنگ کریں۔[۱]

کیا ایسے تند جملوں کو ذاتی شائستگی کے حوالے سے توجیہ کر سکتے ہیں؟ اگر مسئلہ خلافت عمومی افکار اور بزرگ اصحاب سے رجوع کر کے حل کیا جا سکتا تو کس طرح امام علی علیہ السلام فرماتے کہ وہ لوگ میرے مسلّم حق کے بارے میں مجھ سے لڑائی و جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے؟

جس وقت صفین میں حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان جنگ ہو رہی تھی ایک شخص حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: قریش نے آپ کو کس طرح سے مقام خلافت سے دور کر دیا جب کہ آپ ان تمام لوگوں سے افضل و برتر تھے؟

امام اس کے بے وقت سوال سے ناراض ہو گئے لیکن نرمی اور ملایمت سے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

ایک گروہ نے بخل سے کام لیا اور ایک گروہ نے چشم پوشی کی اور ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے والا خدا ہے اور سب کو اسی کی بارگاہ میں واپس جانا ہے[۲]

واقعہ سقیفہ گزرنے کے بعد ایک دن ابوعبیدہ بن جراح نے امام سے کہا: اے ابوطالب کے بیٹے، تم خلافت کو کتنا محبوب رکھتے ہو اور اس کے حریص ہو۔ امام نے اس کے جواب میں کہا: خدا کی قسم تم ہم سے زیادہ خلافت کے لالچی ہو، جب کہ لیاقت اور شرائط کے اعتبار سے اس سے بہت دور ہو اور میں اس سے بہت نزدیک ہوں میں اپنے حق کو طلب کر رہا ہوں۔ اور تم میرے اور میرے حق کے درمیان مانع ہو رہے ہو۔ اور مجھے میرے حق سے روک رہے ہو[۳]

یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے کہ خلفاء کی خلافت پر اس طرح کی تنقیدوں کو ذاتی لیاقت و شائستگی سے توجیہ کریں۔ یہ تمام بیانات اور تعبیریں اس بات کی حکایت کرتی ہیں کہ امام خلافت کو اپنا حقیقی حق سمجھتے تھے۔ اور اپنے سے ہر طرح کے انحراف کو حق سے انحراف جانتے تھے، اور ایسا حق نص اور تعیین الٰہی کے علاوہ کسی کے لئے ثابت نہیں ہے۔

اس طرح کی تعبیروں کو اصلحیت اور اولویت سے بھی تفسیر نہیں کر سکتے، اور جن لوگوں نے امام کے کلام کی اس

---

[۱] نہج البلاغہ عبدہ، خطبہ ۱٦۷، اللهم انی استعینك علی قریش...
[۲] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱۷۵
[۳] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱٦۷

طریقے سے تفسیر کی ہے وہ اپنے غلط نظریے کو بھی صحیح سمجھتے ہیں۔

البتہ بعض موقعوں پر امام نے اپنی لیاقت وشائستگی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور مسئلہ نص کو نظرانداز کیا ہے مثلاً آپ فرماتے ہیں:

جب پیغمبر کی روح قبض ہوئی تو ان کا سر میرے سینے پر تھا میں نے انہیں غسل دیا۔ اور فرشتے میری مدد کررہے تھے گھر کے اطراف سے نالہ وفریاد کی آوازیں بلند تھیں، فرشتے گروہ بہ گروہ زمین پر آتے تھے اور نماز جنازہ پڑھ کر واپس چلے جاتے تھے اور میں ان کی آوازوں کو سنتا تھا پس کون شخص مجھ سے پیغمبر کی زندگی اور موت میں ان کی جانشینی وخلافت کے لئے مجھ سے زیادہ شائستہ ہے؟[1]

خطبہ شقشقیہ جو آپ کا مشہور خطبہ ہے حضرت اپنی لیاقت وشائستگی کو لوگوں کے سامنے یوں پیش کرتے ہیں:

اما واللہِ لقد تقمصّھا ابنُ ابی قحافہ و انہ لیعلمُ ان محلی منھا محلُ القطبِ من الرّحی ینحدرُ عنی السیلُ ولا یرقی الیَّ الطیر...[2]

خدا کی قسم! ابوقحافہ کے بیٹے نے خلافت کولباس کی طرح سے اپنے بدن پر پہن لیا ہے جب کہ وہ جانتا ہے کہ خلافت کی چکی میرے اردگرد چل رہی ہے ہمارے کوہسار وجود سے بہت سے علوم کے چشمے جاری ہوتے ہیں اور کسی کی فکر بھی ہماری کمترین فکر تک نہیں پہنچ سکتی۔

بعض موقعوں پر آپ قرابت ورشتہ داری کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ

ونحن الاعلون نسباً و الاشدون برسول اللہ نوطاً[3]

ہمارا نسب سب سے بلند ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم بہت قریب ہیں۔

البتہ امامؑ نے جو یہاں پر پیغمبر سے رشتہ داری کو بیان کیا ہے وہ صرف اہل سقیفہ کے مقابلے میں ہے چونکہ ان لوگوں نے پیغمبر کے ساتھ اپنی رشتہ داری کو بیان کیا تھا اسی وجہ سے امامؑ جب ان کے طریقہ کار سے آگاہ ہوئے تو ان کے طریقہ کار پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا:

اِحتَجُّوا بِالشَّجَرَةِ وَاَضاعُوا الثَّمَرَةِ[4]

انہوں نے شجرہ سے تو استدلال کیا ہے مگر پھل کو ضایع کردیا ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱۹۲

[2] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۳

[3] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱۵۷

[4] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ٦٤

تیسری فصل

حضرت علی علیہ السلام سے بیعت لینے کا طریقہ

یہ باب تاریخ اسلام کا سب سے دردناک اور تلخ ترین باب ہے جس نے بیدار دلوں کوسخت غم واندوہ میں مبتلا کردیا ہےاوران کے دل سوزغم سے جل رہے ہیں۔تاریخ کے اس باب کواہلسنت کے دانشمندوں نے اپنی کتابوں میں مختصراور بہت کم لکھا ہےلیکن علمائے شیعہ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان ہوا ہے،شاید قارئین کرام میں کچھ ایسے بھی افراد ہوں جو خانۂ وحی پر تجاوز وزیادتی کرنے والوں کے واقعات کواہلسنت کے مؤرخین اورمحدثین کی زبان سے سننا چاہتے ہوں۔اسی وجہ سے اس باب میں ہم واقعات کواہلسنت کے مصادر ومدارک سے تحریر کررہے ہیں تاکہ شکی اوردیر میں یقین کرنے والے افراداس تلخ واقعہ پر یقین کرلیں۔اس باب میں اس چیز کا ترجمہ پیش کررہے ہیں جسے مشہور مؤرخ ابن قتیبہ دینوری نے اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں نقل کیا ہے ہم اس باب کا تجزیہ اورتحلیل بعد میں کریں گے،تمام مؤرخین اہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ ابھی سقیفہ کی بیعت کوزیادہ دن نہ گذرے تھے کہ خلافت کے ماننے والوں نے ارادہ کیا کہ حضرت علی علیہ السلام،عباس،زبیراور تمام بنی ہاشم سے ابوبکر کی بیعت لیں،تاکہ ابوبکر کی خلافت میں اتحادواتفاق نظر آئے اور ہرقسم کی رکاوٹ اورمخالفت،خلافت کے راستے سے ختم جائے۔

واقعہ سقیفہ کے بعد بنی ہاشم اورمہاجرین کے بعض گروہ اورامام کے ماننے والے بعنوان اعتراض حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر میں جمع ہو گئے تھے۔فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر میں رہنے کی وجہ سے کہ جو پیغمبر کے زمانے میں ایک خاص اہمیت کا حامل تھا اہل خلافت کے لئے مانع ہورہا تھا کہ وہ فاطمہ کے گھر پر حملہ کریں اور وہاں پر موجود افرادکوزبردستی مسجد میں لے جاکران سے بیعت لیں۔

مگرآخر میں ہوا وہی،انہوں نے جیسا سوچا تھا ویسا ہی کرڈالا اوراس گھر کو جووحی الٰہی کا مرکز تھا نظرانداز کردیا۔ خلیفہ نے عمر کوایک گروہ کے ساتھ بھیجا تاکہ جس طرح بھی ممکن ہو پناہندگان کوفاطمہ کے گھر سے نکال کرسب سے بیعت لے لیں،عمرجن لوگوں کے ساتھ آئے ان میں اسید بن حضیر وسلمہ بن سلامہ وثابت بن قیس اورمحمد بن سلمہ بھی تھے۔[1] حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر کی طرف آئے تاکہ پناہ لینے والوں کوخلیفہ کی بیعت کرنے کی دعوت دیں اوراگران لوگوں نے اب کی

[1] ابن ابی الحدید نے ان تمام لوگوں کا نام اپنی شرح نہج البلاغہ ج۲ ص۵۰ پر لکھا ہے۔

درخواست کا صحیح جواب نہیں دیا تو ان کو زبردستی گھر سے نکال کر مسجد کی طرف لے آئیں۔ عمر نے گھر کے سامنے بلند آواز سے کہا کہ تمام پناہ لینے والے جلد سے جلد گھر سے باہر آجائیں لیکن ان کے کہنے کا کوئی اثر نہ ہوا اور لوگ گھر سے باہر نہ نکلے۔

اس وقت عمر نے لکڑی منگوائی تا کہ گھر میں آگ لگا دیں اور گھر کو پناہ لینے والوں پر گرا دیں لیکن اسی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص آگے بڑھا تا کہ خلیفہ کو اس کام سے منع کرے اس نے کہا کہ تم کس طرح اس گھر میں آگ لگاؤ گے جب کہ اس گھر میں پیغمبر کی بیٹی موجود ہیں؟ انہوں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: فاطمہ کا اس گھر میں موجود ہونا میرے کام کے انجام دینے کو روک نہیں سکتا۔

اس وقت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا دروازے کے پیچھے آئیں اور کہا:

میں نے کسی کو بھی ایسا نہ دیکھا کہ جو برے وقت میں تمہاری طرح سے ہو تا تم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازے کو ہمارے درمیان چھوڑ دیا اور خود اپنی خواہش سے خلافت کے بارے میں فیصلہ کر لیا کیوں اپنی حکومت کو ہم پر تھوپ رہے ہو اور خلافت کو جو کہ ہمارا حق ہے ہمیں واپس نہیں کرتے؟

ابن قتیبہ لکھتا ہے:

عمر نے اس مرتبہ لوگوں کو گھر سے نہیں نکالا اور اپنے ارادے سے باز آگئے اور پھر خلیفہ کے پاس آئے اور تمام حالات سے آگاہ کیا خلیفہ جانتے تھے کہ پناہ لینے والوں سے مخالفت کی وجہ سے کہ جس میں مہاجرین اور بنی ہاشم کی بزرگ شخصیتیں تھیں ان کی حکومت کی ساکھ مستحکم نہیں ہوگی۔ اس مرتبہ انہوں نے اپنے غلام قنفذ کو حکم دیا کہ جائے اور علی کو مسجد میں لے کر آئے وہ دروازے کے پاس آیا اور علی علیہ السلام کو آواز دی اور کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کے حکم سے مسجد میں آیئے۔

جب امام نے قنفذ کے منہ سے یہ جملہ سنا، تو کہا: اتنی جلدی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیوں جھوٹ کی تہمت لگا رہے ہو؟ پیغمبر نے کب انہیں اپنا جانشین بنایا، کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ ہوں؟

غلام ناامید ہو کر واپس چلا گیا اور خلیفہ کو سارے حالات سے آگاہ کیا۔

خلیفہ کی طرف سے بار بار دعوت کے مقابلے میں پناہ لینے والوں کے دفاع اور مقاومت نے خلیفہ کو سخت ناراض اور غصہ میں ڈال دیا۔ بالآخر عمر دوسری مرتبہ اپنے گروہ کے ساتھ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر آئے جب جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے حملہ آوروں کی آواز سنی تو دروازے کے پیچھے سے نالہ وفریاد بلند کیا اور کہا:

اے بابا! پیغمبر خدا، آپ کے مرنے کے بعد خطاب کے بیٹے اور قحافہ کے بیٹے نے کتنی مصیبتوں اور پریشانیوں میں گرفتار کر دیا ہے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی نالہ وفریاد جو ابھی اپنے بابا کے سوگ میں بیٹھی تھیں اتنا دردناک تھا کہ عمر کے ساتھ آنے والے افراد زہرا کے گھر پر حملہ کرنے سے باز آگئے اور وہیں سے روتے ہوئے واپس چلے گئے، لیکن عمر اور ایک گروہ جو

حضرت علی علیہ السلام اور بنی ہاشم سے بیعت لینے کے لئے اصرار کر رہا تھا ان لوگوں کو زور وزبردستی کر کے گھر سے باہر نکالا اور اصرار کیا کہ حتماً ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کریں۔

امامؑ نے فرمایا: اگر بیعت نہ کریں تو کیا ہوگا؟

ان سب نے کہا: قتل کر دیئے جائیں گے۔

حضرت علی علیہ السلام نے کہا: کس میں جرأت ہے جو خدا کے بندے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی کو قتل کرے؟

حضرت علی علیہ السلام نے جب خلیفہ کے نمائندوں کو سختی سے جواب دیا تو وہ لوگ ان کو ان کے حال پر چھوڑ گئے۔

امامؑ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور درد دل کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے پاس گئے اور وہی جملہ جو ہارون نے موسیٰ سے کہا تھا اسے دہرایا اور کہا: اے بھائی! آپ کے مرنے کے بعد اس گروہ نے مجھے مجبور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں۔[1]

خانۂ وحی پر حملے کے بارے میں تاریخ کا انصاف

سقیفہ کے بعد کے حوادث تاریخ اسلام اور امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے دردناک ترین اور تلخ ترین حوادث میں سے ہیں اس بارے میں حقیقت بیانی اور صاف گوئی ایک ایسے گروہ کی رنجش کا سبب بنے گا جو ان واقعات کے بیان کرنے میں تعصب سے کام لیتے ہیں اور حتی الامکان یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کے دامن پر کوئی داغ نہ ہو اور ان کی پاکیزگی و قداست محفوظ رہے، کیونکہ حقیقت کو پوشیدہ اور برعکس بیان کرنا تاریخ اور آئندہ آنے والی نسل کے ساتھ ایک خیانت ہے اور ہرگز ایک آزاد مؤرخ اس بدترین خیانت کو اپنے لئے نہیں خریدتا اور دوسروں کی نگاہ میں اچھا بننے کے لئے حقیقت کو پوشیدہ نہیں کرتا۔

ابوبکر کے خلیفہ بننے کے بعد تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ خانۂ وحی اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر پر حملہ ہے اس ارادے سے کہ پناہ لینے والے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر کو چھوڑ کر بیعت کرنے کے لئے مسجد میں آئیں اس موضوع کی صحیح تشریح اور نتیجہ گیری کے لئے ضروری ہے کہ قابل اطمینان منابع و مآخذ ہوں، چاہے وہ صحیح نتیجہ دیں یا غلط، اور ضروری ہے کہ ان باتوں کا تجزیہ کریں اور پھر اس واقعہ کے نتیجے کے بارے میں انصاف کریں اور وہ تین باتیں یہ ہیں:

۱۔ کیا یہ صحیح ہے کہ خلیفہ کے سپاہیوں نے ارادہ کیا تھا کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر کو جلا دیں؟ اور اس بارے میں انہوں نے کیا کیا؟

۲۔ کیا یہ صحیح ہے کہ امیر المومنین کو بڑی بے دردی اور اذیت کے ساتھ مسجد لے گئے تا کہ ان سے بیعت لیں؟

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص ۱۳۔۱۲

۳۔ کیا یہ صحیح ہے کہ پیغمبر کی بیٹی اس حملے میں شدید طور پر زخمی ہوئیں اور آپ کے شکم میں موجود بچہ ساقط ہوگیا؟

اس واقعہ کے تین حساس موضوع پر علمائے اہلسنت کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہوئے گفتگو کریں گے۔

اسلامی تعلیمات میں سب سے اہم تعلیم یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی کے گھر میں داخل ہو مگر یہ کہ پہلے اجازت لے اور اگر گھر کا مالک مہمان قبول کرنے سے معذور ہو اور عذر خواہی کرے تو اسے قبول کرے اور بغیر اس کے کہ ناراض ہو وہیں سے واپس چلا جائے۔[1]

قرآن مجید نے اس اخلاقی تعلیم کے علاوہ ہر اس گھر کو جس میں خدا کی عبادت ہوتی ہے اور اس کا صبح وشام ذکر ہوتا ہے اسے محترم اور لائق احترام جانا ہے۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ[2]

خداوند عالم نے اس گھر کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا ہے کہ جس میں پاک و پاکیزہ افراد صبح وشام خدا کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں ان گھروں کا احترام خدا کی عبادت و پرستش کی وجہ سے ہے کہ جو اس میں انجام دیا جاتا ہے اور یہ ان خدا کے بندوں کی وجہ سے ہے جو اس گھر میں خدا کی تسبیح وتقدیس میں مشغول ہیں ورنہ اینٹ اور مٹی کبھی بھی نہ احترام کے لائق رہے ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔

مسلمانوں کے تمام گھروں کے درمیان قرآن مجید نے پیغمبر کے گھر کے بارے میں مسلمانوں کو خصوصی حکم دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ[3]

اے صاحبان ایمان! پیغمبر کے گھروں میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ کا گھر ان تمام محترم اور باعظمت گھروں میں سے ہے جس میں زہرا اور

---

[1] سورۂ نور، آیت ۲۸۔۲۷،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

ایمان والو خبردار اپنے گھروں کے علاوہ کسی کے گھر میں داخل نہ ہونا جب تک کہ صاحبِ خانہ سے اجازت نہ لے لو اور انہیں سلام نہ کرلو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے کہ شاید تم اس سے نصیحت حاصل کرسکو پھر اگر گھر میں کوئی نہ ملے تو اس وقت تک داخل نہ ہونا جب تک اجازت نہ مل جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جانا کہ یہی تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ امر ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے

[2] سورۂ نور، آیت ٣٦، (بہت سے مفسرین کا کہنا ہے کہ بیوت سے مراد وہی مساجد ہیں جب کہ مسجد گھر کے مصادیق میں سے ایک ہے نہ یہ کہ فرد پر منحصر ہے۔

[3] سورۂ احزاب، آیت ۵۳

ان کے بچے خدا کی تقدیس (وتسبیح) کرتے تھے اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ عائشہ یا حفصہ کا گھر پیغمبر کا گھر ہے لیکن آپ کی عظیم المرتبت بیٹی جو دنیا وآخرت کی سب سے عظیم بی بی ہیں ان کا گھر پیغمبر کا گھر نہیں ہے، ان کا گھر یقینا پیغمبر کا گھر ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خلیفہ کے ماننے والوں نے پیغمبر کے گھر کا کتنا احترام کیا، خلافت کے ابتدائی حالات کی تحقیق و جستجو کرنے کے بعد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خلیفہ کے مامور کردہ سپاہیوں نے قرآن مجید کی ان تمام آیتوں کو نظر انداز کر دیا اور پیغمبر کے گھر کی عزت کا کوئی خیال نہ کیا۔ اہلسنت کے بہت سے مؤرخین نے پیغمبر کے گھر پر حملہ کو مبہم اور غیر واضح طریقے سے لکھا ہے اور کچھ نے واضح اور روشن طور پر تحریر کیا ہے۔

طبری جو خلفاء سے کے بارے میں بہت متعصب تھا اس نے صرف اتنا لکھا ہے کہ عمر ایک گروہ کے ساتھ زہرا کے گھر کے سامنے آئے اور کہا: خدا کی قسم! اس گھر میں آگ لگا دوں گا مگر یہ کہ اس میں پناہ لینے والے بیعت کرنے کے لئے اس گھر کو چھوڑ دیں۔ [1]

لیکن ابن قتیبہ دینوری نے اس میں مزید اضافہ کیا ہے وہ کہتا ہے کہ خلیفہ نے صرف یہی جملہ نہیں بلکہ انہوں نے یہ بھی حکم دیا کہ گھر کے چاروں طرف لکڑیاں جمع کرو اور پھر کہا:

اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے یا گھر چھوڑ کر باہر آجاؤ ورنہ اس گھر میں آگ لگا کر سب کو جلا دیں گے۔

جب عمر سے کہا گیا کہ اس گھر میں پیغمبر کی بیٹی حضرت فاطمہ ہیں تو انہوں نے کہا: ہوا کریں۔ [2]

عقد الفرید [3] کے مؤلف نے اپنی کتاب میں کچھ اور اضافے کے ساتھ تحریر کیا ہے وہ کہتا ہے:

خلیفہ نے عمر کو حکم دیا کہ پناہ لینے والوں کو گھر سے نکال دو اور اگر باہر نہ آئیں تو ان سے جنگ کرنا اسی وجہ سے عمر نے آگ منگوایا تھا کہ گھر کو جلا دیں اس وقت جب فاطمہ کے روبرو ہوے پیغمبر کی بیٹی نے ان سے کہا: اے خطاب کے بیٹے! کیا تو میرا گھر جلانے آیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ مگر یہ کہ دوسروں کی طرح (علی بھی) خلیفہ کی بیعت کریں

جب علمائے شیعہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس واقعہ کی تفصیل وضاحت کے ساتھ ملتی ہے۔

سلیم بن قیس نے اپنی کتاب میں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر پر حملہ کو بڑی تفصیل سے لکھ کر حقیقت کو واضح کیا ہے

---

[1] تاریخ طبری ج۲ ص ۲۰۲، مطبع دائرۃ المعارف، طبری کی عبارت یہ ہے:

أتی عمر بن خطاب منزل علی فقال: لاحرقن علیکم اولتخرجن الی البیعة ابن ابی الحدید نے اپنی شرح ج۲ ص۵٦ میں اس جملے کو جوہری کی کتاب سقیفہ سے بھی نقل کیا ہے۔

[2] الامامة والسیاسة ج۲ ص۱۲، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱ ص ۱۳٤، اعلام النساء ج۳ ص ۱۲۰۵

[3] ابن عبدربہ اندلسی متوفی ٤۹۵ ھ عبارت اس طرح ہے:

وہ لکھتے ہیں:

بعث الیھم ابوبکر عمر بن خطاب لیخرجھم من بیت فاطمه و قال له ان ابوا فقاتلھم۔ فاقبل بقبس من النار علی ان یضرم علیھم الدار فلقیته فاطمه فقالت یابن الخطاب أجئت لتحرق دارنا؟ قال: نعم أو تدخلوا فیما دخلت فیه الامة۔[1]

عمر نے آگ جمع کی پھر دروازے کو دھکہ دیا اور گھر میں داخل ہوگئے لیکن حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔[2]

شیعہ بزرگ عالم دین مرحوم سید مرتضی نے اس واقعہ کے سلسلے میں بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے مثلاً آپ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ امام نے فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام نے بیعت نہیں کیا یہاں تک کہ آپ کا گھر دھوئیں میں چھپ گیا۔[3]

اب ہم یہاں پر واقعے کی اصل وجہ کے بارے میں گفتگو کریں گے اور صحیح فیصلے کے ذریعے زندہ ضمیر اور بیدار قلب کو آگاہ کریں گے اور واقعے کی تفصیلات کو اہلسنت کی کتابوں سے پیش کریں گے۔

حضرت علی علیہ السلام کو کس طرح مسجد لے گئے

تاریخ اسلام کا یہ باب بھی گذشتہ باب کی طرح بہت تلخ و دردناک ہے کیونکہ ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ حضرت علی علیہ السلام جیسی شخصیت کو اس انداز سے مسجد لے جائیں گے کہ معاویہ ۴۰ سال کے بعد اس چیز کو بطور طعنہ پیش کرے وہ امیرالمومنین کو خط لکھتے ہوئے آپ کے اس دفاع کی طرف اشارہ کرتا ہے جس سے آپ خلفاء کے زمانے میں روبرو ہوئے تھے۔

یہاں تک کہ خلیفہ تمہاری مہار پکڑے ہوئے ایک نافرمان اونٹ کی طرح بیعت کے لئے مسجد کی طرف کھینچتے ہوئے لائے۔[4]

امیرالمومنین علیہ السلام نے معاویہ کو جواب دیتے ہوئے اشارتاً اصل موضوع کو قبول کرتے ہوئے اسے اپنی مظلومیت بتاتے ہوئے لکھا:

(اے معاویہ) تو نے لکھا ہے کہ میں ایک نافرمان اونٹ کی طرح بیعت کے لئے مسجد میں لایا گیا۔ خدا کی قسم تو

---

[1] عقدالفرید ج۲ ص۲۶۰، تاریخ ابی الفداء ج۱ ص۱۵۶، اعلام النساء ج۳ ص۱۲۰۷

[2] اصل سلیم ص۷۴ طبع نجف اشرف

[3] واللہ ما بایع علی حتی رأی الدخان قد دخل بیتہ تلخیص الشافی ج۳ ص۷۶

[4] معاویہ کے خط کی عبارت کو ابن ابی الحدید نے اپنی شرح (ج۱۵ ص۱۸۶) میں نقل کیا ہے۔

نے چاہا کہ مجھ پر تنقید کرے لیکن حقیقت میں میری تعریف کی ہے تو نے چاہا کہ مجھے رسوا کرے، لیکن خود تم نے اپنے کو رسوا و ذلیل کیا مسلمان اگر مظلوم ہو تو وہ قابل اعتراض نہیں ہے۔ [1]

صرف ابن ابی الحدید ہی نے امامؑ پر ہوئی جسارت کو تحریر نہیں کیا ہے بلکہ اس سے پہلے ابن عبدربہ نے اپنی کتاب عقد الفرید ج۲ ص ۲۸۵، پر اور ان کے بعد صبح الاعشی کے مؤلف نے (ج۱،ص ۱۲۸) پر بھی نقل کیا ہے۔

قابل تعجب بات یہ ہے کہ ابن ابی الحدید جب امامؑ کے نہج البلاغہ کے اٹھائیسویں خطبہ کی شرح کرتا ہے تو حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کے نامہ کو نقل کرتا ہے اور واقعہ کے صحیح ہونے کے بارے میں ذرا بھی شک نہیں کرتا، لیکن اپنی کتاب کے شروع میں جب وہ ۲۶ ویں خطبہ کی شرح سے فارغ ہوتا ہے تو اصل واقعہ سے انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس طرح کے مطالب کو صرف شیعوں نے نقل کیا ہے اور ان کے علاوہ کسی نے نقل نہیں کیا ہے۔ [2]

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ ناروا سلوک

تیسرا سوال یہ تھا کہ کیا حضرت علی علیہ السلام سے بیعت لیتے وقت پیغمبر کی بیٹی کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا تھا اور ان کو صدمہ پہنچا تھا یا نہیں؟

شیعہ دانشمندوں کی نظر میں اس سوال کا جواب ان گذشتہ دو جوابوں سے زیادہ دردناک ہے کیونکہ جب ان لوگوں نے چاہا کہ حضرت علی علیہ السلام کو مسجد لے جائیں اس وقت حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے ان کا دفاع کیا اور حضرت فاطمہ نے اپنے شوہر کے بچانے میں بہت زیادہ جسمانی اور روحانی تکلیفیں برداشت کیں کہ زبان و قلم جن کے لکھنے اور کہنے سے عاجز ہے۔ [3]

لیکن اہلسنت کے دانشمندوں نے خلیفہ کے مقام و منصب کا دفاع کرتے ہوئے تاریخ اسلام کے اس باب کو لکھنے سے پرہیز کیا ہے یہاں تک کہ ابن ابی الحدید نے بھی اپنی شرح میں ایسے مسائل میں سے جانا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان صرف شیعوں نے انہیں نقل کیا ہے۔ [4]

شیعوں کے بزرگ عالم دین مرحوم سید مرتضی کہتے ہیں:

شروع شروع میں محدثین اور مؤرخین نے جو کچھ بھی پیغمبر کی بیٹی کے ساتھ جسارتیں ہوئیں اس کو لکھنے سے پرہیز نہیں کیا تھا اور ان کے درمیان یہ بات مشہور تھی کہ خلیفہ کے حکم سے عمر نے حضرت فاطمہ کے پہلو پر دروازہ گرایا اور جو بچہ آپ کے شکم میں تھا وہ ساقط ہو گیا اور قنفذ نے عمر کے حکم سے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو تازیانہ مارا تاکہ علی کے ہاتھوں کو چھوڑ دیں،

---

[1] نہج البلاغہ، نامہ ۲۸

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۲ ص ۶۰

[3] شیعہ کتابوں میں سلیم بن قیس نے تفصیل کے ساتھ (صفحہ ۷٤ کے بعد) بیان کیا ہے۔

[4] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۲ ص ۶۰

لیکن بعد میں جب یہ دیکھا کہ اگر ایسے ہی نقل کرتے رہے تو خلفاء کے اوپر آنچ آئے گی لہٰذا اسی وقت سے اس واقعے کو تحریر کرنے سے پرہیز کرنے لگے۔[۱]

سید مرتضی کے کلام پر گواہ یہ ہے کہ اہلسنت کے مؤرخین ومحدثین نے اس واقعہ کو بہت ہی نظر انداز کیا اور لکھنے سے پرہیز کیا مگر پھر بھی ان کی کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے۔ شہرستانی نے معتزلہ کے رئیس ابراہیم بن سیار مشہور عظام سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے:

عمر نے بیعت لینے کے وقت دروازہ کو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے پہلو پر گرایا اور جو بچہ آپ کے شکم میں تھا وہ ساقط ہو گیا پھر اس نے حکم دیا کہ گھر کو گھر والوں سمت جب کہ گھر میں علی وفاطمہ حسن وحسین کے علاوہ کوئی دوسرا نہ تھا۔[۲]

انسانوں کی انسانوں پر حکومت

وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ خلفاء کی خلافت کو انسانوں کی انسانوں پر حکومت یا قانون مشورہ کی توجیہ کریں۔ وہ ان دو گروہ میں سے ایک ہیں:

۱۔ جو لوگ ہمیشہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی اصول کو آج کی فکروں اور تعلیمات سے تطبیق کریں اور اس کے ذریعے سے مغربی اور مغرب زدہ لوگوں کو اسلام کی طرف متوجہ کردیں اور ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دیں کہ انسانوں کی لوگوں پر حکومت یہ آج کی نئی فکر نہیں ہے بلکہ چودہ سو سال پہلے اسلام کے اندر ایسی فکر موجود تھی اور پیغمبر کی وفات کے بعد ان کے صحابہ نے خلیفہ منتخب کرتے وقت اس کا سہارا لیا تھا۔

اس گروہ نے اگر چہ اس راہ میں خلوص نیت کے ساتھ قدم اٹھایا لیکن افسوس اسلامی مسائل کی تحقیق نہیں کیا اور اس کے ماہروں کی طرف بھی رجوع نہیں کیا اور ایک بے کار وبے ہودہ اور دھوکہ دینے والے موضوع پر بھروسہ کر رکھا جس کی وجہ سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہیں۔

۲۔ ایک گروہ جو کسی علت کی بنا پر شیعہ علماء سے گلہ رکھتے ہیں اور کبھی کبھی بعض تحریکوں کی وجہ سے سنیت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور مختلف قسم کی اخلاقی خرابیوں اور عقیدتی انحرافات سے مقابلہ کرنے کے بجائے مومن نوجوانوں بلکہ سادہ لوح افراد کے لئے وبال جان بن جاتے ہیں اور ان کے شیعی عقیدوں کو کمزور کردیتے ہیں۔

پہلے گروہ کی غلطیوں کا جبران ہو سکتا ہے اور اگر ان کو صحیح اور قابل اعتماد حوالے دیئے جائیں تو وہ اپنی غلطیوں اور بھٹکی ہوئی راہ سے واپس آجائیں گے لہٰذا ان کے بارے میں ناسزا کہنا درست نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ بہترین خدمت یہ ہے کہ

---

[۱] تلخیص الشافی ج ۳ ص ۷۶، شافی سید مرتضی کی کتاب ہے جس کو شیخ طوسی نے خلاصہ کیا ہے۔
[۲] ملل ونحل ج ۲ ص ۹۵

ہمیشہ ان سے رابطہ بنائیں رکھیں اور اپنے فکری اور علمی رابطے کو ان سے منقطع نہ کریں۔

لیکن دوسرے گروہ کی اصلاح اور ہدایت کرنا بہت مشکل ہے، علاوہ اس کے کہ وہ گلہ رکھتے ہیں دین کے متعلق صحیح اور زیادہ معلومات نہیں رکھتے، لہٰذا انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرنا بے فائدہ ہے، سوائے اس کے کہ کوئی ایسا کام کیا جائے کہ سادہ لوح نوجوان اور دینی معلومات سے بے بہرہ افراد ان کے جال میں نہ پھنس جائیں اور اگر پھنس جائے تو کوشش کی جائے کہ ان کے دلوں سے سارے شبہات دور ہو جائیں۔

کیا عقل اور شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ حاکم کے مامور کئے ہوئے لوگ نیزے کے زور پر کسی کے گھر پر حملہ کریں اور اس گھر میں پناہ لئے ہوئے افراد کو مسجد میں لائیں اور ان سے بیعت لیں؟

کیا ڈیموکریسی کے معنی یہی ہیں کہ حاکم کے گروہ کا سردار بعض گروہوں کو حکم دے کہ مخالف یا حمایت نہ کرنے والے افراد سے جبراً وزبردستی بیعت لیں اور اگر وہ لوگ بیعت نہ کریں تو ان سے جنگ کی جائے؟

تاریخ شاہد ہے کہ گروہ حاکم کے تمام افراد سے پہلے عمر نے بیعت لینے اور ووٹ حاصل کرنے میں بہت زیادہ اصرار کیا بلکہ جنگ تک کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

زبیر بھی حضرت فاطمہ زہرا کے گھر میں پناہ لئے ہوئے تھے اور ابھی خاندان رسالت سے انہوں نے بغاوت نہیں کی تھی جب سپاہیوں نے حضرت فاطمہ کے گھر میں پناہ لینے والوں کو گھر سے نکالنے کے لئے بہت زیادہ کوششیں کیں اس وقت زبیر ننگی تلوار لے کر گھر سے باہر آئے اور کہا ہم ہرگز بیعت نہیں کریں گے نہ صرف یہ کہ بیعت نہیں کریں گے بلکہ سب کے لئے ضروری ہے کہ علی کی بیعت کریں۔

زبیر اسلام کا مشہور پہلوان، بہادر اور تلوار چلانے میں ماہر تھا اور اس کے تلوار کا لگایا ہوا زخم دوسروں کے لگائے ہوئے تلوار کے زخم کے درمیان نمایاں رہتا تھا اس وجہ سے سپاہیوں نے خطرہ محسوس کیا اور سب نے مل کر یکبارگی حملہ کر کے اس کے ہاتھ سے تلوار کو چھین لیا اور ایک بہت بڑا قتل عام ہونے سے بچا لیا، آخر عمر جو اتنا اصرار کر رہے تھے اس کی فداکاری کی وجہ کیا تھی؟ کیا حقیقت میں عمر خلوص نیت سے اس واقعہ میں پیش پیش تھے یا یہ کہ ان کے اور ابوبکر کے درمیان کوئی معاہدہ ہوا تھا؟

امیر المومنین علیہ السلام جس وقت خلافت کے نمائندوں کے دباؤ میں تھے اور ہمیشہ قتل کی دھمکیوں سے ڈرائے جاتے تھے اس وقت آپ نے عمر سے کہا:

اے عمر اس (خلافت) کو لے لو کیونکہ وہ تمہارا آدھا مال ہے اور مرکب خلافت کو ابوبکر کے لئے محکم باندھ دو تا کہ

کل تمہیں واپس کر دے۔[1]

اگر ابوبکر کے لئے بیعت کا لینا حقیقت میں ڈیموکریسی کے اصول کے مطابق ہوتا اور اس آیت امرہم شوری بینہم کا مصداق ہوتا، تو اپنی زندگی کے آخری دنوں میں کیوں وہ افسوس کر رہے تھے کہ کاش میں نے یہ تین کام انجام نہ دیئے ہوتے:

۱۔اے کاش میں نے فاطمہ کے گھر کا احترام اور اس کی حفاظت کیا ہوتا اور حملہ کرنے کا حکم نہ دیا ہوتا یہاں تک کہ اگر انہوں نے سپاہیوں کے لئے دروازہ بند کر دیا تھا۔

۲۔اے کاش سقیفہ کے دن خلافت کی ذمہ داریوں کو اپنے کاندھوں پر نہ لیتا اور اسے عمر اور ابوعبیدہ کے حوالے کر دیتا اور خود ان کا وزیر یا معاون ہوتا۔

۳۔اے کاش ایاس بن عبداللہ معروف بہ الفجاۃ کو نہ جلایا ہوتا۔[2]

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اس زمانے کے مشہور شاعر محمد حافظ ابراہیم مصری جن کا انتقال ۱۳۵۱ھ میں ہوا اپنے قصیدے عمریہ میں خلیفہ دوم نے جو حضرت فاطمہ کی شان میں گستاخی اور اہانت کی اس کی ستائش کی، وہ کہتا ہے۔

و قولةٍ لعلّيٍ قالها عمرُ
اکرِمِ بسامعِها اعظم بملقيها
حرقتُ دارَكَ لا أبُقي عليك بها
ان لم تبايعُ و بنتُ المصطفى فيها
ماكان غيرُ ابي حفص يفوه بها
امام فارسِ عدنانٍ و حاميها۔[3]

اس بات کو یاد کرو جو عمر نے علی سے کہا تھا: سننے والے کا احترام کرو اور کہنے والے کو محترم جانو۔

عمر نے علی سے کہا: اگر بیعت نہیں کرو گے تو تمہارے گھر کو جلا دوں گا اور اس گھر میں رکنے کی اجازت نہیں دوں گا اور اس نے یہ بات اس وقت کہی کہ پیغمبر کی بیٹی گھر میں موجود تھیں۔

یہ بات عمر کے علاوہ کوئی نہیں کہہ سکتا وہ بھی عدنان عرب اور اس کے حامیوں کے شہسوار کے مقابلے میں

یہ شاعر عقل وخرد سے دور رہ کر وہ ظلم وفساد جس سے عرش الٰہی لرز جاتا ہے چاہتا ہے کہ خلیفہ کے اس عمل کو مفاخر میں شمار کرے کیا یہ افتخار کی بات ہے کہ پیغمبر کی بیٹی کا عمر کے نزدیک کوئی احترام نہیں تھا اور وہ صرف ابوبکر کی بیعت لینے کے اس

[1] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ص۱۲،خطبہ شقشقیہ میں تقریبا اسی مفہوم کو بیان کیا ہے: لشدما تشطرا ضرعیھا...
[2] تاریخ طبری ج۳ص۲۳۶،شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۲ص۴۶۳
[3] دیوان شاعر نیل ج۱ص۸۴

خاطر پیغمبر کے گھر اوران کی بیٹی کوجلا دے؟!

اور یہ بات بھی عجیب ہے جسے عقد الفرید نےنقل کیا ہےجس وقت علی کومسجد میں لائےتوخلیفہ نے ان سے کہا کہ کیا میری خلافت سے آپ ناراض ہیں؟ توعلی نے کہا:نہیں۔ بلکہ میں نے خودعہد کیا تھا کہ رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم کی رحلت کے بعد اپنے دوش پر ردانہیں ڈالوں گا جب تک کہ قرآن کوجمع نہیں کرلوں گا اوراسی وجہ سے میں دوسروں سے پیچھے رہ گیا۔اور پھر خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی[1] جب کہ وہ خوداور دوسرے افرادعائشہ سےنقل کرتے ہیں کہ چھ مہینے تک جب تک حضرت فاطمہ زندہ تھیں علی نے بیعت نہیں کیااوران کی شہادت کے بعدخلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔[2]

لیکن نہ صرف یہ کہ علی نے بیعت نہیں کیااورنہج البلاغہ کےخطبات آپ کی اس حقانیت پرگواہ ہیں، بلکہ وہ افراد بھی جن کے نام سے واقعہ سقیفہ کی تشریح کرتے وقت ہم آشنا ہوئے ہیں ان لوگوں نے بھی خلیفہ کی بیعت نہ کی،اور جناب سلمان جوحضرت علی علیہ السلام کی ولایت کےسب سے بڑے حامی تھےابوبکر کی خلافت کے بارے میں کہتے ہیں:

خلافت کوایسے شخص کے حوالے کیا کہ جوفقط تم سے عمر میں بڑا ہےاور پیغمبر کے اہلبیت کونظرانداز کردیا حالانکہ اگر خلافت کواس کے محور سے خارج نہ کرتے تو ہرگز اختلاف نہ ہوتا اورسبھی خلافت کے بہترین میوے(حق) سے بہرہ مند ہوتے۔[3]

---

[1] عقدالفریدج٤ ص٢٦٠

[2] عقدالفریدج٤ ص٢٦٠

[3] عقدالفریدج٤ ص٢٦٠

چوتھی فصل

حضرت علی علیہ السلام اور فدک

فدک کی اقتصادی اہمیت

سقیفہ کی الجھنیں خلیفہ کے انتخاب کی وجہ سے ختم ہوئیں اور ابوبکر نے خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے باوفا اصحاب کے ہمراہ حکومت کے جاہ وحشتم سے دور ہو گئے لیکن اپنی نورانی فکروں اور عام لوگوں کے ذہنوں کی فکر و آگہی کے لئے اتحاد و اتفاق کی برقراری کے لئے حکومت کی مخالفت نہیں کی، بلکہ قرآن کی تفسیر و تعلیمات اور اعلی مفاہیم، صحیح فیصلوں اور اہل کتاب کے دانشمندوں کے ساتھ استدلال واحتجاجات وغیرہ اور اجتماعی و فردی خدمات انجام دینے لگے۔

امام تمام مسلمانوں کے درمیان سب سے زیادہ باکمال تھے اور کبھی بھی یہ ممکن نہ تھا کہ آپ کے دشمن آپ سے یہ کمالات چھین سکیں، آپ پیغمبر کے چچازاد بھائی اور داماد، وصیٔ بلافصل اور مجاہد نامدار، اور اسلام کے بڑے جانباز اور شہر علم پیغمبر کے دروازہ تھے، کسی بھی شخص میں اتنی ہمت نہیں جو اسلام میں ان کی سبقت اور آپ کے وسیع علم اور قرآن وحدیث، اصول و فروع دین اور آسمانی کتابوں پر تسلط کا انکار کر سکے، یا ان تمام فضائل کو ان سے چھین سکے۔

ان فضائل کے علاوہ امامؑ کے پاس ایک ایسی چیز تھی جس کی وجہ سے ممکن تھا کہ آئندہ، خلفاء اس کی وجہ سے مشکل میں گرفتار ہوتے اور وہ اقتصادی وآمدنی جیسی قدرت تھی جو فدک کے ذریعے آپ کو حاصل ہو رہی تھی۔

اسی وجہ سے خلیفہ نے دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے چاہا کہ اس قدرت کو امام کے ہاتھوں سے لے لے، کیونکہ یہ امتیاز دوسرے امتیازات کی طرح نہ تھا جو امام کے ہاتھوں سے نہ لیا جا سکے [1]

فدک کا جغرافیہ

بہترین اور آباد سرزمین جو خیبر کے قریب واقع ہے اور مدینے سے فدک کا فاصلہ تقریباً ۱٤٠ کیلومیٹر ہے اور قلعہ خیبر کے بعد حجاز کے یہودیوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے نام سے مشہور تھا اسی جگہ کو قریۂ فدک کہتے ہیں۔ [2]

---

[1] اس بحث کی تفصیلات کو باب فدک غصب کرنے کا مقصد میں پڑھیں گے۔

[2] معجم البلدان ومراصد الاطلاع میں مادۂ فدک کی طرف رجوع کریں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے لشکر کو خیبر اور وادی القریٰ اور تیما میں شکست دینے کے بعد جب مدینہ کے شمال میں ایک بڑے خلاء کا احساس کیا تو اسے اسلام کے سپاہیوں سے پر کر دیا اور اس سرزمین سے یہودیوں کی طاقت و قدرت کو ختم کرنے کے لئے جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے خطرہ کا سبب اور اسلام کی مخالفت شمار ہوتی تھی ایک سفیر جس کا نام محیط تھا اسے فدک کے سردار کے پاس بھیجا یوشع بن نون جو اس دیہات کا رئیس تھا اس نے صلح و آشتی کو جنگ پر ترجیح دیا اور وہاں کے رہنے والے اس بات پر راضی ہو گئے کہ ہر سال کا آدھا غلہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیں گے اور اسلام کے پرچم تلے زندگی بسر کریں گے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں نہیں کریں گے۔ اسلامی حکومت نے بھی ان کی حفاظت و سلامتی کی ذمہ داری قبول کر لی اسلامی قانون کے مطابق ہر وہ زمین جو جنگ و جدال کے ذریعے حاصل ہو وہ تمام مسلمانوں کی ملکیت ہوتی ہے اور اس کی ذمہ داری اور نظارت حاکم شرع کے ہاتھ میں ہوتی ہے لیکن وہ زمینیں جو بغیر کسی حملہ اور جنگ کے مسلمانوں کو حاصل ہوں۔ وہ پیغمبر یا اس کے بعد کے امام کی ملکیت ہوتی ہیں اور جو قوانین و شرائط اسلام نے معین کئے ہیں الٰہی موارد میں صرف ہوتی ہیں ایک مورد یہ ہے کہ پیغمبر اور امام اپنے قریبی افراد کی شرعی حاجتوں کو پورا کرنے اور ان کی عزت و آبرو کو محفوظ رکھنے کے لئے خرچ کریں۔ [1]

فدک، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ہدیہ تھا

شیعہ محدثین و مورخین اور اہل سنت کے دانشمندوں کا ایک گروہ تحریر کرتا ہے:

جب آیت وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهُ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ [2] نازل ہوئی اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو بلایا اور فدک کو ان کے حوالے کیا [3] اور اس مطلب کو پیغمبر کے ایک بزرگ صحابی ابوسعید خدری نے نقل کیا ہے۔ تمام مفسرین شیعہ وسنی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت پیغمبر کے قریبی رشتہ داروں کی شان میں نازل ہوئی ہے اور آپ کی بیٹی ذاالقربی کی بہترین مصداق ہیں، یہاں تک کہ جب شام کے ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام بن الحسین زین العابدین علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنا تعارف کرایئے اس وقت آپ نے شامیوں کے سامنے اپنے کو پہچنوانے کے لئے اسی آیت کی تلاوت کی اور یہ مطلب مسلمانوں کے درمیان اتنا واضح و روشن تھا کہ اس شامی نے تصدیق کے طور پر سر کو ہلاتے ہوئے حضرت سے یہ کہا کہ آپ کی رسول اسلام سے قربت اور خاص رشتہ داری کی وجہ سے ہی خدا نے پیغمبر کو حکم دیا کہ آپ کے حق کو آپ کو دے دیں [4]

---

[1] سورۂ حشر، آیت ٦ و ٧، فقہ کی کتابوں میں باب جہاد بحث فئ میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔

[2] سورۂ اسراء، آیت ٢٦، یعنی اپنے رشتہ داروں، مسکینوں، اور مفلسوں کے حق کو ادا کرو۔

[3] مجمع البیان ج ٣ ص ٤١١ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ١٦ ص ٢٦٨ الدر المنثور ج ٤ ص ١٧٧

[4] الدر المنثور ج ٤ ص ١٧٦

خلاصہ یہ کہ یہ آیت حضرت فاطمہ زہرا اور ان کے فرزندوں کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس سلسلے میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے لیکن یہ بات کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت پیغمبر نے فدک کو اپنی بیٹی کو بطور ہدیہ دیا تھا یا نہیں تو اس بارے میں۔ تمام شیعہ محققین اور کچھ سنی محققین قائل ہیں کہ اس کو آپ نے اپنی بیٹی کو ہدیہ میں دیا تھا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک اپنی بیٹی کو کیوں دیا؟

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خاندان کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ لوگ کبھی بھی دنیا کے دلدادہ نہیں تھے اور جس چیز کی ان کی نظر میں وقعت نہیں رکھتی تھی وہ دنیا کی دولت تھی اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر نے فدک اپنی بیٹی کو دے دیا اور اسے حضرت علی علیہ السلام کے خاندان سے مخصوص کر دیا اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں پیغمبر نے فدک فاطمہ زہرا کو دیا اس سوال کے جواب کی کئی وجہیں ذکر ہوئی ہیں۔

۱۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد مسلمانوں کی تمام ذمہ داریاں حضرت علی علیہ السلام پر تھیں اور یہ مقام و منصب بہت سنگین اور اسکے لئے زیادہ دولت کی ضرورت تھی حضرت علی علیہ السلام خلافت کے تمام امور کی دیکھ بھال فدک سے حاصل ہوئی آمدنی سے اچھے طریقے سے کر سکتے تھے، مگر لگتا ہے کہ خلفاء، پیغمبر کی اس پیشنگوئی سے آگاہ ہو گئے تھے اسی لئے خلافت کی مسند پر بیٹھتے ہی فدک کو پیغمبر کے خاندان سے چھین لیا۔

۲۔ خاندان پیغمبر جس میں مظہر کامل آپ کی بیٹی اور آپ کے دونور چشم حضرت حسن اور حضرت حسین علیہما السلام تھے ضروری تھا کہ پیغمبر کی وفات کے بعد عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں اور رسول اسلام کی عزت و شرافت وحیثیت اور ان کا خاندان ہر طرح سے محفوظ رہے اسی مقصد کے تحت پیغمبر نے فدک اپنی بیٹی کو دیا تھا۔

۳۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے تھے کہ ایک گروہ حضرت علی علیہ السلام سے اپنے دل میں کینہ رکھے ہوئے ہے کیونکہ ان کے بہت سے رشتہ دار و احباب مختلف جنگوں میں حضرت علی علیہ السلام کی تلوار سے مارے گئے ہیں ان کے دلوں سے کینہ دور کرنے کا ایک راستہ یہ تھا کہ امام مالی امداد کر کے ان کی دلجوئی کریں، ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کریں، اسی طرح بیواؤں اور مفلسوں اور لاچاروں کی مدد کریں اور اس طرح سے ان تمام موانع کو جو آپ کو خلافت سے قریب ہونے سے روک رہے تھے ان کو دور کریں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ ظاہری طور پر فدک حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو دیا تھا لیکن اس کی درآمد کا اختیار صاحب ولایت کے ہاتھوں میں تھا۔ تاکہ اس کے ذریعے سے اپنی زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرتے اور اسلام و مسلمین کے فائدے کے لئے خرچ کریں۔

فدک کی آمدنی

تاریخ پر نگاہ کرنے کے بعد یہ تینوں باتیں صحیح معلوم ہوتی ہیں کیونکہ فدک ایک سرسبز و شاداب زمین تھی جو حضرت

علی علیہ السلام کے مقصد کی کامیابی کے لئے بہترین معاون ثابت ہوتی۔

مشہور مورخ حلبی اپنی کتاب سیرۂ حلبی میں لکھتے ہیں:

ابوبکر مائل تھے کہ فدک پیغمبر کی بیٹی کے پاس رہے اور فاطمہ کی ملکیت کو انہوں نے ایک کاغذ پر لکھ دیا لیکن عمر نے فاطمہ کو وہ توشہ دینے سے منع کر دیا اور ابوبکر کی طرف رخ کر کے کہا: آئندہ تمہیں فدک کی آمدنی کی سخت ضرورت پڑے گی کیونکہ اگر مشرکین عرب مسلمانوں کے خلاف قیام کریں تو جنگ کے تمام اخراجات کو کہاں سے پورا کروگے؟[1]

اس جملے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فدک کی آمدنی اس قدر تھی کہ دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے میں جو اخراجات ہوتے اس کو پورا کر دیتی اسی وجہ سے ضروری تھا کہ پیغمبر اس اقتصادی قدرت کو حضرت علی علیہ السلام کے اختیار میں دیدے۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

میں نے مذہب امامیہ کے ایک دانشور سے فدک کے بارے میں کہا: فدک کا علاقہ اتنا وسیع نہ تھا اور اتنی کم زمین کہ جس میں چند کھجور کے درخت کے علاوہ کچھ نہ تھا، لہٰذا مخالفین فاطمہ کے لئے اتنا اہم نہ تھا کہ اس کی لالچ کرتے، تو انہوں نے میرے جواب میں کہا کہ تم غلط کہہ رہے ہو، وہاں پر کھجور کے درخت آج کے درختوں سے کم نہ تھے اور مکمل طریقے سے اس حاصل خیز زمین سے خاندان پیغمبر کو استفادہ کرنے سے منع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ایسا نہ ہو کہ حضرت علی علیہ السلام اس کی آمدنی سے خلافت کے خلاف قیام کریں اس لئے نہ صرف فاطمہ کو فدک سے محروم کیا بلکہ تمام بنی ہاشم اور عبدالمطلب کے فرزندوں کو ان کے شرعی حقوق (خمس، غنیمت) سے بھی محروم کر دیا۔

کیونکہ جو لوگ ہمیشہ اپنی زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں وہ کبھی جنگ و جدال کے خیال کو اپنی ذہن میں نہیں لاتے۔[2]

امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام فدک کے حدود و علاقہ کو اس حدیث میں معین کرتے ہیں: فدک کا رقبہ ایک سمت سے عدن اور دوسری طرف سے سمرقند اور تیسری طرف سے افریقہ اور چوتھی طرف سے بہت سے دریاؤں اور جزیروں اور جنگلوں سے ملتا ہے۔[3]

حقیقت میں فدک جو کہ خیبر کا جزء تھا اتنا وسیع و عریض نہ تھا بلکہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ صرف ہم سے فدک کو غصب نہیں کیا ہے بلکہ تمام اسلامی ممالک کی حکومت کو اتنی مقدار میں جتنی امام نے معین کئے ہیں اہلبیت سے چھین لیا گیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک کو چوبیس ہزار دینار میں کرایہ پر دیدیا بعض حدیثوں میں ۷۰ ہزار دینار نقل ہوا ہے اور یہ

---

[1] سیرۂ حلبی ج ۳ ص ۴۰۰
[2] شرح نہج البلاغہ ج ۱۶ ص ۲۳۶
[3] بحارالانوار ج ۴۸ ص ۱۴۴

فرق سالانہ آمدنی کی وجہ سے ہے۔

قطب الدین راوندی لکھتے ہیں:

جب معاویہ خلافت کی کرسی پر بیٹھا تو اس نے فدک کو تین حصوں میں تقسیم کیا ایک تہائی مروان بن حکم اور ایک تہائی عمر بن عثمان اور ایک تہائی اپنے بیٹے یزید کو دیا اور جب مروان خلیفہ بنا تو اس نے فدک کو اپنی جا گیر بنالیا[1] اس طرح کی تقسیم سے واضح ہوتا ہے کہ فدک ایک اہم ترین سرزمین تھی جسے معاویہ نے تین آدمیوں میں تقسم کیا اور تینوں اس کے اہم رشتہ داروں میں سے تھے۔

جس وقت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے ابوبکر سے فدک کے سلسلے میں گفتگو کی اور اپنی بات کی صداقت کے لئے گواہوں کو ان کے پاس لے گئیں اس وقت انہوں نے پیغمبر کی بیٹی کے جواب میں کہا: فدک پیغمبر کا مال نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کا مال تھا جس کی آمدنی سے سپاہیوں کے اخراجات پورے ہوتے تھے اور دشمنوں سے جنگ کے لئے بھیجے جاتے تھے اور خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔[2]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فدک کی آمدنی سے سپاہیوں کو آمادہ کرتے تھے یا اسے بنی ہاشم اور درماندہ لوگوں میں تقسیم کرتے تھے اور یہ زمین خیبر کی ایسی زمینوں میں سے تھی جس کی آمدنی بہت زیادہ تھی جو سپاہیوں کے خرچ کے لئے کافی تھی۔

جب عمر نے چاہا کہ شبہہ جزیرہ کو یہودیوں سے خالی کرائیں تو ان لوگوں کو دھمکی دی کہ اپنی اپنی زمینوں کو اسلامی حکومت کے حوالے کرو اور اس کی قیمت لے لو اور فدک کو خالی کردو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدا سے ہی فدک میں رہنے والے افراد سے معاہدہ کیا تھا کہ آدھی زمین ان کے اختیار میں رہے گی اور بقیہ آدھی زمین کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کریں گے اسی وجہ سے خلیفہ نے ابن تیہان، فروہ، حباب، اور زید بن ثابت کو فدک بھیجا تاکہ جتنی مقدار میں ان لوگوں نے غصب کیا تھا اس کی اجرت و قیمت معین ہونے کے بعد یہودیوں کو جو وہاں ساکن تھے ادا کریں ان لوگوں نے یہودیوں کا حصہ پچاس ہزار درہم معین کیا اور عمر نے اس رقم کو اس مال سے ادا کیا جو عراق سے حاصل ہوا تھا۔[3]

فدک غصب کرنے کا مقصد

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا پرست اصحاب کے لئے ابوبکر کی خلافت و جانشینی کامیابی کا پہلا زینہ تھا اور خزرج جو

---

[1] بحار الانوار ج۱۶ ص۲۱۶

[2] بحار الانوار ج۱۶ ص۲۱۴

[3] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱۶ ص۲۱۱

گروہ انصار کے سب سے زیادہ طاقتور افراد تھے دوسرے گروہ سے مخالفت کر کے داخلی جنگ سے پیچھے ہٹ گئے تھے اور بنی ہاشم نے جس کے رئیس حضرت علی علیہ السلام تھے ان علتوں کی بنا پر جس کا ہم نے ذکر کیا ہے لوگوں کے سامنے حقیقت آشکار کرنے کے بعد گروہ بندی اور مسلحانہ قیام سے پرہیز کیا۔

لیکن مدینہ میں صرف یہی کامیابی خلافت کے لئے کافی نہ تھی بلکہ مکہ کی حمایت بھی ضروری تھی لیکن بنی امیہ جس کا سرپرست ابوسفیان تھا، جس کے پاس بہت زیادہ افراد تھے اس نے خلیفہ کی خلافت کو رسماً قبول نہیں کیا تھا، وہ لوگ اس بات کے منتظر تھے کہ ابوسفیان خلافت کی تائید کرے گا اور تمام احکامات وقوانین کو معین کرے گا۔

جب مکہ میں پیغمبر کے رحلت کی خبر پہنچی اس وقت مکہ کا حاکم عتاب بن اسید بن العاص تھا جس کی عمر ۲۰ سال تھی اس نے تمام لوگوں کو پیغمبر کے رحلت کی خبر سنائی لیکن خلافت وجانشینی کی خبر کے بارے میں لوگوں سے کچھ نہ کہا جب کہ دونوں واقع ایک ہی ساتھ آئے تھے اور دونوں کی خبر پھیل گئی تھی بہت بعید ہے کہ دونوں میں سے ایک واقعہ کی خبر مکہ پہنچے لیکن دوسرے واقعہ کی خبر مکہ نہ پہنچے۔

مکہ کے اموی حاکم کی خاموشی کی علت صرف یہ تھی کہ وہ اپنے خاندان کے رئیس ابوسفیان کے نظریہ سے باخبر ہو جائے پھر اس کے نظریہ کے مطابق عمل کرے۔

ان تمام حقایق کے پیش نظر، خلیفہ یہ بات جانتا تھا کہ اس کی حکومت مخالفین کے مقابلے میں بہت دنوں تک قائم نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا ضروری تھا کہ مخالفوں کے عقائد ونظریات سے باخبر ہوتا کہ ان سے زیادہ عقائد ونظریات کو پیش کرے جس کی بنا پر ان کے عقائد وغیرہ کا اثر لوگوں کے دلوں پر نہ پڑے کیونکہ ایسی صورت میں حکومت کا بہت دنوں تک قائم رہنا بہت مشکل کام تھا۔

تمام لوگوں میں سے ایک بااثر شخص بنی امیہ کے عزیزوں کا رئیس ابوسفیان تھا اس کا نظریہ معلوم ہوسکتا تھا کیونکہ وہ ابوبکر کی حکومت کا مخالف تھا اور جب اس نے سنا کہ ابوبکر نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی ہے تو اس نے اعتراض کیا مجھے ابوفضیل سے کیا مطلب؟ یہ وہی تھا جو مدینہ میں داخل ہونے کے بعد حضرت علی علیہ السلام اور عباس کے گھر گیا اور دونوں کو مسلحانہ قیام کے لئے دعوت دی اور کہا کہ میں مدینے کو سواروں اور سپاہیوں سے بھر دوں گا، تم لوگ اٹھو اور حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لو۔

ابوبکر نے اس کو خاموش کرنے اور اس کو خریدنے کے لئے جو مال و دولت ابوسفیان لے کر آیا تھا اسی کو دیدیا اور ایک دینار تک اس میں سے نہ لیا، بلکہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے بیٹے یزید (معاویہ کا بھائی) کو شام کی حکومت کے

لئے منتخب کرلیا، جب ابوسفیان کو یہ خبر ملی کہ اس کے بیٹے کو حکومت ملی ہے تو فوراً اس نے کہا: ابوبکر نے صلۂ رحم کیا ہے[1] جب کہ اس سے پہلے ابوسفیان ابوبکر سے کسی بھی طرح کا رشتہ جوڑنے کا قائل نہیں تھا۔

ابوسفیان کے علاوہ اور دوسرے افراد جن کا عقیدہ خریدا جارہا تھا ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یہاں پر بیان نہیں ہوسکتا کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر کی بیعت مہاجروں کی غیر موجودگی میں ہوئی تھی اور مہاجرین میں سے صرف تین آدمی موجود تھے خود خلیفہ اور ان کے دو ہمفکر و ہم خیال عمر اور ابوعبیدہ، ظاہری بات ہے کہ اس طرح سے بیعت لینے اور مہاجروں کو اپنے گروہ میں شامل کرنے کی وجہ سے دوسرا گروہ ناراض ہوگا اس لئے ضروری تھا کہ خلیفہ ان کی ناراضگی کو دور کرے، اور ان سے رابطہ برقرار کرے اس کے علاوہ انصار خصوصاً قبیلہ خزرج والے جنھوں نے سقیفہ میں ہی ان کی بیعت نہیں کی تھی اور غم وغصہ کے عالم میں سقیفہ چھوڑ کر باہر آگئے تھے ان کو خلیفہ کی طرف سے محبت والفت ملتی رہے۔

خلیفہ نے نہ صرف لوگوں کے عقائد کا سودا کیا بلکہ مال ودولت کو انصار کی عورتوں میں تقسیم کیا جب زید بن ثابت، بنی عدی کی ایک عورت کا حصہ اس کے گھر لایا تو اس محترم عورت نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ زید نے کہا: یہ تمہارا حصہ ہے اور خلیفہ نے تمام عورتوں کے درمیان تقسیم کیا ہے، عورت نے اپنی ذہانت سے سمجھ لیا یہ پیسہ رشوت دینے کے علاوہ کچھ نہیں ہے لہٰذا اس سے کہا: میرے دین کو خریدنے کے لئے رشوت دے رہے ہو؟ خدا کی قسم! اس کی طرف سے میں کوئی چیز نہیں لوں گی یہ کہہ کر اسے واپس کردیا۔[2]

حکومت کے لئے مالی بحران

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیماری کے دوران ان تمام چیزوں کو جو آپ کے پاس تھا لوگوں میں تقسیم کردیا تھا بیت المال خالی تھا پیغمبر کے نمائندے آپ کی رحلت کے بعد بہت کم مال لے کر مدینہ واپس آئے یا اس کو متدین اور امین شخص کے ہاتھوں بھجوادیا، لیکن یہ مختصر آمدنی (مال) اس حکومت کے لئے جو مخالفوں کے عقیدوں کا سودا کرنا چاہ رہی تھی بہت کم تھی۔

دوسری طرف اطراف کے قبیلے والے مخالفت کا پرچم اٹھائے تھے اور خلیفہ کے نمائندوں کو زکوٰۃ دینے سے منع کر رہے تھے اس وجہ سے حکومت اقتصادی مشکلات سے دوچار ہورہی تھی۔

اسی وجہ سے حاکم کے سامنے کوئی راہ نہ تھی مگر یہ کہ حکومت کے اخراجات کے لئے ادھر ادھر ہاتھ پھیلائے اور مال جمع

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص۱۳۳

[2] وہ جعلی حدیث یہ ہے نحن معاشر الانبیاء لانورث یعنی ہم گروہ انبیاء میراث نہیں چھوڑتے۔

کرے اور اس وقت فدک سے بہتر کوئی چیز نہ تھی، اور اس سلسلے میں پیغمبر سے حدیث کو نقل کیا جس کا تنہا راوی خود خلیفہ تھا[1] اور فدک کو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے چھین لیا اور اس کی بے شمار آمدنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے خرچ کیا۔

عمر نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے ابوبکر سے کہا: کل تمہیں فدک کی بہت سخت ضرورت پڑے گی کیونکہ اگر مشرکین عرب مسلمانوں کے خلاف قیام کریں تو تم کہاں سے جنگ کے تمام اخراجات کو لاؤ پورا کرو گے۔

خلیفہ اور ان کے ہم فکروں کا عمل بھی اسی بات کی گواہی دیتا ہے، کیونکہ جب حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے ان سے فدک کا مطالبہ کیا تو جواب میں کہا: پیغمبر نے تمہاری زندگی کے اخراجات کا انتظام کر دیا ہے اور اس کی بقیہ آمدنی کو مسلمانوں میں تقسیم کیا ہے اس لئے تم یہ سب لے کر کیا کرو گی؟

پیغمبر کی بیٹی نے فرمایا: میں بھی اپنے بابا کے عمل کی پیروی کروں گی اور بقیہ آمدنی کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کروں گی۔

جب حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے خلیفہ کو بے جواب کر دیا تو انہوں نے کہا: میں بھی یہی کام انجام دوں گا جو تمہارے بابا نے انجام دیا ہے۔[2]

اگر خلیفہ کا مقصد فدک کے تصرف وخرچ کرنے میں فقط حکم الٰہی کا جاری کرنا تھا اور فدک کی آمدنی میں سے پیغمبر کے اخراجات نکال کر مسلمانوں کے امور میں صرف کرنا تھا تو کیا فرق تھا کہ اس کام کو وہ انجام دے یا پیغمبر کی بیٹی یا اس کا شوہر انجام دیں جو نص قرآنی کے مطابق گناہوں اور نافرمانیوں سے پاک ومنزہ تھا خلیفہ کا اس بات پر اصرار کرنا کہ فدک کی آمدنی ان کے اختیار میں ہو اس بات پر گواہ ہیں کہ ان کی نگاہیں اس آمدنی پر تھی تاکہ اس کے ذریعے اپنی حکومت کو مضبوط اور دیگر امور میں اسکو خرچ کریں۔

فدک غصب کرنے کی ایک اور وجہ

فدک غصب کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کی اقتصادی طاقت کا ڈر تھا۔ امام کے اندر رہبری کے شرائط موجود تھے کیونکہ علم، تقوی، اور تابناک ماضی پیغمبر سے قرابت اور پیغمبر کا ان کے متعلق وصیت کرنا یہ ایسے حقائق ہیں جن سے انکار نہیں کر سکتے، اور جب بھی کوئی شخص ان شرائط کے ساتھ مالی طاقت وقدرت بھی رکھتا ہو اور چاہتا ہو کہ خلافت کی ڈگمگاتی کرسی کو سہارا دے تو ایسا شخص بہت بڑے خطرے میں پڑ سکتا ہے ایسی صورت میں اگر حضرت علی علیہ السلام کے تمام شرائط وامکانات کو غصب کرنا ممکن نہ ہو اور ان کی ذاتی چیزوں کو لینا ممکن نہ ہو تو بھی مگر حضرت علی علیہ السلام

---

[1] سیرۂ حلبی ج ۳ ص ۴۰۰

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۶، ص ۳۱۶

کی اقتصادی طاقت کوتوغصب کر سکتے تھے اسی وجہ سے خاندان اور حضرت علی علیہ السلام کے حالات کوضعیف کرنے کے لئے فدک کواس کے حقیقی مالک سے چھین لیااور پیغمبر کے خاندان کوخلافت وحکومت کا محتاج بنادیا۔

یہ حقیقت عمر اور خلیفہ کی گفتگو سے واضح ہوتی ہے انہوں نے ابوبکر سے کہا:

لوگ دنیا کے بندے ہیں اور اس کے علاوہ ان کا ہدف بھی کچھ نہیں ہے تم خمس اور مال غنیمت کو علی سے لے لو فدک بھی ان کے ہاتھوں سے چھین لو اور جب لوگ انہیں خالی ہاتھ دیکھیں گے تو انہیں چھوڑ کر تمہاری طرف مائل ہو جائیں گے۔[1]

اس مطلب پر دوسرا گواہ یہ ہے کہ خلیفہ نے نہ صرف خاندان پیغمبر کو فدک سے محروم کیا بلکہ انہیں جنگ کے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ جونص قرآن کے اعتبار سے خاندان پیغمبر کا حق تھا[2] اس سے بھی محروم کر دیا۔

اکثر مورخین کا خیال ہے کہ خلیفہ سے حضرت فاطمہ زہرا کا اختلاف صرف فدک کی وجہ سے تھا جب کہ آپ کا خلیفہ سے تین چیزوں کی بنا پر اختلاف تھا۔

۱۔فدک جو پیغمبر نے آپ کو دیا تھا۔

۲۔وہ میراث جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لئے چھوڑی تھی۔

۳۔ذوی القربیٰ کا حصہ جونص قرآنی کے مطابق غنائم کے خمس کا تعلق ان سے بھی تھا۔

عمر کا بیان ہے کہ جب فاطمہ نے فدک اور ذوی القربیٰ کے حق کا خلیفہ سے مطالبہ کیا تو خلیفہ نے منع کر دیا اور انہیں نہیں دیا۔

انس ابن مالک کہتے ہیں:

فاطمہ سلام اللہ علیہا خلیفہ کے پاس آئیں اور آیت خمس کی تلاوت کی جس میں پیغمبر کے رشتہ داروں کا حصہ معین تھا خلیفہ نے کہا: تم جو قرآن پڑھتی ہو میں بھی وہی قرآن پڑھتا ہوں میں ذوالقربیٰ کا حق تمہیں ہرگز نہیں دوں گا بلکہ میں تمہاری کی زندگی کے تمام اخراجات برداشت کروں گا اور بقیہ مال کو مسلمانوں کے امور میں صرف کروں گا۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا نے کہا: یہ حکم خدا نہیں ہے جب آیت خمس نازل ہوئی تو پیغمبر نے فرمایا: خاندان محمد کے تمام افراد کو

---

[1] ناسخ التواریخ جلد مربوط بہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا، ۱۲۲

[2] وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۱

اور یہ جان لو کہ تمہیں جس چیز سے بھی فائدہ حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، رسول کے قرابتدار، ایتام، مساکین اور مسافرانِ غربت زدہ کے لئے ہے اگر تمہارا ایمان اللہ پر ہے اور اس نصرت پر ہے جو ہم نے اپنے بندے پر حق و باطل کے فیصلہ کے دن جب دو جماعتیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں نازل کی تھی اور اللہ ہر شے پر قادر ہے (سورۂ انفال)

بشارت ہو کہ خدا نے (اپنے فضل وکرم سے) ان لوگوں کو بے نیاز کردیا ہے۔

خلیفہ نے کہا: میں عمر اور ابوعبیدہ سے مشورہ کروں گا اگر تمہارے بارے میں موافقت کی تو میں ذوی القربیٰ کا پورا حصہ تمہیں دیدوں گا۔

جب ان دونوں سے سوال ہوا تو ان لوگوں نے خلیفہ کے نظریہ کی تائید کی، فاطمہ کو اس وقت بہت زیادہ تعجب ہوا اور سمجھ گئیں کہ تینوں آپس میں مشورہ کر چکے ہیں۔ [1]

خلیفہ کا کام صرف نص کے مقابلے میں اجتہاد ہی نہ تھا، قرآن کریم صراحۃً اعلان کر رہا ہے کہ مال غنیمت میں سے ایک حصہ پیغمبر کے عزیزوں کا ہے لیکن انہوں نے بہانہ بناتے ہوئے کہ اس سلسلے میں پیغمبر سے کچھ نہیں سنا ہے آیت کی تفسیر کی اور کہا: آل محمد کو ان کے خرچ کے برابر دیدو اور بقیہ مال کو اسلام کی راہ میں خرچ کرو

یہ کوشش صرف اس لئے تھی کہ امام کے ہاتھ میں مال دنیا سے کچھ نہ رہے اور انہیں اپنا محتاج بنائیں تاکہ وہ حکومت کے خلاف اقدام نہ کرسکیں۔

شیعہ فقہ کی نظر میں، جانشین پیغمبر کے ذریعہ پہنچنے والی روایتوں کی رو سے ذوی القربیٰ کا حصہ ان کی ذاتی ملکیت نہیں ہے اس لئے کہ قرآن نے ان کا جو حصہ معین کیا ہے وہ اس عنوان سے کہ بعد پیغمبر وہی مسلمانوں کے زعیم اور امام ہیں، اور خمس کا نصف پہنچنے والا مال ان کے زیر نظر خرچ ہو

خلیفہ اس بات سے باخبر تھا کہ اگر حضرت فاطمہ زہرا ذی القربی کا حق مانگ رہی ہیں تو وہ اپنا حق نہیں مانگ رہی ہیں بلکہ وہ حصہ مانگ رہی ہیں جو شخص ذی القربی کے زمرے میں آتا ہے اسے دریافت کر کے مسلمانوں کے زعیم ورہبر کے عنوان سے مسلمانوں کے دینی موارد میں صرف کرے اور رسول اسلام کے بعد ایسا شخص سوائے حضرت علی علیہ السلام کے کوئی اور نہیں ہے اور حضرت علی علیہ السلام کو حصہ دینے کا مطلب یہ تھا کہ خلافت کو چھوڑ دینا اور امیر المومنین کی زعامت ورہبری کا اعتراف کرنا تھا اسی وجہ سے ابوبکر نے فاطمہ سے مخاطب ہو کر کہا:

ذی القربیٰ کا حصہ تمہیں ہرگز نہیں دوں گا اور تمہاری زندگی کے اخراجات نکالنے کے بعد باقی تمام مال کو اسلام کی راہ میں خرچ کروں گا۔

فدک ہمیشہ مختلف گروہوں اور سیاستوں کا شکار

خلافت کے شروع کے ایام میں پیغمبر کی بیٹی کے باغ فدک کو غصب کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ حکومت کے خزانے کو مستحکم اور خلیفہ اصلی کو مال دنیا سے محروم کردیا جائے لیکن اسلامی حکومت کے بننے اور بڑی بڑی جنگوں میں فتح حاصل

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱۶ ص ۲۳۱ - ۲۳۰ -

ہونے کے بعد حکومت کے پاس دولت وثروت کا ریل پیل ہونے لگا اور اب حکومت نے فدک کی آمدنی سے اپنے کو بے نیاز سمجھا دوسری طرف زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ خلفاء کی خلافت اسلامی معاشرہ میں اور محکم ہوگئی اور کسی کو بھی یہ گمان نہ تھا کہ حقیقی خلیفہ حضرت امیرالمومنین فدک کی آمدنی سے خلیفہ کی مخالفت کریں گے اوران کے مقابلے میں صف آرائی کریں گے۔

دوسرے خلفاء کے زمانے میں اگرچہ فدک کے غصب کرنے کی جو علت تھی یعنی خلافت کو مالی اعتبار سے مضبوط کرنا وہ ختم ہوگئی تھی لیکن سرزمین فدک اور اس کی آمدنی پھر بھی سیاسی شخصیتوں اور خلیفہ وقت کی ملکیت تھی اور ان کی خاندان پیغمبر سے جیسی وابستگی ہوتی تھی اس لحاظ سے اس کے بارے میں نظریئے قائم کرتے تھے، اگر ان کا قلبی رابطہ خاندان پیغمبر نہیں ہوتا تھا تو فدک کو حقیقی مالک (اہلبیت) نہیں کرتے تھے اور اسے مسلمانوں کی اور حکومت کی جائیداد قرار دیتے تھے لیکن جن کو اہلبیت سے محبت ہوتی تھی یا وقت کا تقاضا تھا کہ اولاد فاطمہ کے ساتھ دلجوئی کی جائے وہ فدک کو اولاد فاطمہ کے حوالے کردیتے تھے، ایسا سلسلہ وقت تک رہتا تھا جب تک کہ بعد کے خلیفہ کی سیاست نہ بدلے۔

اسی وجہ سے فدک کبھی ایک حالت پر نہیں رہا، بلکہ ہمیشہ مختلف گروہوں اور متضاد سیاستوں کا شکار رہا کبھی اپنے حقیقی مالکوں کی طرف واپس آتا تو کبھی بلکہ اکثر غصب کیا جاتا تھا۔

خلفاء کے زمانے سے حضرت علی علیہ السلام کے زمانے تک فدک اپنی جگہ پر ثابت رہا اور اس کی آمدنی سے تھوڑا سا خاندان پیغمبر کی زندگی کے اخراجات کے طور پر دیا جاتا تھا اور باقی مال دوسرے عمومی مال کی طرح خلفاء کی نگرانی میں خرچ ہوتا تھا۔

لیکن جب معاویہ کے ہاتھ میں حکومت آئی تو اس نے فدک کو تین حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصہ مروان کو اور ایک حصہ عمرو بن عثمان بن عفان کو اور ایک حصہ اپنے بیٹے یزید کو دیا۔

فدک اسی طرح ایک کے بعد دوسرے کے ہاتھ میں جاتا رہا یہاں تک کہ جب مروان بن حکم کی حکومت آئی تو اس نے اپنی خلافت کے زمانے میں باقی دو حصوں کو ان لوگوں سے خرید لیا اور خود اپنا حصہ بنالیا اور پھر اسے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو دے دیا۔ اور اس نے بھی اپنے بیٹے عمر بن عبدالعزیز کو دیدیا اس کے لئے بطور میراث چھوڑا۔

جب عمر بن عبدالعزیز کی خلافت آئی تو اس نے چاہا کہ بنی امیہ کے تمام بدنما دھبوں کو اسلامی معاشرہ کے دامن سے پاک کردے چنانچہ خاندان پیغمبر سے محبت کی وجہ سے سب سے پہلے جس چیز کو اس نے اس کے حقیقی مالک کو واپس کیا وہ فدک ہی تھا اس نے فدک کو حسن بن علی علیہ السلام کے حوالے کیا اور ایک روایت کے مطابق امام سجاد علیہ السلام کے حوالے کیا۔ [1]

اس نے مدینہ کے گورنر ابوبکر بن عمرو کے نام خط لکھا اور حکم دیا کہ فدک کو حضرت فاطمہ کے بچوں کو واپس کردے

---

[1] اس دوسرے احتمال کو اگرچہ ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ عمر بن عبدالعزیز ۹۹ ھ میں خلیفہ ہوا جبکہ امام سجاد کی وفات ۹٤ ھ میں ہوچکی تھی یہ ممکن ہے کہ محمد بن علی بن الحسین رہے ہوں اور لفظ محمد چھوٹ گیا ہو۔

دھوکہ باز حاکم نے خط کا جواب دیتے ہوئے خلیفہ کو لکھا:

مدینے میں فاطمہ کی اولاد بہت زیادہ ہے اور ہر شخص اپنے گھر میں زندگی بسر کر رہا ہے میں فدک کو ان میں سے کس کو واپس کروں؟

عبدالعزیز کے بیٹے نے جب حاکم کے خط کو پڑھا تو بہت ناراض ہوا اور کہا:

اگر میں تجھے گائے کو قتل کرنے کا حکم دوں تو تم بنی اسرائیل کی طرح کہو گے کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہو جیسے ہی میرا خط تجھ تک پہنچے فوراً فدک کو فاطمہ کے ان بچوں میں تقسیم کر دے جو علی کی اولاد ہیں۔

خلافت کے ٹکڑوں پر پلنے والے جو سب کے سب بنی امیہ کے ماننے والے تھے خلیفہ کی اس عدالت سے بہت سخت ناراض ہوئے اور کہا: تو نے اپنے اس عمل سے شیخین کو گناہگار ٹھہرایا، زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ عمر بن قیس اپنے لشکر کے ساتھ کوفہ سے شام پہنچا اور خلیفہ کے اس کام پر تنقید کرنے لگا۔

خلیفہ نے ان سب کے جواب میں کہا:

تم لوگ جاہل و نادان ہو جو کچھ مجھے یاد ہے تم لوگوں نے بھی اسے سنا ہے لیکن فراموش کر دیا ہے، میرے استاد ابوبکر بن محمد عمرو بن حزم نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے جد سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا اور جس نے اسے خوش کیا اس نے مجھے خوش کیا خلفاء کے زمانے میں فدک اموال عمومی اور حکومت کا حصہ تھا پھر وہ مروان تک پہنچا اور انہوں نے میرے باپ عبدالعزیز کے حوالے کیا اور اپنے باپ کے انتقال کے بعد مجھے اور میرے بھائیوں کو بطور میراث حاصل ہوا اور میرے بھائیوں نے اپنے حصوں کو مجھے بیچ دیا یا مجھے دیدیا اور میں نے حدیث رسول کے حکم سے زہرا کے بچوں کو واپس کر دیا۔

عمر بن عبدالعزیز کے انتقال کے بعد، آل مروان ایک کے بعد دوسرے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے رہے اور سب نے عمر بن عبدالعزیز کے برخلاف قدم اٹھایا اور فدک مروان کے بیٹوں کی خلافت کے زمانے تک ان لوگوں کے تصرف میں تھا اور پیغمبر کا خاندان اس کی آمدنی سے بالکل محروم تھا، بنی امیہ کی حکومت ختم ہونے کے بعد جب بنی عباس کی حکومت وجود میں آئی تو فدک کی خاص اہمیت تھی، بنی عباس کے پہلے خلیفہ سفاح نے فدک عبداللہ بن حسن کو واپس کر دیا اس کے بعد جب منصور آیا تو اس نے واپس لے لیا۔ منصور کے بیٹے مہدی نے اپنے باپ کی پیروی نہیں کی اور فدک کو حضرت زہرا کے بچوں کو واپس کر دیا مہدی کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے موسی اور ہارون جنہوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی فدک کو پیغمبر کے خاندان سے چھین لیا اور اپنے تصرف میں لے لیا یہاں تک کہ ہارون کے بیٹے مامون نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔

ایک دن مامون ردمظالم اور لوگوں کی شکایت وغیرہ سننے کے لئے رسماً بیٹھ گیا اور جو خطوط مظلوموں نے لکھے تھے

اس کی تحقیق کرنے لگا۔

سب سے پہلا خط جو اس کے ہاتھ میں تھا وہ ایسے شخص کا تھا جس نے اپنے کو حضرت فاطمہ کا وکیل ونمائندہ لکھا تھا اس نے خاندان پیغمبر کے لئے فدک واپس کرنے کا مطالبہ کیا تھا خلیفہ خط پڑھ کر رو یا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اس نے حکم دیا کہ خط لکھنے والے کو بلایا جائے، کچھ دیر کے بعد خلیفہ کے محل میں ایک بوڑھا شخص لا یا گیا اور مامون سے فدک کے بارے میں بحث کرنے لگا، تھوڑی ہی دیر مناظرہ ہوا تھا کہ مامون قانع ہو گیا اور حکم دیا کہ رسمی طور پر مدینے کے حاکم کو خط لکھو کہ فدک کو فاطمہ زہرا کے بچوں کو واپس کردے خط لکھا گیا اور خلیفہ نے اس پر مہر لگائی اور مدینہ بھیج دیا گیا۔

خاندان پیغمبر کو فدک مل جانے سے شیعہ بہت خوش ہوئے اور دعبل خزاعی نے اس موقع پر ایک قصیدہ بھی کہا جس کا پہلا شعر یہ تھا:

اصبح وجه الزمان قد ضحکا

برد مامون هاشم فدکا[1]

زمانے کے چہرے پر خوشیوں کے آثار نظر آنے لگے کیونکہ مامون نے فدک کو بنی ہاشم کے بچوں (جو واقعی مالک تھے) کو واپس کر دیا۔

حیرت انگیز وہ خط ہے جو مامون نے ۲۱۰ ھ میں فدک کے سلسلے میں مدینہ کے حاکم قیم بن جعفر کو لکھا جسکا خلاصہ یہ ہے:

امیر المومنین جس کی خدا کے دین اور خلافت اسلامی میں بہت زیادہ اہمیت ہے اور خاندان نبوت سے رشتہ داری کی بنا پر بہترین وشائستہ شخص ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ پیغمبر کی سنتوں کی رعایت کرے اور جو کچھ بھی انہوں نے دوسروں کو دیا ہے اس کو ان کے حوالے کردے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک فاطمہ زہرا کو دیا ہے اور یہ بات اتنی زیادہ واضح وروشن ہے کہ پیغمبر کے بیٹوں میں سے کسی نے بھی اس سلسلے میں اختلاف نہیں کیا ہے اور کسی نے اس سے زیادہ کا بھی دعوی نہیں کیا ہے کہ تصدیق کی ضرورت ہوتی

اسی بنا پر امیر المومنین مامون نے مصلحت سمجھا کہ خدا کی مرضی حاصل ہونے اور عدالت جاری کرنے اور حق کو حقدار تک پہنچانے کے لئے فدک کو ان کے وارثوں کے حوالے کردے اور اس کے لئے حکم جاری کرے، اسی لئے اس نے اپنے مشیروں اور کاتبوں کو حکم دیا کہ اس مطلب کو حکومتی رجسٹر میں تحریر کریں پیغمبر کے انتقال کے بعد جب بھی حج کی بجا آوری کے موقع پر یہ اعلان کیا گیا کہ جس شخص کا پیغمبر کے پاس صدقہ یا ہدیہ یا اور کوئی چیز ہو وہ مجھے مطلع کرے تو مسلمانوں نے اس بات کو قبول کر لیا تو پھر پیغمبر کی بیٹی کا کیا مقابلہ، ان کی بات کی تو یقینا تصدیق وتائید ہونا چاہیئے۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۶ ص ۲۱۸-۲۱۶۔

امیر المومنین علیہ السلام نے مبارک طبری کوحکم دیا کہ فدک کوتمام حدود وحقوق کے ساتھ فاطمہ کے وارثوں کو واپس کردو اور جو کچھ بھی فدک کے علاقے میں غلام، غلے اور دوسری چیزیں ہیں وہ سب محمد بن یحییٰ بن حسن بن زید بن علی بن الحسین اور محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن الحسین کوواپس کردو،تم جان لو یہ وہ فکر ونظر ہے جو امیر المومنین نے خدا سے الہام کے ذریعے حاصل کیا ہے اور خدا نے ان کو کامیاب کیا ہے کہ خدا اور پیغمبر سے توسل وتقرب کریں۔

اس مطلب کو جو افراد بھی تمہاری طرف سے کام کررہے ہیں ان تک پہنچا دو اور فدک کی تعمیر وآبادی میں ترقی کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہو۔[1]

فدک حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے بچوں کے ہاتھ میں رہا یہاں تک کہ متوکل کو خلافت کے لئے منتخب کیا گیا وہ خاندان رسالت کا بہت سخت دشمن تھا لہٰذا فدک کو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے بچوں سے چھین لیا اور عبداللہ بن عمر بازیار کی جاگیر قرار دیا۔

سرزمین فدک پر ۱۱ کھجور کے درخت تھے جنہیں خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے لگائے تھے لوگ حج کے زمانے میں ان درختوں کی کھجوروں کو بطور تبرک اور مہنگی قیمت پر خریدتے تھے جس سے خاندان نبوت کی شایان شان مدد ہوتی تھی۔

عبداللہ اس مسئلہ سے بہت زیادہ ناراض تھا۔لہٰذا ایک شخص کو جس کا نام بشیران تھا اسے مدینہ روانہ کیا تاکہ کھجور کے ان درختوں کو کاٹ دے،اس نے بھی شقاوت قلبی کے ساتھ اس کے حکم پر عمل کیا لیکن جب بصرہ پہنچا تو مفلوج ہوگیا۔

اس دور حکومت کے بعد فدک خاندان پیغمبر سے چھین لیا گیا اور پھر ظالم حکومتوں نے وارثان زہرا کو فدک واپس نہیں کیا۔

---

[1] فتوح البلدان ٤١ ـ ٣٩ تاریخ یعقوبی ج ٣ ص ٤٨ ـ

پانچویں فصل

مسئلہ فدک اور افکار عمومی

پیغمبر کی بیٹی کے اعتراض اور فدک کو غصب ہوئے چودہ صدیاں گذر گئیں مگر آج بھی بعض لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ شاید اس واقعہ کا فیصلہ کرنا دشوار ہے، کیونکہ اتنا عرصہ گذرنے کے بعد اگر قاضی فیصلہ کرنا چاہے تو فدک کے مسئلہ پر مکمل طریقے سے معلومات فراہم نہیں کرسکتا، اور نہ ہی ان تمام معلومات وشواہد کا دقت سے مطالعہ کرسکتا ہے کہ صحیح فیصلہ کرسکے، ممکن ہے اس واقعہ میں تحریف کردی گئی ہو اور اس کے مفہوم کو خلط ملط کردیا گیا ہو لیکن جو چیز اس مشکل چیز کو آسان کرسکتی ہے وہ یہ کہ قرآن مجید اور پیغمبر کی احادیث اور طرفین کے دعوے اور اختلاف کی طرف رجوع کیا جائے اور نئے انداز سے اس مسئلہ کو منظم کیا جائے اور اسی اساس پر اسلام کے بعض قطعی ومحکم اور نہ بدلنے والے اصول کے ذریعے فیصلہ کیا جائے ہم یہاں اس کی وضاحت کررہے ہیں۔

اسلام کے مسلم اصولوں میں سے ایک قانون یہ ہے کہ ہر وہ زمین جو بغیر جنگ اور بغیر فوجیوں کے غلبہ کے مسلمانوں کے ذریعے فتح ہو، وہ حکومت اسلامی کے اختیار میں ہوتی ہے اور عمومی مال میں اس کا شمار ہوتا ہے اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ ہوتی ہے۔

اس طرح کی زمینیں پیغمبر کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتیں، بلکہ اسلامی حکومت سے مخصوص ہوتی ہیں جس کے رئیس پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے ہیں اور پیغمبر کے بعد اس شخص کے اختیار اور تصرف میں ہوں گی جو پیغمبر کی جگہ اور پیغمبر کی طرح مسلمانوں کے تمام امور کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لے، قرآن مجید نے اسلام کے اصلی قانون کو سورۂ حشر کی چھٹی اور ساتویں آیت میں بیان کیا ہے

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

الْعِقَابِ۝

اور خدا نے جو کچھ ان کی طرف سے مالِ غنیمت اپنے رسول کو دلوایا ہے جس کے لئے تم نے گھوڑے یا اونٹ کے ذریعہ کوئی دوڑ دھوپ نہیں کی ہے۔۔۔۔لیکن اللہ اپنے رسولوں کو غلبہ عنایت کرتا ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے تو کچھ بھی اللہ نے اہل قریہ کی طرف سے اپنے رسول کو دلوایا ہے وہ سب اللہ، رسول اور رسول کے قرابتدار، ایتام، مساکین اور مسافران غربت زدہ کے لئے ہے تا کہ سارا مال صرف مالداروں کے درمیان گھوم پھر کر نہ رہ جائے اور جو کچھ بھی رسول تمہیں دیدے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کردے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے

جو اموال پیغمبر کے اختیار میں تھے وہ دو طرح کا تھے:

۱۔خصوصی

وہ اموال جو پیغمبر کے ذاتی تھے تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں پیغمبر کے خصوصی اموال کے نام سے تفصیل سے درج ہیں[۱] پیغمبر کی حیات طیبہ میں اس کا تصرف خود آپ کے ہاتھ میں تھا اور آپ کے بعد اسلام کے میراث کے مسائل کے مطابق آپ کے وارثوں تک منتقل ہونا چاہئے مگر یہ کہ ثابت ہو جائے کہ پیغمبر کے وارث آپ کے شخصی و ذاتی مال سے محروم تھے کہ اس صورت میں آپ کے مال کو بعنوان صدقہ لوگوں میں تقسیم ہونا چاہیئے یا اسلامی امور میں صرف ہونا چاہئے آئندہ بحث میں ہم اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کریں گے اور ثابت کریں گے کہ میراث کے قانون کی رو سے پیغمبر کے وارثوں اور دوسروں کے وارثوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور وہ حدیث جو خلیفہ اول نے پیغمبر کی طرف نسبت دے کر پیغمبر کے وارثوں کو میراث سے محروم کیا ہے، اگر فرض کرلیں کہ وہ صحیح ہے تو اسکے دوسرے معنی ہیں جس سے خلیفہ اور ارا کین خلافت نے غفلت برتی۔

۲۔خالصہ[۲]

وہ مال اور وہ ملکیت جو حکومت اسلامی سے مخصوص ہوتی ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں اور اسلام کے مفاد و مصلحت میں خرچ کرسکتے ہیں اصطلاح میں اسے خالصہ کہا جاتا ہے فقہ کی بحث میں ایک باب فئی کے نام سے ہے جو کتاب جہاد اور کبھی باب صدقات میں مورد بحث قرار پاتا ہے لغت میں فئی کے معنی پلٹنے کے ہیں اور اس سے مراد وہ زمینیں ہیں جو بغیر قتل و غارت گری کے اسلامی حکومت کے تصرف میں آئے اور اس میں رہنے والے افراد اسلامی قوانین کے مطابق حکومت اسلامی میں زندگی بسر کریں اور اس طرح کی زمینیں جو اسلام کے فوجیوں کی زحمت و مشقت اور ان کے حملے کئے بغیر حاصل ہوں وہ پیغمبر کے اختیار میں ہوتی ہیں اور اسلامی حکومت کا حق قرار پاتی ہیں اور اور مسلمان سپاہیوں کا اس میں حق نہیں ہوتا،

---

[۱] کشف الغمہ ج۲ ص۱۲۲۔

[۲] وہ چیز جو کسی کی جاگیر نہ ہو۔

ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی آمدنی کو مسلمانوں کے امور میں خرچ کرتے تھے اور کبھی مستحق افراد کو دیتے تھے اور اس سے اور زحمت و مشقت کے ذریعے حاصل شدہ مال سے اپنا خرچ چلاتے تھے، پیغمبر جو ہدیہ وغیرہ دیتے تھے وہ اسی کی آمدنی سے دیتے تھے اور کبھی مال غنیمت سے حاصل شدہ خمس سے بھی دیتے تھے۔

بہتر ہے کہ اس طرح کی زمینوں کے سلسلے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طور طریقے کا ذکر کیا جائے۔

بنی نضیر، یہودیوں کے تین طائفے سے مل کر بنے تھے، جو مدینے کے قریب میں زندگی بسر کر رہے تھے جن کے پاس باغ اور زمینیں تھیں جس وقت پیغمبر نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو اوس وخزرج کے قبیلے والے آپ پر ایمان لائے، لیکن یہ تینوں طائفے اپنے دین پر باقی رہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقد و پیمان کے ذریعے مدینے اور قرب وجوار میں رہنے والوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی بہت کوششیں کیں، نتیجتاً تینوں طائفوں نے پیغمبر سے عہد کیا کہ مسلمانوں پر ہر طرح کے یلغار و حملے سے پرہیز کریں گے اور ان کے خلاف کبھی بھی قدم نہیں اٹھائیں گے، مگر تینوں طائفوں نے یکے بعد دیگرے ظاہری اور پوشیدہ طور پر عہد شکنی کی اور ہر طرح کی خیانت اور اسلامی حکومت گرانے کی ہر طرح سے کوششیں اور سازشیں کیں یہاں تک کہ پیغمبر کے قتل سے بھی پرہیز نہیں کیا خلاصہ یہ کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کام کو انجام دینے کے لئے بنی نضیر کے محلہ میں گئے تو ان لوگوں نے پیغمبر کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ آپ کو قتل کر دیں، یہی وجہ تھی کہ پیغمبر نے ان تمام لوگوں کو مجبور کر دیا کہ مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں اور ان کی تمام زمینوں اور گھروں کو مہاجروں اور انصار کے بعض حاجت مندوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ [۱]

تاریخ اسلام میں ان لوگوں کا تذکرہ موجود ہے جنہوں نے اس سرزمین سے استفادہ کیا ہے اور گھروں میں پناہ لی ہے علی، ابوبکر، عبد الرحمن بن عوف اور بلال مہاجرین میں سے اور انصار میں ابودجانہ، سہل بن حنیف اور حارث بن صمہ تھے۔ [۲]

سرزمین فدک اموال خالصہ میں سے تھی

محدثین و مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فدک اموال خالصہ (جو چیز کسی کی جاگیر نہ ہو) سے تھی، کیونکہ فدک وہ زمین ہے جو جنگ کرنے سے حاصل نہیں ہوئی، بلکہ جس وقت خیبریوں کی شکست کی خبر قریہ فدک میں پہنچی تو وہاں کے لوگ آمادہ ہوئے کہ پیغمبر سے صلح کریں اور فدک کی آدھی زمین پیغمبر کے حوالے کریں اور اس کے بدلے میں اپنے مذہبی امور میں

[۱] مجمع البیان ج ۵ ص۲۶۰ طبع صیدا اور تمام معتبر تاریخی وسیرت کی کتابیں۔

[۲] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۱۲۷ ۴ ۳، مجمع البیان ج ۵ ص۲۶۰ سیرۂ ابن ہشام ج ۳ ص ۱۹۴۔۱۹۳۔

مکمل طور پر آزاد رہیں اور حکومت اسلامی ان کے علاقے کی حفاظت کرے۔[1]

اس مسئلہ میں علمائے اسلام میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے اور پیغمبر کی بیٹی اور ابوبکر کے درمیان فدک کے متعلق ہونے والی گفتگو سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ طرفین نے فدک کے خالصہ ہونے کا اعتراف کیا تھا اور ان لوگوں کا اختلاف دوسری چیز میں تھا جس کی وضاحت بعد میں کریں گے۔

فدک، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کو دیا تھا

شیعہ علماء اور اہلسنت کے بعض محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ جس وقت یہ آیت وآت ذاالقربیٰ حقہ والمسکین و ابن السبیل نازل ہوئی تو پیغمبر نے فدک فاطمہ زہرا کو دیدیا۔

اور اس حدیث کی سند بزرگ صحابی ابوسعید خدری اور ابن عباس پر ختم ہوتی ہے اور اہلسنت کے بعض محدثین نے اس حدیث کو نقل کیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

١۔ جلال الدین سیوطی، متوفی ٩١١ھ اپنی مشہور و معروف تفسیر میں لکھتے ہیں: جب آیت وآت ذاالقربیٰ۔۔۔ نازل ہوئی تو پیغمبر نے فاطمہ کو بلایا اور انہیں فدک دیدیا۔

نیز لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو بزرگ محدثین مثلاً بزاز و ابویعلی، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے معروف صحابی ابوسعید خدری سے نقل کیا ہے۔

نیز لکھتے ہیں کہ ابن مردویہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت پیغمبر نے فدک کو فاطمہ کی ملکیت قرار دیا۔[2]

٢۔ علاء الدین علی بن حسام مشہور بہ متقی ہندی، ساکن مکہ متوفی ٩٧٦ھ نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔[3]

وہ کہتے ہیں: بزرگ محدثین مثلاً ابن النجار اور حاکم نے اس حدیث کو اپنی تاریخ میں ابوسعید سے نقل کیا ہے۔

٣۔ ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری مشہور بہ ثعلبی متوفی ٤٢٧ھ یا ٤٣٧ھ نے اپنی تفسیر الکشف والبیان میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

٤۔ مشہور مورخ بلاذری، متوفی ٢٧٩ھ نے مامون کا خط جو حاکم مدینہ کے نام لکھا تھا اسے نقل کیا ہے اس کا متن یہ ہے:

---

[1] مغازی واقدی ج ٣ ص ٧٠٦ سیرۂ ابن ہشام ج ٣ ص ٤٠٨ فتح البلدان ٤٤٦۔٤١، احکام القرآن جصاص ج ٣ ص ٥٢٨ تاریخ طبری ج ٣ ص ٩٧۔ ٩٥۔

[2] الدر المنثور ج ٤ ص ١٧٧، حدیث کا متن یہ ہے لما نزلت ھذہ الآیة، وآت ذا القربیٰ حقہ دعا رسول اللہ فاطمہ وأعطاھا فدك

[3] کنز العمال، باب صلۂ رحم، ج ٢، ص ١٥٧۔

و قد کان رسول الله ﷺ أعطی فاطمة فدك و تصدق بها علیها و کان ذالك أمراً معروفاً لا اختلاف فیه بین آل رسول الله و لم تزل تدعی۔ [1]

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سرزمین فدک فاطمہ کو دیا، اور یہ بات اتنی واضح و روشن ہے کہ پیغمبر کے قرابتداروں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا اور وہ (فاطمہ) زندگی کے آخری لمحہ تک فدک کا دعویٰ کرتی رہیں۔

۵۔ احمد بن عبدالعزیز جوہری مولف کتاب السقیفہ لکھتے ہیں:

جس وقت عمر بن عبدالعزیز نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی سب سے پہلے جس غصبی چیز کو ان کے مالکوں کو واپس کیا وہ فدک تھا جس کو حسن بن حسن بن علی کو واپس کیا۔ [2]

اس جملے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فدک صرف پیغمبر کی بیٹی کی ملکیت تھی۔

٦۔ ابن ابی الحدید نے فدک سے متعلق میں آیت کے شان نزول کو ابوسعید خدری سے نقل کیا ہے اگر چہ اس کو نقل کرتے وقت سید مرتضیٰ کے کلام کو کتاب شافی سے لیا ہے لیکن اگر سید مرتضیٰ کا کلام اس کے لئے مورد اعتماد نہ ہوتا تو حتماً اس پر تنقید کرتا۔

اس کے علاوہ، اپنی شرح نہج البلاغہ میں جس باب کو اس واقعہ سے مخصوص کیا ہے اور اپنے مدرسہ غربی بغداد کے استاد سے جو گفتگو کی ہے اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ اس بات کا معتقد تھا کہ پیغمبر نے فدک اپنی بیٹی کو دیا تھا۔ [3]

۷۔ حلبی اپنی کتاب سیرۂ میں فدک کے بارے میں پیغمبر کی بیٹی کے دعوے اور گواہوں کے نام کو بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

خلیفہ وقت نے فدک کی سند زہرا کے نام سے جاری کی لیکن عمر نے اسے لے کر پھاڑ دیا۔ [4]

۸۔ مسعودی اپنی کتاب مروج الذہب میں لکھتے ہیں:

پیغمبر کی بیٹی نے ابوبکر سے فدک کے سلسلے میں گفتگو کی اور ان سے کہا کہ فدک مجھے واپس کردو۔ اور علی علیہ السلام، حسنین علیہما السلام اور ام ایمن کو بطور گواہ اپنے ساتھ لے گئیں۔ [5]

۹۔ یاقوت حموی لکھتا ہے:

---

[1] فتوح البلدان، ٤٦؛ معجم البلدان، ج ٤، ص ٢٤٠۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ١٦، ص ٢١٦۔

[3] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ١٦، ص ٢٦٨ اور ص ٢٨٤۔

[4] سیرۂ حلبی، ج ٣، ص ٤٠٠۔ ٣٩٩۔

[5] مروج الذہب، ج ٢، ص ٢٠٠۔

فاطمہ ابوبکر کے پاس گئیں اوران سے کہا کہ پیغمبر نے فدک مجھے دیا تھا خلیفہ نے گواہ طلب کیا۔۔۔

مزید آگے لکھتا ہے کہ:

عمر (ابن عبدالعزیز) کی خلافت کے دوران فدک پیغمبر کے وارثوں کو واپس کر دیا گیا تھا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔ [1]

سمہودی نے اپنی کتاب وفاء الوفاء میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ابوبکر سے گفتگو کو نقل کیا ہے اور کہا ہے:

علی اور ام ایمن نے فاطمہ کے حق میں گواہی دی اور دونوں نے کہا: پیغمبر نے اپنی زندگی میں ہی فدک فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو دیا تھا۔ [2]

عمر بن عبدالعزیز نے فدک خاندان زہرا کو واپس کر دیا تھا۔ [3]

شام کے ایک شخص نے علی بن الحسین علیہما السلام (امام سجاد) سے ملاقات کی اور کہا کہ اپنا تعارف کرائیے، امام نے فرمایا: کیا تم نے سورۂ بنی اسرائیل میں اس آیت کو نہیں پڑھا وآت ذا القربیٰ اس شخص نے تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ رشتہ داری کی وجہ سے خدا نے پیغمبر کو حکم دیا کہ ان کے حق کو واپس کر دو۔ [4]

شیعہ دانشوروں کے درمیان بہت سی بزرگ شخصیتیں مثلاً کلینی، عیاشی اور شیخ صدوق نے اس آیت کے نزول کو پیغمبر کے قرابتداروں کے بارے میں ذکر کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر نے فدک اپنی بیٹی فاطمہ کو دیدیا تھا۔

اس سلسلے میں محقق عالی قدر مرحوم سید ہاشم بحرینی نے ۱۱ حدیث بہترین اسناد کے ساتھ آئمہ معصومین علیہم السلام مثلاً امیر المومنین، امام زین العابدین، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، اور امام علی رضا علیہم السلام سے نقل کیا ہے۔ [5]

جی ہاں، تقریباً تمام افراد کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت خاندان رسالت کے حق میں نازل ہوئی ہے لیکن یہ بات کہ آیت نازل ہونے کے بعد پیغمبر نے فدک اپنی بیٹی زہرا کو دیا تھا اسے شیعہ محدثین اور بعض بزرگان اہلسنت نے نقل کیا ہے۔

طرفین کی شناخت اوران کے منصب کی شناخت اور اسی طرح اس مسئلے کی تحقیق وجستجو اوران کی اہمیت کا پہچاننا بہت

---

[1] معجم البلدان، ج ٤، ص ٢٣٨، مادۂ فدک۔

[2] وفاء الوفاء ج ٢ ص ١٦٠۔

[3] وفاء الوفاء ج ٢ ص ١٦٠۔

[4] وفاء الوفاء ج ٢ ص ١٦٠۔

[5] (٤) تفسیر برہان ج ٢، ٤١٩۔

ضروری ہے۔

اس واقعہ میں شکایت اور دعویٰ کرنے والی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا ہیں جن کا مقام ومنزلت اور طہارت وعصمت سب پر عیاں ہے، اور جس سے شکایت کی جارہی ہے حکومت کا رئیس، خلیفہ وقت ابوبکر ہے جنہوں نے پیغمبر کے بعد حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی، کچھ گروہ خوف کے مارے اور کچھ حرص ولالچ کی وجہ سے ان کے اردگرد جمع رہتے تھے۔

پیغمبر کے انتقال کو دس دن سے زیادہ نہ گذرا تھا کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو خبر ملی کہ خلیفہ کے سپاہیوں نے ان کے کام کرنے والوں کو سرزمین فدک سے نکال دیا ہے اور تمام کام اپنے اختیار میں لے لیا ہے اسی وجہ سے ہاشم کی عورتوں کے ساتھ اپنا حق لینے کے لئے خلیفہ کے پاس گئیں پھر آپ کے اور ابوبکر کے درمیان اس طرح سے گفتگو کا آغاز ہوا۔

فاطمہ: فدک سے میرے مزدوروں کو کیوں نکالا اور کیوں مجھے میرے حق سے محروم کیا؟

خلیفہ: میں نے آپ کے والد سے سنا ہے کہ انبیاء اپنی چیز کو بطور میراث نہیں چھوڑتے۔

فاطمہ: میرے بابا نے فدک مجھے اپنی زندگی میں دیا تھا اور میں اپنے بابا کی زندگی ہی میں اس کی مالک تھی۔

خلیفہ: کیا اس بات پر آپ کے پاس کوئی گواہ ہے۔

فاطمہ: ہاں میرے پاس گواہ ہیں میرے گواہ علی اور ام ایمن ہیں۔

اور ان لوگوں نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی درخواست پر فدک کی گواہی دی کہ پیغمبر کے زمانے ہی میں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اس کی مالک تھیں۔

جب کہ بہت سے مورخین نے حضرت فاطمہ کے گواہ کے طور پر علی اور ام ایمن کا نام لیا ہے لیکن بعض حسن وحسین کو بھی شاہد کے طور پر ذکر کیا ہے اس بات کو مسعودی[۱] اور حلبی[۲] نے بھی نقل کیا ہے بلکہ فخر رازی[۳] کہتے ہیں:

پیغمبر کے غلاموں میں سے ایک نے بھی حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی حقانیت پر گواہی دیا لیکن ان کے نام کو نہیں تحریر کیا۔ لیکن بلاذری[۴] نے اس کے نام کو صراحت کے ساتھ لکھا ہے وہ کہتا ہے کہ پیغمبر کے اس غلام کا نام رباح تھا۔

تاریخی اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں آپس میں اختلاف نہیں، کیونکہ مورخین کے نقل کرنے کے مطابق خلیفہ نے ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی کو مدعا ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں جانا ہے، (آئندہ اس سلسلہ میں بحث

---

[۱] مروج الذہب، باب آغاز خلافت عباسی۔

[۲] سیرۂ حلبی ج۳ ص۴۰۰۔

[۳] تفسیر سورۂ حشر، ج۸ ص۱۲۵، بحار الانوار ج۸ ص۹۳ منقول از کتاب خرائج سے منقول۔

[۴] فتوح البلدان ص۴۳۔

ہوگی)اس وجہ سے ممکن ہے پیغمبر کی بیٹی گواہ مکمل کرنے کے لئے حسنین اور رسول اسلام کے غلام کو لے کر آئی ہوں۔

شیعہ احادیث کے مطابق حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے ان گواہوں کے علاوہ اسماء بنت عمیس کو بھی بطور گواہ پیش کیا، نیز ہماری حدیثوں میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک خط میں فدک کو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی ملکیت کی تصدیق کی ہے [1] اور یقینا حضرت فاطمہ نے اس سے استناد کیا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے گواہی دینے کے بعد خلیفہ کو ان کی غلطی کی طرف انہیں متوجہ کیا کیونکہ انہوں نے اس سے گواہی طلب کیا جس کے تصرف میں فدک تھا اور مالک سے گواہی طلب کرنا اسلام کے قضاوت کے قانون کے برخلاف ہے۔

اس لئے آپ نے خلیفہ کی طرف رخ کر کے فرمایا: وہ مال جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اگر میں اس مال کا ادعا کروں تو تم گواہ کس سے طلب کروگے؟ مجھ سے گواہ مانگوگے کہ میں مدعی ہوں یا دوسرے شخص سے کہ مال اس کے تصرف میں ہے؟ خلیفہ نے کہا اس موقع پر میں تم سے گواہ طلب کروں گا۔

علی علیہ السلام نے فرمایا: کافی عرصے سے فدک ہمارے تصرف اور اختیار میں ہے اور یہ مسلمان جو کہہ رہے ہیں کہ فدک عمومی مال ہے تو وہ گواہ و ثبوت پیش کریں نہ یہ کہ ہم سے ثبوت و گواہ طلب کریں۔ خلیفہ امام کے منطقی جواب کو سن کر خاموش ہوگیا۔ [2]

خلیفہ کے جوابات

خلیفہ نے جو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو جوابات دیئے تھے تاریخ نے اسے مختلف انداز سے نقل کیا ہے فدک کے مسئلہ کو مرتبہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے چھیڑا ہے اور خلیفہ نے ہر مرتبہ طرح طرح کے جوابات دیئے ہیں ان کے دیئے ہوئے جوابات کو ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں۔:

۱۔ جب جناب زہرا سلام اللہ علیہا کے گواہوں نے ان کے حق میں گواہی دی تو عمر اور ابوعبیدہ نے خلیفہ کے حق میں گواہی دی اور کہا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاندان کے اخراجات کو نکال کر فدک کی باقی آمدنی کو مسلمانوں کے امور میں خرچ کیا تھا اگر فدک پیغمبر کی بیٹی کا حق تھا تو کیوں پیغمبر نے بقیہ اموال کو دوسرے امور میں خرچ کیا۔

گواہوں کے متضاد بیانوں کی وجہ سے خلیفہ اٹھا اور سب کے بیانوں کو صحیح بتایا اور کہا دونوں طرف کے گواہ صحیح اور سچی بات کہہ رہے ہیں اور ہم نے سب کی گواہی کو قبول کیا، علی اور ام ایمن بھی صحیح کہہ رہے ہیں اور عمر اور ابوعبیدہ بھی، کیونکہ

---

[1] بحار الانوار، ج ۸، ص ۹۳ اور ۱۰۵، طبع کمپانی۔

[2] احتجاج طبرسی، ج ۱، ص ۱۲۲، طبع نجف۔

فدک جوزہرا کے قبضہ میں تھا وہ پیغمبر کی ملکیت تھی جس کی آمدنی سے آپ اپنے خاندان کا خرچ چلاتے تھے اور اضافی مال کو مسلمانوں میں تقسیم کرتے تھے اس لئے میں بھی پیغمبر کی روش پر عمل کروں گا۔

پیغمبر کی بیٹی نے فرمایا: میں بھی حاضر ہوں کہ باقی اموال کو اسلامی امور میں صرف کروں۔

خلیفہ نے کہا: تمہارے بدلے، میں یہ کام انجام دوں گا۔[1]

۲۔خلیفہ نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ان گواہوں کو جو اپنے حق کے ثابت کرنے کے لئے پیش کیا تھا قبول نہیں کیا اور کہا میں ہرگز ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی قبول نہیں کروں گا بلکہ ضروری ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں۔[2]

شیعہ حدیث کے مطابق فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گواہوں پر تنقید کرنا بڑا دردناک المیہ ہے کیونکہ اس نے علی اور حسنین علیہم السلام کو اس نظر سے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے شوہر اور حسنین علیہما السلام ان کے بچے ہیں ان کی گواہی کو قبول نہیں کیا اور ام ایمن کی شہادت کو اس لئے قبول نہیں کیا کہ وہ زہرا سلام اللہ علیہا کی کنیز تھیں، اور اسماء بنت عمیس کی گواہی کو اس لئے ٹھکرا دیا کہ وہ جعفر ابن ابیطالب کی پہلے بیوی تھیں اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فدک واپس کرنے سے انکار کردیا۔[3]

۳۔خلیفہ نے پیغمبر کی بیٹی کے پیش کئے ہوئے گواہوں کی گواہی کو قبول کرلیا اور ایک سند ان کے نام تحریر کیا لیکن عمر کے اصرار کرنے پر اسے نظر انداز کردیا۔

ابراہیم بن سعید ثقفی اپنی کتاب الغارات میں تحریر کرتے ہیں:

خلیفہ نے گواہی سننے کے بعد چاہا کیا کہ فدک فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو واپس کردے چنانچہ کھال کے ایک ٹکڑے پر فدک کی سند کو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نام لکھ دیا فاطمہ سلام اللہ علیہا اس کے گھر سے باہر آئیں راستے میں عمر ملا اور تمام واقعات سے باخبر ہوا اور فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے سند مانگی اور خلیفہ کے پاس آیا اور اعتراضاً کہا: تم نے فدک فاطمہ سلام اللہ علیہا کو دیدیا جب کہ علی علیہ السلام نے خود اپنے فائدے کے لئے گواہی دی ہے اور ام ایمن ایک عورت کے علاوہ کچھ نہیں، پھر اس نے سند پر تھوکا اور اسے پھاڑ ڈالا۔[4] یہ واقعہ خلیفہ کے نفس کی سلامتی کی حکایت کرنے کے بجائے اس کے ضعیف ہونے کی حکایت کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ اس کی قضاوت کتنی حد تک دوسرے کے مزاج کے تابع تھی۔

لیکن حلبی اس واقعہ کو دوسرے انداز سے نقل کرتا ہے وہ کہتا ہے:

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱٦ ص۲۱٦۔

[2] سیرۂ حلبی ج۲ ص۴۰۰، فتوح البلدان ج۴۳ معجم البلدان ج۴ مادہ فدک

[3] بحارالانوار ج۸ ص۱۰۵۔

[4] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱٦ ص۲۷۴۔

خلیفہ نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ملکیت کی تصدیق کی، اچانک عمر وارد ہوا اور کہا: یہ نامہ کیسا ہے؟

اس نے کہا: اس نامہ میں، میں نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ملکیت کی تصدیق کیا ہے اس نے کہا: تمہیں فدک کی آمدنی کی ضرورت ہے کیونکہ اگر کل مشرکین عرب مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان کریں تو جنگ کے اخراجات کہاں سے پورا کرو گے؟ پھر اس نے نامہ لے کر پھاڑ دیا۔[1]

فدک کے متعلق تحقیق اب یہاں اختتام کو پہنچی اور جس واقعے کو ہوئے چودہ سو سال گزر گئے اس کو منظم طریقے سے پیش کیا ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ اسلام اپنے اصول وسنن کے اعتبار سے کس طرح اس واقعہ کا فیصلہ کرتا ہے۔

مسئلہ فدک کے بارے میں آخری فیصلہ

فدک کے سلسلے میں آخری فیصلہ اس کے بعد کی فصل میں پیش کیا جائیگا وہاں ہم ثابت کریں گے کہ

پیغمبر کی بیٹی کو فدک نہ دینا سب سے پہلی اور بڑی حق تلفی ہے جو اسلام کی قضاوت کی تاریخ میں درج ہے ہم یہاں چند نکات بیان کررہے ہیں:

ہم نے پچھلی بحثوں میں واضح اور روشن دلیلوں سے ثابت کردیا کہ وآت ذاالقربیٰ کی آیت نازل ہونے کے بعد پیغمبر نے فدک اپنی بیٹی کو دیدیا تھا اور اس سلسلے میں اہل سنت کے بہت سے دانشوروں کے علاوہ شیعہ علماء نے بھی اس مطلب کو صراحت سے بیان کیا ہے اور بزرگ محدثین مثلاً عیاشی، اربلی، اور سید بحرینی نے اس کے متعلق شیعہ احادیث کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، بطور نمونہ یہاں ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

صادق آل محمد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب آیت وآت ذاالقربیٰ نازل ہوئی تو پیغمبر نے جبرئیل سے پوچھا: ذاالقربیٰ سے مراد کون ہے؟ جبرئیل نے کہا: آپ کے قرابتدار، اس وقت پیغمبر نے فاطمہ اور ان کے بچوں کو بلایا اور فدک ان کو دیدیا اور فرمایا کہ خداوند عالم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ فدک تم لوگوں کو دیدوں۔[2]

ایک سوال کا جواب

ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ سورۂ اسراء مکی سوروں میں سے ہے اور فدک ۷ ھ میں مسلمانوں کے قبضے میں آئی تو جو آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے وہ کس طرح اس واقعے کے حکم کو بیان کررہی ہے جو کئی سال بعد رونما ہوا ہے؟

اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ مکی اور مدنی سورہ ہونے کا معیار یہ ہے کہ اگر اس سورہ کی اکثر آیتیں مکہ میں نازل ہوئیں تو وہ مکی سورہ ہے اور اگر اس سورہ کی اکثر آیتیں مدینہ میں نازل ہوئیں تو وہ مدنی سورہ ہے مگر کیونکہ بہت

---

[1] سیرۂ حلبی ج۳ ص۴۰۰۔

[2] تفسیر عیاشی ج۲ ص۲۸۷۔

سے مکی سوروں میں مدنی آیتیں موجود ہیں اسی طرح بہت سے مدنی سوروں میں مکی آیتیں موجود ہیں، تفسیروں اور آیت کے شان نزول کے مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔

اس کے علاوہ خود آیت کے مفہوم سے واضح ہے کہ یہ آیت مدینے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ مکہ میں پیغمبر کے پاس اتنے امکانات موجود نہ تھے کہ رشتہ داروں اور غریبوں اور محتاجوں کا حق دیتے، اور مفسرین کے نقل کی بنا پر نہ صرف سورہ اسراء کی ۲۶ ویں آیت مدینے میں نازل ہوئی بلکہ ۳۲ ۳۳ ۵۷ ۱۰۷ اور ۷۳ ویں تا ۸۱ ویں آیتیں بھی مدینے میں نازل ہوئیں ہیں[۱] اس لئے سورہ کے مکی ہونے اور آیت کے مدینے میں نازل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

فدک سے متعلق دیگر باتیں

جب فدک کا مسئلہ بالکل واضح تھا تو پھر کیوں پیغمبر کی بیٹی کے حق میں فیصلہ نہیں ہوا؟

گذشتہ فصل میں فدک کے متعلق معتبر حوالوں اور طرفین کی دلیلوں کو بیان کیا ہےاواور اب ضرورت ہے کہ اسکے بارے میں صحیح فیصلہ کیا جائے

فدک کے مسئلہ کو جس عدالت میں بھی پیش کیا جائے اور جس منصف مزاج قاضی کی نگاہوں سے گذرے گا اس کا فیصلہ پیغمبر کی بیٹی کے ہی حق میں کرے گا اب ہم اس واقعہ کا تجزیہ کرتے ہیں۔

۱۔ خلیفہ کے ہم خیال افراد کی گفتگو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان لوگوں کا فدک غصب کرنے کا مقصد اپنی خلافت اور حکومت کی بنیاد کو مخالفین کے مقابلے میں مضبوط کرنا تھا اور یہ بات کہ پیغمبر میراث نہیں چھوڑتے فقط ایک بہانہ تھا تا کہ فدک کا مسئلہ دینی مسئلہ شمار ہوجائے، اور اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ جب خلیفہ پر جناب فاطمہ کی گواہی اور دلیل اثر انداز ہوئی تو انہوں نے چاہا کہ فدک ان کو واپس کردیں چنانچہ انہوں نے حضرت فاطمہ کے نام سند لکھ دی لیکن اچانک عمر وارد ہوے اور جب اس خبر سے آگاہ ہوے تو انہوں نے خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اگر کل تمام عرب تمہاری حکومت کے خلاف قیام کریں تو جنگ کے اخراجات کہاں سے پورا کروگے؟ پھر انہوں نے سند لیا اور پھاڑ ڈالا۔[۲]

یہ گفتگو فدک کے غصب کرنے کی علت کو واضح و آشکار کرتی ہے اور ہر طرح کے تاریخی خیالبافیوں کی راہ کو مسدود کرتی ہے۔

۲۔ اسلامی محدثین اور مورخین نقل کرتے ہیں کہ جب یہ آیت وآت ذاالقربیٰ۔۔۔ نازل ہوئی تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک فاطمہ زہرا کو دیا اور اس حدیث کی سند بزرگ صحابی ابوسعید خدری پر ختم ہوتی ہے، کیا خلیفہ کے لئے لازم نہیں تھا کہ وہ

---

[۱] الدرالمنثور ج ٤ ص ۱۷۷۔۱۷٦۔

[۲] سیرۂ حلبی ج ۳ ص ٤۰۰، منقول از سبط ابن جوزی۔

ابوسعید خدری کو بلاتے اوران سے اس کی حقیقت دریافت کرتے؟

ابوسعید گمنام آدمی نہیں تھے جنہیں خلیفہ نہیں پہچانتے تھے یاان کی پاکیزگی کے بارے میں شک وتردید میں تھے۔

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تاریخ اسلام کے موثق محدثین نے ابوسعید خدری پر جھوٹا الزام لگایا ہوگا کیونکہ اس سے ہٹ کر کہ حدیث کے نقل کرنے والے پاک و پاکیزہ ہیں ان کا شماران افراد میں ہوتا ہے جنہیں دروغ پر سازش کرنے کو عقل بعید سمجھتی ہے۔

ابوسعید خدری ان میں تھے جن کی طرف حدیث کے سلسلے میں رجوع کیا جاتا تھا، اور بہت زیادہ ان سے حدیثیں نقل ہوئی ہیں اورایک گروہ مثلاً ابوہارون عبدی اورعبداللہ علقمہ جوخاندان رسالت کے دشمن تھے، نے جب ابوسعید خدری کی طرف رجوع کیا تو خاندان رسالت سے عداوت سے باز آ گئے۔[1]

۳۔اسلام اوردنیا کی قضاوت کے قانون کے مطابق اگرکوئی کسی ملکیت میں تصرف کرے تو وہ اس کا مالک شمار ہوگا، مگر یہ کہ ثابت ہو کہ وہ مالک نہیں ہے، اور جب بھی کوئی شخص کسی غیر کی ملکیت میں تصرف نہ رکھنے کے باوجود اسے اپنی ملکیت ہونے کا دعوی کرے اوروہ دوسرے کے تصرف میں ہوتو ضروری ہے کہ دوشاہد عادل اس کے مالک ہونے پر گواہی دیں، ورنہ عدالت تصرف کرنے والے کواس کا مالک قرار دیتی ہے۔

اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ فدک کی سرزمین پیغمبر کی بیٹی کے تصرف میں تھی، جس وقت خلیفہ نے فدک پر قبضہ کرنے کا حکم جاری کیا اس وقت حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے مزدوراس میں کام کررہے تھے۔[2]

کئی سال تک جناب زہرا کا فدک میں تصرف کرنا اوراس میں مزدوروں کا رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ فدک آپ کی ملکیت تھی اسکے باوجود خلیفہ نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے تصرف اوراصطلاحی طور پر ذوالید ہونے کو نظر انداز کردیا تھا اور ان کے مزدوروں کوفدک سے نکال دیا۔

اور اس سے بھی بدتر یہ کہ خلیفہ بجائے تصرف نہ کرنے والوں سے گواہ و شاہد طلب کرنے کے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے جو کہ فدک پر تصرف کرتی تھی اوردوسرے کی ملکیت ہونے سے انکار کررہی تھیں، گواہ طلب کیا جب کہ اسلام کی قضاوت کا قانون یہ ہے کہ جوزبردستی اورجھوٹا ملکیت کا دعوی کررہا ہواس سے گواہ طلب کرے نہ یہ کہ مالک سے۔[3]

امیرالمومنین نے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ اسی وقت خلیفہ کواس کی غلطی پر متوجہ کیا تھا۔[4]

---

[1] قاموس الرجال ج۱۰ص ۸۵-۸۴۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱۶ص ۲۱۱

[3] البینۃ علی المدعی والیمین علی المنکر۔

[4] احتجاج طبرسی، ج۱،ص۱۲۲۔

خود تاریخ، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے فدک میں تصرف کرنے کی گواہی دیتی ہے، امیر المومنین نے اپنے ایک خط میں بصرہ کے حاکم عثمان بن حنیف کو اس طرح لکھا:

ہاں آسمان نے چیزوں پر اپنا سایہ کیا تھا ان میں سے صرف فدک ہمارے ہاتھ میں تھا۔

ایک گروہ نے اسے لینے کی کوشش کی اور ایک گروہ نے (خود امام اور آپ کا خاندان) اس سے چشم پوشی کر لی اور خداوند عالم کتنا بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔[1]

اب بھی ایک سوال باقی ہے وہ یہ کہ جب پیغمبر کی بیٹی کا اس میں تصرف تھا اور وہ دوسرے کی ملکیت ہونے سے انکار کر رہی تھیں اس وقت صرف آپ کا فریضہ یہ تھا کہ مدعی کے سامنے رسوا کرنے والی قسم کھا تیں، پس جب خلیفہ نے ان سے گواہ طلب کیا تو کیوں شہزادی چند افراد کو بطور گواہ عدالت میں اپنے ساتھ لے گئیں؟

اور اگر یہ مان لیا جائے کہ شہزادی نے خلیفہ کے گواہ طلب کرنے سے پہلے گواہوں کو جمع کر لیا تھا، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ فدک مدینہ کے نزدیک کوئی چھوٹی زمین یا چھوٹا علاقہ نہ تھا جو مسلمان اس کے مالک اور وکیل سے باخبر ہوتے، بلکہ مدینہ سے ۱٤۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر تھا، شاید یہی وجہ رہی ہو کہ شہزادی کو اطمینان تھا کہ خلیفہ ملکیت اور تصرف ثابت کرنے کے لئے گواہ طلب کرے گا اسی لئے گواہوں کو جمع کر لیا تھا اور پھر عدالت میں پیش کیا۔

٤۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغمبر کی بیٹی بہ حکم آیۂ تطہیر[2] ہر طرح کے گناہ و معصیت سے محفوظ تھیں اور خلیفہ کی بیٹی عائشہ نے آیت کے شان نزول کو خاندان پیغمبر کے بارے میں نقل کیا ہے، اور اہلسنت کے دانشمندوں نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں آیت کے شان نزول کو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا، ان کے شوہر اور ان کے بچوں کے بارے میں نقل کیا ہے اور اس بات کی تصدیق کی ہے کہ یہ آیت الٰہی کی شان میں نازل ہوئی ہے احمد بن حنبل اپنی کتاب مسند میں نقل کرتے ہیں:

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب بھی پیغمبر نماز صبح پڑھنے کے لئے اپنے گھر سے نکلتے اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر کے پاس سے گذرتے تو کہتے تھے الصلاۃ پھر اس آیت کو پڑھتے تھے اور یہ سلسلہ چھ مہینے تک جاری رہا۔[3]

ان تمام باتوں کے بعد، کیا یہ صحیح تھا کہ خلیفہ، پیغمبر کی بیٹی سے گواہ و شاہد طلب کرے؟ اور وہ بھی ایسی چیز میں جس میں زہرا کے علاوہ کوئی اور مدعی نہ تھا تنہا دعویدار خلیفہ تھا۔

---

[1] نہج البلاغہ عبدہ، نامہ ٤۰۔

[2] اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾

اے اہل بیت (رسول) کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے (سورۂ احزاب)

[3] مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۵۔

کیا یہ خلیفہ کے لئے سزاوار تھا کہ جناب فاطمہ کی پاکیزگی کے بارے میں قرآن کی تصریح چھوڑ دے اور ان سے گواہ طلب کرے؟

ہم نہیں کہتے کہ قاضی نے اپنے علم کے مطابق عمل کیوں نہیں کیا، کیونکہ یہ درست ہے کہ علم، گواہ سے زیادہ اہمیت و عظمت کا حامل ہے لیکن علم بھی گواہ کی طرح غلطی واشتباہ کرتا ہے اگر چہ یقینی غلطی ظن وگمان سے کم ہوتی بلکہ ہمارا یہ کہنا ہے کہ کیوں خلیفہ نے قرآن کی اس صراحت کو کہ جناب زہرا گناہوں اور خطاؤں سے محفوظ ہیں کو چھوڑ دیا؟ اگر قرآن خصوصی طور پر زہرا کی ملکیت کو صراحت سے بیان کرتا تو کیا خلیفہ پیغمبر کی بیٹی سے گواہ طلب کرتا؟ حقیقتاً گواہ طلب نہیں کرتا کیونکہ وحی الٰہی کے مقابلے کوئی بھی بات سننے کے لائق نہیں ہوتی ہے۔

اسی طرح عدالت کے قاضی کو عصمت زہرا پر قرآنی تصریح ہونے کے بعد، حق نہیں تھا کہ وہ گواہ طلب کرے کیونکہ وہ آیت تطہیر کے اعتبار سے معصوم تھیں اور کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتی تھیں۔

ہم ابھی اس سلسلے میں بحث نہیں کریں گے کہ حاکم اپنے ذاتی علم پر عمل کرے یا نہ کرے، کیونکہ یہ ایک وسیع موضوع ہے اور فقہاء اسلام نے اس بارے میں کتاب قضا میں بحث کی ہے۔

اگر خلیفہ چاہتا تو مندرجہ ذیل دو آیتوں کے ذریعے مسئلہ فدک کو ختم کر دیتا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے حق میں رائے دیتا وہ دونوں آیتیں یہ ہیں:

1۔ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ۔ [۱]

اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

2۔ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ۔ [۲]

اور ہماری مخلوقات ہی سے وہ قوم بھی ہے جو حق کے ساتھ ہدایت کرتی ہے اور حق ہی کے ساتھ انصاف کرتی ہے۔

ان دو آیتوں کے حکم کے مطابق عدالت کے قاضی کے لئے ضروری ہے کہ ہمیشہ حق وعدالت کے ساتھ فیصلہ کرے، اس بنا پر جب پیغمبر کی بیٹی گناہوں سے پاک ومنزہ تھیں اور کبھی بھی ان کی زبان پر جھوٹ جاری نہیں ہوا تو لہٰذا ان کا دعوی کرنا عین حقیقت اور واقعی عدل تھا اور عدالت کو چاہیئے تھا کہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتی لیکن خلیفہ نے ان دو آیتوں کے بعد جو کہ اسلامی قضاوت کے اصولوں میں سے ہے کیوں فاطمہ زہرا کے حق میں فیصلہ نہیں کیا؟

بعض مفسرین کا احتمال یہ ہے کہ ان دو آیتوں سے مراد یہ ہے کہ قاضی (جج) پر لازم ہے کہ وہ قضاوت کے اصول و قوانین کی رعایت کرتے ہوئے صحیح اور عادلانہ فیصلہ کرے اگر چہ حقیقت میں عدالت کے خلافت ہی کیوں نہ ہو، لیکن یہ

[۱] سورۂ نساء آیت ۵۸

[۲] سورۂ اعراف آیت ۱۸۱

تفسیر درست نہیں ہے، ان دونوں آیتوں سے مراد وہی ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے۔

۵۔خلیفہ کی سوانح حیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بہت سے مواقع پر لوگوں کے دعووں کو بغیر دلیل کے قبول کیا ہے مثلاً جب علاء حضرمی کی طرف سے کچھ مال بیت المال کے نام پر مدینہ لا یا گیا تو ابوبکر نے لوگوں سے کہا اگر پیغمبر کے پاس کسی کا مال ہے یا حضرت نے اس سے کچھ وعدہ کیا ہے تو وہ آئے اور اپنا مال لے جائے۔

جناب جابر خلیفہ کے پاس گئے اور کہا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہاری فلاں مقدار میں مدد کروں گا اسی وقت ابوبکر نے انہیں تین ہزار پانچ سو (۳۵۰۰) درہم دیا۔

ابوسعید کہتا ہے جب ابوبکر کی طرف سے یہ اعلان ہوا تو کچھ لوگ ان کے پاس گئے اور ان سے درہم و دینار لئے کہ انہیں میں سے ایک ابوبشر مازنی تھا اس نے خلیفہ سے کہا کہ پیغمبر نے مجھ سے کہا تھا کہ جب بھی میرے پاس کوئی مال لے کر آئے گا تو تم میرے پاس آنا اس وقت ابوبکر نے اسے ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) درہم دیا۔[1]

اب سوال یہ ہے کہ خلیفہ نے کس طرح سے ہر مدعی کے دعوے کو قبول کر لیا اور ان سے گواہی طلب نہیں کیا، لیکن پیغمبر کی بیٹی کے مقابلے اپنی ضد پر اڑے رہے اور اس بہانہ سے کہ چونکہ ان کے پاس دلیل اور گواہ نہیں ہیں لہٰذا ان کی بات کو قبول نہیں کیا؟ جو قاضی عمومی مال کے متعلق اتنا سخی ہے کہ پیغمبر کے احتمالی قرضوں اور وعدوں کا اس پر اتنا اثر ہوتا ہے کہ سائل کو فوراً ادا کر دیتا ہے تو پھر جناب فاطمہ کے سلسلے میں اتنا کیوں بخل سے کام لے رہا ہے؟

جس چیز نے خلیفہ کو پیغمبر کی بیٹی کی صداقت قبول کرنے پر روک دیا وہ وہی چیز ہے جسے ابن ابی الحدید نے اپنے استاد بزرگ اور بغداد کے مدرس علی بن الفار سے نقل کیا ہے وہ کہتا ہے:

میں نے اپنے استاد سے کہا کیا زہرا اپنے دعوے میں سچی تھیں؟

انہوں نے کہا: ہاں۔

میں نے کہا: کیا خلیفہ جانتا تھا کہ وہ ایک سچی عورت ہیں؟

انہوں نے کہا: ہاں۔

میں نے کہا: تو پھر خلیفہ نے ان کے پورے حق کو ان کے سپرد کیوں نہیں کیا؟

اس وقت استاد ہنسے اور بڑے اطمینان سے کہا: اگر خلیفہ ان کی بات کو قبول کر لیتا یہ سوچ کر کہ وہ ایک سچی عورت ہیں اور بغیر گواہ طلب کئے ہوئے فدک ان کے حوالے کر دیتا تو آئندہ اپنی سچائی سے اپنے شوہر کے حق میں استفادہ کرتیں اور کہتیں کہ خلافت حضرت علی علیہ السلام کا حق ہے اور اس وقت خلیفہ مجبور ہوتا کہ خلافت کو حضرت علی علیہ السلام کے حوالے کرے کیونکہ

---

[1] صحیح بخاری، ج ۳ ص ۱۸۰، طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۱۳۴۔

انہیں (اپنے اس اقدام سے) وہ سچا مانتا لہٰذا تقاضے اور مناظرے کا راستہ بند کرنے کے لئے انہیں ان کے مسلم حق سے محروم کر دیا۔[1]

فدک کے مسئلہ میں کوئی ابہام نہیں تھا

ان تمام واضح اور روشن دلیلوں کے بعد، کیوں اور کس دلیل سے فدک کے بارے میں صحیح فیصلہ نہیں کیا گیا؟ خلیفۂ مسلمین کے لئے ضروری ہے کہ امت کے حقوق کی حفاظت اور ان کے منافع کی حمایت کرے، اگر حقیقت میں فدک عمومی مال میں سے تھا اور پیغمبر نے اسے وقتی طور پر اپنے خاندان کی ایک فرد کو دیا تھا تو ضروری تھا کہ پیغمبر کی رحلت کے بعد مسلمانوں کے رہبر کو دیدیا جاتا، تاکہ اس کے زیر نظر مسلمانوں کے صحیح امور میں خرچ ہوتا، اور یہ ایسی بات ہے جس پر سبھی متفق ہیں لیکن قوم کے حقوق کی حفاظت اور لوگوں کے عمومی منافع کی حمایت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ کسی شخص کی فردی آزادی اور ذاتی ملکیت کو نظرانداز کردیا جائے اور لوگوں کے ذاتی مال کو عمومی مال کے طور پر جمع کیا جائے اور پھر اسے عمومی مال قرار دیا جائے۔

اسلامی قانون جس طرح سے اجتماعی چیزوں کو محترم جانتا ہے اسی طرح کسی کے ذاتی وشخصی مال کو جو شرعی طریقے سے حاصل ہوا سے بھی محترم سمجھتا ہے، اور خلیفہ جس طرح سے عمومی اموال کی حفاظت میں کوشاں رہتا ہے اسی طرح لوگوں کے ذاتی مال اور حقوق کی جن کا اسلام نے حکم دیا ہے ان کی بھی حفاظت کرتا رہے کیونکہ جس طرح عمومی مصالح کی رعایت کے بغیر عمومی مال کو کسی شخص کو دینا لوگوں کے حقوق کے ساتھ ناانصافی ہے، اسی طرح کسی کی ذاتی ملکیت کو جو اسلامی قانون کے اعتبار سے مالک ہے اس سے چھین لینا لوگوں کے حقوق سے ناانصافی ہے اگر پیغمبر کی بیٹی کا اپنی ملکیت فدک کے بارے میں دعوی کرنا۔

قانون قضاوت کے مطابق تھا اور اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے گواہوں کو جمع کیا تھا اور عدالت کے قاضی کی نظر میں مسئلہ فدک میں کوئی نقص نہ تھا تو ایسی صورت میں قاضی کا صحیح نظریہ دینے سے پرہیز کرنا یا حقیقت مسئلہ کے برخلاف نظریہ پیش کرنا لوگوں کی مصلحتوں کے خلاف اقدام کرنا ہے اور یہ ہے ایسا سنگین جرم جس کی اسلامی قانون میں سخت مذمت کی گئی ہے۔

مسئلہ فدک کا بعض حصہ اس بات پر شاہد ہے کہ اسکے اندر نقص نہ تھا اور اسلام کے قضائی قانون کی بنیاد پر خلیفہ پیغمبر کی بیٹی کے حق میں اپنا نظریہ پیش کرسکتا تھا، کیونکہ:

پہلے یہ کہ، مورخین کے نقل کے مطابق جیسا کہ گذر چکا ہے خلیفہ نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی طرف سے گواہ پیش

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۶، ص۲۸٤۔

کرنے کے بعد چاہا کہ فدک کو اس کے حقیقی مالک کو واپس کردے اور اسی وجہ سے انہوں نے ایک کاغذ پر فدک کو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی ملکیت قرار دے کر ان کے سپرد کردیا، لیکن جب عمر اس بات سے آگاہ ہوئے تو خلیفہ پر غصہ ہوئے اور نامہ لے کر پھاڑ ڈالا۔

اگر حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گواہ، مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہ تھے، اور فدک کی سند میں کوئی کمی تھی تو خلیفہ کبھی بھی ان کے حق میں رائے نہیں دیتا اور حقیقی طور پر ان کی ملکیت کی تصدیق نہ کرتا۔

دوسرے یہ کہ، جن لوگوں نے پیغمبر کی بیٹی کی حقانیت پر گواہی دی تھی وہ یہ افراد تھے:

١۔حضرت امام امیر المومنین علیہ السلام۔

٢۔حضرت امام حسن علیہ السلام۔

٣۔حضرت امام حسین علیہ السلام۔

٤۔رباح، پیغمبر کا غلام۔

٥۔ام ایمن۔

٦۔اسماء بنت عمیس۔

کیا ان افراد کی گواہی حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں تھی؟

اگر فرض کریں کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے سوائے حضرت علی علیہ السلام اور ام ایمن کے کسی کو عدالت میں نہیں لائیں تو کیا ان دو افراد کی گواہی ان کے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہ تھی؟

ان دو گواہوں میں سے ایک گواہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں کہ جن کی عصمت وطہارت پر آیت تطہیر کی مہر لگی ہوئی ہے اور پیغمبر کے فرمان کے مطابق علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ ہے اور وہ حق کا محور ہیں اور حق انہی کے اردگرد طواف کرتا ہے ان تمام چیزوں کے باوجود خلیفہ نے امام کی گواہی کو یہ بہانہ بنا کر قبول نہیں کیا کہ ضروری ہے کہ دو آدمی یا ایک آدمی اور دو عورتیں گواہی دیں۔

تیسرے یہ کہ، اگر خلیفہ نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی گواہی اس لئے قبول نہیں کیا کہ تعداد معین افراد سے کم تھی تو ایسی صورت میں قضاوت اسلام کا قانون یہ ہے کہ وہ مدعی سے قسم کا مطالبہ کرے کیونکہ اسلامی قوانین میں مال و دولت اور قرض کے مسئلوں میں ایک گواہ کی گواہی کو قسم کے ساتھ قبول کر کے فیصلہ کر سکتے ہیں، تو پھر خلیفہ نے اس قانون کے جاری کرنے سے کیوں پرہیز کیا اور جھگڑے کو ختم نہیں کیا؟

چوتھے یہ کہ، خلیفہ نے ایک طرف حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی گفتگو اور ان کے گواہوں (حضرت علی علیہ السلام اور ام ایمن) کی تصدیق کی اور دوسری طرف عمر اور ابوعبیدہ کی (ان لوگوں نے گواہی دیا تھا کہ پیغمبر نے فدک کی آمدنی کو مسلمانوں کے

درمیان تقسیم کر دیا تھا) تصدیق کی۔اور پھر فیصلہ کرنے کے لئے اٹھے اور کہا کہ سب کے سب صحیح اور سچے ہیں، کیونکہ فدک عمومی مال میں سے تھا اور پیغمبر اس کی آمدنی سے اپنے خاندان کی زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے اور باقی اموال کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرتے تھے جب کہ ضروری تھا کہ خلیفہ عمر اور ابوعبیدہ کی گفتگو پر سنجیدگی سے غور کرتے کیونکہ ان دونوں نے یہ گواہی نہیں دی تھی کہ فدک عمومی مال میں سے تھا بلکہ صرف اس بات کی گواہی دی تھی کہ پیغمبر نے بقیہ اموال کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کیا تھا، اور یہ بات حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے مالک ہونے کے ذرہ برابر بھی مخالف نہ تھی کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بیٹی کی طرف سے اجازت تھی کہ بقیہ اموال کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیں۔

خلیفہ کا وقت سے پہلے فیصلہ اور فدک لینے کا اس کا باطنی رجحان سبب بنا کہ خلیفہ ان دونوں کی اس گواہی کے بہانے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیہ مال مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرتے تھے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی ملکیت ہونے سے انکار کر دے جب کہ ان دونوں کی گواہی پیغمبر کی بیٹی کے دعوے کے مخالف نہیں تھی۔

اہم بات یہ کہ خلیفہ نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے وعدہ کیا تھا کہ فدک کے سلسلے میں ہمارا طریقہ وہی رہے گا جو پیغمبر کا طریقہ تھا اگر حقیقت میں فدک عمومی مال میں سے تھا تو پھر کیوں انہوں نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے رضایت چاہی؟ اور اگر ذاتی ملکیت تھی یعنی پیغمبر کی بیٹی کی ملکیت تھی تو اس طرح کا وعدہ جب کہ مالک اپنی ملکیت سپرد کرنے سے انکار کرے اس میں تصرف کے جواز باعث نہیں بن سکتا۔

ان تمام چیزوں کے علاوہ اگر فرض کریں کہ خلیفہ کے پاس یہ اختیارات نہیں تھے مگر وہ مہاجرین اور انصار سے رائے مشورہ اور ان کی رضایت حاصل کرنے کے بعد فدک پیغمبر کی بیٹی کے حوالے کر سکتا تھا، تو کیوں انہوں نے یہ کام نہیں کیا اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے شعلہ ورغضب کا اپنے کو مستحق قرار دیا؟

پیغمبر کی زندگی میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا اور پیغمبر نے مسلمانوں کی رضایت کو حاصل کر کے مشکل کو حل کر دیا تھا جنگ بدر میں پیغمبر کا داماد ابوالعاص (جو پیغمبر کی پروردہ بیٹی زینب کا شوہر تھا: مترجم) گرفتار ہوا تو مسلمانوں نے اس کے علاوہ اس کے ستر افراد کو بھی گرفتار کر لیا، پیغمبر کی طرف سے اعلان ہوا کہ جن کے رشتہ دار گرفتار ہوئے ہیں وہ کچھ رقم دے کر اپنے اسیروں کو آزاد کر سکتے ہیں۔ابوالعاص ایک شریف انسان اور مکہ کا تاجر تھا اور زمانہ جاہلیت میں اس کی شادی پیغمبر کی پروردہ بیٹی سے ہوئی تھی، لیکن بعثت کے بعد اپنی بیوی کے برخلاف اسلام قبول نہیں کیا اور جنگ بدر میں مسلمانوں کے مقابلے میں شریک ہوا اور گرفتار ہو گیا اس کی بیوی ان دنوں مکہ میں تھی زینب نے اپنے شوہر کی رہائی کے لئے اپنے اس ہار کو فدیہ قرار دیا جو آپ کی (پرورش کرنے والی) ماں خدیجہ نے شادی کی رات دیا تھا جب پیغمبر کی نظر زینب کے ہار پر پڑی تو بہت زیادہ گریہ کیا اور ان کی ماں خدیجہ کی فداکاری وقربانی یاد آ گئی جنہوں نے سخت مشکلات کے زمانے میں آپ کی مدد کی تھی اور اپنی تمام دولت کو اسلام کی کامیابی وترقی کے لئے خرچ کیا تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمومی اموال کے احترام کی رعایت کرنے کے لئے اپنے صحابیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: یہ ہار تمہارا ہے اور اس پر تمہارا ہی اختیار ہے اگر دل چاہے تو اس ہار کو واپس کر دو اور ابوالعاص کو بغیر فدیہ لئے ہوئے رہا کر دو آپ کے صحابیوں نے آپ کی درخواست کو قبول کر لیا۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:[1]

میں نے زینب کے واقعہ کو اپنے استاد ابوجعفر بصری علوی کے سامنے پڑھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا: کیا فاطمہ کی عظمت و منزلت زینب سے زیادہ نہ تھی؟ کیا بہتر نہیں تھا کہ خلیفہ فاطمہ کو فدک واپس کر کے ان کے قلب کو خوشحال کر دیتا؟ اگر چہ فدک تمام مسلمانوں کا مال تھا۔

ابن ابی الحدید مزید لکھتے ہیں:

میں نے کہا کہ فدک اس روایت کے مطابق کہ گروہ انبیاء بطور میراث کچھ نہیں چھوڑتے مسلمانوں کا مال تھا تو کس طرح ممکن تھا کہ مسلمانوں کا مال حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو دیدیتے؟

استاد نے کہا: کیا زینب کا وہ ہار جو اس نے اپنے شوہر ابوالعاص کی رہائی کے لئے بھیجا تھا وہ مسلمانوں کا مال نہ تھا؟

میں نے کہا: پیغمبر صاحب شریعت تھے اور تمام امور کے نفاذ اور اجراء کا حکم ان کے ہاتھوں میں تھا لیکن خلفاء کے پاس یہ اختیار نہیں تھا۔

استاد نے میرے جواب میں کہا: میں یہ نہیں کہتا کہ خلفاء زبردستی مسلمانوں سے فدک چھین لیتے اور فاطمہ کے ہاتھوں میں دیدیتے، بلکہ میرا کہنا یہ ہے کہ کیوں حاکم وقت نے فدک دینے کے لئے مسلمانوں کو راضی نہیں کیا؟ کیوں پیغمبر کی طرح نہ اٹھے اور ان کے اصحاب کے درمیان نہیں کہا کہ اے لوگو! زہرا تمہارے نبی کی بیٹی ہیں وہ چاہتی ہیں کہ پیغمبر کے زمانے کی طرح فدک کا نخلستان (کھجور کا باغ) ان کے ہاتھ میں رہے کیا تم لوگ خود اپنی مرضی سے راضی ہو کہ فدک فاطمہ کے حوالے کر دیا جائے؟

آخر میں ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

ہمارے پاس استاد کی باتوں کا جواب نہ تھا اور صرف بطور تائید کہا: ابوالحسن عبد الجبار بھی خلفاء کے بارے میں ایسا ہی اعتراض رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر چہ ان کا طور طریقہ شرع کے مطابق تھا لیکن جناب زہرا سلام اللہ علیہا کا احترام اور ان کی عظمت کا پاس و لحاظ نہیں رکھا گیا۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۴، ص۱۶۱۔

چھٹی فصل

کیا انبیاء میراث نہیں چھوڑتے؟

اس بارے میں قرآن کا نظریہ

ابوبکر نے پیغمبر کی بیٹی کو میراث نہ دینے کے لئے ایک حدیث کا سہارا لیا جس کا مفہوم خلیفہ کی نظر میں یہ تھا کہ پیغمبران خدا بطور میراث کوئی چیز نہیں چھوڑتے اور ان کی وفات کے بعد ان کی چھوڑی ہوئی چیزیں صدقہ ہوتی ہیں۔قبل اس کے کہ اس حدیث کے متن کو نقل کریں جس سے خلیفہ نے استناد کیا ہے،ضروری ہے کہ اس مسئلے کو قرآن سے حل کریں کیونکہ قرآن مجید حدیث صحیح کو حدیث باطل سے پہچاننے کا بہترین ذریعہ ہے اور اگر قرآن نے اس موضوع کی تصدیق نہیں کیا تو اس حدیث کو (اگر چہ ابوبکر ناقل ہوں) صحیح حدیث شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے من گھڑت اور باطل حدیث شمار کیا جائے گا۔

قرآن کریم کی نظر میں اور اسلام میں میراث کے احکام کی رو سے پیغمبروں کی اولاد یا ان کے وارثوں کو مستثنیٰ کرنا قانون میراث کے مطابق غیر منطقی بات ہے اور جب تک قطعی دلیل ان آیات ارث کو تخصیص نہ دے میراث کے تمام قوانین تمام افراد کو کہ انہی میں پیغمبر کی تمام اولادیں اور وارثین ہی شامل ہیں۔

اس جگہ سوال کرنا چاہیئے کہ کیوں پیغمبر کی اولاد میراث نہیں لے سکتی؟ ان کی رحلت کے بعد ان کا گھر اور تمام زندگی کے اسباب ان سے کیوں لے لیا جائے؟ آخر پیغمبر کے وارث کس گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد تمام لوگ گھر سے باہر نکال دیئے جائیں؟

اگر چہ پیغمبر کے وارثوں کو میراث سے محروم کرنا عقلا بعید ہے لیکن اگر وحی کی طرف سے قطعی اور صحیح دلیل موجود ہو کہ تمام انبیاء کوئی چیز بعنوان میراث نہیں چھوڑتے اور ان کا ترکہ عمومی مال شمار ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اٰمَنَّا وَصَدَّ قْنَا حدیث کو قبول کریں گے اور غلط فہمی کو دور کردیں گے اور میراث سے مربوط آیتوں کو صحیح حدیث کے ذریعے تخصیص دیں گے،لیکن اہم بات یہ ہے کہ کیا اس طرح کی حدیثیں پیغمبر سے وارد ہوئی ہیں؟

وہ حدیث جو خلیفہ نے نقل کی ہے اس کو پہچاننے کے لئے بہترین راستہ یہ ہے کہ حدیث کے مفہوم کو قرآن کی آیتوں سے ملائیں اگر قرآن کے مطابق ہو تو قبول کریں گے اور اگر قرآن کے مطابق نہ ہو تو اسے رد کردیں گے۔جب ہم قرآنی آیتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں ملتا ہے کہ قرآن نے دو جگہوں پر پیغمبر کی اولاد کی میراث کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے

میراث لینے کوایک مسلّم حق بیان کیا ہے وہ آیتیں جو اس مطلب کو بیان کرتی ہیں یہ ہیں:

۱۔یحییٰ علیہ السلام نے زکریا علیہ السلام سے میراث پائی

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ﴿۵﴾ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ﴿۶﴾

اور مجھے اپنے بعد اپنے خاندان والوں سے خطرہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو اب مجھے ایک ایسا ولی اور وارث عطا فرمادے جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو اور پروردگار اسے اپنا پسندیدہ بھی قرار دے دے۔[۱]

اس آیت کو اگر ہر اس شخص کے سامنے پڑھا یا جائے جو لڑائی جھگڑوں سے دور ہو تو وہ یہی کہے گا کہ حضرت زکریا نے خداوند عالم سے ایک بیٹا طلب کیا تھا جو ان کا وارث ہو کیونکہ ان کو اپنے دوسرے وارثوں سے خطرہ اور خوف محسوس ہو رہا تھا اور آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی دولت وثروت ان لوگوں تک پہنچے، وہ کیوں خوف محسوس کر رہے تھے اس کی وضاحت بعد میں کریں گے۔

آیت میں یرثنی سے مراد میراث میں سے مال لینا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ لفظ مال کی وراثت کے علاوہ دوسری چیزوں میں استعمال نہیں ہوتا مثلاً نبوت اور علوم کا وارث ہونا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک دوسرے والے معنی کے ساتھ کوئی قرینہ موجود نہ ہو اس وقت تک یہ مال سے میراث لینا مراد ہوگا نہ کہ علم اور نبوت سے میراث لینا۔[۲]

یہاں ہم ان قرینوں کو پیش کر رہے ہیں جو اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ یرثنی و یرث من آل یعقوب سے مراد مال میں میراث ہے نہ کہ علم و نبوت میں میراث لینا۔

۱۔لفظ یرثنی اور یرث سے یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہی مال میں میراث ہے نہ کہ غیر میں، اور جب تک اس کے برخلاف کوئی قطعی دلیل نہ ہو جب تک اس کو اس معنی سے خارج نہیں کر سکتے، اگر آپ قرآن میں اس لفظ کے تمام مشتقات کو غور سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ لفظ پورے قرآن میں (سوائے سورۂ فاطر آیت ۳۲ کے) مال میں وراثت کے متعلق استعمال ہوا ہے اور یہ خود بہترین دلیل ہے کہ ان دولفظوں کو اس کے اسی معروف و مشہور معنی میں استعمال کریں۔

۲۔نبوت اور امامت خداوند عالم کا فیض ہے جو مسلسل مجاہدت، فداکاری اور ایثار کے ذریعے باعظمت انسان کو نصیب ہوتا ہے اور یہ فیض بغیر کسی ملاک کے کسی کو دیا نہیں جاتا اس لئے یہ قابل میراث نہیں ہے بلکہ ایک ایسے باعظمت و

---

[۱] سورۂ مریم، آیت ۵، ۶

[۲] جی ہاں، کبھی کبھی یہی لفظ کسی خاص قرینے کی وجہ سے میراث علم میں استعمال ہوتا ہے مثلاً ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا (فاطر، آیت ۳۲) یعنی ہم نے اس کتاب کو اس گروہ سے جس کو نے چنا ہے ان کو میراث میں دیا، یہاں پر لفظ کتاب واضح وروشن قرینہ ہے کہ یہاں مال میں میراث مراد نہیں ہے بلکہ قرآن کے حقائق سے آگاہی کی میراث مراد ہے۔

مقدس گروہ میں ہے کہ ملاک نہ ہونے کی صورت میں ہرگز کسی کو دیا نہیں جاتا اگر چہ پیغمبر کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

یہی وجہ تھی کہ زکریا نے پروردگار عالم سے بیٹے کی درخواست نہیں کی جو نبوت ورسالت کا وارث ہو اور اس بات کی تائید قرآن مجید میں ہے کہ:

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ[1]

خداوند عالم سب سے زیادہ جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔

۳۔حضرت زکریا نے صرف خدا سے بیٹے کی تمنا ہی نہیں کی بلکہ کہا کہ پروردگارا سے میرا پاک و پاکیزہ اور پسندیدہ وارث قرار دے اگر اس سے مراد مال میں میراث ہو تو صحیح ہے کہ حضرت زکریا اس کے حق میں دعا کریں کہ واجعلہ رب رضیاً (خدایا) اسے مورد پسند قرار دے۔

کیونکہ ممکن ہے کہ مال کا وارث کوئی غیر سالم شخص ہو،لیکن اگر اس سے مراد نبوت ورسالت کا وارث ہو،تو اس طرح سے دعا کرنا صحیح نہیں ہوگا اور یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ ہم خدا سے دعا کریں کہ خدایا ایک علاقہ کے لئے پیغمبر بھیج دے اور اسے پاک ومورد پسند قرار دے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایسی دعا پیغمبر کے بارے میں جو خداوند عالم کی جانب سے مقام رسالت ونبوت پر فائز ہو باطل ہو جائے گی۔

٤۔حضرت زکریا اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ میں اپنے عزیزوں اور چچازاد بھائیوں سے خوف محسوس کرتا ہوں لیکن ابتدا میں زکریا کے ڈرنے کی کیا وجہ تھی؟

کیا انہیں اس بات کا خوف تھا کہ ان کے بعد رسالت ونبوت کا منصب ان نااہلوں تک پہنچ جائے گا اسی لئے انہوں نے اپنے لئے خدا سے ایک بیٹے کی تمنا کی؟ یہ احتمال بالکل بے جا ہے کیونکہ خداوند عالم نبوت ورسالت کے منصب کو ہرگز نااہلوں کو نہیں دیتا کہ ان کو اس بات کا خوف ہو۔ یا حضرت زکریا کو اس بات کا ڈر تھا کہ ان کے بعد دین اور اس کے قوانین ختم ہو جائیں گے اور ان کی قوم الگ الگ گروہوں میں ہو جائے گی؟ اس طرح کا خوف بھی انہیں نہیں تھا کیونکہ خداوند عالم اپنے بندوں کو ایک لحہ کے لئے بھی اپنی ہدایت کے فیض سے محروم نہیں کرتا اور مسلسل اپنی حجت ان کی رہبری کے لئے بھیجتا ہے اور ان لوگوں کو بھی بغیر رہبر کے نہیں چھوڑتا۔

اس کے علاوہ اگر مراد یہی تھی تو ایسی صورت میں زکریا کو بیٹے کی دعا نہیں کرنی چاہیئے تھی، بلکہ صرف اتنا ہی کافی تھا کہ دعا کرتے کہ پروردگارا ان لوگوں کے لئے پیغمبر بھیج دے (چاہے ان کی نسل سے ان کا وارث ہو چاہے دوسرے کی نسل سے) تا کہ ان کو جاہلیت کے دور سے نجات دیدے حالانکہ زکریا نے وارث کے نہ ہونے پر خوف محسوس کیا۔

---

[1] سورۂ انعام،آیت ١٢٤۔

دوسوالوں کا جواب

موردبحث آیت کے سلسلے میں دواعتراض ذکر ہوئے ہیں جس کی طرف اہلسنت کے بعض دانشمندوں نے اشارہ کیا ہے یہاں پرہم دونوں سوالوں کا جائزہ لے رہے ہیں

الف: حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے والد کے زمانے میں منصب نبوت پر فائز ہوئے لیکن ہرگز ان کے مال سے میراث نہیں لی کیونکہ اپنے والد سے پہلے ہی شہید ہوگئے اس لئے ضروری ہے کہ لفظ "یرثنی" کو نبوت میں وارث کے عنوان سے تفسیر کریں نہ کہ مال میں وراثت سے۔

جواب:

ہرحالت میں اس اعتراض کا جواب دینا ضروری ہے چاہے اس سے مراد مال کا وارث ہو یا نبوت کا وارث ہو، چونکہ نبوت میں وارث ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے بعد منصب نبوت پر فائز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آیت کی تفسیر میں دونوں نظریوں پر اشکال ہوا ہے اور تفسیر مال میں وارث ہونے سے مخصوص نہیں ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کا زکریا علیہ السلام سے میراث پانا صرف ان کی دعاؤں کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ان کی دعا صرف یہ تھی کہ خداوندعالم انہیں صالح بیٹا عطا کرے اور بیٹے کی تمنا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ زکریا علیہ السلام کا وارث بنے، خدا نے ان کی دعا کو قبول کرلیا اگرچہ حضرت زکریا علیہ السلام نے جو اس بیٹے کی تمنا کی اس مقصد (یحییٰ علیہ السلام کا ان سے میراث لینا) میں کامیاب نہ ہوئے۔

موردبحث آیت میں تین جملے استعمال ہوئے ہیں جن کی ہم وضاحت کررہے ہیں:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا

پروردگارا! مجھے ایک بیٹا عطا کر۔

يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوْبَ میر

ااور یعقوب کے خاندان کا وارث ہو۔

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيّاً

پروردگارا! اسے مورد پسند قرار دے۔

ان تین جملوں میں پہلا اور تیسرا جملہ بطور درخواست استعمال ہوا ہے جو حضرت زکریا کی دعا کو بیان کرتا ہے یعنی انہوں نے خدا سے یہ دعا کی کہ مجھے لائق و پسندیدہ بیٹا عطا کر، لیکن غرض اور مقصد یا دوسرے لفظوں میں علت غائی، مسئلہ وراثت تھا۔

جب کہ مسئلہ وراثت دعا کا جزء نہ تھا اور جس چیز کی جناب زکریا نے خدا سے درخواست کی تھی وہ پوری ہوگئی اگرچہ

ان کی غرض ومقصد پورا نہ ہوا اور ان کا بیٹا ان کے بعد موجود نہ رہا کہ ان کے مال یا نبوت کا وارث ہوتا۔[1] وراثت جزء دعا نہ تھی بلکہ امید تھی جو اس درخواست پر اثر انداز ہوئی، اس بات پر بہترین گواہ یہ ہے کہ دعا کی عبارت اور زکریا کی درخواست دوسرے سورہ میں اس طرح وارد ہوئی ہے، اور وہاں پر اصلاً وراثت کا تذکرہ نہیں ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ [2]

اس وقت زکریا نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں دعا کی پروردگارا! مجھے اپنی جانب سے ایک صالح اور پاکیزہ بیٹا عطا فرما اور تو اپنے بندوں کی دعا کو سننے والا ہے۔

اب آپ اس آیت میں ملاحظہ کرسکتے ہیں کہ اس درخواست میں وراثت دعا کا حصہ نہیں ہے بلکہ درخواست میں پاکیزہ نسل کا تذکرہ ہے اور سورۂ مریم میں ذریت کی جگہ پر لفظ ولیاً اور طیبۃ کی جگہ پر لفظ رضیاً استعمال ہوا ہے۔

ب: مورد بحث آیت میں ضروری ہے کہ زکریا کا فرزند دو آدمیوں سے میراث لے ایک زکریا سے دوسرے یعقوب کے خاندان سے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: **یرثنی و یرث من آل یعقوب** یعقوب کے خاندان کی تمام وراثت، نبوت کی وراثت کا حصہ نہیں بن سکتی۔

جواب: آیت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ زکریا کا فرزند، خاندان یعقوب کے تمام افراد کا وارث ہو، بلکہ آیت کا مفہوم لفظ من سے جو کہ تبعیض کا فائدہ دیتا ہے، یہ ہے کہ اس خاندان کے بعض افراد سے میراث حاصل کرے نہ کہ تمام افراد سے، اور اس بات کے صحیح ہونے کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنی ماں سے یعقوب کے خاندان کے کسی فرد سے میراث حاصل کریں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس یعقوب سے مراد کون ہے کیا وہی یعقوب بن اسحاق مراد ہیں یا کوئی دوسرا فی الحال مشخص نہیں ہے۔

۲: سلیمان نے داؤد سے میراث پائی

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ [3]

سلیمان نے داؤد سے میراث پائی۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ سلیمان نے مال وسلطنت کو حضرت داؤد سے بطور میراث حاصل کیا اور یہ خیال کرنا کہ اس سے مراد علم کا وارث ہونا تھا دو لحاظ سے باطل ہے۔

---

[1] بعض قاریوں نے یرثنی کو جزم کے ساتھ پڑھا ہے اور اسے جواب یا ھَب (کہ جو صیغہ امر ہے) کی جزا جانا ہے یعنی ان تھب ولیاً یرثنی اگر بیٹا عطا کرے گا تو وہ میرا وارث ہوگا۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۳۸۔

[3] سورۂ نمل، آیت ۱۶۔

۱۔اصطلاح میں کلمہ ورث کے معنی مال سے میراث لینا ہے اور علم کی وراثت مراد لینا تفسیر کے برخلاف ہے جو قرینہ قطعی کے بغیر صحیح نہیں ہوگا۔

۲۔چونکہ اکتسابی علم استاد سے شاگرد کی طرف منتقل ہوتا ہے اور مجازاً یہ کہنا صحیح ہے کہ فلاں شخص اپنے استاد کے علم کا وارث ہے لیکن مقام نبوت اور علوم الٰہی وہبی ہیں اور اکتسابی اور موروثی نہیں ہیں اور خدا جسے چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے لہٰذا وراثت کی تفسیر اس طریقے کے علوم و معارف اور مقامات اور منصبوں سے اس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک قرینہ موجود نہ ہو کیونکہ بعد میں آنے والے پیغمبر نے نبوت اور علم کو خدا سے لیا ہے نہ کہ اپنے والد سے۔

اس کے علاوہ اس آیت سے پہلے والی آیت میں خداوند عالم داؤد اور سلیمان کے بارے میں فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ [1]

اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا اور دونوں نے (خوش ہو کر) کہا خدا کا شکر جس نے ہم کو اپنے بہتیرے ایماندار بندوں پر فضیلت دی۔

کیا آیت سے یہ ظاہر نہیں ہے کہ خداوند عالم نے دونوں کو علم و دانش عطا کیا اور سلیمان کا علم وہبی تھا نہ کہ موروثی؟

سورۂ نمل اور سورۂ مریم کی آیتوں کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شریعت الٰہی کا پچھلے پیغمبروں کے بارے میں یہ ارادہ نہیں تھا کہ ان کی اولادیں ان کی میراث نہ لیں، بلکہ ان کی اولادیں بھی دوسرں کی اولادوں کی طرح ایک دوسرے سے میراث حاصل کریں۔

یہی وجہ ہے کہ صریحی طور پر وہ آیتیں جو یحییٰ اور سلیمان کی اپنے والد سے میراث لینے کے متعلق ہیں انہیں حضرت فاطمہ نے اپنے خطبہ میں جو آپ نے پیغمبر کے بعد مسجد نبوی میں ارشاد فرمایا تھا بیان کیا اور ان دونوں آیتوں سے استناد کرتے ہوئے اس فکر کے غلط ہونے پر استدلال کیا اور فرمایا:

هذا كتاب الله حكماً عدلاً و ناطقاً فصلاً يقول يرثني و يرث من آل يعقوب و ورث سليمان داؤد [2]

یہ کتاب خدا حاکم اور عادل و گویا ہے اور بہترین فیصلہ کرنے والی ہے جس کا بیان یہ ہے کہ (یحییٰ نے) مجھ (زکریا سے) اور یعقوب کے خاندان سے میراث پائی (پھر کہا) سلیمان نے داؤد سے میراث پائی۔

---

[1] سورۂ نمل، آیت ۱۵۔

[2] احتجاج طبرسی، ج۱، ص ۱۴۵، (مطبوعہ نجف اشرف)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب حدیث

گذشتہ بحث میں قرآن کی آیتوں نے یہ ثابت کردیا کہ پیغمبروں کے وارث، پیغمبروں سے میراث پاتے تھے اور ان کے بعد ان کی چھوڑی ہوئی چیزیں (میراث) غریبوں اور محتاجوں میں بعنوان صدقہ تقسیم نہیں ہوتی تھیں، اب اس وقت ہم ان روایتوں کی تحقیق کریں گے جنہیں اہلسنت کے علماء نے نقل کیا ہے اور خلیفہ اول کے اس عمل کی توجیہ کی ہے جو انہوں نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو ان کے باپ کی میراث لینے سے محروم کردیا تھا۔

ابتدا میں ہم ان حدیثوں کو نقل کررہے ہیں جو حدیث کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں پھر ان کے معنیٰ کو بیان کرینگے۔

1۔ نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوَرِثُ ذَهَبًا وَلَا فِضَّةً وَلَا اَرْضًا وَلَا عِقَاراً وَلَا دَاراً وَلٰكِنَّا نُوَرِّثُ الْاِيْمَانَ وَالْحِكْمَةَ وَالْعِلْمَ وَالسُّنَّةَ

ہم گروہ انبیاء سونا، چاندی، زمین اور گھر وغیرہ بطور میراث نہیں چھوڑتے، بلکہ ہم ایمان، حکمت، علم اور حدیث بعنوان میراث چھوڑتے ہیں۔

2۔ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَا يُوْرِثُون۔

بے شک انبیاء کوئی چیز بھی بعنوان میراث نہیں چھوڑتے (یا ان کی چیزیں میراث واقع نہیں ہوتیں)

3۔ اِنَّ النَّبِيَّ لَا يُوْرِثُ۔

بے شک پیغمبر کوئی چیز میراث نہیں چھوڑتے (یا میراث واقع نہیں ہوتی)

4۔ لَا نُوْرِث، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ۔

ہم کوئی چیز میراث نہیں چھوڑتے بلکہ جو چیز ہمارے بعد باقی رہتی ہے وہ صدقہ ہے۔

یہ ان تمام حدیثوں کی اصلی عبارتیں ہیں جنہیں اہلسنت نے نقل کیا ہے خلیفہ اول نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو ان کے باپ کی میراث نہ دینے کے لئے چوتھی حدیث کا سہارا لیا، اس سلسلے میں پانچویں حدیث بھی ہے جسے ابوہریرہ نے نقل کیا ہے لیکن چونکہ معلوم ہے کہ ابوہریرہ صاحب نے یہ حدیث گڑھی ہے جیسا کہ (خود ابوبکر جوہری کتاب السقیفہ کے مولف نے اس حدیث کے متن کی غرابت کا اعتراف کیا ہے)[1]

اس لئے ہم نے اسے نقل کرنے سے پرہیز کیا ہے اب ہم ان چاروں حدیثوں کا تجزیہ وتحلیل کرتے ہیں۔

پہلی حدیث کے سلسلے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد یہ نہیں ہے کہ انبیاء کوئی چیز میراث میں نہیں چھوڑتے، بلکہ مراد یہ ہے کہ پیغمبروں کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی عمر کو سونے چاندی، مال و دولت کے جمع کرنے میں خرچ

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱۶ ص۲۲۰۔

کریں اور اپنے وارثوں کے لئے مال و دولت چھوڑیں اور ان کی جو یادگاریں باقی ہیں وہ سونا چاندی نہیں ہیں، بلکہ علم وحکمت اور سنت ہیں، اسکا مطلب یہ نہیں کہ اگر پیغمبر نے اپنی پوری زندگی لوگوں کی ہدایت ورہبری میں صرف کی اور تقوی اور زہد کے ساتھ زندگی بسر کی تو ان کے انتقال کے بعد اس حکم کی بناء پر کہ پیغمبر کوئی چیز بطور میراث میں نہیں چھوڑتے، ان کے وارثوں سے فوراً ان کا ترکہ لے کر صدقہ دیدیں۔

واضح لفظوں میں اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ پیغمبروں کی امتیں یا ان کے ورثاء اس بات کے منتظر نہ رہیں کہ وہ اپنے بعد مال و دولت بطور میراث چھوڑیں گے، کیونکہ وہ لوگ اس کام کے لئے نہیں آئے تھے، بلکہ وہ اس لئے بھیجے گئے تھے کہ لوگوں کے درمیان دین وشریعت، علم وحکمت کو پھیلائیں اور انہی

چیزوں کو اپنی یادگار چھوڑیں، شیعہ دانشمندوں نے اسی مضمون میں ایک حدیث امام صادق سے نقل کی ہے اور یہ اس بات پر گواہ ہے کہ پیغمبر کا مقصد یہی تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

انَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وذَالِكَ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِرْهَماً وَلَادِيْنَاراً وَاِنَّمَا وُرِثُوْا اَحَادِيْثَ مِنْ اَحَادِيْثِهِمْ [1]

علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ پیغمبروں نے درہم و دینار ورثہ میں نہیں چھوڑا ہے بلکہ (لوگوں کے لئے) اپنی حدیثوں میں سے حدیث کو یادگار چھوڑا ہے

اس حدیث اور اس سے مشابہ حدیث کا مراد یہ ہے کہ پیغمبروں کی شان مال کو جمع کر کے میراث میں چھوڑ نا نہیں ہے، بلکہ ان کی عظمت وشان کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی امت کے لئے علم وایمان کو بطور میراث چھوڑیں، لہٰذا یہ تعبیر اس بات کو ثابت نہیں کرتی کہ اگر پیغمبر کوئی چیز میراث میں چھوڑ دیں تو ضروری ہے کہ ان کے وارثوں سے لے لیا جائے۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دوسری اور تیسری حدیثوں کا مقصد بھی یہی ہے اگر چہ مختصر اور غیر واضح نقل ہوئی ہیں۔ حقیقت میں جو پیغمبر نے فرمایا: وہ صرف ایک ہی حدیث ہے جس میں کتر بیونت کر کے مختصراً نقل کیا گیا ہے۔

اب تک ہم نے شروع کی تین حدیثوں کی بالکل صحیح تفسیر کی ہے اور ان کے قرآن سے اختلافات کو جو پیغمبروں کی اولادوں کے وارث ہونے بتاتا ہے، اسے برطرف کر دیا۔

مشکل چوتھی حدیث میں ہے، کیونکہ مذکورہ توجیہ اس میں جاری نہیں ہوگی، کیونکہ حدیث میں صراحتاً موجود ہے کہ پیغمبر یا پیغمبروں کا ترکہ صدقہ کے عنوان سے لے لینا چاہئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس حدیث کا مقصد یہی ہے کہ یہ حکم تمام پیغمبروں کے لئے ہے تو اس صورت میں

---

[1] مقدمۂ معالم ص۱ منقول از کلینی۔

اس کا مفہوم قرآن کے مخالف ہوگا اور پھر معتبر نہیں ہوگی، اور اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نافذ ہے اور تمام پیغمبروں کے درمیان صرف وہ اس خصوصیت کے حامل ہیں، تو ایسی صورت میں اگر چہ کلی طور پر قرآن مجید کے مخالف نہیں ہے، لیکن قرآن مجید کی متعدد آیتوں کے مقابلے میں عمل کرنا خصوصاً میراث اور اس کے وارثوں کے درمیان تقسیم کرنا، جو کلی وعمومی ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شامل کرتی ہے بشرطیکہ یہ حدیث اس قدر صحیح ومعتبر ہو کہ ان قرآنی آیتوں کی تخصیص کردے، لیکن افسوس کہ یہ حدیث کہ جس پر خلیفہ اول نے اعتماد کیا ہے اس قدر غیر معتبر ہے جس کو ہم یہاں بیان کررہے ہیں۔

۱۔ پیغمبر کے صحابیوں میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو نقل نہیں کیا ہے اور صرف اس کو نقل کرنے میں خلیفہ اول فرد فرید ہیں۔

اور ہم نے جو یہ کہا ہے کہ حدیث نقل کرنے میں صرف وہی ہیں تو یہ غلط عبارت نہیں ہے بلکہ یہ مطلب تاریخ کے دامن میں تحریر ہے اور مسلمات میں سے ہے چنانچہ ابن حجر نے تنہا اس حدیث کے نقل کرنے کی بنا پر ان کی اعلمیت کا اعتراف کیا ہے۔ [۱]

جی ہاں، صرف تاریخ میں جو چیز بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور عباس کے درمیان پیغمبر کی میراث کے بارے میں جو اختلاف تھا۔ [۲] عمر نے دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے اسی حدیث کا سہارا لیا جسے خلیفہ اول نے نقل کیا تھا اور اس مجمع میں سے پانچ لوگوں نے اس کے صحیح ہونے پر گواہی دی۔ [۳] ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

پیغمبر کی رحلت کے بعد صرف ابوبکر نے اس حدیث کو نقل کیا تھا، ان کے علاوہ کسی نے اس حدیث کو نقل نہیں کیا اور کبھی کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مالک بن اوس نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ البتہ، عمر کی خلافت کی زمانے میں بعض مہاجرین نے اس کے صحیح ہونے کی گواہی دی ہے۔ [۴]

ایسی صورت میں کیا یہ صحیح ہے کہ خلیفہ جو کہ خود بھی مدعی ہے ایسی حدیث کو بطور گواہ پیش کرے کہ اس زمانے میں اس کے علاوہ کسی کو بھی اس حدیث کی اطلاع نہ ہو؟

ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ قاضی فیصلہ کرتے وقت اپنے علم پر عمل کرسکتا ہے اور اپنے کینہ اپنے علم وآگاہی کی بنیاد پر فیصلہ کرے، اور چونکہ خلیفہ نے اس حدیث کو پیغمبر سے سنا تھا لہٰذا اپنے علم کی بنیاد پر اولاد کی میراث کے سلسلے میں جو آیتیں

---

[۱] صواعق محرقہ ص۱۹۔
[۲] حضرت علی علیہ السلام کا عباس سے اختلاف جس طرح سے اہلسنت کی کتابوں میں نقل ہوا ہے وہ محققین شیعہ کی نظر میں غیر قابل قبول ہے۔
[۳] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱۶ ص۲۲۹، صواعق محرقہ ص۲۱۔
[۴] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱۶ ص۲۲۷۔

ہیں انہیں تخصیص دیدیں، اور پھر اسی اساس پر فیصلہ کریں، لیکن افسوس، خلیفہ کا متضاد کردار اور فدک دینے میں کشمکش کا شکار ہونا اور پھر دوبارہ فدک واپس کرنے سے منع کرنا (جس کی تفصیل گذر چکی ہے) اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انہیں حدیث کے صحیح ہونے پر یقین واطمینان نہ تھا۔

اس بناء پر ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ خلیفہ نے پیغمبر کی بیٹی کو ان کے باپ کی میراث نہ دینے میں اپنے علم کے مطابق عمل کیا ہے اور قرآن مجید کی آیتوں کو اس حدیث سے جو پیغمبر سے سنا تھا مخصوص کر دیا ہے؟

۲۔ اگر خداوند عالم کا پیغمبر کے ترکہ کے بارے یہ حکم تھا کہ ان کا مال عمومی ہے اور مسلمانوں کے امور میں صرف ہو، تو کیوں پیغمبر نے اپنے تنہا وارث سے یہ بات نہیں بتائی؟ کیا یہ بات معقول ہے کہ پیغمبر اپنی بیٹی سے اس حکم الٰہی کو جو خود ان سے مربوط تھا پوشیدہ رکھیں؟ یا یہ کہ ان کو باخبر کر دیں مگر وہ اسے نظر انداز کر دیں؟

نہیں۔ یہ ایسا ہرگز ممکن نہیں ہے، کیونکہ پیغمبر کی عصمت اور آپ کی بیٹی کا گناہ سے محفوظ رہنا اس چیز کے لئے مانع ہے کہ اس طرح کا احتمال ان کے بارے میں دیا جائے؛ بلکہ ضروری ہے کہ حضرت فاطمہ کے انکار کو اس بات پر گواہ سمجھیں کہ ان چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ حدیث ان لوگوں کی من گھڑت ہے جن لوگوں نے سیاسی طور پر یہ ارادہ کیا کہ پیغمبر کے حقیقی وراث کو ان کے شرعی حق سے محروم کر دیں۔

۳۔ وہ حدیث جس کو خلیفہ نے نقل کیا تھا اگر واقعاً وہ صحیح تھی تو پھر کیوں فدک مختلف سیاستوں کا شکار رہا اور ہر نئے خلیفہ اپنے دوران حکومت میں متضاد کردار ادا کیا؟ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فدک خلفاء کے زمانے میں ایک آدمی کے پاس نہ تھا کبھی فدک ان کے حقیقی مالکوں کو واپس کیا گیا تو کبھی حکومت کے قبضے میں رہا، بہرحال ہر زمانے میں فدک ایک حساس مسئلہ اور اسلام کے پیچیدہ مسائل کے طور پر تھا۔ [1] جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ عمر کی خلافت کے دور میں فدک علی علیہ السلام اور عباس کو واپس کر دیا گیا تھا [2] خلافت عثمان کے زمانے میں مروان کی جاگیر تھا معاویہ کے خلافت کے دور میں اور امام حسن بن علی کی شہادت کے بعد فدک تین آدمیوں کے درمیان (مروان، عمرو بن عثمان، یزید بن معاویہ میں) تقسیم ہوا پھر مروان کی خلافت کے دوران تمام فدک اسی کے اختیار میں تھا اور مروان نے اسے اپنے بیٹے عبد العزیز کو دے دیا، اور خود اس نے بھی اپنے بیٹے عمر کے نام ہبہ کر دیا۔

---

[1] اس سلسلے میں مزید معلومات کے لئے کتاب الغدیر مطبوعہ نجف ج ۷ ص ۱۵۶ تا ۱۹۶، پڑھ سکتے ہیں۔

[2] یہ عبارت امام کی اس نامہ سے سازگار نہیں ہے جو آپ نے عثمان بن حنیف کو لکھا تھا آپ وہاں لکھتے ہیں:

كانت في ايدنا فدك من كل ما اظلته السماء فشحت عليها نفوس قوم و سخت عنها نفوس قوم آخرين و نعم الحكم الله

وہ چیز جس پر آسمان نے اپنا سایہ کیا ہے اس میں سے صرف فدک میرے اختیار میں ہے جب کہ بعض گروہوں نے اسے لالچ کی نگاہ سے دیکھا اور دوسرے گروہ نے اسے نظر انداز کر دیا واہ کیا خوب ہے خدا کا فیصلہ۔

عمر بن عبد العزیز نے اپنی حکومت کے زمانے میں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی اولادوں کے حوالے کر دیا اور جب یزید بن عبد الملک نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو فدک کو حضرت فاطمہ کے بچوں سے واپس لے لیا اور کافی عرصے تک بنی مروان کے خاندان میں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں جاتا رہا یہاں تک کہ ان کی حکومت کا زمانہ ختم ہو گیا۔

بنی عباس کی خلافت کے زمانے میں بھی فدک مختلف لوگوں کے پاس رہا، ابو العباس سفاح نے اسے عبد اللہ بن حسن بن علی کے حوالے کر دیا، ابوجعفر منصور نے اسے واپس لے لیا، مہدی عباسی نے اسے اولاد فاطمہ کو واپس کر دیا موسیٰ بن مہدی اور اس کے بھائی نے اسے واپس لے لیا یہاں تک خلافت مامون تک پہنچی اور اس نے فدک اس کے حقیقی مالک کو واپس کر دیا اور جب متوکل خلیفہ ہوا تو اس نے فدک کو اس کے حقیقی مالک سے چھین لیا۔ [۱]

اگر پیغمبر کے فرزندوں کو پیغمبر کے ترکہ سے محروم کرنے والی حدیث صحیح اور مسلّم ہوتی تو فدک کبھی بھی در بدر کی ٹھوکر نہ کھاتی۔

٤۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک کے علاوہ دوسری چیزیں بھی ورثہ میں چھوڑیں، لیکن خلیفہ اول نے تمام ورثے میں سے صرف فدک کو ہی زبردستی چھین لیا اور باقی تمام مال رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کے گھر میں موجود تھا اور بالکل اسی طرح ان کے ہاتھوں میں باقی رہا اور خلیفہ نے کبھی بھی ان کی طرف رخ نہیں کیا اور کسی کو بھی اس کے لئے نہ بھیجا کہ جا کر گھروں کے حالات معلوم کرے کہ کیا وہ خود پیغمبر کی ملکیت ہے یا حضرت نے اپنی زندگی ہی میں اپنی بیویوں کو دیدیا تھا۔

ابوبکر نے نہ یہ کہ اس سلسلے میں تحقیق نہیں کیا بلکہ پیغمبر کے جوار میں دفن ہونے کے لئے اپنی بیٹی عائشہ سے اجازت مانگی، کیونکہ وہ اپنی بیٹی کو پیغمبر کا وارث مانتے تھے۔

انہوں نے نہ یہ کہ ازدواج پیغمبر کے گھروں کو نہیں لیا بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی، عمامہ، تلوار، سواری، لباس وغیرہ جو حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ میں تھے تو واپس نہیں لیا اور اس سلسلے میں کبھی کوئی گفتگو بھی نہیں کی۔

ابن ابی الحدید معتزلی اس تبعیض کو دیکھ کر اتنا مبہوت ہو گئے کہ وہ چاہتے تھے کہ خود اپنی طرف سے اس کی توجیہ کریں لیکن ان کی توجیہ اتنی بے اساس اور غیر معقول ہے کہ وہ نقل اور تنقید کے لائق نہیں ہے [۲]

کیا میراث سے محروم ہونا صرف پیغمبر کی بیٹی سے مخصوص تھا، یا ان میں تمام ورثاء بھی شامل تھے، یا اصلاً محرومیت کی بات ہی نہ تھی صرف سیاسی مسئلہ تھا اور وہ یہ کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو ان کی میراث سے محروم کر دیا جائے؟

٥۔ اگر شریعت اسلامی میں پیغمبر کے وارثوں کا ان کی میراث سے محروم ہونا یقینی امر تھا تو کیوں پیغمبر کی بیٹی نے جن کی عصمت پر آیت تطہیر کا پہرہ ہے اپنے شعلہ ور خطبہ میں اس طرح فرمایا:

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱٦ ص ۲۱۷۔ ۲۱٦۔

[۲] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱٦ ص ۲٦۱۔

یابن ابی قحافة أفی کتاب الله ان ترث أباك و لاارث ابی؟ لقد جئت شیئاً فریاً افعلی عمد ترکتم کتاب الله فنبذتموہ وراء ظهورکم و... و زعمتم ان لا حظّ لی و لاارث من ابی و لارحم بیننا؟ افخصّکم الله بآیة اخرج ابی منها ام هل تقولون: ان اهل ملتین لایتوارثان؟ اولست أنا و ابی من اهل ملة واحدة ام أنتم اعلم بخصوص القرآن و عمومه من ابی و ابن عمّی؟ فدونکها مخطومة مرحولة تلقاك یوم حشر کفنعم الحکم الله و الزعیم محمد و الموعد القیامة و عند الساعة یخسر المبطلون[1]

اے قحافہ کے بیٹے! کیا کتاب خدا میں ایسا ہے کہ تو اپنے باپ سے میراث حاصل کرے اور میں اپنے باپ کی میراث سے محروم رہوں؟ تو نے تو عجیب بات کہی ہے کیا تو نے جان بوجھ کر خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا ہے اور اسے نظر انداز کر دیا ہے اور یہ خیال کیا کہ میں اپنے بابا کی میراث حاصل نہیں کروں گی اور ہمارے اور ان کے درمیان خونی رشتہ نہیں ہے؟ کیا خدا نے اس سلسلے میں تمہارے لئے کوئی مخصوص آیت نازل کی ہے اور اس آیت میں میرے بابا کو وراثت کے قانون سے محروم کر دیا ہے یا یہ کہو کہ دو مذہب کے ماننے والے ایک دوسرے سے میراث نہیں لیتے؟ کیا ہم اور ہمارے بابا ایک مذہب کے ماننے والے نہیں ہیں؟ کیا تم قرآن کی تمام عام وخاص چیزوں میں میرے بابا اور ان کے چچازاد بھائی (علی ابن ابیطالب) سے زیادہ معلومات رکھتے ہو؟ لے اس مرکب کو جو مہار و زین کے ساتھ ہے جو قیامت کے دن تمہارے روبرو ہوں گے، واہ کیا خداوند عالم کا فیصلہ ہے اور کیا بہتر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہبری ہے میرا اور تمہارا وعدہ قیامت کے دن کے لئے ہے اور قیامت کے دن باطل عقیدے والے خسارے میں ہوں گے۔

کیا یہ صحیح ہے کہ اس شعلہ ور خطبہ کے بعد ہم یہ احتمال دیں کہ وہ حدیث جس کا ہم نے ذکر کیا تھا وہ صحیح اور محکم تھی؟ یہ کیسا قانون ہے کہ جو صرف پیغمبر کی بیٹی اور پیغمبر کے چچازاد بھائی سے مربوط ہو اور وہ اس خبر سے بے خبر ہوں اور ایک غیر معمولی انسان جس کا حدیث سے کوئی رابطہ وواسطہ نہ ہو اس سے باخبر ہو؟!

اس بحث کے آخر میں چند نکتوں ذکر کرنا ضروری ہے۔

الف: حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا حاکم وقت سے چار چیزوں میں اختلاف تھا۔

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث۔

۲۔ فدک، جسے پیغمبر نے اپنی زندگی ہی میں فاطمہ کو دیدیا تھا، اور عربی زبان میں اسے نحلہ کہتے ہیں۔

۳۔ قرابتداروں کا حصہ، جس کا تذکرہ سورۂ انفال کی آیت نمبر ٤١ میں ہوا ہے۔

---

[1] احتجاج طبرسی ج۱ ص ۱۳۸ مطبوعہ نجف اشرف، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱٦ ص ۲۵۱۔

٤۔حکومت اور ولایت

الف: حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے خطبوں اور احتجاجوں میں ان چاروں امور کی طرف اشارہ ہوا ہے اسی وجہ سے کبھی لفظ میراث اور کبھی لفظ نحلہ استعمال ہوا ہے۔ابن ابی الحدید نے (شرح نہج البلاغہ ج١٦،ص٢٣٠) اس سلسلے میں تفصیلی بحث کی ہے۔

ب: بعض شیعہ علماء مثلاً مرحوم سید مرتضی نے حدیث لانورث ماترکناہ صدقۃ کی ایسی تفسیر کی ہے جو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے میراث پانے کے منافی نہیں ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ لفظ نورث صیغہ معروف ہے اور ما موصول اس کا مفعول ہے اور لفظ صدقہ حال یا تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے،ایسی صورت میں حدیث کا معنی یہ ہوگا جو چیز بھی صدقہ کے عنوان سے چھوڑی جائے گی اسے میراث نہیں کہیں گے اور یہ بات واضح ہے کہ جو چیز پیغمبر کی زندگی میں صدقہ ہوگی وہ میراث نہیں بن سکتی،اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز کوئی چیز میراث کے طور پر نہیں چھوڑتے۔

لیکن یہ تفسیر بھی اشکال سے خالی نہیں ہے کیونکہ یہ بات صرف پیغمبر سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان جو اپنی زندگی میں کچھ مال وقف یا صدقہ کرے وہ میراث میں شمار نہیں ہوگا اور ہرگز اس کی اولادوں کو نہیں ملے گا چاہے پیغمبر ہو یا کوئی اور شخص ہو۔

ج: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پارۂ جگر کے تمام کلام چاہے وہ شعلہ ور خطبہ ہو، چاہے خلیفہ وقت سے بحث ومباحثہ ہو، ان سب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ان حالات سے بہت سخت ناراض تھیں اور اپنے مخالفین پر سخت غضبناک تھیں اور جب تک زندہ رہیں ان سے راضی نہ ہوئیں۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا غضبناک ہونا

اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ پیغمبر کی بیٹی کا ابوبکر سے احتجاج ومناظرہ کرنا بے نتیجہ رہا اور فدک حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے ہاتھوں سے لے لیا گیا اور آپ دنیا سے بھی رخصت ہوگئیں مگر خلیفہ سے ناراض تھیں اور یہ بات تاریخی اعتبار سے اس قدر واضح وروشن ہے کہ اس کا انکار کرنا ممکن نہیں ہے اہلسنت کے مشہور محدث بخاری کہتے ہیں:

جب خلیفہ نے پیغمبر کی طرف حدیث کی نسبت دے کر فاطمہ کو فدک لینے سے روک دیا تو آپ خلیفہ پر غضبناک ہوئیں اور پھر ان سے گفتگو نہیں کیا یہاں تک کہ اس دنیا کو الوداع کہہ دیا۔[١]

---

[١] صحیح بخاری باب فرض الخمس ج٥ ص٥ وکتاب غزوات باب غزوات خیبر ج٦ ص١٩٦اس باب میں کہتے ہیں: اپنے باپ کے انتقال کے بعد فاطمہ چھ مہینہ زندہ تھیں اور جب آپ کی شہادت ہوگئی تو آپ کے شوہر نے شب کی تاریکی میں دفن کیا اور ابوبکر کو خبر بھی نہ دی۔

ابن قتیبہ اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ ج ١ ص ١٤ پر تحریر کرتے ہیں:

عمر نے ابوبکر سے کہا چلو فاطمہ کے پاس چلیں کیونکہ ہم نے انہیں ناراض کر دیا ہے وہ لوگ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر آئے اور اندر آنے کی اجازت مانگی لیکن آپ نے اجازت نہیں دی یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام کے ذریعے سے گھر میں داخل ہوئے لیکن زہرا نے ان دونوں سے منہ پھیر لیا اور سلام کا جواب تک نہ دیا۔

انہوں نے بہت منت وسماجت کی اور یہ بھی بیان کیا کہ ہم نے فدک انہیں کیوں نہیں دیا زہرا نے ان کے جواب میں کہا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتی ہوں کہ کیا تم نے پیغمبر سے نہیں سنا تھا کہ فاطمہ کی رضایت میری رضایت ہے اور اس کو غضبناک کرنا مجھے غضبناک کرنا ہے فاطمہ میری بیٹی ہے جو شخص بھی اُسے دوست رکھے گا گویا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے اسے راضی کیا گویا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے بھی زہرا کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا ہے؟ اس وقت دونوں (عمر اور ابوبکر) نے اس بات کی تصدیق کی کہ ہاں پیغمبر سے ہم نے یہ باتیں سنی تھیں۔

زہرا سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں: میں خدا اور فرشتوں کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے غضبناک کیا ہے اور مجھے ناراض کیا ہے اور جب ہم پیغمبر سے ملاقات کریں گے تو تم دونوں کی شکایت کریں گے۔

ابوبکر نے کہا: میں تمہارے اور پیغمبر کے غضبناک ہونے پر خدا سے مانگتا ہوں، اس وقت خلیفہ رونے لگے اور کہا کہ خدا کی قسم میں ہر نماز کے بعد تمہارے لئے دعا کروں گا یہ کہنے کے بعد روتے ہوا حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر سے باہر نکل گئے لوگ ان کے چاروں طرف جمع ہو گئے انہوں نے کہا:

تم میں سے ہر شخص اپنے اہل وعیال کے ساتھ خوشی سے شب وروز بسر کر رہا ہے اور تم لوگوں نے مجھے ایسے کام میں لگا دیا ہے میں تمہاری بیعت کا محتاج نہیں ہوں مجھے منصب خلافت سے معزول کر دو۔[١]

اسلامی محدثین نے متفقہ طور پر اس حدیث کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے:

فاطمہ بضعة منی فمن أغضبها أغضبنی[٢]

فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔

فسلام الله علیها یوم ولدت و یوم ماتت و یوم تبعث حیّةً

اللہ کا سلام ہو ان پر جس دن وہ پیدا ہوئیں اور جس دن انہوں نے وفات پائی اور جس دن اس دنیا سے اٹھائی جائیں گی۔

---

[١] جاحظ نے اپنے رسائل ص ٣٠٠ پر بہترین کلام اس سلسلے میں ذکر کیا ہے قارئین مزید معلومات کے لئے رجوع کر سکتے ہیں۔

[٢] اس حدیث کے حوالوں کے لئے الغدیر ج ٧ ص ٢٣٥ ـ ٢٣٢، مطبوعہ نجف کی طرف رجوع کریں۔

ساتویں فصل

حضرت علی علیہ السلام اور شوریٰ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد خلفاء ثلاثہ کا انتخاب ایک طریقے سے نہیں ہوا بلکہ خلفاء ثلاثہ میں سے ہر ایک خلیفہ الگ الگ طریقے سے منتخب ہوا، مثلاً ابوبکر انصار کے ذریعے چنے گئے جن کی تعداد سقیفہ بنی ساعدہ میں بہت زیادہ تھی اور مہاجرین سے زبردستی اور اختیاری دونوں صورتوں سے بیعت لی گئی، اور عمر کو ابوبکر نے رہبری کے لئے منتخب کیا اور عثمان اس شوریٰ کے ذریعے منتخب ہوئے جس میں کل چھ آدمی تھے اور اس کمیٹی کو دوسرے خلیفہ نے بنایا تھا۔

خلیفہ منتخب کرنے کے یہ مختلف طریقے اس بات پر گواہ ہیں کہ خلافت انتخابی امر نہیں تھا اور پیغمبر کی جانب سے کوئی ایسا حکم جاری نہ ہوا تھا کہ لوگ امام کا انتخاب کرلیں ورنہ پیغمبر کے انتقال کے بعد خلفاء کا مختلف طریقوں سے منتخب ہونا جو آپس میں ایک دوسرے سے مشابہت بھی نہیں رکھتے تھے وہ چن لئے جائیں اور پیغمبر کا حکم نظر انداز کردیا جائے، اور تمام لوگ اپنی زبانوں پر تالے لگالیں اور اس طرح کے انتخابات پر کوئی اعتراض نہ کریں۔

یہ اختلاف اس بات پر گواہ ہے کہ اسلام میں رہبری اور امامت کا مرتبہ خدا کی جانب سے ایک انتصابی منصب ہے لیکن افسوس اس قوم کے بزرگوں نے اس مسئلے میں بھی، دوسرے مسائل کی طرح پیغمبر کی حدیثوں کو نظر انداز کردیا ہے اور لوگوں کو یہ راہ دکھادی کہ امت کا رہبر خود امت ہی منتخب کرے اور چونکہ لوگوں کے ذریعے رہبر کا انتخاب ایک نئی چیز تھی اور اس روش کے ایجاد کرنے والوں کو کوئی تجربہ نہ تھا لہٰذا رہبر کا مختلف طریقوں سے انتخاب کیا گیا۔

ابوبکر نے حقِ نمک ادا کردیا

ابوبکر کو مسند خلافت پر بیٹھانے کے لئے عمر نے بہت زیادہ کوششیں کیں اور اس کام سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ابوبکر کے مرنے کے بعد خلافت ان کے حق میں آئے کیونکہ وہ ابوبکر سے کچھ چھوٹے تھے امام علی علیہ السلام نے ابتدائے میں ہی عمر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اچھی طرح اس کی مدد کرو کہ تمہیں ہی اس کا فائدہ ملے گا آج اس کے لئے بہترین راہ ہموار کرو تا کہ

کل تمہیں واپس مل جائے۔[1]

ابوبکر نے بھی نمک حرامی نہیں کی، بیماری کے عالم میں جب کہ وہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے عثمان کو بلایا اورانہیں حکم دیا کہ لکھو:

یہ عبداللہ بن عثمان کا عہد نامہ [2] مسلمانوں کے لئے ہے جو دنیا کی زندگی کے آخری لمحات اور آخرت کے پہلے گام پر ہے اس وقت میں جب کہ مومن بہترین کام اور نیک چیزوں کی فکر میں ہے اور کافر حالت تسلیم میں ہے۔

ابھی خلیفہ کا کلام یہیں پر پہنچا تھا کہ بے ہوش ہوگئے، عثمان نے یہ سوچ کر کہ وصیت نامہ مکمل ہونے سے پہلے خلیفہ مرگئے ہیں لہٰذا عہد نامہ کو خود اپنی طرف سے لکھ ڈالا، پھر آگے لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے بعد خطّاب کے بیٹے کو جانشین قرار دیا ہے۔

کچھ ہی دیر گذری تھی کہ خلیفہ کو ہوش آگیا اور عثمان نے جو کچھ ان کی طرف سے لکھا تھا اس کو پڑھ کر سنایا ابوبکر نے عثمان سے پوچھا: تم نے میری وصیت کو کس طرح لکھا؟ انہوں نے جواب دیا: میں جانتا تھا کہ آپ اس کے علاوہ کچھ اور نہیں لکھیں گے۔

اگر یہ واقعہ صرف نمائش کے لئے ہو تب بھی ہم یہی کہیں گے کہ عثمان بھی عمر کے منتخب ہونے میں شامل تھے اور انہوں نے ایک خاص طریقے سے اپنے ارادے کو ظاہر کردیا۔

مدّتوں بعد وہ وقت آپہنچا کہ عمر نے حق کو پہچانا اور عثمان کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ منتخب کردیا اور حق نمک ادا کردیا۔

نژاد پرستی اور طبقاتی نظام

اسلام کا اہم افتخار، جو آج بھی اپنی طرف محروم اور مظلوم ترین افراد کو جذب کر رہا ہے ہر طرح کی تبعیض اور قوم پرستی سے لوگوں کو دور رکھنا ہے اور اس کا ایک ہی شعار ہے کہ تم میں سب سے عظیم شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حکومت کے سپاہیوں اور کام کرنے والوں کی کوئی معقول و معین تنخواہیں نہیں تھیں اور ان کی ضروریات زندگی مال غنیمت سے پوری ہوتی تھیں وہ مال جو مسلمان مشرکوں سے جنگ کر کے حاصل کرتے تھے اس میں سے پانچواں حصہ نکالنے کے بعد سپاہیوں کے درمیان تقسیم ہوتا تھا اور مال غنیمت تقسیم ہوتے وقت تبعیض یا حسب ونسب یا پیغمبر کا رشتہ دار کی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔

---

[1] الامامۃ والسیاسہ ج۱ ص۱۲، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج۲ ص۵، اسی مضمون سے ملتے ہوئے مضمون کے متعلق امیر المومنین نے خطبہ شقشقیہ (نہج البلاغہ کا تیسرا خطبہ) میں فرمایا ہے لشد ماتشطر اضرعیہا

[2] ابوبکر کا نام ہے۔ الامامۃ والسیاسہ ج۱ ص۸۸۔

خلیفہ اول کے زمانے میں بھی یہی طریقہ رائج تھا، لیکن خلیفہ دوم کے زمانے میں یہ دستور تبدیل ہوگیا، اسلام کے روز بروز ترقی کرنے کا سبب یہ ہوا کہ خلیفہ وقت نے سپاہیوں اور کام کرنے والوں کی تنخواہوں کے لئے ایک خاص بندوبست کیا، لیکن افسوس کہ تنخواہ معین کرتے وقت معیار و میزان بجائے یہ کہ تقوی و پرہیزگاری، سیاسی و نظامی آگاہی، سابقہ خدمت وغیرہ ہو یا کم سے کم اسلام کو معیار قرار دیا جائے، حسب ونسب اور نژاد پرستی کو معیار قرار دیا گیا۔

اس اہم موضوع میں عرب کے سپاہی عجم کے سپاہیوں پر، عرب قحطان عرب عدنان پر، عرب مضر عرب ربیعہ پر، قریش غیر قریش پر، اور بنی ہاشم بنی امیہ پر مقدم تھے، اور پہلے گروہ والوں کی تنخواہ دوسرے گروہ والوں سے زیادہ تھی، مشہور مورخین مثلاً ابن اثیر، یعقوبی اور جرجی زیدان، نے اپنی اپنی تاریخ میں حکومت اسلامی کے سپاہیوں اور سرکاری نوکروں کی مختلف تنخواہوں کے اختلاف کو ذکر کیا ہے۔[1]

تنخواہوں کی رقموں کا مختلف ہونا تعجب خیز ہے مشہور ومعروف مالدار عباس بن عبدالمطلب کا سالانہ وظیفہ ۱۲ ہزار درہم تھا جب کہ ایک مصری سپاہی کا سالانہ وظیفہ ۳۰۰ درہم سے زیادہ نہ تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ایک بیوی کا سالانہ وظیفہ ٦ ہزار درہم تھا جب کہ یمن کے ایک سپاہی کا سالانہ وظیفہ ٤٠٠ درہم بھی نہ تھا، معاویہ اور اس کے باپ ابوسفیان کا سالانہ وظیفہ ٥ ہزار درہم تھا جب کہ مکہ کے ایک عام شخص جس نے ہجرت نہیں کیا تھا اس کا سالانہ وظیفہ ٦ سو درہم تھا خلیفہ نے اس عمل نژاد پرستی کو جسے قرآن اور رسول اسلام نے ممنوع قرار دیا تھا دوبارہ زندہ کردیا اور اسلامی معاشرے کو اختلاف اور طبقہ بندی میں گرفتار کردیا۔

زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ اسلامی معاشرے میں زبردست اختلاف پیدا ہوگیا اور سیم و جواہر کی تلاش وجستجو کرنے والے اور دنیا پرست خلیفہ کی حمایت کے زیر نظر سیم وزر کی تلاش میں نکل پڑے اور محنت ومشقت کرنے والوں اور مزدوروں پر ظلم وزیادتی کا زمانہ شروع ہوگیا۔

خلیفۂ وقت نے حاکموں اور دنیا پرستوں مثلا سعد وقاص، عمرو عاص، ابوہریرہ، جیسے مالداروں کا مال پہلے ہی جمع کرلیا تھا اور ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہے کہ طبقاتی نظام اس سے زیادہ نہ پھیلے، لیکن افسوس چونکہ ان کا سب سے پہلا اقتصادی قدم غلط اور بے بنیاد اور بے وجہ برتری پر قائم تھا لہٰذا ان کا مال جمع کرنا سودمند ثابت نہ ہوا اور آئندہ کے رہبر کے تعیین کو جو ذاتاً نژاد پرست تھے آسان کردیا اور ان کی نژاد پرستی کو اور مضبوط کردیا۔

اس دور کے دولت مند افراد نے مالدار ہونے کی وجہ سے غلاموں کو خریدا اور انہیں کام کرنے میں آزاد کردیا اور مجبور کیا کہ خود اپنی زندگی کی ضروریات کو بھی پورا کریں اور روزانہ یا ہر مہینے اپنے اپنے مالکوں کو کچھ رقم ادا کریں بیچارے غلام،

---

[1] تاریخ یعقوبی ج۲ ص۱۰٦، کامل ابن اثیر ج۲ ص۱٦۸، تاریخ جرجی زیدان ترجمۂ جواہر الکلام ج۱ ص۱۵۹ کے بعد۔

صبح سے شام تک محنت کرتے اور اپنی جان کو گنواتے تھے تاکہ تعیین شدہ رقم مالک کو ادا کرسکیں۔

خلیفہ سے ایک ایرانی کاریگر کی فریاد

فیروز ایرانی، جو ابولوٴلوٴ کے نام سے مشہور ہے، مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا، وہ اپنی زندگی کی ضروریات پورا کرنے کے بعد مجبور تھا کہ روزانہ دو درہم مغیرہ کو ادا کرے، ایک دن بازار میں ابولوٴلوٴ کی نگاہ خلیفہٴ دوم پر پڑی اس نے فریاد کی اور کہا: مغیرہ نے جو چیز مجھ پر معین کی ہے وہ میرے لئے بہت مشکل ہے، خلیفہ چونکہ اس کے کام سے آگاہ تھے لہٰذا انہوں نے پوچھا: تم کیا کام جانتے ہو؟

اس نے جواب دیا: بڑھئی، نقاشی اور لوہار کا کام۔

خلیفہ نے بڑی بے توجہی سے کہا، اس کام کے مقابلے میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے۔

میں نے سنا ہے کہ تم ایک ایسی چکی بنا سکتے ہو جو ہوا کے ذریعے چلے کیا تم ایسی ہی چکی میرے لئے بنا سکتے ہو؟

فیروز جو خلیفہ کی باتیں سن کر بہت زیادہ غیظ میں تھا اشارتاً انہیں قتل کی دھمکی دی اور اس کا جواب دیا کہ میں تمہارے لئے ایسی چکی بناوٴں گا جس کی دنیا میں کوئی مثال نہ ہوگی خلیفہ ایرانی کاریگر کی اس جسارت سے بہت ناراض ہوئے اور جو شخص ان کے ہمراہ تھا اس سے کہا: اس ایرانی غلام نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے۔

وہ اپنی خلافت کے آخری دنوں میں اس بات سے آگاہ تھے کہ اسلامی معاشرے کا مزاج بہت آلودہ ہوگیا ہے اور ظلم وستم بہت تیزی سے پھیل رہا ہے لہٰذا انہوں نے لوگوں سے وعدہ کیا کہ اگر میں زندہ بچ گیا تو ایک سال لوگوں کے درمیان رہ کر ان کی مشکلات کو حل کروں گا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بہت سی شکایتیں ان تک نہیں پہنچتی ہیں، ڈاکٹر علی وردی کے نقل کرنے کے مطابق خلیفہٴ دوم نے کہا:

میرا تبعیض اور بعض کو بعض پر مقدم کرنے کا مقصد صرف تالیف قلوب تھا (لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا یا اسلام کی طرف مائل کرنا) اگر میں آنے والے نئے سال تک زندہ رہا تو تمام لوگوں کے درمیان مساوات قائم کروں گا اور تبعیض کو تمہارے درمیان سے ختم کردوں گا اور کالے، گورے، عرب، عجم سب کو مساوی قرار دوں گا جیسا کہ ابوبکر اور پیغمبر نے کیا تھا۔[1]

مگر خلیفہ زندہ نہ رہے اور موت نے ان کے اور ان کی آرزوٴں کے درمیان فاصلہ پیدا کردیا اور فیروز کے خنجر نے ان کی زندگی کا خاتمہ کردیا، لیکن خلیفہٴ سوم نے ان کے طبقاتی نظام کو اور بھی زیادہ کردیا اور اسلامی حکومت کو کینہ پروروں کی آماجگاہ قرار دیدیا۔

---

[1] نقش وعاظ در اسلام ص ۸٤۔

فیروز کا خنجر مزدوروں کے غیظ وغضب کی علامت تھا اگر خلیفہ فیروز ایرانی کے ہاتھوں قتل نہ ہوتے تو آنے والے دنوں میں بہت زیادہ خنجر ان کی طرف بڑھتے۔

ہمارے مورخین ومقررین یہ تصور کرتے ہیں کہ اسلامی معاشرے میں طبقاتی اختلاف اور نژاد پرستی کی بنیاد عثمان کی حکومت میں پڑی ہے جب کہ عثمان کے زمانے میں نژاد پرستی عروج پر تھی اور سبب بنی کہ لوگوں نے ہر طرف سے ان کی حکومت کے خلاف قیام کیا،لیکن اس کی بنیاد یہی خلیفہ دوم کے زمانے میں رکھی گئی۔

جی ہاں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلے جس نے اس آگ کو روشن کیا اور اس کا دھواں خود اس کی اور دوسروں کی آنکھوں میں گیا وہ خلیفۂ دوم تھے وہ ہمیشہ کہتے تھے:

بہت غلط کام ہے کہ عرب ایک دوسرے کو قید کریں جب کہ خداوند عالم نے عجم کی وسیع وعریض سرزمین کو اسیروں کے لئے بنایا ہے۔[1]

اور اس سے بھی بدتر بات یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی شریعت میں تصرف کیا اور کہا:

عجمیوں کی اولاد اس وقت اپنی اپنی میراثیں لے سکتی ہیں جب وہ عرب کی زمین پر پیدا ہوئی ہوں۔[2]

ان کی نژاد پرستی کی علامت یہ ہے کہ انہوں نے عجم کو مدینہ میں رہنے کی اجازت نہیں دی اور اگر فیروز مغیرہ کا غلام مدینے میں زندگی بسر کر رہا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے پہلے سے اجازت لی تھی۔[3]

یہ تبعیض اور اسی طرح کی دوسری چیزیں سبب بنیں کہ خلیفہ تین ایرانیوں فیروز، شاہزادہ ہرمزان اور جفینہ جو ابولولؤ کی بیٹی تھی، کی سازش سے اپنی جان کھو بیٹھیں، وہ فیروز کے خنجر سے زخمی ہوئے اور تین دن کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

خیال کیا جاتا تھا کہ خلیفہ نے حق کی راہ سے ہٹنے کا چونکہ تلخ مزہ چکھ ہی لیا ہے لہٰذا اس حساس وقت میں جب کہ ان کی زندگی کا چراغ خاموش ہونے والا ہے صحیح فکر کریں گے اور خطرناک ذمہ داری کو قبول نہیں کریں گے اور مسلمانوں کے لئے بہترین وشائستہ رہبر کا انتخاب کریں گے لیکن افسوس کہ انہوں نے ایسے حالات میں ایک ایسی کمیٹی تشکیل دی جس کے ذریعے سے اسلامی معاشرہ کا بہترین وشائستہ رہبر سے محروم ہو جانا یقینی تھا اور اس کے ذریعے قوم پرست شخص کا، کہ بقول خلیفۂ دوم، اگر حکومت کی باگ ڈور کو اپنے ہاتھوں میں لے لے تو اپنے رشتہ داروں کو لوگوں کے کاندھوں پر سوار کرے گا، منتخب ہونا مسلم تھا۔

---

[1] تاریخ جرجی زیدان ج ٤ ص ٣٥۔

[2] النص والاجتہاد ص ٦٠، اجتہاد نص کے مقابلے میں (مترجم) ص ٢٧٥۔

[3] مروج الذہب ج ١ ص ٤٢۔

ان تمام مسائل سے آگاہی کے بعد ایک کمیٹی بنانے کا حکم دیدیا، وہ شوریٰ (کمیٹی) جس کے متعلق امامؑ فرماتے ہیں:

فی اللہ وللشوریٰ [۱]

بھلا خدا کے لئے مجھے شوریٰ سے کیا واسطہ۔

بغیر کسی شوری کے طرف داری کے تمام واقعات کو یہاں نقل کر رہے ہیں اور پھر اس تاریخی واقعہ کے بارے میں جس نے بہت زیادہ تلخی اور ناکامی کو جنم دیا جو سبب بنا کہ بنی امیہ سو سال تک اسلامی حکومت پر قابض رہیں اور اس کے بعد بنی عباس کو بھی اسے اپنی جاگیر بنالیں، فیصلہ کریں گے۔

شوریٰ کا انتخاب

خلیفہ دوم کا آخری وقت تھا اور ان کو خود بھی اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ وہ زندگی کے آخری لمحات میں ہیں۔ ہر طرف سے پیغامات آرہے تھے کہ اپنا جانشین منتخب کیجیئے، عائشہ نے حذیفہ کے بیٹے عبداللہ کے ذریعے پیغام بھیجا کہ محمد کی امت کو بغیر چرواہے کے نہ چھوڑو اور جلد سے جلد اپنا جانشین منتخب کرو، کیونکہ میں فتنہ وفساد سے بہت ڈرتی ہوں۔ [۲]

عمر کے بیٹے نے بھی اپنے باپ سے یہی باتیں کہیں اور کہا: اگر تم اپنے گلہ کے چرواہے کو بلاؤ تو کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرو گے کہ وہ واپس جانے تک کسی کو اپنا جانشین قرار دے، تا کہ بکریوں کے جھنڈ کو بھیڑیوں سے محفوظ رکھے؟ اور جو لوگ خلیفہ کی عیادت کرنے آئے تھے ان لوگوں نے بھی اسی بات کو خلیفہ سے کہا، بلکہ بعض نے تو یہاں تک کہا کہ اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنا جانشین بنا دیجیئے، خلیفہ اپنے بیٹے عبداللہ کی بے لیاقتی سے باخبر تھے لہٰذا عذر خواہی کرتے ہوئے کہا کہ خاندان خطاب کے لئے بس یہی کافی ہے کہ ایک آدمی خلافت کی ذمہ داری کو سنبھالے، پھر انہوں نے کہا کہ وہ چھ افراد جن سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتے دم راضی تھے ان کو بلایا جائے، تا کہ مسلمانوں کا خلیفہ منتخب کرنے کی ذمہ داری ان کے حوالے کی جائے، وہ چھ افراد یہ ہیں: علی، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد وقاص، عبدالرحمن بن عوف۔ جب یہ لوگ خلیفہ کے قریب پہنچے تو خلیفہ نے غصہ کے عالم میں ان کی طرف دیکھا اور کہا تم لوگ ضرور چاہتے ہو کہ میرے بعد اس حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لو، پھر اس نے حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ ہر ایک سے گفتگو کی اور دلیلوں کا ذکر کرتے ہوئے ان میں سے کسی ایک کو بھی خلافت کے منصب کے لئے شائستہ نہیں جانا، پھر اس وقت انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف دیکھا اور حضرت کی پوری زندگی میں اس نے کوئی ضعیف پہلو سوائے اس کے کہ آپ شوخ مزاج ہیں نہیں پایا اور کہا کہ اگر یہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالیں تو لوگوں پر حق اور واضح حقیقت کے ساتھ رہبری کریں گے۔

---

[۱] نہج البلاغہ خطبۂ شقشقیہ

[۲] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص۲۲۔

اور آخر میں عثمان سے مخاطب ہو کر کہا کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ قریش نے تمہیں خلافت کے لئے منتخب کر لیا ہے اور تم نے بنی امیہ اور بنی ابی معیط کو لوگوں پر مسلط کر دیا ہے اور بیت المال کو ان کے لئے مخصوص کر دیا ہے اور اس وقت عرب کے مخالف گروہ تم پر حملہ آور ہوں گے اور تمہیں تمہارے گھر کے اندر ہی قتل کر دیں گے، پھر مزید کہا کہ اگر یہ واقعہ رونما ہو تو میری بات کو یاد کرنا۔

پھر انہوں نے شوریٰ کے اراکین کی طرف دیکھا اور کہا اگر تم لوگ ایک دوسرے کی مدد کرو گے تو خلافت کے درخت کا پھل تم اور تمہارے بچے کھائیں گے، لیکن اگر آپس میں ایک دوسرے سے حسد کیا اور ایک دوسرے کی مخالفت کی تو معاویہ اس خلافت کو تم سے چھین لے گا۔

جب عمر کی گفتگو ختم ہو گئی تو انہوں نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور اس سے کہا کہ جب مجھے دفن کر کے واپس آنا تو پچاس مسلح افراد کے ساتھ ان چھ افراد کو خلافت کے لئے دعوت دینا اور سب کو ایک گھر میں جمع کرنا اور مسلح افراد کو دروازے پر حفاظت کے لئے کھڑا کرنا تا کہ یہ آپس میں کسی ایک کو خلافت کے لئے منتخب کر لیں اگر ان میں سے پانچ لوگوں نے موافقت کیا اور ایک آدمی نے مخالفت کیا تو اسے قتل کر دینا اور اگر چار لوگوں نے موافقت کی اور دو آدمیوں نے مخالفت کی تو ان دونوں کو قتل کر دینا اور اگر یہ گروہ دو حصوں میں برابر برابر تقسیم ہو جائے تو فیصلہ اس گروہ کے حق میں ہو گا جس میں عبد الرحمن ہو اس وقت ان تین افراد جو کہ موافق ہیں انہیں خلافت کی دعوت دینا اور اگر موافقت نہ ہوں تو دوسرے گروہ کو قتل کر دینا اور اگر تین دن گذر جائے اور شوریٰ کے درمیان صحیح نظریہ حاصل نہ ہو تو ان چھ آدمیوں کو قتل کرنا اور مسلمانوں کو آزادی دیدینا تا کہ آئندہ وہ اپنا رہبر و خلیفہ منتخب کر لیں۔

جب لوگ عمر کو دفن کر کے واپس آئے تو محمد بن مسلمہ نے پچاس سپاہیوں کو جو ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے تھے ان کے ہمراہ شوریٰ کے چھ افراد کو ایک گھر میں جمع کیا اور پھر ان لوگوں کو عمر کے حکم سے باخبر کیا، سب سے پہلے جو چیز سامنے آئی وہ یہ کہ طلحہ جن کا رابطہ مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام سے اچھا نہ تھا عثمان کی طرف چلا گیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ علی علیہ السلام اور عثمان کے ہوتے ہوئے کوئی بھی اسے خلافت کے لئے منتخب نہیں کرے گا، لہٰذا بہتر ہے کہ عثمان کی موافقت میں اس کی طرف چلا جائے تا کہ علی کی موافقت نہ کر سکے، طلحہ اور حضرت علی علیہ السلام کے درمیان مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ وہ بھی ابوبکر کی طرح قبیلۂ تیم سے تھا کیونکہ ابوبکر کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد قبیلہ بنی تیم اور خاندان بنی ہاشم کے درمیان روابط خراب ہو گئے تھے اور یہ اختلاف بہت دنوں تک باقی رہا۔

زبیر حضرت علی علیہ السلام کا پھوپھی زاد بھائی اور علی علیہ السلام اس کے ماموں زاد بھائی تھے، چونکہ وہ آپ کا رشتہ دار تھا لہٰذا امام کی طرف آ گیا اور سعد وقاص عبد الرحمن کی طرف چلا گیا کیونکہ وہ دونوں قبیلہ زہرہ سے تھے نتیجتاً شوری کے عہدہ داروں میں سے صرف تین آدمی باقی بچے اور ان میں سے ہر ایک کے پاس دو ووٹ تھے اور کامیابی اس کے لئے تھی جس کی

طرف ان تینوں میں سے ایک آدمی مائل ہو۔

اس وقت عبدالرحمن، حضرت علی علیہ السلام اور عثمان کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ تم میں سے کون ہے جو اپنا حق دوسرے کو دیدے؟

دونوں خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا، عبدالرحمن نے پھر کہا میں تم لوگوں کو گواہ بنا کر اپنے کو خلافت کے اس مسئلہ سے دور کرتا ہوں تا کہ تم میں سے کسی ایک کو خلافت کا حقدار بناؤں۔

پھر حضرت علی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے میں تمہاری بیعت کروں گا اور تم خدا کی کتاب اور سنت پیغمبر پر عمل کرنا اور شیخین کی سیرت کی پیروی کرنا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس کی آخری شرط کو قبول نہیں کیا اور کہا میں تمہاری بیعت کو قبول کروں گا مگر شرط یہ ہے کہ کتاب خدا اور سنت پیغمبر اور اپنے علم واجتہاد کے مطابق عمل کروں۔

جب عبدالرحمن نے علی کا منفی جواب سنا تو عثمان کو مخاطب کر کے وہی باتیں دہرائیں، عثمان نے فوراً جواب دیا، ہاں، میں قبول کرتا ہوں۔

اس وقت عبدالرحمن نے اپنا ہاتھ عثمان کے ہاتھ پر رکھا اور اسے امیر المومنین کہہ کر سلام کیا اور اس جلسہ کا نتیجہ مسلمانوں کو جو گھر کے باہر منتظر تھے سنایا گیا۔

شوریٰ کے اس جلسہ کا نتیجہ ایسا نہ تھا جس سے حضرت ابتدا سے واقف نہ تھے، یہاں تک کہ ابن عباس نے بھی شوریٰ کے جلسہ کی کاروائی سننے کے بعد حضرت کی خلافت سے محرومی کو تیسری مرتبہ اعلان کیا تھا لہٰذا جب عوف کے بیٹے نے عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر کے بہترین نقش پیش کیا اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے عبدالرحمن کو مخاطب کر کے کہا:

تم نے اس امید کے ساتھ کہ عثمان آخر وقت میں خلافت تمہارے حوالے کردیں گے اس کو منتخب کیا جس طرح سے عمر نے بھی ابوبکر کو چنا تھا مگر مجھے امید ہے کہ خداوند عالم تم دونوں کے درمیان سخت اختلاف پیدا کردے گا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ عوف کے بیٹے اور عثمان کے درمیان کشیدگی پیدا ہوگئی اور ایک دوسرے سے رابطہ منقطع ہو گیا یہاں تک کہ عبدالرحمن کا انتقال ہو گیا۔[1]

یہ خلیفہ دوم کی شوریٰ (چھ آدمیوں کی کمیٹی) کے واقعہ کا خلاصہ تھا، اس کے پہلے کہ ہم تاریخ اسلام کے اس واقعہ پر اپنا نظریہ پیش کریں حضرت علی علیہ السلام کے نظریات کو بیان کررہے ہیں امام علی علیہ السلام خطبہ شقشقیہ (نہج البلاغہ کا تیسرا خطبہ) میں ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] شوریٰ کے متعلق تمام معلومات شرح نہج البلاغہ ج۱ ص۱۸۸۔۱۸۰ سے تلخیص کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

حتی اذا مضی لسبیله جعلها فی جماعةٍ زعمَ انی احدُهم فیا للہ و للشوری! متی اِعترضَ الریبُ فیَّ مع الاولِ منهم حتی صرتُ اقرنُ الی هذہِ النظائرِ. لکنی اسففتُ اِذ اُسفّوا و طرتُ اذ طاروا فصغی رجل منهم لِضِغنِہِ و مالَ الآخرُ لصِهرِہِ مع هن و هن

جب عمر کا انتقال ہوا تو خلافت کو شوری کے حوالے کر دیا اور یہ خیال کیا کہ میں بھی اسی شوری کا ایک فرد ہوں خدایا اس شوری کے متعلق تجھ سے مدد چاہتا ہوں۔ کب میری حقانیت کو شک کی نگاہ سے دیکھا گیا اس وقت جب میں ابو بکر کے ساتھ تھا یہاں تک کہ آج میں ان لوگوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا گیا ہوں؟ لیکن مصلحت کی وجہ سے میں نے ان کی موافقت کر دی اور شوریٰ میں شریک ہوا، لیکن اسی شوری کے ایک ممبر نے مجھ سے کینہ رکھنے کی وجہ سے میری کھلم کھلا مخالفت کی اور خلیفہ سے رشتہ داری کی وجہ سے اس کے پاس چلا گیا اور دو افراد وہ جن کا نام لینا بھی برا ہے (طلحہ اور زبیر)

نہج البلاغہ میں عمر کی شوری کے متعلق اس سے زیادہ اور مطالب نہیں ہیں مگر قارئین کی معلومات کے لئے ان کے جرائم اور جنایت ظلم و بربریت، ان کی بدترین سازشوں اور خلیفہ کی خودغرضیوں سے لوگوں کو باخبر کرنے کے لئے چند نکتے یہاں بیان کر رہے ہیں۔

عمر کی شوریٰ پر ایک نظر

اس تجزیہ میں حساس اور اہم مسئلوں کا ذکر کریں گے اور جزئی اور غیر مہم نکات سے پرہیز کریں گے۔

۱۔ مختلف گروہوں نے خلیفۂ دوم سے جو یہ گذارش کی کہ اپنا جانشین منتخب کیجیئے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام لوگوں نے فطری طور پر یہ درک کیا کہ مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ اپنی زندگی میں اسلامی معاشرہ کے لئے اپنا جانشین معین کرے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو ممکن ہے پورے معاشرے میں فتنہ وفساد برپا ہوجائے [1] اور اس راہ میں بہت زیادہ خون بہایا جائے، اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل سنت کے دانشمند کس طرح سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پیغمبر نے اپنی زندگی میں اپنا جانشین معین نہیں کیا؟

۲۔ خلیفہ کا جانشین معین کرنے کے لئے حکم دینا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد شوریٰ کی حکومت تشکیل دینا بے بنیاد تھا اور اس طرح کے کسی حکم کا وجود نہ تھا ورنہ کس طرح ممکن ہے کہ شوریٰ بنانے سے متعلق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صریح حکم کے ہوتے ہوئے خلیفہ دوم کے جانشین منتخب کرنے کی پیشنہاد کی جائے؟

حکومت شوریٰ یا اس سے ہٹ کر کہ امام کا تعین خداوند عالم کی طرف سے بہترین شیوۂ حکومت ہے جس کو انسان

[1] لا تدَعْ امةَ محمدٍ بلا راعٍ استخلف علیهم و لا تدعْهم بعدَك هملا فانی اخشی علیهم الفتنة۔ (الغدیر ج ۷ ص ۱۳۳ مطبوعہ بیروت، منقول از الامامة والسیاسة ج ۱ ص ۲۲)

منتخب کرسکتا ہے ایک ایسا امر ہے جو آج تمام لوگوں کی زبانوں پر ہے اور اس کے ماننے والے بہت بڑھا چڑھا کر اس کی تعریف کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ثابت کریں کہ اسلام میں حکومت کی اساس یہی ہے (یعنی یہی اصلی حکومت ہے) اور پیغمبر کی یہی حکومت شوری ہے اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں اس طرح کی حکومت کا کوئی وجود نہیں ہے۔

کیا ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر کے دوست واصحاب سب نے غلطی اور اشتباہ کیا ہے اور پیغمبر کے حکم کو نظر انداز کر دیا ہے؟

۳۔عمر نے لوگوں کی درخواست کا جواب دیتے ہوئے کہا:

اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتا تو اس کو میں اپنا جانشین منتخب کرتا کیونکہ میں نے پیغمبر سے سنا ہے کہ وہ اس امت کا امین ہے اور اگر سالم، ابوحذیفہ کا مولا زندہ ہوتا تو میں اسے اپنا جانشین بناتا، کیونکہ میں نے پیغمبر سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ خدا کا دوست ہے۔

وہ ایسے وقت میں بجائے اس کے کہ زندوں کی فکر کرتے مردوں کی فکر میں غرق تھا کہ یہ مردہ پرستی کے ساتھ ساتھ ان لوگوں سے بے توجہی کی علامت ہے جو ان کے زمانے میں زندہ تھے۔

بہر حال، اگر ابوعبیدہ اور سالم کے انتخاب کا ملاک و معیار یہ تھا کہ پیغمبر نے ان لوگوں کو امت کا امین اور خدا کا دوست کہا تھا، تو پھر عمر نے ابوطالب کے بیٹے کو کیوں یاد نہیں کیا؟ جن کے بارے میں پیغمبر نے فرمایا:

عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ[1]

یعنی علی حق کے ساتھ اور حق علی کے ساتھ ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و کمالات اور ان کے طیب و طاہر مزاج، ان کے بے نظیر فیصلوں اور ان کی بہادری، کتاب و سنت پر ان کا علم وغیرہ سے وہ دوسروں سے زیادہ باخبر تھے پھر کیوں انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کا نام نہیں لیا اور مردوں کو یاد کرنے لگے جن کا مشغلہ دوسروں کے ساتھ کینہ اور بغض وحسد کے علاوہ کچھ اور نہ تھا؟

٤۔اگر امامت کا مقام اور منصب ایک الٰہی مقام اور رسالت کے فرائض کو آگے بڑھانا ہے تو امام کو پہچاننے کے لئے نص الٰہی کا پابند ہونا چاہئے، اور اگر مقام امامت، مقام اجتماعی ہے تو اس کی پہچان کے لئے ضروری ہے کہ عمومی افکار کی طرف رجوع کیا جائے، لیکن امام کا انتخاب اس شوریٰ کے ذریعے جس کے ممبران خود اپنی طرف سے خلیفہ نے معین کئے ہوں، نہ نص کی پیروی ہے اور نہ ہی افکار عمومی کا احترام اگر ضروری ہے کہ آنے والے خلیفہ کا انتخاب خود موجودہ خلیفہ کرے تو پھر اس کام کو چھ آدمیوں پر مشتمل شوریٰ کے حوالے کیوں کیا۔

---

[1] یہ حدیث محدثین اہل سنت سے بطور متواتر نقل ہوئی ہے۔الغدیر ج ۳ ص ۱۵۹۔۱۵٦، مطبوعہ نجف اور ص ۱۸۰۔۱۷٦، مطبوعہ بیروت کی طرف مراجعہ کریں۔

اہل سنت کے نظریہ کے مطابق ضروری ہے کہ امام اجماع امت یا اہل حل وعقد کے ذریعے منتخب ہو اور آنے والے خلیفہ کی نظر کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن نہیں معلوم کیوں وہ لوگ اس کام کو صحیح جانتے ہیں اور چھ نفری شوری کی تائید کو لازم الاجراء سمجھتے ہیں۔

اگر امام کو منتخب کرنا خود امت کا حق اور لوگوں کے اختیار میں ہے تو خلیفہ وقت نے کس دلیل سے اس چیز کو لوگوں سے سلب کر لیا، اور شوریٰ کے حوالے کر دیا جس کے ممبران کو خود اس نے معین کیا تھا؟

۵۔ کسی بھی طریقے سے یہ بات واضح نہیں ہے کہ شوریٰ کے ممبران کی تعداد صرف چھ آدمیوں میں کیوں منحصر تھی، اگر ان لوگوں کو منتخب کرنے کی علت یہ تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال کے وقت ان لوگوں سے راضی تھے، تو یہی ملاک ومعیار عمار، حذیفہ یمانی، ابوذر، مقداد، ابیّ بن کعب وغیرہ پر بھی ثابت ہوتا ہے۔

مثلاً پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمار کے بارے میں فرمایا:

عمارُ مع الحقِ والحقُ معه یدور معه اینما دار [1]

عمار حق کے ساتھ ہیں اور حق ان کے ساتھ ہے جہاں بھی وہ جاتے ہیں حق ان کے ساتھ جاتا ہے۔

اور ابوذر کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ما اظلت الخضراءُ ولا اقلت الغبراءُ علی ذی لهجة اصدق من ابی ذر [2]

زمین نے کسی ایسے کا بار نہیں اٹھایا اور آسمان نے کسی ایسے پر سایہ نہیں کیا جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو۔

ایسے باصفات حضرات کے وجود کے بعد کیوں عمر نے ان کو شوریٰ کے ممبران میں شامل نہیں کیا، اور ایسے افراد کو منتخب کیا جن میں سے اکثر حضرت علی علیہ السلام کے مخالف تھے ان میں سے صرف ایک شخص حضرت علی علیہ السلام کا چاہنے والا تھا اور وہ زبیر تھے اور باقی چار لوگ امام کے سخت مخالف تھے اگر چہ زبیر بھی آخر میں مولائے کائنات کے لئے مضر ثابت ہوئے، کیونکہ زبیر جوان دنوں خود کو حضرت علی علیہ السلام کا ہم مثل نہیں سمجھتے تھے اور آپ کے ساتھ تھے لیکن آخر میں قتل عثمان کے بعد خلافت کا دعوی کرنے لگے۔

اگر شوریٰ کے لئے چنے جانے کا معیار جنگ بدر واحد میں شریک ہونا اور مہاجر ہونا تھا تو یہ معیار تو دوسروں پر بھی صادق آتا تھا، تو پھر ان کے درمیان سے کیوں اس گروہ کے لئے لوگوں کو منتخب نہیں کیا گیا؟

٦۔ خلیفہ کا یہ دعوی تھا کہ ہم نے ان لوگوں کو شوریٰ کے لئے اس لئے منتخب کیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال کے وقت ان سے راضی تھے، جب کہ خود انہوں نے شوریٰ کے ممبران کے بارے میں طلحہ کو دوسرے انداز سے پہچنوایا تھا، اور ان

---

[1] الغدیر ج ۹ ص ۲۵ مطبوعہ نجف۔

[2] محدثین فریقین نے اس حدیث کو متفقہ طور پر نقل کیا ہے اور ہم نے اپنی کتاب شخصیتہائے اسلامی شیعہ ص ۲۲، میں اس کے حوالے کو نقل کیا ہے۔

سے کہا تھا کہ تم نے آیت حجاب نازل ہوتے وقت ایسی بات کہی تھی کہ پیغمبر تجھ پر غضبناک ہوئے تھے اور وفات کے دن تک تم سے ناراض تھے۔

اب خود فیصلہ کریں کہ ان دونوں نظریوں میں سے کس کو قبول کیا جائے؟

خلیفہ نے شوریٰ کے ممبران کے انتقاد میں ایسی باتیں کہیں کہ جن میں سے اکثر خلافت کیا شوری کا ممبر ہونے کی صلاحیت کے بھی منافی تھی، مثلاً زبیر کے بارے میں کہا کہ تم ایک دن انسان، اور ایک دن شیطان ہو، کیا ممکن ہے کہ ایسا شخص شورائے خلافت میں شریک ہو اور مسلمانوں کا خلیفہ قرار پائے؟ اور اگر ایسا ہوتا کہ وہ شوریٰ کے جلسے کے وقت شیطانی نیت رکھ کر جلسہ میں شریک ہوتا تو اس کی شیطانی فکر کا نتیجہ کیا ہوتا؟

اور انہوں (عمر) نے عثمان کے بارے میں کہا: اگر تم خلیفہ بنے تو بنی امیہ کو لوگوں پر مسلط کردو گے و۔۔۔۔ایسا شخص جو اس قسم کی طینت رکھتا ہو اور رشتہ داری کی بناء پر حق سے منحرف ہوجائے تو کیا یہ شخص شورائے خلافت کے ممبر بننے کی لیاقت وصلاحیت رکھتا ہے؟ یا امت کے لئے خلیفہ کا تعیین کرے؟

۷۔خلیفہ کو یہ علم کیسے ہوا کہ عثمان کو خلافت کے لئے چنا جائے گا اور اپنی قوم کو لوگوں پر مسلط کرے گا اور ایک دن وہ آئے گا جب لوگ اس کے خلاف قیام کریں گے؟ (اور پھر ان سے یہ بھی کہا کہ اس موقع پر مجھے یاد کرنا)۔

خلیفہ نے یہ فراست ودانائی یا غیب کی باتوں کو کہاں سے حاصل کیا تھا؟ کیا اس کے علاوہ کچھ اور ہے کہ انہوں نے خلافت کے لئے شوریٰ کے ممبران کا اس طرح انتخاب کیا تھا کہ عثمان کا خلافت کے لئے منتخب ہوجانا اور علی کو حتماً خلافت سے محروم ہوجانا یقینی تھا۔

۸۔عمر بے شمار کوششوں کے باوجود امام علی علیہ السلام کی زندگی میں کوئی عیب تلاش نہ کرپائے اور ایسی گفتگو کی کہ بعد میں عمرو عاص نے اسے بہانہ بنایا اور کہا علی شوخ مزاج تھے۔[1]

عمر نے حضرت کے کشادہ سینے اور معاف کرنے اور امور مادی کو حضرت کی طرف سے ناچیز شمار کرنے کو شوخ مزاجی سے تعبیر کیا ہے وہ چیز جو ایک رہبر کے پاس ہونا ضروری ہے وہ یہ کہ حق کے اجراء کرنے اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنے میں مصمم ارادہ رکھتا ہو اور حضرت علی علیہ السلام اس خصوصیت کی اعلیٰ مثال تھے اور خود خلیفہ دوم نے اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر تم نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو لوگوں کی واضح وآشکار حق کے ساتھ رہبری کروگے۔

۹۔عمر نے عبدالرحمن بن عوف کو کیوں معیار قرار دیا اور کہا کہ اگر دونوں کی رائے مساوی ہو تو اس گروہ کو مقدم کرنا جس میں عبدالرحمن بن عوف ہو؟

---

[1] امام نے اس تہمت کو عمرو عاص سے نقل کیا ہے اور اس طرح سے جواب دیا ہے؛
عجباً لابنِ النابغة یزعُمُ لاهلِ الشامِ ان فیَّ دُعابة وان امرؤٌ تلعابة...لقد قال باطلا ونطق آثما. (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۸۲)

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ خلیفہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ مساوی رائے ہونے کی صورت میں ضروری تھا کہ اس مشکل کو حل کیا جائے اور خلیفہ نے عبدالرحمن کو یہ فیصلہ کا حق دے کر اس مشکل کو برطرف کر دیا۔

اس کا جواب بالکل واضح ہے کیونکہ عبدالرحمن بن عوف کو فیصلہ کرنے کا حق دینا عثمان کی کامیابی کو مستحکم کرنے کے علاوہ کچھ اور نہ تھا کیونکہ عبدالرحمن عثمان کا بہنوئی تھا لہٰذا فیصلہ کرتے وقت اپنی رشتہ داری کو کبھی فراموش نہیں کرے گا، یہاں تک کہ اگر فرض بھی کر لیں کہ وہ اچھا انسان تھا تب بھی رشتہ داری کا اثر نہ چاہتے ہوئے بھی پڑ جاتا ہے۔

عمر اس مشکل کو برطرف کرنے کے لئے دوسرے گروہ کی رائے کو فیصلہ کن رائے قرار دے سکتے تھے کہہ سکتے تھے کہ اگر دونوں گروہ ایک ہی رائے پر متفق ہوں۔ تو آخری رائے ان لوگوں کی ہوگی جس رائے سے پیغمبر کے پاکیزہ اصحاب راضی ہوں، نہ کہ عبدالرحمن کی رائے جو کہ عثمان کا بہنوئی اور سعد وقاص کا عزیز تھا۔

۱۰۔ عمر نے جب کہ وہ درد کی وجہ سے بے حال تھے وہاں پر موجود افراد سے کہا کہ میرے بعد تم لوگ آپس میں اختلاف نہ کرنا اور تفرقہ بازی سے پرہیز کرنا کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو معاویہ خلافت کو لے لیگا اور تم سے حکومت کو چھین لے گا، اسکے باوجود عبدالرحمٰن کی رائے کو فیصلہ کن قرار دیا جو عثمان کا رشتہ دار تھا، عثمان اور معاویہ بنی امیہ کے نجس درخت کے دو پھل ہیں اور عثمان کی خلافت معاویہ کی حکومت کے لئے استحکام کا باعث بنی تھی۔

اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ خلیفہ کبھی حاکموں کے اموال کو لے کر ان کو ان کے منصب سے معزول کر دیتا تھا مگر کبھی بھی معاویہ کی حکومت میں دخل اندازی نہیں کی اور اسے مال جمع کرنے اور شام میں اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا تھا، جب کہ یہ جانتا تھا کہ وہ ایک عام حاکم کی طرح (حاکموں کی روش کے مطابق) اپنے فرائض کو انجام نہیں دیتا ہے اور اس کا دربار، قیصر و کسریٰ کے نمائندوں سے کم نہیں ہے۔

کیا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ایک پلاننگ تھی اور اس کام کا مقصد بنی امیہ کے لئے زمینہ فراہم کرنا تھا جو اسلام آنے سے پہلے سے ہی بنی ہاشم کے خونی دشمن تھے؟ جی ہاں، ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر بنی ہاشم مرکز اسلام مدینہ میں ایک طاقت بن کر ابھرے اور لوگ ان کے ماننے والے ہو گئے تو ایک بیرونی طاقتور حکومت ہمیشہ ان کے لئے مزاحمت کا سبب ہوگی، چنانچہ ایسا ہوا بھی۔

۱۱۔ عمر نے اپنی عجز و انکساری ظاہر کرتے ہوئے کہا: میرے بیٹے عبداللہ کو رائے نہ دینا کیونکہ اس کے اندر اتنی بھی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دے سکے، ان تمام چیزوں کے باوجود اسے شوری کا مشاور قرار دیا اور کہا جب شوریٰ کے ممبران تین مساوی رائے رکھتے ہوں تو طرفین میرے بیٹے عبداللہ کی بات کو قبول کریں لیکن ہرگز یہ اجازت نہ دی کہ حسن بن علی اور عبداللہ بن عباس شوریٰ کے ممبر یا اس کے مشاور ہوں، بلکہ اس نے کہا کہ اگر یہ لوگ جلسہ میں آزاد سامعین

کی طرح آنا چاہیں تو شرکت کر سکتے ہیں۔[1]

۱۲۔اصولی طور پر کیا ہو جاتا اگر عمر، ابو بکر کی طرح علی کو جانشینی کے لئے منتخب کرتے اور اسی طرح بہت سی خرابیوں کو روک سکتے دیتے؟

اس صورت میں بنی امیہ، معاویہ سے مروان تک نہ سرکشی کی قدرت رکھتے، اور نہ اس کی جرأت اور رکھتے، جاگیر کا مسئلہ، بیت المال کو غارت کرنا، لوگوں کے کمزور اور بے بنیاد اعتقاد، حاکم وقت کی کوتاہیاں، اور جاہلیت کے آداب و رسوم کا مستحکم ہونا جس نے اسلام پر ضرب لگائی، یہ تمام واقعات ہرگز رونما نہ ہوتے۔

امام کی بے مثال عقلی، جسمی اور اخلاقی قوت اور اس کے علاوہ تمام ہمت و شجاعت، جو منافقوں اور شقیوں سے مقابلہ میں ختم ہوئی یہ سب اسلام کے تمام آسمانی اصولوں، لوگوں کو جذب کرنے، اور مختلف قوم و ملت کے افراد کو اسلام کی دعوت دینے اور اس کی ترویج وغیرہ میں صرف ہوتی اور حقیقت میں دنیا اور آدمی کو ایک نئی سرنوشت اور روشن و تابناک مستقبل حاصل ہوتا۔[2]

۱۳۔عمر نے ایک طرف تو عبد الرحمن بن عوف کو مومن یکتا کے خطاب سے نوازا کہ اس کا ایمان زمین پر موجود لوگوں کے آدھے ایمان سے زیادہ سنگین ہے اور دوسری طرف اس مشہور و معروف مالدار کو فرعون امت کے لقب سے نوازا ہے[3] اور حقیقتاً تاریخ بھی اس بات کی گواہ ہے کہ عبد الرحمن بن عوف قریش کا مشہور و معروف مالدار تھا اور مرنے کے بعد بے پناہ دولت میراث میں چھوڑی تھی۔

اس کی دولت کا ایک حصہ یہ تھا کہ اس کے پاس ایک ہزار گائے، تین ہزار بکری اور سو گھوڑے تھے اور مدینے کے جرف علاقے کو بیس گائے کے ذریعہ پانی سے سیراب کر کے کھیتی کرتا تھا۔

اس کی چار بیویاں تھیں اور جب اس کا انتقال ہوا تو ہر بیوی کو ۸۰ ہزار دینار میراث کے طور پر ملا اور یہ اس کی دولت میں سے آٹھویں حصہ کا ایک چوتھائی حصہ تھا جو اس کی بیویوں تک پہنچا اور جب اس نے اپنی ایک بیوی کو بیماری کی حالت میں طلاق دیا تو ۸۳ ہزار دینار اسے بطور میراث دیکر اس سے مصالحت کی۔[4]

کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کا ایمان روئے زمین پر موجود افراد کے آدھے ایمان سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۱۲، الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۲٤۔

[2] ماخوذ از مرد نامتناہی ص ۱۱٤۔

[3] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۲٤۔

[4] الغدیر ج ۸ ص ۲۹۱ مطبوعہ نجف و ص ۲۸٤ مطبوعہ لبنان۔

۱۴۔عبدالرحمن نے عثمان کومنتخب کرتے وقت مکروفریب سے کام لیااورسب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام سے پیشنہاد کیا کہ کتاب خدا وسنت پیغمبر اور شیخین کی سیرت کے مطابق عمل کریں، جب کہ وہ جانتا تھا کہ شیخین کا طور وطریقہ، قرآن وسنت سے مطابقت کی صورت میں ایک جداگانہ امر نہیں ہے اور قرآن وسنت کے مطابق نہ ہونے کی صورت میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔

ان تمام چیزوں کے باوجود اس کا اصرار تھا کہ علی کی بیعت ان تینوں شرطوں پر ہونی چاہیئے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ امام علی علیہ السلام تیسری شرط کو قبول نہیں کریں گے لہٰذا جب حضرت نے اس تیسری شرط کو رد کردیا تو عبدالرحمن نے فوراً اس چیز کی خبر اپنے برادرنسبتی عثمان کو دیدی اور انہوں نے فوراًاسے قبول کرلیا۔

۱۵۔امام کے لئے حکومت وسیلہ تھی نہ کہ ہدف، جب کہ آپ کے مخالف کے لئے ہدف تھی نہ وسیلہ۔

اگرامام خلافت کواسی نگاہ سے دیکھتے جس سے عثمان دیکھ رہے تھے تو بہت زیادہ آسان تھا کہ ظاہراً عوف کے بیٹے کی شرط کو قبول کر لیتے لیکن عمل کے وقت اسے قبول نہ کرتے ،لیکن حضرت نے ایسا نہیں کیا کیونکہ آپ کبھی بھی حق کو باطل کے ذریعے حاصل نہیں کرنا چاہتے تھے۔

۱۶۔امام ابتداء سے ہی خلیفہ دوم کے فریب اوران کے نمائندوں کی نیت سے باخبر تھے یہی وجہ خلافت سے محروم ہو گئے صرف امام ہی اس نتیجہ سے آگاہ نہ تھے بلکہ عبداللہ بن عباس جیسا نوجوان بھی جب شوری کے نمائندوں کی فہرست سے باخبر ہوا تو اس نے کہا کہ عمر چاہتے ہیں کہ عثمان خلیفہ بنیں۔[1]

۱۷۔عمر نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ اگر اقلیت نے اکثریت کی موافقت نہ کی تو فوراً ان کو قتل کر دینا اور اگر دونوں گروہ مساوی ہوں اور دوسرے گروہ نے اس گروہ کی جس میں عبدالرحمن ہے موافقت نہیں کی تو فوراً انہیں قتل کر دینا اور اگر شوریٰ کے ممبران تین دن تک جانشین کا تعین نہ کرسکیں تو سب کو قتل کر دینا۔

ان دھمکیوں کے مقابلے میں یہ بات کہنا ضروری ہے کہ اس آزادی پر مبارکباد، دنیا کی کس حکومت کا قانون ہے کہ اگر اقلیت اکثریت کے مقابلے میں ہو تو اسے قتل کر دیا جائے؟!

حکومت اسلامی کی باگ ڈور دس سال تک اس سنگدل شخص کے ہاتھوں میں تھی، جو نہ صحیح تدبیر رکھتا تھا نہ مروت اور نہ لوگوں سے محبت رکھتا تھا لہٰذا لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے۔

درّۃُ عمر اھیبُ من سیفِ الحجاج

عمر کا تازیانہ حجاج کی تلوار سے زیادہ خطرناک تھا۔

---

[1] کامل ابن اثیر ج۲ ص۶۵ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱۳ ص۹۳۔

عثمان کے خلیفہ منتخب ہونے کی وجہ سے بنی امیہ کو بہت زیادہ ترقی نصیب ہوئی اور اتنی قدرت و جرأت ملی کہ ابو سفیان جو عثمان کے رشتہ داروں میں سے تھا ایک دن وہ احد گیا اور اسلام کے بزرگ سردار جناب حمزہ کی قبر پر جو ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے جنگ کرتے وقت شہید ہوئے تھے پیر سے ٹھوکر مار کر کہتا ہے: اے ابا یعلی! اٹھو اور دیکھو جس چیز کے لئے ہم نے لڑائی لڑی تھی وہ آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔[1]

عثمان کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں ایک دن اس کے تمام رشتہ دار اس کے گھر میں موجود تھے اس وقت اسی بوڑھے ملحد نے سب سے مخاطب ہو کر کہا:

خلافت کو ایک دوسرے کے ہاتھوں میں منتقل کرتے رہو اور اپنے عہدہ داروں کو بنی امیہ میں سے منتخب کرو کیونکہ حاکمیت کے علاوہ کوئی دوسرا ہدف نہیں ہے نہ کوئی جنت ہے اور نہ کوئی دوزخ۔[2]

---

[1] نقش وعاظ در اسلام، ص۱۵۱۔

[2] الاستیعاب، ج۲ ص۲۹۰۔

آٹھویں فصل

خاندان رسالت، حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں

امام علی علیہ السلام کی پچیس سالہ زندگی جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد شروع ہوتی ہے اور آپ کی ظاہری خلافت کے شروع ہونے پر ختم ہوتی ہے ایک ایسا حساس اور قابل درس حصہ ہے جس میں سے بعض کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور بقیہ حصے کو یہاں پر بیان کررہے ہیں اس میں سے کچھ حصے حسب ذیل ہیں:

۱۔خلفاء ثلاثہ کے مقابلے میں امام کا رویہ اور ان کے ساتھ برتاؤ۔

۲۔مسلمانوں کو احکام اور اسلامی مسائل کی تعلیم دینا۔

۳۔امام کی اجتماعی خدمات۔

اس کے پہلے کہ امام کی خلفاء کے مقابلے میں آپ کے رویے کو بیان کریں، ضروری ہے کہ خاندان رسالت کے سلسلے میں حضرت کے نظریہ کو بیان کریں یا خود امام کی اصطلاح میں آل محمد کے حالات کو بیان کریں تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ اسلام کی نشر و اشاعت میں حضرت علی علیہ السلام کا خلفاء کے ساتھ ہمکاری کرنا اس وجہ سے نہ تھا کہ امام ان لوگوں کو حق کا محور اور واقعی خلیفہ و حاکم سمجھتے تھے، بلکہ آنحضرت ان کی ہمکاری اور سیاسی و علمی مشکلات کو حل کرنے کے ساتھ ساتھ خاندان رسالت استادان حق، صحیح پیشوا اور حقیقی حاکم جانتے تھے خود واضح لفظوں فرماتے ہیں:

لایقاسُ بآلِ محمدٍ صلی الله علیه وآله وسلم من هذه الامة احدٌ و لایساویٰ بهم من جرتْ نعمتهُم علیه ابداً[1]

اس امت میں کسی شخص کا مقابلہ بھی خاندان رسالت سے نہیں ہوسکتا اور جو لوگ ان کی نعمتوں سے مستفید ہوئے ہیں ہرگز ان کے برابر نہیں ہوسکتے۔

دوسرے مقام پر امام، آل محمد علیہم السلام کے علمی فضائل کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هُم موضعُ سرِّه و ملجأُ امرِه و عَیبةُ عِلمهِ و موئلُ حکمِه و کهوفُ کتبهِ وجبالُ دینِه، بهم

---

[1] نہج البلاغہ عبدہ، خطبہ ۲۔

أقامَ انحناءَ ظهرِه و أذهبَ ارتعادَ فرائضه[1]

خاندان پیغمبر کے افراد پیغمبر کے رازوں کے محافظ اوران کے حکم پر عمل کرنے والے، اوران کے علوم کا ذخیرہ، اوران کی کتابوں کے محافظ ہیں۔ وہ لوگ ایسے مضبوط پہاڑ ہیں جو اسلام کی سرزمین کو زلزلہ سے محفوظ رکھتے ہیں، پیغمبر نے ان لوگوں کے وسیلے سے اپنی پشت کو سیدھا کیا اوراپنے کو آرام وسکون بخشا۔

حضرت علی علیہ السلام ایک مقام پر ان لوگوں کو دین کی اساس و بنیاد اور ایمان ویقین کے ستون سے تعبیر کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے رفتار وگفتار کو دیکھ کر جو لوگ غلو کرتے ہیں ان کو غلو سے روکا اور جو حق کی راہ میں پیچھے رہ گئے ہیں ان کو منزل پر لایا جا سکتا ہے۔

هم اساسُ الدین و عمادُ الیقین الیهم یفیئُ الغالی و بهم یلحقُ التالی[2]

ایک اور مقام پر آپ ارشاد فرماتے ہیں:

انظروا اهلَ بیتِ نبیکم فالزموا سَمْتَهم و اتبعوا أثرَهم فلن یُخرجوکم من هدی و لن یعیدوکم فی ردیً فان لبدوا فالبدوا و ان نهضوا فانهضوا و لا تسبقوهم فتضلوا و لا تتأخروا عنهم فتهلکوا[3]

خاندان رسالت کے بارے میں فکر وتدبر سے کام لو اوران کے راستے پر چلو کیونکہ ان کی پیروی تمہیں راہ حقیقت سے دور نہیں کرسکتی اور گمراہی کی طرف نہیں لے جائے گی اگر وہ کسی مقام پر رک جائیں تو تم بھی رک جاؤ اور اگر اٹھ جائیں تو تم بھی اٹھ جاؤ کبھی بھی ان پر سبقت نہ کرنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اوران سے منہ بھی نہ موڑنا ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔

امام اہل بیت نبوت کی معرفت وشناخت کو خدا وپیغمبر کی معرفت کے بعد جانتے ہیں۔

فانه من ماتَ منکم علی فراشِه و هو علی معرفةِ حقِ ربِه و حقِ رسولِه و اهلِ بیتِه ماتشهیداً[4]

تم میں سے جو شخص بھی خود اپنے بستر پر مرجائے اور اپنے پروردگار کے حق اوراپنے پیغمبر کے حق اور خاندان رسالت کے حق کی معرفت رکھتا ہو تو وہ دنیا سے شہید اٹھا ہے۔

امام نے اپنے کلام میں کہ خاندان رسالت کے حق کی معرفت، خدا ورسالت کے حق کی معرفت کے ہمراہ ہے اس

---

[1] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۲۔

[2] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۲۔

[3] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۹۳۔

[4] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱۸۵۔

حدیث کو واضح اور روشن کر دیا ہے جسے محدثین نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

من مات ولم یعرف امامَ زمانِه مات میتۃ جاهلیة

جو مر جائے اور اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانے اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

امام ایک مقام پر ہر زمانے میں فیض الٰہی جاری رہنے کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الا ان مثلَ آلِ محمدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ کمثلِ نجومِ السماء اذا خوی نجمٌ طلعَ نجم [۱]

خاندان رسالت کی مثال آسمان کے ستاروں کی طرح ہے کہ اگر ایک ڈوبتا ہے تو دوسرا نکلتا ہے۔

امام نے خاندان رسالت کے فضائل و کمالات کے متعلق اس سے بہت زیادہ کہا ہے کہ ان سب کو یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے [۲] نمونہ کے طور پر چند حدیثوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، حضرت ان کے اسماء مبارک کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

ألا بأبي و امي هم من عِدةٍ اسماء هم في السماء معروفة و في الارضِ مجهولة [۳]

میرے ماں باپ قربان ہوں اس گروہ پر جن کے نام آسمانوں پر مشہور اور زمین پر مجہول ہیں۔

امام کی درج ذیل حدیث اگر چہ حق کی پیروی کرنے والوں کے بارے میں ہے لیکن اس کا مصداق کامل خاندان رسالت ہے۔

عقلوا الدینَ عقلَ وعایةٍ ورعایةٍ لا عقلَ سُماعٍ وروایةٍ فان رواةَ العلمِ کثیر ورعاتُه قلیل [۴]

دین واصول اور فروع کی حقیقت کو حد کمال و عقل تک پہچانا ہے اور اس پر عمل کیا ہے نہ یہ کہ صرف سن کر پہچانا ہے کیونکہ علم کے دعوے دار بہت ہیں اور اس پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔

امام نے اگر چہ ذیل کے کلام میں ان کے باعظمت مقام کو بیان کیا ہے لیکن اپنے دوسرے کلام میں ان کی ولایت و رہبری کی تصریح کی ہے اور ان لوگوں کو اس امت کا ولی و حاکم اور پیغمبر کا جانشین اور ان کے منصبوں کا (سوائے نبوت کے) وارث قرار دیا ہے۔

ولهم خصائصُ حقِ الولایة وفیهم الوصیةُ والوراثة [۵]

---

[۱] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۹٦۔

[۲] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۲۳۔

[۳] نہج البلاغہ فیض الاسلام خطبہ نمبر ۸۹٦۹۳، ۱۵۳۱٤۷۱۱۹۱، ۲۲٤۱٦ و مکتوب نمبر ۱۷ کلمات قصار ۱۰۱۔

[۴] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱۸۲۔

[۵] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۲۔

ولایت وامامت کی خصوصیتیں (علم اوراعجاز)ان کے پاس ہیں اور پیغمبر کی وصیت ان کے بارے میں ہے اور یہ لوگ پیغمبر کے وارث ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کے بیانات کی روشنی میں جب خاندان رسالت کی عظمت واضح ہوگئی اورخود آپ بھی اسی خاندان کی ایک اہم فرد ہیں۔تو اب ضروری ہے کہ امام کی خلفاء کے بارے میں امام کے رویے کی اہم تاریخی حوالوں کے ساتھ وضاحت کریں۔

امام خلفاء کی فکری اور قضاوتی آماجگاہ تھے

منصب خلافت سے کنارہ کشی کرنے کے بعد امام پچیس سال تک خاموش رہے اور مکمل طور پر خاموش رہنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آپ امور رہبری میں ہرطرح کی مداخلت سے کنارہ کشی کئے ہوئے تھے،اگر چہ سیاسی رہبری اور منصب خلافت پر دوسروں نے قبضہ کرلیا تھا اور منصوب ومعزول کرنا اوراسلامی اموال ان کے ہاتھ میں تھا،اس کے باوجود اس امت کے تنہا معلم اورلوگوں کی فکروں کی آماجگاہ جن کے علم کے مقابلے میں سبھی خاضع تھے وہ علی بن ابی طالب تھے۔

اس زمانے میں امام کی اہم ترین خدمات یہ تھیں کہ نئے اسلام کے قضاوت کی رہبری کرتے تھے، جب بھی ان کو کوئی مشکل پیش آتی تھی فوراًاس مسئلہ کے حل کے لئے حضرت کی طرف رجوع کرتے تھے اور کبھی کبھی خود امام بغیر اس کے کہ لوگ ان کی طرف رجوع کرتے خلیفۂ وقت کی مسئلہ قضاوت میں راہنمائی کرتے تھے اور جواس کے جاری کردہ حکم میں غلطیاں ہوتی تھیں اس پر متوجہ کرتے اور بہترین اورفیصلوں کے ذریعے پیغمبر کے صحابیوں کے ذہنوں کوجلا بخشتے تھے۔

اگرچہ امام ان کی خلافت کوتسلیم نہیں کرتے تھے اور خود کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصی وجانشین اورامت کے تمام امور کی رہبری کے لئے بہترین فرد جانتے تھے،لیکن جب بھی اسلام اور مسلمانوں کی مصلحتوں پر کوئی وقت آتا تھا تو ہرطرح سے مدد کرتے تھے بلکہ جانبازی اورفداکاری سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ مسکراتے ہوئے چہرے سے تمام مشکلات کا استقبال کرتے تھے۔

امام کی منزلت اس سے بالاتر اورآپ کی روح اس سے بزرگ ترتھی کہ آپ کے بارے میں بعض یہ خیال کریں کہ چونکہ خلافت کی باگ ڈور ان سے لے لی گئی لہٰذا حکومت کے کسی بھی امور میں مداخلت نہ کریں اور کسی بھی مشکل کوحل نہ کریں، تاکہ اسلامی معاشرہ ناراض ہوجائے اور خلافت غیر مستحکم ہوجائے اور حکومت کا تختہ پلٹ جائے،نہیں امام ایسے شخص نہ تھے،وہ اسلام کے پروردہ تھے اوراسلام کی آغوش میں انہوں نے تربیت پائی تھی اور جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شجر اسلام کی آبیاری کر رہے تھے اس وقت آپ نے بہت زحمتیں برداشت کیں اوراسلام کی راہ میں خون نثار کیا،آپ کا ایمان اور پاکیزہ فکر اس بات کے لئے راضی نہ تھی کہ اسلام کی مشکلات اور مسلمانوں کے دشوار امور کے مقابلے میں مکمل خاموش رہیں اور ہرطرح کی

مداخلت سے پرہیز کریں۔

امام کا اہم ہدف یہ تھا کہ پوری دنیا میں اسلام پھیل جائے اور مستحکم ہو جائے اور امت کے افراد معارف الٰہی، دین کے اصول و فروع سے باخبر اور یہودیوں اور نصرانیوں کے دانشمندوں کے نزدیک اسلام کی عظمت محفوظ ہو جائے جو اس نئے مذہب کی طرف گروہ در گروہ تحقیق کے لئے مدینہ آرہے تھے اور جہاں تک امام کے امکان میں تھا اور حکومت، مزاحمت ایجاد نہیں کرتی تھی بلکہ کبھی کبھی آپ کے سامنے دست سوال دراز کرتی تھی تو آپ ان کی رہنمائی اور رہبری سے منہ نہیں پھیرتے تھے بلکہ ہمیشہ استقبال کرتے تھے۔

امام نے اس خط میں جو مالک اشتر کے ذریعے مصر والوں کے نام لکھا تھا اس میں آپ نے اس حقیقت کی وضاحت اور خلفاء کے ساتھ مدد اور رہنمائی کرنے کی وجہ کو بھی بیان کیا ہے۔

فامسکتُ یدی حتی رأیتُ راجعةَ الناسِ قد رجعتْ عن الاسلامِ یدعون الی محقِ دینِ محمدٍ فخشیتُ ان لم انصرِ الاسلامَ و اهلَه ان أَری فیه ثلماً او هدماً تکونُ المصیبةُ به علَّ اَعظمَ من فوتِ ولایتِکم التی انما هی متاعُ ایامٍ قلائلٍ یزولُ منها ما کانَ کما یزولُ السراب[۱]

میں نے ابتدا میں خلفاء کی مدد کرنے سے پرہیز کیا (اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا) یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ایک گروہ نے اسلام سے منہ پھیر لیا ہے اور لوگوں کو دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مٹانے کی دعوت دے رہا ہے مجھے خوف محسوس ہوا کہ اگر اسلام اور مسلمانوں کی مدد کے لئے نہ اٹھوں تو اسلام کے اندر رخنہ یا ویرانی دیکھنا پڑے گی اور یہ مصیبت میرے لئے اس چند روزہ حکومت سے دوری سے زیادہ بڑی ہوگی جو سراب کی طرح زائل ہو۔

امام کا یہ نامہ آپ کی روح کی پاکیزگی اور اس اسلامی معاشرہ کے امور میں مداخلت کی علت کو بیان کر رہا ہے کہ جس کی باگ ڈور ایسے افراد کے ہاتھ میں تھی جنہیں امام تسلیم نہیں کرتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام، رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد خلفاء اور آپ کے اصحاب نے اپنی مشکلات کے حل کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی طرف رجوع کیا، اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت علی علیہ السلام کے علم و فضل و قضاوت کے بارے میں سنا تھا کہ آپ نے فرمایا:

اعلمُ امتی بالسنةِ و القضاءِ علیُّ بنُ ابی طالب[۲]

---

[۱] نہج البلاغہ عہدہ نامہ ٦٢۔

[۲] کفایۃ الطالب، مطبوعہ نجف، ص ١٩٠

میری امت میں اسلامی سنت اور قضاوت کے احکام کی سب سے زیادہ معلومات رکھنے والے علی بن ابی طالب ہیں
ان لوگوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا کہ حضرت نے زید بن ثابت اور ابی ابن کعب وغیرہ کی معرفی کرتے وقت حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: اقضا کم علی[1] یعنی تم میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے علی بن ابی طالب ہیں۔

ابھی پیغمبر کی آواز صحابیوں کے کانوں سے ٹکرا ہی رہی تھی کہ پیغمبر نے فرمایا:

انا مدینةُ العلم و علی بابُها فمن اراد المدینةَ فلیاتِها من بابها [2]

میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں جو شخص بھی چاہتا ہے کہ شہر میں داخل ہو تو اسے چاہیئے کہ شہر کے دروازے سے داخل ہو۔

جی ہاں، خلفاء اور پیغمبر کے اصحاب اپنی مشکلوں کے حل کے لئے کیوں نہ مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کی طرف رجوع کریں اور ان کے بتائے ہوئے مشورے پر عمل کریں؟ اس لئے کہ ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ جب اہل یمن نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: کسی ایسے شخص کو ہماری رہبری کے لئے بھیجئے جو ہمیں دین سکھا سکے اور سنت اسلامی کی ہمیں تعلیم دے سکے اور خدا کی کتاب کے مطابق فیصلہ کر سکے اس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف دیکھا اور فرمایا:

یا علیُّ انطلقْ الی اھل الیمن ففقھھم فی الدین و علمْھم السننَ و احکم فیھم بکتابِ اللہ۔۔۔ اذھب ان اللہ سیھدی قلبك و یثبت لسانك[3]

اے علی، یمن جاؤ اور ان لوگوں کو خدا کے دین کی تعلیم دو اور اسلامی سنتوں سے ان کو آشنا کرو اور قرآن مجید کے ذریعے ان کے فیصلے کرو (پھر آپ نے علی کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا) جاؤ خدا تمہارے قلب کو حق کی طرف رہبری کرے گا اور تمہاری زبان کو خطا و غلطیوں سے محفوظ رکھے گا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں اس قدر مستجاب ہوئی کہ امام نے فرمایا: اس وقت سے لے کر آج تک کسی بھی مشکل میں گرفتار نہیں ہوا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حضرت علی علیہ السلام کی قضاوت

امیر المومنین صرف خلفاء کے زمانے میں ہی بہترین قاضی اور امت کے بہترین فیصلہ کرنے والے نہیں تھے بلکہ

---

[1] کفایۃ الطالب، مطبوعہ نجف، ص۱۰٤
[2] مرحوم آیت اللہ میر حامد حسین ہندی نے اپنی کتاب عبقات الانوار کی ایک جلد میں اس حدیث کی سند کو جمع کیا ہے۔
[3] مرحوم آیت اللہ میر حامد حسین ہندی نے اپنی کتاب عبقات الانوار کی ایک جلد میں اس حدیث کی سند کو جمع کیا ہے۔

پیغمبر کے زمانے میں بھی یمن اور مدینے میں لوگوں کے مسلّم قاضی تھے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے فیصلوں کو سراہا ہے اور اسی لئے اپنے بعد جامعہ اسلامی کے لئے بہترین فیصلہ کرنے والے کے عنوان سے حضرت علی علیہ السلام کو لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے یہاں پر ہم آپ کے فیصلوں میں سے دو فیصلے بعنوان نمونہ پیش کر رہے ہیں جو پیغمبر کے زمانے میں کئے تھے اور حضرت نے اس کی تصدیق بھی کی تھی۔

۱۔ جس زمانے میں حضرت علی علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے یمن میں رہ رہے تھے اس وقت یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

ایک گروہ نے شیر کا شکار کر کے ایک گہرے گڈھے میں اسے رکھا اور چاروں طرف سے اس کی محافظت کرنے لگے کہ اچانک ان میں سے ایک کا پیر لڑکھڑایا اس نے اپنے کو بچانے کے لئے دوسرے کا ہاتھ پکڑا اور اس نے تیسرے کا ہاتھ پکڑا اور اس نے چوتھے کا ہاتھ پکڑا اور سب کے سب اس گڈھے میں گر پڑے اور شیر نے ان پر حملہ کر دیا اور شیر کے حملے کی وجہ سے وہ سب موت کی آغوش میں چلے گئے، ان کے رشتہ داروں کے درمیان اختلاف ہوگیا۔ امام علی علیہ السلام اس واقعے سے مطلع ہوئے اور فرمایا: میں تمہارا فیصلہ کروں گا اور اگر میرے فیصلے پر راضی نہ ہو تو اس مسئلہ کو پیغمبر کی خدمت میں پیش کرو تا کہ وہ تمہارا فیصلہ کریں۔ پھر آپ نے فرمایا: جن لوگوں نے اس گڈھے کو کھودا ہے وہ لوگ ان چاروں مرنے والے افراد کا دیہ اس طرح سے ادا کریں۔

پہلے مرنے والے شخص کے وارث کو ایک چوتھائی دیہ ادا کریں اور دوسرے شخص کے وارث کو ایک تہائی دیہ ادا کریں اور تیسرے شخص کے وارث کو آدھا دیہ ادا کریں اور چوتھے شخص کے وارث کو پورا دیہ دیں۔

جب امام سے پوچھا گیا کہ پہلے شخص کے وارث کو کیوں ایک چوتھائی دیہ دیا جائے، حضرت نے جواب میں فرمایا: کیونکہ اس کے بعد تین آدمی مرے ہیں اور اسی ترتیب کو دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: دوسرے شخص کے وارث کو ایک تہائی حصہ دیں کیونکہ اس کے بعد دو آدمی مرے ہیں، اور تیسرے شخص کے وارث کو آدھا دیہ دیں کیونکہ اس کے بعد ایک آدمی مرا ہے اور چوتھے شخص کے وارث کو پورا دیہ دیں کیونکہ وہ آخری آدمی ہے جو مرا ہے۔[۱]

جی ہاں، مرنے والوں کے ورثاء نے امام کے فیصلے کو قبول نہیں کیا اور مدینے کے لئے روانہ ہوگئے اور پیغمبر کی خدمت میں اس مسئلہ کو پیش کیا آنحضرت نے فرمایا:

القضاء کما قضی علی[۲]

محدثین شیعہ واہل سنت دونوں نے امام علی علیہ السلام کے اس فیصلے کو بعینہ اسی طرح نقل کیا ہے، لیکن شیعہ محدثین نے اس فیصلے کو دوسرے انداز سے بھی نقل کیا ہے، اس نقل کے مطابق۔

---

[۱] ذخائر العقبیٰ مولف: محب طبری ص ۸۴، کنز العمال ج ۲ ص ۳۹۳، وسائل الشیعہ ج ۱۹ ص ۱۷۵۔

[۲] کنز العمال ج ۲ ص ۳۹۳، وسائل الشیعہ ج ۱۹ ص ۱۷۵ باب ۴ موجبات ضمان۔

امام نے فرمایا: پہلا شخص شیر کا لقمہ بنا ہے اس لئے اس کا دیہ کسی پر نہیں ہے لیکن پہلے شخص کے وارثوں کو چاہیئے کہ دوسرے شخص کے ورثاء کو ایک تہائی دیہ دیں اور دوسرے شخص کے ورثاء تیسرے شخص کے ورثاء کو آدھا دیہ دیں اور تیسرے شخص کے ورثاء چوتھے شخص کے ورثاء کو پورا دیہ دیں شیعہ دانشمند پہلی حدیث کو معتبر نہیں مانتے ہیں کیونکہ اس حدیث کی سند میں غیر معتبر افراد موجود ہیں لیکن دوسری حدیث کی پر مکمل یقین رکھتے ہیں، اس فیصلے میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ امام نے چوتھے فرد کی دیت کو پہلے تینوں افراد کے اولیاء کے درمیان برابر برابر تقسیم کیا ہے اس ترتیب کے ساتھ کہ ایک تہائی دیہ کو پہلے والے کے ورثاء دوسرے والے کے ورثاء کو ادا کریں۔ اور دوسرے والے کے ورثاء اس کا دوتہائی (ایک تہائی اپنا حق جو پہلے والے سے لیا ہے ادا کریں) تیسرے والے کے ورثاء کو ادا کریں اور تیسرے والے پورا دیہ ادا کریں۔ یعنی دوتہائی جو پہلے لیا تھا ایک تہائی لے لیں اور ایک مکمل دیہ چوتھے والے کے ورثاء کو ادا کریں اور اس طرح سے چوتھے شخص کا دیہ پہلے والے تین افراد پر برابر برابر تقسیم ہوجائے گا۔ (کتاب جواہر الکلام ج٦ کتاب دیات، بحث تزاحم موجبات کی طرف رجوع فرمائیں)

٢۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے ایک گروہ کے ہمراہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دو آدمی مسجد میں وارد ہوئے اور اپنے اختلاف کو بیان کیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

ایک گائے نے اپنے سینگ سے کسی کے جانور کو مار ڈالا، تو کیا گائے کا مالک جانور کی قیمت کا ضامن ہے؟

مسلمانوں میں سے ایک شخص فوراً بول اٹھا اور کہا: **لاضمان علی البہائم** یعنی غیر مکلف جانور کسی کے مال کا ضامن نہیں ہے۔

شیخ کلینی کے اصول کافی میں نقل کرنے کے مطابق پیغمبر نے ابوبکر اور عمر سے کہا کہ اس اختلاف کا فیصلہ کریں ان دونوں نے کہا:

بہیمة قتلت بہیمةً ما علیہا من شیء[1]

یعنی ایک جانور نے دوسرے جانور کو مارا ہے اور جانور کے لئے کوئی ضمانت نہیں ہے۔

اس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ فیصلہ کریں۔ امام نے کلی قانون، جس سے آج بھی استفادہ کیا جاتا ہے، سے اس مشکل کو حل کردیا اور فرمایا: اس کا نقصان اس شخص کے ذمہ ہے جس نے کوتاہی کیا ہے اور اس نے جانور پالنے کی شرطوں پر عمل نہیں کیا ہے اور اگر جانور کے مالک نے اپنے جانور کی صحیح دیکھ بھال اور اس کی حفاظت کی ہے لیکن گائے کے مالک نے اپنے وظیفے سے کوتاہی کی اور اسے آزاد چھوڑ دیا تو گائے کا مالک ضامن ہے اور ضروری ہے کہ اس جانور کا دیہ دے، لیکن اگر واقعہ اس کے برعکس ہے تو اس پر کوئی ضمانت نہیں ہے۔

---

[1] اصول کافی ج٧ ص٣٥٢ حدیث٧٦۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عظیم اور کلی فیصلہ سننے کے بعد آسمان کی طرف اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے کہا:

الحمد للہ الذی جعل فی امتی من یقضی بقضاء النبیین

یعنی خداوند عالم کا شکر کہ اس نے ہمارے خاندان میں ایسے شخص کو قرار دیا ہے جس کا فیصلہ پیغمبروں کے فیصلے کی طرح ہے۔[1]

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حضرت علی علیہ السلام کے فیصلے صرف انہی دو فیصلوں میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ مولائے متقیان نے پیغمبر کے زمانے میں ایسے ایسے حیرت انگیز فیصلے کئے ہیں جو آج بھی تاریخی اور روائی (روایتوں کی) کتابوں میں موجود ہیں۔[2]

---

[1] صواعق محرقہ، ص ۷۵، مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۴۸۸۔

[2] مرحوم مجلسی نے بحار الانوار میں کچھ فیصلوں کا تذکرہ کیا ہے، بحار الانوار ج ٤ ص. ٢٤-٢١٩، کی طرف رجوع فرمائیں۔

نویں فصل

حضرت علی علیہ السلام اور خلیفہ اول کی سیاسی مشکلیں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابیوں اور چاہنے والوں کے درمیان جو حضرت علی علیہ السلام کے فضائل بیان کئے اس کی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد علمی اور فکری مسائل میں حضرت علی علیہ السلام امت کے عظیم مرجع قرار پائے یہاں تک کہ وہ افراد بھی جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو خلافت سے دور کر دیا تھا اپنی علمی، سیاسی، عقیدتی مشکلوں میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے مدد طلب کرتے تھے۔

خلفاء کا امام سے مدد طلب کرنا تاریخ اسلام کا ایک مسلّم باب ہے اور بہت زیادہ قطعی سندیں اس سلسلے میں موجود ہیں اور کوئی بھی انصاف پسند اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ اور یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ امام قرآن وسنت، اصول وفروع اور اسلام کے سیاسی مصلحتوں میں اعلم تھے صرف کتاب الوشیعہ کے مولف نے اس تاریخی حقیقت کا کنایۃً واشارتاً انکار کیا ہے اور خلیفۂ دوم کو دسیوں جعلی اور تاریخی سندوں کے ساتھ امت میں سب سے اعلم اور افقہ شمار کیا ہے[1] ہم فی الحال اس سلسلے میں بحث نہیں کریں گے کیونکہ بہت زیادہ تاریخی شواہد موجود ہیں کہ خلیفۂ دوم نے مدد کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی طرف رجوع کیا تھا اور تاریخ نے اسے اپنے دامن میں محفوظ رکھا ہے جو ان کی بات کا جواب ہے، لہٰذا جواب دینے سے بہتر یہ ہے کہ خلفاء میں سے ہر ایک کی علمی اور سیاسی مدد جو انہوں نے امیر المومنین سے مانگی تھی، اسے پیش کیا جائے۔

حضرت علی علیہ السلام اور ابوبکر کی علمی وسیاسی مشکلیں

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ خلیفۂ اول نے حضرت علی علیہ السلام سے سیاسی، فقہی، عقائدی، تفسیر قرآن اور احکام اسلامی جیسے اہم مسئلوں میں مدد لی تھی اور حضرت کی رہنمائیوں سے پورا فائدہ اٹھایا تھا، یہاں پر چند نمونے ذکر کررہے ہیں۔

رومیوں کے ساتھ جنگ

اسلامی حکومت کے دشمنوں میں سے بدترین دشمن روم کے بادشاہ تھے جو ہمیشہ شمال کی جانب سے اسلامی حکومت کو ڈرایا کرتے تھے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک روم کے خطروں سے غافل

---

[1] مقدمہ الوشیعہ، ص ن

نہ تھے۔

۷ ھ میں آپ نے ایک گروہ کو جعفر بن ابی طالب کی سپہ سالاری میں شام کے اطراف میں روانہ کیا، لیکن لشکر اسلام نے اپنے تین سپہ سالاروں کو کھو دینے کے بعد بغیر نتیجہ مدینہ واپس آ گئے اس خسارے کی تلاش کرنے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۹ ھ میں ایک عظیم لشکر کے ہمراہ تبوک کی جانب عازم ہوئے لیکن دشمن سے مقابلہ کئے بغیر مدینہ واپس آ گئے اس سفر میں ایسے اہم اور واضح نتائج سامنے آئے کہ جو تاریخ میں محفوظ ہیں، اس کے باوجود روم کی جانب سے ہونے والے خطرے نے پیغمبر کو متفکر رکھا، اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت نے اپنی زندگی کے آخری لحات میں جب کہ آپ بیمار تھے مہاجرین اور انصار سے سپاہیوں کا انتخاب کیا اور انہیں شام کے ساحل کی طرف روانہ کر دیا، لیکن یہ لشکر کسی وجہ سے مدینے سے باہر نہیں گیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا جب کہ لشکر اسلام نے مدینے سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر پناہ لے رکھی تھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد مدینہ کی سیاسی فضا جو بحران کا شکار ہو گئی تھی، خاموش ہو گئی اور ابوبکر نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے رکھی تھی۔

خلیفہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو جو رومیوں سے جنگ کے متعلق آپ نے جاری کیا تھا اس میں دودلی کا مظاہرہ کیا، لہٰذا اصحابیوں کے کچھ گروہ سے مشورہ کیا اور جس نے بھی جو نظریہ پیش کیا اس سے یہ قانع اور مطمئن نہیں ہوا آخر میں حضرت علی علیہ السلام سے مشورہ کیا امام نے اسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم جاری کرنے کی رغبت دلائی اور فرمایا کہ اگر رومیوں سے جنگ کرو گے تو کامیاب رہو گے خلیفہ امام کی اس تشویق اور رغبت سے خوشحال ہو گیا اور کہا: تم نے بہترین فال کی طرف اشارہ کیا ہے اور خیر و نیکی کی بشارت دی ہے۔[1]

یہودیوں کے بزرگ علماء کے ساتھ مناظرہ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد یہودیوں اور نصرانیوں کے بزرگ علماء و دانشوروں نے مسلمانوں کے روح و ذہن کو کمزور کرنے کے لئے اسلام کی طرف قدم بڑھایا اور بہت سے سوالات کئے جن میں سے بعض یہ ہیں:

یہودیوں کے علماء کا ایک گروہ مدینہ آیا اور خلیفہ اول سے کہا: اس وقت تم اپنے پیغمبر کے جانشین ہو تو تم میرے سوال کا جواب دو کہ خدا کہاں ہے؟ کیا وہ آسمانوں پر ہے یا زمین پر؟

ابوبکر نے جو جواب دیا اس سے وہ لوگ مطمئن نہ ہوئے انہوں نے کہا کہ خدا عرش پر ہے جس پر یہودیوں نے تنقید کی اور کہا کہ ایسی صورت میں زمین کو خدا سے خالی ہونا چاہیئے، ایسے حساس موقع پر حضرت علی علیہ السلام اسلام کی مدد کو پہنچے اور مسلمانوں کی آبرو کو بچا لیا کر لیا، امام نے منطقی جواب دیتے ہوئے کہا:

---

[1] تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۱۲۳، مطبوعہ نجف۔

ان اللہ این الاین فلا این له، جل أن یحویه مکان فهو فی کل مکان بغیر مماسّة و لا مجاورة، یحیط علماً بما فیها و لا یخلوا شیء من تدبیره[1]

تمام جگہوں کو خداوند عالم نے پیدا کیا ہے اور وہ اس سے زیادہ بلند و بالا ہے کہ جگہیں اسے اپنی آغوش میں لیں، وہ ہر جگہ ہے لیکن کسی نے لمس نہیں کیا ہے، اور نہ ہی کسی کا پڑوسی ہے، تمام چیزیں اس کے علم میں ہیں اور کوئی چیز بھی اس کی تدبیر سے باہر نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس جواب میں خدا کے ہر جگہ ہونے پر واضح استدلال کیا ہے اور یہودی علماء کو اتنا تعجب میں ڈال دیا کہ وہ مولائے کائنات کے کلام کی حقانیت اور آپ پیغمبر کے اصلی جانشین ہونے کا اعتراف کرنے لگے۔

امام نے اپنے پہلے جملے میں (تمام جگہوں کو خدا نے پیدا کیا ہے) دلیل توحید سے استفادہ کیا ہے اور اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ دنیا میں قدیم بالذات خدا کے سوا کوئی اور نہیں ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ مخلوق ہے، خداوند عالم کے لئے ہر طرح کے مکان سے نفی کیا ہے، کیونکہ اگر خدا کسی مکان میں ہوتا تو ضروری تھا کہ شروع ہی سے اس کے ساتھ ہوتا، جب کہ جو کچھ بھی اس کائنات میں ہے سب اسی کی مخلوق ہے کہ انہی میں مکان بھی ہے لہٰذا کوئی بھی چیز اس کے ہمراہ نہیں ہوسکتی واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اگر خدا کے لئے کوئی جگہ یا مکان فرض کیا جائے تو یہ مکان بھی خدا کی ذات کی طرح یا قدیم ہوگا یا مخلوق خدا شمار ہوگا، پہلا فرض برہان توحید کے ساتھ سازگار نہیں ہے اور یہ کہ کائنات میں خدا کے سوا کوئی قدیم نہیں ہے، سازگار نہیں ہے، اور دوسرا فرض اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ فرضی مکان، مخلوق خدا ہے، اس پر شاہد کہ اس کو مکان کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ خدا تھا اور یہ مکان نہیں تھا بعد میں اس نے خلق کیا۔

امام نے اپنے دوسرے جملے میں (وہ ہر جگہ موجود ہے بغیر اس کے کہ کوئی اسے لمس کر سکے یا اسکا ہمسایہ ہو سکے) خداوند عالم کے صفات میں سے ایک صفت پر اعتماد کیا ہے اور وہ یہ کہ اس کا وجود لامتناہی ہے اور لامتناہی ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ وہ ہر جگہ ہو اور ہر چیز پر قدرت واحاطہ رکھتا ہو، اور یہ کہ خدا جسم نہیں رکھتا یعنی موجودات میں ایک دوسرے سے ملاقات نہیں کرتا اور کسی کی ہمسایگی نہیں کرسکتا۔

کیا یہ مختصر اور پر معنی عبارت حضرت علی علیہ السلام کے وسیع علم اور علم الٰہی سے معمور ہونے کا پتہ نہیں دیتی؟

البتہ صرف یہ تنہا مورد نہیں تھا کہ امام نے، یہودیوں کے علماء اور دانشمندوں کے مقابلے میں خدا کے صفات کے سلسلے میں بحث کی ہے بلکہ دوسرے اور تیسرے خلیفہ کے زمانے میں اور خود اپنی خلافت کے زمانے میں اکثر و بیشتر یہودیوں سے بحث کی ہے۔

---

[1] ارشاد مفید، چاپ قدیم، ص ۱۰۷۔

ابونعیم اصفہانی نے حضرت علی علیہ السلام اور علماء یہود کے چالیس افراد کے درمیان ہوئے مناظرے کونقل کیا ہے، اور اگر امام کے اس مناظرے کی شرح لکھی جائے تو اس کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے یہاں پر اس کی تفصیل کا مقام نہیں ہے۔[1]

امام کے بحث کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سامنے والے کی علمی سطح دیکھ کر بحث کرتے تھے، کبھی بہت دقیق دلیل پر پیش کرتے تو کبھی واضح اور روشن مثالوں اور تشبیہوں سے بات واضح کرتے تھے۔

عیسائی دانشمند کو اطمینان بخش جواب

سلمان کہتے ہیں: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد عیسائیوں کا ایک گروہ ایک پادری کی سربراہی میں مدینہ آیا اور خلیفہ کے سامنے سوال کرنا شروع کر کیا، خلیفہ نے ان لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کے پاس بھیجا ان لوگوں نے امام سے سوال کیا کہ خدا کہاں ہے؟

امام نے آگ جلائی اور پھر اس سے پوچھا بتاؤ آگ کا رخ کدھر ہے، عیسائی دانشمند نے جواب دیا چاروں طرف آگ ہے اور آگ کا سامنا اور پشت نہیں ہے اور آگ پشت ورخ نہیں رکھتی۔

امام نے فرمایا: اگر آگ جسے خدا نے پیدا کیا ہے اس کا کوئی خاص رخ نہیں ہے تو اس کا خالق جو ہرگز اس کے مشابہ نہیں ہے اور اس سے بہت بلند و بالا ہے وہ پشت ورخ رکھتا ہو، مشرق و مغرب کو اسی خدا نے پیدا کیا ہے اور جس طرف بھی رخ کرو گے اس طرف خدا ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔[2]

امام نے نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کے فکری اور عقائدی مسئلوں میں خلیفہ کی مدد کی بلکہ جب بھی خلیفہ، قرآن کریم کے کلموں کے معنی کی تفسیر کرنے سے عاجز ہو جاتے تھے تو ان کی مدد کرتے تھے،

چنانچہ جب ایک شخص نے ابوبکر سے اس آیت **وفاکھۃ و أبا متاعاً لکم و لانعامکم**[3] میں لفظ اُب کا معنی پوچھا انہوں نے بہت تعجب سے کہا میں کہاں جاؤں، اگر بغیر علم وآگاہی کے خدا کے کلام کی تفسیر کروں۔

جب یہ خبر حضرت علی علیہ السلام کے پاس پہنچی تو آپ نے فرمایا: اُب سے مراد ہری بھری گھاس ہے۔

اور عربی میں کلمۂ اُب کے معنی ہری گھاس کے ہیں تو اس پر خود آیت پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ کیونکہ آیت **فاکھۃ و أباً** کے بعد بغیر کسی فاصلے کے ارشاد قدرت ہوتا ہے: **متاعاً لکم و لانعامکم** یعنی یہ دونوں تمہارے اور

---

[1] حلیۃ الاولیاء، ج۱، ص۷۲۔

[2] قضاء امیر المومنین مطبوعہ نجف ۱۳۶۹ھ ص۹۶۔

[3] سورۂ عبس، آیت ۳۲۔۳۱؛ اور میوے اور چارا (یہ سب کچھ) تمہارے اور تمہارے چار پایوں کے فائدے کے لئے بنایا ہے۔

تمہارے چار پایوں کے فائدے کے لئے ہیں اور جو کچھ
انسان کے فائدے کے لئے ہے وہ میوہ ہے اور جو کچھ حیوان کے لئے باعث لذت اور زندگی ہے وہ ہری گھاس ہے جو یقیناً صحرائی ہری بھری گھاس ہے۔

ایک شرابی کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کا فیصلہ

خلیفہ اول نے نہ صرف امام سے قرآن کے مفاہیم سے آگاہی حاصل کی بلکہ فروع دین اور احکام میں حضرت سے ہمیشہ مدد لیتے رہے۔

حکومت کے سپاہی ایک شرابی کو پکڑ کر خلیفہ کے پاس لائے تا کہ شراب پینے کی وجہ سے اس پر حد جاری کریں۔ وہ اس بات کا دعوی کر رہا تھا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ شراب حرام ہے کیونکہ ہم نے ایسے معاشرے میں پرورش پائی ہے جو آج تک شراب کو حلال سمجھتے ہیں، خلیفہ فیصلہ کرنے سے عاجز آ گیا فوراً کسی کو حضرت علی علیہ السلام کے پاس بھیجا اور ان سے اس مشکل کا حل دریافت کیا۔ امام نے فرمایا:

دو معتبر افراد اشرابی کا ہاتھ پکڑ کر مہاجرین و انصار کے پاس لے جائیں اور ان لوگوں سے پوچھیں کہ کیا ابھی تک آیت تحریم خمر (شراب کو حرام قرار دینے والی آیت) کو اس مرد کے سامنے پڑھا ہے یا نہیں؛ اگر ان لوگوں نے گواہی دی کہ ہاں ہم نے آیت حرمت کو اس کے سامنے پڑھا ہے تو ضروری ہے کہ اس پر خدا کی طرف سے معین کردہ حد جاری ہو اور اگر ان لوگوں نے گواہی نہیں دی تو ضروری ہے کہ یہ شخص توبہ کرے کہ آئندہ کبھی بھی اپنے ہونٹ کو شراب سے تر نہیں کرے گا اور پھر اسے چھوڑ دیا جائے۔

خلیفہ نے امام کے حکم کی پیروی کی اور اسے آزاد کر دیا۔[1]

یہ بات صحیح ہے کہ امام نے خلفاء کے زمانے میں خاموشی اختیار کی اور کوئی بھی عہدہ نہیں لیا، لیکن کبھی بھی اسلام کے دفاع اور دین مقدس کی حمایت سے غافل نہیں رہے۔

تاریخ کے دامن میں یہ واقعہ موجود ہے کہ رأس الجالوت (یہودیوں کے پیشوا) نے درج ذیل مطالب کے بارے میں ابوبکر سے سوال کیا اور اس کے متعلق قرآن کا نظریہ دریافت کیا۔

۱۔ زندگی اور ہر زندہ موجودات کی بقا کیا ہے؟

۲۔ بے جان چیز جس نے کلام کیا ہے وہ کیا ہے؟

۳۔ وہ چیز جو ہمیشہ کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے کیا ہے؟

---

[1] الدر المنثور ج ٦ ص ٣١٧، ارشاد ص ١٠٦۔

جب یہ خبر امام کے پاس پہنچی تو آپ نے فرمایا:

زندگی کی بقا قرآن کی نظر میں پانی ہے [1] وہ بے جان چیز جس نے گفتگو کی وہ زمین و آسمان ہیں جنہوں نے خدا کا حکم پاتے ہی اپنی اطاعت کا اظہار کیا [2] اور جو چیز ہمیشہ کم و زیادہ ہوتی ہے وہ دن اور رات ہیں۔ [3]

جیسا کہ امام کے اس بیان سے واضح و روشن ہوتا ہے امام معمولاً اپنے کلام کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کی آیتوں سے استناد کرتے تھے اور یہ ان کے کلام کی حقانیت کو مزید بڑھا دیتا تھا۔ [4]

---

[1] اصول کافی ج ۲ حدیث ۱٦، ارشاد مفید ص ۱۰٦، مناقب ابن شہر آشوب ج ۱ ص ٤٨٩ ۔

[2] وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ. (سورۂ انبیاء آیت ۳۰)

یعنی ہم نے پانی سے ہر زندہ موجودات کو پیدا کیا۔

[3] فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ. (سورۂ حم سجدہ، آیت ۱۱)

تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں آؤ خوشی سے یا کراہت سے دونوں نے عرض کی ہم خوش خوش حاضر ہیں (اور حکم کے پابند ہیں)

[4] يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ (سورۂ لقمان، آیت ۲۹)

یعنی خدا ہی رات کو (بڑھا کے) دن میں داخل کر دیتا ہے (تو رات بڑھ جاتی ہے) اور دن کو (بڑھا کے) رات میں داخل کر دیتا ہے (تو دن بڑھ) جاتا ہے۔

دسویں فصل

حضرت علی علیہ السلام اور خلیفہ دوم کو سیاسی مشورے

امام علی علیہ السلام کا سب سے بڑا مقصد اسلام کی نشر واشاعت اور مسلمانوں کی عزت وآبرو کو محفوظ کرنا تھا۔اسی بنا پر اگر چہ آپ اپنے کو پیغمبر کا برحق جانشین مانتے تھے اور آپ کی عظمت وبرتری دوسروں پر واضح وآشکار تھی،اس کے باوجود جب بھی خلافت مشکل میں گرفتار ہوتی تھی تو آپ بلندترین افکار اور عالی ترین نظروں سے اسے حل کردیتے تھے،اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ امام نے خلیفۂ دوم کے زمانے میں مشورے اور بہت زیادہ سیاسی،اجتماعی اور علمی مشکلوں کو حل کیا ہے، بہت سی جگہیں جہاں پر عمر نے سیاسی

مسئلوں میں حضرت علی علیہ السلام کی رہنمائیوں سے استفادہ کیا ہے ان میں سے چند چیزوں کو ذکر کررہے ہیں۔

ایران فتح کرنے کے متعلق مشورہ

۱٤ھ میں قادسیہ کی سرزمین پر اسلام کی فوج اور ایرانی فوج کے درمیان زبردست جنگ ہوئی اور مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی اور ایرانی فوج کا کمانڈر رستم فرّخ زاد،اور اس کے لشکر کے کچھ افراد قتل کردیئے گئے اور پورے عراق پر مسلمانوں کا سیاسی اور فوجی تسلط ہوگیا اور مدائن جو ساسانی بادشاہوں کی حکومت کا مرکز تھا مسلمانوں کے قبضے میں ہوگیا اور ایرانی فوج کے سپہ سالار پیچھے ہٹ گئے۔

ایران کے فوجی سپہ سالاروں اور مشیروں کو اس بات کا خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلام کی فوج دھیرے دھیرے بڑھتی رہے اور پورے ملک کو اپنے قبضے میں لے لے،اس خطرناک حملے کے مقابلے کے لئے پارسی بادشاہ،یزدگرد (ایرانی بادشاہ) نے فیروزان کی سپہ سالاری میں ایک لاکھ پچاس ہزار سپاہیوں کی فوج بنائی تاکہ ہر طرح کے حملے سے مقابلہ کریں اور اگر حالات سازگار ہوں تو خود حملہ کردیں۔

(عمار یاسر کے بقول) اسلام کی فوج کا سپہ سالار سعد وقاص،جس کی کوفہ پر حکومت تھی اس نے عمر کو خط لکھا اور اسے حالات سے باخبر کیا کہ کوفہ کی فوج جنگ کرنے کے لئے تیار ہے اور قبل اس کے کہ دشمن ان پر حملہ کریں وہ لوگ دشمن پر رعب و دبدبہ بٹھانے کے لئے جنگ شروع کردیں۔

خلیفہ مسجد میں گئے اور تمام بزرگ صحابیوں کو جمع کیا اوران لوگوں کو اپنے ارادے سے باخبر کیا کہ میں مدینہ چھوڑ رہا ہوں اور کوفہ اور بصرہ کے درمیان قیام کروں گا تا کہ وہاں رہ کر فوج کی رہبری کروں۔ اس وقت طلحہ کھڑا ہوا اور خلیفہ کے اس اقدام کی تعریف کی اور ایسی تقریر کی جس کے ایک ایک لفظ سے چاپلوسی کی بو آرہی تھی۔

عثمان بھی اپنی جگہ سے اٹھے اور انہوں نے نہ صرف خلیفہ کے مدینہ چھوڑنے کی تعریف کی بلکہ خلیفہ سے کہا کہ شام اور یمن کی فوج کے پاس خط لکھو کہ وہ لوگ اس جگہ کو چھوڑ دیں اور تم سے آکر مل جائیں اور تم اتنے زیادہ سپاہیوں کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ اس وقت حضرت علی علیہ السلام اپنی جگہ سے اٹھے اور دونوں نظریوں پر تنقید کی اور فرمایا: وہ سرزمین جو محنت ومشقت اور ابھی ابھی مسلمانوں کے تصرف میں آئی ہے اس کا اسلام کی فوج سے خالی رہنا صحیح نہیں ہے اگر یمن اور شام کے مسلمانوں کو وہاں سے ہٹا دو گے تو ممکن ہے حبشہ کی فوج یمن اور روم کی فوج شام کو اپنے قبضے میں کرلیں، اور مسلمانوں کی اولادیں اور عورتیں جو یمن اور شام میں زندگی بسر کررہی ہیں مصیبتوں میں گرفتار ہو جائیں۔ اور اگر مدینے کو چھوڑ کر چلے گئے تو اطراف وجوانب کے عرب اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گے اور ایسا فتنہ پیدا کردیں گے جس کا نقصان اس فتنہ سے زیادہ ہوگا جس کے مقابلے کے لئے جا رہے ہو۔ اور (امور سلطنت) میں حاکم کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو مہروں میں ڈوروں کی۔ جو انہیں ایک جگہ ملا کر رکھتا ہے پس اگر ڈورا ٹوٹ جائے تو سب مہرے بکھر جائیں گے اور پھر کبھی سمٹ نہ سکیں گے اگر تو اسلامی فوج کے سپاہیوں کی کمی کی بنا پر فکر مند ہے تو مسلمان جو ایمان رکھتے ہیں سپرد کردیں، تیری مثال چکی کی اس لکڑی کی ہے جو بیچ میں رہتی ہے اور جنگ کی چکی کو اسلام کے سپاہیوں کے ذریعے انجام دے، جنگ کے میدان میں تمہارا جانا دشمنوں کی جرأت میں اضافہ کا سبب ہوگا، کیونکہ وہ لوگ یہ فکر کرتے ہیں کہ تم اسلام کے پیشوا وحاکم ہو اور تمہارے علاوہ مسلمانوں کا کوئی رہبر نہیں ہے اور اگر اس کو درمیان سے اٹھالیں تو ان لوگوں کی مشکل حل ہو جائے گی اور یہ فکر، ان کے جنگ کی حرص اور کامیابی حاصل کرنے کا باعث بنے گی۔[1] خلیفہ امام کی بات سننے کے بعد جنگ پر جانے سے باز آ گیا اور کہا یہ رائے واراده علی کا ارادہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ان کے حکم کی پیروی کروں۔[2]

بیت المقدس فتح کرنے کے بارے میں مشورہ

بیت المقدس فتح کرنے کے سلسلے میں عمر نے حضرت علی علیہ السلام سے مشورہ کیا اور حضرت کے حکم کی پیروی کی۔

مسلمانوں کو شام فتح کئے ہوئے صرف ایک مہینہ گزرا تھا اوران لوگوں کا ارادہ تھا کہ بیت المقدس کی طرف چڑھائی

---

[1] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱٤٤، تاریخ طبری ج ٤ ص ۲۳۸ ۔ ۲۳۷، تاریخ کامل ج ۳ ص ۳، تاریخ ابن کثیر ج ۷ ص ۱۰۷، بحارالانوار ج ۹ ص ۵۰۱ مطبوعہ کمپانی۔

[2] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱٤٤، تاریخ طبری ج ٤ ص ۲۳۸ ۔ ۲۳۷، تاریخ کامل ج ۳ ص ۳، تاریخ ابن کثیر ج ۷ ص ۱۰۷، بحارالانوار ج ۹ ص ۵۰۱ مطبوعہ کمپانی۔

کریں، اسلامی فوج کے علمبردار ابوعبیدہ جرّاح اور معاذ بن جبل تھے۔

معاذ نے ابوعبیدہ سے کہا: خلیفہ کو خط لکھو اور بیت المقدس کی طرف چڑھائی کے متعلق سوال، کرو ابوعبیدہ نے خط لکھا، خلیفہ نے مسلمانوں کے سامنے خط پڑھا اور ان لوگوں سے مشورہ طلب کیا۔

امام نے عمر کو شوق و رغبت دلایا کہ اپنے سپہ سالاروں کو خط لکھو کہ بیت المقدس کی طرف بڑھتے رہیں اور بیت المقدس فتح کرنے کے بعد ٹھہر نہ جائیں بلکہ سرزمین قیصر میں داخل ہوں اور اس بات سے مطمئن رہیں کا کامیابی انہیں ہی ملے گی کیونکہ پیغمبر نے اس فتح وکامرانی کی خبر دی ہے۔

خلیفہ نے فوراً قلم و کاغذ منگایا اور ابوعبیدہ کو خط لکھا اور اسے جنگ جاری رکھنے اور بیت المقدس کی طرف بڑھنے کا حکم اور رغبت دلایا اور لکھا کہ پیغمبر کے چچازاد بھائی نے مجھے بشارت دی ہے کہ بیت المقدس تمہارے ہاتھوں سے فتح ہوگا۔ [1]

تاریخ اسلام کی ابتدا

ہر قوم کی ایک ابتدائی تاریخ ہوا کرتی ہے جس میں لوگ اپنے تمام واقعات و حادثات کو پرکھتے ہیں، مسیحی قوم کی تاریخ کا آغاز حضرت عیسیٰ کی ولادت سے ہوتا ہے اور اسلام سے پہلے عربوں کی تاریخ عام الفیل سے شمار ہوتی تھی، بعض قوموں کی تاریخ کا آغاز عمومی ہوتا ہے اور بعض قومیں حادثات وغیرہ سے اپنی تاریخ کو یاد کرتی ہیں مثلاً قحط والا سال، جنگ کا سال، وغیرہ۔

عمر کی خلافت کے تیسرے سال تک مسلمانوں کی کوئی تاریخ نہیں تھی جسے خطوط اور تمام قرارداد اور حکومت کے اموراس تاریخ سے مخصوص ہوتے، تو پھر ان خطوط کا کیا کہنا جو فوج کے سپہ سالاروں کے لئے لکھا جاتا تھا اور تمام خطوط میں صرف مہینوں کا نام لکھا جاتا تھا، لیکن تاریخی سال کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا تھا، یہ کام اسلامی نظام میں نقص کے علاوہ خط موصول کرنے والوں کے لئے بھی مشکلیں ایجاد کررہا تھا کیونکہ ممکن تھا کہ دو مختلف حکم سپہ سالار کے پاس یا حاکم وقت کے پاس پہنچے اور راستے کی دوری اور خطوط میں تاریخ درج نہ ہونے کی وجہ سے وہ نہیں جان پائیں کہ پہلے کون سا خط لکھا گیا ہے۔

خلیفہ نے تاریخ اسلام کی ابتدا اور اس کے تعیین کے لئے پیغمبر کے تمام صحابیوں کو جمع کیا لوگوں نے اپنے اپنے حساب سے نظریہ پیش کیا بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی تاریخ سے اسلامی تاریخ کا آغاز ہو اور بعض لوگوں نے کہا کہ عید بعثت (۲۷ رجب معراج پیغمبر) سے تاریخ کی ابتدا ہو، انہیں انہی نظریوں میں حضرت علی علیہ السلام نے بھی اپنا نظریہ پیش کیا کہ جس دن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرزمین شرک کو چھوڑا اور سرزمین اسلام پر قدم رکھا اسی سے اسلامی تاریخ کا آغاز کیا جائے، عمر نے تمام نظریوں میں سے حضرت علی علیہ السلام کے نظریہ کو پسند کیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کو تاریخ

---

[1] ثمرۃ الاوراق، حاشیۂ المستطرف میں، تحقیق: تقی الدین حموی ج ۲ ص ۱۵، مطبوعہ مصر ۱۳۶۸ھ۔

اسلام کی ابتدا قرار دیا اور اسی دن سے تمام خطوط، سندیں، اور حکومت کے دفاتر وغیرہ میں ہجری سال لکھا جانے لگا۔ [۱]

بے شک یہ بات صحیح ہے کہ ولادت پیغمبر یا پیغمبر کی بعثت ایک بڑا واقعہ ہے لیکن ان دونوں دنوں میں اسلام لوگوں کی آنکھوں کے سامنے اجاگر نہ تھا، پیغمبر کی ولادت کے دن اسلام کا وجود نہیں تھا اور پیغمبر کی بعثت کے دن اسلام کا کوئی قانون وقاعدہ نہ تھا، لیکن ہجرت کے دن کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی طاقت وقدرت اور کامیابی اور اسلامی حکومت کی تشکیل کا دن تھا اور اس دن پیغمبر نے سرزمین شرک کو چھوڑا تھا اور مسلمانوں کے لئے اسلامی وطن بنایا تھا۔

خلیفۂ دوم کے زمانے میں لوگ صرف حضرت علی علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے تھے

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد مختلف قوم وملت میں اسلام پھیلنے کی وجہ سے مسلمان نئے مسائل سے روبرو ہوا جس کا حکم قرآن مجید اور پیغمبر کی حدیث میں موجود نہیں تھا، کیونکہ احکام وفروعات سے مربوط آیتیں محدود ہیں، اور تھیں واجبات ومحرمات سے متعلق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو حدیثیں امت کے درمیان موجود تھیں ان کی تعداد چار سو سے زیادہ نہیں تھی [۲] یہی وجہ ہے کہ مسلمان بہت سے مسئلوں کے حل کے لئے جس کے بارے میں قرآنی نص اور حدیث پیغمبر وارد نہیں ہوئی ہے مشکلوں میں گرفتار ہوئے۔

ان مشکلوں نے ایک گروہ کو اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ ان مسئلوں میں اپنی عقل اور رائے پر عمل کریں اور غیر صحیح معیاروں کے ذریعے اس مسئلہ کا حکم معین کریں۔ اس گروہ کو اصحاب رائے کہتے ہیں، وہ لوگ کتاب وسنت سے قطعی اور شرعی دلیل سے استناد کرنے کے بجائے موضوعات کا مطابق مصالح ومفاسد کے حل نکالتے تھے اور ظن وگمان کے ذریعے خدا کے حکم کو معین کرتے تھے اور اسی کے مطابق فیصلہ دیتے تھے۔

خلیفۂ دوم نے بہت سی جگہوں پر نص کے مقابلے میں خود اپنی رائے پر عمل کیا ہے اور وہ جگہیں آج بھی تاریخ کے صفحات پر درج ہیں لیکن اصحاب کی رائے کے متعلق انداز دوسرا تھا ان کے بارے میں کہتے ہیں۔

صاحبان رائے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کے دشمن ہیں وہ لوگ پیغمبر کی حدیث کو یاد نہیں کرسکتے تھے اسی لئے اپنی رائے کے مطابق فتوی دیتے تھے، خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، آگاہ ہوجاؤ کہ ہم پیروی کرتے ہیں خود سے کوئی کام نہیں کرتے اور ہم تابع ہیں بدعت نہیں کرتے، ہم لوگ پیغمبر کی حدیثوں پر عمل کریں گے اور گمراہ نہیں ہوں گے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ عمر نے نص کے مقابلے میں اپنی رائے پر عمل کیا ہے اور بہت سی جگہوں پر دلیل نہ ہونے کی

---

[۱] تاریخ یعقوبی ج۱ ص ۱۲۳، تاریخ طبری ج۲ ص ۲۵۳، کنزالعمال ج۵ ص ۲۴۴، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۳ ص ۱۱۳ مطبوعہ مصر۔

[۲] رشید رضا، مولف: المنار اپنی کتاب الوحی المحمدی دوسرا ایڈیشن، ص ۲۲۵، پر لکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام حدیثیں جو فروع اور احکام سے متعلق ہمارے پاس ہیں ان میں سے اگر تکرار ہوئی حدیث کو حذف کردیا جائے تو چار سو سے زیادہ نہیں ہونگی۔ اور یہ احتمال دینا کہ پیغمبر کی حدیثیں اس سے زیادہ ہیں اور ہم تک نہیں پہنچی ہیں یہ ضعیف ہے لہذا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جتنی حدیثیں امت کے پاس موجود ہیں اتنی ہی یا اس سے کچھ زیادہ ہیں۔

وجہ سے انہوں نے خود اپنی رائے اور نظریہ پر عمل کیا لیکن بہت سے مقامات پر باب علم پیغمبر حضرت امیر المومنین کی طرف رجوع کیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق حضرت امیر المومنین علیہ السلام پیغمبر کے علوم کا خزانہ اور احکام خداوندی کے وارث تھے اور قیامت تک جن چیزوں کی امت کو ضرورت ہوگی ان تمام چیزوں کے کے جاننے والے تھے اور امت پیغمبر میں ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ سیکڑوں مقام پر جن میں سے کچھ جگھوں کو تاریخ نے اپنے دامن میں جگہ دی خلیفۂ دوم نے امام کے علوم سے استفادہ کیا ہے اور اس کی زبان پر ہمیشہ یہ جملہ یا اس سے مشابہ جملہ وردرہتا تھا۔

عجزت النساءُ ان یلدنَ مثلَ علی بن ابی طالب

عورتیں اس بات سے عاجز ہیں کہ علی جیسی شخصیت کو پیدا کرسکیں۔

اللھم لا تبقنی لمعضلة لیس لھا ابن ابی طالب

خداوندا! مجھے ایسی مشکل میں گرفتار نہ کرنا جس کے حل کے لئے علی بن ابی طالب نہ ہوں۔

وہ جگہیں جہاں پر عمر نے اپنی رائے ونظریہ پر نص کے مقابلے میں عمل کیا ہے

اس میں سے کچھ جگھوں کو بطور نمونہ پیش کررہے ہیں۔

۱۔ایک شخص نے عمر سے اپنی بیوی کے بارے میں شکایت کیا کہ شادی کے چھٹے مہینے بعد ہی اسے بچہ ہوا ہے عورت نے بھی اس بات کو قبول کرلیا اور کہا کہ شادی سے پہلے میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔خلیفہ نے حکم دیدیا کہ اس عورت کو سنگسار کردیا جائے، لیکن امام نے حد جاری کرنے سے منع کردیا اور فرمایا کہ قرآن کی نظر میں عورت چھ مہینے کے عرصہ میں بچہ پیدا کرسکتی ہے کیونکہ آیت میں حمل اور دودھ پلانے کی کل مدت ۳۰ مہینہ معین ہوئی ہے۔

وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا [۱]

اور اس کا پیٹ میں رہنا اور اس کے دودھ بڑھائی کی (کل مدت) تیس مہینہ ہے۔

قرآن کی دوسری آیت میں صرف دودھ پلانے کی مدت دوسال بیان ہوئی ہے۔

وَفِصٰلُهُ فِيْ عَامَيْنِ [۲]

اور اس کے دودھ بڑھانے کی مدت دوسال ہے۔

اگر تیس مہینے سے دوسال کم کریں تو حمل کے لئے چھ مہینہ کی مدت باقی رہے گی۔

عمر نے امام کے منطقی کلام سننے کے بعد کہا:

---

[۱] سورۂ احقاف، آیت ۱۵۔

[۲] سورۂ لقمان، آیت ۱٤۔

لولا علی لهلك عمر [1]

۲۔خلیفۂ دوم کی عدالت میں یہ ثابت ہوا کہ پانچ آدمیوں نے عفت کے منافی عمل انجام دیا ہے خلیفہ نے تمام آدمیوں کے بارے میں ایک ہی فیصلہ کیا،لیکن امام نے ان کے حکم کو باطل قرار دیدیا اور فرمایا کہ ان لوگوں کے بارے میں تحقیق وجستجو کی جائے اگر ان کے حالات مختلف ہوں گے تو کہ خدا کا حکم بھی مختلف ہوگا۔

تحقیق وجستجو کے بعد امام نے فرمایا:

ان میں سے ایک کو قتل کرادو، دوسرے کو سنگسار کرادو، تیسرے کو سو کوڑے مارو، چوتھے کو پچاس کوڑے لگاؤ اور پانچویں کو نصیحت کرو۔

خلیفہ نے جب امام کا مختلف فیصلہ سنا تو بہت تعجب ہوا اور امام سے اس کا سبب دریافت کیا،تو امام نے فرمایا:

پہلا شخص کافر ذمی ہے اور کافر ذمی کی جان اس وقت تک محترم ہے جب تک احکام ذمی پر عمل کرے،لیکن اگر احکام ذمی کی رعایت نہ کرے تو اس کی سزا قتل ہے اور دوسرے نے عورت شوہر دار سے زنا کیا ہے۔اور اسلام میں اس کی سزا سنگسار کرنا ہے اور تیسرا شخص کنوارا ہے جس نے اپنے کو گناہوں سے آلودہ کیا ہے اس کی سزا سو تازیانہ ہے چوتھا شخص غلام ہے اور اس کی سزا آزاد شخص کی آدھی سزا کے برابر ہے اور پانچواں شخص پاگل ہے۔[2]

اس وقت خلیفہ نے کہا:

لاعشتُ فی امةٍ لست فیها یا ابا الحسن!

میں ایسے لوگوں کے درمیان نہ رہوں جن میں اے ابوالحسن آپ نہ ہوں۔

۳۔ایک غلام جس کے پیر میں زنجیر بندھی تھی کہیں جارہا تھا، دو آدمیوں کے درمیان اس کے وزن کے متعلق اختلاف ہوگیا اور ان میں سے ہر ایک یہ کہہ رہا تھا کہ اگر اس کی بات صحیح نہ ہوگی تو اس کی زوجہ کو تین طلاق والی ہو جائیگی۔دونوں غلام کے مالک کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ زنجیر کو کھول دے،تاکہ اس کو وزن کریں اس نے کہا: میں اس کے وزن سے آگاہ نہیں ہوں اور میں نے نذر بھی کی ہے کہ اس کی زنجیر کو نہیں کھولوں گا مگر یہ کہ اس کے وزن کا صدقہ دوں۔

اس مسئلہ کو خلیفہ کے پاس پیش کیا گیا،انہوں نے حکم دیا کہ اس وقت غلام کا مالک زنجیر کھولنے سے معذور ہے لہٰذا یہ دونوں اپنی اپنی بیویوں سے جدا ہو جائیں،ان لوگوں نے خلیفہ سے گذارش کی کہ اس مسئلہ کو حضرت علی علیہ السلام کے سامنے پیش کیا جائے،امام نے فرمایا: زنجیر کے وزن سے آگاہی بہت آسان ہے۔اس وقت آپ نے حکم دیا کہ ایک بڑا طشت لایا جائے

[1] مناقب شہرابن آشوب ج۱ ص۴۹۶، بحارج، ٤٠ ص۳۳۲۔

[2] شیخ طوسی تہذیب ج، ۱۰ ص، ۵۰ احکام زنا حدیث ۱۸۸۔

اورغلام سے کہا کہ اس کے بیچ میں کھڑا ہو جائے، پھر امام نے زنجیر کو نیچے کر دیا اور اس میں ایک دھاگا باندھا اور طشت کو پانی سے بھر دیا۔ پھر زنجیر کو اس تاگے کے ذریعے اوپر کھینچنا شروع کیا یہاں تک کہ پوری زنجیر پانی سے باہر آ گئی اس وقت حکم دیا کہ زنجیر کو دھاگے کے ذریعہ اوپر کھینچیں تاکہ وہ پانی سے اوپر آ جائے۔ پھر فرمایا کہ طشت کو ٹوٹے پھوٹے لوہوں سے بھر دو تاکہ پانی اپنی اصلی جگہ تک آ جائے اور آخر میں فرمایا کہ ان ٹوٹے ہوئے لوہوں کو کھینچیں کیونکہ اس کا وزن وہی زنجیر کا وزن ہے اور اس طریقے سے تینوں افراد کی مشکل حل ہوگئی۔[1]

٤۔ ایک عورت جنگل میں پیاسی تھی اور تشنگی نے اس پر سخت غلبہ کیا مجبوراً اس نے ایک چرواہے سے پانی مانگا اس نے اس شرط پر پانی دینے کا وعدہ کیا کہ عورت خود کو اس کے حوالے کرے، خلیفۂ دوم نے اس عورت کے حکم کے متعلق امام سے مشورہ کیا حضرت نے فرمایا: کہ عورت اس کو انجام دینے میں مجبور تھی اور مضطر و مجبور پر کوئی حکم نہیں ہے۔[2]

یہ واقعہ اور اسی طرح کے دوسرے واقعات، جن میں سے بعض کو بیان کیا ہے یہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ امام اسلام کے مکمل قوانین سے باخبر تھے جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں اور خلیفہ ان چیزوں سے بے خبر تھے۔

٥۔ ایک پاگل عورت نے عفت کے خلاف عمل کیا، خلیفہ نے اسے مجرم قرار دیا لیکن امام نے اسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث یاد دلاتے ہوئے عورت کو آزاد کر دیا اور حدیث یہ ہے تین لوگوں سے حکم اٹھالیا گیا ہے جس میں سے ایک دیوانہ ہے یہاں تک کہ وہ اچھا ہو جائے۔[3]

٦۔ ایک حاملہ عورت نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کو اسی حالت میں سنگسار کر دیں امام نے حد جاری کرنے سے منع کیا اور فرمایا کہ تم اس کی جان لینے کا حق رکھتے ہو نہ کہ اس بچے کی جو کہ اس کے پیٹ میں ہے۔[4]

٧۔ کبھی کبھی امام مشکلوں کو حل کرنے کے لئے نفسیاتی اصولوں سے استفادہ کرتے تھے، ایک دن ایک عورت نے اپنے بیٹے سے بیزاری ظاہر کی اور اس کی ماں ہونے سے انکار کر دیا اور اس کا دعویٰ تھا کہ وہ ابھی کنواری ہے جب کہ اس نوجوان کا اصرار تھا کہ یہ میری ماں ہے خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کی طرف غلط نسبت دینے کی وجہ سے نوجوان کو تازیانہ مارا جائے۔ جب اس واقعہ کی خبر امام کو ملی تو امام نے اس عورت اور اس کے رشتہ داروں کو بلایا تاکہ اس عورت کی شادی ان میں سے جس سے بھی چاہیں کر دیں اور ان لوگوں نے بھی حضرت علی علیہ السلام کو اپنا وکیل بنا دیا۔ امام نے اسی نوجوان کی طرف رخ کر

---

[1] شیخ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ ج ٣ ص ٩۔
[2] سنن بیہقی ج ٨ ص ٢٣٦، ذخائر العقبیٰ ص ٨١، الغدیر ج ٦ ص ١٢٠۔
[3] مستدرک حاکم ج ٢ ص ٥٩، الغدیر ج ٦ ص ١٠٢۔
[4] ذخائر العقبیٰ ص ٨٠، الغدیر ج ٦ ص ١١٠۔

کے کہا: میں نے اس عورت کا عقد تمہارے ساتھ پڑھا اور اس کی مہر ۴۸۰ درہم ہے پھر ایک تھیلی نکالی جس میں اتنا ہی درہم تھا اور عورت کے حوالے کیا اور اس جوان سے کہا: اس عورت کا ہاتھ پکڑو اور پھر میرے پاس نہ آنا، مگر یہ کہ شادی وغیرہ کے آثار تمہاری شکل وصورت سے ظاہر ہوں۔

عورت نے جب یہ کلام سنا تو چیخ اٹھی اور کہا: اللہ، اللہ ہو النار، ہو واللہ ابنی! یعنی خدا کی پناہ، خدا کی پناہ، اس کا نتیجہ آگ ہے خدا کی قسم یہ میرا بیٹا ہے پھر اس نے انکار کرنے کی وجہ کو تفصیل سے بیان کیا۔[1]

[1] کشف الغمہ ج۱ ص ۳۳، بحارالانوار ج۴۰ ص ۲۷۷۔

گیارہویں فصل

عثمان اور معاویہ کی علمی مشکلات کا حل کرنا

امام کا علمی اور فکری میدان میں مدد کرنا صرف ابوبکر وعمر کی خلافت تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ آپ سر پرست اور دین کے حامی و دلسوز کے عنوان سے اسلام اور مسلمانوں کی خلافت کے مختلف دور میں علمی اور سیاسی مشکلوں کو حل کرتے تھے۔ انہی میں سے تیسرے خلیفہ نے بھی امام کے بلند ترین افکار اور ان کی عظیم وآگاہانہ رہنمائیوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ عثمان نے امام کی رہنمائیوں سے استفادہ کیا تھا بلکہ تعجب کا مقام یہ ہے کہ معاویہ نے بھی امام سے بغض وعداوت رکھنے کے باوجود اپنے علمی اور فکری مشکلوں کے حل کے لئے امام کی طرف دست سوال بڑھایا تھا اور کچھ لوگوں کو خفیہ طور پر امام کے پاس بھیجا تاکہ بعض مسئلوں کا جواب امام سے دریافت کریں۔

مثلاً کبھی کبھی روم کا حاکم، معاویہ سے کچھ چیزوں کے بارے میں سوال کرتا تھا اور اس سے جواب طلب کرتا تھا۔ معاویہ اپنی عزت وآبرو بچانے کے لئے (چونکہ اس نے اپنے کو مسلمانوں کا خلیفہ کہا تھا) کچھ لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کے پاس بھیجتا تھا تاکہ وہ کسی بھی صورت سے ان سے ان سوالوں کے جوابات حاصل کر کے معاویہ کے پاس لے آئیں۔

خلیفۂ سوم اور معاویہ نے جو اپنی علمی مشکلات کے رفع کے لئے امام کی طرف رجوع کیا ان کے چند نمونے ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

۱۔ اسلام میں عورتوں کے حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق دے اور عورت کا عدہ ختم ہونے سے پہلے ہی شوہر مر جائے تو عورت دوسرے وارثوں کی طرح شوہر کی میراث کی حقدار ہے کیونکہ جب تک عدہ ختم نہ ہو اس وقت تک شوہر و بیوی کا رشتہ برقرار ہے۔

عثمان کی خلافت کے زمانے میں ایک شخص کی دو بیویاں تھیں ایک بیوی انصار میں سے تھی اور دوسری بنی ہاشم میں سے، کسی وجہ سے مرد نے اپنی بیوی کو جو انصار سے تھی طلاق دیدیا اور کچھ دنوں کے بعد اس کا انتقال ہو گیا انصار والی عورت خلیفہ کے پاس گئی اور کہا ابھی میرا عدہ ختم نہیں ہوا ہے مجھے میری میراث چاہیئے عثمان فیصلہ کرنے سے معذور ہو گئے لہٰذا اس معاملے کو امام کے پاس بھیجا حضرت نے فرمایا کہ اگر انصار والی عورت یہ قسم کھا کر کہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد تین مرتبہ حائض نہیں ہوئی ہے تو وہ اپنے شوہر سے میراث لے سکتی ہے۔

عثمان نے ہاشمی عورت سے کہا: یہ فیصلہ تمہارے پسر عم علی نے کیا ہے۔ اور میں نے اس سلسلے میں کوئی رائے نہیں دی ہے۔

اس نے جواب دیا: میں علی کے فیصلے پر راضی ہوں۔ وہ قسم کھائے اور میراث لے لے۔ [۱]

محدثین اہلسنت نے اس واقعے کو دوسرے انداز سے لکھا ہے جن کی عبارتیں شیعہ فقہا کے فتوؤں سے متفق نہیں ہیں۔ [۲]

۲۔ جس شخص نے فریضۂ حج یا عمرہ کے لئے احرام باندھا ہے اسکو یہ حق نہیں ہے کہ وہ خشکی میں رہنے والے جانور کا شکار کرے، قرآن کریم کا اس سلسلے میں ارشاد ہے: وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا [۳] جب تم احرام کی حالت میں ہو تو خشکی میں رہنے والے جانور کا شکار کرنا تم پر حرام ہے، لیکن اگر وہ شخص جو حالت احرام میں نہ ہو اور خشکی میں رہنے والے جانور کا شکار کرے تو کیا حالت احرام میں رہنے والا شخص اس کا گوشت کھا سکتا ہے؟ یہ وہی مسئلہ ہے جس میں خلیفۂ سوم نے امام کے نظریہ کی پیروی کی ہے، اس کے پہلے خلیفہ کی نظریہ تھی کہ حالت احرام میں رہنے والا غیر محرم کے شکار کئے ہوئے جانور کا گوشت کھا سکتا ہے اتفاق سے وہ خود بھی حالت احرام میں تھے کہ اور کچھ لوگوں اسی طرح کے گوشت سے کھانا تیار کر کے ان کو دعوت دی تھی اور یہ اس میں جانا چاہتے تھے، جب امام نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا تب ان کا نظریہ بدلا۔

ان سے حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک واقعہ بیان کیا جس سے وہ مطمئن ہو گئے، واقعہ یہ تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حالت احرام میں تھے تو کچھ لوگ ان کے لئے بھی اسی طرح کی غذا لے کر آئے، حضرت نے فرمایا: میں حالت احرام میں ہوں، یہ کھانا ایسے لوگوں کو دیدو جو حالت احرام میں نہ ہوں۔

جس وقت امام نے اس واقعہ کو نقل کیا اس وقت بارہ آدمیوں نے تائید کرتے ہوئے اس کی گواہی دی، پھر علی علیہ السلام نے فرمایا: رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف ہمیں اس طرح کے گوشت کھانے سے منع کیا ہے بلکہ پرندوں کے انڈے یا شکار ہوئے پرندوں کے گوشت سے بھی منع کیا ہے۔

۳۔ اسلام کے مسلّم عقائد میں سے ہے کہ کافر پر مرنے کے بعد سخت عذاب ہوگا، عثمان کی خلافت کے زمانے میں ایک شخص نے اس اصل اسلامی عقیدہ پر اعتراض کرنے کے لئے ایک کافر کی کھوپڑی نکالی اسے خلیفہ کے پاس لے گیا اور کہا: اگر کافر مرنے کے بعد آگ میں جلے گا تو اس کھوپڑی کو بھی گرم ہونا چاہیئے جب کہ میں اس کے بدن پر ہاتھ مس کرتا ہوں پھر بھی مجھے کوئی حرارت محسوس نہیں ہوتی! خلیفہ اس کا جواب دینے سے عاجز ہو گئے اور امام کی طرف رجوع کیا، امام نے معترض

---

[۱] مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۱۶۶۔

[۲] کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۸، ذخائر العقبیٰ ص ۸۰۔

[۳] سورۂ مائدہ آیت ۹۶

کو جواب دیا اور فرمایا کہ ایک لوہا (جس سے آگ نکالتے ہیں) اور ایک پتھر (جس سے آگ نکلتی ہے) لایا جائے اور پھر دونوں کو آپس میں ٹکرایا اس سے شعلہ نکلا اس وقت آپ نے فرمایا: میں لوہے اور پتھر پر ہاتھ پھیر رہا ہوں مگر حرارت کا احساس نہیں ہوتا جب کہ دونوں حرارت رکھتے ہیں اور خاص حالات کی وجہ سے اپنا کام کرتے، یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے کہ قبر میں کافر کا عذاب بھی ایسا ہو۔

خلیفہ امام کا جواب سن کر بہت خوش ہوے اور کہا:

لولا علی لهلك عثمان [1]

وہ موارد جہاں معاویہ نے امام کی طرف رجوع کیا ہے۔

اسلامی تواریخ نے سات مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام کے سامنے دست سوال پھیلایا ہے اور اپنی شرمندگی اور ندامت کو علم امام کے وسیلے سے دور کیا ہے۔

اُذینہ کہتے ہیں: ایک شخص نے معاویہ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا، معاویہ نے کہا: اس موضوع کے متعلق علی سے سوال کرو۔ سائل نے کہا: میں نہیں چاہتا کہ ان سے پوچھوں، میں چاہتا ہوں کہ تم سے سوال کروں۔

اس نے کہا کیوں تم ایسے شخص سے سوال نہیں کرنا چاہتے جس کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا ہے: علی سے میری نسبت ایسی ہی ہے جیسی موسیٰ کی ہارون سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے، عمر نے اپنی مشکلوں کو امام کے سامنے پیش کرتے تھے۔ [2]

جب امام کی شہادت کی خبر معاویہ تک پہنچی تو اس نے کہا: فقہ و علم مر گیا معاویہ کے بھائی نے اس سے کہا: تمہاری یہ بات شام کے لوگ تمہاری زبان سے نہ سنیں۔ [3]

ان مقامات کی فہرست جہاں پر معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام سے مدد طلب کی ہے۔ [4]

۱۔ ایسے شخص کے بارے میں حکم معلوم کرنا جو بہت دنوں سے قبروں کو کھود کر کفنوں کو چراتا تھا۔

۲۔ ایسے شخص کے بارے میں حکم معلوم کرنا جس نے کسی کو قتل کر دیا اور اس کا دعویٰ تھا کہ میں نے اسے ایسی حالت میں قتل کیا ہے جب کہ وہ میری بیوی کے ساتھ زنا کر رہا تھا۔

۳۔ دو آدمیوں کا ایک لباس کے سلسلے میں اختلاف ہو گیا اس میں سے ایک شخص نے دو گواہ پیش کیا کہ یہ مال اس کا

---

[1] کنز العمال ج ۳ ص ۵۳، مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۱۱۹۔

[2] الغدیر ج ۸ ص ۲۱٤ منقول از کتاب عاصمی زین الفتی فی شرح سورۃ ہل أتی

[3] ذخائر العقبیٰ ص ۷۹۔

[4] الاستیعاب ج ۲ ص ٤۲٦۔

ہےاور دوسرے کا دعویٰ تھا کہ اس نے کسی اجنبی سے یہ لباس خریدا ہے۔

٤۔ایک شخص نے ایک لڑکی سے شادی کی لیکن لڑکی کے باپ نے اس لڑکی کے بجائے دوسری لڑکی کو اس کے حوالے کیا۔

٥۔حاکم روم نے کچھ سوالات، کہکشاں،قوس وقزح وغیرہ کے بارے میں معاویہ سے کیا تھااور اس نے کسی اجنبی کو عراق بھیجا تا کہ ان تمام سوالوں کے جوابات علی سے دریافت کرے۔

٦۔روم کے حاکم نے دوبارہ اسی طرح کے سوالات معاویہ سے پوچھے اور اپنا جزیہ(ٹیکس)ادا کرنے کی یہ شرط رکھی کہ سوالوں کے صحیح جوابات دے۔

٧۔تیسری مرتبہ پھر روم کی جانب سے کچھ سوالات معاویہ کی طرف پہنچے اور ان کے جوابات طلب کئے عمرو عاص نے کسی نہ کسی بہانے سے ان تمام سوالوں کے جوابات امام سے حاصل کر لئے۔

بارہویں فصل

حضرت علی علیہ السلام کی سماجی خدمات

خلافت سے حضرت علی علیہ السلام کو کی محرومیت کا زمانہ، مسلمانوں کے سارے امور سے کنارہ کشی کا زمانہ نہیں تھا، اس دور میں آپ نے بہت زیادہ علمی اور سماجی خدمات انجام دیں جن کی مثال تاریخ کے صفحات پر کسی اور کے لئے نہیں ملتی

حضرت علی علیہ السلام ان سے نہیں تھے جو معاشرے کے مسائل اور ضروریات کو صرف ایک نظر اور وہ بھی خلافت کی نظر سے دیکھتے، اور وہ سوچتے کہ جب خلافت چھن گئی تو ساری ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاؤں گا، اس کے باوجود نہ کہ آپ کو سیاسی رہبری سے محروم کر دیا گیا تھا بہت ساری ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے اور اس وصیت کی تاسی کرتے ہوئے جس کو جناب یعقوب نے اپنے فرزندوں سے کی تھی[1] مختلف طریقوں سے سماج کی خدمت کی۔

خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی اہم ترین خدمتیں یہ تھیں:

١۔علماء یہود ونصاری کے علمی حملے کے مقابلے میں اسلام کے مقدس عقائد اور اصول کی حفاظت اور ان کے شبہات کے جوابات دینا۔

٢۔خلافت کے مشکل مسائل کی راہنمائی اور صحیح ہدایت کرنا، خصوصاً قضاوت کے مسائل کا حل کرنا۔

٣۔سماجی خدمات انجام دینا، ان میں کچھ بہت اہم ہیں جن کو ذیل میں ذکر کر رہے ہیں۔

١۔فقیروں اور یتیموں کی خبر گیری

اس بارے میں پر صرف اسی آیت کا ذکر کرنا کافی ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً.[2]

جو لوگ رات کو، دن کو چھپا کے یا دکھا کے [خدا کی راہ میں] خرچ کرتے ہیں۔

تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اگر چہ یہ آیت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] علی والخلفاء، ص ٣٢٤۔٣١٦۔

[2] سورۂ بقرہ آیت ٢٧٤

کے زمانے میں حضرت علی علیہ السلام کی سماجی خدمات کو بیان کرتی ہے لیکن یہ اس خدمت کا سلسلہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد بھی جاری تھا۔ اور حضرت ہمیشہ یتیموں اور فقیروں کی خبر گیری کیا کرتے تھے اور آپ زندگی کے آخری لمحے تک فقیروں پر انفاق کرتے رہے۔ اس سلسلے کے بہت سے شواہد تاریخ کے دامن میں آج بھی موجود ہیں جن کی تفصیل یہاں پر ممکن نہیں ہے۔

۲۔ غلاموں کو آزاد کرنا

اسلام میں مستحب مؤکد ہے کہ غلاموں کو آزاد کیا جائے رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

من اعتقَ عبداً مومناً اعتقَ اللهُ العزیزُ الجبارِ بکل عضوٍ عضواً له من النار [۱]

اگر کوئی شخص ایک مومن غلام کو آزاد کرے تو خداوند عزیز و جبار اس غلام کے بدن کے ہر حصے کے مقابلے میں آزاد کرنے والے کے بدن کے حصے کو جہنم کی آگ سے آزاد کرے گا۔

حضرت علی علیہ السلام دوسرے تمام فضائل و خدمات کی طرح اس سلسلے میں بھی سب سے آگے تھے اور اپنی مزدوری کی اجرت سے (نہ کہ بیت المال سے) ہزاروں غلاموں کو خریدا اور آزاد کیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس حقیقت کی گواہی دی ہے اور فرمایا ہے:

ان علیاً اعتق الف مملوك من کد یده [۲]

علی (علیہ السلام) نے اپنے ہاتھوں سے جمع کی ہوئی رقم سے ہزار غلاموں کو آزاد کیا تھا۔

۳۔ زراعت اور درخت کاری

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور ان کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا ایک مشغلہ کھیتی باڑی اور پیڑ پودھے لگانا تھا، حضرت نے اس ذریعے سے بہت ہ خدمتیں انجام دی تھیں اور لوگوں پر خرچ کیا تھا، اس کے علاوہ بہت سی جائدادیں جنھیں خود آباد کیا تھا وقف کیا تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں:

کان امیر المومنین یضرب بالمرّ و یستخرج الارضین [۳]

حضرت امیر المومنین بیلچہ چلاتے تھے اور زمین کے دل سے چھپی ہوئی نعمتوں کو نکالتے تھے۔

---

[۱] روضۂ کافی ج ۲ ص ۱۸۱۔

[۲] فروغ کافی ج ٥ ص ٧٤، بحارالانوار ج ٤١ ص ٤٣۔

[۳] فروغ کافی، ج ٥، ص ٧٤، بحارالانوار، ج ٤١، ص ٤٣۔

اسی طرح آپ ہی سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: خدا کی نظر میں زراعت سے زیادہ محبوب کوئی کام نہیں ہے۔ [1]
ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام کے پاس ایک وسق [2] خرمے کی گٹھلی دیکھی اس نے پوچھا یا علی ان خرمے کی گٹھلیوں کو جمع کرنے کا کیا مقصد ہے؟

آپ نے فرمایا: یہ تمام کے تمام خدا کے حکم سے خرمے کے پیڑ میں تبدیل ہو جائیں گے۔

راوی کہتا ہے کہ امام نے ان گٹھلیوں کو زمین میں دبا دیا کچھ دنوں کے بعد وہاں کھجور کا باغ تیار ہو گیا اور امام نے اسے وقف کر دیا۔ [3]

٤۔ چھوٹی نہریں کھودنا

عرب جیسی تپتی اور سوکھی زمین میں نہریں بنانا بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انفال [4] میں سے ایک زمین کو حضرت علی علیہ السلام کے حوالے کیا اور امام نے وہاں نہر کھودی جس کا پانی اونٹ کی گردن کی طرح فوارہ کے ساتھ نکل رہا تھا۔

فرمایا: یہ نہر خانۂ کعبہ کے زائرین اور جو لوگ یہاں سے گزریں گے ان کے لئے وقف ہے، کسی کو حق نہیں ہے کہ اس کا پانی بیچے اور میرے بچے اسے میراث میں نہیں لیں گے۔ [5]

آج بھی مدینہ سے مکہ جاتے وقت راستے میں ایک علاقہ ہے جسے بئر علی کہتے ہیں امام نے وہاں پر کنواں کھودا تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعض ارشادات سے استفادہ ہوتا ہے کہ امیر المومنین نے مکہ اور کوفہ کے راستوں میں بہت سے کنویں کھودے تھے۔ [6]

٥۔ مسجدوں کی تعمیر کرنا

مسجدوں کی تعمیر اور تاسیس کرنا خدا اور آخرت پر ایمان رکھنے کی علامت ہے، اور امام نے بہت سی مسجدیں بنائی تھیں جن جس میں سے کچھ مسجدوں کا نام تاریخ نے درج کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

---

[1] بحار الانوار ج ۳۲ ص ۲۰۔

[2] ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر اور ہر صاع ایک من ہے۔ (ایرانی من تین کلو کا ہوتا ہے۔ رضوی)

[3] مناقب ابن شہر آشوب ج ۱ ص ۳۲۳، بحار الانوار ج ٦١ ص ۳۳۔

[4] وہ زمینیں جو بغیر جنگ وجدال کے مسلمانوں نے حاصل کی ہوں جس میں کچھ انفال نبوت سے مخصوص ہے اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کرتے تھے۔

[5] فروغ کافی، ج ۷، ص ٥٤۳، وسائل الشیعہ، ج ۱۳، ص ۳۰۳۔

[6] مناقب، ج ۱، ص ۳۲۳، بحار الانوار، ج ٤۱، ص ۳۲۔

مدینہ میں مسجد الفتح، قبر جناب حمزہ کے پاس، کوفہ، میقات، بصرہ میں مسجدیں۔ [1]

٦۔مکان و جائداد کا وقف کرنا

حدیث و تاریخ کی متعدد کتابوں میں حضرت علی علیہ السلام کے موقوفات کے نام تحریر ہیں، ان موقوفات کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ معتبر مئورخین کے نقل کرنے کے مطابق ان کی سالانہ آمدنی. ٤ ہزار دینار تھی جو تمام محتاجوں اور فقیروں پر خرچ ہوتی تھی۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ اتنی زیادہ آمدنی کے باوجود حضرت امیر اپنے اخراجات کے لئے تلوار بیچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ [2]

جی ہاں، کیوں علی علیہ السلام نے ان موقوفات میں سے کچھ اپنے لئے باقی نہ رکھا؟ کیا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں فرمایا ہے جو شخص بھی اس دنیا سے اٹھ جائے تو مرنے کے بعد اسے کوئی چیز فائدہ نہیں پہنچاتی مگر یہ کہ اس نے تین چیزیں چھوڑی ہوں، نیک اور صالح اولاد جو اس کے لئے استغفار کرے، سنت حسنہ جو لوگوں کے درمیان رائج ہو، نیک کام جس کا اثر اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہے۔ [3] حضرت علی علیہ السلام کے وقف نامے اسلام میں احکام وقت کے لئے ایک منبع و مدرک ہونے کے علاوہ، آپ کی سماجی خدمات پر ٹھوس ثبوت ہیں۔ ان وقف ناموں سے آگاہی پیدا کرنے کیلئے وسائل الشیعہ، ج ١٣ کتاب الوقوف والصدقات کی طرف رجوع کیجیئے۔

---

[1] کشف الحجہ، ص ١٢٤، بحار الانوار، ج ٤١، ص ٤٣۔

[2] وسائل الشیعہ ج ١٣ ص ٢٩٢۔

[3] بحار الانوار ج ٢ ص ٢٢۔

پانچواں حصہ

حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے زمانے کے واقعات

پہلی فصل

حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی طرف مسلمانوں کے رجحان کی علت

امام علی علیہ السلام کی زندگی کے چار اہم حصوں کے واقعات کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس وقت امام علی علیہ السلام کی زندگی کے پانچویں حصے کا ذکر کر رہے ہیں، زندگی کا وہ حصہ جس میں آپ منصب خلافت و رہبری پر فائز ہوئے۔ اور اس دوران آپ بہت سے رونما ہونے والے واقعات اور نشیب و فراز سے دوچار ہوئے۔ ان تمام واقعات کی تشریح و توضیح ہم سے ممکن نہیں ہے، اس لئے ہم مجبور ہیں کہ گذشتہ بحثوں کی طرح ان واقعات بہت زیادہ اہم ہیں صرف انہیں بیان کریں۔

اس فصل میں سب سے پہلی بحث، مہاجرین وانصار کی ہے کہ انہوں نے کس وجہ سے امام کو اپنا رہبر اور خلیفہ مانا، وہ رغبت جو خلفاء ثلاثہ کے سلسلے میں بے مثال تھی اور بعد میں بھی اس جیسی دیکھنے کو نہ ملی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد امام کے دوست بہت اقلیت میں تھے اور مہاجرین وانصار میں سے مومن وصالح افراد کے علاوہ کوئی بھی آپ کی خلافت کا خواہاں نہیں تھا لیکن خلافت اسلامی کے ۲۰ سال گذر جانے کے بعد تاریخ نے ایسی کروٹ بدلی کہ تمام لوگوں کی نظریں علی کے علاوہ کسی پر نہ تھیں۔ عثمان کے قتل کے بعد تمام مسلمان شور وولولہ اور تیز آواز کے ساتھ امام کے دروازے پر جمع ہو گئے اور بیعت کے لئے بہت زیادہ اصرار کرنے لگے۔

اس رجحان کی وجہ کو خلیفہ سوم کی خلافت کے زمانے کے تلخ واقعات میں معلوم کیا جا سکتا ہے ایسے واقعات جو خود ان کے قتل کا سبب بنا اور مصری اور عراقی انقلابیوں کو اس بات پر مجبور کیا کہ جب تک اسلامی خلیفہ کا کام تمام نہ ہو جائے اپنے وطن واپس نہیں جائیں۔

عثمان کے خلاف قیام کرنے کی علت

عثمان کے خلاف اقدام کرنے کی اصلی وجہ، عثمان کا اموی خاندان سے خاص لگاؤ اور الفت تھی۔ وہ خود اسی خاندان کی ایک فرد تھے، وہ اس نجس و ناپاک خاندان کی عزت واکرام کے علاوہ کتاب وسنت کی بے حرمتی کرنے میں اپنے پہلے کے دو خلیفوں سے بھی آگے تھے۔

ان کے اس مزاج اور خاندان امیہ سے لگاؤ سے ہر ایک واقف تھا، جس وقت خلیفۂ دوم نے شوریٰ کے عہدہ داروں

کا انتخاب کیا عثمان پر تنقید کرتے ہوئے کہا۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ قریش نے تمہیں اپنا رہبر چن لیا ہے اور تم نے بنی امیہ۔ اور بنی ابی معط۔ کو لوگوں پر مسلط کر دیا ہے اور بیت المال کو انہی لوگوں سے مخصوص کر دیا ہے اس وقت عرب کے خطرناک گروہ تم پر حملہ کریں گے اور تمہیں گھر کے اندر قتل کر دیں گے۔[۱]

بنی امیہ جو عثمان کے مزاج سے واقف تھے انہوں نے شوریٰ کی طرف سے منتخب ہونے کے بعد ان کو اپنے حصار میں لے لیا اور زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اسلامی منصب اور مقام ان کے درمیان تقسیم ہو گیا اور ان لوگوں کی جرأت اس حد تک بڑھ گئی کہ ابوسفیان قبرستان احد گیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا جناب حمزہ کی قبر پر جو ابوسفیان سے جنگ کرتے وقت شہید ہوئے تھے، ٹھوکر مار کر کہا ابویعلی، اٹھو اور دیکھو کہ جس چیز کے لئے تم نے ہم سے جنگ کی تھی اب وہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

خلیفہ سوم کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں بنی امیہ کے افراد ایک جگہ پر جمع ہوئے ابوسفیان ان کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

اس وقت جب کہ خلافت قبیلہ تیم اور عدی۔ کے بعد تمہارے ہاتھوں تک پہنچی ہے ہوشیار رہو کہ خلافت تمہارے خاندان سے باہر نہ جائے، اور اسے ایک کے بعد دوسرے تک پہنچاتے رہو کیونکہ خلافت کا مقصد حکومت اور رہبری کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور جنت و جہنم کا وجود نہیں ہے۔[۲]

ابوسفیان کی اس بات نے خلیفہ کی شخصیت کو سخت مجروح کیا، جو لوگ وہاں پر حاضر تھے انہوں نے اس کو چھپانے کی پوری کوشش کی لیکن آخرکار حقیقت نے اپنا کام کر دکھایا۔ مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے سزاوار یہ تھا کہ وہ ابوسفیان کی خبر لیتے اور مرتد کی حد اس پر جاری کرتے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ انہوں نے نہ یہ کہ ایسا نہیں کیا بلکہ اکثر ابوسفیان پر لطف و کرم کی بارش کی اور بہت زیادہ مال غنیمت بطور تحفہ بھیجا رہا۔

بغاوت کی علت

خلیفہ دوم نے جس شوریٰ کا انتخاب کیا تھا اس شوری کے ذریعے ۳ محرم ۲۴ ھ کو عثمان منصب خلافت کے لئے منتخب ہو گئے اور ۱۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ھ کو مصر اور عراق کے انقلابیوں اور مہاجر و انصار کے بعض گروہ کے ہاتھوں قتل ہوئے، اسلام کے معتبر مورخین نے عثمان کے قتل ہونے اور مسلمانوں کے بغاوت کی علت کو اپنی اپنی کتابوں میں

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱ ۱۸۷

[۲] الاستیعاب ج۲ ص ۶۹۰

تحریر کیا ہے، اگر چہ بعض مؤرخین نے، مقام خلافت کے احترام میں ان واقعات کے رونما ہونے کی علت کی وضاحت کرنے سے پرہیز کیا ہے، درج ذیل وجہوں کو بغاوت کی بنیاد اور مسلمانوں کے بعض خطرناک گروہوں کے حملہ کرنے کی علت کہا جا سکتا ہے۔

۱۔حدود الٰہی کا جاری نہ ہونا

۲۔بنی امیہ کے درمیان بیت المال کا تقسیم ہونا۔

۳۔اموی حکومت کی تشکیل اور اسلامی منصبوں پر غیر شائستہ افراد کا تقرر۔

٤۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعض صحابہ کو مصیبت و تکلیف دینا جو خلیفہ اور ان کے دوستوں پر تنقید کرتے تھے۔

٥۔پیغمبر کے بعض صحابیوں کو شہر بدر کرنا جو خلیفہ کی نظر میں ان کے لئے مضر تھے۔

پہلی وجہ۔حدود الٰہی کا جاری نہ ہونا

۱۔خلیفہ نے اپنے مادری بھائی ولید بن عتبہ کو کوفہ کا گورنر معین کیا وہ ایسا شخص تھا جس کے بارے میں قرآن مجید نے دو جگہوں پر اس کے فسق و فجور اور اسلامی احکام سے سرکشی و بغاوت کا تذکرہ کیا ہے۔[1]

يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا [2]

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ.[3]

تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں آیتیں اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔اور دوسری آیت نازل ہونے کے بعد حسان بن ثابت نے یہ اشعار کہا۔

انزل الله فی الکتاب العزیز

فی علی و فی الولید قرآنا

فتبیینوا الولید اذذاك فاسقاً

و علی مبوء صدق ایمانا

فاسق کی نگاہ میں جو چیز قابل اہمیت نہیں ہے وہ حدود الٰہی اور اعلیٰ مقام و منصب کی رعایت نہ کرنا ہے اس زمانے کے حاکم سیاسی امور کی دیکھ بھال کے علاوہ جمعہ و جماعت کی نماز بھی پڑھاتے تھے، یہ نالائق حاکم (ولید) نے نشے کی حالت میں نماز صبح کو چار رکعت پڑھا دیا، اور محراب تک کو نجس کر دیا وہ نشے میں اتنا مدہوش تھا کہ لوگوں نے اس کے ہاتھ سے انگوٹھی

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ج۲ قدیم ایڈیشن ص۱۰۳،

[2] سورۂ حجرات آیت ٦

[3] سورۂ سجدہ آیت ۱۸

اتار لی اور اسے احساس تک نہ ہوا۔

کوفہ کے لوگ شکایت کرنے کے لئے مدینہ روانہ ہوئے اور اس واقعہ کی تفصیل خلیفہ کے سامنے پیش کی لیکن افسوس کہ خلیفہ نے نہ یہ کہ صرف ان کی شکایت نہ سنی بلکہ ان لوگوں کو دھمکی بھی دی اور کہا: کیا تم نے دیکھا ہے کہ میرے بھائی نے شراب پیا ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا۔ ہم نے اس کو شراب پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا لیکن اسے مستی کے عالم میں دیکھا ہے اور اس کے ہاتھوں سے انگوٹھی اتار لی مگر وہ متوجہ نہیں ہوا اس واقعہ کے گواہ کچھ مومن وغیور افراد بھی تھے ان لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام اور عائشہ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا۔ عائشہ جو عثمان سے سخت ناراض تھیں، انہوں نے کہا عثمان نے خدا کے احکام کو ترک کر دیا ہے اور گواہوں کو دھمکی دی ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے عثمان سے ملاقات کی اور خلیفہ دوم کی وہ بات جو انہوں نے شوری کے دن ان کے بارے میں کہی تھی انہیں یاد دلایا اور کہا، بنی امیہ کے بیٹوں کو لوگوں پر مسلط نہ کرو اور تمہارے لئے ضروری ہے کہ ولید کو گورنری کے منصب سے معزول کر دو اور اس پر حد الٰہی جاری کرو،

طلحہ اور زبیر نے بھی ولید کے منتخب ہونے پر اعتراض کیا اور خلیفہ سے کہا کہ اس کو تازیانہ لگایا جائے خلیفہ نے تمام لوگوں کی باتوں سے مجبور ہو کر سعید بن العاص کو جو بنی امیہ کے شجرۂ خبیثہ سے تھا کوفہ کی گورنری کے لئے منتخب کیا، جب وہ کوفہ میں داخل ہوا تو اس نے محراب و منبر اور دارالامامہ کو پاک کرایا اور ولید کو مدینہ بھیج دیا۔

صرف ولید کو معزول کرنے سے ہی لوگ راضی نہ ہوئے بلکہ لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ خلیفہ کو چاہیئے کہ جو سزا اسلام نے شراب پینے والے کے لئے معین کی ہے اپنے بھائی پر وہ جاری کریں، عثمان چونکہ اپنے بھائی کو بہت چاہتے تھے لہٰذا انہوں نے اُسے قیمتی لباس پہنایا اور اسے ایک کمرے میں بیٹھا دیا تاکہ مسلمانوں میں کوئی ایک شخص اس پر حد الٰہی جاری کرے، جو لوگ مائل تھے کہ اس پر حد جاری کریں ولید نے انہیں دھمکی دی تھی بالآخر امام علی علیہ السلام نے تازیانہ اپنے ہاتھ میں لیا اور بغیر تاخیر کے اس پر حد جاری کی اور اس کی دھمکی اور ناراضگی کی کوئی پرواہ نہ کی۔[1]

۲۔ انسان کی اجتماعی زندگی کا ایک رکن عادلانہ قانون کی حکومت ہے تاکہ معاشرے کے تمام لوگوں کی جان و مال وعزت وآبرو کی حفاظت ہو سکے، اور اس سے بھی زیادہ اہم قانون کا جاری کرنا ہے اور قانون گزار، قانون کو جاری کرتے وقت دوست و دشمن اور اپنے اور پرائے کو نہ دیکھے اس صورت میں قانون عملی جامہ پہنے گا اور پورے طور پر عدالت سامنے آئے گی۔

الٰہی نمائندوں نے خدا کے قوانین کو بغیر کسی ڈر اور خوف کے جاری کیا اور کبھی بھی انسانی الفت ومحبت، رشتہ داری، مادی منفعت سے متأثر نہیں ہوئے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اسلامی قانون کو سب سے پہلے جاری کیا، اور اس آیت کے

[1] ۱۔ مسند احمد ج۱ ص۱۴۲، سنن بیہقی ج۸ ص۳۱۸، اسد الغابہ ج۵ ص۹۱، کامل ابن اثیر ج۳ ۴۲۳۔ الغدیر ج۸ ص۱۷۲ منقول الانساب بلاذری ج۵ ص۳۳ سے ماخوذ۔

واضح وروشن مصداق تھےوَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ [1] فاطمہ مخزومی جس نے چوری کی تھی اسکے بارے میں آپ کا ایک چھوٹا جملہ آپ کی اجتماع عدالت پر واضع وروشن دلیل ہے۔

فاطمہ مخزومی ایک مشہور ومعروف عورت تھی جس کی چوری پیغمبر کے سامنے ثابت ہوگئی تھی اور یہ طے پایا کہ عدالت کا حکم اس پر جاری ہو، ایک گروہ نے اس پر قانون نہ جاری کرنے کی کوشش کی اور اسامہ بن زید کو پیغمبر کے پاس بھیجا تاکہ اس مشہور ومعروف عورت کا ہاتھ کاٹنے سے پیغمبر کو منع کرے، رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے بہت سخت ناراض ہوئے اور فرمایا۔

خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی ایسا کرے تو میں حکم خدا کو جاری کروں گا اور حکم خدا کے مقابلے میں فاطمہ مخدومی اور فاطمہ محمدی دونوں برابر ہیں۔ [2]

پچھلی امتوں کی سب سے بڑی بدبختی یہ تھی کہ جب بھی ان کے درمیان کوئی بڑا شخص چوری کرتا تھا تو اسے معاف کردیتے تھے اور اس کی چوریوں کو نظرانداز کردیتے تھے، لیکن اگر کوئی عام آدمی چوری کرتا تھا تو فوراً اس پر حکم الٰہی جاری کرتے تھے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت اسلامی کی اس طرح سے تربیت کی، لیکن آپ کے انتقال کے بعد دھیرے دھیرے اسلامی معاشرے میں قوانین کے جاری کرنے میں رخنہ پڑ گیا، خصوصاً خلیفہ دوم کے زمانے میں عرب اور غیر عرب، حسب ونسب، ایک گروہ کا دوسرے گروہ کے مقابلے میں وجود میں آیا لیکن اس حد تک نہیں تھا کہ انقلاب اور شورش برپا ہو، عثمان کی خلافت کے زمانے میں اسلامی قانون کے اجراء میں تبعیض شباب پر تھی، اور یہی چیز لوگوں کی ناراضگی کا سبب بنی اور لوگ خلیفہ اور ان کے اطرافیوں سے متنفر ہوگئے۔

مثلاً۔ خلیفہ دوم ایک ایرانی بنام ابولولو جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا کے ہاتھوں مارے گئے تھے قتل کرنے کی علت کیا تھی یہاں پر بیان کرنا مقصود نہیں ہے، ہم نے اس کا تذکرہ علی اور شوریٰ میں عمر کے قتل ہونے کی علت میں بیان کیا ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خلیفہ کے قتل کا مسلئہ اسلامی عدالت سے حل کرنا چاہیئے تھا اور اس کے قاتل اور محرک افراد (اگر محرک تھے) کو اسلامی قاعدہ اور قانون کے مطابق سزا دینی چاہیئے تھی لیکن یہ بات صحیح نہیں تھی کہ خلیفہ کے بیٹے یا اس کے رشتہ دار اس کے قاتل کو سزا دیں یا اسے قتل کریں چہ جائیکہ کہ قاتل کے رشتہ داروں اور دوستوں تک کو سزا دیں یا قتل کریں، بغیر اس کے کہ خلیفہ کے قتل میں شامل ہونا ثابت ہو اور بغیر سزا کے انہیں قتل کردیں،

لیکن افسوس کہ خلیفہ کے قتل کے بعد یا ان کے حالت احتضار ہی میں خلیفہ کے بیٹے عبیداللہ نے دو بے گناہوں

---

[1] سورۂ مائدہ، ٥٤

[2] ۔الاستیعاب ج٤ ٣٧٤

(ہرمزان اورابولولو کی بیٹی جفینہ) کواس الزام میں کہ اس کے باپ کے قتل کرنے میں شامل تھے قتل کرڈالا اوراگر صحابیوں سے ایک صحابی نے اس کے ہاتھ سے تلوار نہ لی ہوتی اوراسے نہ روکا ہوتا تو مدینہ میں جتنے بھی قیدی تھے انہیں قتل کرڈالتا۔عبیداللہ کے اس جرم نے مدینہ میں تلاطم برپا کردیا،اورمہاجرین وانصار نے عثمان سے بے حد اصرار کیا کہ اسے سزادیں۔اورابولولو کی بیٹی اور بہوکوانکے خون کا بدلہ اس سے لیں۔[1]

خودحضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اصرار کیا کہ عبیداللہ کوسزادو،اورخلیفہ سے کہا:بے گناہوں کوقتل کرنے کا انتقام عبیداللہ سے لو،کہ وہ کتنے بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہے اور بے گناہ مسلمانوں کوقتل کیا ہے،لیکن جب عثمان کی طرف سے مایوس ہوگئے اس وقت آپ نے عبیداللہ کومخاطب کرکے کہا:اگر کسی دن تو میرے ہاتھوں میں آگیا تو میں تجھے ہرمزان کے بدلے میں قتل کردوں گا۔[2]

عبیداللہ کوسزادلانے اورعثمان کی بےتوجہی کی وجہ سے اعتراض روز بروز بڑھتا رہا اوراب بھی ابولولو کی بیٹی اور ہرمزان کے ناحق خون بہا لوگوں کے درمیان جوش وخروش تھا،خلیفہ نے جب خطرہ محسوس کیا تو عبیداللہ کوحکم دیا کہ مدینہ سے کوفہ کی طرف چلا جائے اور بہت وسیع زمین اس کے حوالے کردی اوراس جگہ کا،کویفۃ ابن عمر(عمر کے بیٹے کا چھوٹا کوفہ)نام رکھا۔

بے جا عذر

مسلمان تاریخ لکھنے والوں نے خلیفہ سوم اور ان کے ہم فکروں کے دفاع میں معذوری کوپیش کیا ہے جو بچگانہ معذوری کے مانند ہے،ہم یہاں پر ان میں سے چند کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

۱۔جب عثمان نے عبیداللہ کے بارے میں عمروعاص سے مشورہ کیا تو عمروعاص نے کہا کہ،ہرمزان کاقتل اس وقت ہوا جب مسلمانوں کا حاکم کوئی اور شخص تھا اورمسلمانوں کی ذمہ داری تمہارے ہاتھوں میں نہ تھی اوراس طرح تم پر کوئی ذمہ داری عائدنہیں ہوگی،اس عذر کا جواب واضح ہے:

الف:۔مسلمانوں کے ہرحاکم وسرپرست پر لازم ہے کہ مظلوم کا حق ظالم سے دلوائے، چاہے وہ ظالم اس کی حکومت کے زمانے میں ظلم کرے یا دوسرے شخص کی حکومت کے زمانے میں ظلم کرے،کیونکہ حق ثابت اور پائیدار ہوتا ہے اورزمانہ کا گزرنا اورحاکم کا بدلنا ہرگز فریضہ کونہیں بدلنا۔

ب:۔وہ حاکم کہ جن کے زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا خودانہوں نے اس واقعہ کی تفتیش کاحکم دیا تھا،جب خلیفہ کواس واقعہ کی خبر دی گئی کہ آپ کے بیٹے عبیداللہ نے ہرمزان کوقتل کرڈالا ہے تو انہوں نے اس قتل کی وجہ پوچھی،لوگوں نے کہا یہ بات

---

[1] طبقات ابن سعدج ۵ ص ۱۷(طبع بیروت)۔

[2] انساب بلاذری:ج ۵ ص ۲٤۔

مشہور ہے کہ ہرمزان نے ابولولو کو حکم دیا تھا کہ تمہیں قتل کردے خلیفہ نے کہا: میرے بیٹے سے پوچھو، اگر اس کے پاس کوئی گواہ ہے تو میرا خون ہرمزان کے خون کے برابر ہے لیکن اگر اس کے برعکس ہے تو اس کو قتل کردیا جائے۔ [۱]

کیا بعد میں آنے والے خلیفہ پر واجب نہیں تھا کہ اپنے پہلے کے خلیفہ کے حکم کو جاری کرے؟ کیونکہ عمر کے بیٹے کے پاس نہ کوئی گواہ تھا کہ ہرمزان اس کے باپ کے قتل میں شریک، اور نہ ہی ہرمزان نے ابولولو کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

۲۔ یہ بات صحیح ہے کہ ہرمزان اور ابولولو کی چھوٹی بیٹی کا خون ناحق بہایا گیا لیکن اگر مقتول کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کے خون کا ولی مسلمانوں کا خلیفہ اور امام ہے، اسی وجہ سے عثمان نے اس مقام و منصب سے خوب استفادہ کیا اور قاتل کو آزاد چھوڑ دیا اور اس کے گناہوں کو معاف کردیا۔ [۲]

اس عذر کی بھی پچھلے عذر کی طرح کوئی اہمیت نہیں ہے، اس لئے کہ ہرمزان، قارچ (ککر مّتا) کی طرح نہ تھا جو زمین سے اگا تھا اور اس کا کوئی وارث ورشتہ دار نہ تھا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ ایک زمانے تک شوشتر کا حاکم تھا۔ [۳]

اور ایسی شخصیت بغیر وارث کے نہیں ہوسکتی اس بنا پر خلیفہ کا فریضہ یہ تھا کہ اس کے وارث کو تلاش کرتے اور تمام کاموں کی ذرمہ داریاں اس کے سپرد کرتے۔ اس کے علاوہ اگر ہم فرض کرلیں کہ اس کا کوئی وارث نہیں تھا تو ایسی صورت میں اس کا تمام حق، مال مسلمانوں کا حق تھا اور جب تمام مسلمان اس کے قتل بخش دیتے اس وقت خلیفہ اس کے قصاص کو نظر انداز کردیتے، لیکن افسوس کہ واقعہ اس کے برخلاف تھا اور مولف طبقات کے نقل کرنے کے مطابق چند افراد کے علاوہ تمام مسلمان عبیداللہ سے قصاص کا مطالبہ کررہے تھے۔ [۴]

امیر المومنین نے بہت سختی سے عثمان سے کہا:

اقد الفاسق فانّہ أتی عظیماً قتل مسلماً بل اذنب۔ [۵]

اور جس وقت خلیفہ نے عبیداللہ کو آزاد کرنا چاہا تو امام علی علیہ السلام نے فوراً اعتراض کیا اور کہا: خلیفہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جو مسلمان کا حق ہے اسے نظر انداز کردے۔ [۶]

---

[۱] ۔ سنن بیہقی (چاپ آفیسٹ) ج ۸ ص ٦١۔
[۲] ۔ سنن بیہقی (چاپ آفسٹ) ج ۸ ص ٦١۔
[۳] قاموس الرجال ج ۹ ص ۳۰۵۔
[۴] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۷۔
[۵] انساب بلاذری ج ۵ ص ۲٤۔
[٦] قاموس الرجال ج ۹ ص ۳۰۵ منقول از شیخ مفید

اس کے علاوہ، اہل سنت کی فقہ کے مطابق، امام اور اسی طرح دوسرے اولیاء (مثل باپ اور ماں) کو یہ حق حاصل ہے کہ قاتل کو قتل کریں یا اس سے دیت لیں، لیکن ہرگز اسے معاف کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ [1]

۳۔ اگر عبید اللہ قتل ہو جاتا تو مسلمانوں کے دشمن خوشحال ہوتے کہ کل ان کا خلیفہ مارا گیا اور آج اس کے بیٹے کو مار ڈالا گیا۔ [2]

یہ عذر بھی قرآن وسنت کی نظر میں بے وقعت ہے کیونکہ ایسے اثر ورسوخ رکھنے والے شخص کا قصاص مسلمانوں کے افتخار کا باعث تھا اور عملی طور پر یہ ثابت کر دیتا کہ ان کا ملک، قانون وعدالت کا ملک ہے، اور خلاف ورزی کرنے والے چاہے جس مقام ومنصب پر ہوں قانون کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں اور ان کا مقام ومنصب عدالت جاری کرتے وقت مانع نہیں ہوتا۔

دشمن اس وقت خوشحال ہوتا جب وہ دیکھتا ہے کہ حاکم ورہبر قوانین الٰہی کا مذاق اڑا رہے ہیں، اور اپنی خواہشات کو حکم الٰہی پر مقدم کر رہے ہیں۔

٤۔ کہتے ہیں کہ ہرمزان، خلیفہ کو قتل کرنے میں شامل تھا کیونکہ عبدالرحمن بن ابو بکر نے گواہی دی کہ ابو لولو اور ہرمزان اور جفین کو ہم نے آپس میں آہستہ آہستہ بات کرتے ہوئے دیکھا اور جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ایک خنجر زمین پر گرا جس میں دو نوک تھے، اور اس کا دستہ بیچ میں تھا، اور خلیفہ بھی اسی خنجر سے قتل ہوا۔ [3]

اسلامی عدالت میں اس عذر کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے، کیونکہ اس سے ہٹ کر کہ گواہی دینے والا ایک شخص ہے ایسے لوگوں کا ایک جگہ ہونا جو مدتوں سے دوست رہے ہوں اور ان میں سے ایک لڑکی ہو، خلیفہ کے قتل کرنے پر گواہ نہیں بن سکتا شاید ہرمزان نے اس وقت خلیفہ کو قتل کرنے سے منع کیا ہو کیا صرف وہم وگمان کے ذریعے دوسروں کا خون بہایا جا سکتا ہے؟ اور کیا اس طرح کی گواہی اور ثبوت کسی بھی عدالت میں قابل قبول ہے؟

جی ہاں تمام بے جا عذر سبب بنے کہ ہرمزان کا قاتل لمبے عرصے تک آزادانہ زندگی گزارے، لیکن امام علی علیہ السلام نے اس سے کہا تھا کہ اگر کسی دن تم میرے قبضے میں آ گئے تو تم سے ہرمزان کا قصاص ضرور لیں گے۔ [4]

جس وقت امام نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی، عبید اللہ کوفہ سے شام بھاگ گیا، امام نے فرمایا، اگر آج بھاگ گیا ہے تو ایک نہ ایک دن ضرور ہاتھ آئے گا، زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں یا مالک اشتر یا

---

[1] الغدیر ج ۸ (طبع نجف) (بدائع الصنایع ملک العلماء حنفی سے گفتگو)

[2] تاریخ طبری ج ۵ ص ٤١

[3] تاریخ طبری ج ٢ ص ٤٢

[4] انساب بلاذری ج ۵، ص ٢٤۔

عمار یاسر (بہ اختلاف تاریخ) کے ہاتھوں قتل ہوا۔

دوسری وجہ، بنی امیہ کے درمیان بیت المال کا تقسیم ہونا

پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم کی خلافت و جانشینی ایک مقدس و اعلیٰ مقام ہے جسے تمام مسلمان نبوت و رسالت کے منصب کے بعد سب سے اہم مقام سمجھتے ہیں، اوران لوگوں کا اختلاف صرف مسئلہ خلافت کے بارے میں ہے کہ خلیفہ کا انتخاب خدا کی طرف سے ہونا چاہیئے یا لوگ خود خلیفہ کا انتخاب کریں، ان لوگوں کے درمیان اختلاف یہ نہ تھا کہ مقام خلافت کا رتبہ بڑھ جائے اور اسلامی خلافت کی موقعیت کو اہم شمار کریں۔اسی مقام خلافت کے احترام کی وجہ سے امیر المومنین نے لوگوں کی نمائندگی کرتے ہوئے خلیفہ سوم سے یہ کہا: [1]

وانی انشدك الله ان لا تکون امام هذه الامة المقتول، فانه کان یقال یقتل فی هذه الامة امام یفتح علیها القتل والقتال الی یوم القیامة [2]

میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اس امت کے مقتول پیشوا کی طرح نہ ہونا، کیونکہ کہا جاتا تھا کہ اس امت کا پیشوا مارا جائے گا جس کے قتل کی وجہ سے قیامت تک کے لئے قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع ہو جائے گا،

مہاجرین و انصار اور دیگر مسلمانوں کے درمیان اسلامی خلافت اور خلیفہ مسلمین کی عظمت و رفعت کے باوجود اسلام کی دوسری بزرگ شخصیتیں مختلف جگہوں سے مدینہ آگئیں، اور مہاجرین و انصار کی مدد سے خلیفہ سوم کو قتل کر کے پھر اپنے اپنے شہر واپس چلی گئیں۔

عثمان کے خلاف شورش و انقلاب کی ایک دو وجہیں نہیں تھیں، انقلاب لانے کی ایک وجہ حدود الٰہی کا جاری نہ ہونا تھا جس کا تذکرہ ہم مختصراً کر چکے ہیں اور دوسری وجہ جس پر ہم بحث کر رہے ہیں یعنی خلیفہ کا اپنے رشتہ داروں کو بے حساب بیت المال سے مدد کرنا اور ان کا خرچ دینا تھا، اگر چہ تاریخ نے ان تمام چیزوں کو نہیں لکھا ہے یہاں تک کہ طبری نے بھی کئی مرتبہ اس بات کو صراحت سے کہا ہے، میں اکثر لوگوں کے تحمل نہ کرنے کی وجہ سے بعض اعتراض کو جو مسلمانوں نے خلیفہ کے خلاف کیئے تھے، تحریر نہیں کیا ہے [3]

لیکن وہی چیزیں جنہیں تاریخ نے لکھا ہے، بیت المال سے متعلق عثمان کے کردار کو بخوبی واضح و روشن کرتا ہے۔

مسلمانوں کے بیت المال کی ملکیتیں اور دوسرے سامان جو انہوں نے اپنے اعزہ و احباب کو دیئے تھے، وہ بہت

---

[1] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱۵۹۔

[2] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱۵۹۔

[3] تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۰۸ و ۱۱۳ و ۲۳۲۔

زیادہ تھے جن میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں۔

عثمان نے فدک کے علاقہ کو جو مدتوں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اور خلیفہ اول کے درمیان مورد بحث تھا مروان کو دیدیا اور یہ ملکیت ایک کے بعد ایک مروان کی اولادوں میں منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز نے اسے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی اولادوں کو واپس کر دیا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی نے کہا تھا کہ میرے بابا نے فدک مجھے دیا تھا، لیکن ابوبکر کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ صدقہ ہے اور دیگر صدقوں کی طرح یہ بھی محفوظ رہے اور اس کی آمدنی مسلمانوں کے امور میں خرچ ہو بہر حال کسی بھی صورت سے عثمان کا مروان کو فدک دینا صحیح نہیں تھا، بہت سے مورخین نے عثمان کی اس حرکت پر ان کو آڑے ہاتھ لیا اور سب نے یہی لکھا کہ تمام لوگوں نے جو ان پر اعتراض ہوئے یہ ہے کہ انہوں نے فدک کو جو رسول اسلام کا صدقہ تھا مروان کو دیدیا [1]

اے کاش خلیفہ اسی پر اکتفاء کرتے اور اپنے چچازاد بھائی اور داماد کو اس کے علاوہ کچھ اور نہ دیتے، لیکن افسوس کہ اموی خاندان کے ساتھ خلیفہ کی الفت و محبت ولگاؤ کی کوئی حد نہ تھی، انہوں نے اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ۲۷ ہجری میں اسلامی فوج نے افریقہ سے بہت زیادہ مال غنیمت جمع کیا تھا جس کی قیمت تقریباً ڈھائی میلین (۲۵ لاکھ) دینار تھی اس کا پانچواں حصہ (۵ لاکھ) جسے قرآن کریم نے خمس کے چھ موارد میں تقسیم کیا ہے بغیر کسی دلیل کے اپنے داماد مروان کو دیدیا، اور اس طرح سے انہوں نے سب سے مخالفت مول لی، چنانچہ بعض شعراء نے بعنوان اعتراض یہ شعر کہا [2]

وأعطيت مروان خمس العبا

و ظلماً لهم وحميت الحمى [3]

وہ خمس جو خدا کے بندوں سے مخصوص ہے بغیر کسی دلیل کے مروان کو دیدیا اور اپنے رشتہ داروں کا خیال کیا۔

بیت المال کے بارے میں اسلام کا نظریہ

ہر عمل ایک نظریہ کی حکایت کرتا ہے، خلیفہ کا عمل اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ وہ بیت المال کو اپنی ملکیت سمجھتے تھے اور ہدیہ وتحفہ وغیرہ دینے کو صلۂ رحمی اور رشتہ داروں کی خدمت کرنا جانتے تھے۔ [4]

اب یہ دیکھنا ہے کہ بیت المال چاہے مال غنیمت ہو یا زکات کی طرح دوسرے اموال کے بارے میں اسلام کا نظریہ کیا ہے یہاں ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین کے چند اقوال کو پیش کر رہے ہیں۔

---

[1] ابن قتیبہ دینوری، معارف ص ۸۴۔

[2] سورۂ انفال آیت ۴۱۔

[3] سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۲۴۔

[4] سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۲۴۔

۱۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مال غنیمت کے بارے میں فرماتے ہیں

لله خمسه واربعة اخماس للجیش [۱]

اس میں سے پانچواں خدا کا حصہ اور باقی ٥ ٤ لشکر اسلام کا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ خدا اس سے بے نیاز ہے کہ وہ اپنے لئے حصہ معین کرے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس ٥ / ١ کو ایسے کاموں میں خرچ کیا جائے جن میں خدا کی مرضی شامل ہو۔

۲۔جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن روانہ کیا تو انہیں حکم دیا کہ لوگوں سے کہنا۔

ان الله قد فرض علیکم صدقة اموالکم نوخذ من اغنیاء کم فترد الی فقراء کم [۲]

خداوند عالم نے تم پر زکواۃ واجب کی ہے جو تمہارے مالداروں سے لی جائے گی اور فقیروں کے درمیان تقسیم کی جائے گی۔

۳۔امیر المومنین نے اپنے مکہ کے حاکم کو لکھا:

جو کچھ خدا کا مال تمہارے پاس جمع ہوا ہے اس کا حساب و کتاب کرو اور اسے کثیر العیال اور بھوکوں کو دیدو، اور اس بات کا خیال رہے کہ وہ یقیناً فقیروں اور محتاجوں کو ملے۔

تاریخ میں ہے کہ دو عورتیں دونژاد کی ایک عرب اور دوسری آزاد کردہ، مولائے کائنات کے پاس آئیں اور دونوں نے حاجت پیش کی، امام نے ہر ایک کو ٤٠ درہم کے علاوہ کھانے پینے کا سامان دیا نژاد وہ عورت جو عرب سے نہیں تھی اس نے اپنا حصہ لیا اور چلی گئی لیکن عرب عورت نے جاہلیت کی فکر رکھنے کے وجہ سے امام سے کہا کیا آپ مجھے اتنی ہی مقدار میں دیں گے جتنا غیر عرب کو دیا ہے؟ امام نے جواب میں کہا، میں خدا کی کتاب قرآن میں اسماعیل کے بیٹوں کی اسحاق کے بیٹوں پر فضیلت و برتری نہیں دیکھتا؟ [۳]

ان حدیثوں اور صراحتوں کے ہوتے ہوئے اور یہ کہ خلیفہ اول و دوم کا طریقہ خلیفہ سوم سے علیحدہ تھا اس کے باوجود عثمان نے اپنی پوری خلافت کے درمیان بہت زیادہ تحفے و ہدیہ لوگوں کو دیئے کہ کسی بھی صورت میں اس کی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔

اگر ان ہدیوں اور کوان نیک لوگوں کو دیا جاتا جن کی گذشتہ زندگی اسلام کے لئے باعث افتخار تھی، تو اتنی ملامت نہیں ہوتی، لیکن افسوس کہ وہ گروہ لایق فضل و کرم قرار پایا جس کی اسلام میں کوئی فضیلت نہیں تھا۔

---

[۱] الاموال ص ٥٨٠۔

[۲] نہج البلاغہ نامہ ٦٧۔

[۳] سنن بیہقی ج ٦ ص ٣٤٨۔

مروان بن حکم حضرت امیر المومنین کا سخت ترین دشمن تھا،جس وقت اس نے حضرت علی علیہ السلام سے اپنی بیعت توڑی اور جنگ جمل میں گرفتار ہوا اورامام حسین کی شفاعت کرنے سے آزاد ہوا،توامام کے بیٹوں نے امام سے کہا،مروان دوسری مرتبہ پھرآپ کے ہاتھوں پر بیعت کرے گا،امام نے فرمایا۔

مجھے اس کی بیعت کی ضرورت نہیں ہے کیا عثمان کے قتل کے بعداس نے میرے ہاتھوں پر بیعت نہیں کیا؟اس کی بیعت یہودیوں کی بیعت کی طرح ہے جومکروفریب اور بے وفائی میں بہت مشہور ہیں،اگرخوداپنے ہاتھوں پر بیعت کرے تودوسرے دن مکروفریب کے ساتھ اسے توڑ دے گا اس کے لئے حکومت چھوٹی چیز ہے جیسے کتا خوداپنی ناک چاٹتا ہے،وہ چاربچوں کا باپ ہے اورامت مسلمہ کواس سے اوراس کے بچوں سے ایک روزشدید جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔[1]

تیسری وجہ،اموی حکومت کی تشکیل

عثمان کے خلاف شورش کی تیسری وجہ،اسلام کے حساس مرکزوں پر امویوں کی ظالمانہ حکومت تھی وہ بھی ایسی حکومت جو بچے اور بوڑھے کونہیں جانتی تھی اورخشک وتر کوجلادیتی تھی،اصل بات یہ تھی کہ خلیفہ سوم کو بنی امیہ سے بہت ہی زیادہ الفت ومحبت تھی اوررشتہ دارکی محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی،اپنے رشتہ داروں کی اس درخواست کی تکمیل کے لئے کہ ایک اموی حکومت تشکیل دی جائے عقل وخرد،مسلمانوں کی مصالح ومفاسداوراسلام کے قوانین کی عثمان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی اور بنی امیہ سے بیحد محبت کی وجہ سے بہت زیادہ غلط انجام پاتے تھے۔

اس بات کی بھی یاددہانی ضروری ہے کہ ان کی محبت سارے مسلمانوں سے نہ تھی بلکہ ان کی محبت کا ربط صرف اپنے رشتہ داروں سے تھا،اوردوسرے افراد ان کے غیظ وغضب سے امان میں نہیں تھے،یعنی شجرۂ اموی سے بے شمار محبت کی وجہ سے ابوذر،عمار،عبداللہ بن مسعودوغیرہ پر بہت خشمگین رہتے تھے،جس وقت

ابوذرکوایسی سرزمین جہاں آب ودانہ نہ تھا یعنی،ربذہ بھیجا اوراس عظیم مجاہد نے وہاں تڑپ تڑپ کرجان دیدی،اس وقت ان کی محبت جوش میں نہ آئی جس وقت عمارخلافت کے بکے ہوئے کارمندوں کے لات گھونسوں سے زخمی ہوئے اوراور بے ہوش ہوگئے،خلیفہ پرذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔

خلیفہ کا خاندان، بنی ابی معیط، کے ساتھ لگاؤ چھپنے والا نہیں تھا، یہاں تک کہ خلیفہ دوم نے بھی اس بات کا احساس کرلیا تھا تبھی توانہوں نے ابن عباس سے کہا تھا:

لو ولیها عثمان لحمل بنی ابی معیط علی رقاب الناس ولو فعلها لقتلوه[2]

---

[1] سنن بیہقی ج٦ص٣٤٨۔

[2] انساب بلاذری ج٥،١٦۔

اگرعثمان خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے گا تو ابی معیط، کے بیٹوں کولوگوں پر مسلط کردے گا اور اگر اس نے ایسا کیا تو لوگ اسے قتل کر دیں گے۔

جس وقت عمر نے شوری تشکیل دینے کا حکم دیا اور اس میں عثمان کو بھی داخل کیا تو ان کی طرف رخ کر کے کہا، اگر خلافت تمہارے ہاتھوں میں آجائے تو اس وقت خدا سے خوف کھانا اور ابی معیط کی آل کولوگوں پر مسلط نہ کرنا جب عثمان نے ولید بن عتبہ کوکوفہ کا گورنر بنایا، تو امیر المومنین اور طلحہ وزبیر نے عمر کی بات یاد دلائی اور عثمان سے کہا:

الم یوصك عمر الا تحمل آل بنی محیط وبنی امیه علی رقاب الناس؟ [۱]

کیا عمر نے تم کو نصیحت نہیں کی تھی کہ آل بنی محیط اور بنی امیہ کولوگوں پر مسلط نہ کرنا؟

لیکن ہوا وہی کہ سارے معیاروں پر ان کی مکمل محبت وغالب ہوگئی، اور اسلام کے تمام حساس واہم مراکز امویوں کے ہاتھوں میں آگئے، اور ایسا ہوا کہ ایک گروہ قدرت وحکومت میں مست اور دوسرا گروہ مال جمع کرنے میں مشغول ہوگیا جب کہ نزدیک اور دور کے علاقے کے مسلمان خلیفہ کے رشتہ داروں کو غرامت دینے والے تھے۔

حقیقت میں عثمان نے خاندان بنی امیہ کے بوڑھے شخص، ابوسفیان کی پیروی کی جو عثمان کے خلیفہ منتخب ہونے والے دن ان کے گھر آیا ورجب اس نے دیکھا کہ وہاں سب کے سب بنی امیہ سے ہیں تو اس نے کہا کہ خلافت کو یکے بعد دیگرے اپنے ہی ہاتھوں میں رکھنا۔ [۲]

ابوموسی اشعری یمنی کوفہ کا حاکم تھا، اور یہ چیز خلیفہ کے ساتھیوں کے لئے برداشت کے قابل نہیں تھا کہ ایک غیر اموی شخص اس عہدے پر فائز ہو، یہی وجہ تھی کہ شبل بن خالد نے ایک خصوصی جلسہ میں جس میں سب کے سب اموی تھے کہا: کیوں اتنی زیادہ زمین ابوموسی اشعری کو دیدی ہے؟،

خلیفہ نے کہا: تمہاری نظر میں کون بہتر

ہے؟ شبل نے عبداللہ بن عامر کی طرف اشارہ کیا، اس وقت اس کی عمر سولہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ [۳]

اسی فکر کا نتیجہ تھا کہ حاکم کوفہ سعید بن عاص اموی نے منبر سے اعلان کیا تھا کہ عراق قریش کے جوانوں کی چراگاہ ہے۔

اگر حکومت عثمان میں کام کرنے والوں کی فہرست کو تاریخ کے اوراق سے نکالا جائے تو اس وقت خلیفہ سوم کی بات کی تصدیق ہوجائے گی کہ نے کہا تھا۔

---

[۱] انساب بلاذری ج ۵ ص ۳۰۔

[۲] استیعاب ج ۲ ص ۶۹۰۔

[۳] تاریخ طبری۔ کامل ابن اثیر۔ انساب بلاذری۔

لو ان بیدی مفاتیح الجنّة لاعطیتھا بنی امیه حتی ید خلوا من اخر ھم [1]

اگر جنت کی کنجی میرے ہاتھوں میں ہوتی تو اسے بنی امیہ کو دیدیتا تا کہ بنی امیہ کی آخری فرد بھی جنت میں داخل ہو جائے۔

اسی بے جا اور بے حساب محبت کا نتیجہ تھا کہ لوگ خلیفہ کے حاکموں کے ظلم وستم اور حکومت کے سیاسی رہنماؤں کے ظلم و جبر سے عاجز ہو گئے تھے اور خلیفہ کے خلاف ایسی مخالفتیں معاشرے میں پروان چڑھنے لگیں جنہوں نے عثمان کی خلافت اوران کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

عثمان کی خلافت کے زمانے میں گورنروں کے سلسلے میں صرف کوفہ اور مصر میں جو تبدیلیاں دیکھنے کو آئیں وہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ان کی سیاست یہ تھی کہ سارے امور امویوں کے ہاتھوں میں ہوں۔

جس وقت خلیفہ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی، مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے سعد وقاص کو اس کی جگہ پر منصوب کر دیا، اس مورد میں بظاہر اچھا کام کیا کیونکہ سعد وقاص کا مقام ومرتبہ جو کہ فاتح عراق تھا۔ مغیرہ بن شعبہ سے جو نازیبا اور غلط کاموں میں مشہور تھا بہت بلند تھا بلکہ اس کا ان سے مقابلہ نہیں تھا، لیکن حقیقت میں سعد وقاص کو منصوب کرنے کا مقصد کچھ دوسرا تھا کیونکہ ایک سال کے بعد انہوں نے سعد وقاص کو ہٹا کر اپنے مادری بھائی ولید بن عتبہ بن ابی معیط کو کوفہ کا گورنر بنا دیا، ۲۷ ہجری میں عمرو عاص کو مصر سے جزیہ لینے کی ذمہ داری سے ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر میں جزیہ لینے کے لئے معین کر دیا، ۳۰ ہجری میں ابوموسی اشعری کو، جو خلیفہ دوم کے زمانے سے بصرہ کا حاکم تھا، معزول کر کے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر جو بالکل نوجوان (۱۶ سال کا) تھا بصرہ کا حاکم بنا دیا۔ [2]

یہ تمام موارد جو ذکر ہوئے ہیں اس بات کی علامت ہیں کہ عثمان کی ہمیشہ یہی کوشش تھی کہ ایک اموی حکومت تشکیل پا جائے۔

چوتھی وجہ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ پر ظلم وستم

عثمان کے خلاف شورش و بغاوت کی چوتھی وجہ پیغمبر کے صحابہ کی بے حرمتی تھی، جو خود عثمان کی طرف سے یا ان کی طرف سے معین کئے ہوئے شخص کے ہاتھوں انجام ہوتی تھی، اس سلسلے میں یہاں صرف دو نمونے پیش کر رہا ہوں۔

۱۔ عبداللہ بن مسعود پر ظلم وستم

عبداللہ بن مسعود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگ صحابی تھے، تاریخ اسلام میں جن کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے اور

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج۱ ص ۶۲۔

[2] تاریخ طبری۔ کامل ابن اثیر، انساب بلاذری۔

صحابہ کے بارے میں جو کتابیں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں انکے حالات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ قوی ایمان والے اورقرآن کی تعلیم کے ذریعے معارف اسلامی کی اشاعت میں کوشاں رہتے تھے۔[۱]

وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی جان کی بازی لگا کر مسجد الحرام میں اورقریش کی انجمن کے سامنے بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کی، تاکہ خدا کے کلام کو قریش کے اندھے دلوں تک پہنچائیں، جی ہاں دو پہر کے وقت جب قریش کے سردار جمع ہوکر تبادلہ خیال کررہے تھے، کہ اچانک عبداللہ نے مقام ابراہیمکے سامنے کھڑے ہوکر بلند آواز میں سورۂ رحمن کی چند آیتوں کی تلاوت کی، قریش نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا، ابن ام عبد، کیا کہہ رہا ہے؟ ایک نے کہا جو قرآن محمد پر نازل ہوا ہے اسے ہی پڑھ رہا ہے، اس وقت سب کے سب اٹھے اورعبداللہ پر سب وشتم اوران کے چہرے پر طمانچہ مارکران کی آواز کو خاموش کردیا، عبداللہ زخمی چہرے کے ساتھ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آگئے، لوگوں نے ان سے کہا، تم سے ہمیں اس بات کا خوف تھا، عبداللہ نے ان کے جواب میں کہا دشمنان خدا آج کی طرح کبھی بھی میری نگاہ میں اتنے ذلیل وحقیر نہ تھے، اور پھر کہا کہ اگر تم لوگ راضی ہوتو میں کل پھر اسی کام کو دوبارہ کروں! ان لوگوں نے کہا جس چیز کو وہ پسند نہیں کرتے اس کو جتنا انہوں نے سن لیا بس وہ ہی کافی ہے[۲] یہ اس صحابی کے تابناک زندگی کے خوشنما اوراق ہیں جس نے اپنی عمر کو جوانی کی ابتداء سے مسلمانوں کو قرآن سکھانے اورتوحید کا درس دینے میں صرف کیا تھا اوروہ ان چھ افراد میں سے ہے جن کے بارے میں ذیل کی آیت نازل ہوئی۔[۳]

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ.[۴]

اور(اے رسول) جولوگ صبح وشام اپنے پروردگار سے اس کی خوشنودی کی تمنا میں دعائیں مانگا کرتے ہیں ان کو اپنے پاس سے نہ دھتکارو، نہ ان کے (حساب وکتاب کی) جوابدہی تمہارے ذمہ ہے اورنہ تمہارے (حساب وکتاب کی) جوابدہی کچھ ان کے ذمہ ہے تاکہ تم انہیں (اس خیال سے) دھتکار بتاؤ تو تم ظالموں (کے شمار) میں ہوجاؤ گے۔

عبداللہ کی عظمت کے بارے میں اس سے زیادہ تاریخ نے بیان کیا ہے حق تو یہ ہے کہ یہاں تفصیل سے بیان کیا جاتا لیکن جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ ایسے مومن اور خدمت گزار صحابی جس کی خطا صرف یہ تھی کہ اس نے کوفہ کے حاکم ولید بن عتبہ کا ساتھ نہیں دیا تو اس کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔

---

[۱] استیعاب ج۱، ص ۳۷۳، اصابہ ج۲، ۳۶۹، اسد الغابہ۔

[۲] سیرۂ ابن ہشام ج۱، ص ۳۳۷۔

[۳] تفسیری طبری ج۷، ص ۱۲۸، مستدرک حاکم نیشاپوری ج۳، ص ۳۱۹۔

[۴] سورۂ انعام آیت ۵۲

سعد وقاص کوفہ کا حاکم تھا عثمان نے اسے اس منصب سے ہٹا دیا اور اپنے رضاعی بھائی ولید بن عتبہ کو ان کی جگہ معین کر دیا، ولید نے کوفہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے بیت المال کو اپنے قبضہ میں لے لیا اسکی کنجی عبداللہ بن مسعود کے پاس تھی، عبداللہ نے کنجی دینے سے انکار کر دیا ولید نے اس کی خبر عثمان کو بھیجی، عثمان نے عبداللہ بن مسعود کے نام خط لکھا اور ولید کو بیت المال کی کنجی نہ دینے پر ملامت کیا، عبداللہ نے خلیفہ کے خوف وڈر کی وجہ سے کنجی حاکم کی طرف پھینک دی اور کہا:

کیسا دن آ گیا کہ سعد وقاص کو ان کے منصب سے دور کر دیا گیا اور ان کی جگہ پر ولید بن عتبہ کو منصوب کر دیا گیا، خدا کا کلام سچا ہے بہترین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی وہدایت ہے، ان کے لئے بدترین امور انکی نئی باتیں ہیں جن کا اسلام نے حکم نہیں دیا ہے جو چیز بھی شرعی نہ ہو وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا نتیجہ جہنم ہے۔

عبداللہ نے یہ باتیں کہیں اور چونکہ عثمان نے انہیں مدینہ بلایا تھا لہٰذا مدینے کی طرف روانہ ہو گئے کوفہ کے لوگ ان کے ارد گرد جمع ہوے اور مدد کرنے کا وعدہ کیا انہوں نے کہا خلیفہ کی اطاعت مجھ پر فرض ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میں وہ پہلا شخص بنوں جو فتنہ وفساد کا دروازہ کھولتا ہے وہ جیسے ہی مدینہ میں داخل ہوے سیدھے مسجد گئے اور وہاں خلیفہ کو منبر پر مصروف گفتگو پایا۔

بلاذری لکھتے ہیں: جب عثمان کی نگاہ عبداللہ بن مسعود پر پڑی تو وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوے اور کہا ابھی ابھی تمہارے درمیان ایک بدبودار جانور آیا ہے وہ جاندار جو خود اپنی غذا پر چلتا ہے اور اس پر قے کر کے اسے خراب کر دیتا ہے۔

عبداللہ نے جیسے ہی یہ سنا جواب دیا، کہ میں ایسا نہیں ہوں بلکہ میں پیغمبر کا صحابی، جنگ بدر کا سپاہی اور بیعت الرضوان، میں بیعت کرنے والا ہوں۔

اس وقت عائشہ نے اپنے کمرے سے فریاد بلند کی، عثمان! کیوں پیغمبر کے صحابی کی توہین کر رہے ہو؟ چہ می گوئیاں شروع ہوگئیں شر وآفت سے بچنے کیلئے عبداللہ کو خلیفہ کے حکم سے مسجد سے باہر نکال دیا گیا۔ ابن زمعہ نے انہیں زمین پر گرا دیا، اور کہا جاتا ہے کہ یحموم، عثمان کے غلام نے انہیں اٹھایا اور پھر بہت تیز زمین پر اس طرح سے گرایا کہ ان کے دانت ٹوٹ گئے اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے اعتراض کیا اور کہا: صرف ولید کی شکایت پر تم پیغمبر کے صحابی پر یہ ظلم کر رہے ہو؟

بالآخر امام عبداللہ کو اپنے گھر لے گئے لیکن عثمان نے اسے مدینہ سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی وہ مدینے ہی میں رہے یہاں تک کہ ۳۲ ھ میں (عثمان کے قتل ہونے سے ۳ سال پہلے) اس دنیا سے کوچ کر گئے۔[1]

عبداللہ بن مسعود جب بستر بیماری پر تھے تو ان کے دوست واحباب ان کی عیادت کے لئے آئے، ایک دن عثمان نے بھی ان کی عیادت کی اور دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ درج ذیل ہے:

---

[1] ۔حلیۃ الاولیاء ج۱ ص ۱۳۸۔

عثمان: کس چیز کی وجہ سے فکر مند ہو؟

عبداللہ: اپنے گناہوں کی وجہ سے۔

عثمان: کیا چاہتے ہو؟

عبداللہ: خدا کی وسیع ترین رحمت۔

عثمان: تمہارے لئے طبیب کا انتظام کروں۔

عبداللہ: حقیقی طبیب نے بیمار کیا ہے۔

عثمان: حکم دیدوں کہ تمہاری سابقہ پنشن ادا کر دی جائے (۲ سال سے ان کی پنشن روک دی گئی تھی)۔

عبداللہ: جس دن مجھے ضرورت تھی اس دن تم نے منع کر دیا تھا اور آج جب کہ مجھے ضرورت نہیں ہے دینا چاہتے ہو؟

عثمان: (یہ مال) تمہارے بچوں اور وارثوں تک پہنچے گا۔

عبداللہ: خدا ان لوگوں کو رزق دینے والا ہے۔

عثمان: خدا سے میرے لئے استغفار کرو۔

عبداللہ: خدا سے یہی چاہونگا کہ میرا حق تجھ سے لے لے۔

جب عبداللہ نے اپنے کو موت سے قریب پایا تو عمار اور ایک روایت کی بنا پر زبیر کو اپنا وصی قرار دیا کہ عثمان کو میرے جنازے پر نماز نہ پڑھنے دینا، یہی وجہ تھی کہ رات میں نماز جنازہ ہوئی اور دفن کر دیئے گئے، عثمان جب اس واقعہ سے باخبر ہوئے تو عمار سے پوچھا کہ کیوں عبداللہ کے مرنے کی خبر مجھے نہیں دی، عمار نے کہا انہوں نے وصیت کیا تھا کہ تم ان کی لاش پر نماز نہ پڑھو، زبیر نے عثمان اور عمار کی گفتگو سننے کے بعد اس شعر کو پڑھا۔

لاعرفنك بعدا لمو ت تندبنی

وفی حیاتی ما زودتنی زادی

میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد مجھ پر رو رہا ہے، حالانکہ جب میں زندہ تھا تو نے میرا حق ادا نہیں کیا۔

جناب عبداللہ بن مسعود پیغمبر کے جلیل القدر صحابی اور بزرگ قاریوں میں سے تھے اور جن کے بارے میں حضرت امیر المومنین نے فرمایا تھا:

علم القرآن وعلم السنة ثم انتهى و كفى به علماً[1]

---

[1] یعنی: قرآن وسنت کو سیکھا اور آخر تک پہنچا یا یا ان کے لئے یہی کافی ہے، انساب ج ۵ ص ۳۶ - تاریخ ابن کثیر ج ۷ ص ۱۶۳

ان پر ایسا ظلم وستم کرنا حقیقت میں بغیر کسی عکس العمل کے نہ تھا، جب خلافت ایسے برے کام انجام دے تو لوگوں کے درمیان بد بینی اور انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اگر اس عمل کی تکرار کی وجہ سے لوگوں میں حکومت کے خلاف بغاوت اور انقلاب لانے کی فکر پیدا ہو جائے گی اور جو چیز نہیں ہونی چاہیئے وہ ہو جاتی ہے۔

۲۔عمار یاسر پر ظلم وستم

یہ صرف عبداللہ بن مسعود نہ تھے جو خلیفہ کی بے توجہی کا نشانہ بنے، بلکہ عمار یاسر بھی ان کے ظلم وستم کا نشانہ بنے، ان پر ظلم وستم اور اہانت کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ نے بیت المال کے بعض زیورات کو اپنے اہل وعیال کے لئے مخصوص کر دیا تھا، اور جب لوگ یہ دیکھ کر بہت غصہ ہوئے تو وہ اپنے دفاع اور صفائی کے لئے منبر پر گئے اور کہا: مجھے جس چیز کی بھی ضرورت ہوگی بیت المال سے لونگا، اور ان لوگوں کو سخت سزا دوں گا (جو اعتراض کریں گے) علی نے خلیفہ کا جواب دیتے ہوئے کہا: تمہیں اس کام سے روکا جائے گا۔

عمار نے کہا: خدا کی قسم میں وہ پہلا شخص ہوں جسے اس کی وجہ سے سزا دی جائے گی اس وقت عثمان نے تند لہجہ میں کہا، اے بڑے پیٹ والے میرے سامنے تمہاری یہ ہمت؟ اسے پکڑ لو، انہیں پکڑ لیا گیا اور اتنا مارا کی حالت غیر ہوگئی عمار کے دوستوں نے انہیں پیغمبر کی بیوی ام سلمہ کے گھر پہنچایا، جب انہیں ہوش آیا تو کہا۔ خدا کا شکر یہ پہلی مرتبہ نہیں ہے کہ مجھ پر ظلم وستم ہوا ہے جب عائشہ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو انہوں نے پیغمبر کا بال، لباس اور نعلین باہر نکالا اور کہا ابھی پیغمبر کا بال، لباس، اور نعلین پرانا نہیں ہوا ہے اور عثمان نے ان کی سنت کو نظر انداز کر دیا ہے عثمان عائشہ کی باتیں سن کر بہت غصہ ہوئے مگر انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔

ام سلمہ نے پیغمبر کے بزرگ ساتھی کی خوب تیمار داری کی اور قبیلہ بنی مخزوم کے افراد جو عمار کے ہم خیال تھے ام سلمہ کے گھر آتے جاتے تھے، یہ بات عثمان کو بہت بری لگی اور انہوں نے اعتراض کیا، ام سلمہ نے عثمان کو پیغام بھجوایا: تم خود لوگوں کو اس کام پر مجبور کرتے ہو۔[1]

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں عمار پر ظلم وستم کے واقعہ کو دوسری طرح نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: پیغمبر کے تمام صحابی ایک جگہ جمع ہوئے اور خلیفہ وقت کے نام خط لکھا اور اس میں ان کے ظلم وستم اور کمزوریوں کے بارے میں یہ تحریر کیا۔

۱۔خلیفہ نے چند چیزوں میں پیغمبر کی سنت اور شیخین کی مخالفت کی ہے۔

۲۔افریقہ سے آئے ہوئے مال غنیمت کو، جو کہ رسول اور ان کے اہلبیت (ع) اور یتیموں اور مسکینوں کا حق تھا،

---

[1] انساب ج ۵ ص ۴۸

مروان کے سپرد کر دیا۔

۳۔عثمان نے اپنی بیوی نائلہ اور اپنی بیٹی کے لئے مدینے میں سات گھر بنوائے۔

٤۔مروان نے بیت المال کی رقم سے مدینہ میں بہت سے قصر بنوائے۔

٥۔عثمان نے تمام سیاسی امور امویوں کے سپرد کر دیا تھا اور مسلمانوں کے تمام امور کی دیکھ بھال ایسے نوجوان کے ہاتھ میں دے رکھی تھی جس نے ہرگز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھا تھا۔

٦۔کوفہ کے حاکم ولید بن عتبہ نے شراب پی کر مستی کے عالم میں صبح کی نماز چار رکعت پڑھائی اور پھر ماموین کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ اگر تم لوگ راضی ہو تو کچھ اور رکعتوں میں اضافہ کروں۔

٧۔ان تمام چیزوں کے باوجود، عثمان نے ولید پر شراب پینے کی حد جاری نہیں کی۔

٨۔مہاجر و انصار کو چھوڑ دیا ہے اور ان سے مشورہ وغیرہ نہیں کرتا۔

٩۔بادشاہوں کی طرح مدینے کے اطراف کی تمام زمینوں کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔

١٠۔وہ لوگ جنہوں نے ہرگز پیغمبر کے زمانے کو درک نہیں کیا تھا اور نہ کبھی جنگ میں شرکت کی تھی اور نہ اس وقت ہی دین کا دفاع کر رہے ہیں، انہیں بہت زیادہ مال و دولت دیا اور بہت زیادہ زمین ان کے نام کر دی ہے، اس کے علاوہ بھی بہت سی خلاف ورزیاں ہیں۔

ایک گروہ جس میں دس آدمی شامل تھے ان کے توسط سے یہ خط لکھا گیا لیکن عکس العمل کی وجہ سے لوگوں نے اس پر دستخط نہیں کیا اور اسے عمار کے حوالے کیا کہ عثمان تک پہنچا دیں، وہ عثمان کے گھر آئے اس وقت مروان اور بنی امیہ کے دوسرے گروہ عثمان کے اردگرد بیٹھے تھے، عمار نے خط عثمان کے حوالے کیا خلیفہ خط پڑھنے کے بعد لکھنے والوں کے نام سے باخبر ہو گیا لیکن وہ سمجھ گیا کہ ان میں سے کوئی بھی ڈر کے مارے ان کے گھر نہیں آیا ہے یہی وجہ تھی کہ انہوں نے عمار کو مخاطب کر کے کہا: میرے ساتھ تمہاری جرأت بہت بڑھ گئی ہے مروان نے خلیفہ سے کہا: اس کالے غلام نے لوگوں کو تمہارے خلاف بھڑکایا ہے اگر اسے قتل کر دیا گویا تم نے اپنا اور دوسروں کا بدلہ لے لیا ہے۔

عثمان نے کہا: اسے مارو۔

سب نے انہیں اتنا مارا کہ بہت زیادہ زخمی ہو گئے اور حالت غیر ہو گئی، پھر اسی حالت میں انہیں گھر سے باہر پھینک دیا گیا۔

ام سلمہؓ پیغمبر کی بیوی اس واقعہ سے باخبر ہوئیں اور انہیں اپنے گھر لے آئیں۔قبیلۂ بنی مغیرہ کے لوگ جو عمار کے ہم فکر و خیال تھے اس واقعہ سے بہت زیادہ ناراض ہوئے۔جب خلیفہ نماز ظہر پڑھنے کے لئے مسجد میں آئے اس وقت ہشام بن ولید نے عثمان سے کہا: اگر عمار ان زخموں کی وجہ سے مر گئے تو بنی امیہ کے ایک شخص کو قتل کر ڈالوں گا۔

عثمان نے جواب میں کہا: تم ایسا نہیں کر سکتے۔

اس وقت علی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوے دونوں کے درمیان سخت لہجہ میں گفتگو ہوئی۔ یہاں گفتگو طولانی ہونے کی وجہ سے ہم نقل کرنے سے پرہیز کررہے ہیں۔[1]

پانچویں وجہ، بزرگ شخصیتوں کو جلاوطن کرنا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے صحابی اور دوست جوامت کے درمیان حسن سلوک اور تقوے میں بہت مشہور تھے ان کو عثمان نے کوفہ سے شام اور شام سے حمص اور مدینہ سے ربذہ کی طرف جلاوطن کردیا۔

تاریخ اسلام کا یہ باب بہت ہی دردناک باب ہے اور اس کا مطالعہ کرنے والا ایک ظالم وستمگر حکومت وخلافت کا احساس کرتا ہے اور ہم اس باب میں چند کی طرف مختصراً اشارہ کریں گے اور چونکہ تقریباً سبھی لوگ ابوذر کی جلاوطنی سے باخبر ہیں[2] لہٰذا ان کے حالات نقل نہیں کریں گے اور عثمان کی خلافت کے زمانے میں جو دوسرے بزرگ جو جلاوطن ہوئے ہیں ان کے حالات قلمبند کررہے ہیں۔

مالک اشتر اور ان کے ساتھیوں کی جلاوطنی

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے خلیفۂ سوم نے لوگوں کے دباؤ کی بنا پر کوفہ کے بدترین حاکم ولید بن عتبہ کو حاکم کے منصب سے معزول کر کے سعید بن عاص اموی کو کوفہ کا حاکم بنادیا اور اسے حکم دیا کہ قرآن کے قاریوں اور مشہور ومعروف افراد کے ساتھ اچھا روابط رکھے، یہی وجہ تھی کہ کوفہ کے نئے حاکم کی مالک اشتر اور ان کے دوستوں کے ساتھ اور اسی طرح صوحان کے بیٹے زید اور صعصعہ کے ساتھ نشست وگفتگو ہوتی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ کے حاکم نے مالک اشتر اور ان کے ہمفکروں کو خلیفہ کا مخالف جانا اور اس سلسلے میں اس نے خلیفہ سے خفیہ طور پر خط وکتابت کی اور اپنے خط میں لکھا:

مالک اشتر اور ان کے ساتھی قرآن مجید کے قاری ہیں لیکن میں ان کی موجودگی میں اپنا فریضہ انجام نہیں دے سکتا، خلیفہ نے حاکم کوفہ کو جواب دیا کہ اس گروہ کو جلاوطن کر کے شام بھیج دو،

اور اسی کے ساتھ مالک اشتر کو بھی خط لکھا: تم اپنے دل میں کچھ ایسی باتیں چھپائے ہو کہ اگر اس کو ظاہر کیا تو تمہارا خون بہانا حلال ہو جائے گا اور مجھے ہرگز اس بات کی امید نہیں ہے کہ تم اس خط کو دیکھنے کے بعد اپنے مشن سے دور ہو جاؤ گے مگر یہ کہ تم پر سخت بلا ومصیبت نازل ہو، جس کے بعد تمہاری زندگی ختم ہو جائے، جیسے ہی میرا خط تمہارے پاس پہنچے فوراً شام کی طرف چلے جانا۔

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ، ج۱،ص۲۹۔

[2] شخصیتہای اسلامی شیعہ، ج۱،ص۸۔

جب خلیفہ کا خط کوفہ کے حاکم کے پاس پہنچا تو اس نے دس آدمیوں پر مشتمل گروہ جس میں کوفہ کے صالح اور متدین افراد تھے، جلاوطن کر کے شام بھیج دیا جن کے درمیان مالک اشتر کے علاوہ صوحان کے بیٹے زید وصعصعہ اور کمیل بن زیاد نخعی، حارث عبداللہ حمدانی وغیرہ جیسی اہم شخصیتیں شامل تھیں۔

قرآن کریم کے قاریوں اور بہادر وتوانا خطیبوں اور متقیوں کے اس گروہ نے شام کے حاکم معاویہ کی زندگی کو بھی عذاب بنادیا تھا اور قریب تھا کہ وہاں کے افراد شام کے حاکم اور خلافت عثمان کے خلاف انقلاب برپا کر دیں، لہٰذا معاویہ نے خلیفہ کو خط لکھا کہ اس گروہ کا شام میں موجود رہنا خلافت کے لئے خطرہ کا باعث ہے اس نے اپنے خط میں لکھا:

تم نے ایسے گروہ کو شام میں جلاوطن کر کے بھیجا ہے کہ جس نے ہمارے شہر و دیار میں ہنگامہ اور جوش وخروش پیدا کر دیا ہے، میں ہرگز مطمئن نہیں ہوں کہ شام بھی کوفہ کی طرح مشکلات میں گرفتار نہ ہو، اور شامیوں کی فکر صحیح وسالم اور استحکام کو خطرہ ومشکل نہ ہو، معاویہ کے خط سے خلیفہ کے اندر خوف پیدا ہو گیا، خلیفہ نے جواب میں لکھا کہ اس گروہ کو حمص (شام کا ایک دور دراز پسماندہ علاقہ) جلاوطن کر کے بھیج دو۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ خلیفہ نے ارادہ کیا کہ اس گروہ کو دوبارہ کوفہ بھیج دے لیکن سعید بن عاص حاکم کوفہ نے خلیفہ کو اس چیز سے منع کر دیا اور اسی وجہ سے وہ لوگ حمص جلاوطن ہوئے۔ [1]

جو لوگ خلیفۂ سوم کے نمائندوں کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے ایک شہر سے دوسرے شہر جلاوطن ہوئے

ان کا جرم یہ تھا کہ وہ لوگ حق بات اور خلافت کے نمائندوں پر تنقید کیا کرتے تھے وہ لوگ یہ چاہتے تھے کہ خلیفہ بھی سیرت پیغمبر پر چلے۔

خلیفہ کے شایان شان یہ تھا کہ کوفہ کے حاکم کی بات سننے کے بجائے کچھ امین اور سچے افراد کو کوفہ بھیجتے، تاکہ وہ حقیقت کا پتہ لگاتے اور ایسے اہم کام میں صرف ایک نمائندہ کی بات پر اکتفا نہ کرتے۔

جلاوطن ہونے والے افراد کون تھے؟

۱۔ مالک اشتر: اس عظیم شخصیت کا نام ہے جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کو درک کیا تھا اور کسی ایک مورخ نے، ان کے خلاف ایک جملہ بھی نہیں لکھا ہے، اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بیان میں ان کی اس طرح سے تعریف وتوصیف کی ہے کہ آج تک کسی کی بھی اس طرح تعریف نہیں کی۔ [2]

جب مالک اشتر کی وفات کی خبر امام کو ملی بہت زیادہ غمگین ہوئے اور کہا:

---

[1] الانساب ج ٥ ص ٤٣۔٣٩؛ اس کی تفصیل تاریخ طبری ج ٣ ص ٣٦٨۔٣٦٠؛ (حادثہ کا سال ٣٣ ھ) میں بیان ہوئی ہے۔

[2] نہج البلاغہ، نامہ ٣٨، فقد بعثت الیکم عبداً من عباد اللہ لا ینام ایام الخوف...

و ما مالك؟ لو كان من جبل لكان فنداً و لو كان من حجر لكان صلداً ۔ أما و الله ليهدن موتك عالماً و ليفرحن عالماً على مثل مالك فليبك البواكی و هل موجود كمالك؟[1]

کیاتم جانتے ہو کہ مالک کیسا آدمی تھا؟ اگر وہ پہاڑ تھا تو اس کی سب سے بلند چوٹی تھا (کہ اس پر سے پرندے پرواز نہیں کر سکتے) اور اگر وہ پتھر تھا تو بہت سخت پتھر تھا اے مالک تمہاری موت نے ایک دنیا کو غمگین اور دوسری دنیا کو خوشحال کر دیا، مالک پر رونے والوں کی طرح گریہ کرو۔ کیا مالک کے جیسا کوئی موجود ہے؟

۲۔ زید بن صوحان: ان کی شخصیت کے بارے میں بس اتنا ہی کافی ہے کہ ابوعمر واپنی کتاب استیعاب میں لکھتا ہے۔

یہ اپنے قبیلے کے بہت ہی با فضیلت، بزرگ اور دیندار تھے، جنگ قادسیہ میں اپنا ایک ہاتھ قربان کر چکے تھے اور جنگ جمل میں امام علی علیہ السلام کے رکاب میں جام شہادت نوش کیا۔[2]

خطیب بغدادی لکھتا ہے: زید راتوں کو عبادت کرتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔[3]

۳۔صعصعہ: زید کے بھائی صعصعہ بھی آپ ہی کی طرح بزرگ و باعظمت اور دیندار تھے۔

٤۔عمرو بن حمق خزاعی: پیغمبر کے خاص صحابیوں میں سے تھے اور آپ کی بہت سی حدیثیں یاد کئے ہوئے تھے، انہوں نے جب رسول اسلام کو دودھ سے سیراب کیا تھا تو رسول اسلام نے ان کے لئے دعا کی تھی اور فرمایا تھا خداوندا اسے اس کی جوانی سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرما۔[4]

ان افراد کی آشنائی سے ہمیں دوسرے جلاوطن افراد کی شناسائی ہوتی ہے، کیونکہ بحکم الانسان علی دین خلیلہ یہ سب کے سب ایک ہی فکر ونظر رکھتے تھے اور متحد تھے اور خلیفہ وقت کی غلط روش اور اس کے کارندوں پر ہمیشہ تنقید واعتراض کیا کرتے تھے ان تمام افراد کی زندگی کے حالات اور ان کے علمی، سیاسی اور معنوی مقامات کا تذکرہ کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ بحث طولانی ہوجائے گی، لہٰذا اپنی گفتگو کو مختصر کررہے ہیں اور دوسرے افراد جو جلاوطن ہوئے ہیں ان کی اہم خصوصیات کو بیان کررہے ہیں۔

کعب بن عبدہ نے اپنی دستخط کے ساتھ خلیفہ سوم کو خط لکھا اور اس میں کوفہ کے حاکم وقت کے برے کاموں کی شکایت لکھی، اور خط کو ابو ربیعہ کے حوالے کیا، جس وقت قاصد نے خط، عثمان کے سپرد کیا فوراً اسے گرفتار کرلیا گیا۔ عثمان نے

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج٦ ص ٧٧

[2] معارف ابن قتیبہ ص ١٧٦۔

[3] تاریخ بغداد ج٨ ص ٤٣٩۔

[4] انساب ج٥ ص ٤٣۔٤١؛ تاریخ طبری ج٣ ص ٣٧٣۔٣٧٢۔

کعب کے تمام ہمفکروں کو جنہوں نے (بغیر دستخط کے) اجتماعی طور پر خط لکھا تھا اورابوربیعہ کو دیا تھا اس سے پوچھا لیکن اس نے ان لوگوں کا نام بتانے سے انکار کیا۔ خلیفہ نے قاصد کو سزا دینے کے لئے کہا: لیکن علی علیہ السلام نے اسے اس کام سے روک دیا۔ پھر عثمان نے اپنے کوفہ کے حاکم سعد بن العاص کو حکم دیا کہ کعب کو ۲۰ تازیانے مارو جائے اور اسے رے جلاوطن کر کے بھیج دو۔[۱]

عبدالرحمن بن حنبل جمحی، پیغمبر کے صحابی کو مدینہ سے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا گیا، ان کا جرم یہ تھا کہ خلیفہ کے عمل پر، یعنی وہ مال غنیمت جو افریقہ سے آیا تھا اور اسے مروان کو دیدیا، اعتراض کیا تھا اور اس سلسلے میں یہ شعر بھی کہا تھا۔

و اعطیت مروان خمس الغنیمة

آثرته و حمیت الحمیٰ

مال غنیمت کا ۱۵ حصہ مروان کو دیدیا اور اسے دوسروں پر مقدم سمجھا اور اپنے رشتہ داروں کی حمایت کی یہ مرد مجاہد جب تک عثمان زندہ رہا خیبر میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔[۲]

---

[۱] انساب ج ۵ ص ۴۳۔۴۱؛ تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۷۳۔۳۷۲۔

[۲] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۰۔

دوسری فصل

مقدمہ کا واقعہ اور عثمان کا قتل

پانچ عوامل کا عکس العمل

جو پانچ وجہیں ہم نے بیان کیں ان کی وجہ سے تمام اسلامی مملکتوں سے اعتراضات ہونے لگے اور خلیفہ اور اس کے تمام نمائندوں پر الزامات لگنے لگے ان تمام لوگوں پر یہ الزام لگایا گیا کہ سب کے سب صحیح اسلامی راستے سے منحرف ہو گئے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ صحابیوں اور مسلمانوں نے ہمیشہ خلیفہ سے درخواست کیا کہ اپنی روش کو بدل دیں یا یہ کہ مسند خلافت سے دور ہو جائیں۔

اس مخالفت و اعتراض کی عظمت اس وقت ظاہر ہوگی جب ہم بعض اعتراض کرنے والوں کے نام اور ان کی گفتگو سے آشنا ہوں۔

۱۔ امیر المومنین علیہ السلام نے عثمان کے طور طریقہ پر بہت زیادہ گفتگو کی ہے، چاہے وہ قتل سے پہلے ہو یا قتل کے بعد۔ انہی میں سے ایک یہ ہے جو امام کا خلیفہ کے کاموں سے متعلق یہ نظریہ ہے جس دن آپ نے مہاجرین کے فرزندوں کو شامیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی، تو آپ نے فرمایا:

یَا أَبْنَاءَ الْمُهَاجِرِیْنَ انفروا علی ائمة الکفر و بقیة الاحزاب و اولیاء الشیطان انفروا الی من یقاتل علی دم حمّال الخطایا فو اللہِ الذی فلق الحبة و برأ النسمة انه لیحمل خطایاهم الی یوم القیامة لا ینقص من اوزارهم شیئاً [۱]

اے مہاجرین کے بیٹو! کفر کے سرداروں اور شیطان کے باقی بچے ہوئے دوستوں اور گروہوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے اٹھ جاؤ تاکہ اس کو قتل کر سکو جس کی گردن پر بہت سے گناہ ہیں (یعنی عثمان کو قتل کیا ہے) اس خدا کی قسم کہ جس نے دانہ کو شگافتہ اور انسان کو پیدا کیا وہ قیامت تک دوسروں کے گناہوں کو اپنے

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲ ص ۱۹۴، (طبع جدید)

ذمہ لیتا رہے گا جب کہ دوسروں کے گناہوں سے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔

امام نے اپنی خلافت کے دوسرے دن ایک تقریر کے دوران فرمایا:

ألا ان کل قطیع أقطعها عثمان و کل مال أعطاه من مال الله فهو مردود فی بیت المال[1]

ہروہ زمین جسے عثمان نے دوسروں کو دیدیا ہے اور ہر وہ مال جو خدا کے مال میں سے ہے اور وہ کسی کو دیا ہے ضروری ہے کہ وہ بیت المال کو واپس کیا جائے۔

امام کا یہ کلام اور دوسرے کلام خلیفہ کے کاموں کو روشن کرتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ واضح وہ کلمات ہیں جو آپ نے خطبہ شقشقیہ میں بیان کیا ہے۔

الی ان قام ثالث القوم نافجاً حضنیه، بین نثیله و معتلفه، و قام معه بنو أبیه یخضمون مال الله خضم الابل نبتة الربیع[2]

(غرض اس قوم کا تیسرا آدمی پیٹ پھیلائے اپنے گوبر اور چارے کے درمیان کھڑا ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کے بھائی بند کھڑے ہوئے جو خدا کا مال اس طرح خوش ہو کر کھا رہے تھے جیسے اونٹ موسم بہار کی گھاس خوش ہو ہو کر کھاتا ہے، رضوی)

۲۔ پیغمبر اسلام کی بیوی، نے سب سے زیادہ عثمان کے کاموں کو غلط بتاتی تھیں، جب عمار پر عثمان کی طرف سے ظلم و ستم ہوا اور عائشہ کو اس کی خبر ملی تو پیغمبر کے لباس اور نعلین کو باہر لائیں اور کہا کہ ابھی پیغمبر کا لباس اور جوتیاں پرانی نہیں ہوئی ہیں تم نے ان کی سنت کو فراموش کر دیا ہے۔

ان دنوں جب مصریوں اور کچھ صحابیوں نے عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا تھا اس وقت عائشہ مدینہ چھوڑ کر خدا کے گھر کی زیارت کے لئے روانہ ہوگئیں جب کہ مروان بن حکم، زید بن ثابت اور عبدالرحمن بن عتاب نے عائشہ سے درخواست کی تھی کہ اپنا سفر ملتوی کر دیں کیونکہ مدینہ میں ان کے رہنے کی وجہ سے ممکن ہے کہ عثمان کے سر سے یہ بلا ٹل جائے۔

عائشہ نے نہ صرف ان کی درخواست کو ٹھکرا دیا، بلکہ کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ کاش تمہارے اور تمہارے دوست جن کی تم مدد کر رہے ہو، کے پیر میں پتھر ہوتا تو تم دونوں کو دریا میں ڈال دیتی، یا اسے ایک بوریہ میں رکھ کر دریا میں ڈال دیتی۔[3]

عثمان کے بارے میں عائشہ کی باتیں اس سے کہیں زیادہ ہیں جنہیں ہم نے پیش کیا ہے۔

بس اتنا کافی ہے کہ جب تک وہ عثمان کے قتل اور علی کی بیعت سے باخبر نہ تھیں مستقل عثمان پر اعتراض و تنقید کر رہی

---

[1] نہج البلاغہ عبدہ، خطبہ ۱۴۔

[2] نہج البلاغہ عبدہ، خطبہ ۳۔

[3] الانساب ج ۵ ص ۴۸۔

تھیں، لیکن جب حج کے اعمال سے فارغ ہوئیں اور مدینہ کا سفر کیا اور درمیان راہ سرف نامی مقام پر عثمان کے قتل اور بیعت علی سے باخبر ہوئیں تو فوراً نظریہ کو بدل دیا اور کہا کاش آسمان میرے سر پر گر جاتا، یہ جملہ کہا اور لوگوں سے کہا کہ مجھے مکہ واپس لے چلو کیونکہ خدا کی قسم عثمان مظلوم مارا گیا ہے اور میں اس کا بدلہ لوں گی۔ [1]

۳۔عبدالرحمن بن عوف بھی عثمان پر اعتراض کرنے والوں میں سے ہیں وہ ایسا شخص ہے کہ چھ آدمیوں پر مشتمل شوریٰ میں عثمان کی کامیابی اسی کے مکروفریب سے ہوئی تھی۔

جس وقت عثمان نے اپنے تعہد کو جو سنت پیغمبر اور شیخین کی روش پر چلنے کے لئے کیا تھا اس کو توڑ ڈالا، تو لوگوں نے عبدالرحمن پر اعتراض کیا اور کہا یہ سب خرابیاں تمہاری وجہ سے ہیں تو اس نے جواب میں کہا مجھے اس بات کی امید نہ تھی کہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی، اب میں اس سے کبھی گفتگو نہیں کروں گا اور پھر عبدالرحمن نے اس دن سے آخر دم تک عثمان سے بات نہیں کی، یہاں تک کہ جب عثمان، عبدالرحمن کی حالت بیماری میں عیادت کرنے آئے تو اس وقت عبدالرحمن نے خلیفہ کی طرف سے اپنے چہرے کو موڑ لیا اور ان سے بات نہیں کی۔ [2]

جی ہاں، وہ افراد جنہوں نے خلیفہ کے خلاف اعتراضات کئے اور ان کے قتل کے مقدمات فراہم کئے بہتر ہے ان کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے جن کا ذکر کیا ہے دو اہم چیزوں کا ذکر کرنا مناسب ہے وہ

یہ کہ طلحہ وزبیر سب سے زیادہ ان پر اعتراض کرتے تھے، بہرحال، لوگوں کا نام اور مخالفین کی گفتگوؤں اور خلیفہ کو ان کے منصب سے گرانے والے افراد کے نام کے لئے تاریخی کتابوں کی طرف رجوع کریں، کیونکہ ہمارا مقصد عثمان کی خلافت کی معزولی کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پر کیسے بیعت کی؟

عثمان کے گھر کا محاصرہ

شورش کی پانچوں عوامل نے اپنا کام کر دکھایا اور عثمان کا اپنے نقائص اور خلافت پر اعتراض سے بے توجہی سبب بنی کہ اس وقت کے اسلام کے اہم مراکز، مثلاً کوفہ، بصرہ اور مصر کچھ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور خلیفہ کو کتاب الٰہی اور سنت پیغمبر و سیرت شیخین کی مخالفت سے روکنے کے لئے مدینہ روانہ ہوں کہ مدینے میں رہنے والے اپنے ہمفکروں کے ساتھ کوئی راہ حل تلاش کریں خلیفہ توبہ کریں اور حقیقی اسلام کی طرف پلٹیں، یا مسند خلافت سے دور ہو جائیں۔

بلاذری اپنی کتاب انساب الاشراف میں لکھتے ہیں:

۳٤ ھ میں خلیفہ کی سیاست سے مخالفت کرنے والے تین شہروں کوفہ، بصرہ اور مصر سے مسجد الحرام میں جمع ہوئے

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ٤۷۷۔

[2] انساب الاشراف، ج ٥، ص ٤۸۔

اورعثمان کے کاموں پر گفتگو کرنے لگے۔ اورسب نے ارادہ کیا کہ خلیفہ کے برے کاموں پر گواہ وشاہد بن کر اپنے اپنے شہر واپس جائیں اور جولوگ اس سلسلے میں ان کے ہم خیال ہیں ان سے گفتگو کریں، اورآئندہ سال انہی دنوں میں ملاقات کریں اورخلیفہ کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں۔ اگر وہ اپنے غلط کاموں سے باز آجائیں تو اس کے حال پر چھوڑ دیں، لیکن اگر باز نہ آئے تو اسے اس منصب سے الگ کردیں۔

اسی وجہ سے دوسرے سال (۳۵ ھ) میں مالک اشتر کی سرداری میں کوفہ سے ایک ہزار کالشکر، حکیم بن جبلّہ عبدی کی سرداری میں بصرہ سے ڈیڑھ سو آدمیوں کالشکر، کنانہ بن بشر سکونی تجیبی اور عمر اور بدیل خزاعی کی سرپرستی میں مصر سے چار سو یا اس سے زیادہ افراد کالشکر مدینہ میں داخل ہوا۔ اورمہاجر وانصار کے بہت سے افراد جوخلیفہ کے طریقہ کے مخالف تھے وہ بھی ان سے ملحق ہو گئے۔[۱]

مسعودی لکھتا ہے:

چونکہ عبداللہ بن مسعود، عمار یاسر اور محمد بن ابی بکر، خلیفہ کی نظر میں بے توجہی کا شکار تھے، قبیلۂ بنی زُھرعبداللہ کی حمایت میں اور بنی مخزوم عمار کی حمایت میں اور تیم، محمد بن ابی بکر کی وجہ سے اوران تین گروہوں کے علاوہ دوسرے افراد بھی انقلابیوں کے ساتھ مل گئے اورخلیفہ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔

مصریوں نے خلیفہ کو جو خط لکھا اس کا مضمون یہ ہے:

امابعد: خداوند عالم کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا مگر یہ کہ وہ خود اس کو بدل ڈالیں، خدا کے واسطے، خدا کے لئے، پھر خدا کے واسطے آخرت میں اپنے حصہ کو فراموش نہ کرو، خدا کی قسم، ہم لوگ خدا کے لئے غضبناک ہوتے ہیں اور خدا ہی کے لئے خوشحال ہوتے ہیں، ہم اپنی اپنی تلواروں کو اپنے کاندھوں سے اتار کر زمین پر نہیں رکھیں گے جب تک تمہارے سچے توبہ کی خبر ہم تک نہ پہنچ جائے یہی ہمارا پیغام ہے۔[۲]

مخالفوں کے سامنے خلیفہ کا تعہد

گھر کا محاصرہ سبب بنا خلیفہ اپنے کاموں پر سنجیدگی سے سوچیں اور محاصرہ ختم کرنے کی سبیل نکالیں لیکن وہ شورش کی تہ سے آگاہ نہیں تھے اور معاشرے کے اچھے لوگوں کو برے لوگوں کے درمیان تشخیص نہیں دے پارہے تھے، انہوں نے گمان کیا کہ شاید مغیرہ بن شعبہ یا عمر وعاص کے وسیلے سے یہ ناگہانی بلاٹل جائے گی، اس وجہ سے اس نے ان دونوں کو انقلابیوں کی آگ خاموش کرنے کے لئے گھر کے باہر بھیجا، جب انقلابی لوگوں نے ان منحوس چہروں کو دیکھا تو ان کے خلاف نعرے لگانے

---

[۱] الغدیر، ج۹،ص۱۶۸۔

[۲] مروج الذہب ج۳ ص۸۸ طبع بیروت سال ۱۹۷۰۔

لگے۔ اور مغیرہ سے کہا: اے فاسق و فاجر واپس جا واپس جا، اور عمرو عاص سے کہا: اے خدا کے دشمن واپس چلا جا کہ تو امین و ایماندار نہیں ہے اس وقت عمر کے بیٹے نے خلیفہ سے حضرت علی علیہ السلام کی عظمت کے بارے میں بتایا اور کہا کہ صرف وہی اس شورش کی آگ کو خاموش کر سکتے ہیں لہٰذا خلیفہ نے حضرت سے درخواست کی کہ اس گروہ کو کتاب خدا اور سنت پیغمبر کی دعوت دیجئے۔ امام نے اس کی درخواست کو اس شرط پر قبول کیا کہ جن چیزوں کی میں ضمانت لوں خلیفہ اس پر عمل کرے، علی علیہ السلام نے ضمانت لی کہ خلیفہ، کتاب خدا اور سنت پیغمبر پر عمل کریں انقلابیوں نے حضرت علی علیہ السلام کی ضمانت قبول کرلیا اور وہ سب آنحضرت کے ساتھ عثمان کے پاس آئے اور ان کی سخت مذمت کی انہوں نے بھی ان لوگوں کی باتوں کو قبول کرلیا اور یہ طے پایا کہ عثمان تحریری طور پر تعہد دیں۔

چنانچہ تعہد نامہ اس طرح سے لکھا گیا:

یہ خط خدا کے بندے امیر المومنین عثمان کی طرف سے ان لوگوں کے نام ہے جن لوگوں نے ان پر تنقید کی ہے، خلیفہ نے یہ عہد کیا ہے کہ خدا کی کتاب اور پیغمبر کی سنت پر عمل کرے گا، محروموں کی مدد کرے گا ڈرے اور سہمے افراد کو امان دیں گے، جلاوطن کئے ہوئے لوگوں کو ان کے وطن واپس بلائے گا، اسلامی لشکر کو دشمنوں کی سرزمین پر نہیں روکے گا، ۔۔۔ علی علیہ السلام مسلمانوں اور مومنوں کے حامی ہیں اور عثمان پر واجب ہے کہ اس تعہد پر عمل کرے۔

زبیر، طلحہ، سعد وقاص، عبد اللہ بن عمر، زید بن حارث، سہل بن حنیف، ابوایوب وغیرہ نے گواہ کے طور پر اس تعہد نامہ کے نیچے دستخط کئے یہ خط ذیقعدہ ۳۵ھ میں لکھا گیا اور ہر گروہ کو اسی مضمون کا خط ملا اور وہ اپنے اپنے شہر واپس چلا گیا اس طرح خلیفہ کے گھر کا محاصرہ ختم ہوگیا اور لوگ آزادانہ طور پر آنے جانے لگے۔[1]

انقلابیوں کے چلے جانے کے بعد، امام نے دوبارہ خلیفہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا: تم پر ضروری ہے کہ تم لوگوں سے بات کرو تا کہ وہ لوگ تمہاری باتوں کو سنیں اور تمہارے حق میں گواہی دیں، کیونکہ انقلاب کی آواز تمام اسلامی ملکوں تک پہنچ چکی ہے اور بعید نہیں کہ دوسرے شہروں سے پھر کئی گروہ مدینہ پہنچ جائیں اور پھر دوبارہ تم مجھ سے درخواست کرو کہ میں ان سے بات کروں۔ خلیفہ کو حضرت علی علیہ السلام کی صداقت پر پورا بھروسہ تھا لہٰذا گھر سے باہر آئے اور اپنے بے جا کاموں کی وجہ سے شرمندگی کا اظہار کیا۔

امام نے اتحاد مسلمین اور مقام خلافت کی عظمت کے لئے بہت بڑی خدمت انجام دی، اگر عثمان اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی ہدایت و رہنمائی پر عمل کرتے تو کوئی بھی واقعہ ان کے ساتھ پیش نہ آتا، لیکن افسوس خلیفہ ارادے کے ضعیف اور بے جا بولنے والے تھے اور ان کو مشورہ دینے والے حقیقت شناس اور سچے نہ تھے اور مروان بن حکم جیسے افراد نے ان کی

---

[1] الانساب ج ۵ ص ٦٢۔

عقل و دور اندیشی کو چھین لیا تھا لہٰذا مصریوں کے چلے جانے کے بعد خلیفہ نے مروان کے شدید اصرار پر بہت ہی غیر شائستہ فعل انجام دیا، عثمان نے چاہا کہ مصریوں کے ساتھ اپنی ملاقات کو دوسرے انداز سے پیش کریں اور اس طرح سے بیان کریں کہ مدینہ سے مصر شکایتیں پہنچی تھیں اور وہ لوگ یہاں تحقیق کرنے کے لئے آئے تھے اور جب ان لوگوں نے دیکھا کہ تمام شکایتیں بے اساس ہیں تو وہ لوگ اپنے وطن واپس چلے گئے۔

جب یہ بات لوگوں نے خلیفہ کی زبان سے سنی تو مخالفین کی طرف سے اعتراض وتنقید ہونے لگی، سب ان سے کہہ رہے تھے کہ خدا سے ڈرو! توبہ کرو! اعتراض اتنا شدید تھا کہ خلیفہ نے دوسری مرتبہ پھر اپنی باتیں واپس لے لیں، اور قبلہ کی طرف دونوں ہاتھ بلند کیا اور کہا:

پروردگارا! میں پہلا وہ شخص ہوں جو تیرے پاس واپس آؤں گا[1]

انقلابیوں کے سرداروں کو قتل کرنے کا حکم دینا

قریب تھا کہ مصریوں کی آفت جائے کیونکہ وہ لوگ مدینے سے مصر کی طرف روانہ ہو چکے تھے لیکن راستے میں ایلہ نامی مقام پر لوگوں نے عثمان کے غلام کو دیکھا کہ مصر کی طرف جا رہا ہے، ان لوگوں کو شک ہوا کہ شاید وہ عثمان کا خط لے کر مصر کے حاکم عبد اللہ بن ابی سرح کے پاس جا رہا ہے اسی وجہ سے اس کے سامان کی تلاشی لینے لگے، اس کے پانی کے برتن میں سے رانگے (قلع) کا ایک پائپ نکلا جس کے اندر خط رکھا تھا، خط میں حاکم مصر کو خطاب کرتے ہوئے لکھا تھا جیسے ہی عمرو بن بدیل مصر میں داخل ہو اسے قتل کر دینا، اور کنانہ، عروہ، اور ابی عدیس کے ہاتھوں کو کاٹ دینا اور اسی طرح خون میں تڑپتا ہوا چھوڑ دینا اور پھر ان لوگوں کو پھانسی پر چڑھا دینا۔

خط دیکھنے کے بعد مصری اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے، اور سب کے سب آدھے ہی راستے سے مدینہ واپس آ گئے۔ اور علی علیہ السلام سے ملاقات کی اور انہیں خط دکھایا۔ علی علیہ السلام خط لے کر عثمان کے گھر آئے اور اسے دکھایا عثمان نے قسم کھا کر کہا کہ یہ تحریر ان کے کاتب کی اور مہر انہی کی ہے لیکن وہ اس سے بے خبر ہیں، حقیقت میں بات یہی تھی کہ خلیفہ اس خط سے بالکل بے خبر تھے اور ان کے ساتھیوں مثلاً مروان بن حکم کا کام تھا خلیفہ کی مہر حمران بن ابان کے پاس تھی کہ اس کے بصرہ جانے کے بعد مہر مروان کے پاس تھی۔[2]

مصریوں نے خلیفہ کے گھر کا دوبارہ محاصرہ کر لیا اور ان سے ملاقات کرنے کو کہا اور جب لوگوں نے عثمان کو دیکھا تو اس سے پوچھا: کیا تم نے اس خط کو لکھا ہے؟ عثمان نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے، گروہ کے نمائندہ نے

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۸۰، طبع اعلمی بیروت۔

[2] مروج الذہب ج ۲ ص ۳۴۴۔

کہا: اگر ایسا خط تمہاری اطلاع کے بغیر لکھا گیا ہے تو تم خلافت اور مسلمانوں کے امور کی ذمہ داری لینے کے لائق نہیں ہو، لہٰذا جتنی جلدی ہو خلافت سے کنارہ کشی اختیار کرلو، خلیفہ نے کہا کہ خدا نے جو لباس میرے بدن پر ڈالا ہے اسے میں ہرگز اتار نہیں سکتا، مصریوں کے انداز گفتگو نے بنی امیہ کو ناراض کر دیا، لیکن بجائے اس کے کہ اصلی علت کو بیان کریں، علی کے علاوہ انہیں کوئی اور نظر نہیں آیا اور مصریوں کی طرف سے مقام خلافت پر ہونے والی جسارت کا الزام ان پر لگایا، امام نے ان لوگوں کو تیز ڈانٹا اور کہا کیا تم نہیں جانتے کہ اس وادی میں میرے پاس کوئی اونٹ نہیں ہے یعنی مرا ان سے کوئی رابطہ نہیں ہے اس وقت کہا:

محاصرہ میں خلیفہ کا مختلف لوگوں کو خط بھیجنا

عثمان نے محاصرہ کے ایام میں معاویہ کو خط لکھا کہ مدینے کے لوگ کافر ہو گئے ہیں اور بیعت کو توڑ دیا ہے لہٰذا جتنی جلدی ہو سکے اچھے جنگ کرنے والوں کو مدینہ روانہ کرو، لیکن معاویہ نے عثمان کے خط کو کوئی اہمیت نہ دی، اور کہا کہ میں پیغمبر کے صحابیوں کی مخالفت نہیں کروں گا۔ خلیفہ نے مختلف خط یزید بن اسد بجلی کو شام اور عبداللہ بن عامر کو بصرہ بھیجا اور اسی طرح حج کے موسم میں تمام حاجیوں کے نام خط لکھا، اس سال حاجیوں کے سرپرست ابن عباس تھے، لیکن کوئی بھی مؤثر ثابت نہ ہوا، کچھ لوگ خلیفہ کی مدد کے لئے گئے لیکن مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کے قتل سے آگاہ ہو گئے۔

عثمان کے قتل میں جلدی، مروان کی غلط تدبیر کا نتیجہ تھا

محاصرہ کرنے والے خلیفہ کے گھر پر حملہ نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان لوگوں کی صرف یہ کوشش تھی کہ کھانا پانی گھر میں نہ پہنچے تا کہ خلیفہ اور ان کے ساتھی محاصرہ کرنے والوں کی بات مان لیں، لیکن مروان کی یہ غلط تدبیر کہ انقلابیوں پر حملہ کر کے ایک شخص یعنی عروہ لیثی کو اپنی تلوار سے قتل کر ڈالنا یہی سبب بنا کہ تمام محاصرین خلیفہ کے گھر میں داخل ہو جائیں۔ اس اجتماعی ہجوم میں خلیفہ کے تین ساتھی عبداللہ بن وہب، عبداللہ عوف اور عبداللہ بن عبدالرحمن مارے گئے۔ ہجوم کرنے والے عمرو بن حزم انصاری کے گھر سے دار الخلافہ پر چڑھے اور خلیفہ کے آنگن میں اتر گئے، گھر کے اندر عثمان کا غلام ناقل، مالک اشتر اور عمرو بن عبید کے ہاتھوں مارا گیا۔ حملہ اتنا شدید تھا کہ بنی امیہ، جو خلیفہ اور ان کے ساتھیوں کی حفاظت کرنے والے تھے سب کے سب بھاگ گئے اور رسول کی بیوی ام حبیبہ (ابوسفیان کی بیٹی) نے ان لوگوں کو اپنے گھر میں چھپا لیا، اسی لئے تاریخ میں یہ حادثہ یوم الدار کے نام سے مشہور ہے، خلیفہ کا قتل محمد بن ابی بکر، کنانہ بن بشر تحیبی، سودان بن حمران مرادی، عمرو بن حمق اور عمیر بن صابی کے ہاتھوں ہوا۔ خلیفہ کے قتل کے وقت ان کی بیوی نائلہ نے اپنے کو اپنے شوہر کے زخمی نیم جان بدن پر گرا دیا جس کی وجہ سے ان کی دو انگلیاں کٹ گئیں لیکن انہوں نے عثمان کا سر جدا ہونے سے بچا لیا مگر ہجوم کرنے والوں کی تلواروں نے ان کا کام تمام کر دیا۔ اور کچھ لمحوں بعد ان کا بے روح جسم گھر کے گوشے میں گرا پڑا تھا۔

تیسری فصل

قتل عثمان کے بعد لوگوں کا حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنا

خلیفۂ سوم کا پیغمبر کے صحابیوں کے ساتھ ناروا سلوک اور لوگوں کو بے جا تحفہ و ہدیہ دینا، اور حکومت کے امور کو بنی امیہ کے غیر شائستہ افراد کے ہاتھوں میں دینا وغیرہ یہ سب ان کے قتل کا سبب بنیٔ۔ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ھ کو عثمان مصر اور عراق کے انقلابیوں اور پیغمبر کے صحابیوں کے ہاتھوں خود اپنے ہی گھر میں قتل کیا گیا اور اس کے اصلی ساتھی اور محافظ انہیں تنہا چھوڑ کر مکہ فرار ہو گئے۔[1]

خلیفۂ سوم کے قتل کی خبر مدینہ اور اس کے اطراف کے مسلمانوں کے لئے بہت تعجب خیز تھی اور ہر شخص آئندہ کی رہبری کے لئے فکر مند تھا اور صحابہ میں سے کچھ لوگ مثلاً طلحہ و زبیر اور سعد وقاص وغیرہ اپنے آپ کو خلیفہ کے لئے نامزد کئے ہوئے تھے اور دوسروں سے زیادہ اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھ رہے تھے۔

انقلابیوں کو معلوم تھا کہ عثمان کے قتل کی وجہ سے اسلامی ملکوں کی حالت درہم برہم ہو جائے گی اسی وجہ سے ان لوگوں نے چاہا کہ جتنی جلد ممکن ہو اس خلاء کو پورا کر دیں اور خلیفہ چننے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے پہلے اپنے وطن واپس نہیں جائیں۔ وہ لوگ ایسے شخص کی تلاش میں تھے جو ان پچیس سال میں اسلامی تعلیمات اور سنت پیغمبر کا وفادار رہا ہو اور وہ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نہ تھا، کیونکہ دوسرے لوگ کسی نہ کسی طرح سے اپنے کو حُبّ دنیا سے آلودہ چکے تھے اور کسی نہ کسی جہت سے عثمان کے کمزور پہلوؤں میں مشترک تھے، طلحہ و زبیر اور ان کی طرح دوسرے افراد نے خلیفہ سوم کے زمانے میں دنیاوی امور تک پہنچے اور مال و دولت جمع کرنے اور اس شہر میں اور اس شہر میں قصر حاصل کرنے میں مصروف تھے اور پیغمبر کی سنت بلکہ شیخین کی سنت کو بھی نظر انداز کر چکے تھے۔

باوجودیکہ حضرت علی علیہ السلام کا نام سب سے زیادہ لوگوں کی زبان پر تھا اور جب خلیفہ کے گھر کو انقلابیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا امیر المومنین پیغام پہنچانے کے لئے دونوں گروہوں کے درمیان مورد اعتماد تھے اور سب سے زیادہ کوشش کر رہے تھے کہ یہ مسئلہ اس طرح حل ہو جائے کہ اور دونوں گروہ راضی ہوں، لیکن جو علت سقیفہ کے ماجرے میں علی کو دور کرنے کی سبب بنی تھی، سب کے سب (غیر از جوانی) اسی حالت پر باقی تھی اور اگر انقلابیوں کا مصمم ارادہ اور لوگوں کا دباؤ نہ ہوتا تو وہی چیز چوتھی

[1] تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۰۶ طبع بولاق۔

مرتبہ بھی امام کو اس مسئلہ سے جدا کر دیتی اور خلافت کسی بزرگ صحابی کو مل جاتی اور معاشرہ کو الٰہی و حقیقی حکومت سے محروم کر دیتی۔

اگر عثمان کی موت فطری ہوتی اور مدینہ کی فضا اچھی ہوتی تو کبھی بھی بزرگ صحابہ جو عثمان کی خلافت کے زمانے میں بہت زیادہ مال ومقام کے مالک بن گئے تھے،حکومت علی کی تائیدنہیں کرتے اور جو شورٰی بنائی جاتی مل جل کر اس میں رخنہ اندازی کرتے، بلکہ سیاسی کھلاڑی ایسا رول ادا کرتے کہ شورٰی بننے کی نوبت نہیں آتی اور خلیفہ وقت کو مجبور کرتے کہ جن کو وہ لوگ پسند کرتے ہیں اسے خلیفہ بنائے جس طرح عمر کو ابوبکر نے خلافت کے لئے چنا تھا۔

یہ گروہ جانتا تھا کہ اگر علی علیہ السلام کی حکومت قائم ہوگئی تو ان کے تمام مال کو جمع کرالیں گے اور ان میں سے کسی کو کوئی کام نہیں سونپیں گے،ان لوگوں نے اس حقیقت کو امام کی نورانی پیشانی میں پڑھ لیا تھا اور حضرت کے مزاج سے پوری طرح واقف تھے لہٰذا جب آنحضرت نے طلحہ وزبیر کو کسی کام میں شامل نہیں کیا تو ان دونوں نے فوراً اپنے وعدے کو توڑ دیا اور جنگ جمل کا محاذ قائم کر دیا

جن وجوہات کی بنا پر امام کو سقیفہ میں حکومت سے دور کیا گیا وہ درج ذیل ہیں:

۱۔حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں صحابہ کرام کے رشتہ داروں کا قتل۔

۲۔بنی ہاشم اور دوسرے قبیلے خصوصاً بنی امیہ کے درمیان پرانی دشمنی۔

۳۔حضرت علی علیہ السلام کا سختی سے حدود الٰہی کا جاری کرنا۔

قتل عثمان کے بعد نہ صرف یہ وجوہات اپنی جگہ پر باقی تھیں بلکہ دوسری وجہیں بھی جو قدرت کے اعتبار سے ان سے کم نہ تھیں وہ بھی شامل ہوگئیں اور اس سے بھی اہم یہ تھا کہ پیغمبر کی بیوی عائشہ نے امام کی مخالفت کی تھی۔عثمان کی حکومت کے زمانے میں عائشہ ایک اہم سیاسی شخصیت کی مالک تھیں۔انہوں نے لوگوں کو کئی مرتبہ عثمان کو قتل کرنے کے لئے کہا تھا اور شاید اسی وجہ سے وہ کبھی پیغمبر کا لباس صحابہ کو دکھاتیں اور کہتیں تھیں کہ ابھی یہ لباس پرانا نہیں ہوا ہے لیکن ان کے دین میں تبدیلیاں ہوگئی ہیں۔[1]

مسلمانوں کے درمیان جو عائشہ کا احترام تھا اور بہت زیادہ حدیثیں جو پیغمبر سے نقل کی تھیں وہ ان کے سیاسی فائدے ہونے کے لئے کافی تھیں اور اس شخص کے لئے زحمت کا باعث تھیں جو ان کی مخالفت کرتا تھا۔

عائشہ کی مخالفت حضرت علی علیہ السلام سے:

عائشہ کی مخالفت حضرت علی علیہ السلام سے درج ذیل امور کی بنا پر تھی:

---

[1] تاریخ ابوالفداء ج۱ص ۱۷۲۔

۱۔علی نے داستان افک میں عائشہ کے طلاق کے بارے میں اپنی رائے دی تھی۔

۲۔پیغمبر کی بیٹی اور فاطمہ کو حضرت علی علیہ السلام سے کئی فرزند ہوئے لیکن پیغمبر کے ذریعے عائشہ کو کوئی اولاد نہ ہوئی۔

۳۔عائشہ کو معلوم تھا کہ علی ان کے باپ کی خلافت سے راضی نہیں ہیں اور انہیں خلافت وفدک کا غاصب مانتے ہیں۔

ان کے علاوہ قبیلہ تیم سے طلحہ عائشہ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور زبیر ان کا بہنوئی (اسماء کے شوہر) تھے اور یہ دونوں خلافت پر قبضہ کرنے کے لئے پوری کوشش کر رہے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کی حکومت سے عائشہ کی ناراضگی پر یہ درج ذیل داستان جسے طبری نے نقل کیا ہے بہت واضح و روشن ثبوت ہے۔

جب عثمان کا قتل ہوا تو عائشہ مکہ میں تھیں اور اعمال حج انجام دینے کے بعد مدینہ روانہ ہوئیں، آدھے راستہ میں سرح نامی جگہ پر عثمان کے قتل اور مہاجرین وانصار کا علی کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کی انہیں خبر ملی اور یہ خبر سن کر وہ اس قدر ناراض ہوئیں کہ موت کی آرزو کرنے لگیں اور کہا: اے کاش آسمان میرے سر پر گر جاتا، پھر وہیں سے مکہ واپس چلی گئیں اور کہا: عثمان مظلوم قتل ہوا ہے خدا کی قسم میں اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اقدام کروں گی۔

عثمان کے قتل کی خبر دینے والے نے جرأت دکھاتے ہوئے کہا: آپ تو کل تک لوگوں سے کہتی تھیں کہ عثمان کو قتل کردو وہ کافر ہوگیا ہے، کس طرح آج انہیں مظلوم سمجھ رہی ہیں؟

انہوں نے جواب دیا: بلوائیوں نے پہلے ان سے توبہ کرائی ہے اور پھر انہیں قتل کیا ہے۔[۱]

انقلابیوں کی حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں پر بیعت

عوامل مذکور کی بنا پر ممکن تھا کہ امام کو چوتھی مرتبہ بھی خلافت سے محروم کردیا جائے، انقلابیوں کی قدرت اور لوگوں کے دباؤ نے ان منفی عوامل کو بے اثر کردیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ گروہی شکل میں علی کے گھر آئے اور آنحضرت سی کہا کہ خلافت کے لئے آپ سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے۔[۲]

ابو مخنف کتاب الجمل میں لکھتا ہے:

عثمان کے قتل کے بعد مسلمانوں کا ایسا عظیم اجتماع مسجد میں ہوا کہ مسجد لوگوں سے بھر گئی، اس اجتماع کا مقصد خلیفہ کا انتخاب تھا، مہاجرین وانصار کی عظیم شخصیتوں مثلاً عمار یاسر، ابوالھیثم بن یہان، رفاعہ بن رافع، مالک بن عجلان اور ابوایوب

---

[۱] تاریخ طبری ج۵ ص۷۳، طبع بولاق۔

[۲] تاریخ طبری ج۵ ص۱۵۲ طبع بولاق۔

انصاری وغیرہ نے رائے پیش کی کہ علی کے ہاتھوں پر بیعت کی جائے۔سب سے پہلے عمار نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں جو گفتگو کی وہ یہ تھی تم لوگوں نے پچھلے خلیفہ کا حال دیکھ لیا ہے اگر تم نے جلدی نہیں کیا تو ممکن ہے پھر ایسی ہی مشکل میں گرفتار ہو جاؤ اس منصب کے لئے علی سب سے زیادہ شائستہ ہیں۔اور تم سب ان کے فضائل اور سوابق سے آگاہ ہو،اس وقت پورے مجمع نے ایک آواز ہو کر کہا ہم ان کی ولایت وخلافت پر راضی ہیں اس وقت سب وہاں سے اٹھے اور حضرت علی علیہ السلام کے گھر گئے۔[1]

تمام افراد امام کے گھر جس انداز سے آئے تھے اس کی توصیف امام یوں بیان کرتے ہیں:

فتداکوا علیّ تداك الابل الهیم یوم وردها و قدارسلها راعیها و خلعت مثانیها حتی ظننت انهم قاتلیّ او بعضهم قاتل بعض ولد

ان لوگوں کا اژدحام پیاسے اونٹ کی طرح تھا جسے شتربان نے رسی کھول کر آزاد کر دیا ہو اسی طرح ہم پر ہجوم لائے کہ میں نے گمان کیا کہ شاید مجھے قتل کر دیں یا ان میں سے بعض لوگ میرے سامنے بعض لوگوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔[2]

آنحضرت خطبۂ شقشقیہ میں گھر میں داخل ہوتے وقت مہاجرین وانصار کے اژدحام کی اس طرح وضاحت کی ہے۔

لوگ بجُّو (ایک درندہ جانور ہے) کی گردن کے بال کی طرح میرے اطراف جمع تھے اور ہر طرف سے مجھ پر ہجوم کئے ہوئے تھے، یہاں تک کہ حسن وحسین بھیڑ میں دب گئے اور میرا لباس اور ردا پھٹ گئی اور چاروں طرف سے بکریوں کے گلہ کی طرح مجھے گھیر لیا، تا کہ میں ان کی بیعت کو قبول کروں۔[3]

جی ہاں، امام نے ان کی درخواست کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: تمہارا حاکم بننے سے بہتر یہ ہے کہ تمہارا مشاور بنوں، ان لوگوں نے قبول نہیں کیا اور کہا، جب تک آپ کے ہاتھوں پر بیعت نہیں کرلیں گے آپ کو جانے نہیں دیں گے، امام نے کہا: جب تم لوگ اتنا اصرار کر رہے ہو تو ضروری ہے کہ بیعت مسجد میں انجام دی جائے، کیونکہ میری بیعت مخفیانہ اور بغیر تمام مسلمانوں کی مرضی کے نہیں ہونی چاہئے۔

مجمع کے آگے آگے چلتے ہوئے امام علی علیہ السلام مسجد پہنچے مہاجرین وانصار نے ان کی بیعت کی، پھر دوسرے گروہ بھی مسجد میں پہنچے اور بیعت کی سب سے پہلے جن لوگوں نے امام کی بیعت کی وہ طلحہ وزبیر تھے پھر ان کے بعد ہر ایک نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، صرف چند لوگوں نے بیعت نہیں کیا۔[4]

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ٨۔

[2] نہج البلاغہ خطبہ ٥٣۔

[3] نہج البلاغہ، خطبہ ٣۔

[4] وہ لوگ یہ ہیں محمد بن مسلمہ، عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، سعد وقاص، کعب بن مالک، عبداللہ بن سلام، طبری کے مطابق یہ سب کے سب عثمانی اور ان کے چاہنے والے تھے (تاریخ طبری، ج ٥، ص ١٥٣؛ اور بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ان لوگوں نے بیعت کیا تھا لیکن جنگ جمل میں شرکت نہیں کیا)

سب کے سب آپ کی خلافت ورہبری پر راضی تھے لوگوں نے ۲۵ ذی الحجہ کو امام کے ہاتھوں پر بیعت کی۔[1]

حقیقی بیعت

اسلامی خلافت کی تاریخ میں کوئی بھی خلیفہ حضرت علی علیہ السلام کی طرح تمام لوگوں کی رائے سے منتخب نہیں ہوا، ان کا انتخاب مہاجرین وانصار میں سے صحابہ، قرّاء، صلحاء، فقہاوغیرہ کے ذریعے نہیں ہوا تھا، یہ صرف امام کی واحد شخصیت ہے جو سب کی مرضی سے منتخب ہوئے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ خلافت ورہبری اس طرح سے حضرت علی علیہ السلام تک پہنچی۔

امام اپنے ایک کلام میں بیعت کرنے والوں کے اژدحام اور لوگوں کی طرف سے بہترین استقبال اور بیعت کے متعلق فرماتے ہیں:

حتی انقطعت النعل و سقط الرّداء ووُطیء الضعیف و بلغ من سرور الناس ببیعتهم ایای ان ابتهج بها الصغیر و هدج الیها الکبیر و تحامل نحوها العلیل و حسرت الیها الکعاب[2]

جوتے کا بند (فیتا) ٹوٹ گیا، عبا کاندھوں سے گرگئی، اور کمزور لوگ بھیڑ میں دب گئے اور میرے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے بعد لوگوں کی خوشی کا عالم یہ تھا کہ بچے خوش ہوئے اور بوڑھے اور ناتواں میری بیعت کے لئے آئے اور لڑکیوں نے اس بیعت کا منظر دیکھنے کے لئے اپنے چہروں سے نقابیں پلٹ دیں۔

عبداللہ بن عمر نے امام کی بیعت نہیں کی، اسے کیا معلوم کہ خلافت لینا امام کا ہدف ومقصد نہیں ہے اور کبھی بھی اس کے لئے جنگ وجدال نہیں کیا بلکہ صرف اور صرف حق کے قیام اور عدالت کو جاری کرنے اور مجبوروں اور لاچاروں کے حقوق کی ادئیگی کے لئے منصب خلافت کو قبول کیا ہے۔

بیعت کے دوسرے دن یعنی ۲۶ ذی الحجہ ۳۵ ھ کو عبداللہ امام کے پاس اس ارادے سے آیا کہ شک ووسوسہ کے ذریعہ امام کو خلافت سے دور کردے۔ اس نے کہا: بہتر ہے کہ آپ خلافت چھوڑ دیں اور شوریٰ کے حوالے کردیں کیونکہ تمام لوگ آپ کی خلافت پر راضی نہیں ہیں۔

امام نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا: تجھ پر افسوس، میں نے ان لوگوں سے نہیں کہا تھا کہ میری بیعت کریں۔ کیا تم نے ان لوگوں کا اژدحام نہیں دیکھا؟ اے نادان اٹھ اور دور ہوجا۔ عمر کے بیٹے نے جب مدینہ کے حالات کو اپنے لئے بہتر نہ پایا تو

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۴، ص۸۹۔

[2] شرح نہج البلاغہ، عبدہ خطبہ، ۲۲۴۔

مکہ چلا گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مکہ خدا کا حرم اور جائے امن ہے اور امام وہاں کا ہمیشہ احترام کریں گے۔[1]

صحیح تاریخ اور امام کے اقوال اس بات کی حکایت کرتے ہیں کہ امام کی بیعت کرنے میں لوگوں پر کوئی جبر و زبردستی نہیں تھی اور بیعت کرنے والوں نے اپنی پوری رضایت سے، اگر چہ مختلف اہداف کے تحت، علی کے ہاتھوں پر بعنوان رہبر بیعت کی، خود طلحہ و زبیر، جو اپنے کو حضرت کا مثل سمجھتے تھے، بیعت سے استفادہ کرنے یا لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے مہاجر و انصار کے ساتھ امام کے ہاتھوں پر بیعت کی، طبری نے ان دونوں کی بیعت کے سلسلے میں دو طرح کی روایت نقل کی ہے، لیکن وہ روایتیں کو جو اس بات کی حکایت کرتی ہیں کہ ان لوگوں نے امام کے ہاتھوں پر بیعت اپنی رضایت سے کیا تھا دوسری طرح کی روایت سے زیادہ اور شاید یہی وجہ ہوئی کہ اس عظیم مورخ نے دوسری روایت سے زیادہ پہلی روایت پر اعتماد کیا ہے۔[2]

امام کا کلام پہلی روایت کو ثابت کرتا ہے جس وقت ان دو آدمیوں نے اپنے عہد و پیمان کو توڑا اور سنگین جرم کے مرتکب ہوئے تو ان دونوں نے لوگوں کے درمیان مشہور کر دیا کہ ہم لوگوں نے شوق و رغبت سے بیعت نہیں کی تھی۔ امام نے دونوں کا جواب دیا:

زبیر کی فکر یہ ہے کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے بیعت کی ہے نہ کہ اپنے دل سے، ہرگز ایسا نہیں تھا بلکہ اس نے بیعت کا اعتراف کیا اور اپنی رشتہ داری کا دعویٰ کیا۔ اسے چاہئے کہ جو کچھ اس نے کہا ہے اس پر دلیل پیش کرے، یا یہ کہ جس بیعت کو اس نے توڑ دیا ہے دوبارہ اس بیعت کو انجام دے۔[3]

امام نے طلحہ و زبیر کے ساتھ گفتگو کر کے اس مسئلہ کو اور بھی واضح کر دیا ہے اور لوگوں نے جو بیعت کے لئے اصرار کیا ہے اس کے بارے میں فرمایا:

واللہ ما کانت لی فی الخلافۃ رغبۃ و لا فی الولایۃ اربۃ و لکنکم دعوتمونی الیھا و حمّلتمونی علیھا[4]

خدا کی قسم مجھے خلافت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور اس میں میرا کوئی مقصد نہ تھا تم لوگوں نے اس کے لئے دعوت دی۔ اور خلافت لینے کے لئے بہت اصرار کیا۔

جھوٹی تاریخ

سیف بن عمران جھوٹے مئورخوں میں سے ہے جس نے اپنی روایتوں میں تاریخی چیزوں کو جعلی اور بے اساس

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ١٠۔
[2] تاریخ طبری ج ٥ ص ١٥٣۔١٥٢، طبع بولاق، اس مطلب کو تین طریقے سے نقل کیا ہے۔
[3] شرح نہج البلاغہ عبدہ، خطبہ ٧۔
[4] شرح نہج البلاغہ عبدہ، خطبہ ٢٠٠۔

مطالب سے بدلنے کی کوشش کی ہے وہ اس سلسلے میں کہتا ہے کہ طلحہ وزبیر نے مالک اشتر کی تلوار سے ڈر کر بیعت کی تھی۔ [1]

یہ مطلب، طبری کے اس مطلب سے بالکل برعکس ہے جسے اس نے پہلے نقل کیا ہے اور خود امام کے کلام سے مطابقت نہیں رکھتا، آزادی اور امامؑ کی حکومت کے بالکل خلاف ہے جن چند لوگوں نے امام کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی امام نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا، اوران سے کوئی واسطہ نہ رکھا، یہاں تک کہ جب امام سے کہا گیا کہ کسی کو ان کے پاس بھیجیں تو امام نے جواب دیا۔ مجھے ان کی بیعت کی ضرورت نہیں ہے۔ [2]

تاریخ طبری مستند ہے اوران روایتوں کی سندیں مشخص ہیں لہٰذا جھوٹی اور بے اساس روایت کی شناخت ممکن ہے، اس طرح کی روایتوں کا ہیرو سیف بن عمر ہے جس کا مقصد خلفاء ثلاثہ کے لئے فائدہ پہنچانا اور خاندان رسالت کو نقصان پہنچانا ہے۔

ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں سیف ابن عمر کے بارے میں لکھا ہے:

وہ جعلی اور جھوٹی خبریں گڑھنے والا آدمی ہے، دانشمندوں کی نظر میں اس کی بیان کردہ تمام باتیں غیر معتبر اور تمام حدیثیں بے کار ہیں اوراس پر زندیق ہونے کا الزام بھی ہے۔ [3]

لیکن افسوس کہ اس کی جعلی روایتیں تاریخ طبری کے علاوہ تمام تاریخی کتابوں مثلاً تاریخ ابن عساکر، کامل ابن اثیر، البدایہ والنہایہ اور تاریخ ابن خلدون وغیرہ میں موجود ہیں سب نے بغیر تحقیق کے طبری کی پیروی کی ہے ان لوگوں نے خیال کیا ہے کہ جو کچھ طبری نے نقل کیا ہے وہ عین حقیقت ہے۔

اختلافات کی جڑ

امام کو عثمان کی تیرہ سالہ حکومت سے جو چیز ملی وہ بہت زیادہ نعمتیں اور مال غنیمت تھے جو مسلمانوں کو مختلف ملکوں سے حاصل ہوتے تھے، علی علیہ السلام کے لئے مال غنیمت اور زیادہ نعمتیں ایسی مشکل نہ تھی کہ امام اسے حل نہیں کر سکتے تھے ،بلکہ مشکل یہ تھی کہ انہیں کیسے تقسیم کیا جائے، کیونکہ خلیفۂ دوم کی حکومت کے آخری زمانے اور عثمان کے دور حکومت میں پیغمبر کی سنت اور خلیفہ اول کے طور وطریقے میں تبدیلی آ گئی تھی۔ اور ایک گروہ نے زور زبردستی یا خاندان خلافت سے وابستگی کی بناء پر مال غنیمت کو اپنا مال سمجھ رکھا تھا جس کی وجہ سے شدید طبقاتی اختلاف اور عجیب وناراضگی رونما ہو گئی تھی۔

---

[1] تاریخ طبری، ج٥، ص١٥٧۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج٤، ص٩۔

[3] تہذیب التہذیب ج٤ ص٢٩٦۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے اور خلیفہ اول کے زمانے میں ۱۵ھ [1] یا ۲۰ھ [2] تک مال غنیمت جمع نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ فوراً ہی اسے مسلمانوں کے درمیان مساوی تقسیم کر دیا جاتا تھا، لیکن خلیفہ دوم نے بیت المال تاسیس کیا، اور لوگوں کا حسب مراتب وظیفہ معین کیا اور اس کام کے لئے ایک خاص رجسٹر بنایا گیا ابن ابی الحدید نے مسلمانوں کے حقوق کی مقدار کو اس طرح بیان کیا ہے۔

پیغمبر کے چچا حضرت عباس کے لئے ہر سال ۱۲ ہزار، پیغمبر کی ہر بیوی کے لئے ۱۰ ہزار اور عائشہ کے لئے ۲ ہزار اضافی، مہاجرین میں سے اصحاب بدر کے لئے ۵ ہزار، اور انصار کو ۴ ہزار اصحاب احد اور حدیبیہ کے لئے ۴ ہزار اور حدیبیہ کے بعد کے اصحاب کے لئے ۳ ہزار، اور جن لوگوں نے پیغمبر کے انتقال کے بعد جنگوں میں شرکت کی تھی رتبے کے اعتبار سے ۲۵۰۰،۲۰۰۰،۱۵۰۰،۲۰۰ وظیفے معین ہوئے۔

عمر کا یہ دعویٰ تھا کہ اس طرح سے ہم اشراف کو اسلام کی طرف جذب کریں گے، لیکن اپنی عمر کے آخری سال میں کہا کہ اگر میں زندہ بچ گیا تو جس طرح سے پیغمبر مال و دولت کو برابر برابر تقسیم کرتے تھے میں بھی اسی طرح مساوی تقسیم کروں گا۔

عمر کے اس کام سے اسلام میں طبقاتی نظام پیدا ہو گیا اور عثمان کے دور میں یہی نظام بہت زیادہ اور اختلاف بہت عمومی ہو گیا۔

علی علیہ السلام جو ایسے ماحول میں خلیفہ منتخب ہوئے تھے چاہتے تھے کہ لوگوں کو پیغمبر کی روش کی طرف دوبارہ واپس پلٹا دیں اور طبقاتی نظام کو لوگوں کے درمیان سے ختم کر دیں اور مال غنیمت کو برابر برابر تقسیم کریں۔ یقینا آپ کو اس سلسلے میں بہت زیادہ مشکلیں پیش آئیں، کیونکہ مال غنیمت کو لوگوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کرنے سے کچھ لوگوں کے منافع خطرے میں پڑ جاتے۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن الحدید طبع مصر ج ۳ ص ۱۵۴۔
[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۴۳۔

چوتھی فصل

حضرت علی علیہ السلام سے مخالفت کے اسباب

امام علی علیہ السلام کے انتخاب کے بعد مسلمانوں کے درمیان جو اختلاف وجدائی پیدا ہوئی وہ بالکل الگ تھی اور خلفاء ثلاثہ کے دور اقتدار میں کبھی بھی ایسا اختلاف نہیں تھا، یہ بات حقیقت ہے کہ خلیفۂ اول اختلاف اور جھگڑے کے ذریعہ منتخب ہوئے اور انہیں ان لوگوں کے اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا جو خلافت کو خدا کی جانب سے انتصابی مقام جانتے تھے لیکن زیادہ دنوں تک یہ سلسلہ باقی نہ رہا اور حالات ٹھیک ہو گئے اور مخالف گروہوں نے اسلام کی عالیترین مصلحتوں کے مدنظر اپنی زبانوں کو بند کر رکھا اور اپنے حقوق کو نظر انداز کر دیا۔

خلیفۂ اول ودوم کا انتخاب اگر چہ بغیر اختلاف کے نہ تھا مگر کچھ ہی دنوں میں شور وغل ختم ہو گیا اور دونوں خلیفہ نے حالات پر قابو پالیا، لیکن حضرت علی علیہ السلام کے خلیفہ بننے کے بعد ایک گروہ کھلم کھلا مخالفت کرنے لگا اور امت کے درمیان سخت ترین شگاف پیدا کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام علیہ السلام کی حکومت سے مخالفت کی وجہ بہت قدیمی تھی مخالفوں کے رشتہ دار حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں جنگوں میں مارے جا چکے تھے۔ بیعت کے دن ولید بن عتبہ نے علی علیہ السلام سے کہا، میرے باپ جنگ بدر میں تمہارے ہاتھوں سے قتل ہوئے تھے اور کل تم نے میرے بھائی عثمان کی حمایت نہیں کی اور اسی طرح سعید بن العاص کا باپ بھی جنگ بدر کے دن تمہارے ہاتھوں قتل ہوا ہے اور تم نے مروان کو عثمان کے سامنے بیوقوف اور کم عقل بتایا ہے۔

لیکن اصل میں جن چیزوں کو مخالفین نے بہانہ بنایا وہ دو مسئلے تھے:

۱۔ بیت المال کے تقسیم کرنے میں تبعیض اور فرق کو ختم کرنا۔

۲۔ خلیفہ سوم کے غیر شائستہ نمائندوں کو معزول کرنا۔

یہی دو موضوع سبب بنے کہ دنیا پرست اور جاہ ومقام پرست گروہ امام کی مخالفت میں اٹھ کھڑا ہوا تا کہ اپنے مال و دولت کو جو ناحق طریقے سے جمع کیا تھا علی کی جمع آوری سے محفوظ کر لیں۔

امام چاہتے تھے کہ اپنے زمانۂ حکومت کو رسول اسلام کے دور حکومت کی طرف پلٹا دیں، اور آپ کی سیرت ورہبری کو مکمل طور پر زندہ کریں۔ لیکن افسوس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کا تقویٰ اور پرہیز گاری لوگوں کے درمیان سے ختم ہو چکا

تھا۔ اخلاق عمومی بدل چکا تھا اور لوگ پیغمبر کے طور طریقے کو بھول گئے تھے معاشرے اور لوگوں کے درمیان غیر مناسب تبعیض رسوخ کر چکی تھی اور حکومت کی باگ ڈور ناشائستہ اور غیر صالح افراد کے ہاتھوں میں تھی۔

عمر کی معین کردہ شوریٰ میں قریش کے سرمایہ دار عبد الرحمن بن عوف نے علی علیہ السلام سے درخواست کی کہ اگر خدا کی کتاب اور سنت پیغمبر اور شیخین کی سیرت پر عمل کریں تو میں آپ کی بیعت کروں گا۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اس شرط کو قبول نہیں کیا اور اس سے کہا: خدا کی کتاب اور سنت پیغمبر اور اپنی تشخیص پر عمل کروں گا نہ کہ سابق کے دونوں خلیفہ کی سیرت پر۔ امام کا عبد الرحمن بن عوف کی پیشنہاد کو نہ ماننا سبب بنا کہ حضرت بارہ سال تک حکومت سے محروم رہیں اور عثمان حکومت کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لیں۔

اب جب کہ حکومت امام کے ہاتھوں میں تھی، وقت آگیا تھا کہ بیت المال کی تقسیم میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو زندہ کیا جائے، بیت المال کے سلسلے میں پیغمبر کا طریقہ کار یہ تھا کہ کبھی بھی مال کو ذخیرہ نہیں کرتے تھے بلکہ تمام مال کو برابر مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا کرتے تھے اور عجم، عرب، کالے، گورے میں کوئی فرق نہیں رکھتے تھے۔

بیت المال تقسیم کرنے سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کا خطبہ:

حضرت علی علیہ السلام نے بیت المال کو تقسیم کرنے کا حکم دینے سے پہلے خطبہ ارشاد فرمایا:

اے لوگو! کوئی بھی شخص ماں کے پیٹ سے غلام اور کنیز پیدا نہیں ہوا بلکہ سب کے سب آزاد پیدا ہوئے ہیں خداوند عالم نے تم میں سے بعض کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اور جو مشکلوں میں گرفتار ہے اسے چاہئے کہ صبر و تحمل سے کام لے اور صبر و تحمل کے ذریعہ خدا پر احسان نہ کرے، اس وقت بیت المال ہمارے سامنے حاضر ہے اور اسے کالے، گورے، دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کروں گا۔[1]

جب امام کا بیان یہاں تک پہنچا تو مروان نے طلحہ و زبیر سے کہا: علی کے اس کلام سے مراد تم لوگ ہو اور تمہارے اور دوسروں میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

اسکافی نے اپنی کتاب نقض عثمانیہ جو کتاب عثمانیہ (تالیف جاحظ) پر نقد ہے میں امام کے کلام کو مکمل وضاحت کے ساتھ نقل کیا ہے، وہ لکھتا ہے:

علی بیعت کے دوسرے دن یعنی ۱۹ ذی الحجہ ۳۵ ھ بروز شنبہ منبر پر گئے اور ایک مفصل تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! میں تمہیں پیغمبر کے بہترین راستے پر گامزن کروں گا اور معاشرے میں اپنے قانون کو نافذ کروں گا۔ جو کچھ میں حکم دوں اس پر عمل کرو اور جس سے منع کروں اسے انجام نہ دو۔

---

[1] اصول کافی، ج۸، ص۶۸۔

پھر منبر ہی پر سے آپ نے داہنے اور بائیں طرف نگاہ کی اور فرمایا:

اے لوگو! جب بھی میں اس گروہ کو جو دنیا کی محبت میں غرق ہے اور بہت زیادہ مال و دولت، پانی وسواری اور غلاموں اور خوبصورت کنیزوں کا مالک ہے اگر اسے دنیاوی محبت سے نکال کر شرعی حقوق سے آشنا کروں تو وہ لوگ مجھ پر اعتراض نہ کریں اور یہ نہ کہیں کہ ابوطالب کے بیٹے نے ہم لوگوں کو اپنے حقوق سے محروم کردیا ہے جولوگ یہ فکر کرتے ہیں کہ پیغمبر کی ہمنشینی کی وجہ سے دوسروں پر فضیلت رکھتے ہیں تو انہیں جان لینا چاہیئے کہ ملاک فضیلت کوئی اور چیز ہے صاحب فضیلت وہ شخص ہے جوخدا اور پیغمبر کی آواز پر لبیک کہے اور قوانین اسلام کو قبول کرے ایسی صورت میں تمام لوگ حقوق کے اعتبار سے دوسروں کے برابر ہوجائیں گے تم لوگ خدا کے بندے ہو اور مال، خدا کا مال ہے اور تم لوگوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگا۔ اور کوئی بھی کسی دوسرے پر فضیلت نہیں رکھتا، کل تم لوگوں کے درمیان بیت المال تقسیم ہوگا اس میں عرب و عجم دونوں برابر ہوں گے۔ [1]

بیت المال تقسیم کرنے کا طریقہ

امام نے اپنے کاتب عبیداللہ بن ابی رافع [2] کو حکم دیا کہ مہاجرین وانصار میں سے ہر ایک کو تین تین دینار دیدو۔

اس وقت سہل بن حنیف انصاری نے اعتراض کیا اور کہا: کیا یہ بات مناسب ہے کہ ہم اس کالے آدمی کے برابر و مساوی ہوں جو کل تک ہمارا غلام تھا؟

امام نے اس کے جواب میں کہا کہ قرآن کریم میں اسماعیل (عرب) کے فرزندوں اور اسحاق کے فرزندوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

گذشتہ حکمرانوں کی معزولی

امام کا اہم ترین سیاسی فیصلہ یہ تھا کہ پچھلے خلیفہ کے معین کردہ حاکموں کو جن میں سرفہرست معاویہ تھا کو معزول کردیں۔ جب سے حضرت علی علیہ السلام نے خلافت کو قبول کیا اسی دن سے سوچ لیا تھا کہ عثمان کے زمانے کے جتنے بھی حکمرانوں نے بیت المال اور دوسری چیزوں کو اپنے خاص سیاسی مقصد اور غرض کے لئے استعمال کیا یا اسے اپنے یا اپنے بیٹوں سے مخصوص کردیا تھا اور قیصر وکسریٰ کی طرح حکومت قائم کرلی تھی ان سب کو معزول کردیں گے۔ امام کا عثمان پر یہ اعتراض تھا کہ اس نے معاویہ کو حکومت شام کے لئے باقی رکھا تھا اور لوگوں نے کئی مرتبہ اس اعتراض کو امام سے سنا تھا، امام ٣٦ ھ کے

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ٧، ص ٣٧۔

[2] ابورافع کا گھر اصل شیعہ اور بزرگ خاندان میں سے ہے جو ابتدا سے خاندان رسالت سے محبت کرتا ہے اور ابورافع خود پیغمبر کے صحابیوں میں سے ہے اور علی کا چاہنے والا ہے۔

اوائل ہی میں صالح اور متدین افراد کو اسلام کے بزرگ شہروں کے لئے معین کر دیا تھا۔ عثمان بن حنیف کو بصرہ، عمار بن شہاب کو کوفہ، عبیداللہ بن عباس کو یمن، قیس بن سعد کو مصر اور سہل بن حنیف کو شام کے لئے معین کیا اور سہل بن حنیف جو آدھے راستے سے واپس آ گیا اس کے علاوہ سبھی اپنے اپنے علاقوں میں پہنچے اور حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھالا۔ [1]

گذشتہ حکمرانوں خصوصاً معاویہ کی معزولی کا چرچا اسی زمانے میں اور بعد میں بھی تھا، ناآگاہ افراد اس معزولی کو امام کی سیاسی غلطی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ علی سیاسی مکروفریب سے دور تھے اور جھوٹ اور ظاہر سازی کو خداوند عالم کی مرضی کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے معاویہ اور اس جیسوں کو حکومت سے معزول کر دیا، جس کے نتیجے میں تلخ حوادث سے دوچار ہوئے لیکن اگر آپ پچھلے حکمرانوں کو معزول نہ کرتے اور ان کو ایک زمانے تک باقی رکھتے اور پھر انہیں معزول کرتے تو کبھی بھی جمل، صفین نہروان کی جنگ سے سامنا نہیں کرتے، اور اپنی حکومت میں کامیاب ہوتے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ امام کی حکومت کے اوائل ہی میں بعض لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام سے یہ درخواست کی تھی لیکن آپ نے ان کی باتوں کو نہیں مانا تھا۔

مغیرہ بن شعبہ جو عرب کے چار سیاسی لوگوں میں سے ایک تھا جب امام کے ارادے سے باخبر ہوا تو امام کے گھر آیا اور آپ سے چپکے سے کہا: مصلحت یہی ہے کہ عثمان کے حکمرانوں کو ایک سال تک ان کے منصب پر باقی رہنے دیں۔ اور جس وقت لوگوں سے آپ بیعت لیں اور آپ کی حکومت، خاور سے باختر تک قائم ہو جائے، اور مکمل طریقے سے حکومت کے حالات پر مسلط ہو جائیں اس وقت جس کو چاہے معزول کر دیں اور جس کو چاہیں اس کے مقام پر باقی رکھیں۔

امام نے اس کے جواب میں کہا:

والله لا أداهن فی دینی ولا أعطی الدنی فی أمری

خدا کی قسم میں دین میں سستی نہیں کروں گا اور حکومت کے امور کو پست افراد کے ہاتھوں نہیں دوں گا۔

مغیرہ نے کہا: اگر آپ اس وقت میری بات عثمان کے تمام حکمرانوں کے متعلق قبول نہیں کرتے تو کم از کم معاویہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیجئے تاکہ وہ شام کے افراد سے آپ کی بیعت لے، اور پھر اپنے اطمینان وسکون کی خاطر معاویہ کو اس کے منصب سے معزول کر دیجئے گا۔

امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم، دو دن کے لئے بھی اجازت نہیں دوں گا کہ معاویہ لوگوں کی جان و مال پر مسلط ہو۔

مغیرہ علی کا جواب سن کر مایوس ہو گیا اور آپ کے گھر سے چلا گیا دوسرے دن پھر امام کے گھر آیا اور معاویہ کو معزول کرنے پر آپ کے نظریہ کی تائید کی اور کہا: آپ کے شایان شان یہ نہیں ہے کہ زندگی میں مکروفریب سے داخل ہوں۔ جتنی

---

[1] تاریخ طبری، ج۵، ص۱٦١۔

جلدی ہو معاویہ کو بھی اس کے منصب سے معزول کر دیں۔

ابن عباس کہتے ہیں: میں نے علی علیہ السلام سے کہا کہ اگر مغیرہ نے معاویہ کو اس کے منصب پر باقی رہنے کی درخواست کی ہے تو اس کا مقصد صرف اچھائی اور بہترین مصلحت کے علاوہ کچھ نہیں ہے لیکن اپنی دوسری درخواست میں اس کے برخلاف ہدف رکھتا ہے لیکن میری نظر میں مصلحت یہی ہے کہ معاویہ کو اس کے منصب سے دور نہ کریں۔ اور جب تمہاری بیعت کر لے اور شام کے لوگوں سے تمہارے لئے بیعت لے تو میں خود اسے شام سے باہر کردوں گا، لیکن امام نے ان کی درخواست کو بھی قبول نہیں کیا۔ [1]

اب وقت آ گیا ہے کہ خلیفہ سابق کے حکمرانوں کی معزولی، خصوصاً معاویہ کی معزولی کو سیاسی، سماجی اسلامی معاشرے کی مصلحت، اسی طرح خود امام کی مصلحتوں کا جائزہ لیں۔

اس سے ہٹ کر کہ غیر صالح سابقہ حکمرانوں کو باقی رکھنا اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف تھا کیا سیاسی اصول اور مملکتی امور کی تدبیر حکمرانوں کے باقی رکھنے میں تھی یا یہ کہ یہاں تقویٰ اور سیاست ایک تھی۔ اور اگر امام کے علاوہ کوئی اور مسند خلافت پر بیٹھتا جب بھی سابق حکمرانوں کی معزولی کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا؟ اگر عثمان کے بعد معاویہ خلافت کے لئے منتخب ہوتا، تب بھی سابق حکمرانوں کی معزولی کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوتا؟

معاویہ کی معزولی میں امام کی عجلت کی وجہ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض لوگ مثلاً معاویہ جیسے افراد کو منصب پر باقی رکھنا تقویٰ اور طہارت و پاکیزگی کے برخلاف تھا اور امام تمام چیزوں سے باخبر تھے لیکن اصل بحث یہ ہے کہ ایسے افراد کا باقی رکھنا سیاست و تدبیر اور دور اندیشی کے مطابق تھا؟ اگر فرد غیر متقی، امام کی جگہ ہوتا اور اسی گروہ کے ذریعہ منتخب ہوتا جس کے ذریعے امام منتخب ہوئے تو کیا ایسے افراد کو اس کے مقام و منصب پر باقی رکھتا؟ یا یہ کہ امام کی دور اندیشی اور شخصی مصلحت (تقوی اور اسلام کے عالی مصلحت کے علاوہ) کا بھی تقاضا تھا کہ ایسے افراد کو ان کے منصب و مقام سے دور کر دیا جائے اور اسلام کے حساس شعبوں کو ایسے افراد کے سپرد کیا جائے جو مسلمانوں اور انقلابیوں کی مرضی کے مطابق ہو؟

بعض لوگ پہلے نظریہ کے موافق ہیں ان کا کہنا ہے کہ امام کے تقوے کی وجہ سے لوگ اسلامی منصب سے دور ہوئے، ورنہ امام کی شخصی مصلحت کا تقاضا تھا کہ معاویہ کو نہ چھیڑیں اور مدتوں اس کے ساتھ نرم برتاؤ کرتے رہیں تا کہ جنگ صفین و نہروان جیسے حادثوں سے روبرو نہ ہوں۔

لیکن دوسرے محققین مثلاً مصر کے عظیم دانشور عباس محمود عقاد مؤلف کتاب عبقریۃ الامام علی علیہ السلام اسی طرح اس دور

---

[1] تاریخ طبری، ج٥، ص١٦٠۔

کے اہل قلم حسن صدر دوسرے نظریہ کی تائید کرتے ہیں اور دلیلوں کے ذریعے ثابت کرتے ہیں کہ اگر امام اس کے علاوہ کوئی صورت اپناتے تو بہت زیادہ مشکلات سے دو چار ہوتے اور معاویہ اور اس کے مانند افراد کی معزولی امام کے تقوے کے مطابق تھی، بلکہ حکومت کی دور اندیشی اور آئندہ نگری اس بات کا تقاضہ کررہی تھی کہ ایسے فاسد عناصر کو خلافت سے دور کردیں۔

یہ بات صحیح ہے کہ معاویہ کو معزول کرنے کے بعد امام شامیوں کی مخالفت کی وجہ سے بہت سی مشکلوں سے روبرو ہوئے لیکن اگر اس کو معزول نہ کرتے تو صرف شامیوں کی ہی مخالفت سے دو چار نہ ہوتے بلکہ مظلوم انقلابیوں کی مخالفت سے امام کو روبرو ہونا پڑتا اور یہی سبب بنتا کہ دن بہ دن مخالفتیں بڑھتی رہتیں اور اسلامی معاشرہ میں اس سے بھی زیادہ اختلاف ہوتا۔

یہاں مناسب ہے کہ ان دلیلوں کو بھی پیش کردوں۔

۱۔ امام محروم اور مظلوم انقلابیوں کے ذریعے منصب خلافت پر آئے تھے جو عثمان کے ظلم و بربریت سے تنگ آ کر مدینہ میں جمع ہو گئے تھے اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا مظلوم انقلابیوں کے غیظ وغضب کا یہ عالم تھا کہ طلحہ وزبیر جیسے افراد کو بھی خاموش کردیا تھا اور حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کے لئے آمادہ کرلیا تھا۔

اس انقلابی گروہ نے امام کے ہاتھوں پر اس مقصد کے تحت بیعت کی تھی کہ اسلامی ملک میں ہٹ دھرمی، خودغرضی اور انانیت کا خاتمہ ہوجائے اور فساد وتباہی برپا کرنے والوں حکومت متزلزل ہوجائے۔

اس گروہ کے ساتھ محترم ومتدین صحابہ بھی تھے جو پچھلے خلیفہ سے مکمل طور پر ناراض تھے لیکن خاموشی اور کنارہ کشی اختیار کئے ہوئے تھے اور خلیفہ کے قتل ہونے کے بعد امام علی علیہ السلام کے ہاتھوں پر بیعت کیا تھا۔

ادھر معاویہ کا ظلم وجور کسی پر پوشیدہ نہ تھا اگر علی علیہ السلام نے اس سلسلے میں کوتاہی یا بےتوجہی کی ہوتی تو آپ کا کام معاویہ کے ساتھ ایک سازش اور انقلابیوں اور متدین صحابہ کے اہداف کی پامالی کے علاوہ کچھ نہ ہوتا، معاویہ جیسے افراد کی وضعیت امام کے مومن فداکاروں کی نظر میں ایک سیاسی مصلحت اور ریاکاری شمار ہوتی اور جتنا زیادہ معاویہ اس کام کو اپنی پاکیزگی کے لئے استفادہ کرتا علی علیہ السلام کو اتنا ہی زیادہ نقصان ہوتا۔ لوگوں کے تند احساسات اور طوفان کو صرف معاویہ کی معزولی ہی ختم کرسکتی تھی اگر امام معاویہ کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرتے تو اپنی حکومت کے آغاز ہی میں اپنے اکثر طرفداروں کو کھودیتے، اور دوبارہ وہ لوگ گناہوں اور سرکشی کے لئے آمادہ ہوجاتے اور علی علیہ السلام کی مخالفت کے لئے کھڑے ہوجاتے اور بہت ہی کم لوگ وفاداروں میں باقی رہتے جو ہر حال میں امام کے نظریات پر باقی رہتے اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام کی مرکزی حکومت میں اختلاف اور جدائی پیدا ہوجاتی اور وہ گروہ جو امام کی پوشیدہ طور پر مخالفت کررہا تھا وہ مخالف وموافق گروہوں کی شکل میں ابھر کر سامنے آجاتا اور امام کی حکومت کی عمر کا چراغ پہلے ہی دن خاموش ہوجاتا۔

۲۔ اگر ہم فرض کرلیں کہ جوشیلے انقلابی امام کی معاویہ کے ساتھ ہمراہی کو قبول کرلیتے اور امام کے لشکر میں اختلاف و

جدائی بھی نہیں ہوتی، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ معاویہ امام کی رحم دلی اور دعوت کے مقابلے میں کیسا عکس العمل پیش کرتا۔ کیا علی کی دعوت کو قبول کرتا؟ اور شام کے لوگوں سے ان کی بیعت کراتا، جس کی وجہ سے امام شام کی طرف سے مطمئن ہو جاتے؟ یا یہ کہ معاویہ اپنی چالاکی اور سیاسی چالوں سے یہ سمجھ لیتا کہ یہ ہمراہی اور نیکی چند دنوں سے زیادہ کی نہیں ہے اور علی علیہ السلام حکومت پر مکمل قبضہ پانے کے بعد تمام اسلامی حکومتوں سے اسے دور کر دیں گے اور اس کی خودغرضی کو ختم کر دیں گے؟

معاویہ کی شیطانی حرکتیں اور دور اندیشی کسی پر پوشیدہ نہیں ہیں وہ حضرت علی علیہ السلام کو تمام لوگوں سے زیادہ پہچانتا تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ ان کی حکومت میں خودغرضی اور بیت المال کو اپنی سیاسی غرض میں خرچ نہیں کر سکتا اور اگر امام اس کو ہمکاری کے لئے دعوت دے رہے ہیں تو صرف وقتی طور پر دوستی اور مصلحت کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اور بعد میں اس کے مشن کو قلع و قمع کریں گے اور شام جیسی بزرگ سرزمین پیغمبر کے صحابیوں اور نیک لوگوں کے ہاتھوں میں سپرد کر دیں گے۔

ان باتوں کی رو سے معاویہ ہرگز امام علی علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہیں کرتا، بلکہ ان سے عثمان کے پیراہن کی طرح، شامیوں کے درمیان اپنی شخصیت کو مستحکم کرنے اور قتل عثمان میں علی کی شرکت کا الزام لگانے کے لئے لوگوں کے ساتھ ہو گیا۔

ابن عباس جانتے تھے کہ امام معاویہ کے ساتھ زیادہ نہیں رہ سکتے تھے بلکہ اس وقت تک کے لئے جب تک حضرت حالات پر قابو پا لیتے، معاویہ خوب جانتا تھا کہ علی کی اس کے ساتھ مصلحت وقتی طور پر ہے لہٰذا وہ قطعی طور پر امام کی دعوت کو قبول نہ کرتا بلکہ مکر و فریب سے کام لیتا۔

بہترین موقع جو چھوٹ جاتا

معاویہ کے پاس جو سب سے بڑا بہانہ اور حربہ تھا وہ عثمان کے خون کا بدلہ تھا اگر وہ ابتدا ہی میں اس موقع سے استفادہ نہ کرتا، تو اس حربہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔

معاویہ نے عثمان کے خون آلود پیراہن کو عثمان کی بیوی نائلہ کی انگلیوں کے ساتھ جو شوہر کے دفاع میں کٹ گئیں تھیں شام کے منبر کے اوپر لٹکا دیا تاکہ شامیوں کو عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آمادہ کرے جس کے لئے معاویہ نے دعویٰ کیا تھا کہ علی کے اشارے پر ہی عثمان کا قتل ہوا ہے اگر وہ ابتدا ہی میں حضرت علی علیہ السلام کی دعوت کو قبول کر لیتا تو ہرگز وہ عثمان کے قتل کو امام سے منسوب نہ کر پاتا اور عثمان کی مظلومیت کو امام کے خلاف بیان نہ کرتا، معاویہ کے پاس عثمان کا قتل ایک ایسا قوی حربہ تھا جو حضرت علی علیہ السلام کے خلاف استعمال کرتا، اور اس حربہ کا استعمال اس صورت میں ممکن تھا کہ جب علی کی دعوت کو قبول نہ کرتا کیونکہ امام کی بیعت کرنے کی صورت میں امام کی رہبری کو صحیح ثابت کرتا اور ادھر عثمان کا خون بھی خشک ہو جاتا اور اس طرح وہ بہترین موقع گنوا بیٹھتا۔

موروثی حکومت کی برقراری

کئی سال سے معاویہ نے اپنی چالا کی، اور بے حساب و کتاب تحفے تحائف کے ذریعے، عظیم اور بزرگ شخصیتوں کو جلا وطن کر کے جو اس کی حکومت کے خلاف تھے اور بہت زیادہ تبلیغ کر کے اور خلیفہ وقت کی نظر عنایت کو جذب کر کے ایک موروثی سلطنت وحکومت کا مقدمہ فراہم کرلیا تھا اور وہ عثمان کے قتل یا موت کا منتظر تھا کہ اپنی دیرینہ آرزوؤں کو عملی جامہ پہنا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ جب انقلابیوں نے عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا اور معاویہ کو اس کی خبر ملی تو اس نے کوئی مدد نہ کی تا کہ جتنی جلدی ہو عثمان کا سایہ اس کے سر سے دور ہو جائے اور وہ اپنی آرزو تک پہنچ جائے، ایسا شخص کبھی بھی امام کی دعوت کو قبول نہیں کرتا، بلکہ اس سے اپنے فائدے اور امام کے نقصان کے لئے استفادہ کرتا، تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ خلیفۂ وقت نے معاویہ سے مدد طلب کی مگر اس نے حالات آ گاہی کے باوجود بھی ان کی مدد کے لئے قدم نہ بڑھایا۔

امیر المومنین نے اپنے ایک خط میں معاویہ کو لکھا تم نے عثمان کی اس وقت مدد کی جب مدد کرنے میں تیرا فائدہ تھا اور اس دن تم نے اسے ذلیل وخوار کردیا کہ جس دن مدد کرنے میں صرف اس کا فائدہ تھا[1]

امیر المومنین پھر اپنے ایک خط میں معاویہ کو لکھتے ہیں کہ خدا کی قسم، تمہارے چچا زاد بھائی کو تمہارے علاوہ کسی نے قتل نہیں کیا اور مجھے امید ہے کہ تجھے اس کے گناہوں کی طرح اس سے ملحق کردوں۔[2]

ابن عباس اپنے خط میں معاویہ کو لکھتے ہیں تمہیں عثمان کے مرنے کا انتظار تھا۔ تو اس کی بربادی کا خواہاں تھا۔ تو نے اس کی مدد کرنے سے لوگوں کو منع کردیا اس کا خط اور مدد کی درخواست اور استغاثہ کی آواز تجھ تک پہنچی لیکن تو نے کوئی توجہ نہ دی، جب کہ تو جانتا تھا کہ جب تک لوگ اسے قتل نہ کرلیں نہیں چھوڑیں گے، وہ قتل کردیا گیا اور جب کہ تو بھی یہی چاہتا تھا۔ اگر عثمان مظلوم قتل ہوا تو سب سے بڑا ظلم کرنے والا تو تھا۔

کیا ایسی حالت میں جب کہ وہ ہمیشہ عثمان کی موت یا اس کے قتل کا انتظار کر رہا تھا تا کہ اپنی آرزو کو پہنچ جائے، وہ امام کی دعوت کو قبول کرتا؟ اور جو موقع اسے بہت ہی مشکلوں سے حاصل ہوا تھا، اسے گنوا دیتا؟

---

[1] نہج البلاغہ نامہ ۳۷۔

[2] العقد الفرید، ج۲، ص۲۲۳۔

پانچویں فصل

خلافت،معاویہ کی دیرینہ آرزو

گذشتہ دلیلوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ معاویہ جیسوں کوخلافت کے امور سے معزول کردینا نہ صرف پرہیزگاری کا تقاضا تھا بلکہ دوراندیشی، مستقبل، سیاست ودرایت اور بہت کم نقصان کے تحمل کا تقاضا تھااور امام کی راہ صحیح ترین راہ تھی جوایک واقعی میں سیاستمدار منتخب کرسکتا تھااور معاویہ کے ساتھ نرمی ومدارا کرنے میں زیادہ نقصان کے سوا کچھ نہ تھا۔

اگرابن عباس نے امام سے کہا کہ اپنے دیرینہ دشمن کے ساتھ ہمدردی کریں تو ان کا یہ مشورہ عاقلانہ نہ تھااور اگر عرب کا معروف ومشہور سیاستمدار مغیرہ بن شعبہ نے امام کو جومشورہ دیا کہ معاویہ کواس کے منصب سے معزول نہ کردیں اور پھر دوسرے دن اس کے برعکس نظریہ پیش کیااور کہا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ اسے اس کے منصب سے معزول کردیں،تومعلوم نہ ہوسکا کہ مغیرہ ان دونوں نظریوں میں سے کس میں سچا تھا۔

نادان افراد جو یہ سوچتے ہیں کہ معاویہ کواس کے مقام پر باقی رکھنے میں علی کے لئے فائدہ تھاانہیں معلوم ہونا چاہیئے چونکہ امام ان افراد میں سے تھے جوحق کی پیروی کو ہر چیز پرمقدم رکھتے تھے نتیجے کی فکر کئے بغیر،اور سیاسی اورفوجی نقصان کے محاسبہ کے بغیر معاویہ کومعزول کرنے کا حکم صادر فرمایا، وہ لوگ معاویہ کے بدترین ارادے اور خلافت تک پہنچنے کی اس کی دیرینہ خواہش جس کی کوشش خلیفہ سوم کے زمانے ہی سے شروع ہوچکی تھی اور عثمان کے قتل کے بعداور امام کی طرف سے معزولی کا حکم پہنچنے سے پہلے تمام جگہوں پراس کا خط بھیجنا ایسے مسائل ہیں جن سے آگاہ نہیں ہیں اورانہوں نے قضیہ کوسطحی نظر سے دیکھا ہے۔

یہاں کچھ تاریخی ثبوت پیش کررہے ہیں جواس بات پر شاہد ہیں کہ معاویہ کا مقصدایک ظاہری اسلامی حکومت کے سوا کچھ نہ تھااور اگرامام شام کی حکومت اس کے سپرد کردیتے تو وہ صرف اسی پر قناعت نہ کرتا بلکہ اس سے سوءاستفادہ بھی کرتا۔

۱۔خلیفہ کے قتل کے بعد،نعمان بن بشیرعثمان کی بیوی کا خط اوراس کا خونی پیراہن لے کرشام کے لئے روانہ ہوااور مدینہ کے حالات سے باخبرکیا،معاویہ منبر پر گیااورعثمان کے پیراہن کو ہاتھ میں لے کرلوگوں کودکھایااورعثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے لوگوں کودعوت دی۔لوگ خلیفہ کے خونی پیراہن کودیکھ کررونے لگےاورکہا تم اس کے چچازاد بھائی اوراس کے شرعی طور پرولی ہو،ہم لوگ بھی تمہاری ہی طرح اس کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں پھراسے شام کا امیر مان کراس کے ہاتھوں

پر بیعت کر لی۔

معاویہ نے شام میں رہنے والی بزرگ شخصیتوں کے حالات جاننے کے لئے چند لوگوں کو بھیجا اور شہر حمص کے با اثر شخص شرحبیل کندی کے پاس خط لکھا اور اس سے درخواست کی کہ شام کے حاکم کے عنوان سے میری بیعت کرے۔ اس نے جواب میں لکھا تم بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہو تم مجھ سے درخواست کرتے ہو کہ بعنوان حاکم شام تیری بیعت کروں، خلیفہ سابق کے خون کا انتقام صرف وہ لے سکتا ہے جو خلیفۂ مسلمین ہو نہ کہ کسی ایک علاقہ کا امیر، اس وجہ سے میں تمہیں خلیفۂ مسلمین سمجھ کر بیعت کر رہا ہوں۔

جب شرحبیل کا خط معاویہ کے پاس پہنچا تو وہ بہت خوش ہوا، اور تمام لوگوں کے سامنے اس کے خط کو پڑھا اور پھر ان لوگوں سے خلیفۂ مسلمین کے عنوان سے بیعت لی، پھر علی سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کر دیا۔[1]

تاریخ کا یہ حصہ اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ خلافت قبول کرنے کے لئے معاویہ کا مزاج اس قدر آمادہ تھا کہ صرف شہر حمص کے اثر ورسوخ رکھنے والے شخص کی بیعت پر اس نے خود کو خلیفۂ مسلمین قرار دیا اور شام میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور بجائے اس کے کہ انقلابیوں خصوصاً مہاجرین و انصار کی حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں پر بیعت کی فکر کرتا خود اپنی بیعت کرائی۔ گویا اس نے کئی سال سے اپنے لئے زمین ہموار کر لی تھی کہ صرف ایک مرتبہ میں بیعت کی بات کر کے لوگوں سے بیعت حاصل کر لی۔

۲۔ جب معاویہ کو اس بات کی خبر ملی کہ مدینہ کے لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو قبل اس کے کہ امام کا خط اس کے پاس پہنچتا اس نے دو خط، ایک زبیر اور دوسرا طلحہ کے نام لکھا۔ اور دونوں کو عراق کے دو بڑے شہروں یعنی کوفہ اور بصرہ پر قبضہ کرنے کے لئے ترغیب دلائی۔ اس نے زبیر کو اس طرح خط لکھا میں نے شام کے لوگوں سے تمہارے لئے بیعت لے لی ہے لہٰذا جتنی جلدی ہو کوفہ اور بصرہ پر حکومت کرنے کے لئے اپنے کو آمادہ کر لو اور میں نے تمہارے بعد طلحہ کی بیعت لی جتنی جلد ہو سکے عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے قیام کرو اور لوگوں کو اس کام کی دعوت دو۔

زبیر خط کا مضمون پڑھ کر بہت خوش ہوا اور طلحہ کو اس سے باخبر کیا اور دونوں نے کہ امام کے خلاف قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

معاویہ نے دوسرا خط طلحہ کے نام لکھا، جس کا مضمون زبیر کے خط سے بالکل الگ تھا اس نے خط میں لکھا کہ میں نے خلافت کو تم دونوں کے لئے ہموار کیا ہے تم میں جو بھی چاہے خلافت کو ایک دوسرے کے حوالے کرے اور اس کے مرنے کے بعد دوسرا شخص خلیفۂ مسلمین بن جائے گا۔[2]

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۶۹-۱۰۔

[2] شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، ج۱، ص۷۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ طلحہ وزبیر کو خلافت اور کوفہ و بصرہ پر قبضہ کرنے کے لئے برانگیختہ کرنے کا مقصد صرف امام کی حکومت کو ضعیف و کمزور کرنا اور اپنی حکومت کو شام میں مضبوط کرنا تھا تا کہ امام کے چاہنے والوں میں اختلاف ہوجائے اور ان دونوں کی مدد سے حکومت کی باگ ڈور کو حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں سے لے لے۔ اور اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تو طلحہ وزبیر (پیغمبر کے یہ دو سادہ لوح اور دنیا طلب صحابی) پر کامیابی پانا آسان ہوجائے گا۔

۳۔ معاویہ نے ابتدائے خلافت اور جنگ صفین ختم ہونے سے پہلے امام سے درخواست کی کہ شام اور مصر کی حکومت کو آزادانہ طور پر مجھے سونپ دیں اور ان دو علاقوں کا جزیہ اس کے اختیار میں ہو اور امام کے بعد وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہو، اس کی وضاحت وتشریح اس طرح ہے:

امام نے اپنی خلافت کے آغاز ہی میں عظیم شخص جریر بجلی کو خط دے کر شام روانہ کیا اس خط میں لکھا تھا:

وہ گروہ جس نے ابوبکر وعمر وعثمان کی بیعت کی تھی اس نے ہمارے ہاتھوں پر بھی بیعت کی ہے، لہٰذا مہاجرین وانصار کی میرے ہاتھوں پر بعنوان خلیفہ بیعت کے بعد کسی کو بھی دوسرا خلیفہ منتخب کرنے کا حق نہیں ہے چاہے وہ بیعت کے وقت مدینہ میں موجود ہو یا نہ ہو۔

جریر امام کا خط لیکر شام پہنچے اور خط معاویہ کے سپرد کیا لیکن وہ جواب دینے میں تذبذب میں پڑ گیا اور عقبہ اور عمر و عاص جیسے افراد کے ساتھ مشورہ کیا اور بالآخر امام کے قاصد سے اپنے دل کی باتیں کہیں کہ اگر علی شام اور مصر کو نظر انداز کردیں اور وہاں کی آمدنی کو اس کے سپرد کردیں تو ایسی صورت میں وہ انہیں خلیفہ تسلیم کرلے گا۔

امام کے سفیر نے معاویہ کے نظریہ کو امام کے سامنے پیش کیا امام نے اس کے جواب میں کہا کہ معاویہ چاہتا ہے کہ میری بیعت نہ کرے اور اپنے مقصد کو پہنچ جائے اور وقت گزارنے اور اپنے مقصد کی کامیابی کے لئے شام اور مصر کی حکومت کو مضبوط کرلے اس بنا پر اگر اس نے بیعت کرلیا تو ٹھیک ہے ورنہ فوراً شام کو چھوڑ دے اور جتنی جلدی ہو میرے پاس آجائے۔ [1]

امام کے اس جواب سے واضح ہوتا ہے کہ اس درخواست سے معاویہ کا مقصد یہ تھا کہ علی کی بیعت اور اطاعت اس پر واجب نہ ہو اور وہ ایک آزاد حاکم کی طرح دو بزرگ وعظیم شہروں پر حکومت کرے اور اس کے حساب وکتاب اور اس کے ساتھیوں کے متعلق امام کوئی مداخلت نہ کریں، خدا جانتا ہے کہ اس کے بعد اور ان دونوں شہروں پر مستحکم ومضبوط قبضہ کرنے کے بعد معاویہ امام کی حکومت کو گرانے کے لئے کیا کیا تدبیریں کرتا، اس کے علاوہ یہ وہی دوسرداری ہے جسے عقل وشریعت میں سے کوئی بھی قبول نہیں کرتی اور حکومت اسلامی کے دو ٹکڑوں میں بٹنے کے سوا کوئی اور نتیجہ نہیں نکلتا۔

اس بات پر واضح دلیل کہ معاویہ خلافت کا خواہاں تھا نہ کہ امام کی نمائندگی، مولا کا ایک جملہ ہے جس کو آپ نے اپنے

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ، ج۱،ص ۸۷۔

خط میں اس کے لئے تحریر کیا تھا۔

وَ اَعْلَمْ یَا مُعٰاوِیَۃَ اِنَّکَ مِنَ الطُّلَقَاءِ الَّذِیْنَ لَا تَحِلُّ لَھُمُ الْخِلَافَۃَ وَلَا تُعْقَدُ مَعَھُمُ الْاَمَانَۃَ وَ لَا تُعْرَضُ فِیْہِم الشُّوْرٰیٰ۔ [1]

اے معاویہ جان لے، تو آزادشدہ لوگوں میں سے ہے اور ان لوگوں کے لئے خلافت جائز نہیں ہے اور ان کے بیعت کرنے سے کسی کی خلافت ثابت نہیں ہوتی اور شوریٰ کی نمائندگی کا بھی حق نہیں رکھتے۔

قاتلانِ عثمان کے نام بہانہ

بہترین دلیل اس بات پر کہ معاویہ خلافت کا متمنی تھا یہ ہے کہ اس نے امام کی حکومت کے زمانے میں تمام چیزوں سے زیادہ عثمان کے قاتلوں کے بارے میں گفتگو کی تھی اور علی علیہ السلام سے کہا تھا کہ ان کو ہمارے حوالے کریں تاکہ ثابت ہو جائے کہ امام ان سے مرتبط نہیں تھے۔

وہ خوب جانتا تھا کہ عثمان کے قاتلوں میں ایک یا دو شخص شامل نہیں ہیں کہ امام انہیں گرفتار کر کے اس کے حوالے کر دیں کیونکہ حملہ کرنے والوں میں مدینے کے لوگ بھی شامل تھے اور بہت زیادہ تعداد میں مصر اور عراق کے افراد شامل تھے جنہوں نے خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا اور انہیں قتل کیا تھا اور ایسے گروہ کی شناخت بہت مشکل کام ہے خود معاویہ بھی اس مشکل کو سب سے زیادہ جانتا تھا اور اس کا مقصد تمام حملہ کرنے والوں کو گرفتار کرنا تھا نہ کہ جن لوگوں نے خلیفہ کو قتل کیا تھا۔

اس کے علاوہ اس واقعہ کی چھان مسلمانوں کے خلیفہ کی ذمہ داری ہے نہ کہ خلیفہ کے کئی واسطوں سے چچازاد بھائی کی اور امام کا خلیفہ کے قاتلوں کو معاویہ کے حوالے کرنا خود معاویہ کی خلافت کو قبول کرنا تھا۔

امام نے اپنے ایک خط میں معاویہ کو لکھا:

عثمان کے قاتلوں کے بارے میں بہت زیادہ اصرار کر رہے ہو، اگر تم اپنی بے جا رائے سے باز آ جاؤ تو میں تمہارے اور دوسروں کے ساتھ خدا کی کتاب کے مطابق پیش آؤں لیکن جو چیز تم چاہتے ہو (شام کو تمہارے حوالے کرنا) اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ بچے کو پستانِ مادر سے دھوکہ دیا جائے۔

امام ایک اور خط میں معاویہ کو لکھتے ہیں:

جس چیز کو تو بڑی خواہش و آرزو سے طلب کر رہا ہے تو جان لے کہ یہ چیز آزادشدہ لوگوں تک نہیں پہنچے گی کہ وہ مسلمانوں کا رہبر ہو اور اسی طرح ان کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ خلافت کی شوری کے ممبر منتخب ہوں۔

عثمان کے خون کا بدلہ اور قاتلوں کو گرفتار کر کے اس کے حوالے کرنا صرف اور صرف ایک بہانہ تھا اور معاویہ اس کی

[1] طلقاء یا آزادہ شدہ وہ لوگ ہیں جنہیں فتح مکہ کے موقع پر پیغمبر نے معاف کر دیا تھا۔

آڑ میں خلافت و زعامت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔اس مسئلہ پر سب سے واضح و روشن دلیل یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت ہوگئی اور معاویہ نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی جس چیز کے بارے میں اس نے کوئی بحث نہ کی وہ عثمان کے خون کا بدلہ اور اس کے قاتلوں کی گرفتاری تھی۔ یہاں تک کہ جب عثمان کی بیٹی نے معاویہ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میرے باپ کے قاتلوں سے ان کے خون کا بدلہ لو تو اس نے کہا: یہ کام میرے بس میں نہیں ہے اور تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم خلیفہ مسلمین کی بھتیجی رہو۔

چھٹی فصل

ناکثین سے جنگ (جنگ جمل)

مہاجرین وانصار میں سے پیغمبر کے صحابیوں کا امام کی بیعت کے لئے ہجوم کرنا اور حق وعدالت کی حکومت کو واپس لانے کی درخواست کرنا یہ سبب بنا کہ امام امور حکومت کو اپنے ہاتھوں میں لیں تا کہ اسلامی قوانین اور سنت کے مطابق لوگوں کے ساتھ پیش آئیں۔

امام کے بیت المال تقسیم کرنے کی روش دیکھ کر ایک گروہ بہت ناراض ہوا وہ گروہ جو ہمیشہ عدالت اور سنت حسنہ کے احیاء سے ناراض ہو وہ تبعیض اور خواہشات نفسانی اور بے جا آرزؤں اور غیر محدود آرزؤں کے ماننے والے ہوتے ہیں۔

امام اپنے پانچ سالہ دور حکومت میں تین سرکش گروہوں سے روبرو ہوئے جن کی سرکشی حد سے بڑھی ہوئی تھی اور ان کی آرزو صرف عثمان کی حکومت کی طرح فضا بنانا اور بے جا تحفہ واخراجات اور اسراف کرنا اور معاویہ اور پچھلی حکومت کے معین کردہ حاکموں کی طرح نالائق افراد کی حکومت کو مضبوط بنانی تھی۔

ان جنگوں میں مسلمانوں کا خون بہایا گیا، پیغمبر کے صحابیوں کا گروہ جو بدر و احد کی جنگوں میں بھی تھا یعنی تاریخ اسلام کے حساس موقعوں پر پیغمبر کی رکاب میں رہ کر تلواریں چلائی تھیں اس مرتبہ وہ لوگ پیغمبر کے اصلی اور سچے جانشین کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے اور امام کے اہداف کی ترقی کی خاطر اپنی جان کو اسلام کی راہ میں قربان کردیا۔

اس کے علاوہ، امام کا قیمتی وقت جو لوگوں کی تربیت، امت کی ہدایت اور اسلامی معارف وتعلیم میں صرف ہوتا وہ ان تینوں گروہوں کے دفع کرنے میں صرف ہوگیا جو امام کے مقدس ہدف کے خلاف تھا اور بالآخر قبل اس کے کہ امام اپنے مقصد تک پہنچتے یعنی ہمیشہ کے لئے ایک ایسی حکومت قائم کرتے جو اسلام کے اصولوں اور سنتوں پر قائم ہوتی، آپ کی حکومت کا سورج پانچ سال نورانی شعاعیں بکھیرنے کے بعد غروب ہوگیا اور آپ کی شہادت کے بعد حکومت اسلامی موروثی سلطنت میں تبدیل ہوگئی اور بنی امیہ اور بنی عباس کی اولادیں ایک کے بعد ایک اس پر قابض ہوتی گئیں اور مومنین کے دلوں میں حکومت اسلامی ایک آرزو بن کر رہ گئی۔

وہ تین گروہ یہ تھے:

۱: ناکثین یا عہد و پیمان توڑنے والا گروہ

اس گروہ کے سردار خصوصاً طلحہ اور زبیر نے جو پیغمبر کی بیوی عائشہ کے احترام کی آڑ میں اور بنی امیہ کی بے انتہا مدد کی وجہ سے صرف اس لئے کہ امام کی حکومت میں ان کے اختیارات بہت کم ہو گئے تھے، بہادر سپاہیوں کا ایک بڑا لشکر کوفہ و بصرہ پر قبضہ جمانے کے لئے تیار کیا اور خود بصرہ پہنچ بصرہ پر قبضہ کرلیا۔ امام بھی اپنا لشکر لے کر گئے اور پھر دونوں گروہوں میں جنگ شروع ہوئی اور طلحہ و زبیر اس جنگ میں مارے گئے اور ان کی فوج بھاگ گئی اور کچھ قیدی بنا لئے گئے اور بعد میں امام نے انہیں معاف کر دیا۔

۲: قاسطین یا ظالمین اور حقیقت سے دور رہنے والا گروہ

اس گروہ کا سردار معاویہ تھا جس نے مکر و فریب اور دھوکہ دینے والی باتوں سے دو سال، بلکہ امام کی عمر کے آخری لمحہ تک آپ کو مشکلات سے دوچار کرتا رہا، عراق و شام کے وسط میں امام اور اس کے درمیان جنگ صفین ہوئی جس میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا لیکن امام اپنے آخری مقصد تک نہ پہنچ سکے اگر چہ معاویہ شام میں نظروں سے گر گیا۔

۳: مارقین یا دین سے خارج ہونے والا گروہ

یہ افراد، گروہ خوارج میں سے ہیں یہ لوگ جنگ صفین کے آخری مرحلے تک امام کے ہمراہ تھے اور حضرت کی طرف سے جنگ کر رہے تھے، لیکن معاویہ کے دھوکہ دینے والے کاموں کی وجہ سے یہ لوگ امام کے خلاف شورش کرنے لگے اور ایک تیسرا گروہ بنایا جو معاویہ اور امام دونوں کے خلاف تھا، اور اسلام و مسلمین اور امام کی حکومت کے لئے دونوں گروہوں سے زیادہ خطرناک تھا، اس گروہ سے امام کا مقابلہ نہروان نامی جگہ پر ہوا اور امام نے ان کو مار بھگایا اور قریب تھا کہ دوسری مرتبہ شام سے فساد و سرکشی کی جڑ کو ختم کرنے کے لئے خود کو آمادہ کریں کہ خوارج میں سے ایک شخص حملہ آور ہوا اور آپ نے جام شہادت نوش فرمایا اور انسانیت نے پیغمبر کے بعد ایک شریف اور عزیز ترین شخص اور اسلام کی بہترین و شائستہ فرد کو کھو دیا اور اسلامی عدالت کی حکومت کا چاند حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور تک کے لئے بدلی میں چلا گیا۔

امام ان جان لیوا حادثوں کے رونما ہونے کے پہلے ہی سے ان کے بارے میں آگاہ تھے، اسی وجہ سے عثمان کے قتل کے بعد جب انقلابی، امام کے گھر پر جمع ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ اپنے ہاتھوں کو بڑھائیں تا کہ بیعت کریں تو آپ نے فرمایا:

دَعَوْنِیْ وَ الْتَمِسُوْا غَیْرِیْ فَاِنَّا مُسْتَقْبِلُوْنَ اَمْرًا لَهُ وُجُوْهٌ وَ اَلْوَانٌ لَا تَقُوْمُ لَهُ الْقُلُوْبُ وَ لَا

تَثْبُتَ عَلَيْهِ الْعُقُولِ[1]

مجھے چھوڑ دو کسی دوسرے کے پاس جاؤ کیونکہ ہمیں مختلف حوادث کا سامنا ہے ایسے حوادث جن سے دل ٹکڑے ہوجائیں گیا ور عقلیں انہیں برداشت کرنے سے قاصر ہیں ان حوادث سے آگاہ ہونے کا ایک منبع خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان چیزوں کے بارے میں خبر دینا تھا اسلامی محدثین نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک قول نقل کیا ہے کہ آپ نے علی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے:

یاعلی تقاتل الناکثین والقاسطین والمارقین[2]

اے علی تم عہد و پیمان توڑنے والوں، ظالموں اور دین سے منحرف ہونے والوں کے ساتھ جنگ کروگے۔

یہ حدیث مختلف طریقوں سے حدیث وتاریخ کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے مگر سب کا مفہوم ایک ہے، ان جنگوں کی تفصیل پہلے بیان ہوچکی ہے۔

صرف حضرت علی علیہ السلام ہی ان جان لیوا اور تاسف بار حادثوں سے آگاہ نہ تھے بلکہ ناکثین کے سرداروں (جسے تاریخ اصحاب جمل کے نام سے جانتی ہے) نے بھی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے اور حضرت علی علیہ السلام کے درمیان جنگ ہونے کے متعلق سنا تھا اور پیغمبر نے زبیر اور عائشہ کو اس سلسلے میں بہت سخت تاکید کی تھی، لیکن افسوس کہ باطل حکومت سے محبت کی وجہ سے یہ مادی اموال پر فریفتہ ہوگیا اور دنیا کی لالچ میں اس طرح ضم ہوگیا کہ واپسی کی کوئی امید باقی نہ رہی اور وہ راستہ اختیار کیا جس میں گناہ اور خدا کا غضب تھا۔ جنگ جمل کے حادثہ کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کو مناسب موقع پر پیش کریں گے۔

بہت زیادہ تعجب کا مقام ہے کہ اسلام کے پروان چڑھنے کے دوران اور اس وقت جب کہ حق اپنے محور پر واپس آگیا اور حکومت کی باگ ڈور ایسے شخص کے ہاتھوں میں آگئی جسے ابتداء خلقت ہی میں پیشوائی ورہبری کے لئے منتخب کیا گیا تھا اور اس بات کی امید تھی کہ اس زمانے میں اسلامی زندگی میں عظیم معنوی اور مادی ترقی مسلمانوں کو نصیب ہوگی اور اسلامی حکومت مکمل طور پر امام کے ہاتھوں میں دوبارہ واپس آجائے تاکہ آپ کی حکومت آئندہ کے لئے بہترین نمونہ عمل ہو سکے۔ ایک گروہ امام کی مخالفت کے لئے آمادہ ہوا اور علم جنگ امام کے خلاف بلند کیا۔ امام نے اپنے ایک خطبہ میں اس سلوک پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

فَلَمَّا نَهَضْتُ بِالْاَمْرِ نَكَثَتْ طَائِفَةٌ وَمَرَقَتْ اُخْرىٰ وَقَسَطَ آخَرُوْنَ. كَاَنَّهُمْ لَمْ يَسْمَعُوا كَلاَمَ اللهِ حَيْثُ يَقُوْلُ: تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُواً فِي الْاَرْضِ وَلَا فِسَاداً وَ الْعَاقِبَةُ

[1] تاریخ طبری، ج۳، ص۱۵٦۔

[2] مستدرک الوسائل، ج۳، ص۱٤۰۔

لِلْمُتَّقِيْنَ۔ [1]

جب تمام امور کو میں نے اپنے ہاتھوں میں لیا اس وقت کچھ لوگوں نے میری بیعت سے منہ موڑ لیا اور کچھ گروہ قوانین الٰہی سے خارج ہو گئے اور بعض گروہ حق کی راہ سے دور ہو گئے ایسا لگتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا کے کلام کو نہیں سنا کہ ارشاد قدرت ہے کہ آخرت ان لوگوں کے لئے ہمیشگی کا گھر ہے جو سرکش نہ ہوں اور زمین پر فساد برپا نہ کریں۔ جی ہاں، خدا کی قسم۔ ان لوگوں نے خدا کے کلام کو سنا اور انہیں یاد بھی تھا لیکن ان کی آنکھوں میں دنیا کی چمک دمک سما گئی تھی اور اس کی چمک نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا۔

بچہ گانہ عذر

عہد و پیمان توڑنے والا گروہ یعنی طلحہ و زبیر اور ان کے چاہنے والوں نے باوجود اس کے کہ امام کے ہاتھوں پر دن کے اجالے میں بیعت کیا تھا، اور مہاجرین و انصار اور لوگوں کے ہجوم نے انہیں بیعت کے لئے آمادہ کیا تھا۔ اور جب مخالفت کا پرچم بلند کیا تو اس بات کا دعویٰ کرنے لگے کہ ہم نے زبانی اور ظاہری طور پر بیعت کی تھی اور دل کی گہرائیوں سے علی کی حکومت کو قبول نہیں کیا تھا۔

امام اپنی ایک تقریر میں ان کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَقَدْ أَقَرَّ بِالْبَيْعَةِ وَادَّعَى الْوَلِيجَةَ فَلْيَأْتِ عَلَيْهَا بِأَمْرٍ يُعْرَفُ وَإِلَّا فَلْيَدْخُلْ فِيمَا خَرَجَ مِنْهُ۔ [2]

انہوں نے خود اپنی بیعت کا اعتراف کیا لیکن اب ان کا دعویٰ ہے کہ باطنی طور پر ہم اس کے مخالف تھے وہ لوگ اس بات پر شاہد و گواہ پیش کریں یا یہ کہ اپنی بیعت پر باقی رہیں۔

نفاق ومنافقت

طلحہ و زبیر امام کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہم نے آپ کی بیعت اسلئے کی کہ آپ کی رہبری میں شریک رہیں۔ امام نے ان کی شرط کو جھوٹی قرار دیا اور کہا تم لوگوں نے میری بیعت کی تا کہ مشکل کے وقت میری مدد کرو۔ [3]

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب خلفائے میں امام اور ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو نقل کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف رخ کر کے کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ ہم نے کس بنیاد پر آپ کی بیعت کی ہے؟

امام نے فرمایا: ہاں میں جانتا ہوں، تم نے ہماری اطاعت کی وجہ سے بیعت کی ہے اسی طرح جس طرح تم نے

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ٤۔

[2] نہج البلاغہ کلمات قصار شمارہ ١٩٨۔

[3] نہج البلاغہ خطبہ ٨۔

ابوبکر وعمر کی اطاعت کے لئے بیعت کیا تھا۔

زبیر کو یہ گمان تھا کہ امام عراق کی حاکمیت کو اس کے حوالے کر دیں گے اور اسی طرح طلحہ یہ سوچ رہا تھا کہ یمن کی حکومت اس کے حوالے کر دیں گے [1] لیکن بیت المال تقسیم کرنے کی روش اور دوسرے اسلامی شہروں کی رہبری اور مسلمانوں کے امور کے لئے دوسرے افراد کو بھیجنے کی وجہ سے ان کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں، لہٰذا ارادہ کر لیا کہ مدینہ سے بھاگ جائیں اور امام کی مخالفت کرنا شروع کر دیں۔

مدینہ چھوڑنے سے پہلے زبیر نے قریش کے عمومی مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کیا ہماری یہی سزا ہے؟

ہم نے عثمان کے خلاف قیام کیا اور اس کے قتل کا زمینہ فراہم کیا جب کہ علی گھر میں بیٹھے تھے اور جب حکومت کی ذمہ داری قبول کی تو کام کی ذمہ داری دوسروں کو سونپ دی۔ [2]

ناکثین کے قیام کرنے کی علت

جب طلحہ وزبیر امام کی حکومت میں کسی بھی شہر میں منصوب نہ ہوئے اور اس سے مایوس و ناامید ہوئے اور دوسری طرف معاویہ کی جانب سے دونوں کے پاس ایک ہی مضمون کا خط پہنچا جس میں اس نے ان دونوں کو امیر المومنین کے خطاب سے نوازا تھا اور لکھا تھا کہ شام کے لوگوں سے تم لوگوں کے لئے بیعت لے لی ہے اور تم لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو کوفہ و بصرہ شہر پر قبضہ کر لو، اس سے پہلے کہ ابوطالب کا لال ان دونوں پر مسلط ہو اور ہر جگہ ان لوگوں کا نعرہ یہ ہو کہ ہم لوگ عثمان کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں اور لوگوں کو اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے دعوت کر دیں۔

یہ دونوں سادہ لوح صحابی معاویہ کا خط پڑھ کر دھوکہ کھا گئے اور چاہا کہ مدینہ سے مکہ جائیں اور وہاں لوگوں کو تربیت دیں اور انہیں جنگ کے لئے آمادہ کریں۔ وہ لوگ معاویہ کے امور کو اجراء کرنے کے لئے امام کے پاس گئے اور کہا: آپ نے عثمان کی ستمگری کو ولایت وحکومت جیسے امور میں مشاہدہ کیا ہے اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ اس کی نگاہ میں بنی امیہ کے علاوہ کسی کی کوئی اہمیت نہ تھی، اب جب کہ خدا نے آپ کو منصب خلافت پر فائز کیا ہے ہم لوگوں کو کوفہ و بصرہ کا حاکم معین کیجئے۔ امام نے فرمایا: جو کچھ خدا نے تمہیں عطا کیا ہے اس پر راضی رہو تا کہ میں اس موضوع کے متعلق فکر کروں، یہ بات جان لو کہ میں ان لوگوں کو حکومت کے لئے منتخب کروں گا جن کے دین اور امانت پر مجھے اطمینان اور ان کی طینت سے واقف ہوں گا۔

دونوں یہ کلام سن کر پہلے سے بھی زیادہ مایوس ہو گئے امام نے ان کا امتحان لیا ان دونوں کو معلوم ہو گیا کہ آپ ان دونوں پر اعتماد نہیں رکھتے لہٰذا ان دونوں نے بات کو بدلتے ہوئے کہا کہ آپ اجازت دیجئے کہ ہم عمرہ کرنے کے لئے مدینہ

---

[1] تاریخ خلفاء طبع مصر، ج۱ص۴۹۔

[2] تاریخ خلفاء طبع مصر ج۱ص۴۹۔

سے مکہ جائیں۔ امام نے فرمایا عمرہ کی آڑ میں تمہارا ہدف کچھ اور ہے ان لوگوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ عمرہ کے علاوہ ہمارا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔

امام نے فرمایا: تم لوگ دھوکہ اور بیعت توڑنے کی فکر میں ہو، ان لوگوں نے پھر قسم کھائی اور دوبارہ امام کی بیعت کی جب وہ دونوں امام کے گھر سے نکلے تو امام نے حاضرین جلسہ سے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ دونوں فتنہ کی وجہ سے قتل ہوں گے ان میں سے بعض لوگوں نے کہا انہیں سفر پر جانے سے منع کر دیجئے امام نے کہا قسمت کا لکھا اور خدا کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

دونوں علی کے گھر سے نکل کر قریش کے پاس آئے اور ان لوگوں سے کہا یہ ہم لوگوں کا اجر تھا جو علی نے ہمیں دیا ہے ہم نے عثمان کے خلاف قیام کیا اور اس کے قتل کا زمینہ فراہم کیا جب کہ علی اپنے گھر میں بیٹھے تھے اور اب جب منصب خلافت پر بیٹھ گئے تو دوسروں کو ہم لوگوں پر ترجیح دے رہے ہیں۔

اگر چہ طلحہ وزبیر نے امام کے گھر میں شدید قسمیں کھائی تھیں لیکن مدینہ سے نکلنے کے بعد مکہ کے راستے میں جس سے بھی ملاقات ہوئی حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں پر بیعت کرنے سے انکار کیا۔[1]

عائشہ کا مدینہ کے آدھے راستے سے مکہ واپس جانا

اس کے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب عراقی اور مصری انقلابیوں کی طرف سے عثمان کے گھر کا محاصرہ ہوا تو عائشہ مدینہ سے حج کرنے مکہ چلی گئیں اور مکہ ہی میں تھیں کہ عثمان کے قتل ہونے کی خبر سنی لیکن اس بات کی خبر نہ ملی کہ عثمان کے قتل کے بعد خلافت کسے ملی، اسی وجہ سے ارادہ کیا کہ مکہ چھوڑ کر مدینہ کا سفر کریں۔ مکہ سے واپس آتے وقت سرف نامی مقام پر ایک شخص سے جس کا نام ام ابن کلاب تھا ملاقات ہوئی تو اس سے مدینہ کے حالات معلوم کئے اس نے کہا، ۸ دن تک خلیفہ کا گھر محاصرہ میں تھا اور پھر انہیں قتل کر دیا گیا پھر لوگوں نے چند دن کے بعد علی کے ہاتھ پر بیعت کی۔

جب عائشہ نے سنا کہ مہاجرین وانصار دونوں نے علی کے ہاتھ پر بیعت کی ہے تو انہیں سخت تعجب ہوا اور کہا: اے کاش آسمان میرے سر پر گر جاتا، پھر انہوں نے حکم دیا کہ میری سواری کو مکہ کی طرف موڑ دو جب کہ عثمان کے متعلق انہوں نے اپنے نظریہ کو بدل دیا تھا انہوں نے کہا خدا کی قسم، عثمان مظلوم قتل کیا گیا ہے اور میں اس کے قاتلوں سے ضرور انتقام لوں گی۔

خبر دینے والا شخص عائشہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ آپ وہ پہلی فرد تھیں جس نے لوگوں سے کہا تھا کہ عثمان کافر ہو گیا ہے اور اس کی شکل وصورت یہودی کی طرح ہے اسے ضرور قتل کر دیا جائے۔ اب کیا ہو گیا ہے کہ اپنے پہلے نظریہ کو بدل دیا؟

---

[1] تاریخ طبری ج۳ ص ۱۶۳؛ الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص ۴۹؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱ ص ۲۳۲۔۲۳۱۔

انہوں نے ایسا جواب دیا گویا کوئی تاریکی میں تیر رہا کریں،عثمان کے قاتلوں نے پہلے اس سے توبہ کرائی پھرا سے قتل کیااور عثمان کے بارے میں سبھی نے کچھ نہ کچھ کہااور ہم نے بھی کہالیکن میرا یہ آخری کلام میرے پہلے کلام سے بہتر ہے۔

ابن کلاب نے عائشہ کے اس رویہ کو دیکھ کراشعار کہے جن میں سے کچھ اشعار کا ترجمہ پیش کرر ہے ہیں:

تم نے خلیفہ کے قتل کا حکم دیااور پھر ہم سے کہا کہ وہ خدا کے دین سے خارج ہوگیا ہے، یہ بات حقیقت ہے کہ ہم نے اسے قتل کرنے میں تمہارے حکم کی پیروی کی ہے اس وجہ سے ہمارے نزدیک اس کا قاتل وہ شخص ہے جس نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے(گویا قاتل خود عائشہ ہیں)۔

عائشہ مسجد الحرام کے سامنے اپنی سواری سے اتریں اور حجر اسماعیل کے پاس گئیں اور وہاں ایک پردہ لٹکایا۔لوگ ان کے اردگرد جمع ہو گئے اور انہوں نے لوگوں سے خطاب کیا کہ اے لوگو عثمان کو ناحق قتل کیا گیا ہے اور میں اس کے خون کا بدلہ لوں گی۔[1]

امام کے مخالفوں کا مرکز

عثمان کے قتل اورامام کی بیعت کے بعد مکہ کی سرزمین حضرت علی علیہ السلام کے مخالفوں کا مرکز شمار ہونے لگی اور جولوگ علی کے مخالف تھے وہ ان کے فیصلوں سے بہت خوفزدہ تھے خاص کر عثمان کے معین کردہ حاکم وغیرہ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ امام ان لوگوں کوان کے مقام سے معزول کرر ہے ہیں اور جوان لوگوں نے خیانتیں کی ہیں ان کی وجہ سے انہیں اپنی عدالت میں طلب کرر ہے ہیں۔سب کے سب حرم کی حرمت کا خیال کرتے ہوئے مکہ میں پناہ لئے ہوئے تھے اور جنگ جمل کا نقشہ تیار کرنے میں مشغول ہو گئے تھے۔

جنگ جمل کے اخراجات

جنگ جمل کے خرچ کو عثمان کے حاکموں نے دیا تھا جسے انہوں نے عثمان کی حکومت کے زمانے میں بیت المال کو غارت کر کے بہت زیادہ مال وثروت جمع کرلیا تھا اور ان لوگوں کا ہدف یہ تھا کہ علی کی تازہ اور جوان حکومت کو سرنگوں کردیں تاکہ پھر گذشتہ کی طرح حالات پیدا ہو جائیں۔

جن لوگوں نے جنگ جمل کے سنگین خرچ کو برداشت کیا تھا ان میں سے کچھ لوگوں کے نام یہ ہیں:

۱:عبداللہ بن ابی ربیعہ،صنعا(یمن کے ایک شہر کا نام) کا حاکم جو عثمان کی طرف سے منصوب تھا،وہ صنعا سے عثمان کی مدد کرنے کے لئے نکلا اور جب آدھے راستے میں اسے عثمان کے قتل کی خبر ملی تو وہ مکہ چلا گیا اور جب اس نے سنا کہ عائشہ عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے لوگوں کو دعوت دے رہی ہیں تو مسجد میں داخل ہوا اور تخت پر بیٹھ گیا اور بلند آواز سے کہا جو

[1] تاریخ طبری،ج۳،ص۱۷۲۔

شخص بھی عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اس جنگ میں شرکت کرنا چاہتا ہے میں اس کے خرچ کو برداشت کروں گا اس طرح اس نے بہت زیادہ لوگوں کو جنگ میں جانے کے لئے جمع کرلیا۔

۲: یعلی بن امیہ، عثمان کی فوج کا ایک سردار، اس نے عبداللہ کی پیروی کرتے ہوئے اس راہ میں بہت زیادہ مال خرچ کیا اس نے چھ سو اونٹ خریدے [۱] اور مکہ کے باہر جنگ پر جانے کے لئے آمادہ کیے اور ایک گروہ کو اس پر سوار کیا اور دس ہزار دینار ان لوگوں کو دیئے۔

جب امام یعلی کے اس خرچ و بخشش سے آگاہ ہوئے تو فرمایا: امیہ کے بیٹے کے پاس دس ہزار دینار کہاں سے آئے؟ سوائے اس کے کہ اس نے بیت المال سے چوری کیا ہو؟ خدا کی قسم اگر وہ اور ابی ربیعہ کا بیٹا مجھے مل جائے تو اس کی ساری دولت جمع کر کے بیت المال میں واپس ڈال دوں گا۔ [۲]

۳: عبداللہ بن عامر، بصرہ کا حاکم، بہت زیادہ مال و دولت لے کر بصرہ سے مکہ بھاگ گیا تھا یہ وہی شخص ہے جس نے بصرہ پر قبضہ کرنے کا نقشہ تیار کیا تھا اور طلحہ و زبیر اور عائشہ کو اس شہر پر قبضہ کرنے کی ترغیب دلائی تھی۔ [۳]

مکہ میں عثمان کے بھاگے ہوئے تمام گورنر ایک جگہ جمع ہو گئے اور عبداللہ بن عمر اور اس کا بھائی عبید اللہ اور اسی طرح مروان بن حکم اور عثمان کے بیٹے اس کے غلام اور بنی امیہ کے کچھ گروہ بھی ان لوگوں سے ملحق ہو گئے۔ [۴]

ان سب باتوں کے باوجود، اس گروہ کی دعوت پر (جب کہ انہیں سبھی پہچانتے تھے) مکہ اور مکہ کے راستوں میں سے کسی نے بھی امام کی مخالفت کا اظہار نہیں کیا۔ اس وجہ سے یہ لوگ مجبور ہو گئے کہ اس فوج کے ساتھ جو عثمان کے دور حکومت کے معزول گورنروں اور بنی امیہ کے خرچ پر بنائی گئی تھی، ایک معنوی سہارا بھی ہو، لہٰذا یہی وجہ ہے کہ وہ اعرابی جو اس راستے میں زندگی بسر کر رہے تھے ان کے دینی احساسات کو برانگیختہ کرنے کے لئے عائشہ اور حفصہ کو دعوت دی تا کہ اس گروہ کی معنوی رہبری کی ذمہ داری لیں اور لوگوں کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہو جائیں۔

یہ بات صحیح ہے کہ عائشہ نے مکہ میں قدم رکھتے ہی علی علیہ السلام کے خلاف آواز بلند کی تھی لیکن ہرگز اپنے نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی نقشہ تیار نہیں کیا تھا۔ اور ہرگز ان کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ فوج کی رہبری کریں گی اور بصرہ جائیں گی، لہٰذا جب زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو (جو عائشہ کا بھانجا تھا) عائشہ کے گھر بھیجا تا کہ عائشہ کو جنگ کے لئے اور بصرہ جانے کے لئے آمادہ کرے تو انہوں نے عبداللہ کا جواب دیتے ہوئے کہا: میں نے ہرگز لوگوں کو جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا میں

---

[۱] تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۶۶۔

[۲] الجمل ص ۱۲۴۔ ۱۲۳؛ بناء بر نقل ابن قتیبہ (خلفاء ص ۵۶) اس نے ۶۰ ہزار دینار زبیر اور ۴۰ ہزار دینار طلحہ کو دیا تھا۔

[۳] الجمل ص ۱۲۱۔

[۴] الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱، ص ۵۵؛ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۶۶۔

مکہ صرف اس لئے آئی تھی کہ لوگوں کو یہ اطلاع دوں کہ ان لوگوں کا امام کس طرح مارا گیا ہے اور ایک گروہ نے خلیفہ سے توبہ کرایا پھر اسے قتل کر دیا تا کہ لوگ اس کے خلاف قیام کریں ان لوگوں نے خلیفہ پر حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا اور بغیر کسی رائے مشورے کے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی۔عبد اللہ نے کہا: اس وقت جب تمہارا نظریہ علی اور عثمان کے قاتلوں کے بارے میں یہ ہے تو پھر کیوں علی کی مخالفت میں مدد اور کمک کرنے کے لئے یہاں بیٹھی ہو؟ جب کہ مسلمانوں کے بعض گروہوں نے علی کی مخالفت میں جنگ کرنے کا اعلان کر دیا ہے عائشہ نے جواب دیا: تھوڑی دیر صبر کرو تا کہ میں اس مسئلے میں تھوڑا سا غور وفکر کروں۔عبداللہ نے ان کی باتوں سے اس کی رضایت کا احساس کیا۔لہٰذا جب اپنے گھر واپس آیا تو زبیر اور طلحہ سے کہا کہ ام المومنین نے ہماری درخواست کو قبول کر لیا ہے اور اپنی بات کو مستحکم کرنے کے لئے دوسرے دن پھر عائشہ کے پاس گیا اور انہیں مکمل اور قطعی طور پر راضی کر کے واپس آ گیا اور اس بات کے اعلان کے لئے ایک منادی سے مسجد اور بازار میں طلحہ وزبیر کے ساتھ عائشہ کی روانگی کا اعلان کرا دیا۔اور اس طرح سے علی کی مخالفت میں قیام اور بصرہ پر قبضہ کرنے کا خیال قطعی اور یقینی ہو گیا۔[1]

طبری نے مکہ سے خارج ہونے والوں کی ندا کی عبارت کو اس طرح نقل کیا ہے:

خبردار ہو جاؤ کہ ام المومنین (عائشہ) اور طلحہ وزبیر بصرہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں جو شخص بھی چاہتا ہے کہ اسلام کو عزیز رکھے اور ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے مسلمانوں کے خون کو حلال سمجھا ہے جنگ کرے، اور وہ شخص جو یہ چاہتا ہے کہ عثمان کے خون کا بدلہ لے وہ اس گروہ کے ساتھ چلنے کو تیار ہو جائے۔اور جس شخص کے پاس سواری اور سفر کے اخراجات نہیں ہیں تو ان کی سواری اور سفر کا خرچ ہمارے پاس ہے۔[2]

سیاست کے کھلاڑی دینی الفت وعطوفت کو برانگیختہ کرنے کے لئے پیغمبر کی دوسری بیوی حفصہ کے پاس گئے، انہوں نے کہا: ہم عائشہ کے پیرو ہیں۔جب وہ سفر کے لئے آمادہ ہیں تو میں بھی ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں، لیکن جب وہ جانے کے لئے تیار ہوئیں تو ان کے بھائی عبد اللہ نے انہیں روک دیا اور حفصہ نے عائشہ کے پاس پیغام بھیجا کہ، میرے بھائی نے تمہارے ساتھ جانے سے مجھے روک دیا ہے۔

---

[1] الجمل، ص ۱۲۳۔

[2] تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۶۷۔

ساتویں فصل

ناکثین کی گرفتاری کے لئے امام کا خاکہ

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں سب سے پہلے جس کام کو انجام دیا وہ یہ تھا کہ اسلامی معاشرے کو ایسے خودغرض حاکموں سے پاک کردیں جومسلمانوں کے بیت المال کو اپنی جاگیر سمجھ بیٹھے ہیں بیت المال کے اہم حصہ کوخزانہ کے طور پر اپنے پاس ذخیرہ کرلیا ہے اور دوسرے حصہ کو اپنے شخصی امور میں خرچ کرتے ہیں اور ہرشخص اپنے اپنے شہروں اورعلاقوں میں خودمختار و آزاد حاکم بنا بیٹھا ہے اور غارتگری کرتا ہے ان میں سب کا سردار ابوسفیان کا بیٹا معاویہ ہے جو خلیفۂ دوم کے زمانے سے اس بہانہ سے کہ وہ قیصر کا پڑوسی ہے قیصری محلوں میں ناز ونعمت میں غرق تھا اور جوبھی اس کے خلاف کچھ کہتا اسے فوراً جلاوطن یا ختم کردیا جاتا تھا۔

جب شام کے خودغرض حاکم کی سرکشی کی خبر امام کوملی تو آپ نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ چاہا کہ معاویہ کی سرکشی کا پوری طرح سے جواب دیں، ابھی اسی فکر میں تھے کہ اچانک حارث بن عبدالمطلب کی بیٹی ام الفضل کا خط ایک معتبر قاصد کے ہمراہ امام کے پاس پہنچا اور امام کوخبر دی کہ طلحہ وزبیر نے آپ کی بیعت توڑدی اور وہ لوگ بصرہ کی طرف روانہ ہوگئے ہیں۔[1]

خط ملنے کے بعد امام کا ارادہ بدل گیا اور یہ خط سبب بنا کہ امام جس گروہ کولیکر شام جانا چاہتے تھے اسے بصرہ لے جائیں تاکہ عہد و پیمان توڑنے والوں کو درمیان راہ ہی گرفتار کرلیں اور فتنہ کو جڑ سے ختم کردیں، اس وجہ سے عباس کے ایک بیٹے تمام کو مدینہ کا حاکم اور دوسرے بیٹے قثم کو مکہ کا حاکم معین کیا۔[2] اور سات سو آدمیوں[3] فداکاروں کو مدینہ سے بصرہ کی طرف روانہ کیا جب ربذہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ عہد و پیمان توڑنے والوں نے پہلے ہی اپنی گرفتاری کا احتمال پیش کیا تھا اور پہچان کے لہٰذا کچھ راستہ جاننے والوں کے ساتھ انجان راستوں سے بصرہ کی طرف چلے گئے۔[4]

اگر امام کو ان لوگوں کے بصرہ جانے کی خبر پہلے ملی ہوتی تو درمیان راہ سے ہی انہیں گرفتار کرلیتے اور ان کو گرفتار کرنا

---

[1] تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۶۷، طبع مصر۔

[2] تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۶۹، طبع مصر۔

[3] الامامۃ والسیاسۃ، ص ۵۱، بناء برنقل طبری، ج ۵، ص ۱۶۹ ان کی تعداد ۹ سوافراد پر مشتمل تھی۔

[4] تاریخ طبری، ج ۵، ص ۱۶۹۔

بہت آسان تھا اور پھر ان سے مقابلے کی نوبت نہیں آتی، کیونکہ زبیر کا اتحاد طلحہ کے ساتھ ظاہری اتحاد تھا ان میں سے ہر ایک کی آرزو یہی تھی کہ حکومت خود سنبھالے، اور دوسرے کو اس سے بے دخل کر دے ان دونوں کے اندر اس قدر نفاق تھا کہ مکہ سے روانہ ہوتے وقت دونوں کے درمیان اختلاف ظاہر ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ بصرہ جاتے وقت نماز کی امامت کے لئے دونوں میں اختلاف ہوا اور دونوں یہی چاہتے تھے کہ امامت کی ذمہ داری خود اس کے ذمے ہو اور اسی اختلاف کی وجہ سے عائشہ کے حکم سے دونوں جماعت کی امامت سے محروم ہو گئے اور امامت کی ذمہ داری زبیر کے بیٹے عبداللہ کو مل گئی۔ معاذ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر یہ دونوں علی پر کامیابی حاصل کر لیتے تو خلافت کے مسئلے میں کبھی بھی متحد نہیں ہوتے۔[1]

امام کے بعض ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ طلحہ وزبیر کا پیچھا نہ کریں لیکن امام نے ان کی باتوں پر توجہ نہ دی۔ علی علیہ السلام نے اس وقت ایک خطبہ دیا جسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

وَ اللّٰهِ لَا اَكُوْنُ كَالضَّبُعِ تَنَامُ عَلٰى طُوْلِ اللَّدَمِ حَتّٰى يَصِلُ اِلَيْهَا طَالِبُهَا وَ يَخْتِلُهَا رَاصِدُهَا۔ وَ لٰكِنِّي اَضْرِبُ بِالْمُقْبِلِ اِلَى الْحَقِّ الْمُدْبِرِ عَنْهُ وَ بِالسَّامِعِ الْمُطِيْعِ الْعَاصِيَ الْمُرِيْبَ أَبَداً حَتّٰى يَأْتِيَ عَلَيَّ يَوْمِي[2]

خدا کی قسم، اب میں اس بجو کی طرح (خاموش) نہ بیٹھوں گا جو مسلسل تھپتھپایا جاتا ہے کہ وہ سو جائے تاکہ اس کا طلب گار پہنچ جائے اور دھوکہ دیکر اچانک اس پر قابو پالے، بلکہ میں حق کی طرف بڑھنے والوں اور میری آواز سن کر اطاعت کرنے والوں کو ساتھ لیکر حق سے پیٹھ پھیرنے والے نافرمانوں پر جو شک میں مبتلا ہیں ان پر ہمیشہ اپنی تلوار چلاتا رہوں گا یہاں تک کہ میری موت کا دن آجائے۔

علی نے اپنے اس کلام سے اپنے پروگرام کا اعلان کر دیا اور سرکشوں باغیوں کے مقابلے میں خاموش نہ رہنے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کی کامیابی کے لئے دوبارہ اپنی فوج بنانے کا سوچنے لگے۔

فوج کو دوبارہ جمع کرنا

امام کو جب ناکثین کے فرار ہونے کی خبر ملی تو آپ نے ارادہ کیا کہ بصرہ تک ان کا پیچھا کریں لیکن، جو گروہ امام کے ہمراہ تھا اس کی تعداد سات سو یا نو سو سے زیادہ نہ تھی اگرچہ اس میں اکثر ربذہ کے مہاجرین و انصار کے بہادر سپاہی تھے جس میں سے بعض نے جنگ بدر میں بھی شرکت کی تھی لیکن یہ تعداد اس گروہ کے مقابلے کے لئے جو جنگ کرنے کے لئے آمادہ کیا گیا تھا اس کے علاوہ اطراف کے قبائل کو بھی ملایا گیا تھا، بہت کم تھی، یہی وجہ تھی کہ امام نے چاہا کہ اپنی فوج کو دوبارہ جمع

---

[1] تاریخ طبری، ج۵، ص۱۶۹۔

[2] نہج البلاغہ، خطبہ ۶۔

کریں اور وہ قبائل جو اطراف میں رہ رہے تھے اور امام کے مطیع و فرمابردار تھے ان سے مدد لیں۔ اسی لئے عدی بن حاتم خود اپنے قبیلے (طیّ) گئے اور ان لوگوں کو پیمان شکنوں کی نافرمانی اور علی علیہ السلام کی روانگی کی خبر دی اور قبیلے کے سرداروں کی بزم میں یہ کہا:

اے قبیلۂ طیّ کے بزرگو! تم لوگوں نے پیغمبر کے زمانے میں ان کے ساتھ جنگ کرنے سے پرہیز کیا اور خدا اور اس کے پیغمبر کی واقعۂ مرتدان میں مدد کی، آگاہ ہو جاؤ کہ علی تمہارے پاس آنے والے ہیں، تم نے جاہلیت کے دور میں دنیا کے لئے جنگ کیا اور اب اسلام کے دور میں آخرت کے لئے جنگ کرو، اگر دنیا چاہتے ہو تو خدا کے پاس بہت زیادہ مال غنیمت ہے، میں تم لوگوں کو دنیا و آخرت کی دعوت دیتا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر میں علی علیہ السلام اور اسلام کے بزرگ مجاہدین، مہاجر و انصار جنگ بدر میں شرکت کرنے والے اور شرکت نہ کرنے والے تمہاری طرف والے ہیں، تاخیر نہ کرو جلدی سے اٹھ جاؤ اور امام کے استقبال کے لئے جلدی دوڑ پڑو۔

عدی کی تقریر نے لوگوں میں ایک عجیب شور و ہیجان پیدا کر دیا اور ہر طرف سے لبیک لبیک کی صدا بلند ہونے لگی اور سب نے امام کی نصرت و مدد کرنے کے لئے اپنی آمادگی کا اعلان کر دیا، جب امام ان کے پاس پہنچے تو ایک ضعیف شخص حضرت کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے اس طرح سے آپ کو خوش آمدید کہا:

مرحبا اے امیر المومنین! خدا کی قسم۔ اگر ہم آپ کی بیعت نہ بھی کرتے جب بھی آپ کو پیغمبر کا عزیز اور آپ کے روشن و منور ماضی کی وجہ سے آپ کی مدد کرتے، آپ جنگ کرنے کے لئے نکلیں اور قبیلۂ طی کے تمام افراد آپ کے ہمراہ ہیں اور ان میں سے کوئی بھی شخص آپ کی فوج میں شامل ہونے سے دریغ نہیں کرے گا۔

عدی کی محنتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبیلۂ طی کے افراد امام کی فوج سے ملحق ہو گئے اور آپ کی فوج نے دوبارہ ایک بڑے لشکر کی شکل اختیار کر لی۔

قبیلۂ طیّ کے نزدیک ہی قبیلۂ بنی اسد رہ رہا تھا اس قبیلہ کا ایک سردار جس کا نام زفر تھا اور مدینہ میں امام کا ملازم تھا اس نے امام سے اجازت لی تاکہ وہ بھی اپنے قبیلے میں جائے اور لوگوں کو امامؑ کی نصرت کے لئے آمادہ کرے، اس نے اپنے قبیلے کے لوگوں سے گفتگو کی اور کامیاب ہو گیا اور ایک گروہ کو امام کی نصرت کے لئے تیار کر لیا اور اپنے ساتھ امام کے لشکر میں لایا، لیکن زفر کی محنتوں کا نتیجہ کامیابی کے اعتبار سے عدی کی طرح نہ تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ عدی اپنے گھرانے اور اپنے باپ حاتم کے جود و سخاوت کی وجہ سے اپنی قوم میں بہت زیادہ مشہور اور محترم جانا جاتا تھا جب کہ زفر کی شخصیت ایسی نہ تھی، اس کے علاوہ قبیلۂ طی کے لوگوں نے حادثۂ مرتدان میں اپنے محکم عقیدے اور اسلامی طور و طریقے کا خوب مظاہرہ کیا تھا۔ اور پیغمبر کی وفات کے بعد ان میں سے ایک بھی آدمی مرتد نہ ہوا، جب کہ قبیلۂ بنی اسد کے کافی لوگ مرتد ہو گئے تھے اور دوسری مرتبہ

قبیلۂ طی کی کوششوں سے وہ اسلام کی طرف واپس آئے تھے۔[1]

بصرہ کے راستے میں ناکثین کی سرگذشت

طلحہ وزبیر پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں میں سے تھے لیکن ان کی شخصیت وقدرت اتنی معروف نہ تھی کہ وہ تنہا مرکزی حکومت کے خلاف اقدام کرتے اور مکہ سے بصرہ تک سپاہیوں کی رہبری کرتے اگر رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی (عائشہ) ان کے ہمراہ نہ ہوتیں اور اگر امویوں کی بہت زیادہ دولتیں ان کے پاس نہ ہوتیں تو مکہ ہی میں انکی سازشیں ناکام اور ان کے ارادے خاک میں مل جاتے۔

جی ہاں، وہ عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے بہانے مکہ سے بصرہ کے لئے روانہ ہوئے تھے کہ

علی ہی ان کے قاتل ہیں یا قاتلوں کو رغبت دلائی تھی اور راستہ بھر یالثارات عثمان کا نعرہ لگا رہے تھے لیکن یہ نعرہ اتنا مضحکہ خیز تھا کہ خود عثمان کے قریبی ساتھی بھی سن کر ہنس رہے تھے ذیل کے دو واقعے اس بات پر شاہد وگواہ ہیں:

سعید بن عاص نے ذات عرق میں ناکثین کے قافلے جس کے سردار طلحہ وزبیر تھے سے ملاقات کیا۔سعید جو خود بنی امیہ کی آل سے تھا مروان کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہاں جارہے ہو؟ مروان نے جواب دیا: ہم عثمان کے خون کا بدلہ لینے جارہے ہیں۔سعید نے کہا: کیوں اتنی دور جارہے ہو، کیونکہ عثمان کے قاتل وہی لوگ ہیں جو تمہارے پیچھے پیچھے آرہے ہیں (یعنی طلحہ وزبیر)۔[2]

ابن قتیبہ نے اس واقعہ کو اور بھی زیادہ واضح لفظوں میں لکھا ہے، وہ لکھتا ہے:

جب طلحہ وزبیر اور عائشہ سرزمین ابوطاس پر خیبر کی طرف سے پہنچے، تو سعید بن عاص مغیرہ ابن شعبہ کے ساتھ کالے کمان کے ہمراہ عائشہ کے پاس گیا اور کہا: کہاں جارہی ہیں؟

انہوں نے کہا: بصرہ۔

سعید نے کہا: وہاں کیا کریں گی؟

اس نے کہا: عثمان کے خون کا بدلہ لوں گی۔

سعید نے کہا: اے ام المومنین! عثمان کے قاتل آپکی رکاب میں ہیں۔پھر وہ مروان کے پاس گیا اور یہی گفتگو اس سے بھی کی اور کہا کہ عثمان کے قاتل یہی طلحہ اور زبیر ہیں جو اس کو قتل کر کے حکومت اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتے تھے، لیکن چونکہ وہ اپنے مقصد تک نہیں پہنچ سکے ہیں اس لئے چاہتے ہیں کہ خون کو خون سے اور گناہ کو توبہ سے دھوڈالیں۔

---

[1] الامامة والسیاسة، ص ٥٤-٥٣۔

[2] تاریخ طبری، ج٣، ص ٤٧٢۔

مغیرہ بن شعبہ، حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد معاویہ کا داہنا بازو سمجھا جاتا تھا (جنگ جمل سے پہلے) ایک دن لوگوں کے مجمع میں گیا اور کہا: اے لوگو! اگر ام المومنین کے ہمراہ باہر نکلے ہو تو ان کے لئے نیک نتیجہ کی دعا کرو اور اگر عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے نکلے ہو تو عثمان کے قاتل یہی تمہارے سردار ہیں۔ اور اگر علی پر تنقید و اعتراض کے لئے نکلے ہو تو ان پر تم نے کیا اعتراض کیا ہے تم لوگوں کو خدا کا واسطہ، تم

لوگوں نے جو ایک سال سے دو فتنے (عثمان کا قتل اور علی کے ساتھ جنگ) پیدا کر رکھے ہیں ان سے پرہیز کرو۔ لیکن سعید و مغیرہ میں سے کسی کا کلام بھی ان پر مؤثر نہ ہوا، لہٰذا سعید یمن کی طرف اور مغیرہ طائف کی طرف چلا گیا اور دونوں میں سے کسی نے بھی جنگ جمل اور صفین میں شرکت نہیں کی۔

تیز تیز قدم بڑھانا

طلحہ و زبیر نے امام کی گرفتاری سے بچنے کے لئے مکہ اور بصرہ کے درمیان کے راستے کو بہت تیزی سے طے کرتے تھے اسی وجہ سے تیز رفتار اونٹ کی تلاش میں تھے تاکہ جتنی جلد ہو عائشہ کو بصرہ پہنچا دیں۔ درمیان راہ قبیلۂ عرینہ کے ایک عرب کو دیکھا جو ایک تیز رفتار اونٹ (نر اونٹ) پر سوار ہے اس سے کہا کہ تم اپنا اونٹ بیچ دو اس نے اونٹ کی قیمت ایک ہزار درہم بتائی۔ خریدنے والے نے اعتراض کیا اور کہا کہ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ کہاں ایک اونٹ کی قیمت ایک ہزار درہم ہے؟ اونٹ کے مالک نے کہا: تم اس کے کمالات سے باخبر نہیں ہو کوئی بھی اونٹ تیز چلنے میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ خریدنے والے نے کہا: اگر تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ کس کے لئے یہ اونٹ خرید رہے ہیں تو تم بغیر درہم لئے ہی اسے ہدیہ کردو گے اس نے پوچھا: کس کے لئے خرید رہے ہو؟

اس نے کہا: ام المومنین عائشہ کے لئے۔

اونٹ کے مالک نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام میں بڑے ہی خلوص کے ساتھ اونٹ کو ہدیہ کردیا اور اس کے بدلے میں کوئی چیز نہ لی۔

خریدار اس سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے اسے اس جگہ پر لایا جہاں پر عائشہ کا قافلہ تھا اور اس اونٹ کے بدلے میں اسے ایک مادہ اونٹ اور چار سو یا چھ سو درہم دیا اور اس سے درخواست کی کہ اس بیابانی راستہ طے کرنے میں کچھ دور تک ہماری مدد کرے، اس نے ان کی درخواست کو قبول کیا۔

راہنما، جو اس سرزمین کے متعلق سب سے زیادہ معلومات رکھتا تھا وہ کہتا ہے کہ ہم جس آبادی اور کنویں کے پاس سے گزرتے تھے عائشہ اس کا نام پوچھا کرتی تھیں یہاں تک کہ جب ہم سرزمین حوأب سے گزرے تو کتوں کے بھونکنے کی آواز بلند ہوئی۔ ام المومنین نے عماری سے سر باہر نکالا اور پوچھا یہ کون سی جگہ ہے؟ میں نے کہا: یہ حوأب ہے عائشہ نے جیسے ہی

میری زبان سے حوأب کا نام سنا چیخ پڑیں اور فوراً اونٹ کے بازو کو تھپتھپا کر اسے بٹھا دیا اور کہا: خدا کی قسم، میں وہی عورت ہوں جو سرزمین حوأب سے گزر رہی ہے تو اور وہاں کے کتے اس کے اونٹ پر بھونک رہے ہیں، اس جملے کو تین مرتبہ دہرایا اور چیخ کر کہا مجھے واپس لے چلو۔ عائشہ کے رکنے کی وجہ سے قافلہ بھی ٹھہر گیا اور اونٹ کو بٹھا دیا گیا، لوگ چلنے کے لئے اصرار کرتے رہے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا اور عائشہ دوسرے دن بھی وہیں ٹھہری رہیں، بالآخر ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر نے آ کر کہا، جتنی جلدی ہو یہاں سے چلیئے کیونکہ علی ہمارا پیچھا کر رہے ہیں اور ممکن ہے کہ ہم لوگ گرفتار ہو جائیں۔[1]

طبری نے تعصب اور واقعہ پر پردہ ڈالتے ہوئے اس واقعے کو دوسرے انداز سے لکھا ہے لیکن ابن قتیبہ جو اس سے پہلے گزرا ہے (وفات ۲۷۶ ھ) اس نے لکھا ہے:

جس وقت ام المومنین سرزمین حوأب کے نام سے باخبر ہوئیں تو طلحہ کے بیٹے سے کہا: میں واپس جانا چاہتی ہوں کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کے درمیان جن میں میں بھی موجود تھی کہا تھا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے ایک عورت سرزمین حوأب سے گزر رہی ہے اور وہاں کے کتے اس پر بھونک رہے ہیں پھر میری طرف رخ کر کے کہا: حمیرا وہ عورت تم نہ ہونا اس وقت طلحہ کے بیٹے نے دوبارہ چلنے کے لئے اصرار کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا ان کے بھانجے عبداللہ ابن زبیر نے منافقانہ قسم کھائی کہ اس سرزمین کا نام حوأب نہیں ہے اور ہم پہلی ہی رات حوأب سے گزر چکے ہیں اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صحرا میں رہنے والے ایک گروہ کو لائے اور سب نے جھوٹی گواہی دی کہ یہ سرزمین حوأب نہیں ہے، اسلام کی تاریخ میں یہ پہلی جھوٹی گواہی ہے پھر قافلہ بصرہ کی جانب چلنے لگا اور پھر بصرہ کے نزدیک اس شہر پر قبضہ کرنے کے لئے روک دیا گیا، عثمان بن حنیف علی کی طرف سے وہاں کے حاکم تھے۔[2]

عہدو پیمان توڑنے والے بصرہ کے قریب:

جب ناکثین کا کاروان بصرہ کے قریب پہنچا تو قبیلۂ تمیم کے ایک شخص نے عائشہ سے درخواست کی کہ بصرہ میں داخل ہونے سے پہلے وہاں کے حاکم کو اپنے ہدف ومقصد سے آگاہ کر دیجیئے، اس وجہ سے عائشہ نے بصرہ کی اہم شخصیتوں کے نام خط لکھا اور خود حفیر نامی جگہ پر قیام کیا اور اپنے خط کے جواب کا انتظار کیا۔

ابن ابی الحدید، ابومخنف سے نقل کرتے ہیں کہ طلحہ اور زبیر نے بھی بصرہ کے حاکم عثمان بن حنیف کو خط لکھا اور ان سے درخواست کیا کہ دارالامارہ کو ان کے حوالے کر دیں۔ جب ان لوگوں کا خط عثمان بن حنیف کے پاس پہنچا تو انہوں نے احنف بن قیس کو بلایا اور اسے خط کے مضمون سے آگاہ کیا احنف نے بطور مشورہ کہا، ان لوگوں نے عثمان کے خون کا بدلہ لینے

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۹۷۵

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۹، ص ۳۱۲۔

کے لئے اقدام کیا ہے جب کہ خود انہی لوگوں نے عثمان کو قتل کیا ہے اور میری رائے تو یہی ہے کہ ان سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔تم حاکم ہو اور لوگ تمہارے حکم کو مانیں گے لہٰذا اس سے پہلے کہ وہ لوگ تمہاری طرف بڑھیں تم خود ان کی طرف جاؤ۔عثمان نے کہا: میرا بھی نظریہ یہی ہے لیکن میں امام کے حکم کا منتظر ہوں۔

احنف کے جانے کے بعد حکیم بن جبلۂ عبدی آیا عثمان نے طلحہ وزبیر کا خط اس کے سامنے پڑھا اس نے بھی احنف ہی کی بات دہرائی اور کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان سے مقابلہ کرنے کے لئے جاؤں۔اگر ان لوگوں نے امیر المومنین کی اطاعت کی تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر ایسا نہ کیا تو ان سے جنگ کریں گے۔عثمان نے کہا: اگر ان سے مقابلہ کرنے کی بات ہے تو میں خود اس کام کے لئے سب سے زیادہ سزاوار ہوں۔حکیم نے کہا: جتنی جلدی ہو اس کام کو کر ڈالیئے کیونکہ اگر ناکثین بصرہ میں داخل ہو گئے تو چونکہ ان کے ہمراہ پیغمبر کی بیوی ہیں، ان کی وجہ سے تمام لوگ ان کی طرف چلے جائیں گے اور آپ کو اس مقام سے معزول کر دیں گے۔

انہی حالات میں امام کا خط عثمان بن حنیف کے پاس پہنچا جس میں آپ نے طلحہ وزبیر کے عہد و پیمان توڑنے اور بصرہ کی طرف سفر کرنے کے متعلق لکھا تھا اور حکم دیا کہ ان لوگوں کو اپنے عہد و پیمان بجالانے کی دعوت دیں اگر ان لوگوں نے قبول کر لیا تو ان لوگوں سے اچھے برتاؤ کریں اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں کہ خدا دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے امام نے خط ربذہ سے بھیجا تھا اور وہ خط حضرت کے حکم سے آپ کے منشی عبداللہ نے لکھا تھا۔[1]

حاکم بصرہ نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا اور امام کا خط ملنے کے بعد فوراً ہی بصرہ کی دو عظیم شخصیتوں، عمران بن حصین اور ابوالاسود دوئلی[2] کو بلایا اور ان لوگوں کو ذمہ داری سونپی کہ بصرہ سے باہر جائیں اور جس جگہ ناکثین نے پڑاؤ ڈالا ہے وہاں جا کر طلحہ وزبیر سے ملاقات کریں اور ان سے بصرہ میں لشکر لانے کی وجہ دریافت کریں، وہ لوگ فوراً ہی ناکثین کے لشکر کی طرف روانہ ہو گئے اور عائشہ، طلحہ اور زبیر سے ملاقات کی۔

عائشہ نے ان لوگوں کے جواب میں کہا کہ ایک گروہ نے مسلمانوں کے امام کو بغیر کسی غلطی کے قتل کر ڈالا اور محترم و ناحق خون بہایا اور حرام مال کو برباد کر دیا اور محترم مہینے کی حرمت کو پامال کر دیا میں یہاں اس لئے آئی ہوں تا کہ اس گروہ کے جرم کا پردہ فاش کروں اور لوگوں سے کہوں کہ اس سلسلے میں کیا کیا جائے۔[3]

(ایک قول کی بنا پر کہا کہ) میں یہاں اس لئے آئی ہوں تا کہ فوج اور سپاہیوں کو تیار کروں، اور ان کی مدد سے عثمان کے دشمنوں کو سزا دوں۔

---

[1] الامامة والسیاسة، ج۱،ص۵۹۔
[2] حضرت علی علیہ السلام کے خاص شاگرد اور علم نحو کے موجد۔
[3] تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۷۴۔

یہ دونوں ام المومنین کے پاس سے اٹھے اور طلحہ وزبیر کے پاس گئے اور ان لوگوں سے کہا کس لئے آئے ہو؟ جواب دیا عثمان کے خون کا انتقام لینے کے لئے۔ حاکم بصرہ کے لوگوں نے پوچھا کیا آپ لوگوں نے علی کی بیعت نہیں کی ہے؟ جواب دیا ہم لوگوں نے مالک اشتر کی تلوار کے خوف سے بیعت کی تھی اس کے بعد حاکم کے نمائندے حاکم کے پاس واپس آئے اور انہیں عہد و پیمان توڑنے والوں کے ہدف سے باخبر کیا۔

امام کے گورنر نے اردہ کیا کہ لوگوں کی مدد سے دشمن کو بصرہ میں داخل ہونے سے روکیں، اس وجہ سے شہر اور اطراف میں اعلان کیا گیا کہ تمام لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں، حاکم بصرہ کے مقرر نے اپنے آپ کو اجنبی ظاہر کرتے ہوئے کوفہ کے قبیلۂ قیس کا رہنے والا بتایا اور کہا:

اگر اس گروہ کا کہنا ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے بصرہ آئیں ہیں تو وہ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں، کیونکہ وہ لوگ حرم الٰہی (مکہ) میں تھے جہاں فضا میں رہنے والے پرندے بھی امن وامان میں رہتے ہیں اور اگر یہاں عثمان کے خون کا بدلہ لینے آئے ہیں تو عثمان کے قاتل بصرہ میں نہیں ہیں کہ ان سے بدلہ لینے آئے ہیں۔ اے لوگو! ہم پر واجب ہے کہ ان کے مقابلے کے لئے اقدام کریں اور وہ لوگ جہاں سے آئے ہیں انہیں وہیں واپس کر دیں۔

اسی دوران اسود نام کے ایک شخص نے اٹھ کر کہا وہ لوگ ہمیں عثمان کا قاتل نہیں سمجھتے بلکہ وہ لوگ یہاں اس لئے آئے ہیں کہ ہم سے مدد طلب کریں اور عثمان کے خون کا بدلہ لیں۔ اگرچہ اسود کی بات کی اکثر لوگوں نے مخالفت کی مگر یہ بات ثابت ہوگئی کہ بصرہ میں بھی طلحہ وزبیر کے حامی اور چاہنے والے موجود ہیں۔

ناکثین کا قافلہ اپنے پڑاؤ سے بصرہ کی طرف روانہ ہو گیا اور عثمان بن حنیف بھی اپنا لشکر لے کر چلے تا کہ انہیں بصرہ آنے سے روک دیں اور مربد نامی جگہ پر دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے۔ طلحہ وزبیر کے سپاہی داہنی طرف اور عثمان بن حنیف اور ان کے ساتھی بائیں طرف کھڑے ہو گئے۔ طلحہ وزبیر نے عثمان کی مظلومیت اور اس کے فضائل بیان کئے اور لوگوں کو ان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے دعوت دیا ان کے چاہنے والوں نے ان کی تصدیق کی۔ لیکن عثمان بن حنیف کے ساتھی دونوں کی باتوں کو جھٹلانے کے لئے کھڑے ہوئے اور دونوں کے درمیان جھگڑا ہونے لگا، لیکن عثمان کے ساتھیوں کے درمیان ذرہ برابر بھی شگاف پیدا نہ ہوا۔

جب عائشہ نے یہ حالات دیکھے تو انہوں تقریر میں کہا:

لوگ ہمیشہ عثمان کے نمائندوں کی شکایت کرتے تھے اور تمام باتیں مجھ سے آ کر کہتے تھے لیکن میں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور اسے ایک متقی و پرہیزگار اور وفادار اور شکایت کرنے والوں کو دھوکہ باز اور جھوٹا پایا اور جب اعتراض کرنے والے طاقت ور ہو گئے تو ان کے گھر پر حملہ کر دیا اور حرمت کے مہینے میں بے گناہ ان کو قتل کر دیا۔ آگاہ ہو جاؤ جو کچھ تمہارے

لئے شائستہ ہے اور تمہارے غیر کے لئے شائستہ نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ قاتلوں کو پکڑ لو اور ان پر خدا کا حکم جاری کرو (پھر اس آیت کو پڑھا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ [1]

عائشہ کی تقریر نے حاکم بصرہ کے دوستوں کے درمیان شگاف پیدا کر دیا، ایک گروہ عائشہ کی باتوں کی تصدیق تو دوسرا گروہ ان کی باتوں کو جھٹلا رہا تھا خود عثمان بن حنیف کے لشکر نے ایک دوسرے پر اینٹ پتھر پھینکنے شروع کر دیئے اس کے بعد عائشہ مربد سے دباغین کی طرف چلی گئیں جب کہ عثمان کے ساتھی دو حصوں میں بٹ گئے اور بالآخر اس میں سے ایک گروہ ناکثین سے مل گیا۔

ناکثین کی باز پرس:

جس جگہ عائشہ نے قیام کیا تھا وہاں قبیلۂ بنی سعد کے ایک شخص نے ان سے کہا اے ام المومنین! قتل عثمان سے بڑھ کر اس ملعون اونٹ پر بیٹھ کر آپ کا گھر سے نکلنا ہے، خدا کی جانب سے آپ کے لئے حجاب اور احترام تھا مگر آپ نے اس کو چاک اور اپنا احترام کھو دیا، اگر آپ اپنی مرضی سے آئی ہیں تو یہیں سے واپس چلی جایئے اور اگر مجبور کر کے آپ کو لایا گیا ہے تو اس سلسلے میں لوگوں سے مدد لیجیئے۔

اسی قبیلہ کا ایک جوان طلحہ و زبیر کی طرف مخاطب ہوا اور کہا:

اے زبیر، تم تو پیغمبر کے حواریوں میں سے ہو اور اے طلحہ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ کو آسیب (دکھ درد) سے بچایا تمہاری ماں (عائشہ) کو تمہارے ہمراہ دیکھ رہا ہوں کیا تم اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لائے ہو؟

انہوں نے جواب دیا نہیں، اس نے کہا: اس وقت میں تم سے الگ ہو رہا ہوں پھر اس کے بعد چند اشعار کہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

صنتمُ حلائلَکم و قُدتُم اُمَّکم
هذا لعمرك قِلَّةَ الانصاف

اپنی بیویوں کو پردہ میں چھپا رکھا ہے لیکن اپنی ماں (عائشہ) کو بازار میں لائے ہو تمہاری جان کی قسم یہ بے انصافی کی علامت ہے۔ [2]

اس وقت حکیم بن جبلۂ عبدی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حاکم بصرہ کی مدد کرنے کے لئے اقدام کیا اور اس کے

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۲۳۔

[2] تاریخ طبری ج ۳ ص ٤٨٢، الکامل بن اثیر، ج ۳ ص ٢١٤ ۔ ٢١٣۔

اور طلحہ وزبیر کی فوج کے درمیان زبردست جنگ ہوئی عائشہ نے دونوں گروہوں کو جدائی کا حکم دیا اور کہا کہ یہاں سے اٹھ کر قبرستان بنی مازن کی طرف چلے جائیں اور جب وہاں پہنچے تو رات کی تاریکی دونوں گروہوں کے درمیان حائل ہوگئی اور حاکم بھی شہر واپس آ گئے۔

عائشہ کے ساتھی دار الرزق نامی جگہ پر جمع ہوئے اور اپنے کو جنگ کے لئے آمادہ کیا دوسرے دن حکیم بن جبلۂ عبدی نے ان پر حملہ کردیا، شدید جنگ ہوئی دونوں فوج کے درمیان، دونوں گروہ کے کچھ لوگ قتل اور زخمی ہوئے۔

دونوں گروہوں کے درمیان وقتی صلح

اس واقعہ کے مؤرخین نے یہاں تک متفقہ طور پر وہی لکھا ہے جسے ہم نے تحریر کیا ہے لیکن اصل گفتگو، بعد کے واقعہ سے متعلق ہے کہ کس طرح ان دو گروہوں نے جنگ روکی اور نتیجے کا انتظار کرنے لگے، یہاں پر طبری اور انہی کی پیروی کرتے ہوئے جزری نے کامل میں اس واقعہ کو دو طریقے سے لکھا ہے لیکن دوسری صورت حقیقت سے زیادہ قریب لگتی ہے ہم دونوں صورتوں کو تحریر کررہے ہیں۔

الف: طلحہ وزبیر کی بیعت کے بارے میں استفسار

طبری لکھتا ہے کہ دونوں گروہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ مدینہ کے لوگوں کے پاس خط لکھا جائے اور طلحہ وزبیر کی حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں پر بیعت کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا جائے، اگر مدینہ کے لوگوں نے گواہی دی کہ طلحہ وزبیر کی بیعت آزادانہ اور اختیاری تھی تو لازم ہے کہ یہ دونوں افراد مدینہ واپس جائیں اور عثمان بن حنیف کے لئے مزاحمت ایجاد نہ کریں اور اگر ان لوگوں نے گواہی دی کہ کہ ان دونوں نے خوف وڈر اور مجبوری کی حالت میں بیعت کیا تھا تو اس صورت میں عثمان بصرہ کو چھوڑ دیں اور دار الامارہ اور بیت المال اور جو بھی چیزیں حکومت سے مربوط ہیں طلحہ وزبیر کے حوالے کردیں۔

طبری نے اپنی کتاب تاریخ طبری میں اس صلح نامہ کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ کعب بن سور کو اس کی ذمہ داری سونپی گئی اور وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جمعہ کے دن مسجد نبوی میں تمام اہل مدینہ کو اہل بصرہ کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا لیکن اسامہ کے علاوہ کسی نے بھی اس کا جواب نہیں دیا اسامہ نے کہا: ان لوگوں کی بیعت اختیاری نہیں تھی بلکہ خوف وڈر اور مجبوری کی وجہ سے تھی، اس وقت لوگ بہت سخت ناراض ہوئے اور چاہا کہ اسے قتل کردیں اگر صھیب و محمد ابن مسلمہ وغیرہ اسے نہ بچاتے تو لوگ اسے قتل کر ڈالتے، کعب نے مسجد نبوی میں جو کچھ بھی دیکھا تھا بصرہ آکر لوگوں کو بتادیا یہ واقعہ سبب بنا کہ طلحہ وزبیر نے عثمان کے پاس پیغام بھیجا کہ دار الامارہ کو چھوڑ دیں کیوں کہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان دونوں کی بیعت شوق ورغبت کی بنیاد پر نہ تھی۔

اس واقعہ کی بنا پر صلح کا ہونا بہت بعید لگتا ہے، یہ واقعہ کی جہات سے حقیقت سے بعید معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ:

۱۔ اس کا نقل کرنے والا سیف بن عمر ہے اور محققین اُسے صالح اور سچا نہیں سمجھتے، لیکن افسوس کہ تاریخ طبری میں

(۱۱ہجری سے ۳۶ ہجری تک کے واقعات) اسی کے نقل سے بھرے پڑے ہیں۔

۲۔ بصرہ سے مدینہ اور پھر مدینہ سے بصرہ واپس آنے میں کافی وقت درکار ہوتا ہے، اور ناکثین جانتے تھے کہ امام مدینہ سے روانہ ہو چکے ہیں اور ان کے تعاقب میں ہیں، اس بنا پر ہر گز عہد و پیمان توڑنے والوں کے لئے مصلحت نہ تھی کہ ایسے حساس خطرے کے ماحول میں ایسی شرط قبول کریں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور شہر پر قبضہ کرنے اور حاکم بصرہ کو معزول کرنے سے باز آجائیں اور جواب کا انتظار کریں۔

۳۔ ایسے لوگ ایسی شرطوں کو قبول کرتے ہیں جو مطمئن ہوتے ہیں کہ پیغمبر کے صحابی ان کی بیعت کو خوف و ڈر اور مجبوری کی بیعت قرار دیں گے۔ جب کہ ایسا اطمینان ان کے اندر موجود نہیں تھا، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ قضیہ برعکس تھا، لہٰذا سیف بن عمر سے منقول طبری کی روایت کے مطابق صرف ایک آدمی نے وہ بھی امام کی بیعت سے منہ موڑنے والے نے ان دونوں کے لئے گواہی دی اور خود بقول سیف، دوسرے لوگ خاموش رہے۔

٤۔ سب سے اہم دلیل اس بات پر کہ ان کی بیعت مجبوری کی بنا پر نہ تھی یہ ہے کہ ایک گروہ مثلاً سعد وقاص، عبداللہ بن عمر، اسامہ اور حسان وغیرہ نے بیعت کرنے سے انکار کیا تھا اور تمام چیزوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی مگر کسی نے بھی ان پر اعتراض نہیں کیا لہٰذا اگر طلحہ وزبیر بھی بیعت نہیں کرنا چاہتے تو وہ بھی بیعت نہ کرنے والوں میں شامل ہو جاتے، چنانچہ جب امام اس واقعے سے آگاہ ہوئے تو زبیر کے بارے میں فرمایا:

زبیر خیال کرتا ہے کہ اس نے ہاتھ پر بیعت کیا ہے لیکن دل سے بیعت کا مخالف تھا بہر حال اس نے اپنی بیعت کا خود اقرار کیا ہے لیکن اس کا دعوی یہ ہے کہ وہ دل میں مخالفت کو چھپائے ہوئے تھا تو ضروری ہے کہ وہ اپنے اس دعوے پر گواہ پیش کرے اور اگر گواہ نہ لائے تو اس کی بیعت باقی ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ مطیع وفرمانبردار رہے۔[1]

عہد و پیمان توڑنے والوں کے مارے جانے کے بعد امام نے ان دونوں کے بارے میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمَا قَطَعَانِیْ وَ ظَلَمَانِیْ وَ نَکَثَا بَیْعَتِیْ وَ اَلَّبَا النَّاسَ عَلَیَّ فَاحْلُلْ مَا عَقَدَا وَ لَا تُحْکِمْ لَھُمَا مَا اَبْرَمَا وَ اَرِھِمَا الْمَسَاءَةَ فِیْمَا اَمَّلَا وَ عَمِلَا وَ لَقَدِ اسْتَثَبْتُھُمَا قَبْلَ الْقِتَالِ وَ اسْتَاْنَیْتُ بِھِمَا اَمَامَ الْوِقَاعِ فَغَمَطَا النِّعْمَةَ وَ رَدَّا الْعَافِیَةَ۔[2]

خداوندا! ان دونوں نے (جان بوجھ کر) مجھ سے قطع رحم کیا اور دونوں نے مجھ پر ظلم کیا اور میری بیعت توڑ دی اور لوگوں کو میرے خلاف اکسایا۔

خداوندا! انہوں نے جو گرہیں لگائی ہیں انہیں کھول دے اور انہوں نے جو کیا ہے اسے مضبوط نہ ہونے دے اور ان

[1] نہج البلاغہ عبدہ، خطبہ ۸۔

[2] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱۳۳۔

کی امیدوں اور کرتوتوں کا برا نتیجہ دکھا دے میں نے جنگ چھڑنے سے پہلے ان سے بیعت پر استقلال چاہا اور انہیں موقع دیتا رہا لیکن انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور عافیت کو ٹھکرا دیا۔

ب: امام سے مسئلہ کا حل دریافت کرنا

صلح کی دوسری صورت یہ لکھی ہے کہ عثمان بن حنیف نے ناکثین سے یہ کہا کہ میں امام کے حکم کا پابند ہوں اور کسی بھی صورت میں ان کی باتوں کو قبول نہیں کروں گا مگر یہ کہ یہ لوگ امام کو خط لکھیں اور ان سے مسئلہ کا حل دریافت کریں۔[1]

ابن قتیبہ اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں مزید لکھتا ہے کہ دونوں گروہوں نے آپس میں طے کیا کہ عثمان بن حنیف اپنے منصب پر باقی رہیں اور دارالامارہ اور بیت المال بھی انہی کے اختیار میں رہے اور طلحہ وزبیر جہاں بھی چاہیں رہیں یہاں تک کہ امام کی طرف سے کوئی پیغام آجائے۔ اگر امام سے توافق ہو گیا تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر ایسا نہیں ہوا تو ہر شخص آزاد ہے کہ جس راہ کو چاہے انتخاب کرے اس بات پر عہد و پیمان لیا گیا اور دونوں طرف سے کچھ لوگوں کو اس پر گواہ بنایا گیا۔[2]

قتیبہ کا اس طرح سے نقل کرنا صحیح لگتا ہے البتہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ واقعاً ناکثین نے تہہ دل سے توافق کیا تھا بلکہ وہ لوگ ظاہری طور پر توافق کر کے دارالامارہ پر اسی رات حملہ کر کے قبضہ کرنا چاہتے تھے تاکہ بصرہ پر عثمان بن حنیف کی حکومت بصرہ کمزور ہو جائے۔ چنانچہ تاریخ میں ہے کہ عائشہ نے زید بن صوحان کو خط لکھا اور اس خط میں اسے اپنا خاص بیٹا کہا اور درخواست کیا کہ ان کے لشکر سے ملحق ہو جائے یا کم از کم اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہے اور علی کی مدد نہ کرے۔ زید نے ان کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا خدا کی رحمت ام المؤمنین کے شامل حال ہو انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھیں اور ہم لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جہاد کریں انہوں نے اپنا فریضہ چھوڑ دیا ہے اور ہم لوگوں کو اپنے فریضے (گھر میں بیٹھنے) کو انجام دینے کے لئے دعوت دیتی ہیں اور وہ چیز جو ہم لوگوں پر فرض تھی خود اس پر اقدام کیا ہے اور ہم لوگوں کو اپنے وظیفے پر عمل کرنے سے منع کر رہی ہیں۔

ابن ابی الحدید نقل کرتے ہیں کہ ناکثین کے سردار آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ ہماری کمزوریوں کی وجہ سے اگر علی سپاہ لے کر یہاں پہنچ گئے تو ہم سب کا خاتمہ کر دیں گے، اسی وجہ سے اطراف کے قبیلوں کے سردار کے پاس خط لکھا اور بعض قبیلوں کی موافقت (مثلاً ازد، ضبّہ اور قیس بن غیلان) حاصل کر لی لیکن بعض قبیلے امام ہی کے وفادار رہے۔[3]

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ٤٨٦؛ کامل ج ص ٢١٦؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۹ ص ۳۱۹؛ ابن الحدید نے صلح کی قرارداد بھی لکھا ہے۔

[2] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ٦٤۔

[3] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۹ ص ۳۲۱۔ ۳۲۰۔

آٹھویں فصل

خونریز پوزش

ایسے حالات ہو گئے تھے کہ ناکثین کے سردار اپنے کو طاقتور سمجھنے لگے اور ابھی عثمان کے پاس خط بھیجے ہوئے کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک سردرات میں نماز عشاء کے وقت یا ایک قول کی بنا پر نماز صبح کے وقت مسجد اور دار الامارہ پر حملہ کر دیا اور مسجد و دار الامارہ اور زندان کے محافظوں کو قتل کر کے (کہ جن کی تعداد میں اختلاف ہے) شہر کے اہم مقامات پر قبضہ کر لیا اور پھر لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے تمام سرداروں نے تقریریں کیں۔

طلحہ نے مقتول خلیفہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے کہا: خلیفہ نے گناہ کیا تھا مگر پھر توبہ کر لیا تھا ہم نے ابتداء میں چاہا تھا کہ ان کو سمجھائیں، لیکن ہمارے نادان لوگوں نے ہم پر غلبہ پیدا کر کے ان کو قتل کر دیا ابھی یہیں تک کہنے پائے تھے کہ لوگوں نے کہا: تم نے جو خطوط خلیفہ کے متعلق لکھے تھے اس کا مضمون اس کے برعکس تھا، تم نے تو ہم لوگوں کو ان کے خلاف اقدام کرنے کی دعوت دی تھی۔

اس وقت زبیر اٹھا اور اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا: میری طرف سے تو کوئی خط تم لوگوں تک نہیں پہنچا اس وقت قبیلۂ عبد القیس کا ایک شخص کھڑا ہوا اور چاروں خلیفہ کی خلافت کی سرگذشت بیان کی اس کی گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ تمام خلفاء کا انتخاب تم لوگوں یعنی مہاجرین و انصار نے کیا اور ہم لوگوں سے مشورہ تک نہیں لیا یہاں تک کہ تم لوگوں نے علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور پھر بھی ہم لوگوں سے مشورہ نہیں لیا اب کیا بات ہوئی کہ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہو؟

کیا انہوں نے مال و دولت دبا لیا ہے کیا حق کے خلاف عمل کیا ہے؟ یا خلاف شرع قدم اٹھایا ہے؟ اگر یہ کچھ نہیں ہے تو یہ شور و ہنگامہ کیسا ہے؟

اس کی ٹھوس اور منطقی بات نے دنیا پرستوں کے غصے کو اور زیادہ کر دیا اور انہوں نے چاہا کہ اسے قتل کر دیں لیکن اس کے قبیلے والوں نے اسے بچا لیا لیکن دوسرے دن حملہ کر کے اسے اور اس کے ستر ساتھیوں کو قتل کر دیا اور حکومتی امور کو یعنی نماز جماعت سے لے کر بیت المال تک کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اپنے مقصد میں کچھ حد تک کامیاب ہو گئے۔[1]

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ٤٨٥؛ کامل ج ۳ ص ۲۱۷؛ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ٦٥۔

حاکم بصرہ کا انجام

حاکم بصرہ کا امام کے بارے میں ثابت قدم رہنا ناکثین کے سخت غصہ کا سبب بنا، لہٰذا جیسے ہی عثمان کے پاس پہنچے تو انہیں مارا پیٹا اوران کے سر اور داڑھی کے بال اکھیڑ ڈالے، پھرانکوقتل کرنے کے لئے مشورہ کرنے لگے اور آخر میں یہ طے کیا کہ انہیں رہا کر دیں، کیونکہ ان لوگوں کو اس بات کا ڈر تھا کہ ان کا بھائی سہیل بن حنیف مدینہ میں سخت انتقام لے گا۔

عثمان بن حنیف مولائے کائنات سے ملنے کے لئے بصرہ سے روانہ ہوئے اور جب امام نے انہیں اس حالت میں دیکھا تو مذاق میں کہا جب تم یہاں سے گئے تھے تو بوڑھے تھے اور اب ایک خوبصورت جوان کی طرح واپس ہوئے ہو عثمان نے تمام واقعات سے امام کو باخبر کیا

جو افراد اس خونریز یورش میں قتل ہوئے ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، طبری نے اپنی تاریخ اور جزری نے اپنی کتاب کامل میں مرنے والوں کی تعداد ٤٠ لکھی ہے لیکن ابن ابی الحدید نے ان کی تعداد ٧٠ اور ابومخنف نے (اپنی کتاب جمل میں) ان کی تعداد ٤٠٠ تحریر کی ہے۔[1]

اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ ناکثین کے گروہ نے اس گروہ پر جو مسجد، دارالامارہ اور قیدخانہ کے محافظ تھے، دھوکہ اور فریب سے حملہ کیا اور تمام لوگوں کو بے دردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حکیم بن جبلّہ کا اقدام

اسی دوران حکیم بن جبلّہ کو عثمان کے اس دردناک واقعہ اور دارالامارہ کے محافظوں کے دردناک قتل نے سخت رنجیدہ کر دیا۔ چنانچہ قبیلہ عبدالقیس کے تین سو افراد کے ساتھ ارادہ کیا کہ (طلحہ وزبیر کے لشکر سے) جنگ کرنا چاہا اسی وجہ سے انہوں نے چار گروہ اپنے تین بھائیوں کی ہمراہی اور ہر گروہ کے لئے ایک کمانڈر (سردار) معین کیا تا کہ ناکثین پر حملہ کریں۔ ناکثین نے حکیم سے مقابلہ کرنے کی تشویق دلانے کے لئے

پہلی مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی کو اونٹ پر بٹھایا اوران کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کو اپنی طرف جذب کرلیا یہی وجہ ہے کہ حکیم کے قیام کرنے والے دن کو جمل کے دن سے تعبیر کیا ہے اور اس کی اہمیت کے لئے اس جمل کے پہلے مشہور دن کو چھوٹی صفت اور دوسرے جمل کے دن کو بڑی صفت سے منسوب کیا ہے۔

اس جنگ میں حکیم کے تمام تین سو سپاہی اوران کے تینوں بھائی قتل ہو گئے اس طرح سرزمین بصرہ کی حکومت بغیر کسی اختلاف کے طلحہ وزبیر کے ہاتھوں میں آ گئی، لیکن ان میں سے ہر ایک حکومت وحاکمیت چاہتا تھا نماز جماعت کی اقتدا کے سلسلے میں بہت سخت اختلاف ہو گیا کیونکہ اس وقت جس کی اقتدا میں نماز ہوتی لوگ اس کی حکومت تصور کرتے۔ جب

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ج۹ ص۳۲۱۔

عائشہ کوان دونوں کے اختلاف کی خبر ملی تو حکم دیا کہ دونوں اس مسئلہ سے کنارہ کشی اختیار کرلیں اور نماز کی امامت کی ذمہ داری طلحہ وزبیر کے بیٹوں کو سونپ دی۔ لہٰذا ایک دن عبداللہ بن زبیر اور دوسرے دن محمد بن طلحہ نماز کی امامت کرتے تھے۔

اور جب بیت المال کے دروازے کو کھولا گیا اور ان لوگوں کی نگاہیں مسلمانوں کی بے انتہا دولت پر پڑی تو زبیر نے اس آیت کی تلاوت کی:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ [1]

خداوند عالم نے بے شمار مال غنیمت کا تم سے وعدہ کیا ہے جسے تم حاصل کررہے ہو اور اس مال و دولت کو تمہارے سامنے رکھ دیا ہے۔

پھر کہتا ہے: بصرہ کے لوگوں سے زیادہ اس دولت کے ہم سزاوار اور حقدار ہیں اس وقت تمام مال کو ضبط کرلیا۔ اور جب امام نے بصرہ پر قبضہ کرلیا تو تمام مال کو بیت المال میں واپس کردیا۔ [2]

حضرت علی علیہ السلام کا اس حملہ سے باخبر ہونا

ربذہ کی سرزمین حادثات وواقعات کی آماجگاہ ہے، امام کو اس علاقہ کے متعلق کافی معلومات تھی خصوصاً اس دن سے جب ربذہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہم صحابیوں خصوصاً پیغمبر کے عظیم صحابی جناب ابوذر کو جلاوطن کرکے وہاں بھیجا گیا جن کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ تبعیض اور اسراف وغیرہ کے خلاف بولتے تھے کئی سال بعد خداوند عالم نے مولائے کائنات کو یہ موقع فراہم کیا کہ عہد و پیمان توڑنے والوں کو اس سرزمین پر گرفتار کریں۔

امام اس سرزمین پر موجود تھے کہ عہد و پیمان توڑنے والوں کے خونی حملہ کی خبر ملی اور یہ بھی پتہ چلا کہ طلحہ وزبیر بصرہ شہر میں داخل ہوگئے ہیں اور مسجد، دارالامارہ اور قیدخانہ کے محافظوں کو قتل کردیا ہے اور سیکڑوں افراد کو قتل کرکے شہر پر قبضہ کرلیا ہے اور امام کے نمائندے کو زخمی کرنے کے بعد ان کے سر اور داڑھی کے بال اکھاڑ ڈالا اور انہیں شہر سے باہر نکال دیا اور بے ہودہ خبریں پھیلا کر بصرہ کے قبیلوں سے بعض گروہ کو اپنی طرف جذب کرلیا ہے۔

اس سلسلے میں امام کا نظریہ تھا کہ ناکثین کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کوفہ والوں سے مدد لی جائے، کیونکہ سرزمین عراق پر صرف آپ کا ایک علاقہ باقی تھا اور وہ شہر کوفہ اور اس کے اطراف کے قبیلے والے تھے لیکن اس راہ میں کوفہ کا حاکم ابوموسی اشعری مانع تھا۔ کیونکہ ہر طرح کے قیام کو فتنہ کا نام دیتا اور لوگوں کو امام کی مدد کرنے سے روکتا تھا۔

مہاجرین وانصار کی بیعت سے پہلے ابوموسیٰ اشعری امام کے ساتھ رہتے ہوئے کوفہ کا حاکم تھا اور جب امام کی

---

[1] سورۂ فتح، آیت ۲۰۔

[2] شرح نہج البلاغہ ج ۹ ص ۳۲۲؛ تاریخ طبری ج ۳ کامل، ج ۳

حکومت آئی تو مالک اشتر کے مشورے سے اسے اس کے منصب پر باقی رکھا، مالک اشتر کے نظریہ کے علاوہ ابوموسی اشعری کا طریقہ وروش بیت المال میں اسراف اور ناخواہشات کے مطابق خرچ کرنا تھا یہی وجہ تھی جس نے عثمان کے تمام حاکموں سے اسے الگ کر رکھا تھا۔

جی ہاں، امام نے مناسب سمجھا کہ کچھ اہم شخصیتوں کو کوفہ روانہ کریں اور اس سلسلے میں ابوموسی اور کوفہ کے لوگوں کے پاس خط بھیجیں تا کہ اپنے لشکر کے افراد کے لئے زمینہ ہموار کریں اور اگر ایسا نہ ہوتو حاکم کو معزول کر کے اس کی جگہ پر کسی دوسرے کو معین کریں اس سلسلے میں امام نے جو کارنامے انجام دیئے اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ محمد بن ابوبکر کو کوفہ بھیجنا

امام نے محمد بن ابوبکر اور محمد بن جعفر کو خط دے کر کوفہ روانہ کیا تا کہ ایک عمومی مجمع میں کوفہ کے لوگوں سے امام کی مدد کے لئے لوگوں کو آمادہ کریں، لیکن ابوموسی کی ضد نے ان دونوں آدمیوں کی محنت کو بے نتیجہ کر دیا جس وقت لوگوں نے ابوموسی کے پاس رجوع کیا تو اس نے کہا:

القعود سبیل الآخرة والخروج سبیل الدنیا[1]

یعنی گھر میں بیٹھنا راہ آخرت ہے اور قیام کرنا راہ دنیا ہے (جس کو تم چاہو انتخاب کرلو) اسی وجہ سے امام کے نمائندے بغیر کسی نتیجہ کے کوفہ سے واپس آگئے اور ذی قار نامی جگہ پر امام سے ملاقات کیا اور تمام حالات امام سے بیان کئے۔

۲۔ ابن عباس اور مالک اشتر کو کوفہ روانہ کرنا

امام کی دوسرے امور کی طرح اس امر میں بھی یہی کوشش تھی کہ یہ سلسلہ رک نہ جائے اور اس سے زیادہ شدید اقدام نہ کرنا پڑے لہٰذا مصلحت دیکھی کہ ابوموسی کو روانہ کرنے سے پہلے دو عظیم و مشہور شخصیتوں یعنی ابن عباس اور مالک اشتر کو کوفہ روانہ کریں تا کہ گفتگو کے ذریعے مشکل کا حل نکال لیں، مالک اشتر سے فرمایا کہ جس کام کو تم نے انجام دیا ہے اور اس کا نتیجہ غلط نکلا ہے ضروری ہے کہ اس کی اصلاح کرو اس کے بعد یہ دونوں کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے اور ابوموسی سے ملاقات اور گفتگو کی۔

اس مرتبہ ابوموسی نے اپنی گفتگو کا رخ دوسری طرف موڑتے ہوئے ان لوگوں سے کہا:

هٰذِهِ فِتْنَةٌ صَمَّاءُ، النَّائِمُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْيَقْظَانِ وَ الْيَقْظَانُ خَيْرٌ مِنَ الْقَاعِدِ وَ الْقَاعِدُ خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَ الْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الرَّاكِبِ وَالرَّاكِبُ خَيْرٌ مِنَ السَّاعِيْ[2]

---

[1] تاریخ طبری، ج۳، ص ۳۹۳-٤۹٦

[2] تاریخ طبری، ج۳، ص٤۹٦۔

یہ فتنہ ہے کہ سوتا ہوا انسان جاگتے ہوئے انسان سے بہتر ہے اور جاگنے والا بیٹھنے والے سے بہتر ہے اور بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے اور کھڑا ہونے والا سوار سے بہتر اور سوار ساعی (یعنی کوشش کرنے والے یا قوم کے سردار) سے بہتر ہے۔

پھر اس نے کہا: اپنی تلواروں کو میان میں رکھ لو۔

اس مرتبہ بھی امام کے نمائندے بہت زیادہ تلاش وکوشش کے باوجود مایوس امام کے پاس لوٹ آئے اور ابوموسیٰ اشعری کی دشمنی اور بغض وحسد سے امام کو باخبر کیا۔

۳۔امام حسن علیہ السلام اور عمار یاسرؓ کو کوفہ روانہ کرنا

اس مرتبہ امام نے ارادہ کیا کہ اپنا پیغام بھیجنے کے لئے اس سے بھی زیادہ عظیم المرتبت شخصیتوں سے مدد لیں اور سب سے زیادہ شائستہ افراد اس کام کی انجام دہی کے لئے آپ کے عظیم المرتبت فرزند امام حسن مجتبیٰ اور عمار یاسر تھے، پہلی شخصیت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے فرزند تھے جو ہمیشہ آپ کی محبت وعطوفت کے سائے میں رہتے تھے اور دوسری شخصیت اسلام قبول کرنے والوں میں سبقت کرنے والے کی تھی جس کی تعریف مسلمانوں نے رسول اسلام سے بہت زیادہ سنی تھی۔ یہ دونوں شخصیتیں امام کا خط لے کر کوفہ میں وارد ہوئے سب سے پہلے امام حسن مجتبیٰ نے لوگوں کے سامنے امام کا خط پڑھ کر سنایا جس کا مضمون یہ تھا۔

یہ خط خدا کے بندے امیر المومنین علی کی طرف سے (اہل کوفہ کے نام) ہے۔

اہل کوفہ [1] جو انصار کا چہرہ مہرہ اور عربوں کی سربلندی کا سہرا ہیں۔ امابعد: میں تمہیں عثمان کے معاملے (قتل) سے یوں آگاہ کرتا ہوں جیسے تم اس واقعہ کو سن ہی نہیں رہے ہو بلکہ دیکھ بھی رہے ہو حقیقت یہ ہے کہ تمام لوگوں نے انہیں مورد الزام ٹھہرایا باوجود ان تمام حالات کے، مہاجرین میں فقط میں ہی ایک واحد مرد تھا جس سے وہ سب سے زیادہ مطمئن اور خوش تھے اور فقط مجھ ہی پر ان کا عتاب سب سے کم تھا حالانکہ طلحہ وزبیر کا ان کی مخالفت میں یہ عالم تھا کہ ان دونوں کی ہلکی سی ہلکی چال بھی ان کے خلاف سرپٹ دوڑ کا حکم رکھتی تھی اور (اس دوڑ میں) ان دونوں کی دھیمی سے دھیمی آواز بھی بانگ درشت سے بازی لے گئی تھی۔ اس پر عائشہ کے غضب کے لاوے نے اچانک پھوٹ کر عثمان کے خلاف جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ اب کیا تھا (ایک دو تین نہیں) اچھی خاصی جمعیت ان کے خلاف تیار کر لی گئی چنانچہ اسی جمعیت نے عثمان کو قتل کر ڈالا اور تمام لوگوں نے کسی مجبوری واکراہ سے نہیں، بلکہ رضا ورغبت اور پورے اختیار سے میرے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا (یعنی بیعت کی)۔

---

[1] امام کے خط میں یہاں پر لفظ جبہۃ الانصار استعمال ہوا ہے اور جبہہ کے معنی پیشانی اور گروہ کے ہیں اور انصار سے مراد یاور ودوست ہیں نہ کہ مہاجر کے مقابلے میں لفظ انصار ہے، کیونکہ امام کا مدینہ سے کوفہ ہجرت کرنے سے پہلے اس شہر کو مرکز انصار کے نام سے نہیں جانا جاتا تھا۔

اے لوگو! دار الہجرت کے مکین و مکان ایک دوسرے کو دور پھینک رہے ہیں اور شہر (کا خون) یوں کھول رہا ہے جیسے دیگ جوش کھاتی ہے غرض فتنہ کی چکی کا پاٹ اپنی کیلی سے پیوست ہو چکا ہے (اور چکی چلنے کو تیار ہے) لہٰذا اپنے امیر کی طرف تیزی سے دوڑتے ہوئے آؤ اور اپنے دشمن سے جہاد کے لئے آگے بڑھو۔[1]

جب امام حسن، امام کا خط لوگوں کو پڑھ کر سنا چکے تو اب امام کے نمائندوں کی نوبت آئی کہ وہ گفتگو کریں اور لوگوں کے ذہنوں کو بیدار کریں جس وقت امام حسن نے تقریر شروع کی اس وقت سب کی نگاہیں ان کی طرف متوجہ تھیں اور تمام سننے والوں کے لبوں پر ان کے لئے دعائیں تھیں اور خدا سے دعا کر رہے تھے کہ ان کے ارادوں کو قائم کردے، حضرت مجتبیٰ نے نیزہ یا عصا پر تکیہ کرتے ہوئے اس طرح سے اپنی گفتگو شروع کی۔

اے لوگو! ہم لوگ یہاں اس لئے آئیں ہیں کہ تم لوگوں کو قرآن مجید اور پیغمبر کی سنت اور سب سے زیادہ دانا اور صحیح فیصلہ کرنے والے، اور سب سے شائستہ فرد کی مسلمانوں سے بیعت لیں اور تم لوگوں کو ایسے شخص کی دعوت دیں جس پر قرآن نے اعتراض نہیں کیا ہے اور اس کی سنت کا انکار نہیں کیا اور ایمان میں جو شخص آپ (پیغمبر) سے دو نسبت رکھتا تھا (ایمان اور رشتہ داری) سب میں سبقت رکھتا تھا اور کبھی بھی انہیں تنہا نہیں چھوڑا جس دن لوگ انہیں اکیلا چھوڑ کر بہت دور چلے گئے تھے تو خدا نے اس کی مدد کو کافی جانا اور وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا جب کہ دوسرے افراد مشرک تھے۔

اے لوگو! ایسی شخصیت تم سے مدد مانگ رہی ہے اور تمہیں حق کی طرف بلا رہی ہے اور اس کی آرزو ہے کہ تم اس کی پشتیبانی کرو اور وہ گروہ جس نے تم سے اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیا ہے اور اس کے متقی و متدین ساتھیوں کو قتل کر دیا ہے اور اس کے بیت المال کو برباد کر دیا ہے تم لوگ اس کے مقابلے میں قیام کرو۔ اٹھو اور بیدار ہو جاؤ کہ خدا کی رحمت تم پر سایہ فگن ہے تم لوگ اس کی طرف بڑھو اور اچھے کام کا حکم دو اور بری چیزوں سے لوگوں کو منع کرو اور جس چیز کو صالح افراد آمادہ کر رہے ہیں انہیں تم بھی آمادہ کرو۔

ابن ابی الحدید نے مشہور و معروف مؤرخ ابو مخنف سے امام حسن کی دو تقریریں نقل کی ہیں اور ہم نے صرف ایک کے ترجمہ پر ہی اکتفاء کیا ہے امام حسن مجتبیٰ کی دونوں تقریریں امام علی علیہ السلام کی شخصیت اور ان کے لطف و محبت کی وضاحت کرتی ہیں جو کہ حیرت انگیز ہے۔[2]

جب امام حسن کی تقریر ختم ہوئی اس وقت عمار یاسر اٹھے اور خدا کی حمد و ثنا اور محمد و آل محمد پر سلام و درود کے بعد لوگوں سے اس طرح مخاطب ہوئے:

اے لوگو! پیغمبر کا بھائی تمہیں خدا کے دین کی مدد کے لئے آواز دے رہا ہے تم پر لازم ہے کہ وہ امام جس نے کبھی بھی

---

[1] نہج البلاغہ، نامہ ۱۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۴ ص ۱۴۔۱۱؛ تاریخ طبری ج ۳ ص ۵۰۰۔۴۹۹۔

شریعت کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ وہ ایسا دانشمند ہے جسے تعلیم کی ضرورت نہیں، اور ایسا بہادر جو کسی سے بھی نہیں ڈرتا، اور اسلام کی خدمت کرنے میں اس کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کرسکتا، اگر تم لوگ اس کی خدمت میں حاضر ہوتو پوری حقیقت سے تم لوگوں کو آگاہ کردے گا۔

پیغمبر کے فرزند اور عظیم المرتبت صحابی کی تقریروں نے لوگوں کے قلوب کو بیدار اور ان کے ذہنوں کو جلا بخش دی اور وہ کام جسے سادہ لوح حاکم نے روک کر رکھا تھا اس سے دور ہو گئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ تمام لوگوں کے اندر جوش وخروش پیدا ہو گیا، خصوصاً اس وقت جب زید بن صوحان نے عائشہ کا خط کوفیوں کو پڑھ کر سنایا اور سب کو حیرت میں ڈال دیا، اس نے زید کے لئے خط میں لکھا تھا کہ اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور علی کی مدد نہ کرو، زید نے خط پڑھنے کے بعد بلند آواز سے کہا: اے لوگو! ام المومنین کا فریضہ گھر میں بیٹھنا ہے اور میرا فریضہ میدان جنگ میں جہاد کرنا ہے اس وقت وہ ہمیں اپنے فریضے کی طرف بلا رہی ہیں اور خود ہمارے فریضے پر عمل کررہی ہیں۔

ان تمام واقعات کی وجہ سے لوگوں نے امام کے حق میں اپنے نظریے کو بدل دیا اور بہت سے گروہ نے امام کی مدد کرنے کے لئے اپنی آمادگی کا اعلان کر دیا۔ اور تقریباً بارہ ہزار افراد اپنے گھر اور زندگی چھوڑ کر امام کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔

ابوالطّفیل کہتا ہے: امام نے کوفہ کے اس گروہ کے پہنچنے سے پہلے مجھ سے کہا میرے چاہنے والے جو کوفہ سے میری طرف آرہے ہیں ان کی تعداد بارہ ہزار ایک آدمی پر مشتمل ہے جب یہ لوگ امام کے پاس پہنچ گئے تو ہم نے شمار کرنا شروع کیا تو کل تعداد بارہ ہزار ایک تھی، نہ ایک آدمی کم تھا نہ ایک آدمی زیادہ۔[1]

لیکن شیخ مفید نے ان سپاہیوں کی تعداد جو کوفہ سے امام کی طرف آئی تھی کل چھ ہزار چھ سو لکھا ہے اور مزید کہتے ہیں امام نے ابن عباس سے کہا کہ دو دن میں (چھ ہزار چھ سو افراد) لوگ میری طرف آئیں گے اور طلحہ وزبیر کو قتل کر دیں گے اور ابن عباس کہتے ہیں کہ جب ہم نے سپاہیوں کو شمار کیا تو ان کی تعداد چھ ہزار چھ سو افراد پر مشتمل تھی۔[2]

ابوموسیٰ اشعری کی ناکام کوشش

ابوموسیٰ کوفہ کے حالات بدلنے کی وجہ سے بہت سخت ناراض ہوا اور عمار یاسر کو مخاطب کر کے کہا: میں نے پیغمبر سے سنا ہے کہ بہت جلد ہی فتنہ برپا ہوگا جس میں بیٹھنے والے کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوں گے اور یہ دونوں سوار افراد سے بہتر ہوں گے اور خداوند عالم نے ہمارے خون اور مال کو ایک دوسرے پر حرام قرار دیا ہے۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ١٤، ص ١٤۔١١؛ تاریخ طبری ج ٣ ص ٥٠٠۔٤٩٩۔

[2] جمل ص ١٥٧۔

عمار کے دل و دماغ میں ابوموسیٰ اشعری کے خلاف جونفرت بھری تھی اس بنا پر کہا: ہاں، پیغمبر خدا نے تجھے مراد لیا ہے اور تیرے بارے میں کہا ہے اور تیرا بیٹھنا تیرے قیام سے بہتر ہے نہ کہ دوسرے افراد کا۔[1]

یہاں پر اس حدیث کے سلسلے میں تھوڑا غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

اگر ہم فرض بھی کرلیں کہ پیغمبر نے ایسی حدیث بیان فرمائی ہے لیکن یہ کیسے معلوم کہ پیغمبر کا مقصد جمل کا واقعہ ہے؟ کیا ایسے گروہ کا مقابلہ کرنا جس نے چار سو لوگوں کے سروں کو بکریوں کی طرح جدا کردیا ہے ایسا فتنہ ہے کہ اس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے؟!

پیغمبر کی وفات کے بعد بہت سارے واقعات رونما ہوئے، مثلاً سقیفہ سے عثمان کے قتل تک، ممکن ہے پیغمبر کی حدیث اس واقعے کے متعلق ہو؟! اگر تاریخ کے اوراق کا جائزہ لیں اور ۱۱ھ سے ۳۵ھ تک کے واقعات کو نظر میں رکھیں تو معلوم ہوگا کہ بہت سے ایسے واقعات ہیں جو بہت زیادہ افسوس کے لائق ہیں کیا مالک بن نویرہ کے تلخ واقعہ کو ایک معمولی واقعہ سمجھ سکتے ہیں؟ خلیفہ سوم کے زمانے کے حادثوں کو اور اسی طرح مومن ومتدین افراد پر ظلم وستم اور انہیں جلا وطن کرنا وغیرہ، کیا انہیں فراموش کیا جاسکتا ہے؟ اور کیوں یہ حدیث معاویہ اور مروان اور عبدالملک کے خلافت کے زمانے سے مخصوص نہ ہو؟

اس کے علاوہ، اسلام کے پاس ایسے اصول ہیں جنہیں کسی وقت بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور انہیں میں سے ایک اولی الامر کی اطاعت ہے۔ خلیفۂ منصوص (اللہ کا منتخب کردہ) یا مہاجرین وانصار کی طرف سے منتخب خلیفہ کی اطاعت ایک اسلامی فریضہ ہے جس کی تمام لوگوں نے تائید کی ہے اور ابوموسیٰ اشعری نے بھی امام کو ولی امر مانا ہے کیونکہ اس نے حضرت کے حکم کو قبول کیا ہے اور کوفہ کی حکومت پر حاکم کے طور پر باقی رہا ہے اور اس کے بعد جو بھی کام انجام دیتا تھا وہ علی کے والی وحاکم کے عنوان سے انجام دیتا تھا۔ ایسی صورت میں حدیث مجمل کو اس آیت کریمہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کے مقابلے قرار نہیں دینا چاہئے اور نص قرآنی کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے۔

ابوموسیٰ اشعری کی معزولی

متعدد نمائندوں کو بھیجنے کے بعد اور تمام کوششوں کے بے اثر ہونے کی وجہ سے امام کے لئے ضروری تھا کہ ابوموسیٰ اشعری کو اس کے منصب سے معزول کردیں۔ امام نے اس کے پہلے بھی کئی خط لکھ کر اس پر اپنی حجت تمام کردی تھی، آپ نے اسے لکھا تھا کہ میں نے ہاشم بن عتبہ کو روانہ کیا ہے کہ وہ تمہاری مدد سے مسلمانوں کو میری طرف روانہ کرے، لہٰذا تم اس کی مدد کرو اور میں نے تمہیں اس منصب پر باقی رکھا کہ حق کے مددگار رہو۔

جب امام خط بھیجنے اور عظیم شخصیتوں کو روانہ کرنے کے بعد حاکم کوفہ کی فکر ونظر بدلنے سے مایوس ہوئے تو امام حسن

---

[1] تاریخ طبری ج۳ ص۴۹۸۔

کے ہمراہ ابوموسیٰ اشعری کوایک خط بھی لکھا اور باقاعدہ طور پر اسے ولی عہدی سے معزول کردیا اور قرظہ بن کعب کو اس کی جگہ منصوب کردیا۔امام کے خط کی عبارت یہ ہے:

فقد کنت أریٰ أن تعزبَ عن هذا الامر الذی لم یجعل لك منه نصیباً سیمنعك من ردِّ أمری وقد بعثتُ الحسن بن عليٍ و عمار بن یاسر یستنفران الناس وبعثت قرطة بن کعب والیاً علی المصر فاعتزل عملنا مذموماً مدحوراً

اسی میں مصلحت دیکھتا ہوں کہ تم اپنے منصب سے کنارہ کشی اختیار کرلو اس مقام کے لئے خداوندعالم نے تمہارا کوئی حصہ نہیں رکھا ہے اور خدا نے تمہاری مخالفت سے مجھے روک دیا ہے؟ میں نے حسن بن علی اور عمار یاسر کو بھیجا ہے تا کہ لوگوں کو ہماری مدد کے لئے آمادہ کریں اور قرظہ بن کعب کو والی شہر قرار دیا ہے تم ہمارے امور سے دور ہوجاؤ تم سب کی نگاہوں سے گر چکے ہو اور لعنت کے مستحق ہو۔

امام کے خط کے مضمون سے شہر کے سارے لوگ باخبر ہوگئے اور کچھ ہی دنوں بعد مالک اشتر نے کوفہ جانے کی درخواست کی اور امام نے انہیں کوفہ روانہ کردیا اور دارالامارہ کو اپنے قبضے میں لے کر نئے والی شہر کے حوالے کردیا اور ابوموسیٰ کوفہ میں ایک رات رہنے کے بعد شہر سے چلا گیا۔[1]

---

[1] تاریخ طبری ج۳ ص۵۰۱۔

نویں فصل

امام کی ذی قار سے بصرہ کی طرف روانگی

علی علیہ السلام ربذہ میں تھے کہ ناکثین کے خونی حملہ سے باخبر ہوئے اور ذی قار میں تھے جب آپ نے مخالفوں کو سزا دینے کا قطعی فیصلہ کیا۔

عظیم شخصیتوں مثلاً امام حسن مجتبیٰ اور عمار یاسر کو کوفہ بھیجنے کا یہ اثر ہوا کہ کوفہ کے لوگوں میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی اور یہی سبب بنا کہ لوگ امام کے لشکر میں شامل ہونے کے لئے ذی قار کی طرف دوڑ پڑے، لہٰذا علی علیہ السلام اپنی فوج کے ساتھ منطقہ ذی قار سے بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

امام نے پیغمبر کی طرح جنگ کرنے سے پہلے مخالفوں پر اپنی حجت کو تمام کر دیا اگر چہ حقیقت ان لوگوں پر واضح تھی یہی وجہ ہے کہ ناکثین کے سردار یعنی طلحہ وزبیر اور عائشہ کے پاس الگ الگ خط لکھا اور تینوں خط میں ان کے کارناموں کو لکھا اور دارالامارہ اور بصرہ کے محافظوں کے قتل کرنے پر سخت اعتراض کیا اور عثمان بن حنیف پر جو ظلم وستم کیا تھا اس کی سخت مذمت کی۔امام نے تینوں خط صعصعہ بن صوحان کے ہمراہ روانہ کیا وہ کہتے ہیں:

سب سے پہلے ہم نے طلحہ سے ملاقات کی اور امام کا خط اسے دیا اس نے خط پڑھنے کے بعد کہا: کیا اس وقت جب علی کے خلاف جنگ کی پوری تیاری ہو چکی ہے اس سے منہ موڑ رہے ہیں اور نرمی دکھا رہے ہیں؟ پھر زبیر سے ملاقات کی تو اسے طلحہ سے کچھ نرم پایا۔ پھر عائشہ کو امام کا خط دیا لیکن دوسروں سے زیادہ انہیں فتنہ وفساد اور جنگ کرنے پر آمادہ پایا انہوں نے کہا: میں نے عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اقدام کیا ہے اور خدا کی قسم اس کام کو میں ضرور انجام دوں گی۔

صعصعہ کہتے ہیں: اس کے پہلے کہ امام بصرہ میں داخل ہوتے، میں ان کی خدمت میں پہنچ گیا امام نے مجھ سے پوچھا کہ وہاں کے کیا حالات ہیں۔ میں نے کہا: میں نے ایک گروہ کو دیکھا کہ آپ سے جنگ کرنے کے علاوہ ان کا کوئی اور مقصد نہیں ہے امام نے فرمایا: **واللہ المستعان**[1]

جب علی علیہ السلام ناکثین کے سرداروں کے قطعی ارادے سے باخبر ہوئے تو آپ نے ابن عباس کو بلایا اور ان سے کہا: ان تینوں آدمیوں سے ملاقات کرو اور میری بیعت کی وجہ سے جو ان پر میرا حق ہے اس کے بارے میں احتجاج کرو۔ جب

---

[1] الجمل ص ۱۶۷۔

انہوں نے طلحہ سے ملاقات کیا اور امام کی بیعت اسے یاد دلائی تو اس نے ابن عباس کا جواب دیا: میں نے بیعت ایسے حالات میں کیا تھا کہ میرے سر پر تلوار تھی۔

ابن عباس نے کہا کہ میں نے خود تمہیں دیکھا کہ تم نے مکمل آزادی کے ساتھ بیعت کی تھی اور اس پہ دلیل پیش کی کہ بیعت کے وقت، علی نے تم سے کہا کہ اگر تم چاہو تو تمہاری بیعت کروں لیکن تم نے کہا نہیں میں آپ کی بیعت کروں گا۔

طلحہ نے کہا: صحیح ہے کہ یہ بات علی نے کہی تھی لیکن اس وقت تمام گروہوں نے بیعت کی تھی اور مخالفت کا امکان نہیں تھا۔

پھر اس نے کہا: ہم عثمان کے خون کا بدلہ چاہتے ہیں اور اگر تمہارے چچازاد بھائی تمام مسلمانوں کے خون کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں تو عثمان کے قاتلوں کو ہمیں سونپ دیں اور خود بھی خلافت کو چھوڑ دیں تاکہ خلافت شوری کے اختیار میں آجائے اور شوری جسے چاہے منتخب کرے اگر ایسا نہ ہوا تو ان کے لئے ہماری تلوار ہدیہ ہے۔

ابن عباس نے موقع غنیمت جانا لہٰذا حقیقت کو اور واضح کرتے ہوئے کہا شاید اسی وجہ سے تو نے عثمان کے گھر کا دس دن تک محاصرہ کیا اور ان کے گھر میں پانی پہنچانے سے منع کیا اور جس وقت کہ علی نے تم سے گفتگو کی کہ اجازت دو کہ عثمان کے گھر پانی پہنچایا جائے تو تم نے ان کی موافقت نہ کی اور جب مصریوں نے اتنا زبردست پہرہ دیکھا تو اس کے گھر میں داخل ہو گئے اور اسے قتل کر دیا اور اس وقت لوگوں نے اس شخص کے ہاتھوں پر بیعت کی جس کا ماضی تابناک، اس کے فضائل روشن، اور پیغمبر کا سب سے قریبی عزیز تھا اور تم نے اور زبیر نے بغیر کسی مجبوری اور دباؤ کے بیعت کی اور اس وقت اس بیعت کو توڑ دیا۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ تم خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے دوران کتنے سکون و آرام سے تھے لیکن جب خلافت علی تک پہنچی تو اپنی اوقات سے باہر ہو گئے خدا کی قسم علی تم لوگوں سے کم نہیں ہیں اور جو تمہارا یہ کہنا ہے کہ علی ان کے قاتلوں کو تمہارے حوالے کریں تو تم اس کے قاتلوں کو اچھی طرح سے پہچانتے ہو اور تمہیں اس کی بھی خبر ہے کہ علی تلوار سے نہیں ڈرتے۔

طلحہ ابن عباس کی منطقی گفتگو سن کر بہت شرمندہ ہوا اور خاموش ہو گیا اس کے بعد گفتگو کو ختم کرنے کے لئے کہا: ابن عباس اس لڑائی سے پیچھے ہٹ جاؤ۔

ابن عباس کہتے ہیں: میں فوراً ہی علی کے پاس گیا اور اپنی گفتگو کا سارا نتیجہ بیان کیا، حضرت نے مجھے حکم دیا کہ عائشہ سے گفتگو کرو۔ اور ان سے کہو، فوج جمع کرنا عورتوں کی شان نہیں ہے اور تم ہرگز اس کام کے لئے مامور نہیں کی گئی ہو تم نے اس کام کے لئے قدم نکالا ہے اور دوسروں کے ساتھ بصرہ آ گئی اور مسلمانوں کو قتل کر دیا اور کام کرنے والوں کو نکال دیا اور لوگوں کو راستہ دکھایا اور مسلمانوں کے خون کو مباح سمجھا جب کہ تم خود عثمان کی سب سے بڑی دشمن تھی۔

ابن عباس نے امام کے پیغام کو عائشہ تک پہنچایا انہوں نے جواب دیا: تمہارے چچازاد بھائی کا خیال ہے کہ تمام شہروں پر ان کا قبضہ ہے خدا کی قسم، اگر کوئی چیز اس کے ہاتھ میں ہے تو اس سے زیادہ چیزیں میرے اختیار میں ہیں۔

ابن عباس نے کہا: علی کے لئے فضیلت اور اسلام کے لئے ان کی بہت زیادہ خدمات ہیں اور انہوں نے اس راہ میں بہت زیادہ زحمتیں برداشت کی ہیں انہوں نے کہا: طلحہ نے بھی جنگ احد میں بہت زیادہ رنج ومصیبت برداشت کیا ہے۔

ابن عباس نے کہا: میرے خیال میں پیغمبر کے صحابیوں کے درمیان علی سے زیادہ کسی نے رنج ومصیبت برداشت نہیں کی ہے۔اس وقت عائشہ نے انصاف کی بات کی اور کہا اس کے علاوہ علی کی دوسری بھی فضیلتیں ہیں۔

ابن عباس نے موقع غنیمت سمجھ کر فوراً کہا: تمہیں خدا کا واسطہ مسلمانوں کا خون بہانے سے پرہیز کرو انہوں نے جواب دیا: مسلمانوں کا خون اس وقت تک بہایا جائے گا جب تک علی اور ان کے ساتھی خود کو قتل نہیں کرلیں گے۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں عائشہ کی غیر منطقی باتیں سن کر مسکرایا اور کہا علی کے ہمراہ صاحبان بصیرت لوگ ہیں جو اس راہ میں اپنے خون کو بہادیں گے پھر ان کے پاس سے اٹھ کر واپس چلے آئے۔

ابن عباس کہتے ہیں: علی نے مجھے حکم دیا کہ زبیر سے بھی گفتگو کروں اور حتی الامکان اس سے تنہائی میں ملاقات کروں اور اس کا بیٹا عبداللہ وہاں موجود نہ ہو۔ میں اس خیال سے کہ اس سے تنہائی میں ملاقات کروں دوبارہ اس کے پاس گیا لیکن اسے تنہا نہیں پایا تیسری مرتبہ اسے میں نے تنہا دیکھا، اس نے اپنے غلام سرحش کو بلایا اور اس سے کہا کہ کسی کو بھی اندر آنے کی اجازت نہ دینا، میں نے گفتگو کا آغاز کیا، شروع میں اسے بہت غصے میں پایا لیکن دھیرے دھیرے اسے ٹھنڈا کر دیا جب اس کے خادم نے میری باتیں سنیں تو فوراً اس نے زبیر کے بیٹے کو خبر کر دی اور جیسے ہی وہ اس جلسہ میں وارد ہوا میں نے اپنی گفتگو قطع کر دی، زبیر کے بیٹے نے اپنے باپ کے اقدام کو عثمان کے خون کا بدلہ لینے اور ام المومنین کی موافقت سے صحیح ثابت کیا میں نے اس کا جواب دیا خلیفہ کا خون تمہارے باپ کی گردن پر ہے یا تو اسے قتل کیا ہے یا اس کی مدد نہیں کیا ہے اور ام المومنین کی موافقت اس کی سچائی کی دلیل نہیں ہے اسے گھر کے باہر لائے جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا تھا عائشہ ممکن ہے ایک دن ایسا آئے کہ تم پر حوّاب کے کتے بھونکیں، بالآخر میں نے زبیر سے کہا: خدا کی قسم، میں نے ہمیشہ تمہیں بنی ہاشم میں شمار کیا تم ابوطالب کی بہن صفیہ کے بیٹے اور علی کے پھوپھی زاد بھائی ہو، جب عبداللہ بڑا ہو گیا تو اپنے رشتہ کو ختم کر دیا۔ [1]

لیکن علی علیہ السلام کے کلام (نہج البلاغہ) سے استفادہ ہوتا ہے کہ وہ طلحہ کی طرف سے مکمل طور سے مایوس ہو چکے تھے اسی لئے ابن عباس کو حکم دیا کہ صرف زبیر سے ملاقات کر کے گفتگو کریں اور شاید یہ ابن عباس کو دوسری مرتبہ حکم دیا تھا۔ اس سلسلے میں امام کا بلیغ کلام ملاحظہ کیجیئے۔

لاتلقین طلحة فانك ان تلقه تجده کا لثور عاقصاً قرنه، یرکب الصعب و یقول هو

---

[1] الجمل، ص۔ ۱۷۰ و ۱۶۷۔

الذلول! و لکن الق الزبیر فانه ألین عریکةً فقل له یقول ابن خالك عرفتنی بالحجاز و انکرتنی بالعراق، فما عدا مما بدا؟[۱]

طلحہ سے ملاقات نہ کرنا اگر اس سے ملو گے تو اسے ایک بیل[۲] کی طرح پاؤ گے جس کی سینگ ٹیڑھی ہے وہ سرکش سواری پر سوار ہے اور پھر کہتا ہے کہ یہ آرام سے ہے، البتہ زبیر سے ملاقات کرنا کہ وہ نرم مزاج ہے اور اس سے کہنا کہ تمہارے ماموں زاد بھائی نے کہا ہے کہ تم حجاز میں مجھے پہچانتے تھے اور عراق میں آ کر بھول گئے حقیقت ظاہر ہونے کے بعد کس چیز نے اسے پھیر دیا؟

قعقاع بن عمرو کو روانہ کرنا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معروف و مشہور صحابی قعقاع بن عمرو کوفہ میں رہتے تھے اور اپنے قبیلے میں ایک اہم اور قابل احترام شخصیت کے مالک تھے، انہیں امام کا حکم ملا کہ ناکثین کے سرداروں سے ملاقات کریں۔ ان کے اور ناکثین کے سرداروں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اسے طبری نے اپنی تاریخ میں اور جزری نے کامل میں نقل کیا ہے انہوں نے ایک خاص منطقی طریقے سے ناکثین کے بارے میں فکر کی تا کہ ان لوگوں کو امام سے صلح کرنے کے لئے آمادہ کریں اور جب علی کی پاس واپس ہوئے اور اپنی گفتگو کا نتیجہ امام سے بیان کیا تو امام ان کے نرم رویہ پر بہت متعجب ہوئے۔[۳]

اس موقع پر بصرہ کے لوگوں کا ایک گروہ امام کی خدمت میں پہنچا تا کہ آپ کے نظریہ اور ان کوفیوں کے نظریہ سے باخبر ہوں جو امام کے لشکر میں شامل ہوئے تھے۔ اور جب وہ لوگ بصرہ واپس چلے گئے تو امام نے اپنے نمائندوں کے درمیان تقریر کی اور پھر اس منطقہ سے روانہ ہو گئے اور زاویہ نامی مقام پر قیام کیا۔ طلحہ و زبیر اور عائشہ بھی اپنی جگہ سے روانہ ہوئے اور اس علاقے میں آ کر ٹھہرے، جہاں بعد میں عبید اللہ ابن زیاد کا محل بنا اور امام کے مقابلے ٹھہر گئے۔ دونوں لشکر بڑے ہی اطمینان سے تھا امام نے کچھ لوگوں کو بھیجا تا کہ باغیوں کے مسئلہ کو گفتگو کے ذریعے حل کریں۔ یہاں تک کہ پیغام بھی بھیجا کہ جو وعدہ ان لوگوں نے قعقاع سے کیا ہے اگر اس پر باقی ہیں تو تبادلہ نظر کریں۔ لیکن حالات ایسے تھے کہ یہ مشکل سیاسی گفتگو سے حل نہیں ہو سکتی تھی اور اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اسلحہ اٹھایا جائے۔

دشمن کی فوج کم کرنے کے لئے امام کی سیاست

احنف بن مالک اپنے قبیلہ کا سردار تھا اس کے علاوہ اپنے اطراف کے قبیلوں میں بھی اہم مقام رکھتا تھا جب

---

[۱] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۳۱۔
[۲] یعنی جس طرح بیل اپنی نوک دار سینگ سے ہر کسی کو چھیدنے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح تم طلحہ کو فتنہ میں مبتلا پاؤ گے۔ رضوی۔
[۳] تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲۹۔

عثمان کے گھر کا لوگوں نے محاصرہ کیا تھا اس وقت وہ مدینے میں تھا اور اس وقت اس نے طلحہ وزبیر سے پوچھا تھا کہ عثمان کے بعد کس کی بیعت کی جائے دونوں افراد نے امام کی بیعت کے لئے کہا تھا، جس وقت احنف حج کے سفر سے واپس ہوا اور دیکھا کہ عثمان قتل کر دیئے گئے ہیں تو اس نے امام کی بیعت کی۔ اور بصرہ واپس آ گیا اور جب طلحہ وزبیر کے متعلق اسے یہ خبر ملی کہ انہوں نے اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیا ہے تو بہت تعجب میں پڑ گیا اور جب عائشہ کی طرف سے اسے بلایا گیا کہ ان کی مدد کرے تو اس نے اس درخواست کو رد کر دیا اور کہا، میں نے ان دونوں کے کہنے سے علی کی بیعت کی ہے اور میں ہرگز پیغمبر کے چچازاد بھائی کے ساتھ جنگ نہیں کروں گا مگر ان سب سے دور رہوں گا۔ اسی وجہ سے وہ امام کی خدمت میں آیا اور کہا ہمارے قبیلے والے کہتے ہیں کہ اگر علی کامیاب ہو گئے تو ہمارے مردوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو قیدی بنالیں گے۔ امام نے اس سے کہا: مجھ جیسے شخص سے ہرگز نہ ڈرو جب کہ یہ مسلمانوں کا گروہ ہے۔ احنف نے یہ جملہ سن کر امام سے کہا ان دو کاموں میں سے ایک کام میرے لئے معین فرمائیں یا آپ کے ہمراہ رہ کر جنگ کروں یا دس ہزار تلوار چلانے والوں کے شر کو آپ سے دور کروں۔ امام نے فرمایا: کتنا بہتر ہے کہ جو تم نے بے طرفی کا وعدہ کیا ہے اس پر عمل کرو۔ احنف نے اپنے قبیلے اور اطراف میں رہنے والے قبیلوں کو جنگ میں شرکت کرنے سے روک دیا اور جب علی کامیاب ہو گئے۔ تو تمام لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں پر بیعت کی اور آپ کے ہمراہ ہو گئے۔

امام کی طلحہ اور زبیر سے ملاقات

جمادی الثانی ۳۶ ھ میں امام نے دونوں لشکر کے درمیان ناکثین کے سرداروں سے ملاقات کی اور دونوں لشکر والے اتنے نزدیک ہو گئے تھے کہ گھوڑوں کے کان ایک دوسرے سے ملنے لگے تھے۔ امام نے سب سے پہلے طلحہ پھر زبیر سے گفتگو کی جس کی تفصیل یہ ہے:

امام: تم نے اسلحہ اور پیدل اور سوار فوج کو اکٹھا کر لیا ہے اگر اس کام کے لئے تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کرو اگر ایسا نہیں ہے تو خدا کی مخالفت سے پرہیز کرو اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنے دھاگوں کو خراب کر دیا ہے۔ کیا میں تمہارا بھائی نہ تھا اور تمہارے خون کو حرام قرار نہیں دیا تھا اور تم نے بھی میرے خون کو محترم نہیں سمجھا تھا؟ کیا میں نے کوئی ایسا کام کیا ہے جو اس وقت میرے خون کو حلال سمجھ رہے ہو؟

طلحہ: آپ نے لوگوں کو عثمان کے قتل کرنے پر اکسایا۔

امام: اگر میں نے ایسا کام ہے تو خداوند عالم قیامت کے دن لوگوں کو ان کے اعمال کی سزا تک پہنچائے گا اور اس وقت لوگوں پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ اے طلحہ! کیا تو عثمان کے خون کا بدلہ طلب کر رہا ہے؟ خدا عثمان کے قاتلوں پر لعنت کرے، تم پیغمبر کی بیوی کو لائے ہو کہ اس کے زیر سایہ جنگ کرو جب کہ اپنی بیوی کو گھر میں بٹھا رکھا ہے کیا تم نے میری بیعت

نہیں کی تھی؟

طلحہ: میں نے آپ کی بیعت کی اس لئے کہ میرے سر پر تلوار تھی۔

پھر امام زبیر کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے پوچھا۔ اس نافرمانی کی کیا وجہ ہے؟

زبیر: میں تمہیں اس کام کے لئے اپنے سے زیادہ بہتر نہیں سمجھتا۔

امام: کیا میں اس کام کے لئے سزاوار نہیں ہوں؟ (زبیر نے چھ افراد پر مشتمل شوری میں علی کو خلیفہ معین کرنے کے لئے رائے دی تھی) میں نے تمہیں عبدالمطلب کی اولاد میں شمار کیا لیکن جب تیرا بیٹا عبداللہ بڑا ہوا تو ہم لوگوں کے درمیان جدائی پیدا کر دی۔ کیا تمہیں وہ دن یاد نہیں جس دن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلۂ بنی غنم سے گزر رہے تھے رسول اسلام اور میں دونوں ہنس رہے تھے، تم نے پیغمبر سے کہا کہ علی مذاق کرنے سے باز نہیں آ رہے ہیں اور پیغمبر نے تم سے کہا: خدا کی قسم، اے زبیر تو اس کے ساتھ جنگ کرے گا اور اس وقت تم ستم کرنے والے ہو گے۔

زبیر: یہ بات صحیح ہے اگر یہ واقعہ میرے ذہن میں ہوتا تو اس طریقے سے پیش نہ آتا خدا کی قسم میں تم سے جنگ نہیں کروں گا۔

زبیر، امام کی باتیں سن کر بہت متأثر ہوا اور عائشہ کے پاس گیا اور پورا واقعہ بیان کیا مگر جب عبداللہ اپنے باپ کے ارادے سے باخبر ہوا تو بہت زیادہ ناراض ہو کر کہنے لگا ان دو گروہ کو یہاں جمع کیا ہے اور اس وقت کہ ایک گروہ طاقتور ہوا ہے دوسرے والے گروہ کو چھوڑ کر جا رہے ہو؟ خدا کی قسم! علی نے جو تلوار بلند کی ہے تم اس سے ڈر رہے ہو، کیونکہ تم جانتے ہو کہ ان تلواروں کو بہادر اٹھاتے ہیں۔

زبیر نے کہا: میں نے قسم کھائی ہے کہ علی سے جنگ نہیں کروں گا اب میں کیا کروں؟

عبداللہ نے کہا: اس کا حل کفارہ ہے، بہتر ہے کہ ایک غلام آزاد کرو، اس بناء پر زبیر نے اپنے غلام مکحول کو آزاد کر دیا۔

یہ واقعہ زبیر کی سطحی ذہنیت پر دلالت کرتا ہے وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو یاد کرتے ہوئے قسم کھاتا ہے کہ علی کے ساتھ جنگ نہیں کرے گا لیکن اپنے بیٹے کے غلط بہکانے پر پیغمبر کی حدیث کو نظرانداز کر دیتا ہے اور اپنی قسم کو کفارہ دے کر بے اہمیت کر دیتا ہے۔

حالات سے معلوم ہو گیا ہے کہ جنگ کا ہونا یقینی ہے لہٰذا ناکثین نے ارادہ کیا کہ اپنی فوج کو مزید مضبوط اور منظم کریں۔

ایسے علاقوں میں جہاں لوگ قبیلائی نظام کے طور پر زندگی بسر کرتے ہیں وہاں کے سارے امور قبیلہ کے سردار کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور اسے ہر شخص قبول کرتا ہے۔ بصرہ کے قبیلوں کے اطراف میں ایک شخصیت احنف نام کی بھی ہے، اگر وہ

ناکثین کے گروہ میں مل جاتا تو اس کی فوج بہت زیادہ طاقتور ہوجاتی اور چھ ہزار سے بھی زیادہ لوگ ناکثین کے زیر پرچم جمع ہو جاتے اور ان کی تعداد میں اضافہ ہوجاتا لیکن احنف نے اپنی ہوشیاری اور عقلمندی سے سمجھ لیا کہ ان کا ساتھ دینا خواہشات نفسانی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اس نے اپنی ذہانت سے سمجھ لیا کہ عثمان کا خون صرف ایک بہانہ ہے اور اصل حقیقت، حکومت حاصل کرنا ہے اور علی کو منصب سے دور کرنے اور خلافت پر قبضہ کرنے کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے، اسی وجہ سے امام کے حکم کے مطابق اس نے کنارہ کشی اختیار کی اور اپنے قبیلے اور اطراف کے قبیلے سے چھ ہزار آدمیوں کو ناکثین کے گروہ میں شامل ہونے سے بچالیا۔

احنف کا ایسے وقت میں کنارہ کشی اختیار کرنا ناکثین کو بہت ناگوار گزرا، اس کے علاوہ ان کی امیدیں بصرہ کے قاضی، کعب بن سور پر تھیں لیکن جب اس کے پاس پیغام بھیجا تو اس نے بھی ناکثین کا ساتھ دینے سے پرہیز کیا اور جب لوگوں کو خبر ملی کہ اس نے بھی ساتھ دینے سے انکار کردیا ہے تو ارادہ کیا کہ اس سے ملاقات کریں اور روبرو اس سے گفتگو کریں لیکن اس نے ملاقات کرنے سے انکار کردیا لہٰذا اب ان کے پاس عائشہ سے توسل کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا تاکہ وہ اس سے ملنے جائیں۔

عائشہ خچر پر سوار ہوئیں اور بصرہ کے لوگوں کا ایک گروہ ان کی سواری کے اطراف میں چلنے لگا وہ قاضی کے گھر گئیں قاضی سب سے بڑا قبیلہ ازد کا سردار تھا اور یمنی لوگوں کی نگاہ میں اس کا ایک خاص مقام تھا، عائشہ نے گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کی اور انہیں اجازت ملی، عائشہ نے اس کی معزولی کی وجہ دریافت کی۔ اس نے جواب دیا۔ لازم نہیں ہے کہ میں اس فتنہ میں شریک رہوں، عائشہ نے کہا: میرے بیٹے اٹھو کیونکہ میں کچھ ایسی چیزیں دیکھ رہی ہوں جسے تم نہیں دیکھ رہے ہو (ان کا مقصد یہ تھا کہ فرشتے مومنین یعنی ناکثین کی حمایت کیلئے آئے تھے!) پھر انہوں نے کہا میں خدا سے خوف محسوس کررہی ہوں کہ وہ سخت سزا دینے والا ہے اس طرح بصرہ کے قاضی کو ناکثین کا ساتھ دینے کے لئے راضی کرلیا۔

زبیر کے بیٹے کی تقریر اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا جواب

زبیر کا بیٹا اپنی فوج کو منظم کرنے کے بعد تقریر کرنے لگا اور اس کی آواز امام کے دوستوں کے درمیان پہنچی اس وقت امام حسن نے خطبے کے ذریعے عبداللہ کی باتوں کا جواب دیا پھر ایک کہنہ مشق شاعر نے امام حسن کی شان میں قصیدہ پڑھا جس نے موجودہ لوگوں کے جذبات کو ابھار دیا امام مجتبیٰ کا نورانی کلام اور شاعر کا کلام ناکثین کے گروہ میں بہت زیادہ مؤثر ثابت ہوا، کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے فرزند نے عثمان کے سلسلہ میں طلحہ کے کردار کو آشکار کردیا یہی وجہ ہوئی کہ طلحہ تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا اور وہ قبیلے جو حضرت علی علیہ السلام کے پیرو تھے انہیں منافق کہا، طلحہ کی تقریر ان لوگوں کے رشتہ داروں پر جو کہ طلحہ کی فوج میں تھے بہت گراں گزری، اچانک ایک شخص نے اٹھ کر کہا: اے طلحہ تم مضر، ربیعہ اور یمن کے قبیلے

والوں کو گالی دے رہے ہو؟ خدا کی قسم، ہم لوگ ان سے اور وہ لوگ ہم سے ہیں زبیر کے پاس موجود لوگوں نے چاہا کہ اسے گرفتار کریں لیکن قبیلہ بنی اسد کے لوگوں نے منع کیا مگر بات یہیں پر ختم نہ ہوئی بلکہ ایک دوسرا شخص اسود بن عوف کھڑا ہوا اور اس نے بھی پہلے والے شخص کی بات کو دہرایا۔ یہ تمام باتیں اس بات کی حکایت کرتی ہیں کہ طلحہ جنگجو تھا لیکن ایسے حساس موقع پر سیاست کے اصولوں سے باخبر نہ تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کی تقریر

امام ایسے حالات میں اٹھے اور ایک فصیح وبلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں ان چیزوں کو بیان کیا:

طلحہ اور زبیر بصرہ میں داخل ہوئے جب کہ بصرہ کے لوگ میرے مطیع وفرمانبردار اور میری بیعت میں تھے ان لوگوں نے ان کو میری مخالفت کے لئے اکسایا اور جس نے بھی ان کی مخالفت کی اسے قتل کر دیا تم سب لوگ اس بات سے واقف ہو کہ انہوں نے حکیم بن جبلہٗ اور بیت المال کے محافظوں کو قتل کر ڈالا اور عثمان بن حنیف کو ناگفتہ بہ صورت میں بصرہ سے نکال دیا اب جب ان کی حقیقتوں کا پردہ چاک ہو گیا ہے تو جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے ہیں۔

امام کی تقریر کے بعد حکیم بن مناف نے امام کی شان میں اشعار پڑھ کر امام کی فوج میں نئی روح پھونک دی اس کا دوشعر یہ ہے:

أبا حسن أ یقظت من کان نائماً
و ما کل من یدعی الی الحق یسمع

اے ابوالحسن! خواب غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو بیدار کر دیا ورنہ ضروری نہیں ہے کہ جس کو حق کی دعوت دی جائے وہ اس کو سنے۔

و أنت امرء أعطیت من کل وجهةٍ
محاسنَها و الله یعطی و یمنع

آپ ایسے شخص ہیں کہ ہر بہترین کمال آپ کو عطا ہوا ہے اور خدا جسے بھی چاہے عطا کرے یا عطا نہ کرے۔

امام نے ناکثین کو تین دن کی مہلت دی کہ شاید مخالفت کرنے سے باز آ جائیں اور آپ کی اطاعت کرنے لگیں لیکن جب ان کے حق کی طرف آنے سے مایوس ہو گئے تو اپنے چاہنے والوں کے درمیان ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں ناکثین کے دردناک واقعات کو بیان کیا جب امام خطبہ دے چکے تو شداد عبدی اٹھا اور مختصر طور پر اہل بیت پیغمبر سے اپنی صحیح شناخت کو اس طرح بیان کیا:

جب گناہگار زیادہ ہو گئے اور دشمن مخالفت کرنے لگے اس وقت ہم نے اپنے پیغمبر کے اہلبیت کے پاس پناہ لی۔

اہل بیت وہ ہیں جن کی وجہ سے خدا نے ہم لوگوں کو عزیز و محترم بنایا اور گمراہی سے ہدایت کی طرف راستہ دکھایا۔ اے لوگو! تم پر لازم ہے ان لوگوں کا دامن تھام لو۔ اور جو ادھر ادھر بہک گئے ہیں (اور ان سے منہ موڑ لیا ہے) انہیں چھوڑ دو تا کہ وہ ضلالت و گمراہی کے کھنڈر میں چلے جائیں۔ [1]

امام کا آخری مرتبہ اتمام حجت کرنا

۱۰ جمادی الاول ۳۶ ھ جمعرات کے دن امام اپنے سپاہیوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور کہا: جلدی نہ کرو میں آخری مرتبہ اس گروہ پر اپنی حجت تمام کردوں۔ اس وقت ابن عباس کو قرآن دیا اور کہا یہ قرآن لے کر ناکثین کے سرداروں کے پاس جاؤ اور ان لوگوں کو اس قرآن کی دعوت دو اور طلحہ وزبیر سے کہو کیا ان لوگوں نے میری بیعت نہیں کی تھی؟ تو پھر کیوں بیعت کو توڑ دیا؟ اور ان سے کہنا کہ یہ خدا کی کتاب ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔

ابن عباس سب سے پہلے زبیر کے پاس گئے اور امام کے پیغام کو ان تک پہنچایا اس نے امام کا پیغام سن کر جواب دیا۔ میری بیعت اختیاری نہ تھی اور مجھے قرآن کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے، پھر ابن عباس طلحہ کے پاس گئے اور اس سے کہا امیر المومنین نے کہا ہے کہ کیوں تم نے بیعت کو توڑ ڈالا؟ اس نے کہا: میں عثمان کے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔

ابن عباس نے کہا: عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے عثمان کا بیٹا آبان سب سے زیادہ سزاوار ہے۔

طلحہ نے کہا: وہ کمزور آدمی ہے اور ہم اس سے زیادہ طاقتور ہیں۔ سب سے آخر میں ابن عباس عائشہ کے پاس گئے دیکھا کہ وہ اونٹ کے کجاوہ پر سوار بیٹھی ہیں اور اونٹ کی مہار بصرہ کا قاضی کعب بن سور پکڑے ہوئے ہے اور قبیلہ ازد اور ضبہ کے لوگ اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں جب عائشہ کی نظر ابن عباس پر پڑی تو کہا: کس لئے آئے ہو؟ جاؤ اور علی سے کہو کہ ان کے اور ہمارے درمیان تلوار کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

ابن عباس امام کی خدمت میں آئے اور پورا ماجرا بیان کیا امام نے چاہا کہ دوسری مرتبہ اتمام حجت کریں تا کہ واضح و روشن دلیل کے ساتھ تلوار اٹھائیں لہٰذا آپ نے اس مرتبہ فرمایا: تم میں سے کون حاضر ہے جو اس قرآن کو اس گروہ کے پاس لے جائے۔ اور انہیں دعوت دے اور اگر اس کے ہاتھ کو کاٹ دیں تو اسے دوسرے ہاتھ میں لے لے۔ اور اگر دونوں ہاتھ کاٹ دیں تو اسے دانتوں سے پکڑ لے؟

ایک جوان نے اٹھ کر کہا: اے امیر المومنین میں اس کام کے لئے حاضر ہوں۔ امام نے پھر اپنے دوستوں کے درمیان آواز دی لیکن اس نو جوان کے علاوہ کسی نے امام کی آواز پر لبیک نہ کہا، لہٰذا امام نے قرآن اسی جوان کو دیا اور کہا قرآن لے کر ان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ یہ کتاب ابتدا سے انتہا تک ہمارے اور تمہارے درمیان حاکم ہے۔

---

[1] الجمل، ص ۱۷۹۔۱۷۸۔

وہ نو جوان امام کے حکم کے مطابق قرآن لے کر دشمنوں کو پاس گیا دشمنوں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو کاٹ دیا اس نے قرآن کو دانتوں سے دبایا یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔[۱]

اس واقعہ نے جنگ کو قطعی اور ناکثین کی دشمنی کو واضح کر دیا، اس کے باوجود امام نے اپنا لطف و کرم دکھایا اور حملہ کرنے سے پہلے ارشاد فرمایا:

میں جانتا ہوں کہ طلحہ و زبیر جب تک لوگوں کا خون نہیں بہالیں گے اپنے کام سے باز نہیں آئیں گے لیکن تم لوگ اس وقت تک جنگ شروع نہ کرنا جب تک وہ جنگ شروع نہ کریں، اگر ان میں سے کوئی بھاگے تو اس کا پیچھا نہ کرنا، زخمیوں کو قتل نہ کرنا، اور دشمنوں کے بدن سے کپڑے نہ اتارنا۔[۲]

---

[۱] تاریخ طبری ج ۳ ص ۵۲۰۔

[۲] کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۴۳۔

دسویں فصل

حضرت علی علیہ السلام کے سپاہیوں کی بہادری

کائنات کے تمام حاکموں میں کوئی بھی حاکم علی جیسا نہیں جو دشمن کو اتنی زیادہ مہلت دے اور عظیم شخصیتوں اور قرآن کو فیصلہ کے لئے بھیجے اور جنگ شروع کرنے میں صبر وتحمل سے کام لے، یہاں تک کہ دوستوں اور مخلصوں کی طرف سے شکوہ اور اعتراض ہونے لگے، یہی وجہ ہے کہ امام مجبور ہوئے کہ اپنی فوج کو منظم کرکے اپنے سرداروں کو درج ذیل مقامات پر معین کریں:

ابن عباس کو اگلے دستے کا سردار اور عمار یاسر کو تمام سواروں کا سردار اور محمد بن ابی بکر کو پیدل حملہ کرنے والوں کا سردار معین کیا اور اس کے بعد مذحج، ہمدان، کندہ، قضاعہ، خزاعہ، ازد، بکر، اور عبدالقیس کے قبیلے کے سواروں اور پیدل چلنے والوں کے لئے علمبردار معین کیا اس دن جتنے افراد چاہے پیدل چاہے سوار، امام کے ہمراہ جنگ کرنے کے لئے آمادہ تھے ان کی تعداد کل سولہ ہزار (۱۶۰۰۰) تھی۔ [۱]

ناکثین کی طرف سے جنگ کا آغاز:

ابھی امام اپنی فوج کو منظم اور جنگ کے اسرار و رموز سمجھانے میں مشغول تھے کہ اچانک دشمن کی طرف سے امام کے لشکر پر تیروں کی بارش ہونے لگی جس کی وجہ سے امام کی فوج کے کئی افراد شہید ہو گئے۔ انہی میں سے ایک تیر عبداللہ بن بدیل کے بیٹے کو لگا اور اسے شہید کر دیا۔

عبداللہ اپنے بیٹے کی لاش لے کر امام کے پاس آئے اور کہا: کیا اب بھی ہم صبر و حوصلے سے کام لیں تا کہ دشمن ہمیں ایک ایک کر کے قتل کر ڈالیں؟ خدا کی قسم اگر مقصد اتمام حجت ہے تو آپ نے ان پر اپنی حجت تمام کر دی ہے۔

عبداللہ کی گفتگو سن کر امام جنگ کے لئے آمادہ ہوئے، آپ نے رسول اسلام کی زرہ پہنی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر سوار ہوئے اور اپنی فوج کے درمیان کھڑے ہوئے۔

---

[۱] الجمل ص ۱۷۲۔

قیس بن سعد بن عبادہ[۱] جو امام کا بہت مخلص (گہرا) دوست تھا حضرت کی شان اور جو پرچم اٹھائے ہوئے تھا اس کے لئے اشعار پڑھا جس کا دوشعر یہ ہے:

هذا اللواء الذی کنا نحف به
مع النبی و جبرئیل لنا مدداً
ما ضر من کانت الانصار عیبته
أن لا یکون له من غیرها أحداً

یہ پرچم جس کو ہم نے احاطہ کیا ہے یہ وہی پرچم ہے جس کے سایہ میں پیغمبر کے زمانے میں جمع ہوئے تھے اور اس دن جبرئیل نے ہماری مدد کی تھی وہ شخص کہ جس کے انصار راز دار ہوں کوئی نقصان نہیں ہے کہ اس کے لئے دوسرے یاور و مددگار نہ ہوں۔

امام کی منظم فوج نے ناکثین کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور عائشہ جس اونٹ پر سوار تھیں اسے میدان جنگ میں لائے اور اس کی مہار کو بصرہ کے قاضی کعب بن سور کے ہاتھوں میں سونپ دی اس نے قرآن اپنی گردن میں لٹکایا اور قبیلہ از داور ضبہ کے افراد نے اونٹ کو چاروں طرف سے اپنے احاطہ میں لے لیا عبداللہ بن زبیر عائشہ کے سامنے اور مروان بن حکم اونٹ کے بائیں طرف کھڑے ہوئے فوج کی ذمہ داری زبیر کے ہاتھوں میں تھی اور طلحہ تمام سواروں کا سردار اور محمد بن طلحہ پیدل چلنے والوں کا سردار تھا۔

امام نے جنگ جمل میں محمد بن حنفیہ کو علم لشکر دے کر آداب حرب کی تعلیم دی اور فرمایا:

تزول الجبال و لا تزل، عض علی ناجذك، اعر الله جمجمتك، تد فی الارض قدمك، ارم ببصرك أقصی القوم و غض بصرك و اعلم ان النصر من عند الله سبحانه۔[۲]

پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں مگر تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا دانتوں کو بھینچ لینا، اپنا کاسئہ سر خدا کو عاریۃً دیدینا، اپنے قدم زمین میں گاڑ دینا، دشمن کی آخری صف پر نظر رکھنا (دشمن کی ہیبت و کثرت سے) آنکھیں بند رکھنا اور اس بات کا یقین رکھو کہ خدا کی طرف سے مدد ہوتی ہے۔

امام کے دہن اقدس سے نکلا ہوا ہر جملہ بہترین شعار ہے جو تازگی عطا کرتا ہے یہاں پر اس کی شرح کرنا ممکن نہیں ہے۔

جب لوگوں نے محمد بن حنفیہ سے کہا کہ کیوں امام نے انہیں میدان جنگ میں بھیجا اور حسن و حسین کو اس کام سے

---

[۱] شیخ مفید اپنی کتاب جمل میں تحریر کرتے ہیں کہ قیس بن سعد وارد ہوا اور شاید اس سے مراد قیس بن سعد بن عبادہ ہے۔
[۲] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۱۔

روکے رکھا۔تو انہوں نے جواب دیا، میں اپنے بابا کا ہاتھ ہوں اور وہ ان کی آنکھیں ہیں وہ اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھوں کی حفاظت کررہے ہیں۔[1]

ابن ابی الحدید نے اس واقعہ کو مدائنی اور واقدی جیسے مؤرخین سے اس طرح نقل کیا ہے:

امام اس گروہ کے ساتھ جسے کتیبۃ الخضر ائ کہتے ہیں اور جس کے افراد مہاجرین و انصار سے تھے اور حسن و حسین علیہما السلام اس کے اطراف کا احاطہ کئے ہوئے تھے، ارادہ کیا کہ دشمن پر حملہ کریں۔علم لشکر محمد بن حنفیہ کے ہاتھوں میں دیا اور آگے بڑھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: اتنا آگے بڑھو کہ پرچم کو اونٹ کی آنکھ میں گاڑھ دو امام کے بیٹے نے آگے بڑھنا شروع کیا لیکن تیروں کی بارش نے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا وہ تھوڑی دیر تک ٹھہرے رہے یہاں تک کہ تیروں کی بارش کم ہوجائے، امام نے اپنے بیٹے کو دوبارہ حملہ کرنے کا حکم دیا لیکن جب آپ نے احساس کیا کہ وہ تاخیر کررہے ہیں تو ان کے حال پر افسوس کیا اور علم لشکر ان سے لے لیا اور اپنے داہنے ہاتھ میں تلوار اور بائیں ہاتھ میں علم لیا اور خود حملہ کرنا شروع کردیا اور قلب لشکر میں داخل ہوگئے۔

چونکہ آپ کی تلوار لڑتے لڑتے کج ہوگئی تھی لہٰذا اسے سیدھی کرنے کے لئے اپنی فوج میں واپس آگئے، آپ کے ساتھیوں مثلاً عمار یاسر، مالک اشتر اور حسن وحسین نے آپ سے کہا ہم لوگ حملہ کریں گے اور آپ یہیں پر رک جائیں امام نے نہ ان لوگوں کا جواب دیا اور نہ ہی ان کی طرف دیکھا بلکہ شیر کی طرح ڈکار رہے تھے اور آپ کی پوری توجہ دشمن کی طرف تھی کسی کو بھی اپنے پاس نہیں دیکھ رہے تھے پھر آپ نے اپنے بیٹے کو دوبارہ علم دیا اور پھر دوسری مرتبہ حملہ کیا اور قلب لشکر میں داخل ہوگئے اور جو بھی آپ کے سامنے آتا اسے بچھاڑ دیتے دشمن انہیں دیکھ کر بھاگ جاتے اور ادھر ادھر پناہ لیتے تھے۔اس حملہ میں امام نے اتنے لوگوں کو قتل کیا کہ زمین دشمنوں کے خون سے رنگین ہوگئی، پھر اپنی فوج کی طرف واپس آگئے اور آپ کی تلوار پھر ٹیڑھی ہوگئی آپ نے اسے اپنے زانو پر رکھ کر سیدھا کیا، اس وقت آپ کے ساتھیوں نے آپ کو حلقے میں لے لیا اور خدا کی قسم دے کر کہا کہ اب آپ خود حملہ نہ کیجئے کیونکہ آپ کی شہادت کی وجہ سے اسلام ختم ہوجائے گا نیز مزید کہا: اے علی! ہم آپ کے لئے ہیں۔

امام نے فرمایا: میں خدا کے لئے جنگ کررہا ہوں اور اس کی رضا کا طالب ہوں۔پھر اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ سے فرمایا دیکھو اس طرح سے حملہ کیا جاتا ہے، محمد نے کہا: اے امیر المومنین آپ کی طرح سے کون حملہ کرسکتا ہے۔

اس وقت امام نے مالک اشتر کو حکم دیا کہ دشمن کے لشکر کے بائیں طرف حملہ کرو جس کا سردار ہلال تھا، اس حملے میں ہلال مارا گیا اور بصرہ کا قاضی کعب بن سور جس کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی اور عمر بن یثر بی ضبی جو لشکر جمل کا سب سے

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱ ص ۲٤٤

بہادر سپاہی تھا اور بہت دنوں تک عثمان کی طرف سے بصرہ کا قاضی تھا مارے گئے۔ بصرہ کے لشکر والوں کی کوشش یہ تھی کہ عائشہ کا اونٹ کھڑا (صحیح وسالم) رہے کیونکہ وہی ثبات واستقامت کا نشان تھا، اس وجہ سے امام کے لشکر نے پہاڑ کی طرح جمل پر حملہ کیا اور دشمنوں نے بھی پہاڑ کی طرح حملہ کا دفاع کیا، اس کی حفاظت کے لئے ناکثین کے ستر لوگوں نے اپنے ہاتھ کٹوا دیئے۔[1]

اس وقت سر گردنوں سے کٹ کر گر رہے تھے، ہاتھ جوڑوں سے کٹ رہے تھے، دل اور انتڑیاں پیٹ سے باہر نکل رہی تھیں، ان سب کے باوجود تمام ناکثین ٹڈیوں کی طرح جمل کے اطراف میں ثابت قدم تھے اس وقت امام نے فریاد بلند کی:

ویلکم اعقروا الجمل فانه شیطان، اعقروه و الا فنیت العرب لایزال السیف قائماً و راکعاً حتی یهوی هذا البعیر الی الارض

وائے ہو تم پر، عائشہ کے اونٹ کو قتل کر دو وہ شیطان ہے اس کو قتل کرو عرب ختم ہو جائیں گے اور تلواریں مسلسل اس وقت تک چلتی رہیں گی جب تک یہ اونٹ کھڑا رہے گا۔[2]

امام کا اپنی فوج کی حوصلہ افزائی کرنے کا طریقہ

امام اپنے لشکر کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے یہ نعرہ لگاتے تھے یا مَنصُورُ اَمِت یا کبھی حم لاینصرون کہتے تھے اور یہ دونوں نعرہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لگایا تھا اور مشرکوں سے جنگ کے وقت لگایا جاتا تھا، ان نعروں کی گونج نے دشمن کی فوج میں عجیب لرزہ طاری کر دیا کیونکہ ان لوگوں کو مسلمانوں کا مشرکوں سے جنگ کرنا یاد آ گیا یہی وجہ ہے کہ عائشہ نے بھی اپنی فوج کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے نعرہ لگایا

یابنی الکرة الکرة، اصبروا فانی ضامنة لکم الجنة

اے میرے بیٹو بردبار رہو اور حملہ کرو میں تمہاری بہشت کی ضامن ہوں۔

اس نعرے کی وجہ سے لشکر والے ان کے اردگرد جمع ہو گئے اور اتنا آگے بڑھے کہ امام کا لشکر چند قدم کے فاصلے پر تھا۔

عائشہ نے اپنے چاہنے والوں کے جذبات ابھارنے کے لئے ایک مٹھی مٹی مانگی اور جب انہیں مٹی دی گئی تو انہوں نے امام کے چاہنے والوں کی طرف پھینکا اور کہا: شاہت الوجوہ یعنی تم لوگوں کا چہرہ کالا ہو جائے۔ انہوں پیغمبر کی تقلید کی کیونکہ

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص۲۶۵۔
[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص۲۶۷۔۲۵۷۔

حضرت نے بھی جنگ بدر میں ایک مٹھی خاک اٹھائی تھی اور دشمنوں کی طرف پھینکی تھی اور یہی جملہ فرمایا تھا اور خدا نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل کی: و ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمیٰ عائشہ کا یہ عمل دیکھنے کے بعد فوراً ہی امام نے فرمایا: و ما رمیت اذ رمیت ولکن الشیطان رمی یعنی اگر پیغمبر کے لئے خدا کا ہاتھ پیغمبر کی آستین سے باہر ہوا تو عائشہ کے لئے شیطان کا ہاتھ اس کی آستین سے ظاہر ہوا ہے۔

اونٹ کا گرنا

عائشہ کا اونٹ ایک بے منہ جانور تھا اور اسے برے مقصد تک پہنچنے کے لئے استعمال کیا گیا تھا اس پر کجاوہ لگا کر بڑے احترام سے عائشہ کو بٹھایا گیا تھا بصرہ کے سپاہی اس کی بڑی شدت سے حفاظت کر رہے تھے اور بہت زیادہ لوگ محافظ تھے جب بھی کوئی ہاتھ کٹتا تو دوسرے ہاتھ میں اونٹ کی مہار چلی جاتی بالآخر اونٹ کی مہار پکڑنے کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا، زبیر کے بیٹے نے سبقت دکھائی اور اونٹ کی مہار پکڑ لی لیکن مالک اشتر نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے زمین پر پٹک دیا اور اس کی گردن کو پکڑا جب زبیر کے بیٹے کو یہ احساس ہوا کہ وہ مالک اشتر کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا تو اس نے فریاد بلند کی اے لوگو! حملہ کرو اور مالک کو قتل کر دو اگر چہ میں بھی قتل ہو جاؤں۔[1]

مالک اشتر نے اس کے چہرے پر ایک وار کر کے اسے چھوڑ دیا لوگ عائشہ کے اونٹ کے پاس سے دور ہو گئے امام نے اس کے پاؤں کاٹنے کا حکم دیا تا کہ دشمن عائشہ کا اونٹ دیکھ کر دوبارہ اس کی طرف واپس نہ آئیں۔ پیر کٹتے ہی اونٹ زمین پر گر پڑا اور کجاوہ بھی گر گیا اس وقت عائشہ کی ایسی فریاد بلند ہوئی کہ دونوں لشکر کے سپاہیوں نے سنا، امام کے حکم سے محمد بن ابوبکر بہن کے کجاوے کے پاس پہنچے اور اس کی رسیوں کو کھولا۔

اس جنگ میں جو گفتگو بہن اور بھائی کے درمیان ہوئی ہم اسے مختصراً نقل کر رہے ہیں:

عائشہ: تم کون ہو؟

محمد بن ابوبکر: تیرے گھر کا ایک شخص جو تیرا سب سے بڑا دشمن ہے۔

عائشہ: تو اسماء خثعمیہ کا بیٹا ہے؟

محمد بن ابوبکر: ہاں، لیکن وہ تیری ماں سے کم نہ تھی۔

عائشہ: یہ بات صحیح ہے کہ وہ شریف عورت تھی اس سے کیا بحث، خدا کا شکر کہ تم سالم ہو۔

محمد بن ابوبکر: لیکن تم مجھے سالم دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

عائشہ: اگر تجھے سالم دیکھنا نہ چاہتی تو ایسی گفتگو نہ کرتی۔

---

[1] اس نے یہ کہا: اقتلونی و مالکاً و اقتلوا مالکاً معی۔

محمد بن ابوبکر: تو اپنی کامیابی چاہتی تھی اگر چہ میں قتل بھی کر دیا جاتا۔

عائشہ: میں جس چیز کو چاہتی تھی وہ میرے نصیب میں نہیں میری آرزو تھی کہ تو صحیح وسالم بچ جائے یہ سب باتیں چھوڑ و اور لعنت وملامت نہ کرو، جس طرح سے کہ تمہارا باپ ایسا نہ تھا۔

علی عائشہ کے کجاوے کے پاس پہنچے اور اپنے نیزے سے اس پر مارا اور کہا: اے عائشہ، کیا رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں اس کام کو انجام دینے کا حکم دیا تھا؟

اس نے امام کے جواب میں کہا: اے ابوالحسن اب جب کہ تم کامیاب ہو گئے ہو تو مجھے معاف کر دو۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ عمار یاسر اور مالک اشتر بھی وہاں پہنچ گئے اور ان لوگوں کے درمیان درج ذیل گفتگو ہوئی۔

عمار: اماں! آج اپنے بیٹوں کو دیکھا کہ راہ راست پر دین کی راہ میں کس طرح تلواریں چلا رہے تھے؟

عائشہ نے ان سنی کر دیا اور کوئی جواب نہ دیا کیونکہ عمار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی اور قوم کے بزرگ تھے۔

مالک اشتر: خدا کا شکر کہ اس نے اپنے امام کی مدد کی اور اس کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کیا، حق آیا اور باطل مٹ گیا کیونکہ باطل تو مٹنے ہی والا ہے، اے مادر! آپ نے اپنے کام کو کیسا پایا؟

عائشہ: تم کون ہو تمہاری ماں تمہارے غم میں بیٹھے؟!

مالک اشتر: میں آپ کا بیٹا مالک اشتر ہوں۔

عائشہ: تم جھوٹ بول رہے ہو میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔

مالک اشتر: آپ میری ماں ہیں اگر چہ آپ قبول نہ کریں۔

عائشہ: تم وہی ہو جو میری بہن اسماء کو ان کے بیٹے (عبداللہ بن زبیر) کے غم میں بٹھانا چاہتا تھا؟۔

مالک اشتر: یہ کام میں اس لئے انجام دیتا تا کہ خدا کے سامنے عذر پیش کر سکتا (یہ خدا کے حکم کی بجا آوری کے لئے تھا)۔

پھر عائشہ (جب کہ سوار ہو رہی تھیں) نے کہا: تم نے افتخار حاصل کر لیا اور کامیاب ہو گئے خدا کا کام قابل نتیجہ ہوتا ہے۔

امام نے محمد بن ابوبکر سے فرمایا: کہ اپنی بہن سے پوچھو کوئی تیر تو نہیں لگا؟ کیونکہ عائشہ کا کجاوہ تیر لگنے سے ساہی کے کانٹے کی طرح ہو گیا ہے۔

اس نے اپنے بھائی کے جواب میں کہا صرف ایک تیر میرے سر پر لگا ہے محمد نے اپنی بہن سے کہا خداوند عالم قیامت کے دن تمہارے خلاف فیصلہ کرے گا، کیوں کہ تم نے امام کے خلاف قیام کیا اور لوگوں کو ان کے خلاف اکسایا اور خدا کی کتاب کو نظر انداز کیا ہے۔

عائشہ نے کہا: مجھے چھوڑ دواور علی سے کہو مجھے مشکلات و پریشانیوں سے بچائیں (میری حفاظت کریں)

محمد بن ابوبکر نے امام کواپنی بہن کی سلامتی وخیریت سے آگاہ کیا۔

امام نے فرمایا: وہ ایک عورت ہیں اورعورتیں منطقی نقطۂ نظر سے طاقتورنہیں ہوتیں تم اس کی حفاظت کی ذمہ داری لو اوراسے عبداللہ بن خلف کے گھر پہنچادوتا کہ اس کے بارے میں کوئی تدبیر کریں۔

عائشہ پرامام اوران کے بھائی کا رحم وکرم ہوامگر عائشہ مسلسل امام کو برا بھلا کہتی رہیں۔اور جنگ جمل میں قتل ہونے والوں کی بخشش ومغفرت کی دعامیں مشغول رہیں۔[1]

طلحہ وزبیر کا انجام

مؤرخین کا کہنا ہے کہ طلحہ کا قتل مروان کے ہاتھوں ہوا کیونکہ جب طلحہ نے اپنے سپاہیوں کوشکست کھاتے ہوئے دیکھااوراپنی موت کوآنکھوں سے دیکھ لیاتو راہ فراراختیارکیااس وقت مروان کی نگاہ اس پر پڑی اوراس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ عثمان کے قتل کرنے میں سب اہم رول اسی کا تھا لہٰذا اسے تیر مار کرزخمی کردیاطلحہ کو یہ احساس ہوا کہ یہ تیرخوداس کی فوج نے پھینکا ہے لہٰذااس نے اپنے غلام سے کہا کہ اسے جلدی سے یہاں سے دوسری جگہ پر پہنچادے، بالآخرطلحہ کے غلام نے اسے بنی سعد کے کھنڈر میں پہنچا دیا۔طلحہ کے بدن سے خون بہہ رہا تھااس نے کہا: کسی بھی بزرگ کا خون ہماری طرح آلودہ نہیں ہواابھی اتنا ہی کہا تھا کہ روح اس کے بدن سے نکل گئی۔

زبیر کا قتل

جنگ جمل کا دوسرے فتنہ پرورزبیر نے جب شکست کا احساس کیا تو مدینہ کی طرف بھاگنے کا ارادہ کیا وہ بھی قبیلہ احنف بن قیس کے راستے سے اس قبیلہ نے امام کے حق جنگ میں شرکت کرنے سے پرہیز کیا تھا،قبیلہ کا سردارزبیر کی اس نامردی پر بہت غضبناک ہوا، کیونکہ اس نے انسانی اصولوں کے خلاف لوگوں کواپنے مفاد کے لئے قربان کردیا تھااوراب چاہتا تھا کہ میدان سے بھاگ جائے۔

احنف کے ساتھیوں میں سے عمرو بن جرموز نے ارادہ کیا کہ جتنے لوگوں کا خون بہا ہے اس کا بدلہ زبیر سے لے، لہٰذا اس کا پیچھا کیااور جب وہ راستے میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہواتو پیچھے سے حملہ کیااوراسے قتل کرڈالا اس کا گھوڑا، انگوٹھی اور اس کی تلوارضبط کرلیااور جونوجوان اس کے ساتھ تھااسے اس کے حال پر چھوڑ دیا،اس جوان نے زبیر کووادی السباع میں سپرد خاک کیا۔[2]

---

[1] الجمل، ص١٩٨۔١٦٦؛ تاریخ طبری، ج٣، ص٥٣٩۔

[2] الجمل، ص٢٠٤؛ تاریخ ابن اثیر، ج٣، ص٢٤٤۔٢٤٣۔

عمرو بن جرموز احنف کے پاس واپس آیا اور اس نے زبیر کے حالات سے آگاہ کیا اس نے کہا: مجھے نہیں معلوم کہ تم نے نیک کام انجام دیا یا برا، پھر دونوں امام کی خدمت میں آئے جب امام کی نظر زبیر کی تلوار پر پڑی تو آپ نے فرمایا: طالماً جلی الکرب عن وجہ رسول اللہ یعنی، اس تلوار نے کئی مرتبہ پیغمبر کے چہرے سے غم کے غبار کو ہٹایا تھا۔ پھر اس تلوار کو عائشہ کے پاس بھیج دیا۔[1]

جب حضرت کی نظر زبیر کے چہرے پر پڑی تو آپ نے فرمایا:

لقد كنت برسول الله صحبة و منه قرابةً و لكن دخل الشيطان منخرك فأوردك هذا المورد[2]

یعنی تو مدتوں پیغمبر کے ہمراہ تھا اور ان کا رشتہ دار بھی تھا لیکن شیطان نے تیری عقل پر غلبہ پیدا کر لیا اور تجھے اس انجام تک پہنچا دیا۔

جنگ جمل میں قتل ہونے والوں کی تعداد

تاریخ نے جنگ جمل میں قتل ہونے والوں کی تعداد کو معین نہیں کیا اور اس سلسلے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے شیخ مفید لکھتے ہیں کہ بعض مؤرخین نے جنگ جمل میں مارے جانے والوں کی تعداد ۲۵ ہزار لکھا ہے جب کہ عبداللہ بن زبیر (اس معرکہ کا فتنہ پرور انسان) نے قتل ہونے والوں کی تعداد ۱۵ ہزار لکھا ہے اور شیخ مفید نے دوسرے والے قول کو ترجیح دیا ہے اور لکھتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ مارے جانے والوں کی کل تعداد ۱۴ ہزار تھی۔[3]

طبری نے اپنی کتاب میں مارے جانے والوں کی تعداد ۱۰ ہزار نقل کی ہے جس کی نصف تعداد عائشہ کے لشکر اور نصف تعداد امام کے لشکر کی ہے۔ پھر دوسرا نظریہ نقل کرتا ہے جس کا نتیجہ جو کچھ ہم نے زبیر سے نقل کیا ہے دونوں ایک ہی ہے۔[4]

جنگ جمل میں قتل ہونے والوں کی تدفین

جنگ جمل کا واقعہ ۱۰ جمادی الثانی ۳۶ھ کو جمعرات کے دن رونما ہوا اور ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا[5] کہ عائشہ کے اونٹ گرنے اور کجاوہ کے ٹیڑھے ہونے سے جنگ ختم ہوگئی اور ایک بھی معقول ہدف نہ ہونے کی وجہ سے غالباً ناکثین نے

---

[1] تاریخ طبری، ج۳، ص۵۴۰؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص۲۳۵۔
[2] الجمل، ص۲۰۹۔
[3] الجمل، ص۲۲۳۔
[4] تاریخ طبری، ج۳، ص۵۴۳۔
[5] ابن ابی الحدید نے جنگ ہونے کی مدت دو دن لکھی ہے، ج۱، ص۲۶۲۔

راہ فرار اختیار کر لی، مروان بن حکم نے قبیلۂ عنزہ کے گھر میں پناہ لی۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کے کلام سے استفادہ ہوتا ہے کہ حسنین نے امام سے اس کی حفاظت کی درخواست کی، لیکن سب سے عمدہ بات یہ کہ جب حسنین نے آپ سے عرض کیا کہ مروان آپ کی بیعت کر لے گا تو امام نے فرمایا:

أولم یبایعنی بعد قتل عثمان؟ لا حاجة لی فی بیعته انها کف یهودیة لو بایعنی بکفه لغدر بسبته. اما ان له امرة کلعقة الکلب أنفه، و هو ابو الا کبش الاربعة و ستلقی الامة منه و من ولده یوماً أحمر.[1]

کیا عثمان کے قتل کے بعد اس نے میری بیعت نہیں کی تھی اب مجھے اس کی بیعت کی ضرورت نہیں ہے یہ ہاتھ تو یہودی جیسا ہاتھ ہے (یعنی یہودیوں کے جیسا مکر فریب کرنے والا ہاتھ) اگر یہ ہاتھ سے میری بیعت کر لے گا تو ذلت کے ساتھ اسے توڑ بھی دے گا یاد رکھو اسے ایسی حکومت ملے گی جس میں کتّا اپنی ناک چاٹتا ہے اور اس کے چار بیٹے بھی بس اتنی ہی دیر کے لئے حکمران ہوں گے اور وہ دن جلد آنے والا ہے جب امت کو اس کے اور اس کے بیٹوں کے ذریعے سرخ (خونی) دن دیکھنا نصیب ہوگا۔

عبداللہ ابن زبیر نے ایک ازدی کے گھر میں پناہ لی تھی اور عائشہ کو اس بات کی خبر دے دی تھی عائشہ نے اپنے بھائی محمد بن ابوبکر کو جو امام کے حکم سے عائشہ کی حفاظت کر رہے تھے، عبداللہ کے پاس بھیجا جہاں وہ پناہ لئے تھا تا کہ اسے عبداللہ بن احنف کے گھر پہنچا دے، کیونکہ عائشہ بھی وہیں تھیں۔ بالآخر عبداللہ بن زبیر اور مروان نے بھی وہیں پناہ لی۔[2]

پھر دن کے باقی حصے میں امام میدان جنگ میں آئے اور بصرہ کے لوگوں کو بلایا تا کہ اپنے مرنے والوں کو دفن کریں۔ طبری کے نقل کرنے کے مطابق، امام نے ناکثین کے گروہ میں شامل بصرہ اور کوفہ کے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھی اور جو آپ کے ساتھی جام شہادت نوش کر چکے تھے ان پر بھی نماز پڑھی اور سب کو ایک بڑی قبر میں دفن کر دیا اور پھر حکم دیا کہ لوگوں کے تمام مال و اسباب کو انہیں واپس کر دیں، صرف ان اسلحوں کو واپس نہ کریں جن پر حکومت کی نشانی ہو پھر فرمایا:

لا یحلُّ لمسلمٍ من المسلم المتوفی شيئ[3]

مردہ مسلمان کی کوئی بھی چیز دوسروں کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

امام کے بعض ساتھیوں نے بہت اصرار کیا کہ ناکثین کے ساتھ جنگ گویا مشرکوں کے ساتھ جنگ کرنا ہے یعنی جتنے لوگ گرفتار ہوئے ہیں انہیں غلام بنایا جائے اور ان کا مال تقسیم کر دیا جائے

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۷۱۔
[2] امام علیہ السلام نے اپنے اس کلام میں غیب کی چند خبروں سے آگاہ کیا تھا۔
[3] تاریخ طبری، ج۲، ص ۵۴۳۔

امام نے اس سلسلے میں فرمایا:

أیکم یأخذ ام المومنین فی سهمه [1]

تم میں سے کون حاضر ہے جو عائشہ کو اپنے حصے کے طور پر قبول کرے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں اس گروہ کے متعلق جسے فقہ اسلامی نے باغی کے نام سے تعبیر کیا ہے، فرمایا ہے:

ان علیاً علیہ السلام قتل اهل البصرة و ترك أموالهم، فقال ان دار الشرك يحل ما فيها و ان دار الاسلام لا يحل ما فيها ان عليا انما من عليهم كما من رسول الله صلى الله عليه وآله على اهل مكة. [2]

امام نے اہل بصرہ کو ان کی بغاوت کی وجہ سے قتل کیا تھا لیکن ان کے مال و اسباب کو ہاتھ نہ لگایا کیونکہ مشرک کا حکم اور مسلمان باغی کا حکم برابر نہیں ہے اسلامی فوج کو جو کچھ بھی مشرک و کافر کے علاقہ سے ملے اس کا لے لینا حلال ہے لیکن جو کچھ سرزمین اسلام پر پایا جائے حلال نہیں ہوگا جیسا کہ علی نے ان پر احسان کیا جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ پر احسان کیا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کی مقتولین سے گفتگو

جنگ بدر میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے لاشوں کو ایک کنویں میں ڈالا اور پھر ان سے گفتگو کرنے لگے اور جب حضرت سے لوگوں نے کہا کہ کیا مردے بھی زندوں کی باتیں سنتے ہیں تو آپ نے فرمایا: تم لوگ ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ [3]

امیر المومنین علیہ السلام میدان جمل میں لاشوں کے درمیان سے گزر رہے تھے کہ عبد اللہ بن خلف خزاعی کو دیکھا جو خوبصورت کپڑے پہنے تھا لوگوں نے کہا وہ ناکثین کے لشکر کا سردار تھا۔

امام نے فرمایا: ایسا نہیں تھا بلکہ وہ ایک شریف اور اچھا انسان تھا۔

پھر آپ کی نظر عبد الرحمن بن عتاب بن اسید پر پڑی تو آپ نے فرمایا: یہ شخص ناکثین کا سردار اور رئیس تھا پھر آپ قتل گاہ میں ٹہلتے رہے یہاں تک کہ قریش کے گروہ کی کچھ لاشوں کو دیکھا اور فرمایا: خدا کی قسم، تمہاری یہ حالت میرے لئے غم کا باعث ہے لیکن میں نے تم پر حجت تمام کردی تھی لیکن تم لوگ ناتجربہ کار نوجوان تھے اور اپنے کام کے نتیجے سے باخبر نہ تھے۔

---

[1] وسائل الشیعہ، ج۱۱، باب ۲۵، ابواب جہاد۔

[2] وسائل الشیعہ، ج۱۱، باب ۲۵، ابواب جہاد، اس سلسلے میں ابن ابی الحدید کا دوسرا نظریہ ہے وہ کہتا ہے کہ امام نے جو کچھ بھی میدان میں تھا سب کو لے لیا اور اپنے لشکر کے درمیان تقسیم کردیا۔

[3] سیرۂ ہشام، ج۱، ص۶۳۹۔

پھر آپ کی نگاہ بصرہ کے قاضی کعب بن سور پر پڑی جس کی گردن میں قرآن لٹکا ہوا تھا آپ نے حکم دیا کہ اس کی گردن سے قرآن نکال کر کسی پاک جگہ پر رکھ دیا جائے پھر فرمایا: اے کعب! جو کچھ میرے خدا نے وعدہ کیا تھا اسے میں نے صحیح اور استوار پایا۔ اور کیا تو نے بھی جو کچھ تیرے پروردگار نے تجھ سے وعدہ کیا تھا صحیح پایا؟ پھر فرمایا:

لقد كان لك علم لو نفعك، و لكن الشيطان أضلّك فأزلك فعجّلك الى النار [1]

تیرے پاس علم تھا اے کاش (تیرا وہ علم) تجھے فائدہ پہنچاتا لیکن شیطان نے تجھے گمراہ کیا اور تجھے بہلا پھسلا کر جہنم کی طرف لے گیا۔

اور جب امام نے طلحہ کی لاش کو دیکھا تو فرمایا: اسلام میں تیری خدمات تھیں جو تجھے فائدہ پہنچا سکتی تھیں لیکن شیطان نے تجھے گمراہ کر دیا اور تجھے بہلا یا اور تجھے جہنم کی طرف لے گیا۔ [2]

تاریخ کے اس حصے میں امام نے باغیوں کی صرف مذمت کی اور اہل جہنم کی شناخت کرائی اس کے علاوہ دوسری چیزیں بیان نہیں کی ہیں لیکن معتزلہ فرقہ کا کہنا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ اپنی موت سے پہلے اپنے کام پر شرمندہ ہوئے تھے اور توبہ کر لی تھی۔ ابن ابی الحدید جو مذہب معتزلہ کا بہت بڑا مدافع ہے لکھتا ہے کہ بزرگوں سے روایت ہے کہ علی نے فرمایا: طلحہ کو بٹھاؤ اور اس وقت اس سے کہا:

يعز علي يا أبا محمد أن اراك معفراً تحت نجوم السماء و في بطن هذا الوادي. ابعد جهادك في الله و ذبك عن رسول الله؟

یہ بات میرے لئے سخت ناگوار ہے کہ تجھے زیر آسمان اور اس بیابان میں خاک آلود دیکھوں کیا سزاوار تھا کہ خدا کی راہ میں جہاد اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دفاع کے بعد تم ایسا کام انجام دو؟

اس وقت ایک شخص امام کی خدمت میں پہنچا اور کہا: میں طلحہ کے ساتھ تھا جب اسے اجنبی کی جانب سے تیر لگا تو اس نے مجھ سے مدد مانگی اور پوچھا: تم کون ہو؟

میں نے کہا: میں امیر المومنین کے دوستوں میں سے ہوں۔

اس نے کہا: تم اپنا ہاتھ مجھے دو تا کہ میں تمہارے وسیلے سے امیر المومنین کی بیعت کروں پھر اس نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔

امام نے اس موقع پر فرمایا: خدا نے چاہا کہ طلحہ نے جس حالت میں میری بیعت کی ہے اسے جنت میں لے جائے۔ [3]

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص۲۴۸۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص۲۴۸۔

[3] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص۲۴۸۔

تاریخ کا یہ حصہ افسانہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے، کیا طلحہ امام کے مقام ومنزلت اور آپ کی حقانیت وشخصیت سے واقف نہ تھا؟ اس طرح کی توبہ وہ لوگ کرتے ہیں جو مدتوں جہالت میں زندگی بسر کرتے ہوں اور جب جہالت کا پردہ ان کی آنکھوں سے ہٹ جاتا ہے تو وہ حقیقت کا نظارہ کرتے ہیں، جب کہ طلحہ شروع سے ہی حق و باطل کے درمیان فرق کو جانتا تھا۔ اس کے علاوہ اگر اس افسانہ کو صحیح مان بھی لیا جائے تو قرآن کریم کی نظر میں طلحہ کے توبہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا[1]

اور ان لوگوں کی توبہ جو لوگ برے کام انجام دیتے ہیں اور پھر موت کے وقت کہتے ہیں کہ میں نے توبہ کرلیا ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہے اور ان لوگوں کی توبہ ایسی ہے کہ وہ مرتے ہیں جب کہ ان کی موت کفر کی ہوتی ہے اور ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

بہر حال، کیا صرف امام کی بیعت کرنے سے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے؟ اس نے زبیر اور ام المومنین کی مدد ومشورت سے بصرہ کے میدان میں بہت زیادہ لوگوں کا خون بہایا ہے، یہاں تک کہ ان لوگوں کے حکم سے بہت سے گروہ مثل گوسفند ذبح کئے گئے ہیں۔ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابیوں کی اس طرح کی بے فائدہ طرفداری کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ سب کو عادل مانیں۔

بصرہ کی شکست، امام کا خطوط لکھنا، اور عائشہ کو مدینہ روانہ کرنا

امام کی فوج اور بصرہ کے بے وفاؤں کے درمیان جنگ کے احتمال کی خبر، تجارت کرنے والے گروہ جو اس راستے سے عراق، حجاز، شام وغیرہ آتے جاتے تھے، کے ذریعے تمام اسلامی ملکوں تک پہنچ گئی اور مسلمان اور عثمان کے کچھ چاہنے والے اس واقعہ کی خبر سننے کے لئے بے چین تھے اور دونوں گروہوں میں سے ایک کی کامیابی اور دوسرے کی شکست بہت ہی اہمیت کی حامل تھی۔ اسی وجہ سے امام نے مقتولین دفن کرنے کا حکم دیا، اور میدان جنگ کا جائزہ لینے کے بعد، اور بعض قیدیوں کو ان کے خیمہ میں واپس لے جانے کا حکم دینے کے بعد، اپنے کاتب عبد اللہ بن ابی ارفع کو بلایا اور کچھ خطوط املاء کئے (لکھوائے) اور امام کے منشی نے تمام چیزوں کو خط میں لکھا اور خط میں کوفہ اور مدینہ کے مومنین سے مخاطب ہوئے کیونکہ یہی دو علاقے اس زمانے میں اسلام کے سب سے حساس علاقے تھے، اور اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی بہن ام ہانی بنت ابو طالب کو بھی خط لکھا۔ امام نے اس طرح کے خطوط لکھ کر اپنے دوستوں کو خوشحال اور مخالفت کرنے والوں کو ناامید کر دیا۔

---

[1] سورۂ نساء، آیت ۱۶۔

شیخ مفید نے ان تمام خطوط کی عبارت کو اپنی کتاب [1] میں بطور کامل نقل کیا ہے، لیکن طبری نے تمام خطوط میں سے امام کے صرف اس خط کو بہت مختصر طریقے سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے جو آپ نے کوفہ کے لوگوں کے نام لکھا تھا، اور چونکہ اس نے اپنی کتاب کے اس حصے کو تحریر کرنے میں سیف بن عمر کی تحریر پر اعتماد کیا ہے لہٰذا اس نے حقِّ مطلب ادا نہیں کیا ہے اور حساس مطالب کو فقط سادگی سے نقل کر کے آگے بڑھ گیا ہے۔

امام نے جو خط (طبری کے نقل کرنے کے مطابق) کوفہ کے لوگوں کے نام لکھا ہے اس میں جنگ کی تاریخ ۱۰ جمادی الثانی ۳۶ھ اور جنگ کی جگہ خربیہ لکھی ہے۔

جی ہاں امام دوشنبہ کے دن خربیہ سے بصرہ روانہ ہوئے تھے اور جب آپ بصرہ کی مسجد میں پہنچے تو آپ نے وہاں دو رکعت نماز پڑھی اور پھر سیدھے عبداللہ بن خلف خزاعی کے گھر پہنچے جس کا گھر بصرہ میں سب سے بڑا تھا اور عائشہ کو اسی گھر میں رکھا گیا تھا۔

عبداللہ، عمر کی خلافت کے زمانے میں دیوان بصرہ کا کاتب تھا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں وہ اور عثمان کے بھائی جنگ جمل میں مارے گئے تھے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس نے پیغمبر کا زمانہ بھی دیکھا تھا [2] اگر چہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔

جب امام عبداللہ کے گھر میں داخل ہوئے اس وقت اس کی بیوی صفیہ بنت حارث بن طلحہ بن ابی طلحہ گریہ وزاری میں مشغول تھی، عبداللہ کی بیوی نے امام کی توہین کی اور آپ کو قاتل الاحبۃ اور مفرق الجمع کہا۔ لیکن امام نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر عائشہ کے کمرے میں گئے اور انہیں سلام کیا اور ان کے پاس بیٹھ گئے اور صفیہ نے جو اہانت کی تھی اسے بیان کیا۔ یہاں تک کہ جب امام عبداللہ کے گھر سے نکل رہے تھے اس وقت بھی صفیہ نے دوبارہ توہین کی اس وقت امام کے دوستوں سے برداشت نہ ہوسکا اور عبداللہ کی بیوی کو دھمکی دی۔

امام نے انہیں اس کام سے منع کیا اور کہا کوئی بھی خبر مجھے نہ ملے کہ تم لوگوں نے عورتوں کو اذیت دی ہے۔

بصرہ میں امام کی تقریر

امام عبداللہ کے گھر سے نکلنے کے بعد شہر کے مرکزی مقام پر گئے بصرہ کے لوگوں نے مختلف پرچم کے ساتھ امام کے ہاتھوں پر دوبارہ بیعت کی یہاں تک کہ زخمیوں اور وہ لوگ جنہیں امان دی گئی تھی ان لوگوں نے بھی دوبارہ حضرت کی بیعت کی۔ [3]

امام پر لازم تھا کہ بصرہ کے لوگوں کو ان کے کام کی غلطیوں اور برائیوں سے آگاہ کریں اسی وجہ سے بصرہ کے تمام

---

[1] الجمل، ص ۲۱۱ و ۲۱۳۔

[2] اسد الغابہ، ج ۲، ص ۱۵۲۔

[3] تاریخ طبری، ج ۳، ص ۵٤٥۔

افراد آپ کی گفتگو سننے کے لئے آمادہ تھے جبکہ عظمت ونورانیت نے آپ کا احاطہ کر رکھا تھا آپ نے اپنی تقریر شروع کی:

تم لوگ اس عورت اور اونٹ کے سپاہی تھے جب اس نے تمہیں بلایا تو تم نے اس کی آواز پر لبیک کہا اور جب وہ قتل ہو گیا تو تم لوگ بھاگ گئے تمہارا اخلاق پست اور تمہارا عہد و پیمان عذر و دھوکہ اور تمہارا دین منافقت اور تمہارا پانی کھارا ہے اور جو شخص تمہارے شہر میں زندگی بسر کرنا چاہے گا وہ گناہوں میں مبتلا ہوگا اور جو شخص تم لوگوں سے دور رہے گا وہ حق کو پالے گا۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ خدا کا عذاب زمین وآسمان سے تمہارے اوپر آرہا ہے اور میرے خیال سے تم سب لوگ غرق ہو گئے ہو سوائے مسجد کے مناروں کے، اور اسی طرح کشتی کا وسطی حصہ (سینہ) پانی کے اوپر نمایاں وظاہر ہے۔[1]

پھر آپ نے فرمایا: تمہاری سرزمین پانی سے نزدیک اور آسمان سے دور ہے تمہارے چھوٹوں کی کوئی اہمیت نہیں اور تم لوگوں کی فکریں احمقانہ ہیں تم لوگ (ارادہ میں سستی کی وجہ سے) شکاریوں کا ہدف اور مفت خوروں کے لئے لقمہ لذیذ اور درندوں کا شکار ہو۔[2]

پھر آپ نے فرمایا: اے اہل بصرہ، اس وقت میرے بارے میں تم لوگوں کا کیا نظریہ ہے؟

اس وقت ایک شخص اٹھا اور کہا: ہم لوگ آپ کے لئے نیکی و خیر کے علاوہ کوئی دوسری فکر نہیں رکھتے، اگر آپ ہمیں سزا دیں تو یہ ہمارا حق ہے کیونکہ ہم لوگ گناہگار ہیں اور اگر آپ ہمیں معاف کر دیں گے تو خدا کے نزدیک عفوودرگذر بہترین و محبوب چیز ہے۔

امام نے فرمایا: میں نے سب کو معاف کر دیا۔ فتنہ وغیرہ سے دور رہو تم لوگ پہلے وہ افراد ہو جنہوں نے بیعت کو توڑ دیا اور امت کے ستون کو دو حصوں میں کر دیا گناہوں کو چھوڑ دو اور خلوص دل سے توبہ کر لو۔[3]

اچھی نیت عمل کی جانشین ہے

اس وقت امام کے دوستوں میں سے ایک شخص نے کہا: میری خواہش تھی کہ کاش میرا بھائی یہاں ہوتا تا کہ دشمنوں پر آپ کی فتح و کامرانی کو دیکھتا اور جہاد کی فضیلت وثواب میں شریک ہوتا، امام نے اس سے پوچھا: کیا تمہارا بھائی دل اور فکر سے میرے ساتھ تھا؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں۔

امام نے فرمایا:

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۳۔
[2] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۴ ۵۔
[3] الجمل، ص ۲۱۸۔

فقد شَهِدَنا و لقد شهِدَنا فی عسکرِنا ھذا اقوام فی أصلابِ الرجال و ارحامِ النساء سیرعفُ بھم الزمان و یقوی بھم الایمان۔ [1]

تمہارا بھائی بھی اس جنگ میں شریک تھا (اور دوسرے شریک ہونے والے سپاہیوں کی طرح اسے بھی اجر وثواب ملے گا) نہ یہ صرف وہ بلکہ وہ لوگ بھی جو ابھی اپنے باپ کے صلب اور اپنی ماؤں کے رحم میں ہیں اور زمانہ انہیں ان باتوں سے بہت جلدی آشکار کردے گا اور ایمان ان لوگوں کی وجہ سے قوی ہوگا وہ لوگ بھی اس جنگ میں شریک ہیں۔

امام کا یہ کلام اصل تربیت و اخلاق حسنہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ کہ اچھی اور بری نیت جزا اور سزا کے لحاظ سے خود اپنے عمل کی جانشین ہوتی ہے نہج البلاغہ میں دوسرے مقامات پر بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً آپ فرماتے ہیں:

ایھا الناس انما یجمع الناس الرضا و السخط۔ و انما عقرَ ناقَةَ ثمود رجل و احد فعمَّھم اللہ بالعذاب لما عمّوہ بالرضا۔ [2]

اے لوگو! لوگ کبھی ایک عمل سے خوش اور کبھی ایک عمل سے ناخوش ہو کر ایک پرچم کے نیچے جمع ہوتے ہیں۔ ثمود کے ناقہ کو ایک آدمی نے مارا تھا لیکن جب عذاب آیا تو سب پر آیا کیونکہ سبھی اس عمل پر راضی تھے۔

بیت المال کی تقسیم

امام کے لشکر کے سپاہی اس جنگ میں کسی بھی چیز کے مالک نہ بنے بلکہ حقیقت میں یہ جنگ سو فیصد الٰہی جنگ تھی۔ لہٰذا امام نے دشمن کے اسلحوں کے علاوہ تمام چیزیں خود انہی لوگوں کو واپس کردیں۔ اس وجہ سے ضروری تھا کہ بیت المال ان کے درمیان تقسیم کیا جائے۔ جب امام کی نگاہیں اس پر پڑیں تو آپ نے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے کہا: غری غیری (یعنی جاؤ دوسروں کو دھوکہ دو) بیت المال میں کل چھ لاکھ درہم تھے، آپ نے تمام درہموں کو اپنے سپاہیوں کے درمیان تقسیم کردیا اور ہر ایک کو پانچ سو درہم ملے جب امام تقسیم کرچکے تو پانچ سو درہم باقی بچا اسے امام نے اپنے لئے رکھ لیا اچانک ایک شخص وارد ہوا اور اس نے دعویٰ کیا کہ میں بھی اس جنگ میں شریک تھا لیکن اس کا نام فہرست میں لکھنا رہ گیا تھا۔ امام نے وہ پانچ سو درہم اسے دے دیا، اور فرمایا: خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس مال سے میں نے کچھ اپنے لئے حاصل نہیں کیا۔ [3]

عائشہ کو مدینہ روانہ کرنا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت رکھنے کی وجہ سے عائشہ کا ایک خاص احترام تھا امام نے ان کے مقدمات سفر، مثلاً

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۲

[2] نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۰

[3] تاریخ طبری ج ۳، ص ۵۴۷۔

سواری، راستے کا خرچ، آمادہ کیا اور محمد بن ابوبکر کو حکم دیا کہ اپنی بہن کے ساتھ رہیں اور انہیں مدینہ پہنچائیں اور آپ کے جتنے بھی دوست مدینہ کے تھے اور مدینہ واپس جانا چاہتے تھے انہیں اجازت دیا کہ عائشہ کے ہمراہ مدینہ جائیں امام نے صرف اتنا ہی انتظام نہیں کیا بلکہ بصرہ کی چالیس عظیم عورتوں کو عائشہ کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔

سفر کی تاریخ پہلی رجب المرجب ٣٦ھ بروز شنبہ معین ہوئی اس مختصر سے قافلے کے روانہ ہوتے وقت اکثر لوگ کچھ دور تک ان کے ساتھ گئے اور خداحافظی کیا:

عائشہ امام کی بے انتہا محبت دیکھ کر متأثر ہوئیں اور لوگوں سے کہا: اے میرے بیٹو! ہم میں سے بعض لوگ، بعض لوگوں پر ناراض ہوتے ہیں لیکن یہ کام زیادہ نہیں ہونا چاہئے خدا کی قسم، میرے اور علی کے درمیان۔ ایک عورت اور اس کے رشتہ داروں کے درمیان جو رابطہ ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اگر چہ وہ میرے غیض وغضب کا شکار ہوئے ہیں۔ مگر وہ نیک اور اچھے لوگوں میں سے ہیں۔

امام نے عائشہ کی بات سن کر شکریہ ادا کیا اور فرمایا: لوگو وہ تمہارے پیغمبر کی بیوی ہیں پھر آپ نے کچھ دور تک ان کی ہمراہی کی اور خداحافظ کہا۔

شیخ مفید لکھتے ہیں:

چالیس عورتیں جو عائشہ کے ہمراہ مدینہ گئیں ظاہراً انہوں نے مردوں کا لباس پہن رکھا تھا تاکہ اجنبی لوگ انہیں مرد سمجھیں اور کسی کے ذہن میں بھی ناروا باتیں ان کے متعلق یا پیغمبر کی بیوی کے متعلق خطور نہ کریں اور عائشہ نے بھی یہی سوچا کہ علی نے مردوں کو ان کی حفاظت کے لئے بھیجا ہے مستقل اس کام کے لئے شکوہ کر رہی تھیں۔ جب مدینہ پہنچیں اور دیکھا کہ سب عورتیں ہیں جنہوں نے مردوں کا لباس پہن رکھا ہے تو اپنے اعتراض کے لئے عذر خواہی کی اور کہا: خدا ابوطالب کے بیٹے کو نیک اجر عطا کرے کہ میرے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کا خیال رکھا۔ [1]

حاکموں کو منصوب کرنا

عثمان کی خلافت کے دور میں مصر کا حاکم عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھا اور مصریوں کی خلیفہ کے اوپر حملہ کرنے کی ایک وجہ اس کے برے اور بے ہودہ اعمال تھے یہاں تک کہ جب وہ مصر سے نکالا گیا اس وقت

محمد بن ابی حذیفہ مصر میں تھے اور ہمیشہ حاکم مصر اور خلیفہ پر اعتراض کرتے تھے۔ جب مصر کے لوگوں نے خلیفہ پر حملہ کرنے کے لئے مدینہ کا سفر کیا اس وقت مصر کے تمام امور کی ذمہ داری محمد بن حذیفہ کے حوالے کر دی اور وہ اس منصب پر باقی تھے یہاں تک کہ امام نے قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر کے امور کی انجام دہی کے لئے منصوب کیا۔

[1] الجمل، ص۲۲۱۔

طبری کا کہنا ہے کہ جس سال جنگ جمل ہوئی اسی سال قیس مصر گئے، لیکن بعض مؤرخین مثلاً ابن اثیر [1] وغیرہ کا کہنا ہے کہ قیس ماہ صفر میں مصر بھیجے گئے اگر اس صفر سے مراد، صفر ٣٦ ھ ہے تو یقیناً قیس واقعۂ جمل سے پہلے گئے اور اگر صفر ٣٧ ھ مراد ہے تو وہ واقعۂ جمل کے چھ مہینے کے بعد گئے جب کہ طبری نے قیس کے جانے کی تاریخ و سال کو ٣٦ ھ ہی لکھا ہے آور یہ واقعۂ جمل کا سال ہے۔

جی ہاں، امام نے خلید بن قرہ یربوعی کو خراسان کا حاکم اور ابن عباس کو بصرہ کا حاکم معین کیا اور پھر ارادہ کیا کہ بصرہ سے کوفہ کا سفر کریں۔

کوفہ جانے سے پہلے آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی کو شام روانہ کیا کہ معاویہ سے گفتگو کریں، تا کہ وہ مرکزی حکومت کی پیروی کا اعلان کرے جس حکومت کے رئیس امام تھے۔ [2] چونکہ بصرہ کی ایک خاص اہمیت تھی اور شیطان نے وہاں اپنی شیطنت کا بیج بو دیا تھا لہٰذا امام نے ابن عباس کو حاکم بصرہ اور زیاد بن ابیہ کو جزیہ جمع کرنے کی ذمہ داری اور ابوالاسود دوئلی کو ان دونوں کا جانشین و مددگار قرار دیا۔ [3]

امام نے ابن عباس کو لوگوں کے سامنے بصرہ کا حاکم بناتے وقت بہترین اور عمدہ تقریر کی جسے شیخ مفید نے اپنی کتاب الجمل میں نقل کیا ہے۔ [4]

طبری کہتا ہے کہ امام نے ابن عباس سے کہا:

اضرب بمن أطاعك من عصاك و ترك أمرك۔ [5]

اطاعت کرنے والوں میں گناہ کرنے والوں کو اور جو لوگ تمہارے حکم کی پیروی نہ کریں انہیں سخت سزا دینا۔

جس وقت امام بصرہ سے سفر کر رہے تھے اس وقت خدا سے یہ دعا و مناجات کر رہے تھے،

الحمد لله الذی أخرجنی من أخبث البلاد

خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس نے ہمیں خبیث ترین شہر سے دور کر دیا۔

اس طرح امام کی حکومت سے پہلی مشکل و آفت ختم ہوگئی اور آپ کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے تا کہ معاویہ کے فاسد نقشوں اور ارادوں کو پامال کریں اور اسلام کی وسیع ترین سرزمین کو فاسد عناصر اور خودغرض لوگوں سے پاک کریں۔

---

[1] تاریخ ابن اثیر، ج ٣، ص ٢٦٨۔
[2] تاریخ ابن اثیر، ج ٣، ص ٥٦٠۔ ٥٤٦۔
[3] تاریخ جمل، ص ٣٢٤۔
[4] تاریخ جمل، ص ٣٢٤۔
[5] تاریخ طبری، ج ٣، ص ٥٤٦۔

گیارہویں فصل

کوفہ،حکومت اسلامی کا مرکز

اسلام کا سورج مکہ سے طلوع ہوااور تیرہ سال گذر جانے کے بعد یثرب (مدینہ) میں ظاہر ہوااور دس سال اپنی نورانی کرنوں کو بکھیرنے کے بعد غروب ہوگیا جب کہ افق کی تازگی شبہ جزیرہ کے لوگوں کے لئے کھلی اور سرزمین حجاز خصوصاً شہر مدینہ دینی اور سیاسی مرکز کے نام سے مشہور ہوگیا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد مہاجرین وانصار کے ذریعے خلفاء کے انتخاب نے ثابت کر دیا کہ مدینہ اسلامی خلافت کا مرکز قرار پائے اور خلفاء اپنے نمائندوں اور حاکموں کو اپنے تمام اطراف وجوانب روانہ کرکے وہاں کے امور کی تدبیر کریں۔اور ملکوں کو فتح کرکے تمام رکاوٹوں کو دور کرکے اسلام کو پھیلائیں۔

امیر المومنین، صاحب رسالت کے منصوص ومعین کرنے کے علاوہ، مہاجرین وانصار کے ہاتھوں بھی منتخب ہوئے تھے آپ نے بھی خلفاء ثلاثہ کی طرح مدینہ کو اسلامی مرکز قرار دیا اور وہیں سے تمام امور واحکام کی نشر واشاعت شروع کی۔ آپ نے اپنی خلافت کے آغاز میں اسی طریقے کو اپنایا اور خطوط بھیجنے، اور عظیم شخصیتوں کو روانہ کرکے، اور دنیا پرستوں کو منصب سے دور کرکے، اور ولولہ انگیز اور تربیتی خطبوں کے ذریعے، اسلامی معاشرے کے تمام امور کو آگے بڑھایا اور اسلامی نظام میں ۲۵ سال یعنی ابوبکر کی خلافت کے ابتدائی دور سے عثمان کے دور تک جو خرابیاں، انحرافات وغیرہ داخل ہوگئے تھے ان کی اصلاح میں مشغول تھے کہ اچانک مسئلہ ناکثین یعنی ان لوگوں کا عہد وپیمان توڑنا جنھوں نے سب سے پہلے آپ کی بیعت کی تھی، پیش آگیا اور بہت خطرناک اور دل دہلا دینے والی خبریں امام کو ملیں اور پتہ چلا کہ ناکثین نے بنی امیہ کی مالی مدد اور پیغمبر کی بیوی کے احترام کی بنا پر عراق کے جنوبی حصہ کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور بصرہ پر قبضہ کرکے امام کے بہت سے نمائندوں اور کارمندوں کو ناحق قتل کر دیا ہے۔

یہی چیز سبب بنی کہ امام ناکثین کی تنبیہ اور ان کی مدد کرنے والوں کو سزا دینے کے لئے مدینہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوں اور اپنے سپاہیوں کے ہمراہ بصرہ کے نزدیک پڑاؤ ڈالیں، جنگ کی آگ حقیقی سپاہیوں اور ناکثین کے باطل سپاہیوں کے درمیان پھیل گئی اور بالآخر حقیقی فوج کامیاب ہوگئی اور حملہ وفساد برپا کرنے والوں کے سردار مارے گئے اور ان میں سے کچھ لوگ بھاگ گئے اور بصرہ پھر حکومت اسلامی کی آغوش میں آگیا اور وہاں کے تمام امور کی ذمہ داری امام کے

ساتھیوں کے ہاتھ میں آ گئی، شہر اور لوگوں کے حالات معمول پر آ گئے اور مفسر قرآن اور امام کے ممتاز شاگرد ابن عباس بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے۔

ظاہری حالات سے یہ بات واضح ہوتی تھی کہ امام جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے مدینہ واپس جائیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اطہر کے کنارے اور بعض گروہوں اور صحابیوں کے رائے و مشورہ سے اسلامی معارف کی نشر و اشاعت، اور معاشرے میں بیمار افراد کی خبر گیری اور حالات دریافت کریں، اور سپاہیوں کو مختلف شہروں میں روانہ کریں، تا کہ اسلامی قدرت نفوذ کرے۔ اور خلافت کے امور کو انجام دیں اور ایک دوسرے سے ہر طرح کے اختلافات سے پرہیز کریں لیکن یہ ظاہر قضیہ تھا ہر شخص امامؑ کی ظاہری حالت سے یہی سمجھ رہا تھا خصوصاً اس زمانہ میں مدینہ کچھ زیادہ ہی تقویٰ اور قداست کے لئے معروف تھا کیونکہ اسلام کا واقعی مولد، اور خدا کا پیغام لانے والے کا مدفن، اور مہاجرین و انصار میں صحابیوں کا مرکز تھا جن کے ہاتھوں میں خلیفہ کو منتخب کرنا اور معزول کرنا تھا،

۱۔ان تمام حالات کے باوجود امامؑ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تا کہ کچھ دن وہاں قیام کریں اور امامؑ نے جو اپنے دوستوں کے رائے مشورے سے کوفہ کا انتخاب کیا اس کی دو وجہیں تھیں: امامؑ بہت زیادہ افراد کے ساتھ مدینہ سے چلے تھے اور بعض گروہ درمیان راہ میں آپ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے لیکن آپ کے اکثر سپاہی اور چاہنے والے کوفہ اور اس کے اطراف کے رہنے والے تھے کیونکہ امامؑ نے ناکثین کو شکست دینے کے لئے پیغمبر کے بزرگ صحابی عمار یاسر اور اپنے عزیز فرزند امام حسن علیہ السلام کے ذریعہ اہل کوفہ سے مدد مانگی تھی اور کوفہ اس وقت عراق کا ایک اہم شہر تھا اور بہت زیادہ گروہ اس علاقے سے امامؑ کی مدد کیلئے اپنے اپنے نمائندوں کے ہمراہ حاضر ہوئے تھے [1]۔

اگر چہ بعض گروہ مثلاً ابوموسیٰ اشعری اور اسکے ہم فکروں نے امام کی مدد کرنے سے سے پرہیز کیا اور اپنے قول و فعل سے لوگوں کو جہاد میں جانے سے منع کیا

اور جب امامؑ ناکثین سے جنگ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور دشمنوں کو بے بس کر دیا تو اب حق یہ تھا کہ ان لوگوں کے گھریلو حالات اور زندگی سے باخبر ہوں، اور جنگ اور آپ کی

---

[1] مسعودی لکھتا ہے کہ امام علیہ السلام کے لشکر میں جو کوفہ کے افراد شامل ہوئے ان کی تعداد سات ہزار (۷۰۰۰) تھی اور ایک اور قول کی بناء پر ۶۵۶۰ تھی (مروج الذہب جلد ۲ ص ۳۶۸)

یعقوبی نے بھی ان کی تعداد ۶۰۰۰ لکھی ہے (تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۱۸۲)

ابن عباس کہتے ہیں۔ جب ہم لوگ ذی قار پہنچے تو ہم نے امام علیہ السلام سے کہا کہ کوفہ سے بہت کم لوگ آپ کی مدد کیلئے آئے ہیں امام علیہ السلام نے فرمایا، ۶۵۰۱ افراد بغیر کسی کمی زیادتی کے میری مدد کرنے آئیں گے، ابن عباس کہتے ہیں۔ میں نے ان کی تعداد پر تعجب کیا اور ارادہ کیا یقیناً اسے شمار کروں گا، ۱۵، دن ذی قار میں قیام کیا یہاں تک کہ گھوڑے اور خچروں کی آوازیں آنے لگیں اور کوفہ کا لشکر پہنچ گیا، میں نے انہیں باقاعدہ شمار کیا تو دیکھا بالکل وہی تعداد ہے جسے امام علیہ السلام نے بتایا تھا میں نے تکبیر کہی۔ اللہ اکبر صدق اللہ رسولہ۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۱۸۷)

آواز پر لبیک کہنے والوں کا شکریہ اور جہاد میں جانے سے منع کرنے والوں کی مذمت کریں۔

۲۔امامؑ بخوبی اس بات سے باخبر تھے کہ عہد و پیمان توڑنے اور شورش کرنے والوں کے گناہ کا سبب معاویہ ہے کیونکہ اسی نے عہد و پیمان توڑنے کی رغبت دلائی تھی اور دھوکہ دے کر غائبانہ طور پر ان کی بیعت لی تھی یہاں تک کہ اس نے زبیر کو جو خط لکھا تھا اس میں شورش کے تمام راستوں کو مکمل بیان کیا تھا اور لکھا تھا کہ شام کے لوگوں سے ہم نے تمہاری بیعت لے لی ہے اور جتنی جلدی ہو کوفہ اور بصرہ پر قبضہ کرلو اور عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے قیام کرو اور کوشش کرو کہ ابوطالب کے بیٹے کا قبضہ ان دونوں شہروں پر نہ ہونے پائے۔

اب جب کہ اس باغی وسرکش کا تیر نشانے پر نہ لگا اور شورشیں ختم ہوگئیں تو ضروری ہوگیا کہ جتنی جلد سے جلد اس فسادی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں اور بنی امیہ کے شجرہ ملعونہ کی شاخ کو اسلامی معاشرے کے پیکر سے دور کردیں، شام سے نزدیک شہر کوفہ ہے اس کے علاوہ، کوفہ عراق کا سب سے زیادہ لشکر خیز اور امامؑ کے فدائیوں کا مرکز تھا، اور امامؑ دوسری جگہوں سے زیادہ ان لوگوں پر بھروسہ کرتے تھے امامؑ نے اپنے ایک خطبے میں اس طرف اشارہ کیا ہے آپ فرماتے ہیں:

واللہ ما اتیتکم اختیارا ولکن جئت الیکم سوتا[۱]۔

یعنی خدا قسم میں اپنی خواہش سے تمہاری طرف نہیں آیا بلکہ مجبوری کی وجہ سے آیا ہوں،

یہی دو وجہیں سبب بنیں کہ امام علیہ السلام نے کوفہ کو اپنا مرکز بنایا، اور خلافت اسلامی کے مرکز کو مدینہ سے عراق منتقل کردیا، اسی وجہ سے آپ ۱۲، رجب ۳۶ھ دوشنبہ کے دن بصرہ کے بعض بزرگوں کے ہمراہ کوفہ میں داخل ہوئے، کوفہ کے لوگ اوران میں سب سے آگے قرآن کے قاریوں اور شہر کی عظیم شخصیتوں نے امامؑ کا استقبال کیا اور آپ کو خوش آمدید کہا اور امامؑ کے رہنے کے لئے دارالامارہ کا انتخاب کیا اور اجازت لی کہ امامؑ کو وہاں لے جائیں اور امامؑ وہاں قیام کریں، لیکن امام نے قصر میں داخل ہونے سے منع کیا، کیونکہ اس کے پہلے وہ ظالموں اور ستمگروں کا مرکز تھا، آپ نے فرمایا، قصر تباہی و بربادی کا مرکز ہے، اور بالآخر امامؑ نے اپنی پھوپھیری بہن جعدہ بنت ھبیرہ مخزوص کے گھر کو قیام کے لئے چنا[۲]۔

امامؑ نے لوگوں سے کہا کہ رحبہ نامی مقام پر جمع ہوں، کیونکہ وہ ایک وسیع میدان تھا اور آپ بھی اپنی سواری سے وہیں پر اترے،

سب سے پہلے آپ نے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور پھر منبر پر تشریف لائے اور خدا کی حمد وثنا کی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجا اور پھر اپنی تقریر اس طرح شروع کی،

اے کوفہ کے لوگو، اسلام میں تمہارے لئے فضیلتیں ہیں مگر شرط یہ ہے کہ اسے تبدیل نہ کرنا، میں نے تم لوگوں کو حق

---

[۱] نہج البلاغہ خطبہ، ۷۰

[۲] واقعۂ صفین، ص۸۔

کی دعوت دی اور تم نے اس کا مثبت جواب دیا، برائی کو شروع کیا لیکن پھر اسے بدل دیا۔۔تم لوگ ان کے پیشوا ہو جو تمہاری دعوتوں کو قبول کریں اور جس چیز میں تم داخل ہوئے ہو وہ بھی داخل ہوں، سب سے بدترین چیزیں جن پر عذاب سے ڈرتا ہوں وہ دو چیزیں ہیں ایک خواہشات نفس کی پیروی، دوسرے لمبی لمبی امیدیں، خواہشات نفس، پیروئ حق سے دور کرتی ہے اور لمبی امیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں۔آگاہ ہو جاؤ کہ دنیا تیزی سے منہ موڑ چکی ہے اور آخرت سامنے آگئی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی اولادیں ہیں تم آخرت کی اولاد بن جاؤ (دنیا کی اولاد نہ بنو) آج عمل کا دن ہے حساب کا نہیں کل حساب کا دن ہوگا عمل کا وقت نہ ہوگا۔

خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس نے اپنے ولی کی مدد کی اور دشمن کو ذلیل خوار کیا اور سچے اور

ایماندار کو عزیز اور عہد و پیمان توڑنے والوں اور اہل باطل کو ذلیل کیا، تم لوگوں کے لئے لازم ہے کہ تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرو اور اس شخص کی اطاعت کرو جس نے خاندان پیغمبر خدا کی اطاعت کی ہے، کیونکہ یہ گروہ اطاعت کے لئے بہتر اور شائستہ ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جو خود کو اسلام اور پیغمبر سے نسبت دیتے ہیں اور خلافت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہم سے مقابلے کے لئے قیام کرتے ہیں، اور جو فضیلتیں ہم سے ان تک پہنچی ہیں ان سے ہم پر اپنی فضیلت ثابت کرتے ہیں اور ہماری عظمت و رفعت کا انکار کرتے ہیں وہ لوگ خود اپنی سزا کو پہونچیں گے اور بہت ہی جلدی اپنی گمراہی کے نتیجے میں آخرت کے میدان میں کھڑے ہوں گے۔

آگاہ رہو کہ تم میں سے بعض گروہوں نے ہماری نصرت و مدد کرنے سے انکار کیا میں ان کی سرزنش و مذمت کرتا ہوں تم لوگ ان لوگوں سے اپنا رابطہ ختم کر دو اور جس چیز کو وہ دوست نہیں رکھتے ان چیزوں کو ان کے کانوں تک پہنچا دو تا کہ لوگوں کی رضایت حاصل کریں، اور خدا کا گروہ شیطان کے گروہ سے پہچانا جا سکے (یعنی دونوں کا فرق واضح ہو جائے [1]

حکمرانوں کا عادلانہ تعیین

امامؑ کا کوفیوں کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا بعض شدت پسند انقلابیوں کو پسند نہیں آیا اسی وجہ سے امامؑ کی فوج کا سردار مالک بن حبیب یربوعی اٹھا اور اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ میری نگاہ میں ان لوگوں کو اتنی ہی سزا دینا کافی نہیں ہے، خدا کی قسم اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں ان سب کو قتل کر دوں، امامؑ نے سبحان اللہ کہتے ہوئے اسے سخت تنبیہ کی اور فرمایا حبیب، تم نے حد سے زیادہ تجاوز کیا ہے۔حبیب پھر اٹھا اور کہا حد سے تجاوز اور عمل میں شدت ناگوار حادثوں کو روکنے، اور دشمنوں کے ساتھ نرمی اور ملائمیت کرنے سے زیادہ مؤثر ہے۔

امامؑ نے اپنے منطقی اور حکیمانہ ارشاد سے اس کی ہدایت کی اور کہا:

[1] واقعۂ صفین، ص ١٣، نہج البلاغہ عبدہ خطبہ نمبر ٢٧ و ٤١، مرحوم مفید کتاب ارشاد، ص ١٢٤ میں اس خطبے کے ابتدائی حصے کو نقل نہیں کیا ہے۔

خدا نے ایسا حکم نہیں دیا ہے کہ انسان، انسان کے مقابلے میں مارا جائے گا اب ظلم وتجاوز کی کی پھر کہاں جگہ ہوگی؟ خداوندعالم فرماتا ہے۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا.[1]

اور جو شخص مظلوم قتل کر دیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو حق قصاص دیا ہے مگر قتل میں مقررہ حدود سے تجاوز نہ کرے۔

سیاسی آزادی

جن مخالفین کوفہ نے امامؑ اور پولیس کے رئیس کے درمیان ہونے والی گفتگو اور علی علیہ السلام کی عدالت کا مشاہدہ کیا اور سیاست کے کھلے ہوئے ماحول کو دیکھا تو اپنی مخالفت کی علت کو بیان کیا:

۱۔مخالفوں میں سے ایک شخص ابو بردہ بن عوف اٹھا اور امامؑ کے لشکر میں شامل نہ ہونے کی وجہ مقتولین جنگ جمل سے متعلق سوال کے ضمن میں بتائی۔اس نے امامؑ سے پوچھا کیا آپ نے طلحہ وزبیر کے اطرافیوں کے کشتہ شدہ اجسام کو دیکھا ہے؟ وہ کیوں قتل کیے گئے؟ امامؑ نے علت بیان کرتے ہوئے سائل کے اعتماد کو جذب کرتے ہوئے فرمایا۔ان لوگوں نے ہماری حکومت کے ماننے والوں اور نمائندوں کو قتل کیا عظیم شخصیت ربیعہ عبدی کو دوسرے دیگر مسلمانوں کے ساتھ قتل کر دیا مقتولین کا جرم یہ تھا کہ ہجوم لانے والوں کو عہدو پیان توڑنے والا کہا اور کہا کہ اس طرح وہ اپنے عہدو پیان کو نہیں توڑیں گے اور اپنے امام کے ساتھ اس طرح مکروفریب نہیں کریں گے، میں نے ناکثین سے کہا کہ ہمارے نمائندوں کے قاتل کو ہمارے حوالے کریں تاکہ ان سے قصاص لیں۔اور ہمارے اور ان کے درمیان خدا کی کتاب فیصلہ کرے گی لیکن ان لوگوں نے قاتلین کو ہمارے حوالے نہیں کیا اور ہم سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوگئے جبکہ وہ لوگ ہماری بیعت کر چکے تھے اور ہمارے ہزاروں دوستوں کو قتل کر دیا تھا میں بھی ان قاتلوں کا بدلہ لینے اور ناکثین کی شورشوں کو خاموش کرنے کے لئے جنگ پر آمادہ ہوگیا اور ان کی شورشوں کو ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیا، پھر امامؑ نے فرمایا کیا تمہیں اس سلسلے میں کوئی شک وشبہہ ہے؟ سائل نے کہا میں آپ کی حقانیت کے بارے میں مشکوک تھا لیکن اس بیان کو سننے کے بعد ان لوگوں کی غیر مناسب روش مجھ پر آشکار ہوگئی اور میں نے سمجھ لیا کہ آپ ہدایت یافتہ اور باریک بین ہیں۔[2]

سیاست کا کون سا ماحول اس سے زیادہ آزاد ہوگا کہ جہاد کی مخالفت کرنے والے، سرداروں اور امامؑ کے درمیان اپنی مخالفت کی علت کو، جو حاکم کی حقانیت کے بارے میں مشکوک تھا، بصورت سوال وجواب بیان کرے، اور اس کا جواب

---

[1] سورۂ اسراء آیۃ ۳۳

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۳ ص ۱۰۴، وقعہ صفین، ص ۵۰۱

طلب کرے،؟ اس کے باوجود کہ سوال کرنے والا قبل اس کے کہ علوی ہو عثمانی تھا اور بعد میں کئی مرتبہ علی علیہ السلام کے ساتھ جنگ میں شریک رہا لیکن باطن میں معاویہ کا چاہنے والا اور جاسوس تھا لہٰذا امامؑ کی شہادت اور معاویہ کا عراق پر قبضہ ہونے کے بعد اپنی خدمتوں کے صلے میں جو اس نے معاویہ کے لئے انجام دی تھی ایک بڑی زمین فلوجہ۔[1] جیسے منطقہ میں اس کے نام لکھ دی گئی۔[2]

۲۔سلیمان بن صرد خزاعی، جو پیغمبر کے صحابی تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے جنگ جمل میں امامؑ کی حمایت نہیں کی تھی اور مخالفت کی وجہ سے جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ امامؑ کی خدمت میں آئے اور علی علیہ السلام نے ان کی ملامت کی اور کہا میری حقانیت کے متعلق تم نے شک کیا اور میرے لشکر میں شامل ہونے سے انکار کر دیا جب کہ میں نے تمہیں بہت اچھا اور بہتر سمجھا تھا کہ تم ہماری خوب نصرت کرو گے، کس چیز نے تمہیں اہل بیت پیغمبر کی مدد کرنے سے روکا ہے اور ان کی نصرت و مدد کرنے سے تمہیں بے رغبت کر دیا ہے؟

سلیمان نے احساس شرمندگی کے ساتھ عذر خواہی کی اور کہا، تمام امور کو پشت پردہ نہ ڈالئیے (اور پچھلی باتوں کو نہ دہرائیے) اور مجھے ان کی وجہ سے شرمندہ اور مذمت نہ کیجئے، میری محبت و مروت کو اپنی نظر میں رکھیئے میں آپ کی مخلصانہ مدد کروں گا ابھی تمام کام ختم نہیں ہوئے ہیں اور ابھی بہت سے امور باقی ہیں جن میں دوست اور دشمن کو پہچان لیں گے۔

امامؑ نے سلیمان کی توقع کے خلاف اور عذر خواہی کے مقابلے میں خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا، سلیمان تھوڑی دیر تک بیٹھے رہے اور پھر اٹھ کر امام مجتبیٰ علیہ السلام کے پاس بیٹھ گئے اور کہا امامؑ کی تنبیہ اور ملامت سے آپ کو تعجب نہیں ہو رہا؟ امام کے دلبند نے بڑی نوازش کی اور بڑے نرم لہجہ میں فرمایا ان لوگوں کی زیادہ سرزنش کی جاتی ہے جن کی دوستی اور مدد کی امید ہوتی ہے، اس وقت اس عظیم صحابی نے دوسری شورشوں کی بھی خبر دی کہ جو امامؑ کے خلاف برپا ہوگی اور ان دنوں مخلص و پاکیزہ افراد مثل سلیمان کی زیادہ ضرورت پڑے گی پھر کہا: ابھی وہ واقعہ باقی ہے کہ جس میں دشمن کے نیزے ہوں گے اور تلواریں میانوں سے باہر ہو جائیں گی، اس جنگ میں مجھ جیسے افراد کی زیادہ ضرورت ہوگی، اس کسب رضا میں دھوکہ کا تصور نہ کریں، امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا خدا تجھ پر رحمت نازل کرے ہم ہرگز تم کو مورد الزام نہیں ٹھہرائیں گے۔[3]

سلیمان بن صرد نے اس کے بعد کبھی بھی اہلبیت پیغمبر کے دفاع سے گریز نہیں کیا انہوں نے امام علی علیہ السلام کے ہمراہ جنگ صفین میں شرکت کی اور میدان جنگ میں شام کے سب سے بڑے پہلوان حوشب کو قتل کیا، معاویہ کے مرنے کے بعد انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا اور آپ کو عراق آنے کی دعوت دی اگرچہ انہوں نے کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی مدد کرنے

---

[1] فلوجہ: عراق کا بہترین اور وسیع ترین علاقہ ہے جو عین التمر کے نزدیک ہے اور کوفہ و بغداد کے درمیان میں واقع ہے۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۰٤۔

[3] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج ۳ ص ۱۰٦۔ مراصد الاطلاع۔

میں کوتاہی کی، لیکن اس غلطی کا ازالہ کرنے کے لئے بعنوان توابین چار ہزار کا لشکر تیار کر کے امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے لئے قیام کیا اور ٦٥ ھ میں عین ابوردہ علاقے میں شام کی طرف سے آنے والے عظیم لشکر سے جنگ کی اور شہید ہوئے۔[1]

٣۔ محمد بن مخنف کہتے ہیں: امامؑ کے کوفہ آنے کے بعد میں اپنے بابا کے ساتھ امامؑ کی خدمت میں آیا، وہاں پر عراق کی بہت سی شخصیتیں اور قبیلوں کے سردار موجود تھے ان سب نے ناکثین کے مقابلے میں جنگ کرنے سے مخالفت کی تھی، امامؑ نے ان کی مذمت کی اور کہا تم لوگ اپنے قبیلے کے سردار ہو کیوں تم نے جنگ میں شرکت نہیں کی؟ اگر تم لوگوں کی نیتوں میں کھوٹ تھا تو تم سب نقصان میں ہو اور اگر میری حقانیت اور مدد کے بارے میں مشکوک تھے تو تم سب ہمارے دشمن ہو، ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ آپ کے دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن ہیں۔ پھر اس وقت سب نے اپنا اپنا عذر پیش کیا مثلاً کسی نے بیماری کا بہانہ بنایا تو کسی نے مسافرت کا بہانہ بنایا، امامؑ نے

ان کا عذر سن کر خاموشی اختیار کر لی لیکن میرے بابا کی خدمات کو سراہا اور ہمارے قبیلے کا شکریہ ادا کیا اور کہا مخنف بن سلیم اور اس کا قبیلہ، اس گروہ کی طرح نہیں ہے جس کی قرآن اس طرح سے توصیف کر رہا ہے:

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾۔[2]

اور تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو (جہاد سے) پیچھے ہٹیں گے پھر اگر (اتفاقاً) تم پر کوئی مصیبت آ پڑی تو کہنے لگے خدا نے ہم پر بڑا فضل کیا کہ ان میں (مسلمانوں) کے ساتھ موجود نہ ہوا اور اگر تم پر خدا نے فضل کیا (اور دشمن پر غالب آئے) تو اس طرح اجنبی بن گئے گویا تم میں اور اس میں کبھی کی محبت ہی نہ تھی یوں کہنے لگا کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا۔

بالآخر امامؑ نے ان تمام تحقیق و تفحص اور عذر قبول کرنے یا ان کے مقابلے میں خاموشی اختیار کرنے بعد اعلان کیا کہ اس مرتبہ تم لوگ معاف کر دیئے گئے اور تم لوگوں کے عذر کو قبول کر لیا لیکن آئندہ اس قسم کی حرکتیں نہ ہوں، اگر امامؑ اتنا زیادہ ملامت و سرزنش نہیں کرتے تو ممکن تھا کہ یہ گروہ آئندہ بھی مخالفت کرتا۔[3]

---

[1] مروج الذہب ج ٣ ص ١٠٢-١٠١۔

[2] سورۂ نساء آیات ٧٢، ٧٣

[3] واقعۂ صفین، ص ١٠، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ٣ ص ١٠٧-١٠٦

کوفہ کی نماز جمعہ میں امامؑ کا پہلا خطبہ

امامؑ نے کوفہ میں داخل ہونے کے بعد نماز پڑھانا چاہی اور پوری نماز پڑھی اور جمعہ کے دن نماز جمعہ کوفہ کے لوگوں کے ہمراہ پڑھی اپنے خطبے میں کوفیوں سے مخاطب ہوئے اور خدا کی حمد وثناء اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کے بعد فرمایا: میں تم لوگوں کو تقویٰ کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ تقویٰ بہترین چیز ہے کہ جس کا خداوند عالم نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اور خداوند عالم کی رضایت اور نیکی حاصل کرنے کا یہ بہترین وسیلہ ہے تم لوگوں کو تقوی کا حکم دیا گیا ہے اور تم لوگ خدا کی نیکی اور اس کی اطاعت کرنے کیلئے پیدا کئے گئے ہو۔۔۔

اپنے تمام امور کو خدا کے لئے بغیر کسی ریا اور شہرت طلبی کے انجام دو، جو شخص بھی غیر خدا کے لئے امور انجام دے گا خداوند عالم اسے اسی کے حوالے کرے گا جس کے لئے اس نے وہ کام انجام دیا ہے، اور جو شخص خدا کے لئے کام انجام دے گا خدا خود اس کا اجر عطا کرے گا۔ خدا کے عذاب سے ڈرو کہ تم کو بیہودہ اور عبث پیدا نہیں کیا ہے خدا تمہارے تمام کاموں سے آگاہ ہے اور تمہاری زندگی کے ایام کو معین کیا ہے، دنیا کے دھوکے میں نہ آنا کیونکہ دنیا اپنے متوالوں کو دھوکہ دیتی ہے اور مغرور وہ شخص ہے جسے دنیا مغرور کردے۔

دوسری دنیا حقیقی جگہ ہے اگر لوگ جانتے ہوتے۔

خدا سے دعا کرتا ہوں کہ شہداء جیسا مقام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمنشینی اور اچھے لوگوں کی طرح زندگی بسر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔[1]

حاکموں کو روانہ کرنا

امیر المومنین علیہ السلام نے کوفہ میں قیام کرنے کے بعد ان اسلامی سرزمینوں پر جن پر اب تک آپ کی جانب سے کوئی بھی نمائندہ یا حاکم نہیں گیا تھا، صالح ومتدین شخص کو وہاں روانہ کیا، تاریخ نے ان افراد کے نام وخصوصیات اور ان کے محل قیام کو اپنے دامن میں درج کیا ہے۔[2]

مثلاً خلید بن قرّہ کو خراسان روانہ کیا، جب خلید نیشاپور پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ شاہ کسریٰ کے باقی افراد جو اس زمانے میں افغانستان کے شہر کابل میں زندگی بسر کررہے تھے وہ لوگ فعالیت کررہے ہیں اور لوگوں کو حکومت اسلامی کے خلاف قیام کرنے کے لئے آمادہ کررہے ہیں، امام علی علیہ السلام کے نمائندے نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان کو نیست ونابود کیا اور کچھ لوگوں

---

[1] واقعۂ صفین ص ۱۴۔۱۵؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۰۸ تاریخ طبری ج ۳ جزء ۵ ص ۲۳۳۔
[2] واقعۂ صفین ص ۱۴۔۱۵؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۰۸ تاریخ طبری ج ۳ جزء ۵ ص ۲۳۳۔

کو اسیر کر کے کوفہ بھیج دیا۔ [1]

امام نے تمام اسلامی علاقوں میں اپنے اپنے نمائندوں کو بھیجا لیکن شام میں معاویہ کی مخالفت زخم میں ہڈی کی طرح باقی رہی اور ضروری تھا کہ اس سلسلے میں جلد سے جلد کوئی تدبیر کی جاتی۔

قبل اس کے کہ امام علی علیہ السلام کی حکومت کے اس تاریخی حصے کو بیان کیا جائے کوفہ میں جو بہترین واقعہ پیش آیا اسے بیان کیا جائے، امام علی علیہ السلام نے عراق کے لوگوں سے ملاقات کے بعد ان کے کچھ گروہ کے ساتھ روبرو ہوئے جو مدتوں سے خاندان کسری کے زیر نظر تھے، امام نے ان سے پوچھا کہ خاندان کسری کے کتنے لوگوں نے تم پر حکومت کیا ہے ان لوگوں نے جواب دیا ۲۳ بادشاہوں نے ہم پر حکومت کی ہے۔ امام نے ان کی حکومت کرنے کا طور و طریقہ پوچھا ان لوگوں نے جواب دیا، ان سب کی ایک ہی روش تھی لیکن ہرمز کے بیٹے کسری نے ایک خاص روش اختیار کی اس نے ملک کی ساری دولت و ثروت کو اپنے سے مخصوص کرلیا اور ہمارے بزرگوں کی مخالفت کرنے لگا۔ جو چیزیں لوگوں کی ضرورت تھیں انہیں ویران کر دیا اور جو چیز اس کے لئے فائدہ مند تھی اسے آباد کر دیا۔ لوگوں کو حقیر و پست سمجھتا تھا اور فارس کے لوگوں کو ناراض کر دیا لوگوں نے اس کے خلاف قیام کیا اور اسے قتل کر ڈالا ان کی عورتیں بیوہ ہوگئیں اور بچے یتیم ہو گئے، امام نے ان کے نمائندہ نرسا کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

ان اللہ عزَّ و جل خلقَ الخلقَ بالحقِ و لا یرضی من احدٍ الا بالحقِ و فی سلطان اللہِ تذکرۃ مما خوَّل اللہُ و انہا لاتقومُ مملکۃ الا بتدبیرٍ و لابدّ من امارۃٍ و لایزالُ أمرُنا متماسکاً ما لم یشتم آخرُنا اولَنا، فاذا خالفَ آخرُنا اولَنا و افسدوا ھلکوا و اھلکوا

خداوند عالم نے انسانوں کی تخلیق حق پر کی ہے اور ہر انسان کے صرف حقیقی عمل پر راضی ہے سلطنت الٰہی میں ذکر کے لائق ہے جو چیز خدا نے عطا کیا ہے اور مملکت بغیر تدبیر کی باقی نہیں رہ سکتی۔ اور حتماً لازم ہے کہ حکومت باقی ہو۔ اور ہمارے کام میں اس طرح اتحاد ہوگا کہ آنے والی نسل اپنے اپنے بزرگوں کو برا بھلا نہیں کہے گی، لہٰذا جب بھی نئی نسل نے اپنی پرانی نسلوں کو برا بھلا کہا اور نیک روش کے ذریعے لوگوں کی مخالفت کی تو وہ خود بھی نابود ہو گئے اور دوسروں کو بھی نابود کر دیا۔

اس وقت امام نے ان کے بزرگ نرسا کو ان لوگوں کا سرپرست و امیر معین کیا۔ [2]

بعض حاکموں کو امام کا خط لکھنا

امام کے کوفہ میں قیام اور مختلف شہروں میں حاکم روانہ کرنے کے بعد معاویہ کی نافرمانی اور سرکشی نے امام کو سب

---

[1] واقعۂ صفین، ص ۱۲۔

[2] واقعۂ صفین، ص ۱٤۔

سے زیادہ فکرمند کردیا، اور آپ مستقل اسی فکر میں تھے کہ جتنی جلد ممکن ہو اس کینسر کو جامعہ اسلامی کے بدن سے دور کردیں۔ اور دوسری طرف بعض حاکموں کی وضعیت اور محبت کلی طور پر واضح نہ تھی کچھ حاکموں نے اور وہاں کے لوگوں نے امام کی بیعت کا اعلان نہیں کیا تھا۔

اسی بنا پر امام نے بعض حاکموں کو جو خلیفہ سوم کی طرف سے حاکم معین تھے۔ خط لکھا اور ان سے کہا کہ اپنی اپنی تکلیف کو ظاہر کریں اور اپنی اور لوگوں کی بیعت کا اعلان کریں۔ [1]

امام کے خطوط میں دو اہم خط تھے، جن میں سے ایک ہمدان کے حاکم جریر بن عبداللہ بجلی کو لکھا تھا اور دوسرا خط آذربائیجان کے حاکم، اشعث بن قیس کندی کو لکھا، ان دونوں خط کا خلاصہ ہم یہاں تحریر کررہے ہیں:

امام کا حاکم ہمدان کے نام خط

خداوند عالم کسی بھی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا مگر یہ کہ وہ لوگ خود اپنی روحی زندگی کو تبدیل کردیں میں تمہیں طلحہ وزبیر کے حالات کی خبر دیتا ہوں، جب ان لوگوں نے ہماری بیعت کو توڑ دیا اور میرے معین کردہ حاکم عثمان بن حنیف پر حملہ کیا میں مہاجر وانصار کے ہمراہ مدینے سے باہر آیا اور درمیان راہ یعنی عذیب نامی جگہ سے اپنے بیٹے حسن، عبداللہ بن عباس، عمار یاسر اور قیس بن سعد بن عبادہ کو حکم دیا کہ وہ کوفہ جائیں اور لوگوں کو اسلامی فوج میں داخل ہونے کی دعوت دیں تا کہ عہد و پیمان توڑنے والوں کو سبق سکھائیں، کوفہ کے لوگوں نے میری آواز پر لبیک کہا میں نے بصرہ سے کچھ فاصلے پر قیام کیا اور شورش کرنے والے سرداروں کو اپنی طرف بلایا اور انہیں مجبور سمجھ کر ان کی غلطیوں کو معاف کردیا اور پھر میں نے ان لوگوں سے دوبارہ بیعت کرنے کے لئے کہا لیکن ان لوگوں نے جنگ کے علاوہ کوئی کام نہ کیا، میں نے بھی خدا سے دعا کی اور جنگ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ کچھ لوگ جنگ میں مارے گئے کچھ لوگ بصرہ بھاگ گئے اس وقت ان لوگوں نے ایسی چیزوں کی مجھ سے درخواست کی جس کو میں نے جنگ سے پہلے ان سے طلب کیا تھا۔ میں نے بھی ان کی سلامتی اور حفاظت کا انتظام کیا اور جنگ صلح میں تبدیل ہوگئی، عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا گورنر معین کیا اور پھر میں کوفہ آگیا اور یہ خط میں تمہیں زحر بن قیس کے ہمراہ بھیج رہا ہوں۔ جو کچھ تمہیں معلوم کرنا ہو اس سے پوچھ لینا۔ [2]

اس خط میں اور اسی طرح دوسرے خط میں جو اشعث بن قیس کو لکھا گیا اس میں کوشش یہی تھی کہ قریش کے دو بزرگوں اور صحابیوں (طلحہ وزبیر) کے درمیان جو مقابلہ ہوا اس کی وجہ وعلت واضح ہوجائے تا کہ امت مسلمہ کو یہ معلوم ہوجائے کہ ان لوگوں نے پہلے، امام کے ہاتھوں پر بیعت کی اور اپنے عہد و پیمان کو توڑ کر جامعہ کے نظام کو درہم برہم کردیا اور شورش و

---

[1] کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۴۱۔

[2] واقعہ صفین ص ۱۹۔ ۲۰، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۷۱۔ ۷۰؛ الامامۃ والسیاسۃ ص ۸۲۔

انقلاب برپا کردیا۔

جب امام کا خط ہمدان کے حاکم کے پاس پہنچا تو اس نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا:

اے لوگو! یہ امیر المومنین علی بن ابیطالب کا خط ہے اور وہ دین و دنیا دونوں میں معتبر اور با اعتماد شخص ہیں۔اور ہم دشمن پر ان کی کامیابی کے لئے خدا کا شکر ادا کرتے ہیں، اے لوگو! اسلام پر سبقت کرنے والے مہاجرین وانصار اور تابعین کے گروہ نے ان کی بیعت کی ہے اور اگر مسئلہ خلافت کو تمام مسلمانوں کے درمیان رکھتے اور سب کو خلیفہ منتخب کرنے کا حق دیتے تو وہ اس کام کے لئے سب سے شائستہ فرد تھے، اے لوگو! زندگی گزارنے کے لئے معاشرہ کے ساتھ مل کر رہنا ضروری ہے جدائی وافتراق فنا و موت ہے، علی () جب تک تم لوگ حق پر رہو گے تمہاری رہبری کریں گے اور اگر حق سے منحرف ہو گئے تو تمہیں پھر سیدھے راستے پر لگا دیں گے۔

لوگوں نے حاکم وقت کی بات سن کر کہا: ہم نے تمام باتیں سنیں ہم ان کی اطاعت کریں گے اور ہم سب ان کی حکومت پر راضی ہیں اس وقت حاکم نے امام کے پاس ایک خط لکھا جس میں اپنی اطاعت کرنے اور لوگوں کی اطاعت کے متعلق تحریر کیا۔(یعنی سب لوگ آپ کے مطیع وفرمانبردار ہیں)۔[۱]

امام کا قاصد زحر بن قیس اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک فصیح وبلیغ خطبہ دیا اور کہا:

اے لوگو! مہاجر وانصار نے ان کمال کی وجہ سے جنہیں حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں جانتے تھے اور ان اطلاعات کی بنیاد پر جو قرآن میں ان کے بارے میں موجود ہے ان کے ہاتھوں پر بیعت کی ہے، لیکن طلحہ اور زبیر نے بغیر کسی وجہ کے اپنے عہد و پیمان کو توڑا اور لوگوں کو بغاوت وشورش کی دعوت دی اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ لوگوں کو جنگ کرنے کے لئے آمادہ کردیا۔[۲]

ہمدان کے حاکم اور غرب کے لوگوں کی بیعت نے امام کی حکومت کو اور بھی مضبوط کردیا۔کچھ دنوں کے بعد حاکم ہمدان نے امام کی حمایت واعتماد حاصل کرنے کے لئے کوفہ کا سفر کیا۔:

آذربائیجان کے گورنر اشعث کے نام امام کا خط

اشعث بن قیس کا رابطہ پچھلے خلیفہ کے ساتھ بھی بہت گہرا تھا اور اس کی بیٹی خلیفہ کی بہو (عمرو بن عثمان کی بیوی) تھی۔امام نے اپنے ایک چاہنے والے ہمدانی[۳]، زیاد بن مرحب[۴] کے ذریعہ خط اس کے پاس بھیجا جس کی عبارت یہ تھی:

---

[۱] واقعۂ صفین ص ۱٦ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۷۱۔۷۲۔

[۲] واقعۂ صفین ص ۱۸۔۱۷، الامامۃ والسیاسۃ ص ۸۳۔۸۲۔

[۳] قبیلۂ ہمدان (میم ساکن) یمن کا ایک مشہور قبیلہ ہے اور وہاں کے لوگ سچے اور امام سے گہرا تعلق اور محبت رکھتے تھے۔

[۴] الامامۃ والسیاس، ص ۳، زیاد بن کعب۔

اگر تمہیں کوئی مشکل نہ تھی تو میری بیعت کرنے میں سبقت کرتے اور لوگوں سے بھی میری بیعت لیتے اگر تقوی اختیار کروگے تو بعض چیزیں تمہیں حق کو ظاہر کرنے کے لئے آمادہ کردیں گی، جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ لوگوں نے میری بیعت کی ہے اور طلحہ وزبیر نے بیعت کرنے کے بعد عہد و پیمان کو توڑ دیا ہے اور ام المومنین کو ان کے گھر سے بلا کر اپنے ساتھ بصرہ لے گئے۔ میں بھی ان کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ اپنی بیعت پر واپس آجاؤ لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کیا میں نے بہت اصرار کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔۔۔[1]

پھر امام نے ایک تاریخی کلام اشعث کے گوش گزار کیا:

و ان عملك ليس لك بطعمة و لكنه امانة و فى يديك مال من مال الله و انت من خُزّان الله عليه حتى تسلّمه الى۔۔۔[2]

گورنری تمہارے لئے مرغن غذا کا لقمہ نہیں ہے، بلکہ ایک امانت ہے اور تمہارے پاس جو مال ہے وہ خدا کا ہے اور تم اس مال کے لئے خدا کی طرف سے خزانہ دار ہو یہاں تک کہ وہ مجھے واپس کر دو، تم جان لو کہ میں تم پر برا حاکم نہیں رہوں گا جب کہ تم سچائی کو اپنا ساتھی بنائے رکھو گے۔

دونوں خط ایک وقت لکھا گیا جب کہ پہلے خط میں الفت ومحبت کی چاشنی ہے لیکن دوسرے خط میں الفت ومحبت کے ساتھ تندی اور تنبیہ بھی شامل ہے ان دونوں میں فرق کی وجہ دونوں حاکموں کی روحانی کیفیت ہے اشعث لوگوں سے امام کی بیعت اور شناخت امام کے لئے بہت زیادہ مائل نہ تھا لہٰذا امام کا خط ملنے کے بعد بجائے یہ کہ حاکم ہمدان کی طرح خود اٹھ کر امام کے فضائل سے لوگوں کو آشنا کراتا اور لوگوں سے آپ کی بیعت کا خواستگار ہوتا۔ اس نے خاموشی اختیار کی، یہی وجہ ہے کہ امام کا قاصد ونمائندہ زیاد بن مرحب اپنی جگہ سے اٹھا اور عثمان کے قتل کی داستان اور طلحہ وزبیر کی بیعت توڑنے کے واقعات کو لوگوں کے سامنے بیان کیا اور کہا:

اے لوگو، وہ شخص جسے مختصر کلام قانع نہ کر سکے اسے طولانی کلام بھی قانع نہیں کرے گا، عثمان کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے متعلق گفتگو کر کے تمہیں قانع کیا جا سکے یقیناً واقعہ کا سننا دیکھنے کی طرح کبھی نہیں ہوسکتا ہے۔

اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ عثمان کے قتل کے بعد مہاجرین وانصار نے علی کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان دو آدمیوں (طلحہ وزبیر) نے بغیر کسی وجہ کے اپنی بیعت سے انکار کر دیا اور بالآخر خدا نے علی کو زمین کا وارث بنا دیا اور نیک اور اچھی

---

[1] الامامۃ والسیاس ص ۳ واقعۂ صفین ص ۲۱ ـ ۲۰ ـ

[2] الامامۃ والسیاسۃ ص ۸۳ وقعہ صفین، ص ۲۱ ـ ۲۰ جو کچھ واقعہ صفین کے مولف نصر بن مزاحم نے لکھا ہے، مرحوم سید رضی نے شروع کے کچھ حصے کو حذف کر دیا ہے۔ نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۵، ابن عبدربہ عقد الفرید، ج ۳، ص ۱۰۴۔ ابن قتیبہ، الامامۃ والسیاسۃ ج ۱، ص ۸۳ نے جو کچھ نصر بن مزاحم نے نقل کیا ہے اسے بطور خلاصہ لکھا ہے، رجوع کریں، مصادر نہج البلاغہ ج ۳، ص ۲۰۲ شرح نہج البلاغہ ابن میثم ج ۴، ص ۳۵۰

عاقبت متقیوں کے لئے ہے۔ [1]

اس موقع پر اشعث کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہ تھا لہٰذا مجبوراً اس حاکم کی اطاعت کرنے کی بنا پر جنہیں مہاجر و انصار نے منتخب کیا تھا۔ مختصر طور پر ان کے بارے میں کچھ بیان کرے، لہٰذا وہ اٹھا اور کہنے لگا:

اے لوگو! عثمان نے اس علاقے (آذربائیجان) کی حاکمیت مجھے دی تھی وہ قتل ہوگئے حکومت میرے ہاتھ میں تھی اور لوگوں نے علی کی بیعت کی ان کی اطاعت ہمارے لئے ایسی ہی ہے جس طرح سے ہماری اطاعت پچھلے والوں کے ساتھ تھی، تم نے طلحہ و زبیر سے متعلق ماجرا سنا اور جو کچھ ہم سے پوشیدہ ہے ان امور میں علی مورد اعتماد ہیں۔ [2]

حاکم نے اپنی بات ختم کی اور اپنے گھر چلا گیا اور اپنے دوستوں، چاہنے والوں کو بلایا اور کہا:

علی کے خط نے مجھے وحشت میں ڈال دیا ہے وہ آذربائجان کی دولت وثروت کو ہم سے لے لیں گے، لہٰذا ہمارے لئے بہتر ہے کہ ہم معاویہ سے ملحق ہوجائیں، مگر حاکم کے مشاوروں نے اس

کی مذمت کی، اور کہا: تمہارے لئے موت اس کام سے بہتر ہے کیا تم اپنے قبیلہ اور دیار کو چھوڑ دوگے اور شامیوں کی طرف جاؤ گے؟ اس نے مشاوروں کی بات کو تسلیم کرلیا، اور اپنے روابط کو مستحکم کرنے کے لئے کوفہ روانہ ہوگیا۔ [3]

---

[1] واقعۂ صفین، ص ۲۱، الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱، ص ۸۳۔

[2] الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱، ص ۸۲۔

[3] تاریخ طبری ج ۳ جزء ۵ ص ۲۳۵ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۴ (مطبوعہ بیروت) کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۱؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۷۴۔

بارہویں فصل

جنگ صفین کے علل واسباب

امام کا پیغام معاویہ کے نام

حضرت امیر المومنین کی الٰہی وحقیقی حکومت قائم ہونے اور متقی و پرہیزگار حاکموں کومنصوب کرنے اور غیر متدین حاکموں کے معزول کرنے کے بعد سب سے اہم کام یہ تھا کہ امام شجرۂ خبیثہ کے ریشہ کوشام کی سرزمین سے اکھاڑ پھینکیں، اور جامعہ اسلامی سے اس کے شرکوختم کردیں، یہ ارادہ اس وقت اور قطعی ہوگیا جب ہمدان کے حاکم جریر کوفہ پہنچ گئے اور جب امام کے ارادے سے باخبر ہوئے تو امام سے درخواست کی مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کا پیغام لے جاؤں اس نے کہا: معاویہ سے میری دوستی بہت پرانی ہے میں اس سے کہوں گا کہ آپ کی حقیقی حکومت کورسمی طور پر پہچانے اور جب تک خدا کی اطاعت کرے گا اس وقت تک شام کا حاکم رہے گا۔

امام نے اس کی آخری شرط کوسن کر خاموشی اختیار کی اور کچھ نہیں کہا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ جریر کے اندر اس کام کو انجام دینے کی صلاحیت نہیں ہے مالک اشتر نے امام کی طرف سے نمائندگی اختیار کرنے پر جریر کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ معاویہ کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن امام ان کی رائے کونظرانداز کرکے جریر کواس کام کے لئے چنا،[1] اور آئندہ اس نے حضرت کے انتخاب کوصحیح ثابت کردیا، جب امام نے جریر کوروانہ کیا تو اس سے فرمایا، تم نے دیکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب جوسب کے سب متدین ہیں میرے ساتھ ہیں۔ پیغمبر نے تجھے یمن کا ایک بہترین شخص کہا ہے تم میرا خط لے کر معاویہ کے پاس جاؤ اگر ان چیزوں پر جس میں مسلمانوں کا اتفاق ہے داخل ہوا تو بہتر ہے اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس سے کہو کہ اب تک جو خاموشی تھی اب وہ خاموشی ختم ہوجائے گیا ور یہ بات اس تک پہنچا دو کہ میں ہرگز اسکے حاکم ہونے پر راضی نہ تھا۔

---

[1] حاکم اسلامی کو چاہئے کہ اعلان جنگ سے پہلے متوجہ کرے کہ جتنی بھی سابقہ امانتیں موجود ہیں وہ ختم ہوگئیں ہیں، قرآن کریم نے اس مسئلہ کوصراحت سے بیان کیا ہے:

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾

اور اگر کسی قوم سے کسی خیانت یا بدعہدی کا خطرہ ہے تو آپ بھی ان کے عہد کوان کی طرف پھینک دیں کہ اللہ خیانت کاروں کو دوست نہیں رکھتا ہے (سورۂ انفال، آیت ۵۸)

اور لوگ بھی اس کی جانشینی پر راضی نہیں ہوں گے۔ [۱]

جریر امام کا خط لے کر شام روانہ ہوا، جب معاویہ کے پاس پہنچا تو اس سے کہا: علی کے ہاتھ پر مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، حجاز، یمن، مصر، عمان، بحرین اور یمامہ کے لوگوں نے بیعت کی ہے اور سوائے اس قلعہ کے کہ جس میں تو ہے کوئی باقی نہیں ہے، اور اگر وہاں کے بیابانوں سے طوفان جاری ہوا تو سب کو غرق کر دے گا میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تجھے اس چیز کی دعوت دوں جس میں سچائی ہے اور اس شخص کی بیعت کی رہنمائی کروں۔ [۲]

پھر اس نے امام کا خط معاویہ کے حوالے کیا جس میں تحریر تھا:

مدینے میں (مہاجر و انصار کی میرے ہاتھ پر) بیعت نے شام میں تجھ پر حجت کو تمام کر دیا ہے

اور تجھے میری اطاعت کرنے پر مجبور کیا ہے جن لوگوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی بالکل اسی طرح انہوں نے میری بھی بیعت کی ہے لہٰذا اس بیعت کے بعد نہ حاضرین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مخالفت کریں نہ ہی غائبین کو حق ہے کہ بیعت کو چھوڑ دیں۔

شوریٰ (تمہاری رائے کے مطابق) مہاجرین و انصار کے حقوق میں سے ہے کہ اگر وہ لوگ کسی کی امامت پر متفق ہو جائیں اور اسے امام کا نام دیں تو یہ کام خدا کی مرضی کے مطابق ہے اور اگر کوئی ان کے فرمان و حکم کی مخالفت کرے یا تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کرے، تو اسے اس کی جگہ پر بٹھا دیتے ہیں اور اگر سرکشی کرے گا تو اس سے غیر مومنین کی راہوں کی پیروی کرنے کے جرم میں جنگ کرتے ہیں اور خدا اسے وسط راہ میں چھوڑ دیتا ہے اور قیامت کے دن جہنم میں ڈال دے گا اور واقعاً یہ کیسا مقدر ہے۔ [۳]

طلحہ و زبیر نے میری بیعت کی پھر خود ہی بیعت کو توڑ دیا، بیعت کو توڑنا بیعت کی مخالفت کرنا ہے (یعنی اے معاویہ تمہاری طرح) یہاں تک کہ حق آ گیا اور خدا کا حکم کامیاب ہوا، میرے نزدیک بہترین کام تمہارے لئے سلامتی و عافیت ہے لیکن اگر تو نے خود کو بلا میں گرفتار کیا تو تجھ سے جنگ کروں گا اور اس راہ میں خدا سے مدد طلب کروں گا، عثمان کے قاتلوں کے بارے تو نے بہت کچھ کہا تم بھی اسی چیز میں داخل ہو جاؤ جس میں سارے مسلمان داخل ہوئے ہیں اور اس وقت مجھے کوئی واقعہ نہ

---

[۱] واقعۂ صفین ص ۲۸ ۔ ۲۷ تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۳۵ ۔

[۲] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۸۴۷، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۷۵، واقعۂ صفین ص ۲۸ ۔

[۳] اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ﴿۱۱۵﴾

اور جو شخص بھی ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول سے اختلاف کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا اسے ہم ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھر گیا ہے اور جہنّم میں جھونک دیں گے جو بدترین ٹھکانا ہے (سورۂ نساء، آیت ۱۱۵)

سناؤ میں تمام لوگوں کوخدا کی کتاب کا پابند کروں گا (جوتو یہ کہہ رہا ہے کہ میں پہلے عثمان کے قاتلوں کوتمہارے حوالے کروں تا کہ تو میری بیعت کرے)تمہاری یہ درخواست ایسی ہی جیسے بچے کودودھ کے لئے دھوکہ دیا جائے ،میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگرتم اپنی عقل کوکام میں لاؤ نہ کہ خواہشات نفس کو،تو مجھے عثمان کے خون کے متعلق پاکیزہ فرد پاؤ گے اور یہ بھی جان لو کہ تم اسلام کے قیدی بننے کے بعد طلقاء اورآزادہ شدہ لوگوں میں سے ہو اور ایسے لوگوں کے لئے خلافت حلال نہیں ہے اور شوریٰ کا ممبر بنے کا بھی حق نہیں ہے، میں نے تمہارے پاس یا جولوگ تمہاری طرح دوسرے کاموں میں مشغول ہیں۔ان کی طرف اپنے نمائندے جریر بن عبداللہ جو کہ مومن ومتدین ہیں روانہ کیا ہے تا کہ بیعت کرواور اپنی وفاداری کا اعلان کرو۔[1]

شام میں امام کا نمائندہ

انسان کا نمائندہ اور سفیر اس کی شخصیت کو اجاگر کرتا ہے اور اس کا مناسب انتخاب اس کی عقل کامل کی حکایت کرتا ہے لہٰذا زمانہ قدیم کے بہت ہی عمیق مفکروں نے کہا ہے:

حُسنُ الانتخابِ دلیلُ عقلِ المرءِ و مبلغُ رشدِہ

یعنی اچھی چیز کا انتخاب انسان کی عقلمندی کی دلیل اور اس کے فکر کی میزان ہے۔

امام نے معاویہ کی معزولی کا فرمان بھیجنے کے لئے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا جو سیاسی اور حکومتی مسائل میں مہارت رکھتا تھا۔اور معاویہ کو اچھی طرح سے پہچانتا تھا اور خود ایک شعلہ ور خطیب تھا اور یہ شخص جریر بن عبداللہ بجلی تھا[2] اس نے امام کا خط معاویہ کو ایک عمومی جگہ پر دیا اور جب وہ خط پڑھ چکا تو جریر، امام کے ترجمان کے طور پر اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک بہت ہی عمدہ اور دل کو لبھا دینے والا خطبہ پڑھا اور اس خطبے میں خدا کی حمد وثناء اور محمد وآل محمد علیہم السلام پر درود کے بعد کہا:

عثمان کے کام (پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں کے ذریعہ عثمان کا قتل ہونا) نے مدینہ میں حاضر رہنے والے لوگوں کو عاجز وناتوان کر دیا ہے ان لوگوں کی کیا بات جو واقعہ کے وقت موجود نہ تھے اور لوگوں نے علی کے ہاتھ پر بیعت کی اور طلحہ وزبیر بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی،لیکن بعد میں بغیر کسی دلیل کے اپنی بیعت کو توڑ دیا، اسلام کا قانون فتنوں کو برداشت نہیں کرتا عرب کے لوگ تلوار کو برداشت نہیں کرتے ابھی بصرہ میں غم انگیز واقعہ رونما ہوا ہے کہ اگر یہ دوبارہ واقع ہو جائے تو کوئی بھی باقی نہ بچے گا جان لو کہ تمام لوگوں نے علی کی بیعت کی ہے اور اگر خدا نے اس کام کی ذمہ داری ہمارے حوالے کی ہوتی تو ہم بھی ان کے علاوہ کسی کو منتخب نہ کرتے ،اور جو لوگ بھی عمومی انتخاب کی مخالفت کریں گے ان کو متنبہ

---

[1] واقعہ صفین ص۳۰-۲۹،الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص۸۵-۸۴،عقد الفرید ج۴ ص۳۲۲،تاریخ طبری ج۳ جزء۵ ص۲۳۵ (مطبوعہ لیدن)۔ابن عساکر تاریخ دمشق میں معاویہ کے حالات کی شرح کرتے وقت اور مرحوم شریف رضی نے نہج البلاغہ میں اس خط کے ابتدائی حصے کو حذف کر دیا ہے۔نہج البلاغہ، مکتوب نمبر۶۔

[2] اگر چہ وہ بعد میں اپنے وظیفے کی انجام دہی میں سستی اور کاہلی کی وجہ سے متہم تھا مگر اسکا جرم ثابت نہ تھا اور ہم اسکے بارے میں گفتگو کریں گے۔

کیا جائے گا، (کہ وہ بھی لوگوں کے منتخب کردہ حاکم کو قبول کریں)۔

اے معاویہ جس طریقے سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے ہیں تو بھی اسی طرح داخل ہوجا، اور علی کو مسلمانوں کا رہبر مان لے، اگر تو یہ کہے کہ عثمان نے مجھے اس منصب ومقام پر معین کیا ہے اور ابھی تک معزول نہیں کیا ہے تو یہ ایسی بات ہے کہ اگر اسے مان لیا جائے تو خدا کے لئے کوئی دین باقی نہیں بچے گا، اور ہر شخص کے ہاتھ میں جو کچھ بھی ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لے گا۔ [۱]

جب امام کے نمائندے کی تقریر ختم ہوئی تو اس وقت معاویہ نے کہا، صبر کروتا کہ میں شا مکے لوگوں سے مشورہ کروں اور پھر نتیجے کا اعلان کروں۔ [۲]

امام کا بیعت لینے کا مقصد معاویہ کو معزول کرنا تھا

امام نے اپنی حکومت کے ابتدائی دنوں سے ہی کبھی بھی کسی سے بیعت لینے کے لئے اصرار نہیں کیا۔تو پھر معاویہ سے بیعت لینے کے لئے اتنا اصرار کیوں کیا؟ اس کی علت یہ تھی کہ آپ اس سے بیعت لے کر منصب سے معزول کرنا چاہتے تھے تا کہ مسلمانوں کے مال وحقوق کو اس سے واپس لے لیں؛ کیونکہ جن

لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پر مسلمانوں کے امام کے اعتبار سے بیعت کی تھی ان لوگوں نے شرط رکھی تھی کہ آپ مسلمانوں کی وضعیت کو پیغمبر کے زمانے کی طرح دوبارہ واپس لائیں گے۔اور ان کی مصلحتوں اور اسلام کو ترقی عطا کرنے میں کوتاہی نہ کریں گے، معاویہ جیسے افراد کی موجودگی ایسے کاموں کے لئے رکاوٹ تھی، اصل میں عثمان کے خلاف انقلاب اسی لئے برپا ہوا تھا کہ پچھلے تمام حاکم اور سردار اپنے منصب سے برطرف ہوجائیں اور دنیا پرست اور مالدار لوگ مظلوموں کا حق لوٹنے سے باز آجائیں۔

معاویہ کی جانب سے شامیوں کو اس قضیہ سے آگاہ کرنا

ایک دن دربار معاویہ کے منادی نے شام کے کچھ گروہوں کو مسجد میں جمع کیا، معاویہ منبر پر گیا اور خدا کی حمد وثنا کی اور سرزمین شام کے صفات اس طرح بیان کئے کہ خدا نے اس سرزمین کو پیغمبروں اور خدا کے صالح بندوں کی زمین قرار دیا ہے اور اس زمین پر بسنے والوں کی ہمیشہ مدد کی ہے اس کے بعد کہا:

(اے لوگو) تمہیں معلوم ہے کہ میں امیر المومنین عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان کا نمائندہ ہوں، میں نے کسی کے ساتھ کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ میں اس سے شرمندہ ہوں۔ میں عثمان کا ولی ہوں، جو مظلومیت کے ساتھ مارا گیا ہے اور خدا کہتا

---

[۱] الامامة والسیاسة ج۱ص۸۵، واقعۂ صفین ص۳۱۔۳۰، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۳ ص۷۷۔۷۶۔

[۲] شرح نہج البلاغہ، ج۳، ص۷۷۔

ہے کہ جو شخص مظلوم قتل ہوگا میں اس کے ولی کو طاقت وقوت عطا کروں گا، لیکن قتل کرنے میں اسراف نہ کرو؛ کیونکہ قتل ہونے والا خدا کی طرف سے مدد پاتا ہے۔[1]

پھر اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں عثمان کے قتل کے بارے میں تم لوگوں کا نظریہ معلوم کروں۔

اس وقت مسجد میں موجود سبھی لوگ کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے، ہم لوگ عثمان کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔

پھر لوگوں نے اس کام کے لئے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور سب نے ایک آواز ہوکر کہا کہ ہم سب اس راہ میں اپنی جان و مال قربان کردیں گے۔[2]

معاویہ کی گفتگو کا ایک جائزہ

۱۔ معاویہ نے شام کی سرزمین کو انبیاء کی سرزمین اور شام کے لوگوں کو خدا کی شریعت و دین کا دفاع کرنے والا بتایا تاکہ اس کے ذریعے وہ خود کو الٰہی قانون کا دفاع کرنے والا ثابت کرسکے اور لوگوں کے احساسات وجذبات سے فائدہ اٹھائے اور تمام لوگوں کو آپسی جنگ کے لئے تیار کرے۔

۲۔ مقتول خلیفہ کو مظلوم بتایا کہ ان کا خون ظالموں کے گروہ نے بہایا ہے جب کہ ان کا قتل پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ اور تابعین کے ہاتھوں ہوا تھا اور ان کی نظر میں صحابہ اور تابعین راہ حق کی پیروی کرنے والے اور عادل و انصاف پسند ہیں۔

۳۔ اگر ہم فرض کریں کہ عثمان مظلوم قتل کئے گئے لیکن ان کا ولی قاتلوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے اور ولی الدم سے مراد مقتول کے مال کا وارث ہے، تو کیا معاویہ ان کے مال کا وارث تھا یا کسی قریبی وارث ہونے کی وجہ سے اس کی نوبت نہیں آتی؟ یہ بات صحیح ہے کہ عثمان عفان کا بیٹا اور وہ ابوالعاص بن امیہ کا بیٹا اور معاویہ ابوسفیان کا بیٹا اور وہ حرب بن امیہ کا بیٹا تھا۔ اور سب کا سلسلہ امیہ تک پہنچتا ہے لیکن کیا یہ دوری رشتہ، نزدیکی رشتہ داروں کے باوجود بھی کافی تھا، کہ معاویہ نے اپنے کو عثمان کے خون کا ولی بتایا؟

امیر المومنین اپنے خط میں معاویہ کو لکھتے ہیں:

---

[1] وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ﴿٣٣﴾

اور کسی نفس کو جس کو خدا نے محترم بنایا ہے بغیر حق کے قتل بھی نہ کرنا کہ جو مظلوم قتل ہوتا ہے ہم اس کے ولی کو بدلہ کا اختیار دے دیتے ہیں لیکن اسے بھی چاہئے کہ قتل میں حد سے آگے نہ بڑھ جائے کہ اس کی بہرحال مدد کی جائے گی سورۂ اسراء، آیت ۳۳۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۷۸۔ ۷۷، واقعۂ صفین ص ۳۲۔ ۳۱۔

انّما انتَ رجل من بنی امیه و بنو عثمان اولی بذالك منك[1]

تم امیہ کی اولاد سے ہو اور عثمان کے بیٹے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تم سے اولیٰ ہیں۔

یہ سب ایسے سوالات ہیں کہ جن کا جواب ابوسفیان کے بیٹے کے ضمیر کا پردہ فاش کردیں گے، اور یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ عثمان کے خون کا مسئلہ نہ تھا، بلکہ حکومت پر قبضہ کر کے امام کو اس سے دور کرنا تھا کہ جس کے ہاتھوں پر مہاجرین و انصار نے بالاتفاق بیعت کیا تھا اور سب سے زیادہ تعجب کی بات اس کا لوگوں سے مشورہ کرنا ہے، وہ جب لوگوں سے اس سلسلے میں مشورہ لے رہا تھا اسی وقت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اپنی قطعی رائے بھی پیش کی تھی اور اس پر بہت سنجیدہ تھا اس طرح کی صحنہ سازی کی روایت قدیمی ہے اور زبردستی اپنی بات منوانے کو مشورہ کا نام دیا جاتا ہے۔

تاریخ لکھتی ہے: اگرچہ معاویہ نے لوگوں کا مثبت جواب سنا، مگر اس کے دل میں خوف طاری تھا اور کچھ اشعار وہ خود بخود پڑھ رہا تھا، جس کا آخری شعر یہ ہے:

و انی لارجوا خیر ما نال نائل
و ما أنا من ملك العراق بائس[2]

میں ایک بہترین چیز کا امیدوار ہوں، کہ امید خود اس کی امیدوار ہے اور میں ملک عراق سے مایوس نہیں ہوں۔

اس نے اپنے اس مقصد تک پہنچنے کے لئے اپنے لالچی ساتھیوں کو بلایا اور اسی میں سے عتبہ بن ابوسفیان نے اس سے کہا: علی کے ساتھ اگر جنگ کرنا ہے تو اس کے لئے عمرو عاص کو بھی باخبر کرو اور اس کے دین کو خریدلو، کیونکہ وہ ایسا شخص ہے کہ عثمان کی حکومت سے بھی دور رہا، اور طبیعی ہے کہ تمہاری حکومت سے تو بہت دور رہے گا، مگر یہ کہ اسے درہم و دینار دے کر راضی کرلو۔[3]

---

[1] واقعۂ صفین، ص ۵۸، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص ۹۲-۹۱۔
[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۷۸۔
[3] واقعۂ صفین ص ۳۳، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۷۹۔

تیرہویں فصل

حضرت علی علیہ السلام سے مقابلے کے لئے معاویہ کے اقدامات

معاویہ کا خط عمر وعاص کے نام

عمر وعاص جو کہ میدان سیاست کا ایک چالاک بھیڑیا تھااور اس وقت مشہور ومعروف فلسطین میں گوشہ نشینی کی زندگی گزارر ہاتھامعاویہ نے اس کو اپنی طرف جذب کرنے کے لئے اسے اس مضمون کا خط لکھا:

علی اور طلحہ وزبیر کا واقعہ تو نے سنا ہے، مروان بن حکم بصرہ کے کچھ لوگوں کے ہمراہ شام آیا ہے اور جریر بن عبداللہ علی کی طرف سے نمائندہ بن کر بیعت لینے کے لئے شام آچکا ہے میں نے ہر طرح کا فیصلہ کرنے سے پرہیز کیا ہے تاکہ تمہارا نظریہ معلوم کروں جتنی جلدی ہو شام آجاؤ تاکہ اس سلسلے میں رائے ومشورہ کیا جائے۔[1]

جب یہ خط عمرو کے پاس پہنچا تو اس نے اس خط کے مفہوم کو اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور محمد کو بتایا، اور ان سے ان کا نظریہ معلوم کیا اس کا بڑا بیٹا جو تاریخ میں اچھے نام سے مشہور ہے (واللہ اعلم) اس کا کہنا تھا:

جب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد کے دو خلیفہ زندہ تھے سب کے سب تم سے راضی تھے اور جس دن عثمان کا قتل ہوا اس دن تم مدینہ میں نہ تھے۔ اس وقت کتنا بہتر ہے کہ تم خود اپنے گھر میں بیٹھتے اور بہت کم منافع حاصل کرنے کے لئے معاویہ کی حاشیہ نشینی چھوڑ دیتے، کیوں کہ خلافت تمہیں ہرگز نہیں مل سکتی، اور قریب ہے کہ تمہاری عمر کا سورج غروب ہو جائے اور زندگی کے آخری مرحلے میں بدبخت ہو جاؤ۔

لیکن اس کے دوسرے بیٹے نے اپنے بڑے بھائی کے خلاف نظریہ پیش کیا کہ معاویہ کی دعوت کو قبول کرے اور کہا:

تم قریش کے بزرگوں میں سے ہو اور اگر اس امر میں خاموشی اختیار کر کے بیٹھ گئے تو لوگوں کی نگاہوں میں تم ایک معمولی شخص رہو گے، اور حق شام کے لوگوں کے ساتھ ہے ان کی مدد کرو اور عثمان کے خون کا بدلہ لو اور ایسی صورت میں بنی امیہ اس کام کے لئے قیام کریں گے۔

عمر وعاص جو ایک ہوشیار و چالاک شخص تھا اس نے عبداللہ کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہارا نظریہ میرے دین کے نفع میں ہے، جب کہ محمد کا نظریہ میرے دنیاوی فائدے کے لئے ہے اس سلسلے میں میں غور وفکر کروں گا، پھر اس نے کچھ اشعار پڑھا

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ص ٨٤، واقعہ صفین ص ٣٤۔

اور دونوں بیٹوں کے نظریات کو شعری انداز میں بیان کیا، اس کے بعد اپنے چھوٹے بیٹے وردان کے سے پوچھا: اس نے کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ جو کچھ آپ کے دل میں ہے اس کے بارے میں خبر دوں؟ عمرو نے کہا: بتاؤ تم کیا جانتے ہو اس نے کہا: دنیا وآخرت نے تمہارے دل پر حملہ کر دیا ہے علی کی پیروی آخرت کے لئے سعادت کا باعث ہے جب کہ ان کی پیروی دنیاوی نہیں ہے لیکن آخرت کی زندگی دنیا کی ناکامیوں کے لئے قابل تلافی ہے، جب کہ معاویہ کا ساتھ دینے میں دنیا ملے گی مگر آخرت سے محرومی ہوگی، اور دنیا کی زندگی آخرت کی سعادتوں کے لئے قابل تلافی نہیں ہے اس وقت تم ان دونوں کے درمیان کھڑے ہو اور تمہاری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کس کا انتخاب کرو۔

عمرو نے کہا: تم نے بالکل صحیح کہا ہے۔ اب بتاؤ کہ تمہارا نظریہ کیا ہے؟

اس نے کہا: اپنے گھر میں خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔ اگر دین کامیاب ہو گیا تو تم اس کے سائے میں زندگی بسر کرنا اور اگر اہل دنیا کامیاب ہوئے تو وہ لوگ تم سے بے نیاز نہیں ہیں۔

عمرو نے کہا: کیا اب اس وقت گھر میں بیٹھوں جب کہ معاویہ کے پاس میرے جانے کی خبر پورے عرب میں پھیل چکی ہے۔[1]

وہ اندرونی طور پر ایک دنیا پرست انسان تھا، لہٰذا معاویہ کا ساتھ دیا لیکن اپنے چھوٹے بیٹے کی گفتگو کو شعری قالب میں ڈھال دیا:

اما علی فدین لیس یشرکه
دنیا و ذاك له دنیا و سلطان
فاخترت من طمعی دنیا علی بصرٍ
و ما معی بالذی اختار برهان[2]

علی کی پیروی میں دین ہے لیکن دنیا نہیں ہے جب کہ معاویہ کی پیروی کرنے میں دنیا اور قدرت ہے۔

میں نے اپنی لالچ و آرزو کی وجہ سے حقیقت جانتے ہوئے دنیا کو اختیار کیا لیکن اس کے قبول کرنے کے لئے میرے پاس کوئی عذر یا حجت نہیں ہے، پھر وہ شام کی طرف روانہ ہو گیا اور اپنے پرانے اور قدیمی دوست کے ساتھ تبادلہ خیال کرنے لگا اور امام علی علیہ السلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے ایک نقشہ تیار کیا جسے ہم بعد میں بیان کریں گے۔

---

[1] الامامة والسياسة، ص۸۷۔

[2] واقعۂ صفین، ص۳٦۔

دو کہنہ کار سیاستدانوں کی ہمکاری

بالآخر بنی سہم کا پرانا اور قدیمی سیاست دان اور اپنے زمانہ کا معروف ومشہور عمر وعاص نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دیا اور فلسطین سے شام کی طرف روانہ ہوگیا تا کہ اس ضعیفی اور بڑھاپے میں دوسری مرتبہ مصر کا حاکم بن جائے۔ وہ خوب جانتا تھا کہ معاویہ کو اس کی دوراندیشی اور تدابیر کی ضرورت ہے لہٰذا اس نے سوچا کہ اس کی مدد کرنے کے بدلے اس سے زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرے [۱] اور گفتگو کے دوران مطالب کو وقفہ، وقفہ سے بیان کیا تا کہ معاویہ کی فکر ونظر کو اپنی طرف جذب کر لے۔

گفتگو کی پہلی نشست میں معاویہ نے تین مشکلیں بیان کیں جن میں ایک یہ تھی کہ علی کی سرزمین شام پر حملہ کرنے کے ارادے نے تمام چیزوں سے زیادہ میرے ذہن کو الجھن میں ڈال دیا ہے یہاں ہم بغیر کسی کمی وزیادتی کے ان دونوں کی گفتگو کو نصر بن مزاحم کی تاریخ صفین سے نقل کر رہے ہیں۔

معاویہ: کافی دنوں سے تین چیزوں نے میرے ذہن وفکر کو اپنی طرف مشغول کر رکھا ہے اور میں مسلسل اس بارے میں سوچ رہا ہوں، تم سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ کا کوئی حل پیش کرو۔

عمر وعاص: وہ تینوں مشکلیں کیا ہیں؟

معاویہ: محمد بن ابی حذیفہ نے مصر کا قید خانہ توڑ ڈالا ہے اور وہ دین کے لئے آفت ہے (یعنی حکومت معاویہ کیلئے)

ایک وضاحت:

عثمان کی خلافت کے زمانے میں مصر کے تمام امور کی ذمہ داری عبداللہ بن سعد بن ابی سرح پر تھی اور محمد بن ابی حذیفہ ان لوگوں میں سے تھا جس نے لوگوں کو حاکم مصر کے خلاف بغاوت کے لئے آمادہ کیا تھا عثمان کے قتل کے بعد اس کا حاکم لوگوں کے خوف سے مصر چھوڑ کر چلا گیا اور اپنی جگہ پر اپنے نمائندے کو منصوب کر دیا، لیکن ابوحذیفہ کے بیٹے نے حاکم کے نمائندے کے خلاف لوگوں کو تشویق و رغبت دلائی اور بالآخر اسے مصر سے نکال دیا اور خود وہاں کی ذمہ داریوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے ابتدائی دور میں مصر کی حاکمیت قیس بن سعد کو دی گئی اور محمد کو معزول کر دیا گیا، جب معاویہ نے مصر پر قبضہ کیا تو محمد کو قید خانے میں ڈال دیا لیکن وہ اور اس کے ساتھی کسی صورت سے قید خانے سے بھاگ گئے، [۲] جی ہاں، محمد بن ابی حذیفہ بہت زیادہ فعال اور حادثہ کا ایجاد کرنے والا تھا، اور وہ معاویہ کا ماموں زاد بھائی تھا۔

---

[۱] الامامۃ والسیاسۃ، ج۱ ص ۸۷۔

[۲] اسد الغابہ، ج۴، ص ۳۱۶-۳۱۵۔

عمروعاص:اس واقعہ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے تم ایک گروہ کو بھیج کر اسے قتل کرواسکتے ہو یا وہ لوگ قید کر کے زندہ تیرے حوالے کر سکتے ہیں،لیکن اگر یہ لوگ اسے گرفتار نہ کر سکے تو وہ اتنا خطرناک نہیں ہے کہ تمہاری حکومت کو تم سے چھین لے۔

معاویہ: قیصر روم، رومیوں کے گروہ کے ساتھ شام کی طرف چلنے والا ہے تاکہ شام کی حکومت ہم سے واپس لے لے۔

عمروعاص: قیصر روم کی مشکلات کو ہدیہ وغیرہ مثلاً روم کے غلاموں اور کنیزوں اور سونے چاندی کے برتن وغیرہ بھیج کر دور کرو،اور اسے صحت وسلامتی کی زندگی دے کر دعوت کرو کہ عنقریب وہ اس کام میں شریک ہوگا۔

معاویہ:علی نے کوفہ میں قیام کیا ہے اور شام کی طرف بڑھ رہے ہیں اس مشکل کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟

عمروعاص: عرب ہرگز تجھے علی جیسا نہیں سمجھتے،علی جنگ کے تمام رموز واسرار سے آشنا ہیں اور قریش میں ان کی مثال نہیں ہے، وہ اس حق کی بنا پر صاحب حکومت ہیں جو ان کے ہاتھ میں ہے مگر یہ کہ تم ان پر ظلم وستم کرواور ان کے حق کو سلب کرلو۔

معاویہ: میں چاہتا ہوں کہ تم اس سے جنگ کرو کہ اس نے خدا کی نافرمانی کی ہے اور خلیفہ کو قتل کر دیا ہے اور فتنہ پیدا کر دیا اور اتحاد کو درہم برہم کر دیا اور رشتہ داری کو توڑ دیا ہے۔

عمروعاص: خدا کی قسم،تم اور علی ہرگز شرف وفضیلت میں برابر نہیں ہو تم نہ ان کی ہجرت کی فضیلت رکھتے ہو نہ ان کے دیگر سوابق کی فضیلت رکھتے ہو، نہ ان کی طرح تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے ہو نہ تم نے ان کی طرح مشرکوں سے جہاد کیا ہے نہ ان کی طرح تمہارے پاس عقل ودانش ہے، خدا کی قسم علی کی فکر بہت عالی، ذہن بہت صاف اور وہ ہمیشہ سعی وکوشش میں رہے ہیں، وہ بافضیلت اور سعادت منداور خدا کے نزدیک کامیاب انسان ہیں، ایسے بافضیلت شخص کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے مجھے کیا قیمت دوگے کہ میں تمہارا ساتھ دوں؟ تمہیں معلوم ہے کہ اس ہمکاری میں کتنے خطرے موجود ہیں۔

معاویہ: تمہیں اختیار ہے، تمہیں کیا چاہئے؟

عمروعاص: مصر کی حکومت۔

معاویہ: (جب کہ وہ دھوکہ کھا چکا تھا) اس نے مکاری کے طور پر دنیا وآخرت کے مسئلے کو سامنے رکھا، اور کہا: میں نہیں چاہتا کہ عرب تمہارے بارے میں اس طرح کی فکر کریں کہ تم دنیاوی غرض کے لئے ہمارے ساتھ جنگ میں شامل ہوئے ہو، کتنا اچھا ہوگا کہ وہ لوگ یہ کہیں کہ تم نے خدا کی مرضی اور آخرت کی اجرت لینے کے لئے ہمارا ساتھ دیا، اور کبھی بھی دنیا کی معمولی اور چھوٹی چیز آخرت کے اجر کے برابر نہیں ہوسکتی۔

عمروعاص: ان بے ہودہ باتوں کا ذکر نہ کرو۔[1]

معاویہ: میں اگر تجھے دھوکہ دینا چاہوں تو دے سکتا ہوں۔عمروعاص: مجھ جیسا آدمی دھوکہ نہیں کھا سکتا، میں اس سے بھی زیادہ چالاک ہوں جتنا تم سوچ رہے ہو۔

معاویہ: میرے نزدیک آؤ تا کہ تم سے اصلی راز بیان کروں۔

عمروعاص اس کے قریب گیا اور اپنے کان کو معاویہ کے منہ کے پاس لے گیا تا کہ اس کے اصلی راز کو سنے، اچانک معاویہ نے اس کے کان کو زور سے دانتوں میں دبا لیا کہا: کیا تم نے دیکھا میں تم کو دھوکہ دے سکتا ہوں، پھر اس نے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ مصر عراق کی طرح ہے اور دونوں بڑے شہروں میں شمار ہوتے ہیں۔

عمروعاص: ہاں میں جانتا ہوں، لیکن عراق تمہارے قبضے میں اسی وقت ہوگا جس وقت مصر پر میرا قبضہ جب کہ عراق کے لوگوں نے علی کی اطاعت کی ہے اور ان کی رکاب میں رہتے ہوئے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔

اس موقع پر جب کہ دوسوداگر بحث ومباحثہ میں غرق تھے معاویہ کا بھائی عتبہ بن ابوسفیان وہاں آ پہنچا اور کہا: عمرو کو مصر کی سرزمین دے کر کیوں نہیں خرید لیتے؟ کاش کہ یہی حکومت شام تمہارے لئے باقی رہے اور کوئی دوسرا اس میں مداخلت نہ کرے۔اس وقت اس نے کچھ شعر کہا اور اس میں عمروعاص کی معاویہ کے ساتھ نصرت ومدد کو ظاہر کیا جس کا ایک شعر یہ ہے:

اعط عمرواً ان عمرواً تارك

دينه اليوم لدنيا لم تجز[2]

جو کچھ عمرو کی خواہش ہے اسے دیدو، اس نے آج اپنے دین کو دنیا کے لئے چھوڑ دیا ہے۔

بالآخر معاویہ نے سوچا کہ جیسے بھی ممکن ہو عمرو کی مدد کو اپنی طرف جذب کرے اور اس کی خواہش کو پورا کرے، لیکن عمرو اس کے مکروفریب کی وجہ سے مطمئن نہیں تھا۔اس نے یہ سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ معاویہ مجھ سے ایک کامیابی کی سیڑھی کی طرح استفادہ کرے اور کام ختم ہوتے ہی اسے اپنے سے دور کر دے، لہٰذا اس نے معاویہ کو متوجہ کرتے ہوئے کہا ضروری ہے کہ اس تعہد اور معاملے کو کاغذ پہ لکھا جائے اور اس کے متعلق شرائط لکھی جائیں اور دونوں آدمی اپنے اپنے دستخط کریں۔

---

[1] ابن ابی الحدید اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ، ج۲، ص۶۵، مطبوعہ مصر، میں لکھتا ہے: میں نے اپنے استاد ابوالقاسم بلخی سے کہا کہ یہ عمروعاص کی گفتگو آخرت پر ایمان نہ رکھنے اور اس کے بے دینی کی وجہ سے نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: عمروعاص نے اصلاً اسلام قبول ہی نہیں کیا تھا، اور اپنے کفر پر باقی تھا۔

[2] رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تقریر میں ایک شرعی مسئلہ کی طرف یاددہانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: لاتبع ما ليس عندك یعنی جس چیز کے تم مالک نہیں ہو اسے نہ بیچو، اب اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ عمرو نے مصر کی حکومت کے مقابلے میں کیا چیز بیچی ہے اور کس چیز کو اپنے ہاتھوں سے گنوا دیا ہے وہ بقول ابن ابی الحدید، معاویہ سے معاملہ کرتے وقت بھی بے دین و بے ایمان تھا اور حقیقتاً اس معاملہ کو بھی اس مکروفریب کے ذریعے انجام دیا تھا، اور بغیر کسی اجرت کے مصر کی حکومت کو خرید لیا تھا۔

تعہد نامہ لکھا گیا اور دونوں نے اپنے دستخط کیا لیکن دستخط کرنے والوں نے اپنے دستخط اور مہر کے سامنے ایک ایک جملے کا اضافہ کیا اور اپنے فریب ونفاق کو ظاہر کر دیا۔ معاویہ نے اپنے نام کے پاس لکھا: علیٰ ان لا ینقض شرط طاعۃً یعنی، یہ تعہد اس وقت تک معتبر ہے جب تک شرط کرنے والا اطاعت کو نہ توڑے، عمرو نے بھی اپنے نام اور مہر کے آگے ایک جملے کا اضافہ کیا، علیٰ ان لا تنقض طاعۃ شرطاً، [۱] یعنی شرط یہ ہے کہ اطاعت کرنے والا شرط کو نہ توڑے۔

ان دونوں نے یہ دو قیدیں لگا کر ایک دوسرے کو دھوکہ دیا اور خلاف ورزی کے راستے کو آشکار کر دیا، کیونکہ اس قید کے لگانے سے معاویہ کا مقصد یہ تھا کہ عمرو نے بغیر کسی شرط وقید کے مطلقاً معاویہ کی بیعت کی ہے اور اگر معاویہ اسے مصر کی حکومت نہ دے تو اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس وجہ سے کہ معاویہ نے اپنے عہد وشرط کی وفا نہیں کی ہے اس بہانے سے اپنی بیعت توڑ دے، لیکن جب اس کا قدیمی دوست معاویہ کے اس مکر وفریب سے آگاہ ہوا تو اس نے اس راہ ہموار پر روک لگا دی اور لکھا کہ میری بیعت اس وقت تک معتبر ہے کہ معاویہ اپنی شرط (مصر کی حکومت) کو نہ توڑے اور معاویہ مصر کو عمرو کے حوالے کرے۔

حقیقت میں دونوں سیاست کے میدان میں لومڑی صفت تھے اور کبھی بھی ان کے پاس نہ دینی تقویٰ تھا اور نہ ہی سیاسی تقویٰ تھا۔

عمرو اس معاملے کے بعد پھولے نہیں سما رہا تھا، معاویہ کے گھر سے نکلا اور جو لوگ باہر اس کا انتظار کر رہے تھے ان سے ملاقات کی اور ان کے درمیان درج ذیل سوالات وجوابات ہوئے:

عمرو کے بیٹے: بابا بالآخر کیا نتیجہ نکلا؟

عمرو: مجھے مصر کی حکومت دی ہے۔

عمر کے بیٹے: ملک عرب کی بہادری وطاقت کے مقابلے میں مصر کی حکومت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

عمرو: اگر سرزمین مصر سے تم سیر نہیں ہوئے تو خدا تمہیں کسی چیز سے سیر نہ کرے۔ [۲]

عمرو کا بھتیجا: کس عنوان سے قریش کے درمیان زندگی بسر کروگے؟ اپنے دین کو بیچ دیا اور دوسرے کی دنیا کا دھوکہ کھا گئے، کیا مصر کے لوگ، علی کے ہوتے ہوئے مصر کو معاویہ کے حوالے کریں گے؟ جب کہ یہ لوگ عثمان کے قاتل ہیں۔ اگر ہم فرض بھی کرلیں کہ معاویہ نے اس سرزمین پر قبضہ کر لیا تو کیا تمہیں اس جملے کی وجہ سے جو کہ تم نے اپنے دستخط کے ساتھ لکھا ہے سرزمین سے دور نہیں کر دے گا؟

عمرو کچھ دیر تک فکر کرنے لگا اور کچھ دیر کے بعد ایمان کی وجہ سے نہیں، بلکہ عربوں کی عادت کی بنا پر کہا: اب سب

---

[۱] واقعۂ صفین ص۴۰۔

[۲] واقعۂ صفین، ص۴۰۔۳۷، الامامۃ والسیاسۃ، ص۸۸۔۸۷۔ (تھوڑے فرق کے ساتھ)

کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے نہ کہ علی اور معاویہ کے ہاتھ میں، اگر میں علی کے ساتھ ہوتا تو میرا گھر ہی میرے لئے کافی ہوتا، مگر اب تو میں معاویہ کے ساتھ ہوں۔

عمرو کا بھتیجہ: اگر تم معاویہ سے نہ ملتے تو معاویہ بھی تم سے ملاقات نہ کرتا، تم نے دنیاوی لالچ کی وجہ سے اس سے ملاقات کی اور وہ تمہارے دین کا خریدار بنا۔

چچا بھتیجے کے ساتھ ہونے والی گفتگو جب معاویہ کے کانوں تک پہنچی تو نے چاہا کہ اسے گرفتار کرے لیکن وہ عراق کی طرف بھاگ گیا اور امام علی علیہ السلام کے لشکر سے ملحق ہوگیا اور امام سے دو بوڑھے سیاسی مکاروں کے درمیان ہوئی گفتگو اور معاملہ کو بیان کیا اور بالآخر امام کے نزدیک اپنا ایک مقام بنالیا۔[1]

مروان بن حکم بھی جب عمرو عاص اور معاویہ کے درمیان ہوئے سیاسی معاملے سے آگاہ ہوا تو اس نے اعتراض کیا اور کہا: کیوں عمرو کی طرح ہمیں بھی نہیں خریدتے (اور دین اموی کی قیمت کے مقابلے میں اسلامی ملکوں کے بعض حصے کو میرے حوالے کیوں نہیں کرتے؟) جب معاویہ کو اس کی باتوں کا علم ہوا تو اسے تسلی دی اور کہا عمرو جیسے افراد تم جیسوں کے لئے خریدے جارہے ہیں تا کہ اموی حکومت کو مستحکم کیا جائے جس کا تو بھی ایک حصہ ہے۔[2]

عمرو عاص کا شیطانی حربہ

دو چالاک سیاستدانوں کے معاملات ختم ہوگئے اور اب وقت آپہنچا کہ معاویہ عمرو کے حربے کو استعمال کرے، عمرو جو محمد بن ابی حذیفہ سے مقابلے اور قیصر روم کے شام پر حملہ کرنے کے اندیشہ کے متعلق جو حربہ و منصوبہ تیار کیا تھا وہ بہت ہی دقیق انداز سے انجام دیا گیا، اور دونوں میں کامیابی ملی، لیکن سب سے بڑی مشکل حضرت علی علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کی تھی جو شام کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ وہ مشکل ابھی بھی باقی تھی عمرو نے امام علی علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک ایسا پروگرام بنایا جس کی وجہ سے شام کے اکثر افراد اپنی مرضی سے معاویہ کے لشکر میں شامل ہوکر علی سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے، اب دیکھنا یہ ہے کہ آخر یہ کیسا منصوبہ تھا جس کی وجہ سے شامیوں جیسے آسودہ اور آرام طلب لوگ مثلاً شام سے باہر جانے کے لئے آمادہ ہوئے اور موت کو آسودہ و آرام طلب زندگی پر ترجیح دی۔

کہتے ہیں کہ ایک بزرگ صحابی معاویہ کے پاس گئے معاویہ نے ان کا پرتپاک استقبال اور ان کا احترام کیا، وہ عمرو عاص اور معاویہ درمیان کے بیٹھ گئے اور کہا: تم جانتے ہو کہ کیوں میں تم لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ انہوں نے کہا: ایک دن تم لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزم میں بیٹھے تھے اور آپس میں مخفیانہ گفتگو کررہے تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] واقعۂ صفین ص ٤١، الامامۃ والسیاسۃ ص ٨٨ پر نصر بن مزاحم نے اس جوان کو عمرو کا چچازاد بھائی لکھا ہے۔

[2] الامامۃ والسیاسۃ، ص ٨٨۔

نے فرمایا کہ خداوند عالم اس شخص پر رحمت نازل کرے جوان دونوں کو ایک دوسرے سے دور کردے، کیونکہ یہ دونوں خیر پر جمع نہیں ہونگے۔ [1]

سعی وکوشش کیلئے ایمان سے بہتر کوئی عامل نہیں ہے اس کے باوجود مذہبی احساسات اتنے قوی ہوتے ہیں کہ اگر مفادطلب زمامداروں کے قبضے میں آجائیں تو ان کے تخریبی اقدامات بیان سے باہر ہوجاتے ہیں۔

عمرو عاص کا حربہ امام علی علیہ السلام سے مقابلے کے لئے یہ تھا کہ شام کے افراد کے دینی جذبہ کو حضرت کے خلاف کردے، اور امام پر خلیفہ کے قتل کرنے کا الزام لگادے اور اس خبر کو عام کرنے کے لئے معاشرے کے زاہد اور پارسا لوگوں سے استفادہ کرے جو لوگوں کی نظر میں قابل احترام ہیں۔

اس کے علاوہ، معاویہ سے کہا کہ شرحبیل کندی [2] شام کے لوگوں کی نظر میں محترم شخص ہے اور اپنے علاقے میں علی کے نمائندے جریر کا دشمن بھی ہے۔ اسے ان تمام واقعات سے اس طرح باخبر کرو کہ اسے یقین پیدا ہوجائے کہ علی، عثمان کے قاتل ہیں اور تمہارے اور اس کے مورد اعتماد جو افراد ہیں انہیں یہ ذمہ داریاں سونپ دو، کہ پورے شام میں اس بات کو عام کردیں کیونکہ جو چیز شرحبیل کے دل میں بیٹھ جاتی ہے وہ بہت جلدی نہیں نکلتی۔ [3]

معاویہ کا خط شرحبیل کے نام

معاویہ نے شرجیل کو خط لکھا اور اس نے علی کے نمائندہ جریر کے آمد کی خبر دی شرحبیل اس وقت شام کے شہر حمص میں رہتا تھا۔ معاویہ نے اس سے درخواست کی کہ جتنی جلدی ممکن ہو شام آجاؤ۔ اور اس وقت اپنے دربار کے تمام نمک خواروں کو، جو سب کے سب یمن قحطان کے رہنے والے تھے اور شرحبیل سے لوگوں کے اچھے تعلقات تھے، ذمہ داری سونپی کہ حمص جائیں اور سب مل جل کر ایک آواز سے یہی کہیں کہ خلیفہ سوم کے علی قاتل ہیں۔ جب معاویہ کا خط شرجیل کو ملا تو اس نے اپنے دوستوں کو بلایا اور معاویہ کی دعوت کو ان کے درمیان میں رکھا، شام کا سب سے ذہین اور قابل فہم شخص عبدالرحمن بن غنم ازدی اٹھا اور اس نے زاہد و عابد کو اس کام کے برے نتیجے سے آگاہ کیا اور کہا:

تم نے جس دن سے کفر سے اسلام کی طرف ہجرت کی ہے ہمیشہ لطف الٰہی تمہارے شامل حال رہا۔ اور جب تک لوگوں کی طرف سے خدا کا شکر منقطع نہ ہو تو خدا کی طرف سے بھی نعمتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا، اور خداوند عالم ہرگز لوگوں کے حالات کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک لوگ خود اپنے کو بدل نہ ڈالیں ہمیں عثمان کے قتل کی خبر حضرت علی علیہ السلام ہی کے

---

[1] ہندوشاہ نخجوانی، تجارب السلف، بہ تصحیح عباس اقبال ص ٤٦۔

[2] کندہ، غبطہ کے وزن پر ہے اور یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے جو عربستان کے شبہ جزیرہ کے جنوب میں واقع ہے جہاں یہ لوگ زندگی بسر کرتے تھے پھر وہاں سے بہت زیادہ گروہ شام وغیرہ کی طرف ہجرت کرگئے شرحبیل بھی اسی قبیلے کا رہنے والا تھا اور اس کے اجداد بھی یمن سے شام کی طرف ہجرت کرگئے تھے۔

[3] واقعۂ صفین، ص ٤٤، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ٢، ص ٧١۔

ذریعے ملی ہے، اگر واقعاً علی نے عثمان کو قتل کیا ہے تو مہاجر وانصار نے ان کی بیعت کیا ہے اور یہ لوگ لوگوں پر حاکم ہیں اور اگر علی نے ان کو قتل نہیں کیا ہے تو کیوں معاویہ کی تصدیق کر رہے ہو؟ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ خود اور اپنے عزیزوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اگر تمہیں اس بات کا خوف ہے کہ جریر کسی مقام پر پہنچ جائے گا تو تم بھی علی کے پاس جاؤ اور اپنی قوم اور شام کے لوگوں کے ساتھ ان کی بیعت کرو۔

لیکن اس مرد آزادی کی خیرخواہی مؤثر ثابت نہ ہوسکی اور شرجیل معاویہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے شام کی طرف روانہ ہوگیا۔ [۱]

معاویہ کا بزرگان قبیلہ اور خشک زاہدوں سے مدد مانگنا

تمام قبائلی نظام میں رئیس قبیلہ کو تصمیم گیری میں مکمل آزادی ہوتی ہے، اور اگر وہ کسی چیز کو مان لے تو قبیلے کے افراد اسے مان لیتے ہیں اور درحقیقت یہ ایک رائے تمام افراد کی رائے کی جانشین ہوتی ہے خصوصاً اگر رئیس قبیلہ ظاہری طور پر تقویٰ والا ہو۔

معاویہ شام کے لوگوں اور یمنی مہاجرین جو شام میں زندگی بسر کر رہے تھے کو اپنی طرف جذب کرنے کے لئے ایسے ہی لوگوں کی تلاش میں تھا، اور اس کی دوسری عقل عمرو عاص نے بھی اسے اس کام کے لئے مشورہ دیا تھا۔ ان افراد میں شرحبیل یمنی [۲] کے اندر دونوں شرائط موجود تھے جو شام کے حمص علاقے میں رہتا تھا شرجیل خود مقدس بھی تھا اور یمنی مہاجروں میں بزرگ بھی شمار ہوتا تھا اور اس کی نظر کو جذب کرنے سے امام کے متعلق لوگوں کی فکروں میں تبدیلی لائی جاسکتی تھی۔

اسی وجہ سے معاویہ نے اسے خط لکھا اور شام آنے کی دعوت دی۔ [۳]

اور وہ لوگ جو شرحبیل کے معتمد خاص معتمد تھے انہیں حکم دیا کہ مستقل اس سے ملاقات کرتے رہیں اور علی کو عثمان کے قاتل کے طور پر پہچنواتے رہیں اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈالتے رہیں تاکہ اس کے ذہن میں امام کا قاتل ہونا اس طرح رچ بس جائے کہ اس کے علاوہ دوسری چیز اس کے ذہن میں نہ آئے۔

وہ جب حمص سے شام آیا تو تمام لوگوں نے اس کا بہت احترام کیا معاویہ نے اس کے ساتھ ملاقات کی اور شام کے زاہد سے یہ کہا: جریر بن عبداللہ بجلی عراق سے یہاں آیا ہے اور مجھے علی کی بیعت کرنے کی دعوت دے رہا ہے اور علی بہترین لوگوں میں سے تو ہیں مگر یہ کہ انہوں نے عثمان کو قتل کیا ہے میں نے کسی بھی طرح کا ارادہ کرنے سے پرہیز کیا ہے کیونکہ میں بھی

---

[۱] واقعۂ صفین ص ٤٥۔ ٤٤، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ٧١۔

[۲] ابن ابی حاتم اپنی کتاب الجرح والتعدیل (ج ص ٣٣٨) میں اس کا نام لکھتے ہیں اور بخاری نے اپنی تاریخ (ج ۲ ص ٢٤٩) میں اس کا حال لکھا ہے۔

[۳] واقعۂ صفین ص ٤٥۔ ٤٤، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ٧١، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ١٤٣۔

شام کے لوگوں میں سے ایک ہوں اور جس چیز کے بارے میں وہ رائے دے گے گے میں بھی وہی رائے دوں گا اور جس چیز کو وہ لوگ پسند نہیں کریں گے میں بھی اس چیز کو پسند نہیں کروں گا۔

شام کے زاہد نے اپنا نظریہ پیش کرنے سے پرہیز کیا اور کہا میں پہلے تحقیق کروں گا پھر کوئی رائے پیش کروں گا لہٰذا وہاں سے چلا گیا اور تحقیق کرنے لگا۔[1]

وہ لوگ جنہیں معاویہ نے پہلے ہی سے اسے ذہنی طور پر بہکانے کے لئے معین کیا تھا ان لوگوں نے مختلف طریقوں سے اسے بہکایا اور امام کے ہاتھوں عثمان کے قتل کی تصدیق کی اور علی کے بارے میں اس کے دل میں شک وشبہ پیدا کر دیا۔

غلط اور جھوٹ پر مبنی باتوں نے اس سادہ لوح زاہد کی فکر کو تبدیل کر دیا اور اسے اتنا بہکایا کہ اس کے اندر انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور معاویہ سے زیادہ وہ حسد کرنے لگا۔ لہٰذا جب وہ دوسری مرتبہ معاویہ سے ملا تو اس سے کہا میں نے صرف لوگوں سے یہی سنا کہ علی عثمان کے قاتل ہیں۔ اس لئے تمہیں حق نہیں ہے کہ تم اس کی بیعت کرو اور اگر ایسا کرو گے تو تمہیں شام سے نکال دوں گا یا تجھے قتل کر دوں گا۔[2]

معاویہ اس کی باتیں سن کر مطمئن ہو گیا کہ دین فروشوں نے زاہد سادہ لوح کو خوب دھوکہ دیا ہے۔ پھر معاویہ نے اس سے کہا: میں شام کا ایک فرد ہوں اور ہرگز تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ شام کا زاہد وہاں سے اٹھ کر حصین بن نمیر کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ کسی کو امام کے نمائندہ جریر کے پاس بھیجو تا کہ اس سے بھی گفتگو کی جائے۔

زاہد شام کی نمائندہ امام سے گفتگو

جریر بن عبداللہ حصین بن نمیر کے ساتھ شرحبیل کے پاس آئے اور تینوں کے درمیان گفتگو ہوئی۔ زاہد شامی نے جریر سے کہا تم صحیح خبر کے ساتھ یہاں نہیں آئے ہو گو یا تم چاہتے ہو کہ ہمیں شیر کے منہ میں ڈال دو اور عراق وشام کو آپس میں لڑا دو، علی کی خوب تعریف کرتے ہو جب کہ انہوں نے عثمان کو قتل کیا ہے اور تم قیامت کے دن خدا کے سامنے جواب دہ ہو گے، جب شرحبیل کی بات ختم ہوئی تو امام کے نمائندے نے اسے یہ جواب دیا:

میں ہرگز مبہم باتوں کے ساتھ تم لوگوں کے پاس نہیں آیا ہوں کس طرح سے علی کی خلافت مبہم ہوگی، جب کہ مہاجر و انصار نے ان کی بیعت کی ہے اور بیعت توڑنے کی وجہ سے طلحہ وزبیر مارے گئے ہیں؟ تم نے خود اپنے کو شیر کے جال میں ڈالا ہے، میں نے ایسا ہرگز کام نہیں کیا ہے۔ اگر عراق اور شام حق کی حفاظت کرنے کے لئے متحد ہو جائیں تو ایک امر باطل کے لئے جدا ہونے سے بہتر ہے اور تمہارا جو یہ کہنا ہے کہ علی نے عثمان کو قتل کیا ہے تو خدا کی قسم یہ الزام تراشی کا ایک ایسا تیر ہے

---

[1] واقعۂ صفین ص ٤٥ ـ ٤٤، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٢ ص ٧١، کامل ابن اثیر ج ٣ ص ١٤٣۔

[2] واقعۂ صفین ص ٤٨ ـ ٤٧، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٢ ص ٧٣۔

جو دور سے پھینکنے کے علاوہ کچھ نہیں، تم دنیا کے محبوب ہو گئے ہو اور پہلے بھی سعد وقاص کے زمانے سے کچھ دل میں چھپائے ہو۔ [۱]

گفتگو ختم ہو گئی بعد میں جریر نے ایک قصیدہ اپنے یمنی ہم منصب شرحبیل کے پاس اس پیغام کے ساتھ روانہ کیا۔

شرحبیل اے سمط کے بیٹے، خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرو، کیوں کہ اس دنیا میں دین کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے اور حرب کے بیٹے سے کہو کہ اب تمہارا کوئی احترام نہیں ہے جس چیز کا ارادہ کیا ہے اس تک پہنچ جاؤ، لہٰذا اس کی امید کو خاک میں ملا دو۔ [۲]

جس وقت جریر کا نصیحت آمیز خط بہترین قصیدہ کے ساتھ شرحبیل کے پاس پہنچا تو اسے ایک جھٹکا لگا اور فکر میں ڈوب گیا اور کہا: یہ بات میرے لئے دنیا و آخرت میں نصیحت ہے، خدا کی قسم۔ میں اپنے ارادے میں جلد بازی سے کام نہیں لوں گا۔

جب معاویہ کو جریر اور زاہد شامی کے درمیان ہوئی گفتگو اور جریر کے پیغام کی خبر ملی تو اس نے امام کے نمائندے کی مذمت کی اور جریر کے کلام کو بے اثر کرنے کے لئے ایک گروہ معین کیا تا کہ وہ مسلسل شرحبیل سے ملاقات کرتے رہیں اور علی کے ہاتھوں عثمان کے قتل کی خبر کا اسے یقین دلاتے رہیں، اور اس سلسلے میں جھوٹی گواہی دینے سے بھی پرہیز نہ کریں، اور جھوٹے اور جعلی خطوط لکھ کر اس کے حوالے کریں۔

اس ضمیر فروش گروہ نے اس قدر اسے بہکایا کہ بیدار ضمیر زاہد کو دوبارہ گمراہ کر دیا اور وہ سست جھوٹے گواہوں کے دھوکے میں آ گیا اور اپنے ارادے کو اور مستحکم کر لیا۔ [۳]

جب یمن کے دوسرے قبیلے کے سردار، شرحبیل کے ارادے اور اس کے دھوکہ کھانے سے باخبر ہوئے تو ان لوگوں کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اس کے بھانجے کو اس کے پاس بھیجیں تا کہ وہ اس سے گفتگو کر کے اس مسئلے کو واضح کرے، شام میں وہ اکیلا شخص تھا جس نے امامؑ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی اور شام کے زاہدوں اور عابدوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔

اس نے معاویہ کے فریب اور دھوکہ کا پردہ فاش کر دیا اور اس سے کہا کہ یہ گواہی دینے والے افراد اور یہ خطوط وغیرہ صرف ایک دھوکہ ہے اور ان میں سے کسی کا بھی حقیقت سے واسطہ نہیں ہے۔

---

[۱] جریر کی عبارت یہ ہے: فو اللہ ما فی یدیك فی ذالك الا القذف بالغیب من مکان بعید، اور یہ جملہ اس آیت کا اقتباس ہے کہ ارشاد قدرت ہے، یقذفون بالغیب من مکان بعید (سورۂ نساء، آیت ۵۳) واقعۂ صفین ص ۴۸ ۔ ۴۷ ۔

[۲] واقعۂ صفین ص ۴۹ ۔ ۴۸ ، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۸۱ ۔ ۸۰ ۔

[۳] واقعۂ صفین ص ۴۹ ، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ، ص ۸۱ ۔

جب شام کا عابد اس کے شعر کے مفہوم سے آگاہ ہوا تو کہا: یہ شیطان کا بھیجا ہوا ہے خدا کی قسم اسے شام سے باہر نکال دوں گا مگر یہ کہ وہ میرے بس میں نہ ہو۔ [1]

معاویہ جو اپنے نمک خواروں کے ذریعے شرحبیل کی فکر کو بدل چکا تھا جب اسے اپنے ارادے میں مستحکم پایا تو اس کے لئے یہ پیغام بھیجا:

تم نے حق بات پر لبیک کہا اس کا اجر خدا دے گا تم جانتے ہو کہ معاشرے کے تمام صالح افراد نے تمہاری باتوں کو قبول کرلیا ہے لیکن اس گروہ کی رضایت وآگاہی صرف علی سے جنگ کرنے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ علی سے جنگ کرنے کے لئے عمومی رضایت کا ہونا ضروری ہے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کہ شام کے تمام شہروں میں سفر کرو اور اعلان کرو کہ عثمان کو علی نے قتل کیا ہے اور تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ قاتل سے اس کے خون کا بدلہ لیں۔

اس نے شام کے شہروں کا سفر شروع کر دیا سب سے پہلے وہ حمص گیا وہاں اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا: اے لوگو! عثمان کو علی نے قتل کیا ہے اور جو گروہ اس واقعہ پر غضبناک ہوا اسے بھی قتل کر دیا اور اس وقت علی نے تمام اسلامی ملکوں پر قبضہ کرلیا ہے اور صرف شام باقی ہے انہوں نے تلوار اٹھالی ہے اور لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں اور تم تک پہنچنے والے ہیں مگر یہ کہ خدا کی طرف سے کوئی نیا واقعہ رونما ہو، اور ان سے مقابلے کے لئے معاویہ سے زیادہ کوئی طاقتور نہیں ہے اٹھو اور آمادہ ہو جاؤ۔

دھوکہ کھائے ہوئے عابد کی باتوں کا بہت زیادہ اثر ہوا، کیونکہ حمص کے علاقے میں لوگ اسے محبوب رکھتے تھے۔ اور سب نے اس کی دعوت پر لبیک کہا صرف وہاں کے زاہد و عابد اس کے بہکانے میں نہیں آئے اور سب نے اس کی مخالفت کی، پھر شرحبیل نے شام کے دوسرے شہروں کا سفر کیا اور لوگوں کو علی کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے لشکر میں شامل ہونے کی دعوت دی اور سب نے اس سے وعدہ بھی کیا۔

شرحبیل تمام شہروں کا دورہ کرکے دمشق واپس آگیا اور اپنی کامیابی پر فخر کرتا ہوا معاویہ کے پاس پہنچا اور اپنی پرانی باتیں تحکمانہ انداز میں دہرائی اور کہا: تم اگر علی اور عثمان کے قاتلوں کے ساتھ جہاد کرو، تو ہم یا ان سے بدلہ لے لیں گے یا اپنے مقصد میں قربان ہو جائیں گے ایسی صورت میں تم اپنی جگہ پر باقی رہو گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو تمہیں اس منصب سے معزول کر دیں گے اور کسی دوسرے کو تمہاری جگہ پر معین کر دیں گے تاکہ اس کے زیر نظر جہاد کریں، اور عثمان کے خون کا بدلہ علی سے لے لیں، یا قتل ہو جائیں۔ [2]

معاویہ زاہد فریب خوردہ کی تند و تیز باتیں سن کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔

---

[1] واقعۂ صفین، ۵۰۔۴۹۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۸۳۔۸۲، واقعۂ صفین ص ۵۲۔۵۰۔

جریر کی طرف سے اتمام حجت

جریر اس واقعہ سے کہ جس کی اسے توقع نہ تھی بہت ہی ناراض ہوا، اور دوبارہ اپنے قدیمی دوست اور زاہد قبیلہ کے پاس گیا اور اسے برے نتیجوں اور بے جا ارادوں سے باخبر کیا اور کہا:

خداوند عالم نے امت اسلامی کو خونریزی کرنے سے منع کیا ہے اور اختلاف کو دور کر دیا ہے اور ممکن کہ بہت ہی جلد اسلامی حکومتیں سکون واطمینان کی زندگی بسر کریں، اور تم ان کے درمیان فساد پھیلانا چاہتے ہو، اپنی باتوں کو پوشیدہ رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ اچانک وہ وقت آپہنچے کہ تم اپنی باتوں کو واپس نہ لے سکو، شرحبیل نے جواب دیا: نہیں میں ہرگز اپنی باتوں کو پوشیدہ نہیں رکھوں گا، پھر وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا اور ایک عمومی جگہ پر تقریر کی، لوگوں نے اس کے پہلے کے حالات کی وجہ سے اس کی باتوں کی تصدیق کر دی اس وقت نمائندہ امام کو بہت ناامیدی ہوئی اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔[1]

شام میں نمائندہ امام کی شکست کی وجہ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امام کا نمائندہ جریر شام میں لوگوں سے بیعت لینے کے لئے گیا تھا اور اپنی ذمہ داری انجام دینے میں وہ ناکام ہو گیا، اس نے کوئی کام نہیں کیا بلکہ امام کو معاویہ کے مصمم ارادے سے اس وقت باخبر کیا جب کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا معاویہ نے امام کے خلاف شام کے تمام لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ کر لیا جریر کی کوتاہی یہ تھی کہ جب سے وہ شام میں آیا تھا معاویہ کے آج کل کے بہانے دھوکے کھاتا رہا، اور شام کے معزول حاکم نے اپنے اموی شیطنت کی وجہ سے اپنا نظریہ پیش کرنے سے پرہیز کیا اور امام کے نمائندے کو وامیدوناامیدی کے درمیان رکھا جریر نے اس امید میں کہ معاویہ کو بیعت کے لئے آمادہ کر لے اور اختلاف کو ختم کر دے، خاموش رہنے کو ہی بہتر جانا اور ہمیشہ معاویہ کے قطعی نظریہ کے جاننے کی امید میں تھا۔

معاویہ کے لئے شروع میں اپنی قطعی رائے پیش کرنا مصلحت کے خلاف تھا۔ البتہ اس کا نظریہ اسی وقت معلوم ہو گیا تھا جب امام کا نمائندہ شام میں پہلی مرتبہ وارد ہوا تھا، یعنی اس کا ارادہ مرکزی حکومت کی

مخالفت، نافرمانی اور خراب کاری تھا، لیکن ان دنوں اس کو بیان کرنا سبب یہ بنتا کہ امام کا نمائندہ کوفہ واپس چلا جائے۔ اور معاویہ کی مخالفت کی ساری روداد کو امام سے بیان کرے جس کی وجہ سے امام مخالفوں کی سرکوبی کرتے اور اپنے لشکر کو ان کے طرف روانہ کر کے فساد کو جڑ سے ختم کر دیتے۔

جی ہاں، معاویہ نے امام کے نمائندے کو مختلف بہانوں سے روکے رکھا تا کہ مرکزی حکومت سے جنگ کرنے کے لئے عمروعاص کو اپنے ساتھ لے سکے اور پھر اس نے پروپیگنڈہ کرنے والوں کو شام کے تمام علاقوں میں روانہ کیا تا کہ لوگوں

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۸٤، واقعہ صفین ص ٥٢۔

کے دلوں میں علی کی مخالفت کے شعلے بھڑکا دے۔ اوران علاقوں سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت وجانشینی کے لئے اپنے حق میں فائدہ اٹھائے اس نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مشہور ومعروف زاہد شام شرحبیل جو کہ لوگوں کے درمیان زیادہ مقبول تھا امام کی مخالفت کرنے کے لئے اپنی طرف جذب کرلیا۔ زاہد فریب خوردہ حضرت علی علیہ السلام کے مقابلے میں جنگ کرنے کے لئے اس طرح آمادہ ہوگیا کہ اگر اس کام میں معاویہ کوتاہی کرتا تو یہ خود شام کے سادہ لوح لوگوں کو امام سے مقابلے کے لئے آمادہ کرتا۔

یہ شیطانی حربے کی کامیابی معاویہ کے لئے اتنی مفید ثابت ہوئی کہ امام کا نمائندہ جریر اپنی اس ماموریت میں جواس کے ذمے تھی، معاویہ کی ظاہری چیزوں سے دھوکہ کھا گیا اور امام کو اس بات پر آمادہ کیا کہ امام اس فساد کے قلعہ کو نیست و نابود کردیں، اور اس وقت امام کے پاس واپس آیا جب معاویہ نے اسلامی ممالک کی بہت سی اہم جگہوں پر انتقام عثمان کے نام پر امام سے مقابلہ کرنے کے لئے اپنی فوج بٹھا رکھی تھی۔

معاویہ کا آخری حربہ

آخری لمحوں میں معاویہ کا سب سے آخری حربہ امام کا امتحان لینا تھا اور وہ یہ کہ وہ معلوم کرے کہ کیا امام اسے اس کے منصب سے واقعاً معزول کرنا چاہتے ہیں، اسی وجہ سے وہ امام کے نمائندے جریر کے گھر گیا اور کہا میرے پاس ایک نئی فکر ہے تم اپنے دوست کے پاس لکھو کہ شام کی حکومت مجھے دیدیں اور مصر سے خراج لینے کی ذمہ داری بھی مجھے سونپ دیں او رجب ان کا انتقال ہوجائے تو کسی کی بیعت کو میرے اوپر واجب نہ کریں اس صورت میں میں ان کے سپرد ہوجاؤں گا اوران کی حکومت کی تحریری طور پر تائید کروں گا۔ [1]

نمائندہ امام نے اس کا جواب دیا کہ تم خط لکھو اور میں اس کی تائید کروں گا بالآخر خط لکھا گیا اور قاصد دونوں خط لے کر کوفہ روانہ ہوا۔

معاویہ کے خط کی عبارت عرب کے تمام قبیلوں میں مشہور ہوگئی، معاویہ کے ہم خیال مثلاً ولید عقبہ نے ایسا خط لکھنے کی وجہ سے معاویہ پر اعتراض کیا ولید نے اس کے ضمن میں معاویہ کو شعر لکھا:

سألت علياً فيه ما لن تناله

و لو نلته لم يبق الا لياليا۔ [2]

تم نے علی سے وہ چیز مانگی ہے جو تمہیں ہرگز نہیں مل سکتی اور اگر مل بھی گئی تو چند راتوں کے علاوہ تم اس پر مسلط نہیں رہ

[1] واقعۂ صفین ص ۵۲، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۸۴۔

[2] واقعۂ صفین ص ۵۲، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۸۴۔

سکتے۔

عقبہ کے بیٹے نے پہلے مصرعہ میں حقانیت سے کام لیا ہے کیونکہ امام علی علیہ السلام ہرگز باطل کے ساتھ دوستی اور معاملہ نہیں کر سکتے لیکن اس کے شعر کا دوسرا مصرعہ بالکل غلط ہے کیونکہ برفرض محال اگر مصلحتہً امام اس بات کو قبول کر لیتے تو ہرگز اس پر نقض نہیں کرتے، چونکہ امام نے حکمین کے مسئلے میں اپنے تعہد و پیمان کو بالکل واضح و روشن کر دیا تھا۔

معاویہ، علی کو ولید سے زیادہ پہچانتا تھا اور اسے معلوم تھا کہ دونوں صورتوں میں اسی کا فائدہ ہے کیونکہ اگر علی حکومت اس کے حوالے کر دیتے تو ایک مستقل حکومت بغیر کسی مشکل کے اس کے نصیب میں آ جاتی۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو معاویہ اپنے مکر و فریب سے لوگوں کا خون بہا تا اور حجاز و عراق کو مستحکم کر لیتا، اس کے علاوہ امام کے نمائندے کو دھوکے میں رکھنا خود معاویہ کے فائدے میں تھا، کیونکہ وہ اپنی طاقت میں اضافہ کرتا اور شام کے لوگوں کو امام سے جنگ کرنے کے لئے زیادہ آمادہ کرتا۔

امام کا اپنے نمائندہ کو جواب

معاویہ کا مقصد یہ ہے کہ اس پر میری بیعت نہ ہو، تا کہ جس کو بھی چاہے منتخب کر لے اور وہ چاہتا ہے کہ تمہیں ایسے ہی معطل رکھے اور شام کے لوگوں کو جنگ کے لئے آزما لے، ابتدائی ایام میں جب میں مدینہ میں تھا تو مغیرہ بن شعبہ نے مجھ سے کہا کہ میں معاویہ کو اس کے مقام پر باقی رہنے دوں، لیکن میں نے

اس بات کو قبول نہیں کیا، خدا ایسا دن نہ لائے کہ میں گمراہ لوگوں سے مدد طلب کروں، اگر اس نے بیعت کیا (تو کوئی بات نہیں) اور اگر ایسا نہ کرے تو تم میرے پاس واپس آ جاؤ۔[1]

امام نے اس خط میں معاویہ کے ایک مقصد کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ کہ وہ اس سیاسی چال کے ذریعے وقت گذارنا چاہتا ہے، تا کہ اس عرصے میں خط لکھنے اور اس کا جواب آنے تک اپنی فوج کو جنگ کے لئے اچھی طرح آمادہ کر لے، اور اگر امام کا جواب نہیں کی صورت میں ہو (کہ ضرور ایسا ہی ہوگا) تو پوری قدرت و توانائی کے ساتھ امام کے سامنے مقابلے کے لئے آ جائے۔

جریر پر معاویہ سے دوستی کا الزام

سرزمین شام میں جریر کا زیادہ دن رہنا عراق کے لوگوں کے لئے تشویش کا باعث بنا اسی وجہ سے ان لوگوں نے دشمن کے ساتھ دوستی کرنے کا ان پر الزام لگایا۔ جب لوگوں کی باتیں امام نے سنیں تو آپ نے اس کے متعلق فرمایا: میں دوبارہ خط لکھوں گا اور اسے شام سے واپس بلالوں گا۔ اگر اس کے بعد بھی وہ شام میں رہ گیا یا دھوکہ کھا گیا یا میرے حکم کو نظر انداز

---

[1] واقعۂ صفین ص ۵۲۔

کر دیا اور میری مخالفت کرنے لگا تب تم کچھ کہنا اسی وجہ سے امام نے جریر کو دوبارہ خط لکھا:

۔۔۔جیسے ہی میرا خط تمہارے پاس پہنچے معاویہ کو آخری فیصلے پر آمادہ کرنا اور ایک قطعی بات پر راضی کرنا اور (جب وہ آمادہ ہو جائے تو) اس سے کہنا کہ دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لے، گھر سے بے گھر کرنے والی جنگ یا رسوا کرنے والی صلح، پس اگر وہ جنگ کو اختیار کر لے تو صلح کی بات اس کے منہ پر دے مارو، اور اگر صلح کا چناؤ کرے تو بیعت لے لو۔[1]

جب جریر کو امام کا خط ملا تو اس نے معاویہ کے سامنے اس خط کو پڑھا اور اس سے کہا: انسان کا دل گناہوں کی وجہ سے بند ہو جاتا ہے اور توبہ کرنے سے دل کھل جاتا ہے اور میری نظر میں تیرا دل بند ہے اور اس وقت تو حق و باطل کے درمیان کھڑا ہے اور اس چیز کی فکر میں ہے جو دوسرے کے ہاتھ میں ہے معاویہ نے اس سے کہا: میں دوسری نشست میں اپنی قطعی رائے اور کا اعلان کروں گا، اس نے اپنی قطعی رائے کا اعلان اس وقت کیا جب شام کے لوگ اس کی بیعت کر چکے تھے اور معاویہ ان لوگوں کو خوب آزما چکا تھا، پھر اس نے امام کے نمائندہ کو شام سے جانے کی اجازت دی کہ وہ امام کے پاس چلا جائے اور امام کے پاس خط لکھا جسے بعض مورخین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے:

مہاجرین وانصار نے تمہاری اس وقت بیعت کی جب تم عثمان کے خون سے بریٔ الذمہ تھے اس وقت تمہاری خلافت پچھلے تینوں خلیفہ کی خلافت کی طرح تھی، لیکن تم نے مہاجروں کو عثمان کے قتل کرنے پر آمادہ کیا اور انصار کو اس کی مدد کرنے سے روک دیا نتیجے میں جاہلوں نے تمہاری اطاعت کی اور کمزور لوگ طاقتور ہو گئے شام کے لوگوں نے ارادہ کیا ہے کہ تمہارے ساتھ جنگ کریں، تا کہ عثمان کے قاتلوں کو ان کے حوالے کرو، اگر ایسا کیا تو خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کی شوریٰ میں رکھا جائے گا، اپنی جان کی قسم میری حالت طلحہ و زبیر جیسی نہیں ہے کیونکہ ان دونوں نے تمہاری بیعت کی تھی لیکن میں نے تمہاری بیعت نہیں کی ہے اور اسی طرح شام کے لوگ بصرہ کے افراد کی طرح نہیں ہیں کہ ان لوگوں نے تمہارے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور تمہارے مطیع وفرمان بردار تھے، جب کہ شام کے لوگوں نے تمہاری خلافت کو قبول نہیں کیا ہے اور تمہارے مطیع وفرمان بردار نہیں ہیں، لیکن اسلام میں تمہارے افتخارات اور تمہاری رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت اور قریش کے درمیان تمہاری عظمت و رفعت کا میں انکار نہیں کر سکتا۔[2]

یہ خط جو جھوٹ کی سیاہی سے لکھا گیا تھا معاویہ کی چالاکی وسازش تھی جس نے اپنے مفاد کے لئے اپنے رقیب پر کسی بھی طرح کی تہمت لگانے سے پرہیز نہیں کیا، لیکن امام نے اپنے خطوط میں تمام حقائق سے مدد لیتے ہوئے اپنے حق کے دفاع کے لئے تمام حقیقتوں کو بیان کیا، حضرت اپنے خط میں معاویہ کو مخاطب کرتے ہوئے، اس کی لگائی ہوئی تہمت کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[1] نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۸، واقعۂ صفین ص ۵۵، (خط میں کچھ تبدیلی کے ساتھ)

[2] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص۹۱ کامل مبرد ج۳ ص ۱۸٤، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۳ ص ۸۸۔

میرے پاس ایسے شخص کا خط پہنچا جس کے پاس فکر نہ تھی جو اس کی ہدایت کرتی اور نہ اس کا کوئی پیشوا ہے جو اسے راہ راست پر لاتا، خواہشات نفسانی نے اسے گھیر لیا ہے اور اس نے اسے قبول کر کے اس کی پیروی بھی کی ہے کیا تو نے یہ فکر کیا ہے کہ عثمان کے بارے میں میرے کام نے میری بیعت کو تمہارے لئے باطل کر دیا ہے اپنی جان کی قسم، میں بھی مہاجروں کا ایک فرد تھا کہ وہ جہاں بھی جاتے میں بھی ان کے ہمراہ جاتا اور خدا نے ہرگز انہیں گمراہ نہیں کیا اور ان کے آنکھوں پر پردہ نہیں ڈالا اور عثمان کے قتل کے بارے میں نہ تو میں نے کوئی حکم دیا ہے کہ میرے حکم کی غلطی مجھے مورد سوال قرار دے اور نہ میں نے اسے قتل ہی کیا ہے کہ مجھ پر قصاص واجب ہو جائے۔

اور جو تم یہ کہہ رہے ہو کہ شام کے لوگ اہل حجاز پر حاکم ہیں تو تم اہل شام میں سے کسی کو بھی دکھاؤ کہ جو شوریٰ کا ممبر ہو اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے لئے چنا گیا ہو اگر تم ایسا تصور کرتے ہو، تو مہاجرین و انصار تمہاری باتوں کو جھٹلا دیں گے۔

اور جو تمہارا یہ کہنا ہے کہ میں عثمان کے قاتلوں کو تمہارے حوالے کروں تو تمہاری یہ بات بالکل بے جا ہے تیرا عثمان سے کیا واسطہ: تم بنی امیہ کی اولاد میں سے ہو اور عثمان کے بیٹے اس کام کے لئے تم سے زیادہ بہتر ہیں اگر تو یہ سوچ رہا ہے کہ ان کے باپ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے ان سے زیادہ قوی اور طاقتور ہے تو، تم میری اطاعت کرو، اور اس وقت اس کے قاتلوں سے شکایت کرو میں تمام لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گا، لیکن تمہارا شام و بصرہ اور طلحہ و زبیر کے بارے میں فیصلہ کرنا بے اساس ہے اور سبھی ایک حکم میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایک اجتماعی اور عمومی بیعت تھی اور اس میں کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے اور خیار فسخ بھی نہیں ہے لیکن تیرا یہ اصرار کرنا کہ میں نے عثمان کو قتل کیا ہے تو تم نے بالکل حقیقت سے کام نہیں لیا ہے اور اس کے بارے میں تجھ تک خبر نہیں پہنچی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری قرابت اور فضیلت اور قریش کے درمیان میرے شرف کو تم نے قبول کر لیا ہے اپنی جان کی قسم، اگر تم سے ممکن ہوتا تو تم اس کا بھی انکار کر دیتے۔[1]

اس وقت آپ نے اپنے منشی نجاشی کو حکم دیا کہ معاویہ کے خط کو جنگی اشعار کے ساتھ جواب دو اور دونوں کو معاویہ کے پاس بھیج دو۔

نمائندہ امام کی شام سے واپسی:

امام کے نمائندہ جریر کی تقریر، عقلمندی، بردباری، صبر جو ایک سیاسی نمائندہ میں ہونا چاہئے وہ اس کے اندر موجود تھا اور کسی کو بھی اس میں شک نہیں کہ اس نے بہت کوششیں کیں کہ بغیر خونریزی کے امام کی نظر کو جذب کرے اور معاویہ کو مرکزی حکومت کی اطاعت کرنے پر مجبور کرے (اس کی ان کوششوں کے بارے میں بھی کسی کو شک نہیں ہے) لیکن اس سے ایک

[1] نہج البلاغہ کے چھٹے اور ساتویں مکتوب میں اس کے مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے۔

غلطی ہوئی اور وہ یہ کہ بنی امیہ کے دو سیاسی مکاروں کے آج کل کی باتوں میں پڑ کر دھوکہ کھا گیا اور معاویہ نے اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شام کے لوگوں کو خوب آزمالیا اوران لوگوں کو امام کے مقابلے میں جنگ کرنے کے لئے آمادہ کرلیا اوراس نے اس وقت اپنے آخری فیصلے کا اعلان کیا جب شام کے لوگوں سے عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے بیعت کر چکا تھا۔

جریر کی غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام رجب ٣٦ھ کے شروع ایام میں کوفہ آئے اوراس وقت سے کئی مہینہ تک جریر کے انتظار میں رہے تا کہ معاویہ کے قطعی نظریہ سے آگاہ کرے اوراس کے نتیجے میں معاویہ نے اس مدت میں شامیوں کو خوب مسلح کردیا اورتمام لوگوں کو امام سے جنگ کرنے کے

لئے آمادہ کردیا اور دشمن کی توجہ سے بے خبر ہوگیا۔کوئی بھی ایسی قطعی ویقینی دلیل نہیں ہے جو یہ ثابت کرے کہ جریر نے خیانت کی تھی البتہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ان سے کوتاہی ہوئی جس نے تاریخ اسلام کا نقشہ بدل دیا اور قاسطین کی منحوس حیات کا استمرار اسی کوتاہی کا مرہون منت تھا۔اس کی غلطی یا قصور نے تاریخ اسلام کو فائدہ پہنچایا۔اور قاسطین کی منحوس زندگی کی بقاءایک حدتک نمائندہ امام کی غلطیوں کی وجہ سے تھی البتہ امام نے کوفہ میں قیام کے دوران بہت سے کام انجام دیئے اور حاکموں اورنمائندوں کو معزول اور نیک وصالح اور خدمت کرنے والوں کو ان کی جگہ پر منصوب کیا لہٰذا کوفہ میں امام کے قیام کی علت جریر کی تاخیر سے واپسی نہیں تھی،خاص طور سے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ امام نے کوفہ میں قیام کرنے کے بعد جریر کو ہمدان کی گورنری کے بجائے کوفہ کی اہم گورنری سپرد کی۔

اس مدت میں امام کی مشکلوں میں سے ایک مشکل یہ تھی کہ نوجوان اور بہادر، دشمن سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ تھے اورآپ سے شام سے جنگ کرنے کی درخواست کررہے تھے۔لیکن امام خونریزی نہیں چاہتے تھے بلکہ یہ چاہتے تھے کہ بغیرلڑائی کے اس واقعہ کا حل نکل جائے چنانچہ ان نوجوانوں کو جانے سے منع کردیا اوران سے فرمایا:

تم لوگ ہمارے حکم کے منتظر رہو جب کہ میرا نمائندہ جریر شام میں ہے اگر میں جنگ کا حکم دوں گا تو صلح کے دروازے شام والوں پر بند ہوجائیں گے۔اگران لوگوں کی نیت صحیح ہوگی تو ان کے درمیان سے گذرے گا میں نے جریر کو خط لکھا ہے اوراسے وہاں کم رہنے کے لئے کہا اور اگر تاخیر کرے تو یا تو دھوکہ کھایا ہے یا اپنے امام کی مخالفت کی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کام میں تھوڑا صبر کروں لیکن یہ کام اس چیز سے مانع نہیں ہے کہ لوگ دھیرے دھیرے آمادہ ہوں جب چلنے کا حکم دیا جائے تو فوراً چلنے کو تیار ہوجائیں۔[1]

---

[1] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ،٤٢۔

جریرامام کے حضور میں

جریر بہت دنوں کے بعد نا امید امام کے پاس واپس آ گئے مالک اشتر نے امام کے سامنے انہیں پیش کیا اور دونوں کے درمیان تیز و تند گفتگو ہوئی جس کا خلاصہ یہاں بیان کر رہے ہیں:

مالک اشتر: اے امام: اگر اس کی جگہ پر مجھے بھیجتے تو میں کام کو صحیح طور پر انجام دیتا اس شخص نے ہر طرح کی امید کو ناامیدی میں بدل دیا، خاندان امیہ نے اس کے دین کو اسی وقت خرید لیا تھا جب وہ ہمدان کا حاکم تھا اس کو حق نہیں ہے کہ وہ زمین پر چلے اور اب جب کہ شام سے واپس آیا ہے تو ہمیں ان کی طاقت سے خوف دلاتا ہے، اے امام اگر آپ اجازت دیں تو اس کو اور اس کے ہم خیالوں کو قید کر دوں تا کہ واقعیت روشن و واضح ہو جائے اور ظالم نیست و نابود ہو جائیں۔

جریر: اے کاش میری جگہ تم گئے ہوتے تو میری طرح واپس نہیں آتے اور عمر و عاص یا ذی الکلاع اور حوشب تمہیں قتل کر ڈالتے کیونکہ وہ تمہیں عثمان کا قاتل سمجھتے ہیں۔

مالک اشتر: اگر میں جاتا تو ان کا جواب مجھے مجبور نہیں کرتا میں معاویہ کو کسی نہ کسی طرح دعوت دیتا اور اسے فکر کرنے کا بھی موقع نہیں دیتا۔

جریر: جاؤ اب بھی راستہ کھلا ہوا ہے۔

مالک اشتر: اب تو وقت ہاتھ سے نکل گیا ہے اور معاویہ نے سارا فائدہ اٹھا لیا ہے۔[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ مالک اشتر کی گفتگو منطقی تھی اور جریر مالک اشتر کے منطقی اعتراض کا صحیح جواب نہ دے سکا، ایک ایسے سیاسی شخص کے لئے شائستہ تھا کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتا اور عذر خواہی کرتا لیکن اس نے مالک اشتر کے اعتراض کا جواب دیا اور دھیرے دھیرے امام سے دور ہونے لگا اور فرقیسا[2] جو کہ فرات کے کنارے تھا وہاں رہنے لگا۔

اگر جریر اس وقت تک جرم کا مرتکب نہ ہوا ہوتا تو اس کی غلطی معافی کے قابل تھی، لیکن اس کے بعد اس کے سارے کام اصول کے خلاف تھے، کیونکہ امام کی دوستی و ہمراہی کا چھوڑنا اور بہت دور زندگی بسر کرنا عملی طور پر امام کی حکومت پر اعتراض تھا، اس کے علاوہ جریر کے کنارہ کش ہونے کی وجہ سے قبیلے کے تعصب نے اپنا کام کر دکھایا اور جریر کے قبیلے سے بہت مختصر لوگ (صرف ۱۹ آدمی) قسر سے جو بجلیہ قبیلے کے اطراف میں رہتے تھے امام کے ساتھ جنگ صفین کے لئے روانہ ہوئے اگر چہ بجلیہ کے اطراف احمس سے سات سو (۷۰۰) لوگوں نے شرکت کی۔

جریر کا عمل ایک قسم کی نافرمانی اور حکومت حقہ کے خلاف خروج تھا اور امام نے اس کام کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے

---

[1] واقعۂ صفین ص ۶۰، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۱۵۔۱۱۴۔

[2] رجعہ علاقے سے کچھ دوری پر واقع ہے اور خابور کے پاس ہے۔

جریراوراس کے ہمفکر ثویر بن عامر کے گھر کو ویران کر دیا تا کہ دوسروں کے لئے درس عبرت ہو۔[۱]

معاویہ کے خطوط اسلامی شخصیتوں کے نام

معاویہ نے جنگ صفین پر روانہ ہونے سے پہلے عمرو عاص سے کہا میں چاہتا ہوں تین لوگوں کو خط لکھوں اوران لوگوں کو علی کے خلاف برانگیختہ کروں وہ تین آدمی یہ ہیں عبداللہ بن عمر، سعد بن وقاص، محمد بن مسلمہ۔

معاویہ کے مشاورنے اس کے نظریہ کو قبول نہیں کیا اوراس سے کہا یہ تینوں افراد تین حالتوں سے خالی نہیں ہیں یا علی کے چاہنے والے ہیں اس صورت میں تمہارا خط باعث بنے گا کہ راہ علی پر باقی رہنے میں ان لوگوں کا ارادہ ٹھوس ہو جائے یا عثمان کے چاہنے والے ہیں اس صورت میں ان کے استحکام میں اضافہ نہیں ہوگا اوراگر وہ لوگ کسی بھی طرف نہیں ہیں تو ہرگز تم ان لوگوں کی نظر میں علی سے زیادہ مورد اعتماد نہیں ہو۔اس لئے تمہارے خط کا اثران لوگوں پر نہیں پڑے گا۔[۲]

معاویہ نے اپنے مشاور کے نظریہ کو قبول نہیں کیا اوراپنی اورعمرو عاص کی دستخط کے ساتھ ایک خط عبداللہ ابن عمر کو لکھا جس کی عبارت یہ تھی:

حقائق اگر ہم پر پوشیدہ ہوں تو تم پر پوشیدہ نہیں ہیں، عثمان کو علی نے قتل کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کے قاتلوں کو امان دی ہے، ہم عثمان کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں تا کہ حکم قرآن کے مطابق انہیں قتل کریں اوراگر علی عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں تو ہم ان سے کوئی مطالبہ نہیں کریں گے اوراس وقت خلافت کے مسئلہ کو عمر بن خطاب کی طرح مسلمانوں کے درمیان شوریٰ میں پیش کریں گے ہم ہرگز نہ خلافت کے طلبگار تھے اورنہ ہیں تم سے بس گذارش یہ ہے کہ قیام کرواور ہماری اس راہ میں مدد کرو، اگر ہم اورتم آپس میں متحد ہو گئے تو علی مرعوب ہو جائیں گے اور پھر اپنے ارادے سے پیچھے ہٹ جائیں گے۔[۳]

عبداللہ بن عمر کا جواب

اپنی جان کی قسم، تم دونوں نے اپنی بصیرت اور حقیقت شناسی کو اپنے ہاتھوں سے کھود یا ہے اورحوادث کو فقط دور سے دیکھ رہے ہواور تمہارے خط نے شک کرنے والوں کے شک وتردید میں اضافہ کر دیا ہے تم لوگوں کا خلافت سے کیا ربط؟ معاویہ تم طلیق وآزاد شدہ ہواور عمرو تم ایک متہم شخص اورغیر قابل اعتماد ہو، اس کام سے باز آجاؤ میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔[۴]

---

[۱] واقعۂ صفین ص۶۱۔۶۰۔

[۲] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ص۸۹۔۸۸۔

[۳] واقعۂ صفین، ص۶۳، ابن قتیبہ کے نظریہ کے مطابق اس خط کو معاویہ نے اہل مکہ اورمدینہ کے لئے لکھا تھا۔الامامۃ والسیاسۃ ص۸۹۔

[۴] وقعۃ صفین ص۶۳، لیکن ابن قتیبہ نے معاویہ کے جواب میں ایک دوسرے خط کا ذکر کیا ہے، الامامۃ والسیاسۃ ص۹۰۔۸۹

عبداللہ بن عمر نے جو خط معاویہ کو لکھا اس نے عمرو عاص کی مردم شناسی اور دور اندیشی کو ثابت کر دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ معاویہ اپنے قدیمی حریف کے کاموں تک نہیں پہنچ سکا ہے اور اگر بعض سیاسی مسئلوں میں برتری رکھتا ہے (مثلاً کشادہ دلی کے ساتھ مخالف کی بات سنتا اور اگر اس کے سامنے آتا تو گذشتہ کو نظر انداز کر دیتا، اور اگر گفتگو ایک طرف ہو جاتی تو فوراً گفتگو کا عنوان بدل دیتا اور بحث کے اصل موضوع کو دوسرے انداز سے شروع کرتا) اس کے باوجود ابھی پورا مردم شناس نہیں ہو رہے۔

معاویہ کے خط لکھنے کا مقصد

معاویہ کا مختلف لوگوں کو خط لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ بعض شخصیتوں کو متوجہ کرے جو نہ موافقوں کی صف میں تھے نہ ہی مخالفوں کی صف میں۔ یہ لوگ مکہ و مدینہ میں لائق احترام اور با اثر شخصیت کے حامل تھے اور ان کی نظر جذب کرنے کی وجہ سے دو شہروں میں مخالفت ایجاد کرنا تھا جو شوریٰ کے مرکزی افراد اور خلیفہ انتخاب کرنے میں ایک اہمیت رکھتے تھے۔

لیکن یہ لوگ ان لوگوں سے زیادہ عقلمند تھے جن لوگوں نے معاویہ سے دھوکہ کھایا اور اس کے ساتھ رہے لہٰذا دوسروں نے بھی، یعنی سعد وقاص اور محمد بن مسلمہ نے بھی عبداللہ بن عمر کی طرح جواب دیا۔[1]

نصر بن مزاحم نے کتاب واقعہ صفین میں معاویہ کا ایک دوسرا خط نقل کیا ہے جو اس نے عبداللہ بن عمر کے نام لکھا تھا اور اس پر امام کی مخالفت کرنے کا الزام لگایا ہے اور اس طرح چاہا کہ مخالفت کا بیج اس کے دل میں بودے اور پھر لکھتا ہے کہ میں خلافت کو اپنے لئے نہیں چاہتا بلکہ تمہارے لئے چاہتا ہوں اور اگر تم نے بھی قبول نہیں کیا تو ضروری ہے کہ مسئلہ خلافت کو مسلمانوں کی شوریٰ میں بیان کیا جائے۔

عبداللہ بن عمر اگر چہ سادگی میں بہت مشہور تھا اس نے معاویہ کا خط پڑھ کر اس کو جواب دیا کہ تم نے لکھا ہے کہ میں نے علی کی نکتہ چینی کی ہے اپنی جان کی قسم میں کہاں اور علی کا سابقہ ایمان، ان کی ہجرت، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ان کی و رفعت و منزلت اور مشرکوں کے مقابلے میں ان کی مقاومت کہاں؟ اگر میں نے ان کی موافقت نہیں کی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس حادثہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کوئی حدیث نہیں آئی تھی لہٰذا ہم نے دونوں میں سے کسی کی طرف بھی رغبت کرنے سے پرہیز کیا۔[2]

معاویہ کا خط سعد بن وقاص کے نام

---

[1] معاویہ کے اصل خط کو جو اس نے سعد بن ابی وقاص اور محمد بن مسلمہ انصاری کے نام لکھا تھا اور ان کے جواب کو ابن قتیبہ نے الامامۃ والسیاسۃ ص ۹۱۔۹۰۔ پر لکھا ہے۔

[2] واقعۂ صفین ص ۷۳۔۷۲۔

معاویہ نے فاتح سرزمین ایران سعد وقاص کو خط لکھا:

عثمان کی مدد کے لئے بہترین لوگ قریش کی شوریٰ تھی، ان لوگوں نے اسے چنا اور دوسروں پر مقدم کیا، طلحہ وزبیر نے اس کی مدد کرنے میں جلدی کی اور وہ لوگ تمہاری شوری کے ہمراہی اور اسلام میں بھی تمہاری ہی طرح تھے ام المومنین (عائشہ) بھی اس کی مدد کے لئے گئیں تمہارے لئے بہتر نہیں ہے کہ ان لوگوں نے جس چیز کو پسند کیا ہے تم اسے ناپسند کرو اور جس چیز کو ان لوگوں نے اختیار کیا ہے تم اسے چھوڑ دو، ہمیں چاہیئے کہ ہم خلافت کو شوریٰ کے حوالے کر دیں۔[1]

سعد وقاص کا جواب

عمر بن خطاب نے ایسے افراد کو شوریٰ میں شامل کیا جن کے لئے خلافت جائز تھی، ہم سے زیادہ کوئی بھی خلافت کے لئے بہتر نہ تھا، مگر یہ کہ ہم اس کی خلافت پر راضی رہیں اگر ہم بافضیلت ہیں تو علی بھی اہل فضل میں سے ہیں جب کہ علی کے فضائل بہت زیادہ ہیں اور ہمارے فضائل اتنے نہیں ہیں اور اگر طلحہ وزبیر اپنے گھر میں خاموشی سے بیٹھتے تو بہتر تھا، خداوند عالم ام المومنین کو جوانہوں نے کام کیا ہے معاف کر دے۔[2]

معاویہ نے کوشش کی تھی کہ شوریٰ کے تمام اراکین سے زیادہ خلیفۂ سوم کی فضیلت کو ثابت کرے، لیکن سعد وقاص نے اسے قبول نہیں کیا اور اس کی حاکمیت اور سب سے آگے بڑھنے کو شوریٰ کے اراکین کی رائے سے توجیہ کیا اور اسی کے ساتھ طلحہ وزبیر پر اعتراض بھی کیا۔

معاویہ کا خط محمد بن مسلمہ کے نام

معاویہ نے اس خط میں اسے انصار کے فارس (بہادر) سے تعبیر کیا ہے اور خط کے آخر میں لکھتا ہے:

انصار جو تمہاری قوم ہے اس نے خدا کی نافرمانی کی ہے اور عثمان کو ذلیل کیا ہے اور خدا تم سے اور ان لوگوں سے قیامت کے دن سوال کرے گا۔[3]

مسلمہ کے بیٹے نے ایک مقدمہ کے بعد جواب دیا:

تم دنیا کے علاوہ کسی چیز کو نہیں چاہتے اور خواہشات نفسانی کے علاوہ کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے، عثمان کی موت کے بعد اس کا دفاع کر رہے ہو لیکن اس کی زندگی میں اسے ذلیل وخوار کیا اور اس کی مدد نہیں کی۔[4]

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ، ج۱ص۹۰ واقعۂ صفین، ص۷٤۔

[2] (۳) الامامۃ والسیاسۃ ج۱ص۹۰، واقعۂ صفین ص۷۷۔۷۵۔

[3] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ص۹۰، واقعۂ صفین ص۷۷۔۷۵۔

[4] (2) الامامۃ والسیاسۃ ج۱ص۹۰، وقعۃ صفین ص۷۷۔۷۵

(۲) معاویہ کے خط کا مفہوم اور اس کا مقصد

معاویہ کے خط کا مفہوم مکمل طور سے اشتعال انگیز تھا اور معاویہ کی یہ کوشش تھی کہ لوگوں کو امام کی مخالفت کے لئے برانگیختہ کردے، مثلاً عمر کے بیٹے کو خلافت پر قبضہ کرنے کے لئے بلایا کیونکہ وہ شوریٰ کا ناظر تھا، سعد وقاص چونکہ چھ نفری شوریٰ کا ممبر اور طلحہ وزبیر کے مثل تھا لہٰذا شوریٰ میں اس کے ممبر ہونے کا تذکرہ کیا اور اسے طلحہ وزبیر کے راستے پر چلنے کی دعوت دی اور محمد بن مسلمہ کو انصار کا شہسوار اور مہاجروں کو منظم کرنے والا قرار دیا اور یاد دلایا کہ ان لوگوں نے عثمان کی مدد نہیں کی لہٰذا اس کا جبران کرنے کے لئے فوراً اٹھ جائیں اور اس کی مدد کریں۔

ان تمام خطوط سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ معاویہ کا مقصد صرف اسلامی معاشرہ کو درہم برہم کرکے علی کا مخالف بنانے کے علاوہ کچھ نہ تھا اور بنا برفرض محال اگر وہ عثمان کا ولی دم تھا تو یہ بات کوئی عقلمند انسان قبول نہیں کرے گا کہ ایک انسان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تمام مسلمانوں کی جان جوکھم میں ڈال دے۔

معاویہ کا اصرار تھا کہ خلیفہ کا انتخاب شوریٰ کے ذریعے ہو اور عمر کی شوریٰ کی تعداد چھ آدمیوں سے زیادہ نہ تھی، اگر شوریٰ کا انتخاب تکلیف دہ تھا تو مہاجرین وانصار کا متحد ہونا بدرجہ اولی الزام آور تھا سب لوگ اس سے باخبر ہیں کہ امام مہاجرین وانصار کے ذریعے اس مقام پر منتخب ہوئے ہیں آپ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ لوگ جوق درجوق آپ کے پاس آئے اور بہت زیادہ اصرار کرکے آپ کو مسجد میں لے گئے اور پھر آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی، اور چند لوگوں کے علاوہ کسی نے بھی آپ کی بیعت کی مخالفت نہیں کی۔

اس کے علاوہ اگر مہاجرین وانصار نے عثمان کی مدد نہیں کی تو خود معاویہ نے بھی تو اس کی مدد نہیں کی جب کہ عثمان کے گھر کا محاصرہ بہت دنوں تک تھا اور وہ اس سے آگاہ بھی تھا اور وہ اپنی فوج کے ساتھ خلیفہ کی مدد کے لئے جاسکتا تھا، لیکن ہرگز اس نے ایسا نہیں کیا اور اس کے خون کو بہتا ہوا دیکھتا رہا۔

اس کے علاوہ خود عثمان نے شام کے لوگوں اور وہاں کے حاکم معاویہ کے پاس خط لکھا اور ان سے مدد مانگی تھی یہاں تک کہ اپنے خط کے آخر میں یہ بھی لکھا تھا:

فیاغوثاہ و لا امیرُ علیکم دونی. فالعجل العجل یا معاویة وادرك ثم ادرك و ما اراك تدرك [1]

ان تمام چیزوں کے باوجود معاویہ نے ان خطوط کو نظر انداز کردیا اور اپنے خلیفہ کی بالکل بھی حمایت نہیں کی لیکن اس کی موت کے بعد اس کے خون کا بدلہ لینے کی فکر ہوگئی۔

---

[1] الامامة والسیاسة ص ۳۸۔

مؤرخین نے عثمان کے دوطرح کے محاصروں کولکھا ہے اور پہلے محاصرہ اوردوسرے محاصرے کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ تھا،بعض نے محاصرہ کی مدت ٤٩ دن بعض نے ٧٠ دن اوربعض نے ٤٠ دن اوربعض نے ١ مہینے سے زیادہ لکھا ہے اس لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ عثمان کے محاصرے کی خبر معاویہ نے نہ سنی ہو،اوروہ پورے واقعہ سے بے خبر ہو۔

شام کا خطیب

ہرزمانے اور ہرجگہ پرایسے افرادموجودہوتے ہیں کہ اپنا کھاناروزانہ کی قیمت سے کھاتے ہیں اور چاپلوسی اورجھوٹی تعریف کرنے والے صاحبان قدرت وثروت کی خوشامداوراوران کیتعریفیں کیا کرتے ہیں اورحق کو ناحق،اور باطل کوحق دکھاتے ہیں لیکن تاریخ میں ایسے بھی افرادموجودہیں جوحق وحقیقت کا کسی بھی چیز سے معاملہ نہیں کرتے اوران کی زبانوں پر کلمہ حق کے علاوہ کچھ جاری نہیں ہوتا۔

قبیلہ طی کے لوگ جومدینہ اورشام کے دوپہاڑوں کے درمیان زندگی بسرکررہے تھے وہ سب کے سب خصوصاً عدی بن حاتم،علی کے عاشق تھے۔عدی امام کی خدمت میں آئے اورکہا ہمارے قبیلہ کاایک شخص خفاف اپنے چچازاد بھائی حابس کی ملاقات کے لئے شام جانے والا ہے،خفاف بہترین خطیب ومقرراورعمدہ شاعر ہے اگرآپ کی اجازت ہوتو ہم اس سے کہیں کہ معاویہ سے ملاقات کرے اور مدینااورعراق میں آپ کی جوشان وشوکت ہے اسے بیان کرکے،معاویہ اورشامیوں کا حوصلہ پست کرے،امام نے عدی کی درخواست کوقبول کیا،خفاف شام کی طرف روانہ ہوا،اوراپنے چچازاد بھائی حابس کے پاس گیااوراس سے کہا میں عثمان کے قتل کے وقت مدینہ میں موجودتھا پھرحضرت علی علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے کوفہ آیا ہوں اور تمام حالات سے باخبرہوں دونوں چچازاد بھائیوں نے طے کیا کہ دوسرے دن معاویہ کے پاس جائیں اوراسے تمام واقعات سے آگاہ کریں،دوسرے دن دونوں بھائی معاویہ کے پاس گئے حابس نے اپنے بھائی کا تعارف کرایااورکہا کہ وہ حادثہ یوم الداراورعثمان کے قتل کے دن موجودتھااورعلی کے ساتھ کوفہ آیا ہے اوراپنی بات میں مکمل یقین واعتمادرکھتا ہے معاویہ نے خفاف سے کہا،عثمان کے واقعات سے مجھے آگاہ کرو،خفاف نے مختصرطور پرعثمان کے قتل کےواقعات کواس طرح بیان کیا:

مکشوح نے اس کا محاصرہ کیااورحکیم نے حملہ کرنے کا حکم دیا،محمد بن ابوبکراورعمارقتل کرنے میں شریک تھےاورتین آدمی عدی بن حاتم،مالک اشترنخعی اورعمروبن الحمق اس کارنامے میں بہت فعال تھےاسی طرح سےطلحہ وزبیرقتل کرنے میں بہت زیادہ کوشش کررہے تھے،اوراس گروہ سےسب سے جدارہنے والےعلی تھے جوعثمان کے قتل میں کسی طرح بھی شریک نہیں تھے۔

معاویہ نے کہا: پھراس کے بعدکیا ہوا؟

خفاف نے کہا: لوگ عثمان کے قتل کے بعد جب کہ ابھی اس کا جنازہ ایسے ہی زمین پر پڑا تھا پروانے کی طرح علی

کے پاس اس طرح جمع ہوئے کہ جوتے گم ہوگئے اور ردائیں کاندھوں سے گر گئیں، بوڑھے لوگ مجمع میں دب گئے اور سب نے رہبر اور پیشوا کی حیثیت سے علی کی بیعت کی، اور جب طلحہ وزبیر نے اپنی بیعت کو توڑ دیا تو امام سفر کرنے کے لئے آمادہ ہوئے اور مہاجرین وانصار بہت تیزی کے ساتھ آپ کے ہمراہ چلنے کے لئے تیار ہوگئے، اس سفر سے تین لوگ، سعد بن مالک، عبداللہ بن عمر، محمد بن مسلمہ بہت ناراض ہوئے اور تینوں افراد نے گوشہ نشینی اختیار کرلی، لیکن علی (علیہ السلام) پہلے گروہ کی وجہ سے ان تینوں سے بے نیاز ہوگئے امام کا کاروان سرزمین طی پہنچا اور میرے قبیلہ سے کچھ لوگ امام کے لشکر سے ملحق ہوئے، اور ابھی بصرہ کا آدھا ہی راستہ طے کیا تھا کہ طلحہ وزبیر کے بصرہ جانے کی خبر ملی، ایک گروہ کو کوفہ روانہ کیا اور ان لوگوں نے بھی ان کی دعوت کو قبول کیا اور بصرہ کی طرف روانہ ہوگئے، بصرہ پر حملہ ہوا اور شہر پر ان کا قبضہ ہوگیا پھر کوفہ کی فکر کی، اس شہر میں شور وغل مچ گیا، بچے محل کی طرف دوڑے اور بوڑھے اور نوجوان خوشی خوشی ان کی طرف دوڑ پڑے اس وقت وہ کوفہ میں ہیں اور شام پر قبضہ کرنے کے علاوہ کوئی اور فکر نہیں کررہے ہیں، جب خفاف کی گفتگو ختم ہوئی تو معاویہ خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔

اس وقت حابس نے معاویہ سے کہا: میرا چچازاد بھائی خفاف بہت اچھا شاعر ہے میری جب اس سے ملاقات ہوئی تھی تو اس نے بہت اچھا شعر پڑھا تھا اور عثمان کے متعلق میری نظر کو بدل ڈالا اور علی کی خوب تعریف کی، معاویہ نے کہا کہ وہ شعر جو تم نے اس کے لئے کہا تھا مجھے سناؤ اس نے وہ اشعار پڑھا، خفاف کا شعر سن کر معاویہ نے سخت لہجہ میں حابس سے کہا: میرے خیال سے یہ شخص علی کا جاسوس ہے جتنی جلدی ممکن ہو اس کو شام سے باہر کردو، لیکن معاویہ نے اسے دوبارہ اپنے پاس بلایا اور کہا: مجھے لوگوں کے کام وغیرہ سے آگاہ کرو، اس نے پھر وہی باتیں دہرائیں، معاویہ اس کی عاقلانہ باتیں سن کر حیرت میں ڈوب گیا۔[1]

صحابہ کے بیٹوں کا سہارا

ابوسفیان کا بیٹا اس امام سے مقابلہ کرنے کی کوشش میں تھا جس کا سبقت ایمان اور مشرکین کے ساتھ جہاد کرنا روشن وواضح تھا لہٰذا اس نے بعض صحابیوں اور ان کے بیٹوں کو اپنی طرف جذب کرکے اپنی شخصیت بنانی چاہی جب عبیداللہ ابن عمر حضرت علی علیہ السلام کی حکومت سے بھاگ کر شام گیا کیونکہ حضرت ہرمزان کے قتل کی بنا پر اس سے قصاص چاہ رہے تھے اور معاویہ کو یہ خبر ملی تو وہ[2] خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا لہٰذا اپنے مشاور اور عقل (عمرو عاص) سے رابطہ کیا اور عبیداللہ کی آمد پر

---

[1] واقعۂ صفین ص ٦٦۔ ٦٤، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٣ ص ١١٢۔ ١١٠۔

[2] تاریخ طبری ج ٣، جزء ٥ ص ٤٢، ٤١۔ کامل ابن اثیر ج ٣ ص ٤٠

اسے مبارک باد دی اور اسے ملک شام کے اور اپنے پاس رہنے کا وسیلہ سمجھا[1] پھر دونوں نے ارادہ کیا کہ اس سے درخواست کریں کہ لوگوں کے مجمع میں منبر پر جا کر علی کو برا بھلا کہے، جب عبید اللہ معاویہ کے پاس آیا تو معاویہ نے اس سے کہا اے میرے بھتیجے، تمہارے باپ کا نام (عمر بن الخطاب) تمہارے اوپر لگا ہوا ہے خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور مکمل آمادگی کے ساتھ گفتگو کرو، کیونکہ تم لوگوں کے درمیان قابل اعتماد ہو، منبر پر جاؤ علی کو برا بھلا کہو، گالی دو اور گواہی دو کہ عثمان کو علی نے قتل کیا ہے۔

زمام حکومت ایسے فتنہ پرور لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جنہوں نے خلفاء کے بیٹوں کو برے اور بیہودہ کاموں کی ترغیب کرتے تھے تا کہ اس کے ذریعہ امامؑ کی عظمت کو گھٹا دیں، لیکن امامؑ کی رفعت وعظمت اتنی بلند تھی جس کا دشمن بھی منکر نہیں ہو سکتا۔ عبید اللہ جو امامؑ کی عدالت کی وجہ سے بھاگ گیا تھا اس نے معاویہ سے کہا، میں علی کو گالی نہیں دے سکتا اور ناسزا نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کے بیٹے ہیں ان کے نسب کے بارے میں میں کیا کہوں؟ ان کی جسمانی اور روحانی طاقت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ پچھاڑ دینے والے بہادر ہیں، میں عثمان کے قتل کا الزام ہی صرف ان کی گردن پر ڈال سکتا ہوں۔

عمرو عاص اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا:

خدا کی قسم، اس وقت زخم نمایاں ہوں گے (بھیجے باہر نکلیں گے) جب عبید اللہ وہاں سے چلا گیا تو معاویہ نے عمر وعاص سے کہا، اگر وہ ہرمزان کو قتل نہ کرتا اور علی کے قصاص سے نہ ڈرتا تو ہماری طرف کبھی بھی نہ آتا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس نے علی کی کیسی تعریف کی؟

جی ہاں، عبید اللہ نے تقریر کی اور جب بات علی علیہ السلام تک پہنچی تو اس نے اپنی بات روک دی اور ان کے بارے میں کچھ نہ کہا اور منبر سے اتر گیا۔

معاویہ نے اس کے پاس پیغام بھیجا اور کہا: اے میرے بھتیجے، علی کے بارے میں تمہاری خاموشی دو علتوں کی بناء پر تھی ناتوانی کی وجہ سے یا خیانت کی وجہ سے۔

اس نے معاویہ کو جواب دیا: میں نہیں چاہتا کہ ایسے شخص کے بارے میں گواہی دوں جو عثمان کے قتل میں شامل نہ تھا اور اگر میں گواہی دیتا تو لوگ ضرور قبول کر لیتے، معاویہ اس کا جواب سن کر ناراض ہوا اور اسے نکال دیا اور اس کو کوئی مقام ومنصب نہیں دیا۔

عبید اللہ نے اپنے شعر میں کچھ ترمیم کر کے اس طرح بیان کیا کہ، اگرچہ علی عثمان کے قتل میں شامل نہ تھے لیکن ان

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص۹۲

کے قاتلوں نے علی کے پاس پناہ لی اور انہوں نے نہ ان کے کام کو برا کہا اور نہ ہی کہا اور میں عثمان کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے توبہ کرلی تھی اور بعد میں قتل ہوئے۔[1] عمر کے بیٹے کا معاویہ کے ساتھ اتنا ہی محبت سے پیش آنا کافی تھا اور اسی محبت کی وجہ سے اس کا دل جیت لیا اور اسے اپنے مقربین میں شامل کرلیا۔

قاتلانِ عثمان کے کوسپرد کرنا ایک مشکل مرحلہ تھا

معاویہ نے امامؑ کے خلاف جو لشکر جمع کیا اس کے لئے سب سے بڑا بہانہ یہ تھا کہ امامؑ عثمان کے قاتلوں کی حمایت کررہے ہیں۔

عثمان کے قتل کی علتیں تفصیل کے ساتھ بیان ہوچکی ہیں یہاں پر جس چیز کا تذکرہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ہجوم کرنے والوں کی معاشرے میں شخصیت ایسی تھی کہ خود علی علیہ السلام ان لوگوں کو معاویہ کے حوالے نہیں کرسکتے تھے، یہ بات درست ہے کہ کچھ لوگوں نے عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا تھا اور کچھ نے انہیں قتل کیا

تھا لیکن خلفاء کے اموی والیوں کے ظلم وستم کی وجہ سے لوگوں کی نظر میں یہ گروہ اتنی اہمیت کا حامل ہوگیا تھا کہ ان کا معاویہ کے حوالے کرنا بہت بڑی مشکل کو دعوت دینا تھا، اس سلسلے میں ذیل کے واقعے پر توجہ فرمائیں۔

علی کے ساتھ جنگ کرنا آسان کام نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ یمن کا زاہد ابومسلم خولانی جو کہ شام میں سکونت پذیر تھا، کو جب یہ خبر ملی کہ معاویہ علی کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو قاریوں کے گروہ کے ساتھ معاویہ کے پاس گیا اور اس سے پوچھا، کیوں علی کے ساتھ جنگ کرنا چاہتے ہو جب کہ کسی بھی زاویہ سے تو ان کے برابر نہیں ہوسکتا؟ نہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی جیسی مصاحبت تجھے نصیب ہے نہ تمہارے پاس سابقہ اسلام ہے، اور نہ ہی ہجرت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خویشاوندی تمہیں حاصل ہے، معاویہ نے ان لوگوں کے جواب میں کہا میں ہرگز اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ علی کی طرح میرے فضائل ہیں، لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ عثمان کا قتل بے گناہ ہوا ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا ہاں، پھر اس نے کہا علی عثمان کے قاتلوں کو میرے حوالے کردیں تاکہ میں ان سے عثمان کے خون کا بدلہ لوں۔ ایسی صورت میں ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔

ابومسلم اور اس کے ہم فکروں نے معاویہ سے درخواست کی کہ علی کے نام خط لکھے، معاویہ نے اس سلسلے میں خط لکھا اور ابومسلم کو دیا تاکہ وہ امام تک پہنچادے (ہم معاویہ کا خط اور امامؑ کا جواب بعد میں ذکر کریں گے)۔

ابومسلم کوفہ میں داخل ہوا اور معاویہ کا خط علی علیہ السلام کے سپرد کرکے کہا:

---

[1] واقعہ صفین: ص ۸۴، ۸۲

آپ نے ایسا کام اپنے ذمہ لیا ہے کہ خدا کی قسم مجھے ہرگز پسند نہیں کہ وہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے ذمہ ہو لیکن عثمان جوایک محترم مسلمان تھے بے گناہ مظلومیت کے ساتھ مارے گئے ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کردیں آپ میرے پیشوا و حاکم ہیں اگر آپ کی کوئی مخالفت کرے گا تو ہمارے ہاتھ آپ کی مدد کریں گے اور ہماری زبانیں آپ کے لئے گواہی دیں گی اور اس صورت میں آپ پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔

امام نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا صرف یہ فرمایا، کہ کل آنا اور اپنے خط کا جواب لے لینا دوسرے دن ابومسلم اپنے خط کا جواب لینے امامؑ کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ بہت بڑا مجمع مسجد کوفہ میں ہے اور سب کے سب اسلحوں سے مسلح ہیں اور یہ نعرہ لگارہے ہیں، ہم عثمان کے قاتل ہیں ابومسلم نے یہ منظر دیکھا اور امامؑ کی خدمت میں جواب کے لئے گیا اور امام سے کہا میں نے ان لوگوں کو دیکھا کیا یہ آپ کے ساتھ رابطہ رکھتے ہیں؟ امام نے کہا: تم نے کیا دیکھا؟ ابومسلم نے کہا: ایک گروہ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کرنا چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سب جمع ہوگئے ہیں اور مسلح ہوگئے ہیں اور نعرہ لگارہے ہیں کہ سب کے سب عثمان کے قتل میں شریک ہیں، علی علیہ السلام نے فرمایا:

خدا کی قسم! میں نے ایک لمحے کے لئے بھی یہ ارادہ نہیں کیا کہ ان لوگوں کو تمہارے حوالے کروں، میں نے اس سلسلے میں بہت زیادہ تحقیق کی ہے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ ان لوگوں کو تمہارے یا تمہارے علاوہ کسی کے حوالے کروں۔ [1]

یہ واقعہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس زمانے میں عثمان کے قاتلین اہم حیثیت کے مالک تھے اور ان لوگوں کو کسی کے حوالے کرنا ایک عظیم خونی جنگ کو دعوت دینے کے برابر تھا۔

لوگوں کا یہ اجتماع ایک فطری امر تھا ورنہ امامؑ ابومسلم خولانی کے سوال کا جواب دینے میں لاعلمی کا اظہار نہیں کرتے، یہ ابومسلم کی سادگی تھی کہ اس نے بھرے مجمع میں اپنے آنے کا سبب بیان کردیا اور یہ خبر دھیرے دھیرے سب تک پہنچ گئی جس کی وجہ سے انقلابی لوگ جو خلیفہ سوم کے حاکموں کے ظلم و ستم سے تنگ آگئے تھے اسی وجہ سے انہیں قتل کیا تھا، آپس میں متحد ہوگئے، اور اگر امامؑ نے کہا کہ ہم نے اس مسئلے کی تحقیق کی ہے کہ کسی بھی صورت میں مناسب نہیں ہے کہ ان لوگوں کو شامیوں یا کسی اور کے حوالے کریں تو وہ اسی وجہ سے تھا کہ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں فیصلہ کرنا تمام لوگوں کے اندر اشتعال کا باعث بن جاتا۔

اس کے علاوہ قصاص (خون کا بدلہ) کی درخواست کرنا مرنے والے کے ولی کا حق ہوتا ہے اور وہ عثمان کے بیٹے تھے نہ کہ معاویہ، جو اس کا بہت دور کا رشتہ دار تھا اس نے عثمان کے قتل کو حکومت تک پہنچنے کا ایک بہانہ بنایا تھا۔

---

[1] واقعہ صفین ص ۸۵، ۸۶، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۵ ص ۷۵، ۷٤

چودہویں فصل

جنگ صفین کے لئے امام کی فوج کی آمادگی

نخلیہ میں امام کی فوج کی پیش قدمی

ابوسفیان کے بیٹے کی وقت برباد کرنے والی سیاست کا خاتمہ ہوا اور خط اور عظیم شخصیتوں کو روانہ کرکے وہ جس مقصد کو حاصل کرنا چاہتا تھا حاصل کرلیا، اس عرصے میں اس نے اپنی فوج کو خوب مضبوط کرلیا اور اپنے جاسوسوں کو چاروں طرف روانہ کردیا تاکہ امامؑ کے بعض حاکموں کو دھوکہ دیں اور آپ کی فوج کے اندر پھوٹ ڈال دیں۔ امامؑ ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے منصوص خلافت کے علاوہ ظاہری خلافت پر بھی فائز ہوئے [1] اور تمام مہاجرین و انصار نے آپ کے ہاتھ پر بعنوان خلیفہ مسلمین بیعت کی، آپ نے اپنی حکومت کے ابتدائی دنوں میں ہی سبرۂ جہنی نامی قاصد کے ہمراہ معاویہ کو خط بھیجا کہ وہ مرکزی حکومت کی اطاعت کرے لیکن اس نے سوائے خودخواہی، خودغرضی، ڈرانے دھمکانے، رعب و دبدبہ، خطوط کے روانہ کرنے اور تہمت لگانے اور قاصد کو بھیجنے اور حضرت علی علیہ السلام کو معطل کرنے کے کچھ نہیں کیا اب وہ وقت آچکا تھا کہ امامؑ ابومسلم خولانی کے توسط سے آئے ہوئے خط کا جواب دے کر جنگ کریں اور اس شجرۂ خبیثہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں، اسی وجہ سے آپ نے شوال ۳۶ ء کے اوائل میں فوج روانہ کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے پہلے مہاجرین وانصار کو بلایا اور اس آیت کے حکم کے مطابق وشاورھم فی الأمر 'ان کے بزرگوں سے جو آپ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے اور آپ کے ہمراہ تھے اس طرح فرمایا:

انکم میامین الرّأی، مراجیح الحلم، مقاویل بالحق، مبارکو الفعل والأمرِ، وقدأردنا المسیرَ اِلیٰ عَدوِّنا وَعدوِّ کم فأ شیروا الینا برأیکم [2]

تم لوگ بہترین رائے ومشورہ کرنے والے، بردبار وحلیم، حق کہنے والے، اور ہمارے معاشرے کے بہترین و صاحب کردار ہو، ہم لوگ اپنے اور تمہارے دشمن کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں تم لوگ اس سلسلے میں اپنا نظریہ بیان کرو۔

مہاجرین کے گروہ میں سے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقّاص اٹھا اور کہنے لگا:

---

[1] تاریخ طبری ج ٤ ص ٤٥٧ ۔ تاریخ یعقوبی۔ ج ٢ ص ١٧٨ مطبوعہ بیروت۔
[2] ۔ واقعہ صفین ص ٩٢

اے امیر المومنین، ہم لوگ ابوسفیان کے خاندان کو بہت اچھی طرح پہچانتے ہیں وہ آپ اور آپ کے شیعوں کے دشمن اور دنیا پرستوں کے دوست ہیں، اور حصول دنیا کے لئے اپنی پوری قوت وطاقت کے ساتھ اس سے آپ کے خلاف آپ سے جنگ کریں گے اس سلسلے میں وہ کسی بھی چیز سے دریغ نہیں کریں گے اس کے علاوہ ان کا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ ان لوگوں نے سیدھے سادھے لوگوں کو بہکانے کے لئے عثمان کے خون کا بہانہ بنایا ہے۔ وہ لوگ جھوٹے ہیں اور اس کے خون کا بدلہ نہیں لینا چاہتے تھے بلکہ وہ دنیا چاہتے تھے ہم لوگوں کو اجازت دیں کہ ان کے مقابلے کے لئے جائیں اور اگر ان لوگوں نے حق کی باتیں مان لیں تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر تفرقہ اور جنگ کرنے کے خواہاں ہوئے اور میرا گمان بھی یہی ہے کہ وہ لوگ اس کے علاوہ کچھ اور نہیں چاہتے تو ہمیں چاہیے کہ ان کے ساتھ جنگ کریں۔ اس وقت مہاجرین میں سے ایک اور عظیم شخصیت اٹھی جس کے بارے میں پیغمبر نے فرمایا ہے عمار مع الحقّ والحقّ مع عمّار یدور معہ حیث ما دار [1]

اے امیر المومنین: اگر ممکن ہو تو ایک دن بھی دیر نہ کریں ہم لوگوں کو ان کی طرف روانہ کریں اور قبل اس کے کہ وہ فاسد لوگ جنگ کی آگ روشن کریں اور مقابلہ کرنے کی تیاری اور حق سے جدائی کا ارادہ کریں، ان لوگوں کو جس میں ان کے لئے سعادت ہے اسکی طرف دعوت دیں اگر ان لوگوں نے قبول کرلیا تو ٹھیک ہے اور اگر مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہوئے تو ان کے ساتھ جنگ کریں خدا کی قسم ان لوگوں کا خون بہانا اور ان لوگوں کے ساتھ جہاد کرنا خدا کا قرب اور اس کی طرف سے ہمارے لئے لطف وکرم ہے۔

مہاجرین کے ان دو اہم افراد کی تقریر نے کچھ حد تک زمینہ فراہم کیا۔ اب وقت تھا کہ انصار کی طرف سے بھی عظیم شخصیتیں اس سلسلے میں اپنا نظریہ پیش کریں۔ اس وقت قیس بن سعد بن عبادہ نے کہا: ہمیں جلد سے جلد دشمن کی طرف روانہ کریں خدا کی قسم، ہمارے لئے ان کے ساتھ جنگ کرنا روم کے ساتھ جہاد کرنے سے بہتر ہے، کیونکہ یہ لوگ اپنے دین میں مکر وفریب کررہے ہیں اور خدا کے اولیائ (مہاجرین وانصار) اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ نیکی کرتے ہیں انہیں ذلیل وخوار سمجھتے ہیں وہ لوگ ہمارے مال کو حلال اور ہمیں اپنا غلام سمجھتے ہیں۔

جب قیس کی گفتگو ختم ہوئی تو خزیمہ بن ثابت اور ابوایوب انصاری اس کے جلد بازی کے فیصلے پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بہتر تھا کہ تھوڑا صبر کرتے تاکہ تم سے بزرگ لوگ اپنا نظریہ پیش کرتے، اس وقت انصار کے سرداروں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تم لوگ اٹھو اور امامؑ کے سامنے اپنے نظریہ کا اظہار کرو،

سہل بن حنیف، جو انصار کی عظیم شخصیت تھی اس نے کہا: اے امیر المومنین: ہم آپ کے اور آپ کے دوستوں کے دوست اور آپ کے دشمنوں کے دشمن ہیں، ہمارا نظریہ آپ کا نظریہ ہے ہم لوگ آپ کا داہنا بازو ہیں، لیکن ضروری ہے کہ یہ کام

---

[1] طبقات ابن سعد، ج، ۳۔ص ۱۸۷ (مطبوعہ لیدن)

کوفہ کے لوگوں کے لئے انجام دیجئے اوران لوگوں کو جنگ کرنے کی دعوت دیجئے اور جو فضیلتیں انہیں نصیب ہوئی ہیں ان سے انہیں باخبر کیجئے چاہے وہ لوگ اس سرزمین اور یہاں کے لوگ سمجھے جائیں، اگر وہ لوگ آپ کی آواز پر لبیک کہیں تو آپ کا مقصد پورا ہوجائے گا، ہم لوگ ذرہ برابر بھی آپ کے نظریہ کے خلاف نہیں ہیں آپ جب بھی ہمیں بلائیں گے ہم حاضر ہوں گے اور جب بھی کوئی حکم دیں گے اس پر عمل کریں گے۔[1]

سہل کی گفتگو اس کے کامل العقل ہونے کی حکایت کرتی ہے، کیونکہ اگرچہ مہاجرین وانصار امامؑ کے ہمرکاب تھے اور اسلامی امت کی عظیم شخصیت شمار ہوتے تھے اوران لوگوں کا اتحاد معاشرہ کی بیداری میں بہترین اثر رکھتا تھا لیکن فی الحال امامؑ کا لشکر عراقی افراد نے تشکیل دیا تھا اوران کے درمیان قبیلوں کے بزرگ تھے بغیر ان کے اعلان کئے ایک لاکھ کا لشکر جمع کرنا ممکن نہ تھا لیکن امامؑ نے سب سے پہلے مہاجرین وانصار سے کیوں مشورہ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ امامؑ کی حکومت کے بانی اور تمام مسلمانوں کی توجہ کا مرکز تھے اور بغیر ان کو اپنائے ہوئے عراقیوں کو اپنی طرف مائل کرنا ممکن نہ تھا۔

امامؑ کی تقریر

امامؑ نے سہل کے مشورہ کے بعد اپنے خصوصی مشاورتی جلسہ کو ایک عظیم اجتماع میں تبدیل کردیا۔ اس عظیم اجتماع میں اکثر افراد شریک تھے منبر پر تشریف لے گئے اور باآواز بلند فرمایا:

سیروا الیٰ اعداء الله، سیروا اِلیٰ اعداء السنن والقرآن، سیروا اِلیٰ بقیة الاحزاب، قتلةِ المھاجرین والانصار

خدا کے دشمنوں کی طرف حرکت کرو، قرآن اور پیغمبر کی سنتوں کے دشمنوں کی طرف حرکت کرو اور، بقیہ بچے ہوئے (احزاب) اور مہاجرین وانصار کے قاتلوں کی طرف حرکت کرو۔

اس وقت قبیلہ بنی فزار کے اربد نامی شخص نے اٹھ کر کہا:

آپ چاہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو شام روانہ کریں تاکہ اپنے بھائیوں کے ساتھ جنگ کریں جس طرح بصرہ بھیجا تھا اور ہم نے اپنے بصری بھائیوں کے ساتھ جنگ کی؟ نہیں، خدا کی قسم ہم ایسا کام انجام نہیں دیں گے۔

اس وقت مالک اشتر کھڑے ہوئے اور پوچھا یہ کون شخص ہے؟ جیسے ہی مالک اشتر کے منہ سے یہ جملہ نکلا سب کے سب اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور وہ لوگوں کے حملہ کے خوف سے فرار ہوگیا اور مال بیچنے والوں کے بازار میں پناہ لے لی اور لوگ طوفان کی طرح اس کا پیچھا کرنے لگے اور اسے تلوار کے غلاف، ہاتھ پیر سے اتنا مارا کہ وہ مرگیا، جب اس کی موت کی خبر امامؑ کو ملی تو آپ بہت ناراض ہوئے کیونکہ اس کی گستاخی کی سزا یہ نہیں تھی کہ اسے اس طرح قتل کردیا جائے، اسلامی عدالت کا

---

[1] واقعہ صفین ص ۹۳، ۹۲

تقاضا یہ تھا کہ اس کے قاتل کے بارے میں تحقیق وجستجو کی جائے اور اس تحقیق کا نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ وہ ہمدان قبیلہ اور کچھ لوگوں کے ذریعہ قتل ہوا ہے اور اس کا کوئی ایک قاتل نہیں ہے امامؑ نے فرمایا: یہ اندھا قتل ہے کہ اس کے قاتل کی خبر نہیں ہے لہٰذا اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے اور آپ نے ایسا ہی کیا۔[1]

مالک اشتر کی تقریر

یہ غیر متوقع واقعہ امامؑ کی ناراضگی کا سبب بنا اگر چہ آپ نے حکم دیا کہ اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے مگر آپ کے چہرے پر ناراضگی کے اثرات نمایاں تھے، اسی وجہ سے امامؑ کے دلعزیز اور چاہنے والے مالک اشتر اٹھے اور خدا کی حمد وثناء کے بعد کہا:

اس واقعہ سے آپ پریشان نہ ہوں، اس بدبخت خیانت کار کی گفتگو آپ کو مدد ونصرت کرنے والوں سے مایوس نہ کرے، یہ سیلاب کی طرح امڈتا ہوا مجمع جو آپ دیکھ رہے ہیں سب کے سب آپ کے پیرو ہیں اور آپ کے علاوہ کسی اور چیز کو نہیں چاہتے اور آپ کے بعد زندہ نہیں رہنا چاہتے اگر ہمیں دشمنوں کی طرف بھیجنا چاہتے ہیں تو بھیج دیجیئے خدا کی قسم اگر کوئی شخص موت سے ڈرتا ہے تو اس سے نجات حاصل نہیں کرسکتا اور جو شخص زندگی چاہتا ہے اسے نہیں دی جائے گی اور ان لوگوں کے ساتھ بدبخت اور شقی شخص کے علاوہ کوئی دوسرا زندگی گزارنا نہیں چاہتا اور ہم لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک موت کی آغوش میں نہیں جاسکتا جب تک کہ اس کی موت کا وقت نہ آچکا ہو، کس طرح سے ہم ان لوگوں سے جنگ نہ کریں جنہیں آپ نے خدا اور قرآن اور سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن اور مہاجرین وانصار کے قاتل کے طور پر بتایا ہے؟ کل انہیں میں سے کچھ لوگوں نے (بصرہ میں) مسلمانوں کے کچھ گروہ پر حملہ کر کے خدا کو غضبناک کیا تھا اور زمین ان کے برے کاموں کی وجہ سے تاریک ہوگئی تھی ان لوگوں نے اپنے آخرت کے حصے کو اس دنیا کے تھوڑے سے مال ودولت کے لئے بیچ دیا، امامؑ مالک اشتر کی تقریر سننے کے بعد لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

الطريق مشترك والناسُ في الحقِّ سواء ومنِ اجتهدَ رأيُهُ في نصيحة العامّةِ فله مانوىٰ وقد قضىٰ ما عليه

یہ راستہ، عمومی راستہ ہے اور لوگ حق کے مقابلے میں برابر ہیں اور وہ شخص جو خود اپنی نظر ورائے سے معاشرے کے لئے اچھائی کرے تو خدا اس کی نیت کے مطابق اسے جزا دے گا اور وہ کام جو فزاری نے انجام دیا وہ ختم ہوگیا۔[2]

آپ اتنا کہہ کر منبر سے نیچے تشریف لائے اور اپنے گھر واپس چلے گئے۔

---

[1] وقعہ صفین۔ ص ۹۰،۹٤

[2] وقعہ صفین۔ ص ۹۰

امام کے لشکر میں معاویہ کے نفوذ کے عوامل

فوجیوں اور لشکریوں کے اندر اپنا اثر ورسوخ پیدا کرنا، گروہ مخالف کے کمانڈروں کو درہم و دینار کے ذریعے خریدنا، بڑی طاقتوں کی بڑی پرانی روش رہی ہے ابوسفیان کا بیٹا اس فن میں ایک نابغہ اور ماہر تھا۔

ایک گروہ کی نظر میں سیاست کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی بھی صورت سے چاہے وہ شرعی اعتبار سے ہو یا غیر شرعی لحاظ سے اپنے مقصد تک پہنچ جائے اور ان لوگوں کا فلسفہ یہ ہے کہ مقصد اور ہدف ایک توجیہی وسیلہ ہے سادہ لوح افراد جن لوگوں نے معاویہ کی ظاہری کامیابی کو علی علیہ السلام سے زیادہ سمجھی تھی ان لوگوں نے امامؑ پر الزام لگایا کہ وہ سیاست کے رموز واسرار سے واقف نہیں ہیں اور معاویہ ان سے زیادہ سیاسی سوج بوج رکھتا ہے اسی وجہ سے امامؑ اسلامی سیاست کے تمام اصول و قوانین سے بے بہرہ تنقید کرنے والوں کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

واللهِ ما معاويةُ بأدهىٰ منّي ولكنّه يغدرُ ويفجرُ ولولا كراهيةُ الغدر لكنتُ من أدهىٰ الناس ولكنّ كلَّ غدرةٍ فجرة وكلَّ فجرةٍ ضلالة ولكلّ غادرٍ لواءٌ يعرفُ به يوم القيامة[1]

خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ سیاست مدار نہیں ہے لیکن وہ دھوکہ کرتا ہے اور گناہ کرتا ہے اور اگر دھوکہ بازی اور حیلہ گری میں کراہت نہ ہوتی تو میں لوگوں میں سب سے زیادہ سیاست مدار ہوتا، لیکن ہر طرح کی چالبازی اور فریب گناہ ہے اور ہر گناہ ایک قسم کا کفر ہے اور قیامت کے دن ہر دھوکہ باز کے ہاتھ میں ایک مخصوص قسم کا پرچم ہوگا جس کے ذریعہ سے وہ پہچان لیا جائے گا۔

اس بنا پر کہ ہماری گفتگو دلیل یا شاہد سے خالی نہ ہو معاویہ کی چالبازیوں اور مکاریوں کے چند نمونوں کو یہاں پر بیان کررہے ہیں جن کے ذریعہ سے اس نے امامؑ کی فوج میں نفوذ پیدا کیا تھا۔

معاویہ کے خلاف جنگ کرنے کے سلسلے میں جو امامؑ کی تقریر کا اثر ہوا اس کی توصیف ممکن نہیں ہے، یہاں تک کہ معاویہ کے عوامل نفوذی میں سے ایک بنام اربد امامؑ پر اعتراض کے سبب، وہ بھی نازک وقت میں لوگوں کے لات وگھونسوں کا نشانہ بنا، اور اس کے قاتل کی پہچان نہ ہوسکی۔[2]

اس حادثہ کا سبب یہ ہوا کہ دوسرے عوامل نفوذی اپنے امور کو انجام دینے سے باز آجائیں اور امامؑ کے ارادے کو سست کرنے اور رخنہ اندازی ڈالنے کے لئے کوئی دوسرا طریقہ اپنائیں تاکہ اس کے ذریعے سے امامؑ کو جنگ سے روک دیں اور یہ معلوم نہیں کہ کس گروہ کو نفع حاصل ہو ان کو ڈرائیں اسی وجہ سے رخنہ اندازی کرنے والوں میں ایک قبیلہ عبس

[1] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱۹۵

[2] واقعہ صفین ص ۹٤

(شاید غطفان کا باشندہ) اور دوسرا قبیلہ بنی تمیم سے جن کے نام عبداللہ اور حنظلہ تھے، نے ارادہ کیا کہ امامؑ کے دوستوں کے درمیان نظریاتی اختلاف پیدا کریں اور خیر خواہی اور نصیحت کا طریقہ اپنائیں لہٰذا دونوں نے اپنے قبیلے والوں کو اپنا ہم خیال بنالیا اور پھر امامؑ کے پاس آئے پہلے حنظلہ تمیمی نے کہا:

ہم لوگ خیر خواہی اور بھلائی کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں امید ہے کہ آپ ہماری باتوں کو قبول کریں گے، ہم لوگ آپ کے اور ان لوگوں کے بارے میں جو آپ کے ساتھ ہیں سوچ رہے ہیں کہ اس مرد (معاویہ) سے خط و کتابت کریں اور شامیوں کے ساتھ جنگ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ خدا کی قسم کوئی بھی نہیں جانتا کہ دونوں گروہوں کے درمیان مقابلے میں کون گروہ کامیاب ہوگا اور کس گروہ کو شکست ہوگی۔

پھر عبید اللہ عبسی اٹھا اور حنظلہ کی طرح اس نے بھی گفتگو کی اور جو لوگ ان دونوں کے ساتھ آئے تھے ان لوگوں نے ان دونوں کی تائید کی۔

امامؑ نے خدا کی حمد و ثناء کے بعد ان لوگوں کے جواب میں فرمایا:

خداوند عالم انسانوں اور، اس سرزمین کا وارث ہے، آسمانوں اور ساتوں زمین کا پروردگار ہے ہم سب کے سب اسی کی بارگاہ میں پلٹ کر جائیں گے وہ جس شخص کو چاہتا ہے سرداری عطا کرتا ہے، اور جس شخص سے چاہتا ہے سرداری کو روک دیتا ہے، جس شخص کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس شخص کو چاہتا ہے ذلیل خوار کر دیتا ہے دشمن کی طرف پشت کرنا گمراہوں اور گنہگاروں کا کام ہے اگر چہ ظاہری طور پر کامیابی اور غلبہ پا جائیں۔ خدا کی قسم میں ایسے لوگوں کی باتیں سن رہا ہوں جو ہرگز اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ اچھائیوں کو پہچانیں اور برائیوں سے انکار کریں[1] امامؑ نے اپنے کلام کے ذریعے ان دونوں جاسوسوں کو جو لوگوں سے اپنے کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے اور ان لوگوں کی طرف سے گفتگو کر رہے تھے ذلیل ورسوا کر دیا اور واضح لفظوں میں فرمایا کہ معاویہ کے ساتھ جنگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک حصہ ہے اور کوئی بھی مسلمان اس وجوب سے انکار نہیں کر سکتا اور وہ لوگ جو ان لوگوں کو معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے روک رہے ہیں حقیقت میں وہ اسلام کے ان دو اصولوں کو پامال کر رہے ہیں۔

پردے فاش ہونے لگے

امیر المومنین علیہ السلام کی گفتگو کا اثر یہ ہوا کہ حقیقت سب پر آشکار ہوگئی اور اسی مجمع میں دونوں جاسوس بے نقاب ہو گئے، لہٰذا معقل ریاحی نے اٹھ کر کہا، یہ گروہ خیر خواہی کے لئے آپ کی طرف نہیں آئے ہیں بلکہ آپ کو بہکانے کے لئے آئے ہیں ان سے دور رہیئے کیونکہ یہ لوگ آپ کے قریبی دشمن ہیں۔[2] اسی طرح مالک نامی شخص اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا:

---

[1] واقعہ صفین ص ۹۶۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۷۵

[2] واقعہ صفین ص ۹۷۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۷۵

حنظلہ کی معاویہ سے خط وکتابت ہے آپ اجازت دیجئے کہ جنگ شروع ہونے تک اسے قید کردوں، قبیلہ عبس کے دوآدمی، عیاش اور قائد نے کہا: خبر ملی ہے کہ عبداللہ کا معاویہ کے ساتھ راز ونیاز ہے اور دونوں کے درمیان خط وکتابت ہوتی ہے آپ اسے قید کر لیجئے یا اجازت دیجیے کہ ہم لوگ اسے جنگ شروع ہونے تک قید رکھیں۔[۱]

ان چار افراد کی حقیقت بیانی کا سبب یہ ہوا کہ جاسوس بے سروپا ہو کر کہنے لگے: یہ اس شخص کی جزا ہے جو آپ کی مدد کے لئے آیا اور اپنے نظریہ کو آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے بارے میں بیان کیا؟ امامؑ نے ان لوگوں کے جواب میں فرمایا: خداوندعالم ہمارے اور تمہارے درمیان حاکم ہے میں تم لوگوں کو اس کے سپرد کر رہا ہوں اور اسی سے مدد حاصل کروں گا جو شخص جانا چاہتا ہے چلا جائے امام نے یہ بات کہی اور لوگ منتشر ہو گئے، چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ حنظلہ اور قبیلہ تمیم کے بزرگوں کے درمیان ایک جھڑپ ہوئی جس کی وجہ سے دونوں نفوذی عامل اپنے گروہ کے ساتھ عراق سے شام کی طرف روانہ ہو گئے اور معاویہ سے جا کر مل گئے، امامؑ نے حنظلہ کی خیانت کی وجہ سے حکم دیا کہ اس کے گھر کو ویران کر دیا جائے تاکہ دوسروں کے لئے درس عبرت ہو۔[۲]

انتظار یا شام کی طرف روانگی

فوج کے تمام سپہ سالار اور امامؑ کے چاہنے والے ابوسفیان کے بیٹے کو نیست ونابود کرنے کیلئے متفق تھے سوائے چند لوگوں کے مثلاً عبداللہ بن مسعود کے اصحاب جو خود اپنا خاص نظریہ رکھتے تھے (ان کے نظریات آئندہ بیان ہوں گے)

لیکن انہی افراد کے درمیان امامؑ کے مورد وثوق اور مخلص لوگ، مثلاً عدی بن حاتم، زید بن حسین طائی تاخیر کے خواہاں تھے شاید خط وکتابت اور بحث ومباحثے کے ذریعے مشکل ختم ہو جائے، لہٰذا عدی نے امامؑ سے کہا: اے امام! اگر مصلحت ہو تو تھوڑا صبر کیجیے اور ان لوگوں کو کچھ مہلت دیجئے تاکہ ان لوگوں کا جواب آجائے اور آپ کے بھیجے ہوئے افراد ان سے گفتگو کریں اگر قبول کر لیا تو ہدایت پا جائیں گے اور دونوں کے لئے صلح بہتر ہے اور اگر اپنی کٹ حجتی پر اڑے رہے تو ہمیں ان سے مقابلے کے لئے لے چلئے۔

لیکن ان لوگوں کے مقابلے میں علی علیہ السلام کے لشکر کے اکثر سپہ سالار شام جانے کے لئے بیتاب تھے ان میں سے یزید بن قیس ارحبی، زیاد بن نضر، عبداللہ بن بدیل، عمرو بن حمق (دو بزرگ صحابی) اور معروف بابعی حُجر بن عدی بہت زیادہ اصرار کر رہے تھے اور اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے ایسے نکات کی یاد دہانی کر رہے تھے جو ان کے نظریہ کو صحیح ثابت کر رہے تھے۔ مثلاً عبداللہ بن بدیل کا نظریہ یہ تھا:

---

[۱] واقعہ صفین ص ۹۴۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۷۵

[۲] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۷۶۔ واقعہ صفین ص ۹۷

وہ لوگ ہم سے دو چیزوں کی وجہ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ وہ لوگ مسلمانوں کے درمیان مساوات سے فرار کررہے ہیں اور مال ودولت اور منصب میں تبعیض کے قائل ہیں اور جو مقام ومنصب رکھتے ہیں اس میں بخل سے کام لیتے ہیں اور جس دنیا کو حاصل کر چکے ہیں اسے گنوانا نہیں چاہتے۔

۲۔ معاویہ، علی علیہ السلام کے ہاتھ پر کس طرح بیعت کرے جب کہ امامؑ نے ایک ہی دن میں اس کے بھائی، ماموں اور نانا کو جنگِ بدر میں قتل کیا ہے، خدا کی قسم مجھے امید نہیں ہے کہ وہ لوگ تسلیم ہوں گے مگر یہ کہ ان کے سروں پر نیزے ٹوٹیں اور تلواریں ان کے سروں کو پارہ پارہ کردیں اور لوہے کی سلاخیں ان کے سروں پر برس پڑیں۔

عبداللہ کی دلیلوں سے یہ بات واضح وروشن ہوتی ہے کہ شام کی طرف روانہ ہونے میں جتنی بھی تاخیر ہوگی اتنا ہی دشمن کو فائدہ اور امامؑ اوران کے ساتھیوں کو نقصان پہنچے گا، لہٰذا امام کے ایک چاہنے والے، یزید ارجی نے امامؑ سے کہا:

جنگ کرنے والے افراد سستی اور کاہلی سے کام نہیں لیتے اور جو کامیابی انہیں نصیب ہوتی ہے ہرگز اسے اپنے ہاتھوں سے جانے نہیں دیتے اوراس سلسلے میں آج اور کل پر بات نہیں ٹالتے [1]

غیظ وغضب میں بردباری

اسی اثناء میں امامؑ کو خبر ملی کہ بزرگ صحابی عمرو بن حمق اور حجر بن عدی شام والوں پرلعنت وطعن کررہے ہیں [2] امامؑ نے کسی کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو اس کام سے منع کرے وہ لوگ امامؑ کا پیغام سن کر امامؑ کی خدمت میں آئے اور کہا: کیوں آپ نے ہمیں اس کام سے روکا؟ کیا وہ لوگ اہل باطل سے نہیں ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: کیوں نہیں لیکن مجھے پسند نہیں ہے کہ تم لوگ لعنت کرنے والے اور برا کہنے والے بنو، گالی نہ دو اور نفرت نہ کرو اگر اس کی جگہ ان کی برائیوں کو بیان کرو تو بہت زیادہ مؤثر ہوگا اور اگر لعنت اوران سے بیزاری کرنے کے بجائے کہو کہ، خدایا ہمارے خون اوران کے خون کی حفاظت فرما۔ ہمارے اور ان کے درمیان صلح قرار دے، ان لوگوں کو گمراہی سے ہدایت عطا کرتا کہ جو لوگ ہمارے فضائل وکمالات سے بے خبر ہیں اس سے وہ باخبر وآشنا ہو جائیں تو یہ میرے لئے خوشی کا باعث اور تمہارے حق میں بہتر ہوگا [3]

دونوں افراد نے امامؑ کی نصیحتوں کو قبول کرلیا اور عمرو بن حمق نے امامؑ سے اپنی الفت ومحبت کو ان الفاظ میں بیان کیا:

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۷۷۔ واقعہ صفین ص ۱۰۲۔ ۹۸

[2] واقعہ صفین ص ۱۰۳، نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۷، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۸۱۔ اخبار الطوال ص ۱۵۵ تذکرہ الخواص ابن جوزی ص ۱۵۴۔ مصادر نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۰۲

[3] واقعہ صفین ص ۱۰۳، نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۷، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۸۱۔ اخبار الطوال ص ۱۵۵ تذکرہ الخواص ابن جوزی ص ۱۵۴۔ مصادر نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۰۲

میں نے رشتہ داری یا مال ومقام کی لالچ کے سبب آپ کے ہاتھوں پر بیعت نہیں کی ہے بلکہ بیعت کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے اندر ایسی پانچ اہم صفتیں ہیں جن کی وجہ سے میں نے آپ کی محبت کو اپنے اوپر فرض کیا ہے، آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں اور آپ ہی سب سے پہلے وہ شخص ہیں جو ان پر ایمان لائے ہیں اور آپ اس امت کی سب سے بہترین اور پاکیزہ عورت کے شوہر ہیں، آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت طاہرہ کے باپ ہیں اور مہاجرین کے درمیان جہاد کرنے والوں میں سب سے زیادہ اور عظیم حصہ آپ کا ہے، خدا کی قسم اگر مجھے حکم دیں کہ بلند پہاڑوں کو اس کی جگہوں سے ہٹادوں اور دریا کے پانی کو ان سے نکالوں اور جہاں تک ممکن ہو آپ کے دوستوں کی مدد کروں اور آپ کے دشمنوں کو نابود کردوں تو بھی جو حق آپ کا میری گردن پر ہے میں اسے ادا نہیں کرسکتا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے جب عمرو کے خلوص وجذبہ کا مشاہدہ کیا تو ان کے حق میں یہ دعا فرمائی:۔

اللهم نوّر قلبه بالتقیٰ وأیدهُ الیٰ صراط مستقیم۔ لیت أنَّ فِی جُندی مأةٍ مثلك فقال حُجر اِذاً والله یاأمیر المومنین صحّ جُندك وقلَّ من یَغشّیك

خدا اس کے قلب کو نورانی بنادے اور اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما کاش میری فوج میں تمہاری طرح کے سو افراد ہوتے۔ حُجر نے کہا: اگر ایسا ہوتا، تو آپ کی فوج اصلاح کو قبول کرتی اور متقلّب (بدلنے والے) افراد اس میں بہت کم ہوتے۔

امامؑ کا آخری فیصلہ

امامؑ اپنے موافقوں اور مخالفوں کی گفتگوؤں کو سننے کے بعد اس آیت وشاورھم فی الاٗمر فاذا عزمت فتوکل علی اللہِ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچے کہ خود کوئی قطعی فیصلہ کریں۔ لہٰذا ہر کام سے پہلے یہ حکم دیا کہ جتنے بھی ذخیرے یا اضافی مال حاکموں کے پاس ہیں انہیں ایک جگہ جمع کیا جائے تاکہ فوج کو شام روانہ کرتے وقت ان کے اخراجات مہیا ہوسکیں۔

جہاد اسلامی کے تین اہم رکن

جنگ اور قرآن کے مطابق جہاد یا قتال کے لئے بہت سے مقدمات (چیزوں) کی ضرورت ہوتی ہے جن میں سب سے اہم تین چیزیں ہیں۔

۱۔ بہترین وطاقتور اور بہادر جانباز وسپاہی۔ ۲۔ لائق اور عمدہ سپہ سالار۔

۳۔ اخراجات کا کافی مقدار میں ہونا۔

مختلف طرح سے آزمانے اور لوگوں کی طرف سے مستقل دعوت ناموں اور بہت زیادہ گروہوں مثلاً عراق کے بہت سے قبیلوں کا امامؑ کی آواز پر لبیک کہنے نے ان تینوں اہم رکنوں میں سے پہلے رکن کو تو پورا کردیا، اس بارے میں امامؑ کے

لئے کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن ان کو اپنے ارادے پر باقی رکھنے کے لئے عظیم شخصیتوں مثلاً خود آپ کے بیٹوں امام حسن مجتبیٰ وحضرت حسین علیہما السلام اور ان کے باوفا اصحاب اسی طرح عمار یاسر وغیرہ نے مختلف موقعوں پر تقریریں کیں اور دوسرے رکن کی انجام دہی کے لئے امامؑ نے محترم اور عظیم شخصیتوں کے پاس خط لکھا اور ان لوگوں کو جنگ میں شریک ہونے کے لئے دعوت دی، ان افراد کے وجود نے علاوہ اس کے کہ امامؑ کے لشکر کو معنویت اور جذبہ عطا کیا اور خود جہاد کو با حیثیت اور معنویت سے پُر کر دیا لشکر کی طاقت میں بھی اضافہ کر دیا، یہاں پر ہم صرف امامؑ کے اس خط کا ترجمہ پیش کرنے پر اکتفا کریں گے جو آپ نے اصفہان کے حاکم مخنف بن سلیم کے نام لکھا، خط کا مضمون یہ ہے:

تجھ پر سلام: اس خدا کی حمد وثناء جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے امابعد، اس شخص سے جنگ کرنا عارفوں پر لازم ہے جس نے حق سے منہ موڑ رکھا ہے اور خواب غفلت کی وجہ سے اس کے دل اندھے اور گمراہی کے دلدل میں پھنس گئے ہیں۔

جو لوگ خداوند عالم کی مرضی پر راضی ہیں خدا ان سے راضی ہے اور جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں خدا ان پر غضبناک ہوتا ہے، ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اس گروہ کی طرف جائیں جو بندگان خدا کے بارے میں جس چیز کا خداوند عالم نے حکم دیا ہے اس کے خلاف عمل کرتا ہے اور بیت المال کو اپنا مال سمجھ بیٹھا ہے اور حق کو پامال کر کے باطل کو ظاہر کر دیا ہے اور خدا کی اطاعت نہ کرنے والوں کو اپنا راز دار بنالیا ہے اگر خدا کا کوئی ولی ومطیع ان بدعتوں کو بزرگ شمار کرتا ہے تو وہ لوگ اسے اپنا دشمن تصور کرتے ہیں اسے اس کے گھر اور علاقے سے باہر نکال دیتے ہیں اور اُسے بیت المال سے محروم کر دیتے ہیں اور اگر کوئی ظالم ان کے ظلم میں شریک ہوتا ہے تو وہ اسے اپنا دوست سمجھتے ہیں اور اُسے اپنا قریبی تصور کرتے ہیں اور اس کی دلجوئی کرتے ہیں، ان لوگوں نے بہت زیادہ ظلم وستم کیئے ہیں اور (شریعت کی) مخالفت کا ارادہ کرلیا ہے بلکہ بہت دنوں سے اس کام کو انجام دے رہے ہیں تا کہ لوگوں کو حق سے دور کر دیں اور ظلم وستم اور گناہوں کے پھیلانے میں ان کی مدد کریں۔

جس وقت میرا خط تمہارے پاس پہنچے تم اپنے کاموں کو کسی مورد اعتماد شخص کے حوالے کرنا اور جلدی سے ہمارے پاس آنے کی کوشش کرنا شاید ان مکار اور دھوکے باز دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا پڑے ہم جہاد کے ثواب میں تم سے بے نیاز نہیں ہیں۔[1]

جس وقت امامؑ کے منشی عبداللہ بن ابی رافع کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط اصفہان کے حاکم کے پاس پہنچا فوراً ہی اس نے اپنے دو قریبی ساتھیوں کو بلایا اور اصفہان کے تمام امور کو حارث بن ابی الحارث اور ھمدان کے تمام امور کو جو اس زمانے میں سیاسی اعتبار سے اصفہان کے زیر نظر تھا، سعید بن وہب کے سپرد کیا، اور امام کی خدمت کے لئے چل پڑا اور اسی طرح سے کہ جیسا کہ امام نے کہا تھا (کہ ہم جہاد کے اجر وثواب میں تم سے بے نیاز نہیں ہیں) جنگ کے دوران شہادت پر فائز ہو گیا[2]

[1] واقعہ صفین ص ۱۰۶-۱۰٤۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۸۳-۱۸۲

[2] واقعہ صفین ص ۱۰۶-۱۰٤۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۸۳-۱۸۲

یہی تنہا حاکم نہیں تھا جسے امامؑ نے جنگ کے لئے بلا یا تھا بلکہ اسی سلسلے میں ذیقعدہ ۳۷ھ میں ابن عباس کو خط لکھا کہ باقی بیت المال کو میرے حوالے کردو لیکن جو لوگ تمہارے اطراف میں ہیں پہلے ان کی ضرورتوں کو پورا کرو اور بقیہ تمام مال کو کوفہ بھیج دو البتہ جنگ کے شرائط کو دیکھتے ہوئے صرف کوفہ کا بیت المال امامؑ کے لئے کافی نہ تھا جس کی وجہ سے دوسرے شہروں سے بھی مدد حاصل کی ہے [۱]

سپاہیوں کو حوصلہ عطا کرنا

امامؑ کے پاس سپاہیوں کی کمی نہ تھی، سرزمین اسلام کے بہت سے حصے آپ کے اختیار میں تھے لیکن، نفوذی عوامل، بزدل افراد، مایوسی اور بے یقینی کی وجہ سے راہ حق سے دور ہو رہے تھے، اسی وجہ سے امامؑ اور آپ کے بیٹے امام مجتبیٰ علیہ السلام، دوسرے بیٹے امام حسین علیہ السلام فوجی چھاونی نخلیہ سے چلتے وقت تک لوگوں کے درمیان تقریریں کرتے رہے اور ان کے دلوں کو محکم و مطمئن کرتے رہے، تاریخ نے ان تقریروں اور خطبوں کی عبارتوں کو اپنے دامن میں محفوظ کر رکھا ہے [۲]

اور کبھی عظیم شخصیتیں اور شہادت کے متمنی افراد مثلاً ہاشم بن عتبہ بن وقاص، سعد وقاص کے بھتیجے نے لوگوں کے مجمع میں تقریر کی اور بہت زیادہ اصرار کیا کہ جلد سے جلد ان لوگوں سے جنگ شروع کریں جن لوگوں نے خدا کی کتاب کی مخالفت کی ہے اور خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا ہے، اس نے اتنا زیادہ جوش وخروش اور دلسوز انداز میں گفتگو کی کہ امامؑ نے اس کے حق میں دعا کی اور فرمایا:

اللھمّ ارزقه الشھادة فی سبیلك والمرافقة لنبیّك صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [۳]۔

یعنی پروردگارا: اسے اپنی راہ میں شہادت کے درجے پر فائز کرا اور اسے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم نشین قرار دے۔
ہاشم صفین میں امامؑ کے لشکر کا علمبردار تھا اور جنگ کے آخری دنوں میں جام شہادت نوش کیا۔

راہ کے انتخاب میں آزادی

عبداللہ بن مسعود [۴] کے ماننے والوں کا ایک گروہ امامؑ کے پاس پہنچا اور کہا: ہم لوگ آپ کے ساتھ چلیں گے اور آپ لوگوں سے دور اپنا پڑاؤ ڈالیں گے تا کہ آپ کے اور آپ کے مخالفوں کے کام پر نظر رکھیں، جس وقت ہم دیکھیں گے کہ

---

[۱] واقعہ صفین ص ۱۰۶۔۱۰۴۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۸۳۔۱۸۲

[۲] واقعہ صفین ص ۱۱۵۔۱۱۲

[۳] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۸۴

[۴] عبداللہ بن مسعود حافظ قرآن اور صدر اسلام کے مسلمانوں میں سے ہے اور عثمان سے اس کی مخالفت کی روداد بہت طویل ہے ۳۲ ہجری میں مدینے میں انتقال ہوا، جنگ صفین کی آمادگی ۳۷ ہجری کے آخر میں ہوئی جس میں اس کا کوئی وجود نہ تھا بلکہ کچھ گروہ جن لوگوں نے اس سے قرآن و احکام سیکھا تھا وہ لوگ باقی تھے۔ طبقات ابن سعد ج ۳، ص ۱۶۰ (مطبوعہ بیروت)۔

ایک گروہ غیر شرعی کام کر رہا ہے یا تجاوز کر رہا ہے تو اس کے خلاف جنگ کریں گے۔

امامؑ کی پوری حیات اور حکومت میں ایسی کوئی بات نہ تھی جو ان کے لئے شک وتردید کا سبب بنتی لیکن دشمن کے بہکاوے نے ان کے دلوں میں وسوسے ڈال رکھے تھے اور صالحین کو ابوسفیان سے جنگ کرنے کے سلسلے میں مردّد کر رکھا تھا، اسی وجہ سے امامؑ نے ان لوگوں سے فرمایا:

مرحباً وأهلاً، هٰذا هو الفقه في الدين والعلم بالسنة من لم يرض بهذا فهو جائر خائن [۱]

مبارک ہو تمہیں یہ کلام وہی دین فہمی اور حقیقت سے آشنائی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے آگاہی ہے جو شخص بھی اس کام پر راضی نہ ہو وہ ستم گر اور خائن ہے۔

عبداللہ بن مسعود کے دوستوں کا دوسرا گروہ بھی امام کے پاس آیا اور اس نے کہا: ہم آپ کی تمام فضیلتوں کا اعتراف کرتے ہیں لیکن اس جنگ کے شرعی ہونے کے سلسلے میں شک وتردید کر رہے ہیں، اگر بنا ہے کہ ہم لوگ بھی دشمن کے ساتھ جنگ کریں تو ہم لوگوں کو کسی دور مقام پر بھیج دیں تا کہ وہاں سے دین کے دشمنوں سے جہاد کریں۔ امامؑ یہ سن کر ناراض نہ ہوئے بلکہ ربیع بن خثیم کی سرپرستی میں ان میں سے چار سو آدمیوں پر مشتمل ایک لشکر ری کی طرف روانہ کر دیا تا کہ وہاں اپنا وظیفہ انجام دیں اور اسلامی جہاد جو خراسان کے اطراف میں رونما ہوا ہے اس میں مدد کریں۔ [۲]

جب یہ گروہ جنگ میں شرکت کرنے کی طرف مائل نہ ہوا تو امامؑ نے میں قبیلہ باہلہ کے لوگوں کو بھی جن کے امام سے روابط اچھے نہیں تھے اس جنگ میں شرکت کرنے سے منع کر دیا اور جو ان کا وظیفہ تھا انہیں دے دیا اور حکم دیا کہ دیلم کی طرف چلے جائیں اور وہاں اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر خدمت کریں [۳]

امامؑ کی فوج کے عظیم سپہ سالار

امامؑ کے لشکر کے اکثر سپاہی کوفہ وبصرہ اور ان دونوں شہروں کے اطراف میں رہنے والے یمن کے قبیلے تھے۔

امامؑ ان پانچ قبیلے والوں کو جو ابن عباس کے ہمراہ بصرہ سے نخلیہ (کوفہ کی فوجی چھاؤنی) آئے تھے، ان کے لئے پانچ عظیم سپہ سالار معین کئے:

۱۔ قبیلہ بکر بن وائل کے لئے خالد بن معمر سدوس

۲۔ قبیلہ عبدالقیس کے لئے عمرو بن مرجوم عبدی

---

[۱] واقعہ صفین ص، ۱۱۵۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۸۶۔

[۲] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۸۶۔

[۳] واقعہ صفین ص ۱۱۶

۳۔قبیلہ ازد کے لئے صبرۃ بن شیمان ازدی

٤۔تمیم وضّبہ ورباب کے لئے احنف بن قیس

٥۔اہل عالیہ کے لئے شریک بن اعور

یہ تمام سپہ سالار ابن عباس کے ہمراہ بصرہ سے کوفہ آئے اور انہوں نے ابوالاسود دوئلی کو اپنا جانشین قرار دیا۔اور خودسفر میں امامؑ کے ہمراہ رہے [1]

اسی طرح امامؑ نے کوفہ کے سات قبیلوں پر،جن کی شرکت سے کوفہ کی فوجی چھاؤنی چھلک رہی تھی سات سپہ سالار معین فرمائے،جن کے نام تاریخ نے اپنے دامن میں محفوظ کر رکھا ہے۔[2]

پہلا فوجی دستہ

تمام سپہ سالاروں کا تعیّن اپنے اختتام کو پہنچا،امامؑ نے عقبہ بن عمرو انصاری کو اپنا جانشین معین فرمایا جو سابق الاسلام تھے اور پیغمبر کے ہاتھوں پر عقبہ میں بیعت کی تھی۔آپ نے حکم دیا کہ جنگ کے لئے آمادہ ہوجائیں۔جس وقت کوفہ کی فوجی چھاؤنی سپاہیوں سے چھلک رہی تھی ایک گروہ جو عثمان کی حکومت کے زمانے میں صرف حکومت کوفہ پر اعتراض کرنے کی وجہ سے جلاوطن کیا گیا تھا چاروں طرف سے آ گیا اور یہ نعرہ لگایا قد آن للذین اُخرجوا من دیارھم وہ وقت آ پہنچا ہے کہ جولوگ اپنے گھروں سے دور کر دیئے گئے تھے وہ دشمن کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہوجائیں [3]

شروع میں امامؑ نے بارہ ہزار افراد پر مشتمل دو طاقتور فوج کو شام کی طرف روانہ کیا اور آٹھ ہزار افراد پر مشتمل فوج کی ذمہ داری زیاد کو سونپی اور دوسری فوج جو چار ہزار جانبازوں پر مشتمل تھی اس کی ذمہ داری ہانی کے سپرد کی اور دونوں کو حکم دیا کہ پورے اتحاد و اتفاق کے ساتھ شام کی طرف سفر کریں اور جہاں پر دشمن کا سامنا ہو وہیں پڑاؤ ڈال دیں [4]۔

---

[1] واقعہ صفین ص ۱۱۷۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۹٤

[2] واقعہ صفین ص ۱۲۱۔مروج الذھب (ج ۲،ص ۳۸٤) میں ابومسعود عقبہ بن عامر کا ذکر ہوا ہے۔

[3] واقعہ صفین ص ۱۲۱

[4] کامل ابن اثیر ص ۱۱٤،تاریخ طبری ۳ جزء ٤ ص ۲۳۷

پندرہویں فصل

حضرت علی علیہ السلام کی میدان صفین کی طرف روانگی

کوفہ کی فوجی چھاؤنی مجاہدوں سے چھلک رہی تھی اور سب ہی اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے امامؑ کے ہمراہ چلنے کے لئے آپ کے حکم کے منتظر تھے۔ بالآخر امامؑ ۵ شوال ۳۶ ہجری بروز بدھ، چھاؤنی میں تشریف لائے اور سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اس خدا کی حمد وثنا جب بھی رات آتی ہے تو پورے جہان میں تاریکی چھا جاتی ہے، اس خدا کی حمد وثنا جس وقت ستارہ نکلے یا پوشیدہ ہو جائے اس خدا کی حمد وثناء کہ جس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں اور اس کی عطا کے مقابلے میں کوئی اجر وثواب اس کے برابر نہیں ہے۔

ہاں اے لوگو، ہم نے اپنی فوج کے کچھ لوگوں کو پہلے روانہ کر دیا ہے [۱] اور انہیں حکم دیا ہے کہ فرات کے کنارے اپنا پڑاؤ ڈالیں اور میرے حکم کے منتظر رہیں، اب وہ وقت آ پہنچا ہے کہ ہم دریا کو پار کریں اور ان مسلمانوں کی طرف روانہ ہوں جو دجلہ کے اطراف میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان لوگوں کو تم لوگوں کے ساتھ دشمن کی طرف روانہ کریں تا کہ تمہارے مددگار رہیں۔ [۲]

عقبہ بن خالد [۳] کو کوفہ کا حاکم بنایا ہے خود کو اور تم کو میں نے رہا نہیں کیا ہے (یعنی اپنے اور تمہارے درمیان میں نے کوئی فرق نہیں رکھا ہے) ایسا نہ ہو کہ کوئی جانے سے رہ جائے، میں نے مالک بن حبیب یربوعی کو حکم دیا ہے کہ مخالفت کرنے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں کو رہا نہ کرے مگر یہ کہ تمام لوگوں کو تمہارے ہمراہ کر دے۔ [۴]

اس وقت معقل بن قیس ریاحی، جو کہ بہت ہی بہترین اور غیور شخص تھا اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا:

---

[۱] امام علیہ السلام نے ۱۲ ہزار سپاہیوں کو زیاد بن نضر و شریح کی سپہ سالاری میں پہلے ہی روانہ کر دیا تھا۔

[۲] نہج البلاغہ خطبہ ٤٨، واقعہ صفین ص ۱۳۱ (تھوڑے فرق کے ساتھ) امام علیہ السلام نے اس خطبہ کو کوفہ کی فوجی چھاؤنی، کوفہ شہر کے باہر ۲۵، شوال ۳۷ ہجری کو بیان کیا تھا۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۰۱۔

[۳] عقبہ بن عامر، مروج الذہب ج ۲ ص ۳۸٤

[۴] واقعہ صفین ص ۱۳۲

خدا کی قسم! کوئی بھی خلاف ورزی نہیں کرے گا مگر جو شک کی حالت میں ہو اور کوئی بھی مکر نہیں کرے گا مگر منافق، بہتر ہوتا آپ مالک بن حبیب یر بوعی کو حکم دیتے کہ مخالفت کرنے والے کو قتل کر ڈالے۔

امامؑ نے اس کے جواب میں کہا: جو ضروری حکم تھا وہ میں نے اسے دیدیا ہے اور وہ انشاء اللہ میرے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرے گا، اس وقت دوسرے لوگوں نے بھی چاہا کہ گفتگو کریں لیکن امامؑ نے اجازت نہیں دی اور اپنا گھوڑا طلب کیا اور جب آپ نے اپنا قدم رکاب پر رکھا تو اس وقت کہا بسم اللہ اور جب زین پر بیٹھے تو کہا

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ۝۱۳ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۝۱۴

تاکہ ان کی پشت پر سکون سے بیٹھ سکو اور پھر جب سکون سے بیٹھ جاؤ تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو اور کہو کہ پاک و بے نیاز ہے وہ خدا جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے ورنہ ہم اس کو قابو میں لا سکنے والے نہیں تھے۔ اور بہرحال ہم اپنے پروردگار ہی کی بارگاہ میں پلٹ کر جانے والے ہیں [1]

پھر آپ نے فرمایا: اے خدا، میں سفر کی پریشانیوں اور زحمتوں اور واپسی کے غم و اندوہ کے ساتھ چلنے اور اہل وعیال و مال پر بری نظر رکھنے والوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں، خدایا! تو سفر میں ہمارے ہمراہ اور اہل وعیال کے لئے نگہبان ہے اور یہ دونوں چیزیں تیرے علاوہ کسی کے اندر جمع نہیں ہوسکتیں، کیونکہ جو شخص جانشین ہوگا وہ ساتھ میں نہیں ہوسکتا اور جو شخص ساتھ میں ہوگا وہ جانشین نہیں ہوسکتا۔

پھر آپ نے اپنی سواری کو بڑھایا جب کہ حر بن سہم ربعی آپ کے آگے آگے چل رہا تھا اور رجز پڑھ رہا تھا اس وقت کوفہ میں رہنے والوں کے سردار مالک بن حبیب نے امامؑ کے گھوڑے کی لگام پکڑی اور بہت ہی غمگین انداز سے کہا: اے میرے آقا! کیا یہ مناسب ہے کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے جائیں اور ان لوگوں کو جہاد کے ثواب سے مالا مال کریں اور مجھے مخالفوں کو جمع کرنے کے لئے چھوڑ جائیں؟ امامؑ نے فرمایا: یہ لوگ جتنا بھی ثواب حاصل کریں گے تم ان کے ساتھ ثواب میں شریک ہوگے اور تمہارا یہاں رہنا ہمارے ساتھ رہنے سے زیادہ ضروری ہے ابن حبیب نے کہا:

سمعاً و طاعة یا امیر المومنین [2]

آپ کا جیسا حکم ہو میں تہ دل سے قبول کروں گا۔

امامؑ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ کوفہ سے روانہ ہوئے اور جب کوفہ کے پل سے گزرے تو لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: اے لوگو تم میں سے جو لوگ رخصت کرنے آئے ہیں یا ان کا قیام یہیں پر ہے وہ یہاں پر پوری نماز پڑھیں گے، لیکن ہم لوگ

[1] سورہ زخرف، آیت ۱۳

[2] واقعہ صفین ص ۱۳۲-۱۳۴

مسافر ہیں اور جو بھی ہمارے ساتھ سفر پر ہے وہ واجب روزہ نہ رکھے اور اس کی نماز قصر ہے پھر آپ نے ظہر دو رکعت پڑھی اور پھر اپنے سفر کو جاری رکھا اور جب آپ ابو موسیٰ کے گھر کے پاس پہنچے جو کوفہ سے دو فرسخ کی دوری پر واقع ہے تو وہاں آپ نے دو رکعت نماز عصر پڑھی اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

کتنی بابرکت ہے خدا کی ذات جو صاحب نعمت و بخشش ہے کتنا پاکیزہ و منزہ ہے خدا جو صاحب قدرت و کرم ہے خدا سے میری یہی دعا ہے کہ مجھے اپنی قضاء قدر پر راضی، اپنی اطاعت و فرمانبرداری پر کامیاب، اپنے حکم پر متوجہ کرے کہ وہ دعاؤں کا سننے والا ہے۔[1]

پھر آپ اپنے سفر پر روانہ ہوئے اور ثرس نامی جگہ پر جو فرات سے نکلی ایک بڑی نہر کے کنارے واقع ہے اور یہ جو فرات سے نکلتی ہے اترے اور نماز مغرب ادا کی اس کے بعد خدا کی اس طرح سے تعریف کی:

تمام تعریفیں اس خدا سے مخصوص ہیں جو رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل کرتا ہے اس خدا کا شکر کہ جس وقت رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے، تعریف اس خدا کی جب کہ ستارے نکل آتے ہیں یا ڈوب جاتے ہیں[2]

آپ نے شب وہیں بسر کی اور نماز صبح پڑھنے کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے جس وقت آپ قبہ قبین نامی جگہ پر پہنچے تو آپ کی نگاہیں لمبے لمبے کھجور کے درختوں پر پڑیں جو نہر کے کنارے لگے تھے اس وقت آپ نے قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت فرمائی وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ[3]

اور لمبی لمبی کھجوریں جس کا بور باہم گتھا ہوا ہے اپنے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ہی آپ نے نہر کو پار کیا اور یہودیوں کی عبادت گاہ کے پاس آپ نے آرام فرمایا[4]۔

سرزمین کربلا سے عبور

امامؑ جب کوفہ سے صفین کے لئے روانہ ہوئے تو سرزمین کربلا سے بھی گزرے ہرثمہ بن سلیم کہتا ہے:

امامؑ کربلا کی سرزمین پر اترے اور وہاں ہمارے ساتھ نماز پڑھی، جس وقت آپ نے نماز تمام کی اس وقت تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور اسے سونگھا اور کہا (اے خاک کربلا کتنی خوش نصیب ہے کہ تیرے ساتھ کچھ لوگ محشور ہوں گے اور بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے)، پھر آپ نے اپنے ہاتھوں سے کچھ مقامات کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہاں اور وہاں، سعید بن وہب کہتے ہیں: میں نے امامؑ سے آپ کی اس سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک عظیم خاندان اس سرزمین پر وارد

---

[1] واقعہ صفین ص ۱۳۱-۱۳۲

[2] واقعہ صفین ص ۱۳۱-۱۳۲

[3] سورہ ق آیت ۱۰

[4] واقعہ صفین ص ۱۳۵

ہوگا،تم ہی میں سے ان لوگوں پر لعنت ہو،ان لوگوں میں سے تم لوگوں پر لعنت ہو، میں نے کہا: آپ کے کہنے کا کیا مقصد ہے؟ امام نے کہاتم لوگوں میں سے ان لوگوں پر لعنت جوان لوگوں کوقتل کریں،لعنت ہوتم لوگوں میں سے ان پر کہ ان کوقتل کرنے کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔[1]

حسن بن کثیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ امامؑ کربلا کی سرزمین پر کھڑے ہوئے اور کہا: ذات کربٍ وبلاءٍ (یہ غم اور بلا کی زمین ہے)اس وقت آپ نے اپنے ہاتھوں سے ایک خاص جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، یہ ان لوگوں کے قیام کی جگہ اوران کی سواریوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے پھرایک اور مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اس جگہ پر وہ لوگ قتل کئے جائیں گے۔ پہلا راوی، ہرثمہ کہتا ہے کہ جنگ صفین کا معرکہ ختم ہوااور میں اپنے گھر واپس آ گیا اور اپنی بیوی سے جو کہ امام کی چاہنے والی تھی ان تمام باتوں کا ذکر کیا جوامام نے کربلا کی سرزمین پر بیان کیا تھااور میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ کس طرح سے امام غیب کی باتوں کو جانتے ہیں؟ میری بیوی نے کہا مجھے چھوڑ دو، کیونکہ امام،حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتے، وقت گذرتا گیا عبیداللہ بن زیاد ایک عظیم لشکر لے کر حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوااور میں بھی اسی لشکر میں تھا جس وقت ہم کربلا کی سرزمین پر پہنچے اس وقت ہمیں امام کی باتیں یاد آئیں اس بات سے میں بہت زیادہ غمگین ہوا میں فوراً تیزی کے ساتھ حسین (علیہ السلام) کے خیمے کی طرف بڑھا اوران کی خدمت میں پہنچ کر پورا واقعہ بیان کیا،حسین (علیہ السلام) نے فرمایا: اچھاتم یہ بتاؤ کہ میرے ساتھ ہو یا میرے مخالف ہو؟ میں نے کہا کسی کے ساتھ نہیں ہوں، میں نے اپنے اہل وعیال کو کوفہ چھوڑ دیا ہے اورابن زیاد سے ڈرتا ہوں۔آپ نے فرمایا: جتنی جلدی ہو اس سرزمین کو چھوڑ کر چلے جاؤ،اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے جو شخص بھی آواز استغاثہ سنے گا اور میری مدد کو نہیں پہنچے گا خداوندعالم اسے جہنم کی آگ میں ڈال دے گا اس وجہ سے میں فوراً کربلا کی سرزمین سے روانہ ہوگیا تاکہ ان کی شہادت کا دن نہ دیکھ سکوں۔[2]

امامؑ ساباط اور مدائن میں

امامؑ کربلا کے قیام کے بعد ساباط کے لئے روانہ ہوئے اور شہر بہرسیر پہنچے وہاں کسریٰ کے کچھ آثار باقی نہ تھے اس وقت آپ کے چاہنے والوں میں سے،حر بن سہم[3] نے ابویعفر کا یہ شعر تمثل کے طور پر پڑھا:

جَرَتِ الریاحُ علیٰ مکانِ دیارِھم
فکانّما کانوا اعلیٰ میعادٍ

[1] واقعہ صفین ص۱۴۲۔۱۴۰،شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۳ ص۱۷۰۔۱۶۹
[2] واقعہ صفین ص۱۴۱۔۱۴۰،شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۳ ص۱۶۹
[3] بعض جگہوں پر حریز لکھا ہے،حاشیہ واقعہ صفین ص۱۴۲

خزاں کی ہوائیں اس زمین پر چلیں جیسے وہ اپنے وعدہ کی جگہ پہنچ گئے ہیں۔

امامؑ نے فرمایا: تم نے کیوں اس آیت کی تلاوت نہیں کی؟

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝٢٥ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝٢٦ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝٢٧ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝٢٨ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝٢٩ [1]

وہ لوگ (خدا جانے) کتنے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور نفیس مکانات اور آرام کی چیزیں جس میں وہ عیش و چین کیا کرتے تھے چھوڑ گئے یوں ہی ہوا، اور ان تمام چیزوں کا دوسرے لوگوں کو مالک بنا دیا تو ان لوگوں پر آسمان و زمین کو بھی رونا نہ آیا اور نہ انہیں مہلت ہی دی گئی

اس وقت امامؑ نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی ان کے وارث تھے لیکن وہ لوگ ختم ہو گئے اور پھر دوسرے لوگ اس کے وارث ہو گئے یہ گروہ بھی اگر اس نعمت پر خدا کا شکر بجا نہ لائے تو یہ نعمت الٰہی ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان سے سلب ہو جائے گی لہٰذا کفران نعمت سے بچو تا کہ بدبختی میں گرفتار نہ ہو پھر آپ نے حکم دیا کہ تمام سپاہی اس بلندی سے نیچے اتریں، جس جگہ امامؑ نے قیام کیا تھا وہ مدائن سے بہت قریب تھی، امامؑ نے حکم دیا کہ حارث اعور شہر میں یہ اعلان کرے کہ جو شخص بھی جنگ کرنے کی صلاحیت وقدرت رکھتا ہے وہ نماز عصر تک امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ جائے، نماز عصر کا وقت ہوا اور طاقتور افراد امام کی خدمت میں حاضر ہوئے امام نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا:

میں جہاد میں شرکت سے مخالفت کرنے اور اپنے علاقے کے لوگوں سے جدا ہونے اور ظالم و جابر لوگوں کی زمین پر زندگی بسر کرنے پر بہت حیرت میں ہوں نہ تم لوگ اچھے کام کا حکم دیتے ہو اور نہ لوگوں کو برائیوں سے روکتے ہو [2]

مدائن کے کسانوں نے کہا: ہم لوگ آپ کے حکم کے مطابق عمل کریں گے جو مناسب ہو آپ حکم دیں، امامؑ نے عدی بن حاتم کو حکم دیا کہ وہاں قیام کرے اور ان لوگوں کو لے کر صفین کی طرف روانہ ہو، عدی نے وہاں تین دن قیام کیا پھر مدائن کے تین سو لوگوں کے ساتھ صفین کی طرف روانہ ہوا اور اپنے بیٹے یزید کو حکم دیا کہ تم یہاں ٹھہر جاؤ اور دوسرے گروہ کے ساتھ امام کے لشکر میں شامل ہونا، وہ چار سو آدمیوں کے ساتھ امام کے لشکر میں شامل ہو گیا [3]۔

انبار کے کسانوں نے امامؑ کا استقبال کیا

امامؑ مدائن سے انبار کی طرف روانہ ہوئے، انبار کے لوگوں کو امامؑ کے سفر اور اس راستے سے گزرنے کے بارے

---

[1] سورۂ دخان آیت ۲۵۔۲۹

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۰۳۔۲۰۲، واقعہ صفین ص ۱۴۲

[3] واقعہ صفین ص ۱۴۲۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۰۳

میں معلوم ہوالہٰذا یہ لوگ امام کے استقبال کے لئے بڑھے، امام علیہ السلام اور ان لوگوں کے درمیان بہت سی باتیں ہوئیں۔ جب یہ لوگ امام کے سامنے پہنچے تو اپنے اپنے گھوڑوں سے اترے اور آپ کے سامنے اچھلنے کودنے لگے۔

امامؑ نے فرمایا: یہ کیا کر رہے ہو اور ان جانوروں کو کیوں لائے ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا: (ایرانی بادشاہوں کے زمانے سے) حکمرانوں کی تعظیم وتکریم کے اظہار کا طریقہ ہمارے ہاں یہی ہے اور یہ جانور ہم لوگوں کی طرف سے آپ کے لئے ہدیہ ہیں ہم لوگوں نے آپ اور آپ کے سپاہیوں کے لئے کھانا اور سواریوں اور جانوروں کے لئے چارے کا بھی انتظام کیا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: اپنے بزرگوں کی تعظیم کے لیے جو عمل انجام دیتے ہو خدا کی قسم! اس سے ان لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچتا اس سے اپنے کو زحمت ومشقت میں ڈالتے ہو، دوبارہ یہ کام انجام نہ دینا جو جانور تم لوگ اپنے ساتھ لائے ہو اگر تم لوگ راضی ہو تو اس شرط پر قبول کروں گا کہ اس کی قیمت خراج میں محسوب ہو اور جو کھانے پینے کی چیزیں ہمارے لئے لائے ہو اسے ایک شرط پر قبول کروں گا کہ اس کی قیمت ادا کروں۔

انبار کے لوگوں نے کہا: آپ قبول کرلیں ہم اس کی قیمت معلوم کریں گے پھر آپ سے لے لیں گے۔

امامؑ نے فرمایا: ایسی صورت میں تم لوگ اصل قیمت سے کم لوگے۔

انبار کے لوگوں نے کہا: اے میرے امام، عربوں کے درمیان ہمارے دوست واحباب ہیں کیا آپ ہم لوگوں کو ان کو ہدیہ وتحفہ دینے اور ان لوگوں سے ہدیہ وتحفہ قبول کرنے سے منع کر رہے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: تمام عرب تم لوگوں کے دوست ہیں لیکن ہر آدمی شائستہ نہیں ہے کہ تمہارے قیمتی وسنگین تحفے کو قبول کرے اور اگر کوئی تم لوگوں سے دشمنی کرے تو مجھے اس سے آگاہ کرو۔

انبار کے لوگوں نے کہا: اے میرے آقا! ہمارے ہدیہ کو قبول فرمایئے ہم لوگوں کی خواہش وآرزو ہے کہ ہمارے ہدیہ کو قبول کرلیجیئے۔

امامؑ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے ہم تم سے زیادہ بے نیاز ہیں، اتنا کہنے کے بعد امامؑ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے اور ان لوگوں کو عدالت الٰہیہ کا درس دیا جو بہت زیادہ عرصہ سے عجم کے بادشاہوں کے ظلم وستم کا شکار تھے اور اس کے حاکموں کے ظلم وستم کو برداشت کر رہے تھے [1]

امامؑ جب سفر کرتے کرتے الجزائر پہنچے تو تغلِب اور نمر کے قبیلے والوں نے امامؑ کا شاندار استقبال کیا۔

امامؑ نے اپنے تمام سپہ سالاروں میں سے صرف یزید قیس کو اجازت دیا کہ ان لوگوں کی لائی ہوئی غذا کو کھائے،

---

[1] نہج البلاغہ باب الحکم، نمبر ۱۳۶۔ واقعہ صفین ص ۱۴۴۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۰۳

کیونکہ وہ اسی قبیلے کا رہنے والا تھا۔

پھر امامؑ کا قافلہ رقّہ پہنچا اور فرات کے کنارے قیام کیا وہاں ایک راہب گوپھا گھر میں رہتا تھا جب اسے امامؑ کے آمد کی خبر ملی تو وہ آپ کی خدمت میں آیا اور کہا: مجھے اپنے آباؤ اجداد سے ایک صحیفہ وراثت میں ملا ہے جسے جناب عیسیٰ کے اصحاب نے لکھا ہے اور میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں تاکہ آپ کے سامنے اُسے پڑھوں، پھر اس نے اس صحیفے کو پڑھا (جس کی عبارت یہ تھی)

شروع کرتا ہوں خدا کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے،

وہ خدا جس نے گذشتہ زمانے کے تمام حالات کو معین کر رکھا ہے اور لکھا ہے کہ ہم نے امیوں میں سے ایک کو اپنی پیغمبری کے لئے چنا ہے جو ان لوگوں کو قرآن وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے اور لوگوں کے درمیان صدائے توحید بلند کرتا ہے اور برے کو برائی سے سزا نہیں دیتا بلکہ معاف کر دیتا ہے اس کے ماننے والے خدا کے مخلص اور فرماں بردار بندے ہیں جو عظیم منصبوں پر فائز ہونے اور زندگی کے نشیب وفراز پر بھی خدا کا شکر ادا کرتے ہیں، ہر وقت ان کی زبانوں پر تسبیح وتہلیل کی آواز رہتی ہے، خدا اسے دشمنوں پر کامیابی عطا کرتا ہے جس وقت خدا اسے (پیغمبر) اپنے پاس بلالے گا تو ان کی امت دو گروہوں میں تقسیم ہوجائے گی لیکن دوبارہ پھر متحد ہوجائے گی اور کچھ دنوں تک اسی حالت پر باقی رہے گی لیکن پھر دو گروہوں میں تقسیم ہوجائے گی، اس کی امت سے ایک شخص اس فرات کے کنارے سے گزرے گا وہ ایسا شخص ہے جو نیکیوں اور اچھائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے صحیح فیصلہ کرتا ہے اور فیصلہ کرتے وقت رشوت اور اجرت نہیں لیتا، دنیا اس کی نگاہوں میں اس گرد وغبار سے بھی بدتر ہے جسے تیز ہوا کے جھونکے اڑاتے ہیں اور موت اس کی نگاہوں میں پیاسے انسان کی پیاس بجھنے سے بھی زیادہ محبوب ہے تنہائی میں وہ خدا سے ڈرتا ہے اور ظاہری طور پر خدا کا مخلص ہوتا ہے خدا کا حکم جاری کرنے میں برا کہنے والوں کی سرزنش سے نہیں ڈرتا، جو شخص بھی اس علاقہ کا اس پیغمبر سے ملاقات کرے اس پر ایمان لائے اس کی جزا میری مرضی اور بہشت ہے اور جو شخص بھی خدا کے اس صالح بندے کو پالے اور اس کی مدد کرے اور اس کی راہ میں قتل کیا جائے تو اس کی راہ میں قتل ہونے والا شہید ہے۔۔۔۔

جب راہب اس صحیفے کو پڑھ چکا تو کہا، میں آپ کی خدمت میں ہوں اور کبھی بھی آپ سے دور نہیں ہوؤنگا تاکہ جو چیز آپ تک پہنچے وہ مجھ تک بھی پہنچے امامؑ یہ حالت دیکھ کر رونے لگے اور فرمایا: خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے بھولنے والوں میں قرار نہیں دیا، اس خدا کی تعریف جس نے مجھے اچھے اور نیک لوگوں کی کتابوں میں یاد کیا۔

راہب اس وقت سے امامؑ کے ہمراہ تھا اور جنگ صفین میں درجہ شہادت پر فائز ہوگیا امامؑ نے اس کے جنازے پر نماز پڑھی اور اسے دفن کیا اور فرمایا ھذا منّا اھل البیت (یہ شخص ہمارے خاندان سے ہے) اور اس کے بعد کئی مرتبہ اس کے

لئے طلب مغفرت کیا۔[1]

امامؑ کا رقّہ میں قیام

امامؑ نے مدائن سے روانہ ہونے سے پہلے اپنے تین ہزار فوجیوں کو معقل بن قیس کی سپہ سالاری میں رقّہ کی طرف روانہ کیا[2] اور اسے حکم دیا کہ موصل پھر اس کے بعد نصیبین کی طرف جائے اور رقّہ کی سرزمین پر قیام کرے اور وہاں پر امام سے ملاقات کرے اور خود امام بھی دوسرے راستے سے رقّہ کے لئے روانہ ہوئے گویا اس گروہ کو اس راستے سے بھیجنے کا مقصد اس علاقے میں حاکم کی حکومت اور موقعیت کو ثابت کرنا تھا، لہٰذا آپ نے لشکر کے سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ کسی سے بھی جنگ نہ کریں اور اپنے سفر میں ان علاقوں کے لوگوں کو آرام و اطمینان بخشیں اور اس راستے کو صبح اور شام میں طے کریں اور دوپہر اور رات کے پہلے حصے میں آرام کریں (کیونکہ خداوند عالم نے رات کو آرام کرنے کے لئے پیدا کیا ہے) خود اور اپنے سپاہیوں اور سواریوں کو راحت و آرام پہنچائیں، لشکر کے سپہ سالار نے امام کے حکم کے مطابق سفر طے کیا اور اس وقت رقّہ پہنچا جب امامؑ اس سے پہلے رقّہ پہنچ چکے تھے۔[3]

رقّہ سے معاویہ کے نام خط

امامؑ کے چاہنے والوں نے امام سے عرض کیا کہ آپ معاویہ کے نام خط لکھیں اور دوبارہ اپنی حجت کو اس پر تمام کریں، امامؑ نے ان کی درخواست کو قبول کیا[4] کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ معاویہ کی نافرمانی اور سرکشی بغیر خوں ریزی کے برطرف ہوجائے جب کہ آپ جانتے تھے کہ حکومت و قدرت حاصل کرنے والوں پر نصیحت و موعظہ کا کوئی اثر نہ ہوگا، جب امامؑ کا خط معاویہ کے پاس پہنچا تو اس نے جواب میں جنگ کرنے کی دھمکی دی[5] اس وجہ سے امامؑ اپنے ارادے میں اور محکم ہوگئے اور رقّہ سے صفین کی طرف جانے کا حکم دیدیا۔

پل بنا کر فرات سے گزرنا

اس وسیع و عریض فرات کو عبور کرنا امامؑ کے لئے بغیر کسی پل یا کسی کشتی کے مشکل امر تھا، امامؑ نے رقّہ کے لوگوں سے کہا کہ کوئی ایسا وسیلہ لائیں جس کے ذریعہ سے خود اور آپ کے تمام سپاہی فرات کو پار کرسکیں، لیکن اس سرحدی شہر کے لوگ

---

[1] واقعہ صفین ص ۱۴۸، ۱۴۷۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۰۶، ۲۰۵

[2] کامل ابن اثیر ج ۳، ص ۱۴۴۔ تاریخ طبری ج ۳، جزء ۵ ص ۲۳۷

[3] واقعہ صفین ص ۱۴۸۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۰۸

[4] امام کے خط کی عبارت اور جنگ صفین کے متعلق معاویہ کا جواب ص ۱۵۰۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۱۱ ۔ ۲۱۰

[5] امام کے خط کی عبارت اور جنگ صفین کے متعلق معاویہ کا جواب ص ۱۵۰۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۱۱ ۔ ۲۱۰

عراقیوں کے برخلاف مولائے کائنات سے کوئی الفت ومحبت نہیں رکھتے تھے لہٰذا پل نہیں بنایا، امامؑ نے شجاعت وقدرت کے باوجود ان کے انکار کرنے پر کوئی مزاحمت نہیں کی اور ارادہ کیا کہ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ اس پل سے گزریں جو وہاں سے کچھ دور منبج نامی مقام پر واقع ہے۔

اس وقت مالک اشتر نے بلند آواز میں اس قلعہ کو خراب کرنے کی دھمکی دی جس میں وہ لوگ پناہ لئے ہوئے تھے، رقّہ کے رہنے والوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا مالک وہ شخص ہے جو اگر کوئی بات کہتا ہے تو اس پر عمل ضرور کرتا ہے لہٰذا ان لوگوں نے فوراً پل بنانے کا اعلان کیا اور امامؑ کا پورا لشکر تمام ساز وسامان کے ساتھ اُس پل سے گزر گیا اور سب سے آخر میں جس نے رقّہ کو چھوڑا وہ مالک اشتر تھے۔[1]

امامؑ زمین شام پر

امامؑ نے فرات پار کرکے عراق کی سرزمین کو چھوڑ دیا اور سرزمین شام پر قدم رکھا اور معاویہ کے ہر طرح کے شیطانی اور مزاحمتی حملوں کے مقابلے کے لئے اپنے دو بہترین و بہادر سپہ سالاروں، زیاد بن نصر و شریح بن ہانی کو بالکل اسی انداز سے جیسے کہ کوفہ میں بھیجا تھا بطور ہراول معاویہ کے لشکر کی طرف روانہ کیا وہ دونوں سور الرّوم نامی جگہ پر معاویہ کے سپاہیوں کے لشکر جس کا سپہ سالار ابوالاعور تھا روبرو ہوئے اور ان لوگوں نے کوشش کی کہ کسی بھی صورت سے دشمن کے اس سپہ سالار کو امام کا مطیع وفرمانبردار بنادیں، لیکن ان کی کوشش کامیاب نہ ہوسکی اور دونوں نے امامؑ کو فوراً حارث بن جمھان جعفی کے ہمراہ خط روانہ کیا اور امامؑ کے حکم کے منتظر رہے[2]

امامؑ نے خط پڑھنے کے بعد فوراً مالک اشتر کو بلایا اور کہا زیاد اور شریح نے ایسا ایسا لکھا ہے جتنی جلدی ہوسکے اپنے آپ کو ان لوگوں تک پہنچادو اور دونوں گرہوں کی ذمہ داری کو قبول کرلو اور جب تک دشمن سے ملاقات نہ ہو اور ان کی گفتگو نہ لینا اس وقت تک جنگ شروع نہ کرنا مگر یہ کہ وہ لوگ جنگ کی ابتداء کریں، دشمن پر تمہارا غصہ دشمن کی طرف آگے بڑھنے میں مانع نہ ہو مگر یہ کہ کئی مرتبہ ان کی گفتگو سنو اور اپنی حجت کو ان پر تمام کردو، پھر حکم دیا[3]: زیاد کو میمنہ اور شریح کو اپنے میسرہ سپرد کرنا اور خود قلب لشکر میں رہنا اور ہاں دشمن سے اتنا قریب نہ رہنا کہ وہ خیال کریں کہ جنگ شروع کرنا چاہتے ہو اور نہ دشمنوں سے اتنا دور رہنا کہ وہ تصور کریں کہ ڈر رہے ہو اسی طریقے پر باقی رہنا یہاں تک کہ میں تم تک پہنچ جاؤں پھر امامؑ نے ان دونوں سپہ سالاروں کو یہ جواب لکھا اور مالک اشتر کی اس طرح تعریف کیا مابعد،

---

[1] واقعہ صفین ص ١٥٤ ـ ١٥١ ـ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٣ ص ٢١٢ ـ ٢١١ ـ تاریخ طبری ج ٣ جزء ٥ ص ٢٣٨

[2] واقعہ صفین ص ١٥٤ ـ ١٥١، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٣ ص ٢١٣ ـ ٢١١، تاریخ طبری ج ٣ جزء ٥ ص ٢٣٨، کامل ابن اثیر ج ٣ ص ١٤٤

[3] واقعہ صفین ص ١٥٤ ـ ١٥١، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٣ ص ٢١٣ ـ ٢١١، تاریخ طبری ج ٣ جزء ٥ ص ٢٣٨، کامل ابن اثیر ج ٣ ص ١٤٤

فانی قدأمرت علیکما مالکاً فاسمعٰاله واطیعاأمره فانّه مِمّن لا یخاف رهقه ولا سقاطُه ولابطوُه عن ما الاسراع إلیه أحزم ولا اسراعه الیٰ ماالبطء عنه امثلُ وقد أمرته بمثل الّذی أمرتکما الّا یبدءُ القوم بقتال حتّٰی یلقاهم فیدعوهم ویعذر الیهم ان شاءالله [1]

دونوں سپہ سالاروں کو معلوم ہو کہ میں نے سپہ سالاری مالک اشتر کو سونپ دی ہے، ان کی باتوں کو سنو اور ان کے حکم کی اطاعت کرو۔ کیونکہ وہ ایسا شخص نہیں کہ اس کی عقل ولغزش سے خوف کھائے اور وہ ایسا بھی نہیں ہے کہ جلد بازی میں سستی کرے یا بردباری کے وقت جلدی کرے اور اسے ان چیزوں کا حکم دیا ہے جن چیزوں کا تمہیں حکم دیا ہے کہ ہرگز دشمن کے ساتھ جنگ نہ کریں بلکہ انہیں حق کی طرف بلائیں اور حجت کو ان پر تمام کریں۔

مالک اشتر نے بہت ہی تیزی کے ساتھ اپنے کو اس مقام پر پہنچایا جہاں پر دونوں فوجیں آمنے سامنے موجود تھیں، فوج کو منظم کیا اس کے بعد اپنی فوج کے دفاع کے علاوہ کوئی اور کام انجام نہیں دیا اور جب شام کے سپہ سالار ابوالاعور کی طرف سے حملہ ہوتا تھا تو اس کا دفاع کرتے تھے، سب سے تعجب خیز بات یہ ہے کہ مالک اشتر نے دشمن کی فوج کے سپہ سالار کے ذریعے معاویہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر جنگ کرنا چاہتا ہے تو خود میدان جنگ میں آئے تاکہ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کریں اور دوسروں کے خون اور قتل وغارت گری کا سبب نہ بنیں لیکن اس نے اس درخواست کو قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ ایک دن آدھی رات کو معاویہ کی فوج بہت تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ گئی اور فرات کے کنارے ایک وسیع وعریض زمین پر پڑاؤ ڈالا اور امام کے سپاہیوں پر پانی بند کر دیا۔ [2]

معاویہ کا صفین میں آنا

معاویہ کو خبر ملی کہ علی علیہ السلام نے سرزمین رقّہ پر موجود فرات کے اوپر پل بنایا اور خود اور اپنے پورے لشکر کو اس دریا سے پار کرایا ہے، معاویہ جس نے شام کے لوگوں کو پہلے ہی اپنا بنالیا تھا، منبر پر گیا اور امام علی علیہ السلام کی فوج کی آمد کی خبر دی جو کوفیوں اور بصریوں پر مشتمل تھی، اور ان کو جنگ کرنے اور جان ومال کے دفاع کے لئے بہت زیادہ رغبت دلائی، معاویہ کی تقریر کے بعد پہلے سے بنائے ہوئے منصوبے کے تحت اٹھے اور معاویہ کی تائید کی بالآخر معاویہ ان تمام لوگوں کے ہمراہ جن کے اندر جنگ کرنے کی صلاحیت تھی جنگ کے لئے روانہ ہوا [3] اور اپنی فوج کے کنارے جس کا سپہ سالار ابوالاعور تھا قیام کیا اور اسی

---

[1] واقعہ صفین ص ١٥٤۔١٥١، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج٣ ص ٢١٣۔٢١١، تاریخ طبری ج٣ جزء٥ ص ٢٣٨، کامل ابن اثیر ج٣ ص ١٤٤

[2] واقعہ صفین ص ١٥٤، تاریخ طبری ج٣ جزء٥ ص ٢٣٨

[3] ابن مزاحم نے (واقعہ صفین میں) معاویہ کے سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار لکھا ہے لیکن مسعودی نے (مروج الذھب، ج٣، ص ٣٨٤ میں) کہا ہے کہ جس قول پر لوگوں کا اتفاق ہے وہ پچاسی ہزار آدمی ہیں اور اسی طرح امام علی علیہ السلام کے سپاہیوں کی تعداد (واقعہ صفین ص ١٥٧) ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لکھا ہے اور مروج الذھب میں ٩٠ ہزار لکھا ہے۔

جگہ کو اپنا محاذِ جنگ قرار دیا اور ایک قول کی بناء پر چالیس ہزار آدمیوں کو فرات پر معین کیا تا کہ امام کے سپاہیوں کو فرات کی طرف آنے سے روک سکیں۔[۱]

امامؑ کا سرزمین صفین پر ورود

زیادہ دن نہ گزرا تھا کہ امامؑ اپنے عظیم وشجاع سپاہیوں کے ہمراہ صفین پہنچے اور اپنی فوج کہ جس کے سپہ سالار مالک اشتر تھے سے ملحق ہو گئے۔

علی علیہ السلام نے سرزمین صفین پر اس وقت قدم رکھا جب دشمن نے ان کے سپاہیوں اور فرات کے درمیان اپنی عظیم فوج کا پہرہ بٹھا رکھا تھا اور امام کے سپاہیوں کو فرات تک پہنچنے سے روک دیا تھا، عبداللہ بن عوف کہتا ہے امامؑ کے سپاہیوں کے پاس پانی کا ذخیرہ بہت کم تھا اور ابوالاعور معاویہ کی فوج کے سپہ سالار نے نہر پر جانے کے تمام راستوں کو سواروں اور پیادوں سے بند کر دیا تھا اور تیر چلانے والوں کو ان کے سامنے اور ان کے اردگرد نیزہ برداروں اور زرہ پہنے ہوئے لوگوں کو کھڑا کر رکھا تھا جس کی

وجہ سے امامؑ کے لشکر میں پانی کی کمی ہونے لگی اور لوگ امامؑ کے پاس شکایتیں لے کر آئے۔[۲]

امامؑ کا تحمل

ہر معمولی اور عام کمانڈر ایسی حالت میں تحمل و بردباری کھو دیتا ہے اور فوراً حملہ کرنے کا حکم دے دیتا ہے لیکن امامؑ جن کا پہلے ہی دن سے یہ مقصد تھا کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو بغیر خونریزی کے ہی فیصلہ ہو جائے۔ اس وقت آپ نے اپنے ایک خاص رازدار صعصعہ بن صوحان[۳] کو بلایا اور کہا کہ تم بعنوان سفیر معاویہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو:

ہم لوگ اس علاقے میں آ گئے ہیں اور ہمیں پسند نہیں کہ اتمام حجت سے پہلے جنگ شروع کریں اور تو پوری قدرت کے ساتھ شام سے باہر آ گیا اور اس سے پہلے کہ ہم تجھ سے جنگ کریں تو نے جنگ کا آغاز کر دیا میرا نظریہ ہے کہ تو جنگ سے باز آ جا تا کہ میری دلیلوں کو غور سے سن سکے، یہ کا کون سا بزدلانہ طریقہ ہے کہ تو نے ہمارے اور پانی کے درمیان اختیار کیا ہے، اس پہرے کو ہٹا دے تا کہ میرے نظریہ کے بارے میں غور کر، اور اگر تو چاہتا ہے کہ یہی وضعیت رہے اور لوگ پانی کے لئے آپس میں جنگ کریں اور آخر میں کامیاب ہونے والا گروہ اس سے فائدہ اٹھائے تو اب مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔ صعصعہ، امام کے سفیر بن کر معاویہ کے خیمے میں داخل ہوئے جو لشکر کے درمیان میں تھا اور امامؑ کے

---

[۱] واقعہ صفین ص ۱۵۷-۱۵٦

[۲] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص ۹٤۔ تاریخ طبری ج ۳ جزء ٥ ص ۲۳۹، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱٤٥۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۷

[۳] طبری اور ابن قیبۃ کے بقول امام علیہ السلام نے اشعث کو بھیجا تھا۔ الامامۃ والسیاسۃ ج۱، ص ۹٤۔ تاریخ طبری ج ۳ جزء ٥ ص ۲٤۰

پیغام کو معاویہ تک پہنچایا، ولید بن عقبہ جیسے کوردل فرات پر قبضہ باقی رکھنے کے خواہاں تھے تاکہ امام کے لشکر والے پیاس کی شدت سے ہلاک ہوجائیں، لیکن سب سے بڑا سیاسی چالباز، عمروعاص نے امیہ کے بیٹوں کے برخلاف معاویہ سے کہا فرات پر سے اپنا قبضہ ہٹالے اور جنگ کے دوسرے امور کی طرف غور کر، اور ایک قول کی بناء پر اس نے کہا، یہ کام اچھا نہیں ہے کہ تو سیراب ہو اور علی پیاسے ہوں جب کہ ان کے پاس ایسے ایسے جانباز سپاہی ہیں جو فرات کی فکر میں ہیں یا تو اس پر قبضہ کرلیں گے یا اس راہ میں مرجائیں گے اور تو جانتا ہے کہ علی بہت بڑے بہادر ہیں اور عراق اور حجاز کے لوگ ان کے ہمرکاب ہیں، علی اس مرد کا نام ہے کہ جب لوگوں نے فاطمہ کے گھر پر حملہ کیا تو انہوں نے کہا اگر چالیس افراد میرے ساتھ ہوتے تو حملہ کرنے والوں سے بدلہ لیتا۔

جب کہ معاویہ امام کے سپاہیوں پر پانی بند کرکے اپنی پہلی کامیابی تصور کررہا تھا۔ ایک شخص کہ جسے لوگ عابد ہمدانی کے نام سے جانتے تھے اور عمروعاص کے دوستوں اور بہترین خطیبوں میں سے تھا، اس نے معاویہ کی طرف رخ کر کے کہا سبحان اللہ، اگر تم عراق کی فوج سے پہلے اس جگہ پہنچے ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم ان لوگوں پر پانی بند کردو، خدا کی قسم اگر وہ لوگ تم سے پہلے یہاں آئے ہوتے تو تم پر کبھی پانی بند نہیں کرتے، سب سے بڑا کام جو تم اس وقت انجام دے رہے ہو وہ یہ ہے کہ وقتی طور پر ان لوگوں کے لئے فرات کا پانی بند کردیا ہے، لیکن دوسرے موقع کے لئے آمادہ رہو کہ وہ لوگ اسی طرح سے تمہیں سزا دیں گے، کیا تم نہیں جانتے کہ ان کے درمیان، غلام، کنیز، مزدور، ضعیف و ناتواں اور بے گناہ لوگ ہیں؟

خدا کی قسم، تمہارا سب سے پہلا ہی کام ظلم و ستم ہے۔ اے معاویہ، تو نے اس غیر انسانی حرکت کی وجہ سے خوفزدہ اور مردد افراد کو جرأت و ہمت دیدی اور وہ شخص جو تجھ سے جنگ کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا تو نے ان کو جری کردیا[1]

معاویہ، ان جگہوں کے برخلاف کہ جہاں پر وہ حلم و بردباری سے کام لیتا تھا اس زاہد ہمدانی پر سخت ناراض ہوا اور عمروعاص سے اس کی شکایت کی، اور عاص کے بیٹے نے بھی جو کہ اس کا دوست

تھا اس پر غضبناک ہوا، لیکن سعادت اور خوش بختی نے اس زاہد پر اپنا قبضہ کررکھا تھا اس نے معاویہ کے لشکر کے افق کو تاریکی میں دیکھا اور اسی رات امامؑ سے ملحق ہوگیا۔

حملہ کرنے اور قبضہ توڑنے کا حکم

پیاس کی شدت نے امامؑ کے جانبازوں کو نیم جان کردیا تھا جس کی وجہ سے امامؑ کو غم واندوہ نے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا جب، آپ قبیلہ مذحج کی طرف آئے تو ایک کو ایک قصیدہ کے ضمن میں یہ کہتے ہوئے سنا:

---

[1] واقعہ صفین ص۱۶۰۔ تھوڑے فرق کے ساتھ، الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص۹۴۔ تاریخ یعقوبی ج۲ ص۱۸۸۔ تاریخ طبری ج۳ جزء۵ ص۲۴۰

أیمنعنا القومُ ماءَ الفرات
وفینا الرماحُ وفینا الحُجف[1]

کیا شام کی قوم ہم لوگوں کو فرات کے پانی سے روک دے گی جب کہ ہم لوگ نیزہ وزرہ سے لیس ہیں؟ پھر امامؑ قبیلہ کِندہ کی طرف گئے تو دیکھا کہ ایک سپاہی اشعث بن قیس کے خیمے کے پاس جو اسی قبیلے کا سپہ سالار تھا کچھ شعر پڑھ رہا ہے جس کے پہلے دو شعر یہ ہیں:

لئن لم یجلّ الا شعث الیوم کربةً
من الموت فیها للنفوس تعنّت
فنشرب من ماء الفرات بسیفه
فهبنا اناساًقبل کانوا فموّ توا[2]

اگر آج کے دن اشعث نے سختی واذیت میں ڈوبے ہوئے انسانوں کو موت کے غم واندوہ سے دور نہ کیا تو ہم تلوار کے ذریعے فرات کے پانی سے سیراب ہوں گے، کتنا اچھا ہوتا کہ اے اشعث ایسے لوگوں کو ہمارے حوالے کرتے جو پہلے تھے اور اس وقت موت کی آغوش میں جارہے ہیں۔

امامؑ نے ان دو سپاہیوں کے اشعار سننے کے بعد جو فوجی چھاؤنی میں بلند آواز سے پڑھ رہے تھے، اپنے خیمے میں آئے اچانک اشعث امام کے خیمے میں آیا اور کہا: کیا یہ بات صحیح ہے کہ شام کے لوگ ہمیں فرات کے پانی سے محروم رکھیں، جب کہ آپ ہمارے درمیان میں ہیں اور ہماری تلواریں ہمارے ہمراہ ہیں؟ اجازت دیجیئے! کہ خدا کی قسم یا فرات پر سے قبضہ ہٹا دیں یا اس راہ میں اپنی جان گنوادیں اور مالک اشتر کو حکم دیں کہ اپنی فوج کے ساتھ جہاں پر بھی آپ کا حکم ہو وہاں کھڑے ہوجائیں، امامؑ نے فرمایا، تم کو اختیار ہے اس وقت آپ نے مالک اشتر کے لئے ایک جگہ معین کی تاکہ وہ وہاں اپنی فوج کے ساتھ موجود رہیں، پھر آپ نے اپنے عظیم لشکر کے درمیان مختصر سا خطبہ پڑھا اور یہ ایک ایسا ولولہ انگیز خطبہ تھا جس سے امام کے لشکر میں ایک ایسا سماں بندھ گیا کہ گویا ایک ہی حملہ میں معاویہ کے لشکر کو پچھاڑ دیں گے اور گھاٹ کو اپنے قبضے میں لے لیں گے، وہ خطبہ یہ ہے:

قد استطعمو کم القتال فأقرّوا علیٰ مذلّةٍ وتاخیر محلّة روّ وا السیوف من الدماء ترووُا من الماء، فالموت فی حیاتکم مقهورین والحیاة فی موتکم قاهرین۔ ألا وإنَّ معاویة قاد لُمةً من

---

[1] مروج الذهب ج٢ ص٣٨٥۔ وقعۃ صفین ص١٦٦۔١٦٤

[2] مروج الذهب ج٢ ص٣٨٥۔ وقعۃ صفین ص١٦٦۔١٦٤

الغواة وعمّس علیهمُ الخبر حتّیٰ جعلوا نحورھم أغراض المنیّةِ [1]

معاویہ کی فوج نے اپنے اس کام (تم لوگوں پر پانی بند کرنے) کی وجہ سے تم لوگوں کو جنگ کی دعوت دی ہے اور اس وقت تم لوگوں کے سامنے دوراستے ہیں یا تو ذلت ورسوائی کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھے رہو یا تلواروں کو خون سے سیراب کردو تا کہ تم پانی سے سیراب ہو جاؤ، تمہارا ان سے دب جانا جیتے جی موت ہے اور غالب آ کر مرنے میں زندگی ہے، آگاہ رہو کہ معاویہ گمراہوں کا ایک چھوٹا سا لشکر میدان جنگ میں زبردستی گھسیٹ لایا ہے اور حقائق سے انہیں اندھیرے میں رکھا ہے یہاں تک انہوں نے اپنے گلوں کو تیروں اور شمشیروں (موت) کا نشانہ بنایا ہے۔

اشعث نے اسی رات اپنے ماتحت سپاہیوں کے درمیان بلند آواز میں کہا جو شخص بھی پانی چاہتا ہے یا موت، اس سے ہمارا وعدہ صبح کے وقت ہے [2]

پیاس کی شدت ایک طرف اور امام کا شعلہ بیاں خطبہ اور سپاہیوں کے ولولہ انگیز اشعار دوسری طرف، یہ تمام چیزیں سبب بنیں کہ بارہ ہزار آدمیوں نے فرات پر قبضہ کرنے کے لئے آمادگی کا اعلان کردیا، اشعث اپنی عظیم فوج کے ساتھ اور مالک اشتر اپنے طاقتور اور بہادر سپاہیوں کے ہمراہ جو کہ سوار تھے دشمنوں کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بجلی کی طرح ایک ایسا حملہ کیا کہ جو فوج رکاوٹ بنی ہوئی تھی اور قدرت وطاقت میں اس سے دوگنی تھی اسے اپنے راستے سے ہٹا ڈالا، اس طرح سے کہ جو فوج گھوڑے پر سوار تھی ان کے گھوڑے کے پیروں کے نشان فرات میں بن گئے تھے، اس حملے میں مالک اشتر کے ہاتھوں ۷ اور اشعث کے ہاتھوں ۵ افراد مارے گئے اور جنگ کا نقشہ امام کے حق میں پلٹ گیا اور عظیم نہر فرات امام اور آپ کے دوستوں کے قبضہ میں آ گئی، اس وقت عمرو عاص نے معاویہ کی طرف رخ کر کے کہا، کیا سوچ رہے ہو اگر علی تمہارے جیسا کام کریں اور تم پر پانی بند کردیں؟

معاویہ، جو امامؑ کے اخلاقی، روحانی عظمتوں سے واقف تھا، نے کہا: میں سوچ رہا ہوں کہ وہ ہم پر پانی بند نہیں کریں گے، کیونکہ وہ دوسرے مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں [3]

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ ابوسفیان کے بیٹے کے برے عمل (پانی بند کرنا) کے نتیجے میں امامؑ کا کیا عکس العمل تھا۔

عظیم قدرت کے باوجود انسانی اصول کی پابندی

امامؑ کے سپاہیوں نے فرات پر قبضہ کرنے کے لئے فوجی تکنک کا سہارا لیا اور کامیاب ہو گئے اور پوری فرات امام

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۵۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۴۴

[2] واقعہ صفین ص ۱۶۶۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۹۴

[3] مروج الذھب ج ۲ ص ۳۸۷۔ ۳۸۶

کے سپاہیوں کے قبضے میں آ گئی اور معاویہ کے سپاہی فرات سے دور کر دیئے گئے اور ایسی جگہ پر پناہ لی جہاں پر کھانے پانی کا انتظام نہ تھا اور شامیوں کے لئے ایسے حالات میں زندگی بسر کرنا ممکن نہ تھا اور بہت ہی جلد ان کے پاس موجود پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور وہ مجبور تھے کہ تین راستوں میں سے کوئی ایک راستہ اختیار کریں۔

۱۔امام کے لشکر پر حملہ کریں اور دوبارہ فرات کو اپنے قبضہ میں لے لیں لیکن اپنے اندر اتنی جرأت وطاقت نہیں دیکھ رہے تھے۔

۲۔پیاس کی شدت سے موت کا جام پی لیں اور صفین کو اپنی قبرستان بنالیں۔

۳۔میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں اور شام اور اس کے اطراف میں بکھر جائیں۔

لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود فرات پر قبضہ نے شام کی فوج کے سرداروں خصوصاً معاویہ کو وحشت زدہ نہیں کیا کیونکہ وہ لوگ امامؑ کی جوانمردی، اخلاق اور اسلام اور اس کے اصولوں پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے سے خوب واقف تھے اور وہ جانتے تھے کہ امام کبھی بھی اصل کو فرع پر اور ہدف کو وسیلہ پر قربان نہیں کریں گے۔

اخلاقی اصولوں اور انسانی اقدار کی رعایت کا سرچشمہ ہر شریف النفس انسان کی ملکوتی روح ہوتی ہے، ان اصول کا اظہار سارے مواقع پر مستحسن سمجھا جاتا ہے، جنگ، صلح تک محدود نہیں ہے بلکہ انسان کا دوسرے انسان کے رابطے سے مربوط ہے۔

اسلام کے سپاہیوں کو روانہ کرتے وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغامات اور علی علیہ السلام کے جنگ صفین میں دیئے ہوئے پیغامات، جس میں سے کچھ کا تذکرہ ہم کریں گے ایک حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ کبھی بھی انسانی اصولوں کو اپنے مقصد پر قربان نہیں کرنا چاہیے بلکہ سخت سے سخت موقع پر بھی اخلاقی اصولوں سے غفلت نہیں کرنا چاہیے۔

معاویہ کی فوج کے سرداروں کو امامؑ کے سپاہیوں کے توسط سے فرات پر قبضہ ہونے پر فکر مند نہ ہونے کی علت کو دو سیاسی چالبازوں (معاویہ وعمرو عاص) کی گفتگو سے جانا جا سکتا ہے۔

عمرو عاص، معاویہ کے انسانیت سے گرے ہوئے کاموں کا بالکل مخالف تھا لیکن معاویہ نے برخلاف عقل کام کیا، یہاں تک کہ امامؑ کے لشکر کا قبضہ فرات پر ہو گیا اور معاویہ کی فوج فرات سے کئی فرسخ دور ہو گئی، اس وقت یہ دونوں سیاسی و شیطانی نمائندے (معاویہ وعمرو عاص) آپس میں گفتگو کرنے کے لئے ایک جگہ جمع ہوئے، مضمون یہ تھا:

عمرو عاص: کیا فکر رہے ہو اگر عراقی تجھ پر پانی بند کر دیں بالکل اسی طرح جس طرح تو نے ان پر پانی بند کیا؟ تو کیا پانی کو اپنے قبضے میں لینے کے لئے ان سے جنگ کرو گے اسی طرح جس طرح وہ لوگ تجھ سے جنگ کرنے کے لئے اٹھے تھے؟

معاویہ: پچھلی باتوں کو چھوڑو، علی کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو؟

عمروعاص: میرا خیال ہے جس چیز کو تو نے ان کے بارے میں روا رکھا وہ تمہارے بارے میں روا نہیں رکھیں گے کیونکہ ہرگز وہ فرات پر قبضہ کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ [۱]

معاویہ نے ایسی بات کہی کہ بوڑھا سیاسی ناراض ہوگیا اور اس نے اس کے جواب میں اشعار کہے اور اسے یاد دلایا کہ افق تاریک ہے اور ممکن ہے طلحہ وزبیر کی طرح مشکلوں میں گرفتار ہوجائیں۔ [۲]

لیکن عمرو کا خیال بالکل صحیح تھا، امامؑ نے فرات پر قبضہ کرنے کے بعد دشمن کے لئے فرات کو آزاد کردیا [۳] اور اس طرح آپ نے ثابت کردیا کہ جنگ کے دوران اپنے بدترین دشمن کے ساتھ بھی اخلاقی اصولوں کے پابند رہے اور معاویہ کے برخلاف اپنے مقصد کے حصول کے لئے غلط وسیلے کو اختیار نہیں کیا۔

فرات آزاد کرنے کے بعد

دونوں فوجیں تھوڑے سے فاصلہ پر آمنے سامنے تھیں اور اپنے اپنے سردار کے حکم کی منتظر تھیں، لیکن امامؑ جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے چنانچہ کئی کئی مرتبہ آپ نے اپنے نمائندوں اور خطوط بھیج کر مشکل کو گفتگو کے ذریعے حل کرنا چاہا۔ [۴] ربیع الثانی ۳۶ ہجری کے آخری دنوں میں اچانک عبیداللہ بن عمر مظلوم و بے گناہ ہرمزان کا قاتل امامؑ کے پاس آیا، ہرمزان ایک ایرانی تھا اور اس کے مسلمان ہونے کو خلیفہ دوم نے تسلیم کرلیا تھا اور اس کے اخراجات کے لئے کچھ رقم معین کررکھی تھی۔ [۵] جب حضرت عمر ابولؤلو کے خنجر سے زخمی ہوئے اور سپاہیوں کو قاتل کا کوئی سراغ نہ ملا [۶] تو خلیفہ کے ایک بیٹے نے جس کا نام عبیداللہ تھا انسانی اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قاتل کی جگہ بے گناہ ہرمزان کو قتل کردیا [۷] امامؑ نے بہت کوشش کی کہ

---

[۱] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص ۹٤۔ مروج الذھب ج۲ ص ۳۸٦

[۲] واقعہ صفین ص ۱۸٦

[۳] کامل ابن اثیر ج۳ ص ۱٤٥۔ تاریخ طبری ج۳ جزء ٥ ص ۲٤۲۔ تجاب السلف ص ٤۷

[۴] مروج الذھب ج۲ ص ۳۸۷۔ تاریخ طبری ج۳ جزء ٥ ص ۲٤۲

[۵] بلاذری، فتوح البلدان ص ٤٦۹

[۶] یہ بحث کہ عمر کے قتل کے بعد ابولؤلو پہ کیا گذری مورخین کے درمیان اختلاف ہے بعض کا کہنا ہے کہ اسے گرفتار کرکے قتل کردیا گیا (تاریخ برگزیدہ ص ۱۸٤، تاریخ فخری ص ۱۳۱)

اور مسعودی کا کہنا ہے کہ اس نے اپنے کو خود اسی خنجر سے قتل کرلیا جس سے عمر کو قتل کیا تھا (مروج الذھب ج۲، ص ۳۲۹)

لیکن مولف حبیب السیر کا کہنا ہے کہ شیعوں کے نظریہ کے مطابق وہ مدینہ سے بھاگ گیا اور عراق کی طرف چلا گیا اور بالآخر کاشان میں اس کی وفات ہوگئی (حبیب السیر ج۱ جزء ٥ ص ۲٤۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۳، ص ٦۱۔، مروج الذھب ج۲ ص ۳۹٥)

[۷] تاریخی یعقوبی ج۲، ص ۱٦۱۔ فتوح البلدان ص ٥۸۳۔ تجارب السلف ص ۲۳

عثمان کے دور حکومت میں عبید اللہ کو اس کی سزا (قصاص) مل جائے (مگر سزا نہ ملی) اور امامؑ نے اسی وقت خدا سے عہد کیا کہ اگر ہمارا تسلط ہو گیا تو اس کے متعلق خدا کے حکم

کو جاری کریں گے [1] عثمان کے قتل کے بعد اور امامؑ کی خلافت حقہ کے بعد عبید اللہ قصاص (سزا) سے بہت ڈرا ہوا تھا اور مدینہ سے شام کی طرف چلا گیا۔ [2]

اسی لئے عبید اللہ جنگ صفین کے موقع پر امامؑ کے پاس آیا اور طعنہ کے طور پر امام سے کہا خدا کا شکر کہ تمہیں ہرمزان کے خون کا بدلہ لینے اور مجھے عثمان کے خون کا بدلہ لینے والا قرار دیا امامؑ نے فرمایا: خدا مجھے اور تجھے میدان جنگ میں جمع کرے [3] اتفاقاً جنگ اپنے شباب پر تھی کہ عبید اللہ امام کے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا [4]۔

---

[1] امام علیہ السلام نے عبید اللہ سے کہا یا فاسقُ أما واللہ لئِن ظفرتُ بك یوماً من الدھر لأضربنّ عنقك۔ (انساب الاشراف ج ۵، ص ۲۴۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۶۱۔ مروج الذھب ج ۲ ص ۳۹۵)

[2] مروج الذھب ج ۲ ص ۳۸۸۔

[3] الاخبار الطوال ص ۱۶۹ مطبوعہ قاہرہ۔ واقعہ صفین ص ۱۸۶۔

[4] مسعودی کہتے ہیں: جنگ صفین میں عبید اللہ کو خود امام علیہ السلام نے قتل کیا تھا وہ مزید کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے اس پر ایسی ضربت ماری کہ جو زرہ لوہے کی وہ پہنے تھا وہ سب ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور تلوار کا وار اس کی ہڈیوں تک پہنچ گیا۔ (مروج الذھب ج ۲ ص ۳۹۵)

سولھویں فصل

آخری اتمام حجت

معاویہ کے پاس تین نمائندے بھیجنا

ربیع الثانی ۳۶ ہجری کے آخری ایام تھے، امامؑ نے تین اسلامی شخصیتوں، انصاری، ہمدانی اور تمیمی کو اپنے پاس بلایا اوران لوگوں سے کہا کہ تم لوگ معاویہ کے پاس جاؤاور اسے امت اسلامی کی اطاعت اوراس سے ملحق ہونے اوراحکام الٰہی کی پیروی کرنے کی دعوت دو، تمیمی نے امامؑ سے کہا، اگر وہ بیعت کے لئے آمادہ ہوجائے تو کیا مصلحت ہے کہ اسے انعام (مثلاً ایک علاقہ کی حکومت) دے دیں؟

امامؑ جو کسی بھی صورت میں اصول کی پامالی نہیں کرتے تھے ان لوگوں سے کہا أیتوهٔ الاٰن فلاقوه واحتجّوا علیه وانظروما رأیہ یعنی اس وقت اس کے پاس جاؤاوراس پراحتجاج کرواور دیکھو کہ اس کا نظریہ کیا ہے؟

وہ تینوں معاویہ کے پاس گئے اور معاویہ اوران کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ درج ذیل ہے:

انصاری: دنیا تجھ سے چھوٹے گی اور تو دوسری دنیا کی طرف جائے گا وہاں تمہارے اعمال کا محاسبہ ہوگا اوراچھے برے اعمال کا بدلہ ملے گا، تم کو خدا کا واسطہ کہ تم فتنہ وشر سے باز آجاؤ اورامت میں تفرقہ اورخونریزی مت کرو۔

معاویہ نے انصاری کی بات کاٹتے ہوئے کہا: تم اپنے بزرگ کو کیوں نصیحت نہیں کرتے ؟

انصاری: حمد ہے خدا کی میرا بزرگ تمہاری طرح نہیں ہے وہ سابق الاسلام، پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ دار اور عظمت وفضیلت کے تاجدار ہیں۔

معاویہ: تم کیا کہہ رہے ہواور کیا چاہتے ہو؟

انصاری: میں تجھے علی کی اطاعت کی دعوت دے رہا ہوں اوراس کے قبول کرنے میں تمہارے دین ودنیا کے لئے بھلائی ہے۔

معاویہ: اس صورت میں عثمان کے خون کا بدلہ لینے میں تاخیر ہوگی نہیں، رحمٰن کی قسم! میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا۔

اس وقت ہمدانی نے چاہا کہ کلام کرے لیکن تمیمی نے ان سے پہلے گفتگو شروع کردی اورکہا:

انصاری کو دیئے ہوئے جوابات سے تیرا مقصد معلوم ہوگیا اور تیرے ارادہ سے ہم لوگ بے خبر نہیں ہیں، لوگوں کو

دھوکہ دینے اور ان کو اپنی طرف جذب کرنے کے لئے سوائے اس کے کوئی اور بہانہ نہیں ہے کہ تو یہ کہے کہ تمہارا خلیفہ مظلوم قتل ہوا ہے اور تم لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کے قتل کا بدلہ لو اس آواز پر چند جاہل لوگوں نے تمہاری آواز پر لبیک کہا ہے جب کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ تم نے اپنے مقتول خلیفہ کی مدد کرنے میں تاخیر کی تھی اور اسی مقام کے حصول کے لئے تم نے ان کے قتل کو روا رکھا تھا ایسا ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ مقام و منصب کی آرزو رکھتے ہوں مگر خدا ان کی آرزوؤں کو پورا نہ کرے، اور تو ایسا آرزومند ہے کہ اپنی جس آرزو تک پہنچ جائے اس میں فلاح و بہبود نہیں ہے اگر تو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا تو عرب میں تجھ سے زیادہ کوئی بدبخت نہیں ہے اور اگر مقصد میں کامیاب ہوگیا تو آخرت کی روسیاہی کے سواء کچھ نہیں ہے، اے معاویہ خدا سے ڈر اور ہٹ دھرمی چھوڑ دے اور جو خلافت کا صحیح حقدار ہے اس سے جنگ نہ کر۔ امامؑ کے نمائندوں کی منطقی اور استدلالی گفتگو نے معاویہ کو بوکھلا دیا اور اپنی پرانی روش کے برخلاف تلخ لہجے میں کہا: بیاباں نشین تم میرے پاس سے چلے جاؤ اب ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔

تمیمی: کیا تم ہمیں تلوار سے ڈرا رہے ہو؟ بہت جلد ہی تلوار لے کر تمہاری طرف آرہے ہیں، پھر تینوں نمائندے امام کی خدمت میں واپس آگئے اور تمام باتوں کے نتیجے سے امامؑ کو باخبر کیا۔[1]

عراق و شام کے قاریوں کا اجتماع

صدر اسلام میں قاریان قرآن کا ایک خاص مقام تھا ان کا کسی طرف ہونا تمام مسلمانوں کا ان لوگوں کی طرف متوجہ ہونے کا سبب بنتا تھا، ایسے حالات میں جب کہ صلح و آشتی کی کوئی امید نہ تھی عراق و شام کے قاری جن کی تعداد ۳۰ ہزار کے قریب تھی ایک خاص جگہ پر جمع ہوئے اور ان کے نمائندے مثلاً عبیدہ سلمانی، علقمہ بن قیس، عبداللہ بن عتبہ و عامر بن عبدالقیس وغیرہ دونوں فوج کے سرداروں کے پاس کئی مرتبہ آئے گئے سب سے پہلے معاویہ کے پاس گئے اور اس سے گفتگو کی جو درج ذیل ہے:

نمائندے: تم کیا چاہتے ہو؟

معاویہ: عثمان کے خون کا بدلہ چاہتا ہوں۔

نمائندے: کس سے بدلہ لوگے؟

معاویہ: علی سے۔

نمائندے: کیا علی نے ان کو قتل کیا ہے؟

معاویہ: ہاں علی نے قتل کیا ہے اور ان کے قاتلوں کو پناہ دی ہے۔

---

[1] واقعہ صفین ص ۱۸۸، ۱۸۷۔ تاریخ طبری ج ۳ جزء ۵ ص ۲۴۲۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۶

پھر وہ نمائندے امام علی علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہا کہ معاویہ آپ پر عثمان کے قتل کا الزام لگا رہا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم وہ جھوٹا ہے میں نے ہرگز اسے قتل نہیں کیا ہے۔

نمائندے پھر معاویہ کے پاس گئے اور امامؑ کی باتیں اسے بتائیں۔

معاویہ: براہ راست وہ قتل میں شریک نہ تھے لیکن تھا اور لوگوں کو ان کے قتل پر ابھارا ہے۔

امامؑ نے، معاویہ کی باتیں جاننے کے بعد دوبارہ خلیفہ کے قتل میں ہر طرح کی مداخلت کرنے سے انکار کیا۔

معاویہ نے امامؑ کے انکار کو دیکھ کر دوسری بات کہی، کہ اگر ایسا ہے تو عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کریں یا ہمیں اجازت دیں کہ ہم خود انہیں گرفتار کریں۔

امامؑ نے جواب میں فرمایا: ایک ایسا قتل، جو عمداً نہیں تھا لہٰذا اس کا قصاص نہیں ہے کیونکہ ان کے قاتلوں نے قرآن سے ان کے قتل کے جائز ہونے پر دلیلیں پیش کی ہیں اور اس کی تاویل کی ہے اور ان کے اور خلیفہ کے درمیان اختلاف ہو گیا اور خلیفہ تمام قدرت کے باوجود قتل ہو گیا (اور بالفرض کہ یہ عمل صحیح نہیں تھا تو بھی ایسا قتل، قابل قصاص نہیں ہے)۔

جس وقت امام کے نمائندوں نے حضرت کے فقہی استدلال کو (جو باب قضاء کے اصول میں سے ہے) معاویہ کے سامنے نقل کیا اور اس نے اپنے کو شکست خوردہ دیکھا تو پھر اپنی گفتگو کو دوسرے طریقے سے شروع کیا اور کہا کیوں علی نے خلافت کو بغیر ہمارے اور جو لوگ یہاں ہیں کے مشورے کے اپنے لئے انتخاب کیا اور ہمیں اس سے محروم کیا؟

امامؑ نے جواب میں فرمایا: لوگ مہاجر و انصار کے پیرو ہیں اور وہ دوسرے شہروں میں رہنے والے مسلمانوں کے ترجمان ہیں، ان لوگوں نے اپنی مرضی و آزادی اور صدق دل سے میری بیعت کی ہے اور میں ہرگز معاویہ جیسے لوگوں کو اجازت نہیں دوں گا کہ وہ امت مسلمہ پر حکومت کرے اور لوگوں پر ہمیشہ مسلط رہے اور ان کی کمر توڑ دے [1]

معاویہ: تمام مہاجر و انصار مدینہ میں نہ تھے بلکہ ان میں سے کچھ شام میں رہتے تھے کیوں ان سے مشورہ نہیں کیا گیا؟

امام: امام کا انتخاب تمام مہاجرین و انصار جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں سے مربوط نہیں ہے، ورنہ انتخاب ہو ہی نہیں سکتا بلکہ ان میں سے کچھ ہی لوگوں پر منحصر ہے یعنی ان لوگوں پر جنہوں نے صدر اسلام میں اپنی بہادری کا ثبوت پیش کیا ہے اور بدری (جنگ بدر) کے نام سے مشہور ہیں اور ان تمام لوگوں نے میرے ہاتھ پہ بیعت کی ہے پھر آپ نے تمام قاریوں کی طرف رخ کر کے کہا: معاویہ تم لوگوں کو دھوکہ نہ دے اور تمہارے دین و جان کو تباہ نہ کر دے۔

---

[1] اس سلسلے میں امام علیہ السلام کی بہت عمدہ تعبیر ہے: انما الناس تبع المهاجرين والانصار وهم شهود المسلمين فى البلاد على ولايتهم وأمر دينهم فرضوا بى و بايعونى ولست أستحِلّ أن ادع ضرب معاوية يحكم على الامة ويركبهم ويشقّ عصاهم (واقعہ صفین ص ۱۸۹۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۱٦)

وضاحت : پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حکومت اسلامی کے پھیلنے کی وجہ سے مہاجرین وانصار مختلف اسلامی ملکوں میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور اس زمانے میں کوئی ایسا وسیلہ نہ تھا جس کے ذریعے سب کو جمع کیا جاتا اور سب سے رائے ومشورہ لیا جاتا، جس کے نتیجے میں حکومت کے نظام میں خلل واقع ہونے کے علاوہ کچھ نہ ہوتا، اسی وجہ سے کوئی اور صورت نہ تھی مگر یہ کہ مہاجرین وانصار کی اکثریت جو مدینہ میں سکونت پزیر تھی ان پر اکتفاء کیا جاتا، اصولی طور پر صحیح نہ تھا کہ صرف مہاجرین وانصار کی رائے نافذ ہو، اور اگر تمام لوگوں سے مشورہ لینا ممکن ہوتا تو ان میں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے صحابہ میں جنہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے تھے لیکن ہجرت نہیں کی تھی کوئی فرق نہیں تھا، تو پھر کس بنیاد پر خلیفہ کا انتخاب صحابہ کے اختیار میں ہوا اور دوسرے مسلمان اس مسئلہ میں اپنا نظریہ پیش کرنے کا حق نہیں رکھتے ؟

اصل میں مسئلہ امامت، امامؑ کی نظر میں ایک تنصیصی (نصّی) مسئلہ تھا یعنی ضروری ہے کہ امام بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح خدا کی طرف سے معین ہو لہٰذا اگر اس مسئلہ میں امامؑ مہاجرین وانصار یا اصحاب بدر کے انتخاب کرنے کے متعلق کوئی بات کر رہے ہیں تو یہ لوگوں کو قانع کرنے کے لئے اپنی حجت تمام کر رہے تھے، انتخاب کے ذریعے امامت کو اختیار کرنے کے مسئلے کا جب کبھی تجزیہ کیا جائے گا تو ہرگز اس زمانے کے تمام مہاجرین وانصار یا تمام صحابہ یا تمام مسلمان کی رائے کو مورد بحث قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے ایک دوسرے سے رابطے کے ذرائع بہت کم تھے اور مہینوں گزرتے تھے جب قاصد ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں پہنچتا تھا، اسی وجہ سے کوئی اور صورت نہ تھی مگر یہ کہ اسلام کی بزرگ وعظیم شخصیتوں یا امامؑ کی تعبیر کے مطابق اصحاب بدر پر اکتفاء کیا جاتا۔

ابتدائی جھڑپیں

ربیع الثانی، جمادی الاول اور جمادی الثانی کے مہینے صرف نمائندے اور پیغامات بھیجنے میں گزر گئے اور اس درمیان بہت سی جھڑپیں ہوئیں (جن کی تعداد ۸۵ لکھی گئی ہے) لیکن یہ جھڑپیں جنگ وجدال کا سبب نہیں بنیں، کیونکہ عراق وشام کے قاری اس درمیان میں واسطہ بنے تھے اور لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا کر رہے تھے [1]

ابوامامہ وابوالدرداء:

یہ دونوں بزرگ صحابی جنگ وجدال کو روکنے کے لئے معاویہ کے پاس گئے اور اس سے کہا: کیوں علی سے جنگ کر رہے ہو؟ معاویہ نے اپنے اسی پرانے جواب کو جو اس نے کئی مرتبہ امامؑ اور آپ کے نمائندوں کو دیا تھا دہرایا اور دونوں صحابیوں نے امام کے پاس آکر اس کا جواب سنایا، امامؑ نے اس مرتبہ معاویہ کا جواب دوسرے انداز سے دیا اور وہ یہ کہ اپنے سپاہیوں کے درمیان یہ بات نشر کر دی کہ معاویہ خلیفہ کے قاتلوں کا طلبگار رہے، اچانک ۲۰ ہزار آدمی اسلحے سے لیس ہو کر اور وہ

[1] واقعہ صفین ص ۱۹۰۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ۱۸۔۱۷

بھی اس طرح کہ ان کی آنکھوں کے علاوہ ان کے بدن کا کوئی حصہ دکھائی نہیں دے رہا تھا باہر آئے اور سب نے یہ کہا کہ ہم خلیفہ کے قاتل ہیں[1]۔

جب ان دونوں بوڑھے صحابیوں نے یہ منظر دیکھا تو انہوں نے دونوں گروہوں کو چھوڑ دیا تا کہ جنگ کے عینی شاہد نہ بنیں جب کہ ان لوگوں کے لئے بہتر تھا کہ حق کی تلاش کرتے اور اس کی حمایت کرتے، رجب ٣٦ کا مہینہ آ پہنچا اور چھوٹ پٹ حملے رک گئے، معاویہ کو اس بات کو خوف تھا کہ قاریان قرآن جو دونوں فوج کے درمیان پڑاؤ ڈالے تھے علی کے لشکر سے نہ مل جائیں، لہٰذا امامؑ کی چھاؤنی کو درہم برہم کرنے کے لئے اس نے چال چلی، جس کی مثال اسلام کی جنگوں کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔

معاویہ کی طرف سے بند توڑنے کی افواہ

فرات کے گھاٹ پر قبضہ کرنے کے بعد جنگ کا نقشہ امام کے لشکر کے حق میں ہو گیا اسی طرح عراق وشام کے قاریان قرآن جو امام کی خدمت میں تھے، امام کی منطقی اور عقلی گفتگو سن کر ان میں سے اکثر شامی قاری بھی آپ کی فوج میں داخل ہو گئے اور ان میں سے کچھ نے کنارہ کشی اختیار کر لی، معاویہ نے اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امام کا اخلاق سب پر حاوی ہو جائے، ایک چال چلی تا کہ جنگ کو اپنے فائدے میں بدل دے۔

امامؑ کی فوج کی چھاؤنی صفین کے ڈھلان پر تھی اور معاویہ کی چھاؤنی بلندی پر تھی، میدان کے کنارے ایک بند تھا جس سے فرات کا پانی روکا گیا تھا اچانک امام کے لشکر میں ایک دوسرے سے یہ خبر پھیل گئی کہ معاویہ چاہتا ہے کہ فرات کے بند کو توڑ کر پانی عراقیوں کی کی طرف بہا دے، اس خبر کو

پھیلانے کا طریقہ یہ تھا کہ معاویہ کے حکم سے خفیہ طور پر ایک تیر امام کے لشکر کی طرف پھینکا گیا جس میں ایک خط تھا جس میں لکھا گیا تھا کہ، یہ خط خدا کے ایک نیک بندے کی طرف سے ہے، میری عرض ہے کہ معاویہ چاہتا ہے کہ فرات پر بنے ہوئے بند کو توڑ دے تا کہ تم لوگوں کو غرق کر دے جتنی جلدی ممکن ہو کوئی فیصلہ کرو احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔

یہ خط امامؑ کے ایک فوجی کے ہاتھ میں پڑا اس سے دوسروں کے ہاتھ میں جاتا رہا یہاں تک کہ پوری چھاؤنی میں یہ خبر پھیل گئی اور شاید سب نے اس خط کو صحیح مان لیا اور جس وقت یہ خبر پھیلی اسی وقت عراق کے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے دوسو آدمیوں کو پھاوڑا، نیزہ وغیرہ دیکر فرات کے گھاٹ پر بھیجا تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ واقعاً وہ بند توڑنا چاہتا ہے۔

امامؑ، معاویہ کے مکر وحیلہ سے واقف تھے لہٰذا اپنی فوج کے سپہ سالاروں سے فرمایا: معاویہ بند توڑنے کی طاقت نہیں رکھتا، وہ تم لوگوں کو اپنے اس مکر وحیلہ سے مرعوب کرنا چاہتا ہے تا کہ تم لوگ اپنا قبضہ چھوڑ دو اور وہ دوبارہ فرات کو اپنے

---

[1] واقعہ صفین ص ١٩٠۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ١٨-١٧

قبضہ میں لے لے۔

سپہ سالاروں نے کہا: ایسا نہیں ہے بلکہ وہ واقعاً توڑنا چاہتا ہے اور اس وقت کچھ لوگ بند کو توڑنے میں مصروف ہیں تاکہ پانی کا رخ ہم لوگوں کی طرف کردیں۔

امامؑ نے فرمایا: اے عراقیو، میری مخالفت نہ کرو۔

سپہ سالاروں نے کہا: خدا کی قسم ہم یہاں سے کوچ کریں گے اگر آپ رکنا چاہتے ہیں تو رک جائیں اس وقت سب چھاؤنی چھوڑ کر چلے گئے اور ایک بلند جگہ پر پناہ لی، امامؑ آخری فرد تھے جنھوں نے مجبوراً چھاؤنی چھوڑی، لیکن زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ امامؑ کی بات صحیح ثابت ہوئی معاویہ نے بجلی کی تیز رفتاری سے امامؑ کی چھاؤنی پر قبضہ کرلیا اور عراقی سپاہیوں کو حیرت میں ڈال دیا۔[1]

مخالفت کی تلافی

امامؑ نے اپنے مخالف سرداروں کو اپنے پاس بلایا اور ان لوگوں کی ملامت کی۔

اشعث بن قیس نے اپنی مخالفت کی عذر خواہی کی اور کہا کہ اس شکست کی تلافی کریں گے چنانچہ مالک اشتر کی مدد سے شدید جنگ کر کے معاویہ کی فوج کو قبضہ کی ہوئی سرزمین سے تین فرسخ دور کردیا اور اس طرح اپنی مخالفت کے ذریعے ہوئی شکست کی تلافی کردی اور میدان پھر امامؑ کے قبضے میں آگیا اور پھر فرات کے پانی پر امامؑ کے سپاہیوں کا قبضہ ہوگیا۔

مگر اس وقت امامؑ نے اپنی کرامت وشجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً ہی معاویہ کے پاس پیغام بھیجا:

انا لا نكافيك بصنعِك، هلُمّ الى الماء فنحن وأنتم فيه

سواء میں تمہارے جیسا کام ہرگز نہیں کرسکتا، اس پانی کی طرف آؤ ہم اور تم اس آسمانی نعمت میں برابر ہیں۔ اس وقت اپنی فوج کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ہمارا مقصد پانی پر قبضہ کرنے سے زیادہ بزرگ ہے۔[2]

ماہ رجب ۳۶ ہجری سے ذی الحجہ تک جنگی جھڑپوں کا سلسلہ جاری رہا اور دونوں فوجوں نے لاشوں کو ایک دوسرے کے حوالے اس خوف سے نہیں کیا کہ کہیں ایسا نہ ہوا کہ فوج حملہ کر بیٹھے لیکن ذی الحجہ میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے، امامؑ نے اس مہینے اپنے سپہ سالاروں مثلاً مالک اشتر، حجر بن عدی، شبث تمیمی، خالد دوسی، زیاد بن نضر، زیاد بن جعفر، سعید ہمدانی، معقل بن قیس اور قیس بن سعد کو ان کے دستوں کے ہمراہ میدان میں روانہ کیا[3] تمام سپہ سالاروں کے درمیان مالک اشتر سب سے

---

[1] واقعہ صفین ص ۱۹۱۔ ۱۹۰

[2] واقعہ صفین ص ۱٦۵

[3] تاریخ طبری ج ۳ جزئ ۵ ص ۲٤۳۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱٤٦

نمایاں نظر آرہے تھے کبھی کبھی دن میں دو حملے ہوتے اور دونوں طرف کے لوگ مارے جاتے، جس وقت محرم ۳۷ ہجری کا چاند فلک پر نمودار ہوا دونوں فوجوں نے کہا کہ محرم الحرام کے احترام میں جنگ بند ہونا چاہیے اورنتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طرف سے نمائندے گفتگو کے لئے آنے لگے۔[1]

۳۷ ہجری کے حادثات

محرام الحرام ۳۷ ہجری کا مہینہ، پیغام اورنمائندے بھیجنے کا مہینہ تھا۔

امامؑ نے اس مہینے میں اہم شخصیتوں مثلاً عدی بن حاتم ،شِبث بن ربعی ، یزید بن قیس اور زیاد بن حفصہ کو معاویہ کے پاس بھیجا تاکہ شاید اس مدت میں اسے دوبارہ جنگ کرنے کے ارادے سے روک سکیں، معاویہ اوران لوگوں کے درمیان ہوئی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

عدی بن حاتم: ہم اس لئے آئے ہیں کہ تمہیں ایسی چیز کی دعوت دیں جس کے ذریعے سے خداوند عالم ہماری امت کو متحد کردے گا اور مسلمانوں کا خون بہنے سے بچ جائے گا اور ہم تجھے اسلام کے فاضل اوراچھے فرد کی طرف دعوت دیتے ہیں، لوگ اس کے پاس جمع ہوئے اور خداوند عالم نے اس کی ہدایت وراہنمائی کی اور کسی نے بھی اس کی بیعت کرنے سے انکار نہیں کیا مگر صرف تم نے اور جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں، ہم لوگوں کی تم سے التجا ہے کہ اس نافرمانی اور طغیانی سے باز آجا، اس سے پہلے کہ جنگ جمل جیسے حالات میں مبتلا ہو۔

معاویہ: تم لوگ مجھے دھمکی دینے اور مرعوب کرنے آئے ہو نہ کہ میری اصلاح کرنے! جو تم چاہتے ہو وہ بہت دور ہے میں حرب کا بیٹا ہوں اور کبھی بھی خالی مشکوں کو پیٹنے سے نہیں ڈرتا (عرب اونٹوں کو بھگانے کے لئے خالی مشکوں کو پیٹتے تھے) خدا کی قسم! تو ان لوگوں میں سے ہے جس نے عثمان کے قتل کرنے پر لوگوں کو ابھارا تھا اور تو خود ان کے قاتلوں میں سے ہے، افسوس اے عدی، میں نے اُسے مضبوط ہاتھوں سے پکڑا ہے۔

شبث بن ربعی وزیاد بن حفصہ: ہم صلح کرنے کے لئے تمہارے پاس آئے ہیں اور تو (ادب کو بالائے طاق رکھ کر) ہم لوگوں کے لئے قصہ بیان کررہا ہے بیہودہ باتوں کو چھوڑ دے اور ایسی باتیں کر جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لئے مفید ہوں۔

یزید بن قیس: ہم پیغام پہنچانے اور پیغام لے جانے کے لئے آئے ہیں اور ہرگز موعظہ ونصیحت اور دلیل اور ایسے مسائل جو اتحاد واتفاق کے لئے سرمایہ ہیں چھوڑ نہیں سکتے، تم ہمارے امام کو پہچانتے ہو اور مسلمان بھی انہیں پہچانتے ہیں کہ وہ کتنے عظیم و برتر ہیں اور یہ بات ہرگز تم سے پوشیدہ نہیں ہے اور متقی و پرہیز گار اور با فضیلت لوگ تجھے علی کے برابر شمار نہیں

---

[1] واقعہ صفین ص ۱۶۵

کرتے، خدا سے خوف کر اور علی کی مخالفت نہ کر، کہ خدا کی قسم کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جو علی سے زیادہ متقی و پرہیز گار ہو اور علی جیسا تمام فضیلتوں کا مظہر ہو۔

معاویہ: تم لوگوں نے مجھے دو چیزوں کی دعوت دی ہے، علی کی اطاعت اور اتحاد، میں دوسرے کو قبول کروں گا لیکن ہرگز میں علی کی اطاعت نہیں کر سکتا، تمہارے رہبر و حاکم نے ہمارے خلیفہ کو قتل کیا اور امت کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا اور خلیفہ کے قاتلوں کو پناہ دیا ہے، اگر ان کا کہنا ہے کہ میں نے خلیفہ کو قتل نہیں کیا ہے تو میں بھی ان کی اس بات کو رد نہیں کروں گا لیکن کیا وہ انکار کر سکتے ہیں کہ خلیفہ کے قاتل ان کے دوست نہیں ہیں؟ وہ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ میں ان سے بدلہ لے سکوں اس وقت میں اطاعت اور وحدت کے بارے میں تمہارا جواب دوں گا۔ [1]

معاویہ کے جواب کی وضاحت

معاویہ اپنے احتجاجات میں ایک نظریہ پر قائم نہیں تھا، حالات کو دیکھ کر باتیں کرتا تھا۔ کبھی امامؑ پر قتل کا الزام رکھتا اور کسی صورت میں بھی اس سے انکار نہیں کرتا لیکن اس گفتگو میں حضرت کو خون عثمان سے بری رکھا مگر یہی مسلسل کہتا رہا کہ امام نے خلیفہ کے قاتلوں کو اپنے پاس رکھا ہے جب کہ وہ اس طرح کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں رکھتا تھا کیونکہ نہ تو وہ خلیفہ کا وارث تھا اور نہ مسلمانوں کا حاکم، قاتلوں کو بار بار اپنے اختیار میں لینے کا اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ امامؑ کی فوج کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے، وہ جانتا تھا کہ عراق و مصر و حجاز کے انقلابی لوگ خلیفہ کے حاکموں کے ظلم وستم کا نشانہ بن چکے تھے اور عثمان کے قتل کے بعد بہت زیادہ اصرار کر کے امام کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ یہی لوگ خلیفہ کے قاتل ہیں (چاہے ان لوگوں نے خود قتل کیا ہے یا کسی کے ذریعے قتل کرایا ہے یا تبلیغ اور اپنی مرضی کے اظہار اور خوشحالی کے لئے اس قتل میں شامل رہے ہیں) ایسے عظیم گروہ کا سپرد کرنا پہلے تو ممکن نہ تھا بلکہ صرف اور صرف نظام حکومت کو ختم کرنے یا شورش برپا کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

معاویہ نے اس گفتگو میں خلیفہ کے قاتلوں کی سپردگی کو مرکزی حکومت کی پیروی کرنے کے لئے کافی سمجھا، جب کہ دوسری جگہوں پر اس نے بہت اصرار کیا کہ ضروری ہے کہ حکومت مہاجرین و انصار کی شوریٰ جس کے افراد مختلف شہروں میں رہتے ہیں ان کی رائے و مشورہ سے طے ہو، اس طرح کی ضد و نقیض باتیں کرنا معاویہ کے ابن الوقت ہونے کی نشاندہی ہے۔

اب ہم معاویہ اور علی علیہ السلام کے نمائندوں کے درمیان ہوئی گفتگو کے سلسلہ میں بیان کر رہے ہیں۔

شبث بن ربعی: اے معاویہ، تجھے خدا کی قسم، اگر عمار یاسر کو تیرے حوالے کریں تو کیا تو انہیں قتل کر دے گا؟ (عمار جس کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، اسے ظالم گروہ قتل کرے گا)

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ جزئ ۵ ص ۳۔۲۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۷۔ واقعہ صفین ص ۱۹۶، ۱۹۸۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۲۲۔۲۱

معاویہ: خدا کی قسم، اگر علی سمیہ کے بیٹے کو میرے حوالے کریں تو میں عثمان کے غلام نائل کے بدلے انہیں قتل کر دوں گا۔

شبث بن ربعی: آسمان کے خالق کی قسم، تو نے عدالت سے کام نہ لیا اس خدا کی قسم جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے تم ہرگز سمیہ کے بیٹے کو قتل نہیں کر سکتے مگر یہ کہ سر وتن میں جدائی ہو جائے اور زمین اپنی پوری وسعت و کشادگی کے ساتھ تجھ پر تنگ ہو جائے۔

معاویہ: اگر زمین مجھ پر تنگ ہوگی تو مجھ سے زیادہ تجھ پر تنگ ہوگی۔

یہاں امامؑ کے نمائندوں کی گفتگو ختم ہوگئی اور بغیر کسی نتیجے کے یا ابوسفیان کے بیٹے کی فکر و تدبر پر کوئی اثر ہوتا نمائندے واپس آ گئے، معاویہ نے ان لوگوں میں سے زیاد بن حفصہ کو بلایا اور اس سے دوسرے انداز سے گفتگو کرنا چاہی وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اس کے نظریہ اور فکر کو تبدیل کر دے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک امامؑ کے چاہنے والوں میں سے بہت سے لوگوں کا نمایندہ تھا معاویہ نے اس سے کہا: علی نے قطع رحم کیا ہے اور ہمارے امام کو قتل کر ڈالا اور اس کے قاتلوں کو پناہ دیا ہے میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے عزیزوں اور قبیلے والوں کے ساتھ میری مدد کرو اور میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ جنگ فتح کرنے کے بعد ان دو شہروں (کوفہ اور بصرہ) میں سے جس شہر کی حکومت چاہے گا تجھے دے دوں گا۔

زیاد بن حفصہ نے کہا: میں اس دلیل کی بنیاد پر جو خدا کی طرف سے میرے پاس ہے اور وہ نعمتیں جو مجھے نصیب ہوئی ہیں میں کبھی مجرموں کا محافظ و مددگار نہیں بن سکتا، یہ جملہ جو کہ موسیٰ بن عمران [1] کی گفتگو کا سرچشمہ ہے کہا اور معاویہ کو چھوڑ کر (امام کی خدمت میں) واپس آ گیا۔

اس بزم میں عمرو عاص بھی موجود تھا معاویہ نے اس بوڑھے سیاسی سے کہا ہم نے ان میں سے جس سے بھی گفتگو کی سب نے بہترین جواب دیا سب کا دل مثل ایک آدمی کے ہے اور سب کی منطق ایک طرح کی ہے۔ [2]

معاویہ کے نمائندے امامؑ کی خدمت میں

امامؑ کا بزرگ شخصیتوں کے بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ معاویہ اپنے ارادے کو بدل دے اور یہ مشکل گفتگو کے ذریعہ حل ہو جائے جب کہ معاویہ کا مقصد یہ تھا کہ جنگ میں تاخیر اور امام کے لشکر میں اختلاف اور انتشار ہو جائے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ علی علیہ السلام ہرگز اس جیسے لوگوں کے سامنے اپنے ارادے میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔

اس مرتبہ معاویہ نے تین آدمیوں حبیب، شرحبیل اور معن کو امام کے پاس بھیجا اور ان تینوں کی منطق وہی معاویہ کی

---

[1] زیاد کے کلام کی عبارت یہ ہے: اما بعد فانی علی بیّنةٍ من ربّی و بما أنعم علیّ فلن اکون ظهیراً للمجرمین۔

[2] تاریخ طبری ج ۳ جزئ ۵ ص ۳۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۸۔ واقعہ صفین ص ۱۹۹۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۲۲۔

منطق تھی، گویا یہ لوگ معاویہ کی زبان تھے جو اس کی باتوں کو بغیر کسی کمی وزیادتی کے بیان کررہے تھے امامؑ اور ان تینوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ درج ذیل ہے۔

حبیب: عثمان ہدایت یافتہ خلیفہ تھا اور آپ نے اس پر زیادتی کی اور اسے قتل کردیا اب اس وقت اس کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کردیجیئے تاکہ ہم انہیں قتل کردیں اور اگر آپ کا کہنا یہ ہے کہ میں نے اسے قتل نہیں کیا ہے تو حکومت چھوڑ دیجیئے اور اسے شوریٰ کے حوالے کردیجیئے تاکہ لوگ جس کو چاہیں منتخب کریں اور وہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لے۔

حبیب کی گفتگو بے اساس تھی، سب سے پہلے بغیر کسی گواہ کے امامؑ پر قتل کا الزام لگایا اور اپنے کو خلیفہ کے حق کا دفاع کرنے والا ثابت کیا، اور پھر امامؑ کے انکار کو قبول کررہا ہے اور ان

سے چاہتا ہے کہ وہ حکومت کی ذمہ داری چھوڑ دیں! یعنی اس پوری گفتگو کا مقصد اس کا آخری جملہ تھا لہٰذا امام علیہ السلام نے سخت انداز میں اس کو جواب دیا:

وما أنت لا اُمّ لَكَ والولاية والعزل والدخول فى هذا الأمر فانّك لستَ هناك ولاٰ بأهل لذالكتو

حکومت سے دستبرداری کا مطالبہ کرنے والا کون ہوتا ہے، جب کہ اس معاملہ میں دخل دینے کا تو اہل نہیں ہے۔

حبیب: خدا کی قسم! جن حالات میں اپنے آپ کو دیکھا پسند نہیں کرتے ان میں اپنے کو ضرور دیکھیں گے۔

امامؑ: تیری کیا حقیقت ہے! جا جتنے بھی سوار اور پیادہ ہیں لا، تو کچھ بھی نہیں کرسکتا۔

شرحبیل: میں بھی وہی بات کہنا چاہتا ہوں جو حبیب نے کہا ہے، کیا وہ جواب جو آپ نے اس کو دیا اس کے علاوہ کوئی جواب ہے جو مجھے دیں گے؟

امامؑ: کیوں نہیں، تمہارے لئے اور تمہارے دوست کے لئے دوسرا جواب بھی میرے پاس ہے، خداوند عالم نے پیغمبر کو چنا اور ان کے ذریعے سے لوگوں کو گمراہی سے نجات دی اور پھر انہیں اپنی بارگاہ میں بلالیا جب کہ آپ نے اپنی رسالت کو انجام دیا پھر لوگوں نے ابوبکر کو ان کی جانشینی کے لئے منتخب کیا اور ابوبکر نے بھی عمر کو اپنا جانشین بنایا۔۔ پھر عثمان نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور لوگ ان کاموں کی وجہ سے جو انہوں نے انجام دیئے تھے ان سے ناراض ہوئے اور اس کی طرف حملہ آور ہوئے اور انہیں قتل کرڈالا، پھر میرے پاس آئے جب کہ میں ان لوگوں کے کاموں سے دور تھا، ان لوگوں نے بہت زیادہ اصرار کیا کہ میرے ہاتھوں پر بیعت کریں، میں نے شروع میں قبول نہیں کیا لیکن ان لوگوں نے حد سے زیادہ اصرار کیا اور کہا امت آپ کے علاوہ کسی پر راضی نہیں ہے اور ہمیں خوف ہے کہ اگر آپ کے ہاتھوں پر بیعت نہ کریں تو دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، تب میں نے ان لوگوں کی بیعت قبول کرلی، طلحہ وزبیر نے بھی میرے ہاتھوں پر بیعت کی لیکن بعد میں بیعت توڑ دی، پھر معاویہ میری مخالفت میں اٹھا، وہ ایسا شخص ہے جسے نہ دین میں کوئی سبقت ہے اور نہ صحیح اسلام

ہی میں کوئی درجہ حاصل ہے وہ آزاد کردہ اور آزاد کردا کا بیٹا ہے وہ بنی امیہ کے گروہ سے ہے وہ اور اس کے باپ ہمیشہ خدا ورسول کے دشمن رہے ہیں اور مجبوراً اسلام قبول کیا ہے مجھے تم پر تعجب ہے کہ تم اس کے لئے فوج اکھٹا کر رہے ہو اور اس کی پیروی کر رہے ہو اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کو چھوڑ دیا ہے اور اہل بیت رسول کے ہوتے ہوئے تم نے دوسروں کی محبت اپنے دل میں بسالی ہے۔ میں تمہیں خدا کی کتاب اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور باطل مردہ اور دین کی تمام نشانیوں کو زندہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں، اور اپنے اور تمام مومن مرد، عورت کے لئے طلب مغفرت کرتا ہوں [1]۔

اگر شرحبیل (تمیم کا زاہدنما) خواہشات نفسانی کا اسیر نہ ہوتا اور اسلام کی تاریخ سے کچھ آگاہی رکھتا تو ضرور امامؑ کی باتوں کو قبول کرتا لیکن چونکہ امامؑ کی عقلی باتوں کے سامنے اس نے اپنے کو عاجز و ناتواں سمجھا اور غلط فکر رکھنے والوں کی طرح امام کے قول کو دوسرے طریقے سے سوچا لہٰذا کہنے لگا: عثمان کے قتل کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا آپ گواہی دیں گے کہ وہ مظلوم مارا گیا ہے؟ اس طرح کا سوال ایک پیغام لانے والے کی ذمہ داری سے خارج تھا اور جلسہ کو درہم برہم کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا ہدف نہ تھا، اس واقعے کے فیصلہ کے لئے عثمان کے قتل کی علتوں کی تحقیق و جستجو کی ضرورت ہے لہٰذا امامؑ نے اس کی تصدیق نہیں کی اور وہ لوگ بھی اسی بہانہ سے امام کے پاس سے چلے گئے اور کہا: جو بھی عثمان کی مظلومیت کی گواہی نہیں دے گا ہم لوگ اس سے بیزار ہیں۔

امامؑ نے ان لوگوں کو اس آیت کا مصداق قرار دیا۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾

آپ مُردوں کو اور بہروں کو اپنی آواز نہیں سنا سکتے اگر وہ منہ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں اور آپ اندھوں کو بھی ان کی گمراہی سے راہِ راست پر نہیں لا سکتے ہیں آپ اپنی آواز صرف ان لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارے اطاعت گزار ہیں۔ [2]

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ جزئ ٦ ص ٤ ۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱٤۸۱٤۹ ۔ واقعہ صفین ص ۲۰۲، ۲۰۰ ۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ۲۲،۲٤

[2] سورۂ نمل آیات ۸۰، ۸۱

سترہویں فصل

جنگ صفین کا انجام

امامؑ مظہر صبر و استقامت تھے، آپ ابوسفیان کے بیٹے کی مخالفت کے مقابلے میں صلح کی ہر کوشش کی لیکن معاویہ کو ریاست طلبی نے اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ نمائندوں، نصیحت کرنے والوں کے جانے کے بعد بھی بجائے اس کے کہ اس میں لوچ پیدا ہوتا زیادہ سخت ہو گیا، آخرکار امامؑ نے ارادہ کیا کہ مسلسل جنگ کریں اور اس سے زیادہ اپنا قیمتی وقت برباد نہ کریں اور اس کینسر کے جراثیم کو اسلامی معاشرہ سے ختم کریں۔

اسلامی معاشرے میں دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت کسی گروہ کے ساتھ عہد (بغیر کسی مزاحمت کے) کرلے تو یہ عہد و پیمان محترم ہوتا ہے مگر یہ کہ حاکم اسلامی کسی وجہ سے یہ احساس کرلے کہ ہمارا مقابل عہد و پیمان توڑ دے گا اور خیانت کرے گا تو اس صورت میں وہ پہل کرسکتا ہے اور اپنے کئے ہوئے عہد و پیمان کو باطل قرار دے سکتا ہے اور جنگ کا آغاز کرسکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے، ارشاد قدرت ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ.[1]

اور اگر تمہیں کسی قوم کی خیانت (عہد شکنی) کا خوف ہو تو تم بھی برابر ان کا عہد ان ہی کی طرف سے پھینک مارو (عہد شکن کے ساتھ عہد شکنی کرو) خدا ہرگز دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اسلام کا یہ قانون، اصول اخلاقی اور عدالت کی رعایت کی حکایت کرتا ہے اور اسلام تو یہاں تک اجازت نہیں دیتا کہ بغیر بتائے ہوئے دشمن پر حملہ کیا جائے، اگرچہ اس کی رفتار و گفتار سے خیانت کی علامتیں ظاہر ہوں۔

امامؑ نے صفین میں اس سے بھی زیادہ رعایتیں کیں، جب کہ آپ کے اور معاویہ کے درمیان جنگ نہ کرنے کا عہد و پیمان نہ تھا بلکہ صرف ماہ محرم کا احترام تھا اور یہی سبب بنا کہ طرفین نے جنگ سے ہاتھ روک لیا اور صفین کا میدان چند دنوں تک سکون میں رہا اس کے باوجود صرف اس لئے کہ شام کے لوگ کہیں یہ نہ سوچیں کہ جیسے ہی محرم کا مہینہ ختم ہونے کے بعد پھر جنگ شروع نہیں ہوگی، آپ نے مرثد بن حارث کو حکم دیا کہ محرم کے آخری دن سورج ڈوبتے وقت شام کی فوج کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ اعلان کرے:

---

[1] سورۂ انفال آیت ۵۸

اے اہل شام! امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے تمہیں مہلت دی اور جنگ کا حکم دینے میں صبر سے کام لیا تا کہ حق کی طرف واپس آ جاؤ اور تمہارے سامنے قرآن مجید سے دلیل پیش کی اور تم لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی لیکن تم لوگوں نے سرکشی سے دوری اختیار نہیں کی اور حق کو قبول نہیں کیا ایسی صورت میں ہم نے ہر طرح کے امن وامان کو قطع کر دیا ہے بے شک خداوند عالم خائنوں کو دوست نہیں رکھتا۔[1]

مرثد کے ذریعہ امامؑ کا پیغام معاویہ کی فوج میں گونج گیا اور دونوں طرف کی فوج جوش میں آ گئی اور دونوں گروہ اپنی اپنی فوجیں سنوارنے لگے اور سپہ سالار معین ہونے لگے امامؑ نے اپنی فوج کو اس طرح ترتیب دیا:

سواروں پر عمار یاسر کو اور تمام پیادوں پر عبداللہ بن بدیل خزاعی کو افسر مقرر کیا اور پورا یت جنگ ہاشم بن عتبہ کے سپرد کیا پھر امامؑ نے فوج کو میمنہ اور میسرہ اور قلب لشکر میں تقسیم کیا یمنیوں کو فوج کی داہنی طرف اور ربیعہ قبیلے کے مختلف گروہ کو فوج کے بائیں طرف اور قبیلہ مُضر کے بہادروں کو جو اکثر کوفہ اور بصرہ کے تھے قلب لشکر میں معین کیا اور ان تینوں کو ایک ایک کر کے سواروں اور پیادوں میں تقسیم کیا، میمنہ اور میسرہ کے سواروں کے لئے اشعث بن قیس اور عبداللہ بن عباس کو، اور پیادہ میمنہ اور میسرہ کے لئے سلیمان بن صُرد اور حارث بن مرّہ کو معین فرمایا اور اس وقت ہر قبیلے کے پرچم کو ان کے سرداروں کے سپرد کیا، ابن مزاحم نے اپنی کتاب واقعہ صفین میں ۲۶ پرچم کا ذکر کیا ہے جو ہر قبیلہ کا تھا کہ تمام پرچم اٹھانے والوں اور ان کے قبیلے کا نام اگر تحریر کیا جائے تو بحث طولانی ہو جائے گی لہٰذا اس کے ذکر سے سے پرہیز کر رہے ہیں[2] معاویہ نے بھی اسی ترتیب سے اپنی فوج کو منظم کیا اور سپہ سالاروں اور پرچم اٹھانے والوں کو معین کیا صبح جب سورج افق پر نظر آیا اور جنگ کا ہونا قطعی ہو گیا تو امامؑ اپنے سپاہیوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے فرمایا:

لا تقاتلوهم حتیٰ يبدؤو كم، فانكم بحمد الله على حجة وتَرْ كُكُم ايّاهم حتّى يبدؤو كم حجّةأخرى لكم عليهم فاذا قاتلتموهم فهزمتموهم فلاتقتلوا مدبراً ولاتجهروا على جريحٍ ولا تكشفوا عورةً ولاتمثّلوا بقتيلٍ، فاذا وصلتم إلىٰ رِحالِ قومٍ فلاتهتكوا ستراً ولاتدخلوا داراً الّا بأذنى ولا تأخذوا شيئًا من اموالهم الا ما وجدتم فى عسكرهم ولاَ تهيّجوا امراةً بأذىً وان شتمن أعراضكم وتنا ولنَ أمراءَ كُم وصُلحاءَ كم فانهنّ ضعاف القوىٰ والأنفس والعقولِ ولقد كنّا لنؤمِرُ بِالكفّ عنهنّ وانّهُنَّ لمشركاتُ وان كان الرّجلُ ليتناوُلُ المرأة بالهراوةِ

---

[1] واقعہ صفین ص ۲۰۳۔۲۰۲، تاریخ طبری ج ۳ جزء ٦ ص ٥۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱٤۹۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ۲٥۔ مروج الذہب ج ۲ ص ۳۸۷ (تھوڑے فرق کے ساتھ)

[2] واقعہ صفین ص ۲۰٥۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ۲٦۔۲٤

او الحدیدِ فیعیرُ بِھا عقِبُہُ من بعدِہِ[1]

جب تک وہ جنگ شروع نہ کریں تم ان سے نہ لڑنا، خدا کا شکر کہ اس جنگ کے لئے تمہارے پاس حجت و دلیل ہے اور ان کو پہل کرنے کے لئے چھوڑ دینا ان پر دوسری حجت ہوگی اور جب ان لوگوں کو شکست دینا تو جو لوگ جنگ سے منہ موڑ کر بھاگیں ان کو قتل نہ کرنا، زخمیوں کو قتل نہ کرنا اور دشمن کو برہنہ نہ کرنا، ان کی لاشوں کو مُثلہ (ناک کان وغیرہ کاٹنا) نہ کرنا اور جب ان کی چھاؤنی اور قیام کی جگہ پہنچنا تو ان کی پردہ دری نہ کرنا اور کسی کے گھر میں بغیر میری اجازت کے داخل نہ ہونا اور دشمنوں کے مال میں سے کوئی چیز نہ لینا، مگر جو چیز تمہیں میدان جنگ میں ملے، عورتوں کو اذیت نہ دینا چاہے تمہیں جتنا بھی برا بھلا کہیں اور تمہارے افسروں کو گالیاں دیں کیونکہ وہ عقل وقدرت کے اعتبار سے کمزور ہیں، وہ مشرک تھیں تو ہمیں حکم تھا کہ ان کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں اور جاہلیت کے زمانے میں اگر کوئی شخص کسی عورت پر عصا یا لوہے سے حملہ کرتا تھا تو یہ ایک ایسی توہین تھی کہ بعد میں اس کی اولادوں کی مذمت کی جاتی تھی۔

امیر المومنین علیہ السلام نے جنگ جمل جنگ صفین اور جنگ نہروانمیں اپنے سپاہیوں کو درج ذیل چیزوں کی سفارش کی:

عبادالله اتقوالله عزّوجلَّ، غُضوا الابصار وأخفضوا الاصوات وأقلّوأ الكلام و وَطّنوا أنفسكم على المنازلة والمجادلةِ والمبارزةِ والمعانقةِ والمكاءمةِ واثبتوا واذكروا الله كثيراً لعلّكم تفلحون ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهبَ ريحُكُم وأصبروا ان الله مع الصابرين[2]

اے خدا کے بندو، خدا کے قوانین کی مخالفت کرنے سے بچو، اپنی آنکھوں کو نیچے کرو، اور اپنی آوازوں کو کم کرو اور کم سخن بنو، اور اپنے کو جنگ اور دشمن سے دفاع اور اس سے مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ رکھو ثابت قدم اور مستحکم رہو اور خدا کا ذکر کرو تاکہ کامیاب ہوجاؤ، اختلاف اور تفرقہ سے پرہیز کرو تاکہ سستی تم کو نہ گھیرے اور تمہاری عظمت وجلالت لوگوں کے درمیان سے ختم نہ ہو صبر کرو کیونکہ خداوند عالم صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جی ہاں، امامؑ کی گفتگو ختم ہوئی اور آپ اپنے گیارہ فوجی سرداروں کے ساتھ دشمن کے سامنے کھڑے ہوئے امامؑ کی فوج کی صفیں اس طرح سے ترتیب دی گئی تھیں کہ قبیلہ کے لوگ جس میں سے کچھ عراق اور کچھ شام کے رہنے والے تھے میدان جنگ میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے، ابتداء میں جنگ کی آگ زیادہ شعلہ ور نہ تھی اور طرفین کو صلح اور جنگ بندی کی امید تھی، سپاہیوں نے ظہر تک جنگ کی پھر حملہ کرنا چھوڑ دیا لیکن پھر جنگ نے شدت پکڑ لی اور صبح سے رات تک بلکہ رات کے کچھ حصہ تک جنگ جاری رہتی[3]۔

---

[1] واقعہ صفین ص ۲۰۴، ۲۰۳۔ تاریخ طبری ج ۳ جز ٦ ص ٦۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۹۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ٢٦۔

[2] واقعہ صفین ص ۲۰۴، ۲۰۳۔ تاریخ طبری ج ۳، جزئ ٦ ص ٦۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۹۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ٢٦

[3] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ۳۰۔ مروج الذھب ج ۲ ص ۳۸۸، ۳۸۷۔ واقعہ صفین ص ۲۱۵، ۲۱۴۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ۳۰، ۲۷

فوجی صف بندی

یکم صفر کو امامؑ کے لشکر سے مالک اشتر اور معاویہ کے لشکر سے حبیب بن مسلمہ اپنے دستے لے کر میدان جنگ میں آئے ،دن کے کچھ حصوں میں جنگ ہوئی دونوں طرف کے لوگ مارے گئے پھر جنگ رک گئی اور دونوں اپنی اپنی قیامگاہ میں واپس آ گئے [1]۔

دوسرے دن امام کے لشکر سے ہاشم بن عتبہ سواروں اور پیادوں کے ساتھ اور معاویہ کے لشکر سے ابوالاعور سلی اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ میدان میں آئے اور سواروں نے سواروں سے اور پیادوں نے پیادوں سے جنگ کی۔[2]

تیسرے دن امام کے لشکر سے عمار اور معاویہ کے لشکر سے عمرو عاص اپنے اپنے دستوں کے ساتھ میدان جنگ میں آئے اور دونوں کے درمیان بہت زبردست جنگ ہوئی۔[3]

عمار نے شام کے لشکر کے سامنے جا کر بلند آواز سے کہا: کیا تم اس شخص کو پہچاننا چاہتے ہو جس نے خدا اور پیغمبر(ص) سے دشمنی اور عداوت کی اور مسلمانوں پر ظلم وستم کیا ہے اور مشرکوں کی پشت پناہی کی ہے؟ جب کہ خدا نے چاہا کہ اپنے دین کو ظاہر و آشکار کرے اور اپنے پیغمبرﷺ کی مدد کرے تو اس نے فوراً ڈر اور خوف کی وجہ سے (نہ اپنی مرضی و خواہش سے) اپنے کو مسلمان ظاہر کیا اور جب پیغمبر اسلامﷺ اس دنیا سے چلے گئے تو وہ مسلمانوں کا دشمن اور ظالموں کا دوست ہو گیا۔ اے لوگو آگاہ ہو جاؤ کہ یہ شخص وہی معاویہ ہے اس پر لعنت بھیجو اور اسکے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ وہ ایسا شخص ہے جو چاہتا ہے کہ خدا کے نور کو خاموش کر دے اور خدا کے دشمنوں کی مدد کرے۔[4]

ایک شخص نے عمار سے کہا کہ رسول اسلام (ص) نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے ساتھ جنگ کرو تا کہ لوگ اسلام قبول کریں اور جب لوگ اسلام قبول کرلیں گے تو ان کے جان و مال محفوظ ہو جائیں گے۔

عمار نے اس کلام کی تصدیق کی اور کہا بنی امیہ نے شروع سے ہی اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ صرف اسلام لانے کا

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ٣٠۔ مروج الذہب ج ٢ ص ٣٨٨، ٣٨٧۔ واقعہ صفین ص ٢١٥، ٢١٤۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ٣٠، ٢٧۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ٣٠۔ مروج الذہب ج ٢ ص ٣٨٨۔ ٣٨٧۔ واقعہ صفین ص ٢١٥۔ ٢١٤۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ٣٠۔ ٣٢٧۔

[3] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ٣٠۔ مروج الذہب ج ٢ ص ٣٨٨۔ ٣٨٧۔ واقعہ صفین ص ٢١٥۔ ٢١٤۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ٣٠۔ ٣٢٧۔

[4] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ٣٠۔ مروج الذہب ج ٢ ص ٣٨٨۔ ٣٨٧۔ واقعہ صفین ص ٢١٥۔ ٢١٤۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٤ ص ٣٠۔ ٣٢٧۔

ڈھونگ کرر ہے تھے، اوراپنے اندر کفر کو چھپائے تھے یہاں تک کہ ان کے کفر نے اپنا دوست واحباب بنالیا۔[1]

عمار نے اتنا کہنے کے بعد اپنے سواروں کے سپہ سالار کو حکم دیا کہ شامیوں کے سواروں پر حملہ کرے اس نے حملہ کرنے کا حکم دیا لیکن شامی ان کے مقابلے میں جمے رہے اس وقت پیادوں کے افسر کو حملہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ اس نے حملہ کرنے کا دستور دیا اور امامؑ کے سپاہیوں نے ایک ہی حملے میں دشمن کی صفوں کو تہ بالا کر دیا عمر و عاص اپنی جگہ چھوڑ کر صفوں میں روپوش ہو گیا۔

عمر و عاص، نے ایسا حربہ استعمال کیا جو عمار استعمال کر چکے تھے، عمار نے بنی امیہ کی فوج اور ان کے سرداروں کو کافر بتا کر دشمن کی صف میں ہلچل مچا دی تھی، اسی کے مقابلے میں عمر و عاص نے بھی ایک کالا کپڑا نیزے پر بلند کیا اور کہا کہ یہ وہی پرچم ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن اس کے حوالے کیا تھا، جسے دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں حیرت زدہ ہو گئیں اور سرگوشیاں شروع ہو گئیں، امامؑ فتنے کو روکنے کے لئے اپنے دوستوں کے پاس گئے اور کہا! کیا تم لوگ جانتے ہو کہ اس پرچم کی کیا کہانی ہے؟ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن اس پرچم کو باہر لائے اور فوج اسلام کی طرف مخاطب ہو کر کہا: کون ہے جو اس کو اٹھائے اور اس کا حق ادا کرے؟ عمر و عاص نے کہا: کس طرح اس کا حق ادا ہو گا؟ پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا: مسلمانوں سے جنگ نہ کرے اور کافر کے مقابلے سے نہ بھاگے مگر اس کا اس نے یوں حق ادا کیا کہ کافروں سے بھاگا اور آج مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر رہا ہے۔

اس خدا کی قسم جس نے بیج کو شگافتہ کیا اور انسان کو پیدا کیا اس گروہ نے صدق دل سے اسلام قبول نہیں کیا ہے بلکہ صرف اسلام کا تظاہر کیا ہے اور اپنے کفر کو چھپا لیا ہے اور جب ان کے دوست واحباب مل گئے تو اپنے کفر کو ظاہر کر دیا اور اپنی دشمنی پر واپس آ گئے۔ اور صرف نماز کو ظاہراً ترک نہیں کیا[2]

چوتھے دن محمد حنیفہ اپنے لشکر کے ساتھ میدان میں آئے اور معاویہ کی فوج سے عبید اللہ بن عمر اپنی فوج لے کر میدان میں آیا جنگ کے شعلے بھڑکے اور پھر دونوں فوجوں کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی[3] عبید اللہ نے محمد حنیفہ کے پاس پیغام بھجوایا کہ اب ہم دونوں جنگ کرنے کے لئے میدان میں آئیں محمد بن حنفیہ میدان کی طرف بڑھے تا کہ ان کے ایک ایک فرد سے جنگ کریں، امامؑ کو اس کی خبر ملی اور فوراً گھوڑے کو اپنے بیٹے کی طرف دوڑایا اور ان کو جنگ کرنے سے منع کیا اور پھر خود عبید اللہ کی طرف بڑھے اور کہا تو آگے بڑھ میں تم سے جنگ کروں گا، عبید اللہ یہ سن کر کانپنے لگا اور کہا: مجھے تمہارے ساتھ جنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے پھر اپنے گھوڑے کو موڑ کر میدان جنگ سے چلا گیا اس وقت دونوں فوجیں پیچھے ہٹ

---

[1] واقعہ صفین ص۲۱٦ ۔ ۲۱۵، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج٤ ص۳۱ ۔ تاریخ طبری جزء٦ ص۷

[2] واقعہ صفین ص۲۱٦ ۔ ۲۱۵ ۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج٤ ص۳۱ ۔ تاریخ طبری ج۳ جز٦ ص۷

[3] مروج الذہب ج۲ ص۳۸۸

گئیں اور اپنی اپنی چھاؤنی میں واپس آگئیں۔[1]

ماہ صفر ۳۸ھ کی پانچویں تاریخ اتوار کے دن دو دستے جن میں عراقیوں کی سرداری ابن عباس اور شامیوں کی سرداری ولید بن عقبہ کر رہے تھے میدان جنگ میں آئے اور دونوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی، ظہر کے وقت دونوں نے جنگ روک دی اور اپنے اپنے لشکر کے پاس واپس آگئے، ولید بن عقبہ نے

جب عبدالمطلب کی اولاد کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو: ابن عباس نے اسے جنگ کے لئے بلایا لیکن اس نے جنگ کرنے سے گریز کیا اور میدان چھوڑ کر چلا گیا۔[2]

فوج شام کے افراد اسلامی تاریخ اور واقعات سے بے بہرہ تھے ورنہ ان کی فوج کی سپہ سالاری ایسے شخص کے ہاتھ میں نہ ہوتی جس کو قرآن نے فاسق اور نابکار سے یاد کیا ہے ولید وہی شخص ہے جس کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے ان جاءکم فاسق بنباءٍ فتبینوا (سورۂ حجرات ۶) یعنی اگر کوئی فاسق خبر لائے تو اسکی چھان بین کرو۔[3] یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں قرآن نے اس طرح توصیف کی ہے اَفمن کان مومناً کمن کان فاسقاً لایستوٗون (سورۂ سجدہ ۱۸) یعنی کیا جو شخص مومن ہے وہ اسی طرح ہے جس طرح فاسق ہے؟ ہرگز یہ دونوں برابر نہیں۔[4]

اس جنگ میں اگر چہ بہت سے افراد قتل ہوئے لیکن دونوں فوجیں بغیر کسی نتیجے کے اپنی اپنی چھاؤنی میں واپس آگئیں مگر امامؑ، عمار اور ابن عباس کی تقریروں سے شام کے لوگوں پر حقیقت واضح ہوگئی اور کم وبیش معاویہ کا جھوٹا اور بے بنیاد دعویٰ لوگوں پر ظاہر و روشن ہوگیا، یہی وجہ ہے کہ جنگ کے پانچویں دن شمر بن ابرہہ حمیری شام کے قاریوں کے کچھ گروہ کے ساتھ امام کے لشکر میں شامل ہوگیا، ان لوگوں کا نور کی طرف آنا تاریکی کی علامت تھی جو شام کی فوج پر چھائی ہوئی تھی اس سے معاویہ کو بہت بڑا دھچکا لگا، اس کے تکرار سے سخت خوفناک تھا۔

عمرو عاص نے معاویہ سے کہا: تو چاہتا ہے کہ ایسے شخص سے جنگ کرے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریبی رشتہ دار ہے، اسلام میں ثابت قدم اور استوار ہے، فضلیت ومعنویت اور جنگ کے اسرار و رموز جاننے میں بے مثال ہے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص لوگوں میں سے ہے اور بہادر ساتھیوں، قاریوں اور شریف ترین لوگوں کے ساتھ تم سے جنگ کرنے آیا ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں اس کی ہیبت وبزرگی چھائی ہے، تو تجھ پر لازم ہے کہ شامیوں کو اہم جگہوں اور علاقوں میں معین کرو اور اس سے پہلے کہ جنگ کی مدت طولانی ہونے کی وجہ سے وہ افسردگی اور رنجیدگی کا احساس کریں ان لوگوں کو لالچ دو اور جو چیز بھی بھولنا چاہو

---

[1] واقعہ صفین ص ۲۲۲۔ ۲۲۱۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۰۵۔ تاریخ طبری ج ۳، جز ۶ ص ۷۔ مروج الذہب ج ۲ ص ۳۸۸۔

[2] واقعہ صفین ص ۲۲۲۔ ۲۲۱۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۰۵۔ تاریخ طبری ج ۳ جزئ ۶ ص ۷۔ مروج الذہب ج ۲ ص ۳۸۸۔

[3] تمام اسلامی مفسرین نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

[4] اس آیت کے شان نزول کے متعلق، تفسیر الدر المنثور اور برہان کی طرف رجوع کریں۔

بھول جاؤ مگر یہ نہ بھولنا کہ تم باطل پر ہو۔

معاویہ نے بوڑھے مکار سیاسی کی باتوں سے نصیحت لی اور سمجھ گیا کہ شامیوں کو میدان جنگ کی طرف مائل کرنے کا ایک طریقہ دین اور تقوی و پرہیز گاری کا اظہار کرنا بھی ہے اگر چہ ان کے دلوں میں اس کا کچھ اثر نہ ہو، یہی وجہ تھی کہ اس نے حکم دیا کہ ایک منبر بنایا جائے اور شام کے تمام سرداروں کو اپنے پاس بلایا اور منبر پر گیا اور پھر بڑے ہی رنجیدہ دل سے دین و مذہب کے لئے مگر مچھ کی طرح آنسو بہایا اور کہا:

اے لوگو: اپنی جانوں اور سروں کو میرے سپرد کر دو، سست نہ ہونا اور مدد کرنے میں کوتاہی نہ کرنا آج کا دن خطرناک دن ہے حقیقت اور اس کی حفاظت کا دن ہے تم لوگ حق پر ہو اور تمہارے پاس دلیل ہے تم لوگ اس سے جنگ کر رہے ہو جس نے بیعت کو توڑا ہے اور خون حرام بہایا ہے اور آسمان پر کوئی بھی اس کو معذور نہیں سمجھتا۔

پھر عمرو عاص منبر پر گیا اور معاویہ کی طرح سے تقریر کی اور پھر منبر سے اتر گیا۔[1]

امامؑ کی تقریر

امامؑ کو خبر ملی کہ معاویہ اپنے مکر وفریب کے ذریعے دین کا لبادہ پہن کر شامیوں کو جنگ کی دعوت دے رہا ہے لہٰذا آپ نے حکم دیا کہ سب کے سب ایک جگہ جمع ہو جائیں، راوی کہتا ہے کہ میں نے امام کو دیکھا جو اپنی کمان پر ٹیک لگائے ہیں اور پیغمبر (ص) کے دوستوں کو اپنے پاس جمع کیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام ساتھی ان کے ہمراہ ہیں پھر آپ نے خدا کی حمد وثناء کی اور کہا:

اے لوگو! میری باتوں کو غور سے سنو اور اسے یاد کرلو۔ خودخواہی سرکشی کی وجہ سے ہے اور کبر ونخوت خود بینی سے اور شیطان تمہارا ابھی کا دشمن ہے جو تمہیں باطل کا وعدہ دے رہا ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے اسے برا بھلا نہ کہو اس کی مدد کرنے سے گریز نہ کرو، شریعت و دین ایک ہے اور اس کے راستے بھی ہموار ہیں جس نے بھی اس سے تمسک کیا وہ اس سے ملحق ہو گیا اور جس نے اسے ترک کیا وہ اس سے خارج ہو گیا اور جو بھی اس سے جدا ہو گا وہ نابود ہو جائے گا اور جو شخص امین کے نام سے مشہور ہو اور خیانت کرے، وعدہ کرے مگر خلاف ورزی کرے، بات کرے مگر جھوٹ بولے، وہ مسلمان نہیں ہے، ہم خاندان رحمت ہیں ہماری باتیں سچی اور ہمارے کردار سب سے اچھے ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر الزمان ہم میں سے ہیں اور اسلام کی رہبری بھی ہمارے ہی پاس ہے، خدا کی کتاب کے قاری ہم ہی ہیں۔ میں تمہیں خدا اور رسول (ص) کی طرف اور ان کے دشمنوں سے جہاد کرنے، اور اس کی راہ میں ثابت قدم رہنے اور اس کی مرضی حاصل کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے، اور خدا کے گھر کی زیارت کرنے، اور رمضان المبارک میں روزہ رکھنے، اور بیت المال کو اس کے اہل تک پہنچانے

[1] واقعہ صفین ص ۲۲۲۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۵ ص ۱۸۰۔

کی دعوت دیتا ہوں۔

یہ بھی دنیا کے لئے تعجب ہے کہ معاویہ اور عمرو عاص دونوں اس لائق ہو گئے کہ لوگوں کو دینداری کی طرف رغبت دلائیں! تم لوگ جانتے ہو کہ میں نے کبھی بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت نہیں کی بلکہ وہ مقامات جہاں پر بڑے بڑے بہادر پیچھے ہٹ گئے اور ان کے بدن خوف کے مارے کانپنے لگے میں نے اپنی جان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سپر قرار دیا اس خدا کا شکر جس نے ہمیں یہ فضلیت بخشی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پرواز کر گئی جب کہ ان کا سر میری آغوش میں تھا، اور صرف تنہا میں نے ان کو غسل دیا اور مقرب ترین فرشتے آپ کے جسم اطہر کو اِدھر سے ادھر پلٹتے تھے، خدا کی قسم کسی بھی پیغمبر کی امت اس کی رحلت کے بعد اختلاف کا شکار نہ ہوئی مگر یہ کہ اہل باطل حق والوں پر غالب آ گئے۔ [1]

جب امامؑ کی تقریر یہاں تک پہنچی تو، بزرگ و باایمان اور وفادار دوست عمار نے لوگوں کی طرف نگاہ کی اور کہا، امام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم لوگوں کو آگاہ کر دیا ہے کہ امت نے نہ تو شروع ہی میں صحیح راستہ اپنایا اور نہ ہی آخر میں صحیح راستہ اپنایا۔

ابن مزاحم کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ نے ٦،صفر ٣٨ دوشنبہ کے دن شام کے وقت تقریر کی تھی اور آخر کلام میں تمام سپاہیوں سے مطالبہ کیا کہ فساد کو جڑ سے اکھاڑ دیں۔ اسی وجہ سے ٧،صفر منگل کے دن تمام سپاہیوں کو ایک بڑے حملے کے لئے آمادہ کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا جس میں جنگ کے اسرار و رموز کی تعلیم دی۔ [2]

---

[1] واقعہ صفین ص ٢٢٤ - ٢٢٣ - شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٥ ص ١٨٢-١٨١

[2] واقعہ صفین ص ٢٢٤ - ٢٢٣ - شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٥ ص ١٨٢-١٨١

اٹھارہویں فصل

اجتماعی حملے کا اغاز

جنگ صفین شروع ہوئے آٹھ دن گزر گئے اور چھٹ پٹ حملے اور بہادر سرداروں کی رفت وآمد سے کوئی نتیجہ نہ نکلا، امامؑ اس فکر میں تھے کہ کس طرح سے نقصان کم ہو اور ہم اپنے مقصد تک پہنچ جائیں آپ اس بات سے بھی مطمئن تھے کہ محدود جنگ قتل وغارت گری کے علاوہ کوئی نتیجہ نہیں رکھتی اسی وجہ سے آپ نے ماہ صفر کی آٹھویں رات (شب چہار شنبہ) کو اپنے اصحاب کے درمیان تقریر فرمائی:

اس خدا کا شکر کہ اگر اس نے کسی چیز کو شکست دی تو اسے مستحکم نہیں کیا اور جس چیز کو مستحکم کر دیا اُسے شکست نہیں ہو سکتی، اگر وہ چاہتا تو اس امت سے دو آدمی یا پوری امت اختلاف نہیں کرتی، اور کوئی شخص بھی کسی بھی امر میں جو اس سے مربوط ہے اختلاف نہیں کرتا، اور مفضول، فاضل کے فضل وکرم سے انکار نہیں کرتے، تقدیر نے ہمیں اس گروہ کے سامنے کھڑا کر دیا ہے۔

سب کے سب خدا کی نگاہوں اور اس کے حضور میں ہیں اگر خدا چاہتا تو عذاب کے نزول میں جلدی کرتا، تاکہ ستمگروں کو جھٹلا سکے، اور حق کو آشکار کرے اس نے دنیا کو کردار کا گھر اور آخرت کو اجر وثواب کا گھر قرار دیا تاکہ بدکاروں کو ان کے برے کردار کہ وجہ سے عذاب اور اچھے لوگوں کو ان کے اچھے کردار کی وجہ سے اجر وثواب دے، آگاہ ہو جاؤ اگر خدا نے چاہا تو کل دشمن سے مقابلہ ہوگا لہٰذا اس رات خوب نماز پڑھو اور بہت زیادہ قرآن پڑھو، اور خداوند عالم سے ثابت قدمی اور کامیابی کی دعا کرو اور کل دشمنوں سے احتیاط اور پوری بہادری کے ساتھ لڑنا، اور اپنے کام میں سچے رہو۔

امامؑ نے یہ باتیں کہیں اور وہاں سے چلے گئے پھر امامؑ کے تمام سپاہی تلوار و نیزہ وتیر کی طرف گئے اور اپنے اپنے اسلحوں کو صحیح کرنے لگے۔[1]

امامؑ نے آٹھ صفر بدھ کے دن حکم دیا کہ ایک آدمی شام کی فوج کے سامنے کھڑا ہو اور عراق کی فوج کی طرف سے جنگ کا اعلان کرے۔

معاویہ نے بھی امامؑ کی طرح اپنی فوج کو منظم کیا اور اسے مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا، اس کی فوج حمص، اردن اور

[1] واقعہ صفین ص ۲۲۵۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۵ ص ۱۸۲۔ تاریخ طبری ج ۳ جزئ ٦ ص ۷/۸۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۰۔

قنسرین کے لوگوں پر مشتمل تھی اور معاویہ کی جان کی حفاظت کے لئے شام کے لوگوں نے ضحاک بن قیس فہری کی سرپرستی میں ذمہ داری لی اور اس کو اپنے حلقے میں لے لیا، تا کہ دشمن کو قلب لشکر، جہاں معاویہ کی جگہ تھی پہنچنے سے روک سکیں۔

معاویہ نے جس انداز سے فوج کو مرتب کیا تھا وہ عمرو عاص کو پسند نہ آئی اور اس نے چاہا کہ معاویہ کی فوج کو منظم کرنے میں مدد کرے لہٰذا اسے وہ وعدہ یاد دلایا جو دونوں نے آپس میں کیا تھا، (یعنی فتح و کامیابی کے بعد مصر کی حکومت اس کی ہوگی) عمرو نے کہا: حمص کی فوج کی سرداری میرے سپرد کرو اور ابو الاعور کو ہٹا دو۔ معاویہ اس کی اس فرمائش پر بہت خوش ہوا اور فوراً ایک شخص کو حمصیوں کے پاس بھیجا اور پیغام بھیجوایا کہ عمرو عاص جنگ کے امور میں تجربہ رکھتا ہے جو ہم اور تم نہیں رکھتے، میں نے اسے سواروں کا سردار بنایا ہے لہٰذا تم دوسرے علاقے میں جاؤ۔

عمرو عاص نے حکومت مصر کی امید میں اپنے دونوں بیٹوں عبد اللہ اور محمد کو بلایا اور اپنے تجربہ اور اپنے اعتبار سے فوج کو منظم کیا اور حکم دیا کہ زرہ پہنے ہوئے سپاہی فوج کے آگے اور جو زرہ

نہیں پہنے ہیں وہ فوج کے پیچھے کھڑے ہوں، اور پھر اپنے دونوں بیٹوں [1] کو حکم دیا کہ فوج کے درمیان معائنہ کریں اور فوج کے نظم و ترتیب کا خاص خیال رکھیں اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ خود فوج کے درمیان ٹہلنے لگا اور اس کے نظم و ترتیب پر نگاہ رکھی اور اسی طرح معاویہ فوج کے درمیان منبر پر بیٹھ گیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری یمن کے لوگوں نے لی اور حکم دیا کہ جو شخص بھی منبر کے نزدیک ہونے کا ارادہ کرے فوراً اسے قتل کر دینا۔ [2]

جب بھی جنگ کا مقصد قدرت اور حاکمیت ہوگا تو اس وقت اپنی حفاظت کے لئے گروہ کا انتظام ہوگا، لیکن اگر ہدف اور مقصد معنوی ہوگا تو ہدف کی خاطر اگر جان بھی دینی پڑے تو کوئی پرواہ نہیں ہوگی لہٰذا نہ تو کسی نے امام کی حفاظت کی ذمہ داری لی بلکہ امامؑ سیاہ رنگ کے گھوڑے پر سوار حکم دیتے تھے اور فوج کی رہبری بھی کر رہے تھے اور اپنے بلند نعروں سے شام کے بہادروں کو لرزہ بر اندام (تھرتھرانا) کر دیتے تھے اور اپنی تیز تلوار سے لوگوں کو دور کرتے تھے۔

رہبری کے طریقے میں اختلاف، مقصد کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے اور شہادت کا طلب کرنا آخرت پر ایمان اور اس کی حقانیت پر اعتقاد رکھنا ہے، جب کہ موت سے خوف اور دوسروں کو اپنی جان کی حفاظت کے لئے قربان کرنا دنیاوی زندگی سے محبت والفت اور ماوراء مادہ سے انکار کرنا ہے اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ عمرو عاص کے بیٹے نے ان چیزوں کا

---

[1] یہاں اس بات کی یاد دہانی کرنا ہے کہ عمرو عاص کے دونوں بیٹے ظاہری طور پر زاہد نما تھے۔ جو ابتداء میں باپ کو ابوسفیان کے بیٹے کی حمایت سے روک رہے تھے لیکن اس وقت ان کے سچے اور گہرے دوست ہیں یہ واقعہ ہمیں اس مثال کی یاد دلاتا ہے جو عربی اور فارسی (اور اردو، رضوی) زبان میں رائج ہے۔ (هل تلد الحية الا الحية) یعنی کیا سانپ کا بچہ سانپ کے علاوہ ہو سکتا ہے۔ یا فارسی کی مثال، عاقبت گرگ زادہ گرگ شود۔ گرچہ با آدمی بزرگ شود۔ بھیڑیئے کا بچہ بھیڑیا ہوگا اگر چہ وہ آدمی کے ساتھ ہی کیوں نہ بڑا ہوا ہو۔

[2] واقعہ صفین ص ۲۲۶۔ شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج ۵ ص ۱۸۲۔

اعتراف بھی کیا اور امامؑ کی فوج کے بارے میں یہ کہا فان ھؤ لاء جاؤوابخطّۃٍ بلغت السمائ یہ لوگ آسمانی ہدف لے کر میدان میں آئے ہیں اور شہادت سے خوف نہیں رکھتے۔

عاص کے بیٹے کی معاویہ کے ساتھ خیر خواہی اور مدد اس سے محبت و الفت اور فتح و کامیابی کی بنا پر نہ تھی بلکہ وہ ہر طرف سے اپنے فائدے کے لئے اسے کامیابی سے ہمکنار کرانا چاہتا تھا اور معاویہ سے اظہار نظر اور مشورہ کر کے اکثر اسے یاد دلاتا تھا اور جو باتیں ان دونوں کے درمیان ہوئیں وہ اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں۔

معاویہ: جتنی جلدی ہو فوج کی صفوں کو منظم کرو۔

عمرو عاص: اس شرط کے ساتھ کہ میری حکومت میرے لئے ہو۔

معاویہ، اس خوف سے کہ عمرو عاص امام کے بعد اس کا رقیب نہ ہو جائے فوراً پوچھا کون سی حکومت؟ کیا حکومت مصر کے علاوہ دوسری چیز چاہتا ہے؟

عمرو عاص نے جو پرانا سیاست باز اور غیر متقی سوداگر تھا نے اپنے چہرے پر تقویٰ کا ماسک لگا کر کہا کیا مصر، جنت کے عوض ہو سکتا ہے؟ کیا علی کو قتل کر کے عذاب جہنم کی مناسب قیمت جس میں ہرگز آرام نہیں ہوگا، ہو سکتی ہے؟

معاویہ نے اس خوف سے کہ کہیں عمرو کی بات فوج کے درمیان پھیل نہ جائے اس سے کہا ذرا آہستہ آہستہ، تیری گفتگو کوئی اور نہ سن لے۔

جی ہاں، عمرو عاص مصر کی حکومت کی آرزو میں شام کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

اے شام کے سردارو، اپنی صفوں کو مرتب کرو اور اپنے سروں کو اپنے خدا کو ہدیہ کر دو، اور خدا سے مدد طلب کرو اور خدا کے دشمن اور اپنے دشمن سے جنگ کرو ان لوگوں کو قتل کرو تا کہ خدا ان لوگوں کو قتل کرے اور انہیں نابود کر دے۔[۱]

اور اُدھر جیسا کہ گزر چکا ہے اس دن امامؑ نے ایک گھوڑا طلب کیا لوگ آپ کے لئے (شبرنگی) گھوڑا لائے جو طاقت کی وجہ سے مسلسل کود رہا تھا اور دو لگاموں سے کھینچا جاتا تھا۔ امامؑ نے اس کی لگام اپنے ہاتھ میں لی اور اس آیت کی تلاوت فرمائی:

سبحان الذی سخّر لنا ھذا وما کُنّا لہ مقرنین وانّا اِلیٰ ربّنا لمنقلبون.[۲]

پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لئے آمادہ کیا جسکی ہمارے پاس طاقت وقدرت نہ تھی اور سب کے سب اس کی بارگاہ میں واپس جائیں گے۔

پھر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور کہا:

---

[۱] واقعہ صفین ص۲۳۱، ۲۳۰۔ شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج۵ ص۱۷٦

[۲] سورۂ زخرف آیت ۱۳

اللّٰھم اِلیك نُقِلَتِ الاقدامُ وأُ تُعِبَتِ الابدانُ و أ فضتِ القلوبُ و رفعتِ الأیدی و شُخِصَتِ الأبصار .... اللّٰھم انّا نشکُوا ألیكَ غیبة نبیّنا و کثرۃ عدوّنا وتشتّت أھوا ئنا۔ ربنّا افتح بیننا وبینَ قومِنا بالحقِّ وَ آنتَ خیر الفا تحِین [۱]

خدایا: تیری ہی طرف قدم اٹھتے ہیں اور بدن رنج وغم میں گرفتار ہوتے ہیں اور دل تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ہاتھ بلند ہوتے ہیں اور آنکھیں کھلی رہتی ہیں .... خدایا: ہم اپنے پیغمبر کے نہ رہنے کا شکوہ اور دشمنوں کی زیادتی اور اپنی آرزؤں کے بکھرنے کا تیری بارگاہ میں شکوہ کرتے ہیں خداوندا ہمارے اور اس قوم کے درمیان حقیقی فیصلہ کر کیونکہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

بالآخر ۸ صفر بدھ کے دن باقاعدہ حملے کا آغاز ہوااور صبح سویرے سے رات تک حملے ہوتے رہے اور دونوں فوجیں بغیر کسی کامیابی کے اپنی اپنی چھاؤنی میں واپس آگئیں۔

جمعرات کے دن امامؑ نے نماز صبح تاریکی میں پڑھی اور پھر دعا پڑھنے کے بعد خود حملہ شروع کیا، آپ کے ساتھی بھی چاروں طرف سے جنگ کرنے لگے۔ [۲]

حملے سے پہلے امام علیہ السلام نے جو دعا پڑھی اس کا کچھ حصہ یہ ہے:

ان اظھر تنا علیٰ عدوّنا فجنبنا الغ و سدِّدنا للحقِّ، وإن اظھر تھُم علینا فَارزُقنا الشّھا دۃ وَ اعصِم بقیَّۃَ أصحابی مِنَ الفتنۃ [۳]

پروردگار! اگر ہمیں اپنے دشمنوں پر کامیاب کیا تو ہم سب کو ظلم وستم سے دور رکھ اور ہمارے قدموں کو حق کے راستے پر چلا، اور اگر وہ سب ہم پر کامیاب ہوئے تو ہم لوگوں کو شہادت نصیب فرما اور جو ہمارے دوست باقی بچیں انہیں فتنہ سے محفوظ رکھ۔

امامؑ کے لشکر کے سرداروں کی شعلہ ور تقریریں

فوج کے بزرگوں اور سرداروں کی تقریریں بہت بڑی تبلیغ کا کام کرتی ہیں بسا اوقات، ایک فوج کی تقریر دشمن کو نابود اور خود اپنے لئے کامیابی کے مقدمات فراہم کردیتی ہے، اسی وجہ سے، جمعرات ۹ صفر اجتماعی حملے کے دوسرے دن امامؑ

---

[۱] واقعہ صفین ص ۲۳۱، ۲۳۰۔ شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج ۵ ص ۱۷۶

[۲] تاریخ طبری ۳، جزء ۶ ص ۸۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۱

[۳] واقعہ صفین ص ۲۳۲

کی فوج کی بزرگ شخصیتوں نے تقریریں کیں، امام کے علاوہ عبداللہ بن بدیل [۱] سعید بن قیس [۲] (ناصرین کے علاقہ میں) اور مالک اشتر جیسی بزرگ شخصیتوں [۳] نے تقریر کی اور ہر شخص نے ایک خاص طریقے سے امامؑ کی فوج کو شامی دشمن کی فوج پر حملہ کرنے کی تشویق دلائی، اسی درمیان بہت سے واقعات رونما ہوئے جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

۱۔کون ہے جو اس قرآن کو اپنے ہاتھ میں لے؟

علی علیہ السلام قبل اس کے کہ جنگ کا آغاز کرتے اتمام حجت کے لئے اپنے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: کون ہے جو اس قرآن کو اپنے ہاتھوں میں لے اور ان شامیوں کو اس کی طرف دعوت دے؟ سعید نامی نوجوان اٹھا اور اس نے ذمہ داری لی امامؑ نے دوسری مرتبہ پھر اپنی بات دہرائی اور پھر وہی نوجوان اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا اے امیر المومنین میں حاضر ہوں، اس وقت علی علیہ السلام نے قرآن اس کے حوالے کیا وہ معاویہ کی فوج کی طرف روانہ ہوا ان لوگوں کو خدا کی کتاب اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دی، تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ دشمن کے ہاتھوں شہید ہو گیا [۴]

۲۔دو حُجر کی جنگ:

حُجر بن عدی کندی ان شخصیتوں میں سے ہیں جو پیغمبر کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور ان کے ذریعے مسلمان ہوئے اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے مخلصوں اور ان دفاع کرنے والوں کی صف میں تھے بالآخر اسی راہ میں اپنی جان دے دی معاویہ کے ظالم جلادوں کے ہاتھوں امامؑ کے کچھ مخلصوں کے ہمراہ مرج عذرائ (جو شام سے ۲۰ کلومیٹر دوری پر واقعہ ہے) میں قتل ہو گئے اور تاریخ نے انہیں حُجر الخیر کے نام سے یاد کیا جبکہ ان کے چچا حُجر بن یزید کو تاریخ نے حُجر الشّر کے نام سے یاد کیا۔

اتفاق سے اس دن یہ دونوں حُجر جو کہ آپس میں قریبی عزیز بھی تھے میدان جنگ میں روبرو ہوئے، مبارزہ کی دعوت حُجر الشّر کی طرف سے شروع ہوئی اور اس وقت جبکہ یہ دونوں اپنے اپنے نیزوں سے جنگ کرنے میں مصروف تھے معاویہ کی فوج سے ایک شخص خزیمہ، حُجر بن یزید کی مدد کیلئے دوڑا اور حُجر بن عدی پر نیزہ مارا اس موقع پر حُجر کے کچھ ساتھیوں نے خزیمہ پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا لیکن حجر بن یزید میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ [۵]

---

[۱] واقعہ صفین ص ۲۳٤۔شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ج ٥ ص ۱۸٦

[۲] واقعہ صفین ص ۲٤۷۔شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ج ٥ ص ۱۸۸

[۳] واقعہ صفین ص ۲٤۱۔۲۳۹۔شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ج ٥ ص ۱۹۱۔۱۹۰

[۴] واقعہ صفین ص ۲٤٤۔شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ج ٥ ص ۱۹٤

[۵] واقعہ صفین ص ۲٤۳۔شرح نہج البلاغۃ ابن الحدید ج ٥ ص ۱۹٦۔۱۹٥

۳۔فوج شام کے میسرہ پر عبداللہ بن بدیل کا حملہ

عبداللہ بن بدیل خزاعی امامؑ کے لشکر کے بلند پایہ افسر تھے وہ پیغمبر اسلامﷺ کا جلیل القدر صحابی اور نفس کی پاکیزگی اور بہادری اور زبردست جنگ کرنے والوں میں مالک اشتر کے بعد مشہور تھے۔

میمنہ کی فوج کی ذمہ داری انھی کے ہاتھ میں تھی اور میسرہ کی سرداری عبداللہ بن عباس کے ذمہ تھی، عراق کے قاری عمار یاسر، قیس بن سعد اور عبداللہ بن بدیل کے بارے میں ہوے[۱] عبداللہ، حملہ شروع کرنے سے پہلے اپنے دوستوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:

معاویہ نے ایسے مقام و منصب کا دعویٰ کیا ہے جس کا وہ اہل نہیں ہے، مقام و منصب کے حقیقی وارثوں سے لڑائی کے لئے اٹھا ہے اور باطل اور غلط دلیلوں کے ساتھ حق سے لڑنے آیا ہے، اس نے عربوں (بدو) اور مختلف لوگوں کو ملا کر فوج تشکیل دی ہے اور گمراہی کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد کہا:

وأنتم والله علیٰ نورٍ من ربّکم وبرهان مبین، قاتلوا الطغاةَ الجفاةَ ولا تخشوهُم و کیفَ تخشونَهم وفي أيدیکم کتاب من ربّکم ظاهر منور... وقدقاتلتهُم مع النبیِّ والله مٰا هم فی هٰذهِ بأزکیٰ ولاٰ أتقیٰ ولاٰ أبرّ، قُوموا اِلیٰ عدوِّ الله وعدوِّکم[۲]

خدا کی قسم تم لوگ خدا کے نور کے سایہ میں اور روشن دلیل ہو۔اس جفا کار اور سرکش کے ساتھ جنگ کرو سے خوف نہ کرو، اس سے کیوں ڈرو جب کہ تمہارے ہاتھ میں خدا کی کتاب ہے جو واضح اور سب کی نظر میں مقبول ہے تم نے پیغمبرﷺ کے ساتھ اس سے جنگ کی ہے خدا کی قسم ان کا حال ماضی سے بہتر نہیں ہے، اٹھو اور خدا کے دشمن اور اپنے دشمن سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہو جاؤ۔

میمنہ کی سرداری عبداللہ کے حوالے تھی اس کے باوجود انہوں نے دو زرہ پہنی اور دو تلواریں (دونوں ہاتھوں میں) لیں اور حملہ شروع کر دیا اور پہلے ہی حملہ میں معاویہ کی فوج کو راستے سے ہٹا دیا اور حبیب بن مسلمہ جو فوج شام کے میسرہ کا سردار تھا، کے لشکر کو شکست دیدی، ان کی پوری کوشش یہ تھی کہ خود کو معاویہ کے خیمے تک پہنچا دیں اور اس ام الفساد کو درمیان سے ختم کر دیں معاویہ کے تمام نگہبان جنہوں نے اپنی جان قربان کرنے کا عہد کیا تھا، پانچ صف کی صورت میں یا بقولے پانچ دیوار کی طرح اس کے اطراف میں محاصرہ کئے ہوئے تھے اور ان کو بڑھنے سے روک رہے تھے لیکن یہ دیواریں بہت بڑی

---

[۱] کامل ابن اثیر ج۳ ص ۱۵۱

[۲] واقعہ صفین ص ۲۳٤۔تاریخ طبری ج۳ جزء ص۹۔کامل ابن اثیر ج۳ ص ۱۵۱ (تھوڑے فرق کے ساتھ)

مشکل نہ بنیں، بلکہ ایک کے بعد ایک گرتی رہیں عبداللہ کا حملہ بہت زبردست تھا لیکن اس سے پہلے کہ خود کو معاویہ کے خیمہ تک پہنچاتے قتل کردیئے گئے۔[1]

اس سلسلے میں جریر طبری نے اپنی تاریخ میں ابن مزاحم (مؤلف وقعہ صفین) سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، وہ لکھتا ہے:

عبداللہ دشمن کی فوج کے میسرہ کے ساتھ جنگ کرنے میں مشغول تھا اور مالک اشتر بھی میمنہ پر حملہ کررہے تھے، مالک اشتر جو کہ زرہ پہنے ہوئے تھے اپنے ہاتھ میں ایک یمنی ڈھال نما لوہے کا ٹکڑا لئے ہوئے تھے جب اس کو جھکاتے تھے تو ایسا لگتا تھا کہ اس سے پانی برس رہا ہے اور جب اسے اونچا کرتے تھے تو اس کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔انہوں نے اپنے حملے میں میمنہ کو تہ وبالا کردیا اور ایسے مقام پر پہنچے جہاں عبداللہ بن بدیل قاریوں کے گروہ جن کی تعداد تقریباً تین سو،[2] کے آس پاس تھی موجود تھے، انہوں نے عبداللہ کے دوستوں کو میدان میں ڈٹا ہوا پایا مالک اشتر نے ان کے اطراف سے دشمنوں کو دور کیا وہ لوگ مالک اشتر کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فوراً امام کے حالات دریافت کئے اور جب ان لوگوں نے جواب میں سنا کہ امامؑ صحیح و سالم ہیں اور میسرہ میں اپنی فوج کے ساتھ جنگ کرنے میں مصروف ہیں تو شکر خدا بجالائے۔

ایسی حالت میں عبداللہ نے اپنے کم ساتھیوں کے باوجود بہت زیادہ اصرار کیا کہ آگے بڑھیں، معاویہ کے نگہبانوں کو قتل کرنے کے بعد خود معاویہ کو قتل کردیں، لیکن مالک اشتر نے انہیں پیغام دیا کہ آگے نہ بڑھیں اور جس جگہ پر ہیں وہیں ٹھہرے رہیں اور اپنا دفاع کریں۔[3] لیکن ان کا خیال تھا کہ وہ ایک بجلی کی طرح تیز حملے سے نگہبانوں کو ختم کرکے معاویہ تک پہنچ جائیں گے، اسی وجہ سے وہ آگے بڑھتے رہے اور چونکہ دونوں ہاتھوں میں تلوار لئے تھے اپنے دوستوں کے ہمراہ حملہ شروع کردیا اور جو بھی سامنے آتا تھا ایک ہی حملے میں اس کا کام تمام کردیتے تھے اور اس قدر آگے بڑھے کہ معاویہ کو مجبوراً اپنی جگہ بدلنی پڑی۔[4]

عبداللہ کے حملے کی خوبی یہ تھی کہ وہ نگہبانوں سے لڑتے وقت یالثارات عثمان،، کا نعرہ بلند کررہے تھے اس نعرے سے ان کا مقصد ان کا وہ بھائی تھا جو اسی جنگ میں مارا گیا تھا لیکن دشمنوں نے اس سے دوسری چیز سمجھا اور بہت تعجب میں پڑے تھے کہ عبداللہ کس طرح سے لوگوں کو عثمان کے خون کا بدلہ لینے کی دعوت دے رہے ہیں۔!

---

[1] واقعہ صفین ص ۲۴۸

[2] ابن مزاحم نے واقعہ صفین میں ان کی تعداد سو آدمی لکھی ہے۔

[3] کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۳ذ

[4] تاریخ طبری ج ۳ جزئ ٦ ص ۱۰۔کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۲،۱۵۱۔شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج ٥ ص ۱۹٦

بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ حقیقت میں معاویہ کو اپنی جان خطرے میں نظر آئی اور کئی مرتبہ اپنی میمنہ کی فوج کے سردار حبیب بن مسلمہ کے پاس پیغام بھیجا کہ مدد کو پہنچے لیکن حبیب کی ساری کوششیں بے کار ہو گئیں۔ اور عبداللہ کو ان کے مقصد تک پہنچنے سے روک نہ سکا، معاویہ کے خیمے سے وہ بہت کم فاصلے پر تھے معاویہ نے جب کوئی سبیل نہ دیکھی تو نگہبانوں کو حکم دیا کہ ان کے اوپر پتھر مارو اور ان سے جنگ کرو، اور یہ طریقہ مؤثر واقع ہوا اور نگہبانوں نے پتھر مار کر عبداللہ جن کے ہمراہ بہت کم لوگ تھے زخمی کر دیا اور وہ زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔[1]

جب معاویہ نے اپنی جان کو خطرے سے باہر پایا تو خوشی سے پھولے نہیں سمایا اور عبداللہ کے سرہانے آیا، ایک شخص جس کا نام عبداللہ بن عامر تھا اور معاویہ کے قریبی لوگوں میں سے تھا اپنے عمامہ کو عبداللہ کے چہرے پر ڈال دیا اور اس کے لئے دعائے رحمت کی، معاویہ نے بہت اصرار کیا کہ اس کا چہرہ کھول دے مگر اس نے نہیں کھولا کیونکہ وہ اس کا دوست تھا، معاویہ نے اس سے وعدہ کیا کہ میں اِسے مُثلہ (جسم کے ٹکڑے کاٹنا) نہیں کروں گا، اس وقت اُسے امام کے بہادر سردار کا چہرہ دیکھنا نصیب ہوا، جیسے ہی معاویہ کی نگاہ عبداللہ کے چہرے پر پڑی اس نے برجستہ کہا:

هذا و الله كبشُ القومِ۔ و ربِّ الكعبةِ اللّٰهمّ اَظْفِرْنِي بِالْاَشْتَرِ النّخعِي والْاَ شْعَثِ الْكِنْدِيّ.[2]

خدا کی قسم، وہ اس گروہ کا سب سے بڑا ہے خدایا مجھے اور دو بڑے بہادروں، مالک اشترنخعی اور اشعث کِندی پر کامیابی عطا فرما۔

اس وقت عبداللہ کی بے مثال بہادری و شجاعت پر عدی بن حاتم کا قصیدہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

أخا الحربِ إن عضّتْ به الحربُ عضّها

وان شمّرَتْ عن سَاقِهَا الحربُ شمَّرا [3]

مردِ جنگجو (بہت زیادہ جنگ کرنے ولا) وہ ہے کہ اگر جنگ نے اُسے دانت دکھایا تو وہ بھی اسے دانت دکھائے اور اگر آستین اوپر اٹھائے تو وہ بھی آستین اوپر کرے۔

---

[1] واقعہ صفین ص ٢٤٦۔٢٤٥

[2] تاریخ طبری ٣ جزء ٦ ص ١٦، ١٣۔ واقعہ صفین ص ٢٤٦۔ کامل ابن اثیر ج ٣ ص ١٥٤۔١٥٣، شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج ٥ ص ١٩٧۔ مروج الذہب ج ٢ ص ٣٩٨۔

[3] تاریخ طبری ٣ جزء ٦ ص ١٦، ١٣۔ واقعہ صفین ص ٢٤٦۔ کامل ابن اثیر ج ٣ ص ١٥٤۔١٥٣، شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج ٥ ص ١٩٧۔ مروج الذہب ج ٢ ص ٣٩٨۔

جنگ، لیلۃ الہریر تک

امامؑ کے چاہنے والوں اور معاویہ کے طرفداروں کے درمیان واقعی جنگ ماہ صفر ۳۸ ھ سے شروع ہوئی اور ۱۳، صفر [1] کو دو پہر تک جاری رہی، تاریخ لکھنے والوں نے اس ابن جریر طبری نے اپنی کتاب میں صلح کی تاریخ ۱۳ صفر لکھی ہے اور لیلۃ الہریر کو جمعہ کے دن لکھا ہے۔ (ص ۲٤) لیکن چونکہ جس دن صفر کا مہینہ شروع ہوا تھا وہ بدھ کا دن تھا اور اس اعتبار سے لیلۃ الہریر ۱۷ صفر کو ہونا چاہیے (ماہ صفر کی تیسری شب جمعہ) اور اگر مراد دوسری شب جمعہ ہو تو اس صورت میں لیلۃ الہریر ۱۰ صفر کو ہونا چاہیے نہ کہ ۱۳ صفر کو، مگر یہ کہا جائے لیلۃ الہریر کے آدھے دن سے صلح نامہ لکھے جانے تک تین دن تک دونوں فوجوں میں لڑائی ہوتی رہی اور تیسرے دن صلح نامہ مکمل ہوا لیکن ظاہراً جو ابن مزاحم کی کتاب واقعہ صفین میں تحریر ہے وہ یہ ہے کہ جنگ دسویں دن کے بعد بھی جاری رہی۔

مہینے کی شب پندرہویں کو لیلۃ الہریر کے نام سے یاد کیا ہے، عربی لغت میں ہریر کے معنیٰ کتوں کا تیز اور دردناک آواز میں بھونکنا ہے، کیونکہ معاویہ کی فوج اس رات امامؑ کی فوج کے حملے سے ایسے ہی چلا رہی تھی جیسے کتے چلاتے ہیں، عنقریب تھا کہ معاویہ اور امویوں کی حکومت کا تختہ پلٹ جائے کہ اچانک عمرو عاص نے دھوکہ اور فریب کے ساتھ اور امام کی فوج کے درمیان تفرقہ پیدا کر کے اس خونی اور سرنوشت ساز جنگ اور اس کو روک دیا بالآخر ۱۷، صفر جمعہ کے دن واقعہ حکمیّت تک پہنچا اور جنگ وقتی طور پر روک دی گئی۔

جنگ صفین کے حادثات لکھنے والے مؤرخین نے دس دن تک حالات کو ترتیب سے لکھا ہے۔ [2] لیکن اس کے بعد کے حالات وحادثات کی ترتیب بدل گئی، تاریخ لکھنے والوں کو چاہیے کہ اپنے ذوق تاریخ شناسی کی روشنی میں واقعات کو ترتیب دیں ہم بھی ان چند دن میں ہوئے واقعات کو لیلۃ الہریر تک اپنے انداز سے تحریر کر رہے ہیں۔

دسویں دن کا حادثہ

دسویں صفر کا سورج طلوع ہوا اور اپنی روشنی کو صفین کے میدان پر ڈالا جو خون کے تالاب کی طرح ہو گیا تھا، شہادت کے عاشق اور امامؑ کے چاہنے والے یعنی ربیعہ قبیلے والے امام کے اطراف میں جمع تھے اور امام کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، ان کے سرداروں میں سے ایک سردار اٹھا اور کہا:

من یبایعُ نفسهُ علی الموتِ و یشری نفسهُ لله؟

کون ہے جو مرنے کے لئے بیعت کرے اور اپنی جان کو خدا کے لئے بیچ دے؟

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ جلد ٦ ص ۳۱۔

[2] مروج الذہب ج ۲ ص ۳۹۰۔ ۳۸۷۔

اس وقت سات ہزار لوگ کھڑے ہوئے اور اپنے سردار کے ہاتھ پر بیعت کی اور کہا، ہم اتنا آگے بڑھیں کہ معاویہ کے خیمے میں داخل ہو جائیں اور پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھیں۔

ان کی محبت والفت کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ ان میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا:

لیس لکم عُذر فِي العربِ إن اصیب عليّ فیکم، ومنکم رجُل حَیّ۔

عربوں کے سامنے تم لوگ ذلیل ورسوا ہو جاؤ گے اگر تم میں سے ایک آدمی بھی زندہ رہا اور امامؑ کو کوئی آسیب پہنچا جب معاویہ نے ربیعہ کی بہادری اور موعظہ ونصیحت کو دیکھا تو برجستہ اس کے منہ سے تعریفی جملے نکل پڑے اور یہ شعر پڑھا۔

إِذَاقُلتَ قد وَلّتْ ربیعةُ أقبلَتْ

کتائبُ منهم کالجِبالِ تجالد

اگر کوئی کہے کہ قبیلۂ ربیعہ نے میدان میں اپنی پشت دکھائی، تو اچانک ان میں سے کچھ گروہ پہاڑ کی طرح جنگ کرنے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔[1]

میمنہ کی فوج میں ترمیم

ربیعہ کی بہادری کے مقابلے میں قبیلۂ مضر نے بہت زیادہ وفاداری نہیں کی اور امامؑ کی میمنہ کی فوج اپنے سردار عبد اللہ بن بدیل کے قتل ہونے کی وجہ سے اور قبیلۂ مضَر کے افراد کے میدان سے بھاگنے کی وجہ سے شکست سے دو چار تھی، اس طرح سے کہ اس فوج کے سپاہی قلب لشکر سے جا ملے کہ جس کی سرداری خود امامؑ کر رہے تھے۔ امامؑ نے میمنہ کی فوج میں بہتری اور سدھار کے لئے سہل بن حنیف کو اس فوج کا سردار بنایا، لیکن حبیب بن مسلمہ کی سرداری میں شام کی فوج کے ہجوم نے میمنہ کے نئے سردار کو اتنی مہلت نہ دی کہ فوج کو منظم ومرتب کرتا، امامؑ جب قبیلۂ مضر کی بدنظمی سے باخبر ہوئے تو فوراً مالک اشتر کو اپنے پاس بلایا اور انہیں حکم دیا کہ یہ گروہ جس نے اسلامی روش کو بھلا دیا ہے اس سے کہو:

این فرار کم من الموت الذی لن تعجزوہ الیٰ الحیاۃ الّتی لا تبقیٰ لکم؟

کیوں ایسی موت سے بھاگ رہے ہو جس کے مقابلے کی قدرت نہیں رکھتے اور جو زندگی ختم ہونے والی ہے اس کی طرف بھاگ رہے ہو؟

مالک اشتر، میمنہ میں شکست کھاتے ہوئے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر امامؑ کا پیغام پہنچانے کے بعد جوش وولولے والی تقریر میں کہا:

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج ٥ ص ٢٤٢، ٢٤١۔ واقعہ صفین ص ٣٠٦

فان الفِرار فیه سلب العزّ والغلبة علیٰ الفَیئِ وذِلَّ الحیاۃ و المماتِ و عار الدنیا والاخرۃ وسخط اللہ وألیم عقابِہِ

میدان جہاد سے فرار کرنا اپنی عزت کو برباد کرنا اور بیت المال کو اپنے ہاتھوں سے گنوا دینا اور حیات و زندگی میں ذلت، اور دنیا و آخرت میں ننگ و عار، خدا کا قہر و غضب اور اس کا دردناک عذاب ہے۔

پھر فرمایا: اپنے دانتوں کو ایک دوسرے پر مضبوطی سے دبا لو اور اپنے سر کے ساتھ دشمن کے استقبال کے لئے بڑھو اتنا کہنے کے بعد آپ نے میمنہ کی فوج کو منظم کیا اور خود حملہ شروع کر دیا اور میسرۂ میں معاویہ کی فوج جو امامؑ کی میمنہ فوج کے مقابل تھی، اسے پیچھے بھگا دیا یہاں تک کہ معاویہ کے قلب لشکر میں پہنچ گئے۔[1]

شکست کے بعد میمنہ کی فوج کا مرتب ہونا امامؑ کی خوشحالی کا سبب ہوا، اسی وجہ سے آپ نے ان لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا

فألان فاصبر واانزلت علیکم السّکینۃ وثبّتکم اللہ بالیقین ولیعلم المنھزم بأنّہ مُسخِط لِرَبّہِ و مُوبقنفسہ، وَفی الفِرارِ مُوجَدَۃاللہِ عَلَیْہِ والذّلّ اللازمُ أوالعارُ الباقی۔[2]

اس وقت صبر و سکون سے رہو کیونکہ ثبات اور آرام تمہارے لئے خدا کی طرف سے آیا اور تمہیں یقین کے ساتھ قائم رکھا اور جو لوگ شکست کھا چکے ہیں (میدان جنگ میں ثابت قدم نہ رہے) وہ جان لیں کہ انہوں نے خود کو خدا کے غیظ و غضب اور بلاؤں میں گرفتار کیا ہے اور میدان جنگ سے بھاگنے والے پر خدا کا قہر اور ذلت ہوگی۔

قاتل کا گریہ

مأرب ایک شہر ہے جو شمال میں شرق صنعا کے پاس ہے وہ اس عظیم نہر جو ۵۴۲ سے ۵۷۰ کے درمیان منہدم ہوئے بہت مشہور ہے، یمن کے قبیلے والوں نے اسی نہر کی برکت سے کافی ترقی کی اور وہ بہت اچھی کھیتی کرتے تھے، مشہور طوفان، عرم کے اثر سے نہر منہدم ہوئی جس کے بعد لوگ وہاں سے جزیرہ کے اِدھر اُدھر چلے گئے اور اس میں سے اکثر لوگ شام، اردن، فلسطین چلے گئے، لیکن اپنا قبیلہ چھوڑنے کے باوجود لوگ اپنے کو اسی قبیلے سے منتسب کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قبیلہ ازد، مضر، کندہ، قضاعہ اور ربیعہ کے لوگ عراق میں اور اسی قبیلے کے کچھ لوگ شام، اردن اور فلسطین میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

فوج کو منظم کرتے وقت امامؑ کی سیاست یہ تھی کہ جس قبیلے کے لوگ بھی عراق میں زندگی بسر کر رہے تھے تو دوسرے

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج۵ ص ۱۹۸، ۱۹۷۔ واقعہ صفین ص ۲۵۰۔ تاریخ طبری ۳، جزء ٦ ص ۱۲

[2] تاریخ طبری ۳، جزء ٦ ص ۱٤

افراد کے سامنے وہی قبیلے کے لوگ کھڑے ہوں، جو عراق کے علاوہ دوسری جگہوں پر زندگی بسر کررہے تھے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ آمنے سامنے کا مقابلہ بہتر ثابت ہو اور شدید خونریزی نہ ہو۔[۱]

ایک دن خثعم کے عبد اللہ نامی شامی سردار نے خثعم عراق کے رئیس سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی، اور تھوڑے وقفہ کے بعد اس سے ملاقات ہوئی، شامی نے عرض کیا کہ خثعم قبیلے کے دونوں گروہ جنگ نہ کریں، اور آئندہ کے لئے فکر کریں، دونوں فوجوں میں سے جو بھی کامیاب ہوئی ہم اس کی پیروی کریں، لیکن ان دونوں سرداروں کی باتوں کا کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ عراقیوں میں سے کسی نے بھی اس کی باتوں پر توجہ نہیں دی، اور کوئی بھی راضی نہیں ہوا کہ امامؑ سے اپنی بیعت اٹھا لے، لہٰذا دونوں گروہوں میں آمنے سامنے سے ایک ایک کر کے جنگ شروع ہوگئی، وہب بن مسعود خثعمی عراقی، نے اپنے برابر کے شخص کو شامیوں میں سے قتل کرڈالا اور اسی کے مقابلے میں خثعم شام کے ایک شخص نے عراق کے خثعمی پر حملہ کردیا اور ابوکعب کو قتل کردیا لیکن قتل کرنے کے فوراً بعد مقتول پر رونا شروع کردیا اور کہا میں نے معاویہ کی پیروی کرنے کی وجہ سے تجھے قتل کیا ہے جب کہ تو میرا قریبی عزیز تھا اور لوگوں سے زیادہ میں تم کو چاہتا تھا خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کروں، سوائے یہ کہ شیطان نے ہم لوگوں کو گمراہ کردیا اور قریش نے ہمیں اپنا آلہ قرار دیدیا ہے اور ایک ہی قبیلے کے دوگروہوں کی آپسی جنگ میں ۸۰ لوگ دونوں طرف کے مارے گئے اور جنگ تمام ہوگئی۔[۲]

تاریخ دہراتی ہے

یہ واقعہ بذات خود بے مثال نہیں ہے بلکہ جنگ صفین میں کم وبیش اس طرح کا واقعہ ہوا ہے جس میں بعض کی طرف ہم اشارہ کررہے ہیں۔

۱۔ نعیم بن صہیب بَجلی عراقی قتل ہوا اس کا چچازاد بھائی نعیم بن حارث بَجلی جو شام کی فوج میں تھا، اس نے معاویہ سے اصرار کیا کہ اپنے چچازاد بھائی کی لاش کو کپڑے سے چھپادے، لیکن اس نے جازت نہیں دی اور بہانہ بنایا کہ اسی گروہ کے خوف سے عثمان کو رات میں دفن کیا گیا لیکن بَجلی شامی نے کہا یا تو یہ کام انجام پائے گا یا تجھے چھوڑ دوں گا اور علی کے لشکر میں شامل ہوجاؤں گا آخرکار معاویہ نے اسے اجازت دی کہ اپنے چچازاد بھائی کے جنازے کو دفن کردے۔[۳]

۲۔ قبیلۂ ازد کے دوگروہ آمنے سامنے تھے ان دونوں قبیلوں میں سے ایک قبیلے کے سردار نے کہا سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ایک ہی قبیلہ کے دوگروہ ایک دوسرے سے مقابلے کے لئے آمادہ ہیں۔ خدا کی قسم، ہم اس جنگ میں اپنے

---

[۱] معجم البلدان ج۵ ص۳۵، ۳٤

[۲] واقعہ صفین ص۲۵۸، ۲۵۷۔ شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج۵ ص۲۰۵، ۲۰٤۔

[۳] واقعہ صفین ص۲۵۹۔ شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج۵ ص۲۰۷۔ تاریخ طبری ج۳ جزئ ٦، ص١٤، کامل ابن اثیر ج۳ ص١٥٤۔

ہاتھوں سے اپنے ہاتھ پیر کاٹنے کے علاوہ کچھ اور نہیں کر سکتے اور اگر یہ کام انجام نہ دیا تو ہم نے اپنے رہبر اور قبیلے کی مدد نہیں کی، اور اگر انجام دیں تو اپنی عزت کو برباد اور اپنی زندگی کی لو کو خاموش کر دیا ہے۔[۱]

۳۔ شامیوں میں سے ایک نے میدان میں قدم رکھا اور جنگ کی دعوت دی، عراق کا ایک شخص اس سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں آیا اور دونوں نے زبردست حملے کئے بالآخر عراقی نے شامی کی گردن پکڑی اور اسے زور سے زمین پر پٹک دیا اور اس کے سینے پر بیٹھ گیا جس وقت اس نے خود شامی کے چہرے سے نقاب اور سر سے ٹوپی اتاری تو دیکھا کہ اس کا اپنا بھائی ہے! اس نے امامؑ کے دوستوں سے کہا کہ امامؑ سے کہو کہ اس مشکل کو حل کریں۔ امامؑ نے حکم دیا کہ اُسے آزاد کر دو لہٰذا اس نے آزاد کر دیا اس کے باوجود وہ دوبارہ معاویہ کی فوج میں شامل ہو گیا۔[۲]

٤۔ معاویہ کی فوج سے ایک شخص بنام سوید میدان میں آیا اور مقابلے کے لئے للکارا امامؑ کی فوج سے قیس میدان میں آئے، جب دونوں نزدیک ہوئے تو ایک دوسرے کو پہچان گئے اور دونوں نے ایک دوسرے کو اپنے رہبر و پیشوا کی طرف آنے کی دعوت دی، قیس نے امامؑ سے اپنی محبت و ایمان کو اپنے چچا زاد بھائی سے بیان کیا اور کہا، وہ خدا کہ جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اگر ممکن ہوتا تو اس تلوار سے اس سفید خیمے (معاویہ کا خیمہ) پر اتنا زبردست حملہ کرتا کہ صاحب خیمہ کا کوئی آثار باقی نہ رہتا۔[۳]

شمر بن ذی الجوشن امامؑ کی رکاب میں

تعجب کی بات (ایسی حیرت و تعجب جس کی کوئی انتہا نہیں ہے) یہ ہے کہ شمر جنگ صفین میں امامؑ کے ہمراہ تھا، اور میدان جنگ میں ادھم نام کے ایک شامی نے اس کی پیشانی پر سخت ضربت لگائی جس سے اس کی ہڈی ٹوٹ گئی، وہ بھی بدلہ لینے کے لئے اٹھا اور شامی پر تلوار سے زبردست حملہ کیا، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، شمر اپنی توانائی واپس کرنے کے لئے اپنے خیمے میں پانی پیا اور ہاتھ میں نیزہ لے لیا پھر میدان میں آ گیا اس نے دیکھا کہ شامی اسی طریقے سے اپنی جگہ پر کھڑا ہے، اس نے شامی کو مہلت نہ دی اور اپنا نیزہ اس کے اوپر اس طرح مارا کہ وہ گھوڑے سے زمین پر گر گیا اور اگر فوج شام سے لوگ اسکی مدد کو نہ پہنچتے تو اسے قتل کر دیتا اس وقت شمر نے کہا یہ نیزہ کی مار اس حملہ کے مقابلے میں ہے۔[۴]

شہادت پر فخر ومباہات:

---

[۱] واقعہ صفین ص ٢٦٢۔ تاریخ طبری ج ٣، جزئ ٦ ص ١٠۔ شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج ٥ ص ٢٠٩۔

[۲] واقعہ صفین ص ٢٧٢۔ شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج ٥ ص ٢١٥۔

[۳] واقعہ صفین ص ٢٦٨۔ شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج ٥ ص ٢١٣۔

[۴] تاریخ طبری ج ٣ جزئ ٦ ص ١٨۔ شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج ٥ ص ٢١٣۔

شہادت اور اللہ تعالیٰ سے عشق ومحبت پر مومنین اور قیامت پر ایمان واعتقاد رکھنے والے ہی افتخار کرتے ہیں اور مقدس مقصد کے تحت جنگ کرتے ہیں اور یہ افتخار اور فخر ومباہات ایک ایسی ثقافت ہے جو دوسری قوموں میں نہیں، شہادت سے عشق ومحبت قیام وجہاد کے لئے ایک بہترین محرّک اور علت ہے، شہید اپنی چند روزہ زندگی کو ابدی زندگی سے اسی عقیدے کی بنا پر تبدیل کرتا ہے اور پھر وہ اپنے مقصد کے پیش نظر کسی کو نہیں پہچانتا ہے۔

جنگ صفین کے زمانے میں ایک دن فوج شام کے قبیلۂ بنی اسد کا ایک بہادر سپاہی میدان میں آیا اور جنگ کے لئے بلایا عراقی فوجی اس بہادر کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے اچانک ایک ضعیف شخص بنا ممقطّع عامری اٹھا تاکہ بنی اسد کے اس شخص سے لڑنے کے لئے میدان میں جائے، لیکن جب امامؑ متوجہ ہوئے تو اسے میدان جنگ میں جانے سے منع کر دیا، ادھر اس شامی بہادر کی ھَلْ مِنْ مبارز کی بلند آواز نے لوگوں کے کانوں کو بہرا کر دیا تھا۔ ادھر ہر مرتبہ وہ ضعیف جو شہادت کا عاشق تھا اپنی جگہ سے مقابلے کے لئے اٹھتا تھا لیکن امام اُسے منع کر دیتے تھے، اس ضعیف نے عرض کیا اے میرے مولا، اجازت دیجیے کہ اس جنگ میں شرکت کروں تاکہ شہید ہو جاؤں اور بہشت کی طرف جاؤں یا اسے قتل کر دوں اور اس کے شرّ سے آپ کو امان دوں، امامؑ نے اس مرتبہ اسے اجازت دی اور اس کے حق میں دعا کی۔

اس دلیر اور بہادر کے عاشقانہ حملے نے اس بہادر شامی کے دل میں ایسا رعب پیدا کر دیا کہ اسے بھاگنے کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہ آیا اور اتنا دور ہو گیا کہ خود کو معاویہ کے خیمے کے پاس پہنچا دیا لیکن اس بوڑھے مجاہد نے اس کا وہاں تک پیچھا کیا اور جب اس کو نہ پایا تو اپنی جگہ پر واپس آ گیا۔ اور جب علی علیہ السلام کی شہادت ہوگئی اور لوگوں نے معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو معاویہ نے مقطّع عامری کو تلاش کرایا اور اسے اپنے پاس بلایا، مقطّع جب کہ پیری اور ضعیفی کی زندگی بسر کر رہے تھے معاویہ کے پاس آئے۔

معاویہ: بھائی، اگر تم ایسی حالت میں (بہت بڑھاپا اور ضعیفی میں) میرے پاس نہ آئے ہوتے تو ہرگز میرے ہاتھ سے نہ بچتے (یعنی قتل کر دیتا)۔

عامری: میں تجھے خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھے قتل کر دے اور ایسی ذلت کی زندگی سے مجھے نجات دیدے اور خدا کی ملاقات سے نزدیک کر دے۔

معاویہ: میں ہرگز تمہیں قتل نہیں کروں گا بلکہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔

عامری: تیری حاجت کیا ہے؟

معاویہ: میری حاجت ہے کہ میں تمہارا بھائی بنوں۔

عامری: میں خدا کے لئے تجھ سے پہلے ہی جدا ہو چکا ہوں اور اسی حالت پر باقی ہوں تاکہ خداوند عالم قیامت کے دن ہم لوگوں کو اپنے پاس بلائے اور ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے۔

معاویہ: اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر دو۔

عامری: میں نے اس سے آسان درخواست کو ٹھکرا دیا تو پھر یہ درخواست کہاں (قبول کر سکتا ہوں)

معاویہ: مجھ سے کچھ مال لے لو۔

عامری: مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے۔[۱]

ایک فوجی حکمت عملی

دسویں دن یا اس کے بعد جب کہ عراقیوں اور شامیوں کی سواروں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی، امامؑ کی فوج کے ایک ہزار آدمیوں کا شامیوں نے محاصرہ کر لیا اور ان لوگوں کا رابطہ آپ سے منقطع ہو گیا اس وقت امامؑ نے بلند آواز سے فرمایا، کیا کوئی نہیں ہے جو خدا کی رضا خریدے اور اپنی دنیا کو آخرت کے بدلے بیچ دے؟ عبدالعزیز کالے گھوڑے پر سوار اور زرہ پہنے ہوئے آنکھ کے علاوہ بدن کا کوئی حصہ نظر نہیں آ رہا تھا امامؑ کے پاس آیا اور کہا آپ جو بھی حکم دیں گے اسے انجام دوں گا، امامؑ نے اس کے لئے دعا کی اور کہا: فوج شام پر حملہ کرو اور خود کو گھیرے ہوئے لوگوں تک پہنچا دو اور جب ان کے پاس پہنچنا تو کہنا کہ امیر المومنین نے تمہیں سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ تم لوگ اس طرف سے تکبیر کہو اور ہم اس طرف سے تکبیر کہتے ہیں اور تم لوگ اس طرف سے اور ہم اس طرف سے حملہ کریں تا کہ محاصرہ کو ختم کر دیں اور تم لوگوں کو آزادی مل جائے۔

امامؑ کے بہادر سپاہی نے فوج شام پر زبردست حملہ کیا اور اپنے کو محاصرہ ہوئے لوگوں تک پہنچایا اور امامؑ کا پیغام پہنچایا، لوگ امامؑ کا پیغام سن کر بہت خوش ہوئے اور اس وقت تکبیر و تہلیل کی آواز اور دونوں طرف سے جنگ شروع ہو گئی اور محاصرہ ختم ہو گیا اور محاصرہ ہوئے لوگ امامؑ کے لشکر سے مل گئے۔ شامیوں کے آٹھ سو لوگ مارے گئے اور جو بچے وہ پیچھے ہٹ گئے اور جنگ وقتی طور پر رک گئی۔[۲]

شدید جنگ کے دوران سیاسی ہتھکنڈے

امور جنگ کے ماہرین نے امام علی علیہ السلام کی فوج کے اجتماعی حملے کو ابتدا ہی میں دیکھ کر یہ سمجھ گئے تھے کہ جنگ میں اما م کے لشکر کو کامیابی ملے گی، کیونکہ وہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ہر دن جنگ کے حالات امامؑ کے حق میں جا رہے ہیں اور معاویہ کی فوج نابودی اور موت کی طرف جا رہی ہے۔ یہ کامیابی ان علتوں کی بنا پر تھی جس میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں:

۱۔ سب سے بڑے سردار کی شائستہ اور مدبرانہ رہبری، یعنی حضرت علی علیہ السلام، اور اسی صحیح نظامِ رہبری کی وجہ سے

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج۵ ص۲۲۴، ۲۲۳۔ واقعہ صفین ص۲۷۸۔

[۲] شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج۵ ص۲۴۳۔ وقعہ صفین ص۳۰۸۔

معاویہ کی فوج تقریباً امام کے لشکر سے دوگنی تھی، قتل ہوئی (جنگ صفین کے واقعات نقل کرنے کے بعد دونوں فوج کے مرنے والوں کی تعداد تحریر کی جائے گی)

۲۔ امامؑ کی بے مثال شجاعت و بہادری کہ دنیا نے آج تک ایسا بہادر نہیں دیکھا، ایک دشمن کے قول کے مطابق، علی علیہ السلام نے کسی بھی بہادر سے مقابلہ نہیں کیا مگر یہ کہ زمین کو اس کے خون سے سیراب کر دیا اس سورما کی بنا پر عراقیوں کے سامنے سے بڑے بڑے شر ہٹا لئے گئے اور دشمنوں کے دل میں زبردست رعب بیٹھ گیا اور میدان جنگ میں ٹھہرنے کے بجائے بھاگنے کو ترجیح دیا۔

۳۔ امامؑ کی فوج کا آنحضرت کی فضیلت، خلافت، تقویٰ اور امامت برحق پر ایمان وعقیدہ رکھنا، جن لوگوں نے نص الٰہی کو رہبری کا ملاک سمجھا اور جنہوں نے انصار ومہاجرین کے انتخاب کو معیار خلافت جانا، وہ سب کے سب امامؑ کے پرچم تلے حق وعدالت کے ساتھ باطل وسرکش سے جنگ کرنے آئے تھے، جب کہ معاویہ کی فوج کی حالت کچھ اور ہی تھی، اگرچہ کچھ خلیفہ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے معاویہ کے ساتھ آئے تھے اور ان کے لئے تلوار چلا رہے تھے مگر بہت زیادہ لوگ مادیت کی لالچ اور دنیا طلبی کے لئے اس کے ہمراہ آئے تھے اور ان میں سے بعض گروہ امامؑ سے دیرینہ بغض وعداوت کی وجہ سے یہاں آئے تھے اور یہ حقیقت کسی بھی مؤرخ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

٤۔ امامؑ کی فوج میں مشہور ومعروف اور امت اسلامیہ کی محبوب شخصیتوں کا موجود ہونا، وہ عظیم شخصیتیں جنہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب ہوکر بدر، اُحد، حنین میں جنگیں کی تھیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی سچائی اور پاکیزگی پر گواہی دی تھی، ان لوگوں میں چند کا نام قابل ذکر ہے مثلاً عمار یاسر، ابوایوب انصاری، قیس بن سعد، حُجر بن عدی اور عبداللہ بن بدیل، جنہوں نے معاویہ کی فوج کے بہت سے خودغرض لیکن سادہ لوح سپاہیوں کے دل میں شک وتردید پیدا کردی تھی، یہ علتیں اور دوسری چیزیں سبب بنیں کہ معاویہ اور اس کی دوسری عقل عمروعاص نے اپنی شکست کو قطعی سمجھا اور اس سے بچنے کے لئے سیاسی حربے چلنے لگا تا کہ امامؑ کی فوج کی کامیابی کو کسی بھی صورت سے روک سکے، اور وہ سیاسی حربہ، علی علیہ السلام کی فوج کے سرداروں سے خط وکتابت اور ان لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے اور امام کی فوج میں تفرقہ واختلاف کرنے کا تھا۔

1۔ جنگ صفین میں امامؑ کی فوج میں سب سے وفادار ربیعہ والے تھے اگرچہ قبیلۂ مُضَر والے اپنی جگہ سے ہٹ گئے لیکن قبیلہ ربیعہ والے پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر موجود رہے۔ جب امامؑ کی نظران کے پرچموں پر پڑی تو آپ نے پوچھا کہ یہ پرچم کس کے ہیں لوگوں نے کہا یہ پرچم ربیعہ کے ہیں اس وقت آپ نے فرمایا:

هِیَ رایاتٌ عَصَمَ اللهُ أهلها وصبَّرهم وثبَّتَ أقدامهم [1]

---

[1] تاریخ طبری ج۳ جزء٦ ص۱۹، ۸۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج٥ ص۲۲٦، ۲۲٥۔

یعنی یہ سب خدا کے پرچم ہیں خدا ان کے مالکوں کی حفاظت کرے اور انہیں صبر عطا کرے اور یہ ثابت قدم رہیں امامؑ کو خبر ملی کہ اسی قبیلے کا ایک سردار خالد بن معمّر، معاویہ سے قریب ہوگیا ہے اور اس کے اور معاویہ کے درمیان ایک خط یا متعدد خطوط لکھے جاچکے ہیں تو امامؑ نے فوراً اس کو اور قبیلہ ربیعہ کے بزرگوں کو طلب کیا اور ان سے فرمایا: اے قبیلہ ربیعہ کے لوگو، تم لوگ میرے چاہنے والے اور میری آواز پر لبیک کہنے والے ہو، مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے سرداروں میں سے کسی ایک نے معاویہ کے ساتھ خط وکتابت کی ہے اور پھر خالد کی طرف نگاہ کی اور کہا: اگر تمہارے متعلق جو باتیں ہم تک پہنچی ہیں اگر وہ سچی ہیں تو میں تمہیں بخش دوں گا اور امان دوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ عراق اور حجاز یا ہر وہ جگہ جہاں پر معاویہ کی حکومت وقدرت نہیں ہے وہاں جاکر زندگی بسر کرو اور اگر وہ چیزیں جو تمہارے متعلق ہم تک پہنچی ہیں جھوٹی ہیں تو ہمارے دھڑکتے ہوئے دل کو اپنی مطمئن قسم کے ذریعے آرام پہنچاؤ، اس نے اسی وقت سب کے سامنے قسم کھائی کہ ہرگز ایسا نہیں ہے اس کے دوستوں نے کہا اگر یہ بات سچی ہوگی تو اسے قتل کردیں گے اور انہیں میں سے ایک شخص زید بن حفصہ نے امامؑ سے کہا خالد کی قسم پر آپ کوئی چیز بطور ضمانت رکھئے تاکہ آپکے ساتھ خیانت نہ کرے [1]

تمام قرائین سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امامؑ کی فوج میں وہ معاویہ کی طرف سے خصوصی نمائندہ تھا اور کامیابی کے وقت یہاں تک کہ اس موقع پر کہ عنقریب تھا کہ لوگ معاویہ تک پہنچیں اور اس کے خیمے میں اسے گرفتار کرلیں، خالد نے فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور پھر اپنے کام کی توجیہ پیش کرنے لگا اس سلسلے میں چند باتوں کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

امامؑ نے میسرہ قبیلہ ربیعہ کے سپرد کیا تھا اور اس کی سرداری عبداللہ ابن عباس کے ہاتھوں میں تھی، امامؑ کا میسرہ معاویہ کے میمنہ کے مقابلے میں تھا اور اس کی ذمہ داری شام کی مشہور ترین شخصیتیں ذوالکلاع حمیری اور عبیداللہ بن عمر کے ہاتھوں میں تھی قبیلہ حمیر، ذوالکلاع کی سرداری میں اور عبیداللہ نے سواروں اور پیادوں کے ساتھ امامؑ کے میسرہ پر شدید حملہ کیا لیکن زیادہ مؤثر ثابت نہ ہوا دوسرے حملے میں عبیداللہ بن عمر فوج کے بالکل آگے کھڑا ہوا اور شامیوں سے کہا عراق کے اس گروہ نے عثمان کو قتل کیا ہے اگر ان لوگوں کو شکست دیدیا تو تم نے انتقام لے لیا اور علی کو نابود کردیا۔ اس حملے میں بھی ربیعہ کے لوگوں نے ثابت قدم رہتے ہوئے اپنا دفاع کیا اور کمزور و ناتواں لوگوں کے علاوہ کوئی بھی پیچھے نہ ہٹا۔

امامؑ کی فوج کے تیز بین لوگوں نے بتادیا کہ جس وقت خالد نے امامؑ کی فوج کے کچھ لوگوں کو پیچھے ہوتے دیکھا تو وہ بھی ان کے ساتھ پیچھے ہونے لگا اور چاہا کہ اپنے اس عمل سے امام کی فوج کے ثابت قدم سپاہیوں کو پیچھے ہٹنے کے لئے آمادہ کرے لیکن جب اس نے ان لوگوں کی ثابت قدمی دیکھی تو فوراً ان لوگوں کی طرف واپس چلا گیا اور اپنے فعل کی توجیہ کرنے لگا اور کہا: میرے پیچھے ہٹنے کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ بھاگ رہے تھے ان کو تم لوگوں کی طرف واپس پلٹا دوں۔ [2]

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ جزء ٦ ص ۱۹، ۸۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج ۵ ص ۲۲٦، ۲۲۵۔

[2] تاریخ طبری ج ۳ جز ٦ ص ۱۹۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵٦

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

اسلامی مؤرخین مثلاً کلبی اور واقدی کا نظریہ ہے کہ خالد نے جان بوجھ کر دوسرے حملے میں پیچھے ہٹنے کا حکم دیا تھا تا کہ میسرہ میں امام کی فوج شکست کھا جائے کیونکہ معاویہ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر امام کی فوج پر اس نے کامیابی حاصل کر لی تو جب تک خالد زندہ رہے گا خراسان کی گورنری اسے دے دے گا۔[۱]

ابن مزاحم لکھتے ہیں:

معاویہ نے خالد سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس جنگ میں کامیابی ملی تو خراسان کی گورنری اس کے ہاتھ میں ہوگی، خالد معاویہ کے دھوکہ میں آ گیا مگر اس کی آرزو پوری نہ ہوسکی کیونکہ جب معاویہ نے حکومت کی ذمہ داری سنبھالی تو اسے خراسان کا گورنر تو بنادیا لیکن اس سے پہلے کہ معین شدہ جگہ پر پہنچتا آدھے ہی راستے میں ہلاک ہوگیا۔[۲]

شام کی فوج عبیداللہ ابن عمر کے وجود پر افتخار کرتی تھی اور کہتی تھی کہ پاکیزہ کا بیٹا ہمارے ساتھ ہے اور عراقی محمد بن ابوبکر پر افتخار کرتے تھے اور اسے طیب بن طیب (اچھا اور اچھے کا بیٹا) کہتے تھے۔

جی ہاں، بالآخر شام کی فوج حمیرا اور امام کی فوج ربیعہ کے درمیان زبردست جنگ کی وجہ سے دونوں طرف کے بہت زیادہ افراد مارے گئے اور سب سے کم نقصان یہ تھا کہ امامؑ کی فوج سے پانچ سو سپاہی جب کہ وہ سر سے پیر تک اسلحوں سے لیس تھے اور ان کی آنکھوں کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا میدان جنگ میں آئے اور تقریباً اتنی ہی تعداد میں معاویہ کی فوج کے سپاہی ان سے مقابلے کے لئے میدان میں آئے پھر دونوں گروہوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی اور دونوں فوجوں میں سے کوئی ایک بھی اپنی چھاؤنی میں واپس نہیں گیا اور سب کے سب مارے گئے۔

دونوں فوجوں کے دور ہوتے وقت سروں کے ٹیلوں میں سے ایک سر نیچے گرا جسے تل الجماجم کہتے ہیں، اور اسی جنگ میں ذوالکلاع جو معاویہ کا سب سے بڑا محافظ تھا اور قبیلۂ حمیر کو معاویہ کی جان کی حفاظت کے لئے آمادہ کرتا تھا خندف نامی شخص کے ہاتھوں مارا گیا اور حمیریان کے درمیان عجیب خوف و ہراس پیدا ہوگیا۔[۳]

2۔ عبیداللہ بن عمر نے جنگ کے شدید ترین لحات میں شیطنت اور تفرقہ ایجاد کرنے کے لئے کسی کو امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا اور ان سے ملاقات کرنے کی درخواست کی امام حسن علیہ السلام نے امام کے حکم سے اس سے ملاقات کی، گفتگو کے دوران عبیداللہ نے امام حسن علیہ السلام سے کہا، تمہارے باپ نے پہلے بھی اور اس وقت بھی قریش کا خون بہایا ہے کیا تم اس بات کے لئے آمادہ ہو کہ ان کے جانشین بنو، اور تمہیں مسلمانوں کے خلیفہ کے عنوان سے پہچنوائیں؟ امامؑ نے بہت تیز اس کے سینہ

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۵ ص ۲۲۸

[۲] واقعہ صفین ص ۳۰۶

[۳] واقعہ صفین ص ۳۰۶

پر ہاتھ مارا اور اس وقت علم امامت کے ذریعے عبید اللہ کے ذلت سے مارے جانے کی اُسے خبر دی اور کہا آج یا کل تو مارا جائے گا۔ آگاہ ہو جا کہ شیطان نے تیرے بُرے کام کو تیری نظر میں خوبصورت بنا کر دکھایا ہے، راوی کہتا ہے کہ وہ اسی دن یا دوسرے دن چار ہزار سبز پوش سپاہیوں کے ساتھ میدان میں آیا اور اسی دن قبیلہ ہمدان سے تعلق رکھنے والے ہانی بن خطاب کے ہاتھوں مارا گیا۔[1]

3۔ معاویہ نے اپنے بھائی عتبہ بن سفیان کو جو فصیح و بلیغ تقریر کرنے والا تھا اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اشعث بن قیس کے ساتھ ملاقات کرو، اور اسے صلح اور سازش کے لئے دعوت دو، وہ امامؑ کی فوج میں آیا اور بلند آواز سے پکارا، لوگو اشعث کو خبر کردو کہ معاویہ کی فوج کا ایک شخص تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہے، اس نے کہا کہ اس کا نام پوچھو اور جب سے خبر دی کہ وہ عتبہ بن سفیان ہے تو کہا وہ جوان خوش کلام ہے اس سے ملاقات کرنا چاہیے عتبہ نے جب اشعث سے ملاقات کی تو اس سے کہا: اگر معاویہ علی کے علاوہ کسی اور سے ملاقات کرتا تو تم سے کرتا کیونکہ تم عراقیوں اور یمنیوں میں سب سے بزرگ ہو اور عثمان کے داماد اور اس کے زمانے میں حاکم تھے تم اپنے کو علی کی فوج کے دوسرے سپہ سالاروں سے برابری نہ کرو، کیونکہ اشتر وہ ہے جس نے عثمان کو قتل کیا اور عدی حاتم وہ ہے جس نے لوگوں کو قتل عثمان پر ورغلایا اور سعید بن قیس وہی ہے جس کی دیت، امام علی علیہ السلام نے اپنے ذمہ لی ہے اور شریح اور زحر بن قیس خواہشات نفس کے علاوہ کوئی دوسری چیز کی فکر نہیں کرتے تم نے نمک حلالی کرتے ہوئے عراق والوں کا دفاع کیا اور تعصب کی وجہ سے شامیوں سے جنگ کیا، خدا کی قسم، کیا تم جانتے ہو کہ ہمارا اور تمہارا کام کہا ں تک پہنچ چکا ہے، میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ علی کو چھوڑ دو اور معاویہ کی مدد کرو، میں تجھے اس راہ کو اختیار کرنے کی دعوت دے رہا ہوں جس میں میرا اور تمہارا دونوں کا فائدہ ہے۔

تاریخ کا بیان ہے کہ اشعث، خفیہ طور پر معاویہ سے رابطہ رکھے تھا اور موقع کی تلاش میں تھا کہ جیسے بھی ممکن ہو جنگ کی کامیابی کو معاویہ کی طرف موڑ دے، اس نے پہلے تو اپنے جواب میں امامؑ کی تعریف کی اور عتبہ کی گفتگو کو ایک ایک کر کے رد کیا، لیکن آخر میں جنگ کو ختم کرنے کے لئے اشارۃ موافقت کر لی اور کہا تم لوگ مجھ سے زیادہ زندگی گزارنے اور باقی رہنے میں محتاج نہیں ہو میں اس سلسلے میں فکر کروں گا اور خدا نے چاہا تو اپنے نظریہ کا اعلان کروں گا۔

جب عتبہ معاویہ کے پاس واپس پہنچا اور اس سے پورا ماجرا بیان کیا تو معاویہ بہت خوش ہوا اور کہا اس نے اپنی نظر میں صلح کا اعلان کر دیا ہے۔[2]

4۔ معاویہ نے عمرو عاص سے کہا، علی کے بعد سب سے مشہور و معروف شخصیت ابن عباس کی ہے اگر وہ کوئی بات کہے تو علی اس کی مخالفت نہیں کریں گے،، جتنی جلدی ہو کوئی تدبیر کرو کیونکہ یہ جنگ ہم لوگوں کو ختم کر دیگی، ہم ہرگز عراق نہیں پہنچ

---

[1] واقعہ صفین ص ۲۹۷۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۵ ص ۲۳۳۔

[2] واقعہ صفین ص ۴۰۸۔

سکتے مگر یہ کہ شام کے لوگ نابود ہو جائیں۔

عمرو عاص نے کہا: ابن عباس دھوکہ نہیں کھا سکتے اگر اس کو دھوکہ دے دیا تو علی کو بھی دھوکہ دے سکتے ہو، معاویہ کے بے حد اصرار پر عمرو عاص نے ابن عباس کو خط لکھا اور خط کے آخر میں شعر بھی لکھا، جب عمرو عاص نے اپنا خط اور اپنا کہا ہوا شعر معاویہ کو دکھایا تو معاویہ نے کہا:

لا أریٰ کتابك علیٰ رقّةِ شعرِك

تیرا خط تیرے شعر کے پائے کا نہیں ہے!

دھوکہ بازوں کے سردار نے اس خط اور اشعار میں ابن عباس اور ان کے خاندان کی تعریف اور مالک اشتر کی برائی کی تھی اور آخر میں یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر جنگ ختم ہوگئی تو ابن عباس شوریٰ کے ایک ممبر ہوں گے جس کے ذریعے سے امیر اور خلیفہ معین ہوگا، جب یہ خط ابن عباس کو ملا تو انہوں نے امامؑ کو دکھایا اس وقت امام نے فرمایا: خداوند عالم عاص کے بیٹے کو موت دے، کیسا دھوکہ دینے والا خط ہے جتنی جلدی ہو اس کا جواب لکھو اور اس کے شعر کے جواب کے لئے اپنے بھائی سے شعر لکھواؤ کیونکہ وہ شعر کہنے میں ماہر ہے۔

ابن عباس نے خط کے جواب میں لکھا: میں نے عربوں کے درمیان تجھ جیسا بے حیا نہیں دیکھا اپنے دین کو بہت کم قیمت میں بیچ دیا اور دنیا کو گناہگاروں کی طرح بہت بڑی سمجھا، اور ریاکاری کے ذریعے تقویٰ نمایاں کرتا ہے، اگر تو چاہتا ہے کہ خدا کو راضی کرے، تو سب سے پہلے مصر کی حکومت کی ہوس اپنے دل سے نکال دے اور اپنے گھر واپس چلا جا، علی اور معاویہ ایک جیسے نہیں ہیں جس طرح سے عراق اور شام کے لوگ برابر نہیں ہیں، میں نے خدا کی مرضی چاہی ہے اور تو نے مصر کی حکومت، اور پھر ان اشعار کو جو ان کے بھائی فضل نے عمرو عاص کے اشعار کے وزن پر کہے تھے اس خط میں لکھا اور امامؑ کو خط دکھایا۔ امامؑ نے کہا اگر وہ عقلمند ہوگا تو تمہارے خط کا جواب نہیں دے گا۔

جب عمرو عاص کو خط ملا تو اس نے معاویہ کو دکھایا اور کہا تو نے مجھے خط کی دعوت دی لیکن نہ تجھے کوئی فائدہ ہوا اور نہ مجھے فائدہ ہوا، معاویہ نے کہا: علی اور ابن عباس کا دل ایک ہی جیسا ہے اور دونوں عبد المطلب کے بیٹے ہیں۔[1]

5۔ جب معاویہ نے احساس کیا کہ علی کے سپاہی پہلے سے کچھ زیادہ آمادہ ہو گئے ہیں اور محاصرہ تنگ ہو گیا ہے اور قریب ہے کہ، شکست کھا جائیں تو اس نے خود براہ راست ابن عباس کو خط لکھا اور یاد دلایا کہ یہ جنگ بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان بغض و عداوت کی بھڑکتی ہوئی چنگاری ہے اور انہیں اس کام کے انجام سے ڈرایا، اس خط میں اس نے ابن عباس کو لالچ دلایا اور کہا: اگر لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کریں تو ہم بھی تمہاری بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔

---

[1] واقعہ صفین ص ۴۰۸۔

جب ابن عباس کو خط ملا تو آپ نے ٹھوس اور دندان شکن جواب معاویہ کو لکھا، ایسا جواب کہ معاویہ اپنے خط لکھنے پر بہت شرمندہ ہوا اور کہا یہ خود میرے کام کا نتیجہ ہے اب ایک سال تک اُسے خط نہیں لکھوں گا۔ [۱]

عمار اور باغی گروہ

یاسر کا گھرانہ اسلام کے عظیم گھرانے میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے آغاز اسلام میں ہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور اس راہ میں زبردست مصائب وآلام برداشت کیا یہاں تک کہ یاسر اور ان کی بیوی سمیہ نے خدا کی راہ میں ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کے ظلم وستم سے اپنی جان دیدی۔

ان دونوں کے جوان بیٹے عمار مکہ کے جوانوں کی سفارش اور نئے قوانین سے ظاہری اظہار بیزاری کرنے سے نجات پا گئے خداوند عالم نے عمار کے اس فعل کو اس آیت میں قرار دیا ہے:

اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ. [۲]

مگر وہ شخص کہ جو (کفر کہنے پر) مجبور ہوجائے جب کہ اس کا قلب ایمان سے مطمئن ہے۔

جس وقت عمار کے واقعات اور ان کے کفر ظاہر کرنے کی خبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی تو آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ عمار کا پورا وجود ایمان سے سرشار ہے اور توحید ان کے گوشت وخون میں رچ بس گئی ہے اسی وقت عمار وہاں پہنچ گئے جب کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے آنسوؤں کو صاف کیا اور کہا کہ اگر دوبارہ ایسی مشکل پیش آئے تو اظہار برائت کرنا۔ [۳]

صرف یہی ایک آیت نہیں ہے جو اس بزرگ صحابی کی شان میں نازل ہوئی بلکہ مفسرین نے دو اور آیتوں کو لکھا ہے جو ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد آپ کے ہم رکاب رہے اور تمام غزوات اور بعض سریوں میں شرکت کی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد، اگر چہ خلافتِ وقت سے راضی نہ تھے مگر خلافت کی مدد کرنے میں اگر اسلام کا فائدہ ہوتا تو مدد کرنے سے پیچھے نہیں ہٹے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے جو کام انجام دیا وہ مسجد کی تعمیر تھی، عمار نے مسجد بنانے

---

[۱] آیتیں:

اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيۡلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ (الزمر، ۹)

وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ. (الانعام۔ ۵۲)

اس سلسلے میں تفسیر قرطبی۔ کشاف۔ درالمنثور۔ تفسیر رازی کی طرف رجوع کریں۔

[۲] سورۂ نحل آیت ۱۰۶

[۳] واقعہ صفین ص ۲۱۶۔ ۲۱۴۔ الامامۃ السیاسۃ ج ۱ ص ۱۰۰

میں سب سے زیادہ زحمت برداشت کی اکیلے کئی لوگوں کا کام انجام دیتے تھے، اسلام سے عشق سبب بنا کہ لوگ انہیں ان کی طاقت سے زیادہ کام لیں، ایک دن عمار نے ان لوگوں کی پیغمبر سے شکایت کی اور کہا ان لوگوں نے مجھے مار ڈالا ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا تاریخی بیان دیا جو تمام حاضرین کے دل میں اتر گیا، آپؐ نے فرمایا:

انك لن تموتَ حتیٰ تقتُلك الفئة الباغيةُ النّا كِبَةُ عنِ الحقّ يكونُ آخِر زادِك من الدّنيا شَربةُ لَبن [1]

تمہیں اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک تجھے باغی اور حق سے منحرف گروہ قتل نہ کرے دنیا میں تمہارا آخری رزق ایک پیالہ دودھ ہے۔

یہ بات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابیوں میں پھیل گئی اور پھر ایک سے دوسروں تک منتقل ہوگئی، اسی دن تمام مسلمانوں کی نظر میں عمار ایک خاص مقام کے حامل ہو گئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر بھی آپ کی تعریف کی، جنگ صفین میں امامؑ کی فوج میں عمار کے شامل ہونے کی خبر نے معاویہ کی دھوکہ کھائی ہوئی فوج کے دلوں کو لرزا دیا، اور بعض لوگ اس بات کی تحقیق کرنے لگے۔

عمار کی تقریر

جب عمار نے چاہا کہ میدان جنگ میں جائیں تو امامؑ کے دوستوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور اسطرح سے گفتگو شروع کی: اے خدا کے بندو، ایسی قوم سے جنگ کرنے کے لئے اٹھو، جو ایسے شخص کے خون کا بدلہ لینا چاہتی ہے جس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور خدا کی کتاب کے خلاف حکم دیا اور اسے صالح گروہ، نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کرنے والوں نے قتل کیا ہے لیکن وہ گروہ جس کی دنیا اس کے قتل کی وجہ سے خطرے میں پڑ گئی تھی، ان لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ کیوں اسے قتل کر دیا تو اس کا جواب دیا گیا کہ وہ اپنے برے کاموں کی وجہ سے مارا گیا ہے، ان لوگوں نے کہا عثمان نے کوئی برا کام نہیں کیا ہے جی ہاں! ان لوگوں کی نظر میں عثمان نے برا کام انجام نہیں دیا، تمام دینار ان کے ہاتھ میں تھے وہ سب کھا گئے اور ہضم کر گئے، وہ عثمان کے خون کا بدلہ لینا نہیں چاہتے بلکہ وہ دنیا کی لذتوں سے آشنا ہیں اور اسے دوست رکھتے ہیں اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اگر ہمارے ہاتھوں گرفتار ہوئے تو دنیا کی وہ لذت وآرام وآسایش سے محروم ہو جائیں گے۔

بنی امیہ کا خاندان اسلام قبول کرنے میں آگے نہ تھا کہ وہ رہبری کے لایق ہوتا، انہوں نے لوگوں کو دھوکہ دیا اور

---

[1] یہ حدیث جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیب کی خبر دی ہے محدثین اور مؤرخین نے اسے نقل کیا ہے اور سیوطی نے اپنی کتاب خصائص میں اس کے تواتر کی تصریح کی ہے، اور مرحوم علامہ امینی نے الغدیر (ج ۹ ص ۲۲، ۲۱) میں اس کی سندوں کو ذکر کیا ہے۔ تاریخ طبری ج ۳ جزء ۶ ص ۲۱۔ کامل ابن اثیر ج ۳، ص ۱۵۷ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

ہمارا امام مظلوم مارا گیا کا نعرہ لگایا تا کہ لوگوں پر ظلم وستم کے ساتھ حکومت وسلطنت کرے، یہ ایک ایسا بہانہ ہے جو ان لوگوں کی طرف سے ہوا ہے جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں اور اگر ایسا دھوکہ اور فریب انجام نہ دیتے تو دو آدمی بھی ان کی بیعت نہ کرتے اور ان کی مدد کے لئے نہ اٹھتے۔ [1]

عمار تقریر ختم کرنے کے بعد میدان میں آئے اور ان کے ساتھی بھی انکے پیچھے پیچھے تھے، جب عمرو عاص کے خیمے پر نگاہ پڑی تو بلند آواز سے کہا تو نے اپنے دین کو مصر کی حکومت کے بدلے بیچ دیا، لعنت ہو تجھ پر یہ پہلی مرتبہ تو نے اسلام پر وار نہیں کیا ہے، اور جب آپ کی نگاہ عبید اللہ بن عمر کے خیمے پر پڑی تو پکار کر کہا: خدا تجھے نابود کرے تو نے اپنے دین کو خدا اور اسلام کے دشمن کی دنیا کے بدلے بیچ دیا ہے۔

اس نے جواب دیا میں شہید مظلوم کے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔

عمار نے کہا تو جھوٹ بول رہا ہے خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ تو ہرگز خدا کی مرضی نہیں چاہتا اگر تو آج مارا نہ گیا تو کل ضرور مارا جائے گا، سوچ لے کہ اگر خداوند عالم اپنے بندوں کو ان کی نیت کے مطابق جزا وسزا دے تو تیری نیت کیا ہے [2] اس وقت جب کہ ان کے چاروں طرف علی علیہ السلام کے دوست جمع تھے، کہا خداوندا تو جانتا ہے کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ تیری مرضی اس میں ہے کہ اس دریا میں کود جاؤں تو کود جاؤنگا اگر مجھے معلوم ہو کہ تیری مرضی اس میں ہے کہ تلوار کی نوک کو اپنے سینہ پر رکھوں اور اتنا جھکوں کہ پشت کے پار ہو جائے تو میں اس سے بھی دریغ نہیں کرونگا، خدایا میں جانتا ہوں اور مجھے آگاہ بھی کیا ہے کہ آج کے دن وہ کام جس سے تو سب سے زیادہ راضی ہوگا وہ اس گروہ کے ساتھ جہاد کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس عمل کے علاوہ کوئی اور کام ہے تو اس کو ضرور انجام دیتا۔ [3]

امام کی فوج میں عمار کے ہونے کا اثر

عمار کی شخصیت اور اسلام میں ان کی خدمات ایسی چیز نہ تھی جو اہل شام سے پوشیدہ ہوتی۔ ان کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث شہرت پا چکی تھی اور جو چیز شام کے لوگوں سے کچھ پوشیدہ تھی وہ امام علیہ السلام کی فوج میں عمار کا شریک ہونا تھا، جب عمار کی امامؑ کی فوج میں احتمالاً شرکت کی خبر معاویہ کے فوج میں پھیلی تو جو لوگ معاویہ کی جھوٹی اور مسموم تبلیغ کی وجہ سے اس کی فوج میں داخل ہوئے تھے وہ چھان بین کرنے لگے، انھی میں سے ایک یمن کی مشہور ومعروف شخصیت ذوالکلاع کی تھی جس نے حمیری قبیلے کے بہت سے آدمیوں کو معاویہ کے لشکر میں شامل کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی، اب اس کے دل میں

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۷۔ واقعہ صفین ص ۳۱۹۔ تاریخ طبری ج ۳ جزء ٦ ص ۲۱

[2] واقعہ صفین ص ۳۳٦۔ اعیان الشیعہ ج ۱ ص ٤۹٦ مطبوعہ بیروت لبنان۔

[3] تاریخ طبری ج ۳ جزء ٦، ص ۲۱۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۷۔ واقعہ صفین ص ۳۲۰۔

حقانیت کا نور چمک گیا وہ چاہتا تھا کہ حقیقت کو پالے، لہٰذا اس نے ارادہ کیا کہ ابونوح کے ساتھ، جو کہ حمیر قبیلے کا سردار تھا اور کوفہ میں رہتا تھا اور اس وقت امامؑ کی فوج میں شامل تھا اس سے ملاقات کرے، اسی لئے ذوالکلاع نے معاویہ کی فوج میں سب سے آگے کھڑے ہو کر بلند آواز میں کہا: میں ابونوح حمیری جو کلاع قبیلے کا ہے سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

ابونوح یہ آواز سن کر اس کے سامنے آیا اور کہا تم کون ہوں، اپنا تعارف کراؤ؟

ذوالکلاع: میں ذوالکلاع ہوں میری التجا ہے کہ میرے پاس آؤ۔

ابونوح: میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں جو تنہا تمہارے پاس آؤں، مگر اپنے گروہ کے ہمراہ جو میرے اختیار میں ہے۔

ذوالکلاع: تم خدا اور اس کے رسول اور ذوالکلاع کی پناہ میں ہو، میں چاہتا ہوں کہ تم سے ایک موضوع کے سلسلے میں گفتگو کروں، لہٰذا تم اکیلے میرے پاس آؤ، اور میں بھی تنہا تمہارے پاس آؤنگا اور دونوں صفوں کے درمیان گفتگو کریں، دونوں اپنی اپنی صف سے نکلے اور صفوں کے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری ہوا۔

ذوالکلاع: میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ میں نے پہلے (عمر بن خطاب کے زمانے میں) عمرو عاص سے ایک حدیث سنی ہے۔

ابونوح: وہ حدیث کیا ہے؟

ذوالکلاع: عمرو عاص نے کہا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ! اہل عراق اور اہل شام ایک دوسرے کے مقابلے میں جمع ہونگے، حق اور ہدایت کرنے والا ایک طرف ہے اور عمار بھی اسی طرف ہوگا۔

ابونوح: خدا کی قسم عمار ہمارے ساتھ ہیں۔

ذوالکلاع: کیا ہم سے جنگ کا مکمل ارادہ ہے

ابونوح: ہاں کعبہ کے رب کی قسم! کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ کے لئے ہم سے زیادہ مصر ہیں اور خود میرا ارادہ یہ ہے کہ کاش تم سب لوگ ایک آدمی ہوتے اور میں سب کا سر کاٹ دیتا اور سب سے پہلے میں تمہارا سر قلم کرتا جبکہ تو میرا چچازاد بھائی ہے۔

ذوالکلاع: کیوں ایسی آرزو تمہارے دل میں ہے جبکہ میں نے اپنی رشتہ داری کو ختم نہیں کیا اور تمہیں اپنی قوم کا سب سے قریبی شخص جانا اور میں نہیں چاہتا کہ تمہیں قتل کروں۔

ابونوح: خدا نے اسلام کی وجہ سے ایک رشتہ ختم کر دیا ہے اور جو افراد دور تھے ان کو قریبی عزیز بنا دیا تم نے اور تمہارے دوستوں نے ہمارے ساتھ معنوی رشتہ کو ختم کر دیا ہے ہم حق پر ہیں اور تم باطل پر ہو سردارِ کفر اور اور اس کے لشکر کی مدد کر رہے ہو۔

ذوالکلاع: کیا تم شام کی فوج کے درمیان میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو؟ میں تمہیں امان دے رہا ہوں کہ اس

راہ میں قتل نہیں کئے جاؤ گے اور نہ تجھ سے کوئی چیز لی جائے گی۔ اور نہ بیعت کے لئے مجبور ہو گے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عمر وعاص کو آگاہ کردو کہ عمار، امام علی علیہ السلام کے لشکر میں موجود ہیں۔ شاید خداوند عالم دونوں لشکروں کے درمیان صلح و آشتی کا ماحول پیدا کردے۔

ابونوح: میں تمہارے اور تمہارے دوستوں کے مکر وفریب سے خوف محسوس کررہا ہوں۔

ذوالکلاع: میں اپنی بات کا ضامن ہوں۔

ابونوح نے آسمان کی طرف رخ کر کے کہا، خدایا تو بہتر جانتا ہے کہ ذوالکلاع نے مجھے امان دیا ہے اور جو کچھ میرے دل میں ہے تو اس سے باخبر ہے، میری حفاظت فرما، اتنا کہنے کے بعد ذوالکلاع کے ساتھ معاویہ کی فوج کی طرف گئے اور جب عمر وعاص اور معاویہ کے خیمے کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ دونوں، لوگوں کو جنگ کے لئے تیار کررہے ہیں۔

ذوالکلاع نے عمر وعاص کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کیا تو ایک سچے اور عقلمند انسان سے عمار یاسر کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہے؟

عمر وعاص: یہ کون آدمی ہے؟

ذوالکلاع نے ابونوح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: یہ میرا چچازاد بھائی اور کوفہ کا رہنے والا ہے، عمر وعاص نے ابونوح سے کہا میں تمہارے چہرے پر ابوتراب کی نشانیاں دیکھ رہا ہوں۔

ابونوح: میرے چہرے پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے دوستوں کی نشانیاں ہیں اور تیرے چہرے پر ابوجہل وفرعون کی نشانیاں ہیں۔ اس وقت معاویہ کی فوج کا ایک سردار ابوالاعور اٹھا اور اپنی تلوار کھینچ کر کہا کہ اس جھوٹے کے چہرے پر ابوتراب کی نشانیاں ہیں میں اس کو قتل کروں گا، اس میں کیسے اتنی جرأت پیدا ہوگئی کہ ہمارے درمیان ہوتے ہوئے بھی ہمیں گالی دے رہا ہے۔

ذوالکلاع نے کہا: خدا کی قسم، اگر تم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔ یہ میرا چچازاد بھائی ہے اور میری امان میں وہ اس صف میں داخل ہوا ہے، میں اسے اس لئے لایا ہوں کہ تم لوگ عمار کے بارے میں سوال کرو کہ جس کے متعلق مستقل جنگ وجدال کررہے ہو۔

عمر وعاص: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ سچ بولنا کیا عمار یاسر تمہاری فوج میں ہیں۔

ابونوح: میں جواب نہیں دوں گا مگر یہ کہ اس سوال کی وجہ سے آگاہ ہوجاؤں، جب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت دوست ہمارے ساتھ ہیں اور سب کے سب تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔

عمر وعاص: میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ عمار کو ظالم وستمگر گروہ قتل کرے گا اور عمار کے لئے سزاوار نہیں ہے کہ حق سے دور ہوں جہنم کی آگ ان پر حرام ہے۔

ابونوح: اس خدا کی قسم جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں واللہ وہ ہمارے ساتھ اور وہ تم لوگوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

عمرو عاص: وہ ہم سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہیں؟!

ابونوح: ہاں، قسم اس خدا کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں انہوں نے جنگ جمل میں مجھ سے کہا کہ ہم اصحاب جمل پر کامیاب ہوں گے اور کل تجھ سے کہا کہ اگر شامی ہمارے اوپر حملہ کریں گے اور ہمیں سرزمین ہجر پر دوڑائیں گے تب بھی ہم جنگ سے باز نہیں آئیں گے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں اور ہمارے قتل ہونے والے جنت اور ان کی فوج سے قتل ہونے والے جہنم میں ہوں گے۔

عمرو عاص: کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ میں عمار سے ملاقات کرسکوں؟

ابونوح: میں نہیں جانتا، لیکن میں کوشش کروں گا کہ ملاقات ہوجائے اس کے بعد ان لوگوں سے جدا ہوئے اور امامؑ کے لشکر میں جہاں عمار یاسر تھے وہاں پہنچے اور اپنی پوری داستان شروع سے آخر تک انہیں سنائی اور کہا کہ بارہ آدمیوں پر مشتمل ایک گروہ جس میں عمرو عاص بھی ہے آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔

عمار، ملاقات کرنے کے لئے تیار ہوگئے، اور پھر ایک گروہ جس میں سب کے سب سوار تھے امامؑ کی فوج سے روانہ ہوئے اور عوف بن بشر عمار سے رخصت ہوئے اور خود کو فوجِ شام کے پاس پہنچایا اور بلند آواز سے کہا عمرو عاص کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا یہاں ہے، عوف نے عمار کی جگہ بتائی، عمرو عاص نے درخواست کی کہ عمار شام کی طرف روانہ ہوں، عوف نے کہا کہ تمہارے مکروفریب سے وہ مطمئن نہیں ہیں، پھر یہ طے پایا کہ دونوں آدمی فوجوں کے تھوڑے فاصلے پر گفتگو کریں، اور دونوں کی فوج حمایت کرے، دونوں گروہ معین جگہ کے لئے روانہ ہوئے لیکن احتیاط کو مدنظر رکھا اور وہاں اترتے وقت اپنے ہاتھوں کو تلواروں پر رکھا، عمرو نے عمار کو دیکھتے ہی بلند آواز سے کلمہ شہادتین سے گفتگو شروع کیا تاکہ اسلام سے اپنی الفت و محبت کا اظہار کرے لیکن عمار اس کے دھوکہ میں نہیں آئے اور سخت لہجہ میں کہا، خاموش ہوجا تو نے پیغمبر کی زندگی اور ان کے مرنے کے بعد بھی اسے (اسلام کو) چھوڑ دیا اور اس وقت نعرہ بلند کر رہا ہے؟

عمرو عاص نے بے حیائی سے کہا: عمار ہم ان باتوں کے لئے نہیں آئے ہیں میں نے اس فوج میں تمہیں سب سے زیادہ مخلص پایا ہے اور میں نے سوچا کہ تم سے معلوم کروں کہ ہم سے جنگ کیوں کررہے ہو جب کہ خدا، کتاب اور قبلہ دونوں کا ایک ہی ہے،

عمار نے مختصر گفتگو کے بعد کہا: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ عہد و پیمان (جمل) توڑنے اور حق سے منحرف ہونے والوں سے جنگ کروں گا اور میں نے عہد و پیمان توڑنے والے سے جنگ کی اور تم وہی حق سے دور ہونے والے ہو۔ لیکن میں نہیں جانتا دین سے خارج ہونے (نہروان) والوں کو درک کرسکوں گا یا نہیں۔

پھر عمرو کی طرف رخ کر کے کہا: اے عقیم! تو جانتا ہے کہ پیغمبر نے علی کے بارے میں کہا ہے:

مَنْ کُنْتُ مولاہُ فَعلِیٌّ مولاہُ اللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالاہُ وعَادِ مَن عَادَاہُ

جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کے یہ علی مولا ہیں پروردگار ان کے دوست کو دوست اوران کے دشمن کو دشمن رکھ۔ دونوں کی گفتگو عثمان کے قتل کی گفتگو کے بعد ختم ہوگئی اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنے اپنے قیام کی جگہ واپس آ گئے۔ [۱]

اس ملاقات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو چیز عمرو عاص نہیں چاہتا تھا وہ عمار کا امامؑ کی فوج میں شریک ہونا تھا۔ کیونکہ وہ علی علیہ السلام کی فوج کے سرداروں کو بہت اچھی طرح پہچانتا تھا، لہٰذا عمار کی منطقی وعقلی باتوں کے مقابلے میں جنگ وجدال واختلاف کی باتیں کرنے لگا اور عثمان کے قتل کی باتیں کرنے لگا تا کہ ان سے اقرار کرالے کہ خلیفہ کے قتل میں شامل تھے، اور اس طرح سے بے خبر شامیوں کو حملہ وشورش کے لئے آمادہ کرے، البتہ معاویہ اور عمرو عاص کے لئے بہتر ہوا کہ ذوالکلاع عمار سے پہلے قتل ہو گیا، کیونکہ اگر وہ عمار یاسر کی شہادت کے بعد زندہ ہوتا تو عمرو عاص اپنی بے ہودہ گفتگو کی بنیاد پر اسے دھوکہ نہیں دے سکتا تھا اور خود وہ شام کی فوج کے درمیان اور معاویہ وعمرو عاص کے لئے بہت بڑی مشکل بن جاتا۔ لہٰذا ذوالکلاع کے قتل ہونے اور عمار یاسر کی شہادت کے بعد عمرو عاص نے معاویہ سے کہا میں نہیں جانتا کہ دونوں میں سے کس کے قتل پر خوشی مناؤں، ذوالکلاع کے قتل پر یا عمار یاسر کی شہادت پر؟ خدا کی قسم اگر ذوالکلاع، عمار یاسر کے قتل کے بعد زندہ ہوتا تو تمام شامیوں کو علی علیہ السلام کی فوج میں داخل کر دیتا۔ [۲]

جنگ صفین میں امامؑ کی بہادری

امامؑ پوری فوج کے سردار تھے، آپ، معاویہ اور عمرو عاص جیسے سرداروں کی طرح نہ تھے کہ سب سے امن کی جگہ، اور فوج کے بڑے بڑے طاقتوروں کی حفاظت میں رہتے اور خطرے کے وقت بھاگ جاتے، بلکہ آپ نے اپنی سرداری کو فوج کے مختلف علاقوں میں گھوم کر نبھایا اور مشکل سے مشکل لمحوں میں بھی اپنے سپاہیوں سے آگے آگے جنگ اور زبردست حملوں میں کامیابی آپ کے مبارک اور طاقتور ہاتھوں سے ہوتی تھی۔

اب ہم امامؑ کی بہادری کے چند نمونے یہاں ذکر رہے ہیں:

ان واقعات کی تفصیلات ابن مزاحم کی کتاب واقعہ صفین اور تاریخ طبری میں موجود ہے دلچسپی رکھنے والے قارئین ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

---

[۱] وقعہ صفین ص ۳۳۶، ۳۳۲۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۸ ص ۲۲۔۱۶۔

[۲] کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۷۔

امامؑ تیروں کی بارش میں

امامؑ کی فوج کین میمنہ کا نظام عبداللہ بن بدیل کے مارے جانے کی وجہ سے درہم برہم ہوگیا، معاویہ نے حبیب بن مسلمہ کو بچی ہوئی فوج کی سرکوبی کے لئے میمنہ پر معین کر دیا ادھر امام علیہ السلام کے میمنہ کی فوج کی سرداری سہیل بن حنیف کو ملی لیکن یہ نئی سرداری بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی میمنہ کے حیران و پریشان فوجی قلب لشکر سے ملحق ہو گئے جس کی رہبری خود امامؑ کر رہے تھے، اس مقام پر تاریخ نے قبیلۂ ربیعہ کی تعریف اور قبیلۂ مضر کے بھاگنے اور ان کے خوف و ہراس کے متعلق تذکرہ کیا ہے، امامؑ نے ایسے حالات میں قدم آگے بڑھایا اور خود میدان جنگ میں آئے۔

جنگ صفین کے خبر نگار زید بن وہب کا کہنا ہے کہ میں نے خود امامؑ کو تیروں کی بارش میں دیکھا کہ دشمن کے تیر آپ کی گردن اور شانے سے گزر رہے تھے، امامؑ کے بیٹوں کو خوف محسوس ہوا کہ امامؑ دشمن کے شدید باراں میں زخمی نہ ہو جائیں لہٰذا امامؑ کی مرضی کے برخلاف سپر کے طور پر ان کے اطراف کھڑے ہو گئے لیکن امامؑ ان لوگوں کی خواہش کے برخلاف آگے بڑھتے ہی رہے اور دشمن کو پچھاڑتے رہے اچانک امام کے بالکل سامنے آپ کے غلام کیسان اور ابوسفیان کا غلام احمر لڑتے لڑتے آ گئے اور بالآخر کیسان قتل ہو گئے۔ ابوسفیان کا غلام اپنی کامیابی پر غرور کرتے ہوئے برہنہ تلوار کے ساتھ امام کی طرف آیا لیکن امامؑ نے پہلے ہی حملے میں اس کی زرہ کے دستہ پر ہاتھ ڈالا اور اسے اپنی طرف کھینچا اور پھر اٹھایا اور پوری طاقت سے اُسے زمین پر اسطرح پٹکا کہ اسکا شانہ اور بازو ٹوٹ گیا اور پھر اسے چھوڑ دیا اس وقت امام حسین علیہ السلام اور محمد حنیفہ نے اپنی تلوار سے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا اور امام کے پاس واپس گئے، امام نے اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام سے کہا، اپنے بھائیوں کی طرح اس کے قتل میں کیوں شریک نہ ہوئے۔

امام نے جواب دیا: کفیانی یا امیر المومنین یعنی وہ دونوں بھائی کافی تھے، زید بن وہب کہتے ہیں، امامؑ جتنا شام کے لشکر سے قریب ہوتے تھے اپنی رفتار کو بڑھاتے تھے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اس خوف سے کہ کہیں معاویہ کی فوج امامؑ کا محاصرہ نہ کر لے اور آپ کی زندگی خطرے میں نہ پڑ جائے، حضرت سے کہا تھوڑا سا ٹھہر جائیں تو آپ کے وفادار، ثابت قدم قبیلہ ربیعہ کے ساتھی آپ تک پہنچ جائیں۔ امامؑ نے اپنے بیٹے کے جواب میں فرمایا:

ان لا بیك یوماً لَنْ یَعْدُوہ ولاٗ یُبطِئُ بَہِ عنہ السّعُ ولاٗ یُعجلُ بہ اِلیہ المش اَنّ اباكَ واللہِ لاٗ یُبالِی وَقَعَ عَلیَ الموتِ اَوْوُقِعَ الموتُ علیہ [1]

تمہارے باپ کی موت کے لئے ایک دن معین ہے جو آگے نہیں بڑھے گا، توقف سے نہ تو پیچھے ہٹے گا، تمہارے باپ کو یہ خوف نہیں ہے کہ وہ موت کا استقبال کریں یا موت خود ان کا استقبال کرے۔

---

[1] واقعہ صفین ص ۲۵۰، ۲۴۸۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۵ ص ۲۰۰، ۱۹۸، تاریخ طبری ج ۳ جز ۶ ص ۱۱، ۱۰۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۲، ۱۵۱۔

ابواسحاق کہتے ہیں: امام علیہ السلام جنگ صفین کے دوران اپنی فوج کے سردار سعید بن قیس کے پاس سے گزرے جب کہ امامؑ کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا نیزہ تھا، اس نے امامؑ سے کہا کہ آپ کو ڈر نہیں لگتا کہ دشمن سے اتنا قریب ہونے کی وجہ سے اچانک ان کے ہاتھوں قتل ہو جائیں؟ امامؑ نے اس کے جواب فرمایا:

انّه لیس من احدٍ الّا عَلَیْهِ مَن اللهِ حَفِظَة یحفظونه مِنْ ان یَتَرَدّیٰ فی قَلِیبٍ أو یَخِرَّ علیه حائط اَوْ تصیبه آفة. فاذا جَآ الْقَدر خَلوْ بینَه وبَینَه [1]

کوئی شخص نہیں ہے مگر یہ کہ خدا کی طرف سے اس پر محافظ ہے کہ اگر وہ کنویں میں گر جائے یا دیوار کے نیچے دب جائے یا اس پر آفت آ جائے تو وہ اس کی حفاظت کرے گا اور جب قدرت کا لکھا ہوا وقت پہنچ جائے گا تو وہ خود اپنی سرنوشت کو پہنچ جائے گا۔

معاویہ کے غلام حریث کا قتل

شام کی فوج میں سب سے بڑا بہادر معاویہ کا غلام حریث تھا، وہ کبھی کبھی معاویہ کا کپڑا پہن کر جنگ کرتا تھا اور جو لوگ اِسے نہیں پہچانتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ معاویہ جنگ کر رہا ہے۔

ایک دن معاویہ نے اسے بلایا اور کہا علی سے جنگ نہ کرو اور اپنے نیزے سے جس کو چاہو مارو، وہ عمر و عاص کے پاس گیا اور اس سے معاویہ کی بات بتائی، عمر و عاص (چاہے اس کی جو بھی نیت رہی ہو) نے معاویہ کی بات کو غلط بتایا اور کہا اگر تو قرشی ہوتا تو معاویہ کی خواہش و آرزو یہی ہوتی کہ تو علی کو قتل کر دے کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ یہ افتخار کسی غیر قرشی کو نصیب ہو لہٰذا اگر تجھے موقع ملے تو علی پر بھی حملہ کر، اتفاقاً امامؑ اسی دن اپنے سوار لشکر کے سامنے میدان میں آئے، حریث نے عمر و عاص کی گفتگو پر عمل کرتے ہوئے امامؑ کو جنگ کی دعوت دی، امامؑ رجز پڑھنے کے بعد آگے بڑھے اور جنگ شروع کی اسی وقت ایک ضربت اس پر لگائی اور اسے دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا، جب معاویہ کے پاس خبر پہنچی تو وہ بہت زیادہ متاثر ہوا اور عمر و عاص کی مذمت میں کہ اسے دھوکہ دیا ہے بہت سے شعر کہے جس کے دو شعر یہ ہیں:

حریث الم تعلم وجهلك ضائر
بان علیاً للفوارس قاهر
وان علیاً لم یبارزه فارس
من الناس الا اقصدته الاّ ظافِرُ

(اے میرے شکست کھائے ہوئے بہادر) کیا تو نہیں جانتا تھا کہ علی تمام بہادروں سے زیادہ بہادر اور کامیاب

---

[1] واقعہ صفین ص ۲۵۰۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۵ ص ۱۹۹۔

ہیں علی سے کوئی بھی بہادر جنگ کے لئے نہیں اٹھا مگر یہ کہ ان کے حملے غلط نہ ہوئے اور اسے ختم کر دیا۔

حریث کے قتل ہونے کی وجہ سے معاویہ کی فوج میں خوف پھیل گیا ایک دوسرا بہادر بنام عمرو بن الحصین میدان جنگ میں آیا تا کہ امامؑ سے اسکا بدلہ لے، لیکن ابھی حضرت کے سامنے بھی نہ آیا تھا کہ امامؑ کی فوج کے ایک سردار بنام سعید بن قیس کے ہاتھوں مارا گیا۔[1]

امامؑ نے معاویہ کو جنگ کی دعوت دی

ایک دن امامؑ میدان میں آئے اور دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور چاہا کہ آخری مرتبہ معاویہ پر حجت تمام کریں۔

امامؑ: معاویہ۔معاویہ۔معاویہ۔!

معاویہ نے اپنے مخصوص محافظوں سے کہا جاؤ اور مجھے ان کے مقصد سے آگاہ کرو

محافظ: اے ابوطالب کے بیٹے کیا کہہ رہے ہیں؟

امامؑ: میں چاہتا ہوں کہ اس سے بات کروں،

محافظ: محافظوں نے معاویہ سے کہا علی تم سے بات کرنا چاہتے ہیں، اس وقت معاویہ، عمرو عاص کے ساتھ میدان میں آیا اور امام کے سامنے کھڑا ہو گیا، امامؑ نے عمرو عاص کو نظر انداز کرتے ہوئے معاویہ کی طرف رخ کر کے کہا تجھ پر لعنت ہو کیوں ہمارے درمیان لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں؟ اس سے بہتر ہے کہ تو میدان میں آ، تا کہ ایک دوسرے سے جنگ کریں اور ہم میں سے جو بھی کامیاب ہو، وہ لوگوں کے امور کی ذمہ داری سنبھالے۔

معاویہ: عمرو عاص اس بارے میں تیرا کیا نظریہ ہے؟

عمرو عاص: علی نے انصاف کے بات کہی ہے اگر تو نے منہ پھیر لیا تو تیرے خاندان کے دامن پر ایسا داغ لگے گا کہ جب تک عرب اس دنیا میں زندہ رہیں گے اس وقت تک نہیں دھلا جا سکے گا۔

معاویہ: عمرو میرے جیسا ہرگز تیرے دھوکہ میں نہیں آئے گا کیونکہ کوئی بھی بہادر و شجاع علی سے جنگ کرنے نہ اٹھا مگر یہ کہ زمین اس کے خون سے سیراب ہو گئی یہ جملہ کہنے کے بعد دونوں اپنی فوج کی طرف واپس چلے گئے، امامؑ بھی مسکرائے اور اپنی فوج کی طرف واپس آ گئے، معاویہ نے عمرو کی طرف رخ کر کے کہا، تو کتنا نادان اور بھولا ہے اور پھر کہا کہ مجھے گمان

---

[1] واقعہ صفین ص ۲۷۳، ۲۷۲۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۵ ص ۲۱۶، ۲۱۵۔ الاخبار الطول ص ۱۷۶۔

ہے کہ تیری یہ درخواست واقعی نہ تھی بلکہ تو مذاق کر رہا تھا[1]

شہید کے بیٹے کی بہادری

ہاشم مِرقال، امامؑ کی فوج کے بہادر اور طاقتور سردار تھے اور اسلام کی عظیم جنگوں میں ان کی روشن اور عمدہ کارکردگی کسی سے پوشیدہ نہیں تھی، ممکن تھا کہ ان کی شہادت کی وجہ سے امامؑ کے لشکر میں بے ادبی پیدا ہوجائے، لیکن ان کے بیٹے کے شعلہ ور خطبے نے حالات کو تبدیل کردیا اور اس کی راہ پر چلنے والوں نے اسے اور بھی مصمم بنادیا، اس نے اپنے باپ کے پرچم کو ہاتھ میں لیا[2] اور راہ حق وحقیقت کے جانبازوں کی طرف رخ کر کے کہا:

ہاشم خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا جس کے لئے ایک دن معین تھا اور اس کے کارنامے الٰہی دفتر میں محفوظ ہیں، اس کی موت آگئی اور وہ خدا کہ جس کی مخالفت نہیں کرسکتے اس نے اسے اپنی طرف بلالیا اور اس نے بھی موت کا جام پی لیا اور پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس چچازاد بھائی کی راہ میں جہاد کیا جو آپ پر سب سے پہلے ایمان لایا اور خدا کے قوانین لوگوں سے زیادہ خبر رکھنے والا، اور خدا کے دشمنوں کا سخت مخالف ہے، وہ دشمنان خدا جنھوں نے خدا کے حرام کو حلال بناتے ہیں اور لوگوں کے درمیان ظلم وستم کے ساتھ حکومت کرتے ہیں اور شیطان ان لوگوں پر کامیاب ہوگیا اور ان کے برے کاموں کو انکی نظر میں خوبصورت بناکر دکھایا ہے۔

تم پر ان لوگوں سے جہاد کرنا واجب ہے جنھوں نے پیغمبر کی سنت کی مخالفت کی ہے اور حدود الٰہی (سزاؤں) کو جاری نہیں کیا اور خدا کے دوستوں کی مخالفت کے لئے اٹھ گئے ہیں، اس دنیا میں اپنی پاکیزہ جانوں کو خدا کی راہ میں قربان کرو تاکہ آخرت میں بلندترین مقام پر فائز ہو (اس کے بعد کہا)

فَلَوْلم یکن ثواب ولا عقاب ولا جنّة ولاٰ نار لکان القتال مع علی أفضل مِنَ الْقتَال مَعَ معاویةَ بن آکِلَةِ الا کباٰدِوَ کیف وأنتم ترجُونَ مٰا ترجُونَ'[3]

اگر بالفرض، ثواب وعذاب نہ ہو، جنت وجہنم نہ ہو، تو کیا علی کے رکاب میں رہ کر معاویہ جگر خوار کے بیٹے کے ساتھ جنگ کرنا بہتر نہیں ہے اور کیوں ایسا نہ ہو کیونکہ تم لوگ امیدوار ہو اس چیز کے جس کی امید رکھتے ہو۔

ابھی شہید کے بیٹے کی شعلہ ور گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ ابوطفیل صحابی جو امامؑ کے مخلص شیعوں میں سے تھا ہاشم کے متعلق اشعار کہے جس کا صرف پہلا شعر یہاں نقل کررہے ہیں:

---

[1] واقعہ صفین ص ۲۷۵، ۲۷٤۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٥ ص ۲۱۷، ۲۱۷۔الاخبار الطول ص ۱۷۷، ۱۷٦، تاریخ طبری ج ۳ جزء ٦ ص ۲۳۔کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱٥۸ (تھوڑے فرق کے ساتھ)

[2] الاخبار الطول ص ۱۷٤۔مروج الذہب ج ۲ ص ۳۹۳۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۸ ص ۲۹۔

[3] واقعہ صفین ص ۳٥٦۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۸ ص ۲۹۔

یَا ھاشمَ الخیرِ جزیتَ الجنّة
قَاتلْتَ فِی اللہ عدوَّ السنّة [۱]

خدا کے بہترین بندے ہاشم تیری جزا جنت ہے اور تم نے اللہ کی راہ میں سنت الٰہی کے دشمنوں سے جہاد کیا۔

لومڑی، شیر کے پنجے میں

جنگ کی شدت نے معاویہ کی فوج کے لئے زمین تنگ کر دی تھی اور جنگ چھیڑنے والوں نے لوگوں کی زبان کو بند کرنے کے لئے مجبور ہوئے کہ خود بھی میدان میں جائیں، عمرو عاص کا ایک دشمن حارث بن نضرؔ تھا اگر چہ دونوں ایک ہی مزاج کے تھے لیکن ایک دوسرے کے مخالف تھے حارث نے اپنے شعر میں عمرو پر اعتراض کیا کہ وہ کیوں خود علی کے ساتھ جنگ میں شرکت نہیں کرتا فقط دوسروں کو میدان میں روانہ کرتا ہے، اس کے اشعار شام کی فوج کے درمیان منتشر ہو گئے عمرو مجبور ہوا کہ ایک ہی بار صحیح میدان جنگ میں امامؑ کے روبرو ہوا، لیکن میدان سیاست کی لومڑی نے میدان جنگ میں بھی مکر وفریب سے کام لیا جب امامؑ کے مقابلے میں آیا تو حضرت نے اسے مہلت نہیں دی اور نیزے کے زور سے اسے زمین پر گرادیا عمرو نے جو امام کی جواں مردی سے آگاہ تھا فوراً برہنہ ہو کر اپنی جان بچائی امام نے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا اور اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔[۲]

عمرو عاص اور مالک اشتر آمنے سامنے

میدان جنگ میں مالک اشتر کی بہادری نے معاویہ کی آنکھوں میں نیند حرام کر دی تھی، لہٰذا مروان بن حکم کو حکم دیا کہ کچھ لوگوں کی مدد سے مالک اشتر کو قتل کر دے مگر مروان نے اس ذمہ داری کو قبول نہیں کیا اور کہا:

تمہارا سب سے قریبی ساتھی عمرو عاص ہے کہ جس سے تو نے مصر کی حکومت کا وعدہ کیا ہے بہتر ہوتا کہ اس ذمہ داری کو اس کے کاندھوں پر ڈالتا، وہ تمہارا راز دار ہے نہ کہ میں، اس پر تو نے اپنا لطف وکرم کیا ہے اور مجھے محروموں کے خیمے میں جگہ دی ہے، معاویہ نے مجبور ہو کر عمرو عاص کو یہ ذمہ داری سونپی کہ کچھ لوگوں کے ساتھ مالک اشتر سے جنگ کرے، کیونکہ ان کی بے مثال بہادری اور جنگی تدبیروں نے شامیوں کی فوج کی صفوں کو درہم برہم کر دیا تھا، عمرو عاص جو مروان کی باتوں سے باخبر تھا مجبوراً ذمہ داری کو قبول کیا لیکن مگس کہاں اور سیمرغ (بہت بڑا پرندہ) کی عظمت کہاں؟ عمرو عاص جب مالک اشتر کے سامنے آیا تو اس کا بدن لرز رہا تھا لیکن میدان سے بھاگنے کی بدنامی کو بھی قبول نہیں کیا، دونوں طرف سے رجز کا سلسلہ ختم ہوا، اور دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کیا، عمرو پر جب مالک اشتر نے حملہ کیا تو پیچھے ہٹ گیا اور مالک اشتر

---

[۱] واقعہ صفین ص ۳۵۹۔

[۲] واقعہ صفین ص ۴۲۳۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶ ص ۳۱۳۔ اعیان الشیعہ ج ۱ ص ۵۰۱۔

کے نیزے سے اس کے چہرے پر خراش پڑ گئی، عمرو نے اپنی جان کے خوف سے اپنے چہرے کے زخم کا بہانہ بنایا اور ایک ہاتھ سے گھوڑے کی لگام اور دوسرے ہاتھ سے اپنے چہرے کو پکڑا اور بہت تیزی سے اپنی فوج کی طرف بھاگ گیا اس کے میدان سے بھاگنے کی وجہ سے معاویہ کے سپاہیوں نے اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ کیوں ایسے ڈرپوک اور بے غیرت انسان کو ہمارا امیر بنایا ہے۔[1]

پرہیز گار نوجوان اور دنیا طلب بوڑھا

جنگ کے دنوں میں ایک دن مالک اشتر نے عراقیوں کے درمیان بلند آواز سے کہا، کیا تمہارے درمیان میں کوئی ایسا ہے جو اپنی جان کو خدا کی مرضی کے بدلے بیچ دے؟ ایک نوجوان اثال بن حجل میدان میں گیا، معاویہ نے ایک بوڑھے کو جس کا نام بھی حجل تھا میدان جنگ میں اس کے مقابلے کے لئے بھیجا دونوں ایک دوسرے پر نیزے سے حملہ کر رہے تھے اور اسی حالت میں اپنا حسب ونسب بھی بیان کر رہے تھے اچانک انہیں معلوم ہوا کہ وہ باپ اور بیٹے ہیں اس لئے وہ دونوں گھوڑے سے اترے اور ایک دوسرے کے گلے لگ گئے باپ نے بیٹے سے کہا: اے میرے لعل دنیا کی طرف آجا!

بیٹے نے کہا: اے بابا آپ آخرت کی طرف آجایئے یہی آپ کے لئے بہتر ہے اگر میں دنیا کو طلب کروں اور شامیوں کی طرف جاؤں تو آپ مجھے اس کام سے روکیں آپ علی اور ان مومن اور صالح دوستوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

بالآخر یہ طے ہوا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ واپس چلے جائیں۔[2] وہ جنگ جس کی بنیاد عقیدہ سے دفاع ہو اس میں ہر طرح کا رشتہ، سوائے دینی رشتہ کے، سب بیکار ہے۔

شام کے سپاہیوں کی بزدلی

ابرہہ معاویہ کی فوج کا ایک سردار تھا، جو معاویہ کی زیادہ فوج کے مارے جانے کی وجہ سے بہت غمگین تھا، اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ شامی معاویہ کی خواہشات نفسانی کا شکار ہوئے ہیں اور غصبی حکومت کی حفاظت کرنے کے لئے ایسی وحشتناک جنگ کر رہے ہیں، اسی وجہ سے شام میں رہنے والے یمنی لوگوں کے درمیان اس نے بلند آواز میں کہا: افسوس ہے تم لوگوں پر۔ اے یمن کے لوگو، اے لوگو جو خود کو فنا کرنا چاہتے ہو، ان دونوں آدمیوں (علی ورمعاویہ) کو ان کے حال پر چھوڑ دو تا کہ آپس میں جنگ کریں اور ان میں سے جو بھی کامیاب ہو، ہم اس کی پیروی کریں، جب ابرہہ کی باتیں امامؑ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: بہت اچھی بات کہی ہے جب سے میں شام کی سرزمین پر آیا ہوں ایسی بات نہیں سنی ہے، اس خبر کے

---

[1] واقعہ صفین ص ٤٢٤، ٤٢٣۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٨ ص ٧٩۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٨ ص ٨٢۔ واقعہ صفین ص ٤٤٣۔

پھیلنے کی وجہ سے معاویہ بہت خوف زدہ ہوا اور خود فوج کی آخری صف میں گیا اور اپنے ارد گرد رہنے والوں سے کہا ابر ہہ کی عقل زائل ہوگئی ہے جبکہ یمن کے تمام لوگوں نے مل جل کر کہا ابر ہہ عقلمندی، دینداری اور بہادری میں سب لوگوں سے اچھا ہے۔

ایسے حالات میں شام کی فوج کو حوصلہ دینے کے لئے عروۂ دمشقی میدان جنگ میں گیا اور پکار کر کہا: اگر معاویہ نے علی سے جنگ کرنے سے منہ موڑا ہے تو اے علی میرے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ امامؑ کے دوستوں نے چاہا کہ اس کو اس مقابلے (اس کے کمینہ پن کی وجہ سے) سے روکیں، لیکن امام علی علیہ السلام نے قبول نہیں کیا اور فرمایا، معاویہ اور عروہ دونوں میری نظر میں برابر ہیں، اتنا کہنے کے بعد اس پر حملہ کیا اور سے ایک ہی وار میں دو ٹکڑوں میں اس طرح تقسیم کر دیا کہ دونوں ٹکڑے ادھر اُدھر گر گئے دونوں فوجیں امام علی علیہ السلام کے اس زبردست وار سے لرز اٹھیں، اس وقت امامؑ نے لاش کے دونوں ٹکڑوں سے کہا: اس خدا کی قسم جس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبری کے لئے چنا، آگ کو دیکھ اور پشیمان ہو، اس وقت عروہ کا چچازاد بھائی اس کا انتقام لینے کیلئے میدان میں آیا اور امام علی علیہ السلام سے جنگ کرنے کا خواہاں ہوا، اور وہ بھی امام کی تلوار کے وار سے عروہ کے پاس پہنچ گیا۔[1]

تاریخ اپنے کو دہراتی ہے

امامؑ کی بے مثال بہادری کے سامنے فوج شام کا دل بیٹھنے لگا، معاویہ جو پہاڑ کی چوٹی سے تمام حالات کا مشاہدہ کر رہا تھا، بے اختیار شام کے لوگوں کی مذمت کرنے لگا اور کہا: برباد ہو جاؤ، کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا نہیں ہے جو ابوالحسن کو جنگ کے وقت یا حملہ کرکے یا جب دونوں فوجیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں اور گرد و غبار انہیں چھپا دیتا ہے، ایسے وقت قتل کردے؟ ولید بن عتبہ جو معاویہ کے پاس کھڑا تھا اس نے معاویہ سے کہا، تو اس کام کو انجام دینے میں سب سے زیادہ بہتر ہے، معاویہ نے کہا، علی نے مجھے ایک بار جنگ کی دعوت دی لیکن میں ہرگز ان کے مقابلہ میں میدان میں نہیں جاؤں گا کیونکہ فوج سردار کی حفاظت کے لئے ہے، آخر اس نے بُسر بن ارطاۃ کو امامؑ سے مقابلے کرنے کی تشویق و ترغیب دلائی اور کہا، اس سے جب گرد و غبار ہو اس وقت جنگ کرو، بُسر کا چچازاد بھائی جو ابھی ابھی حجاز سے شام آیا تھا اس نے بُسر کو اس کام سے روکا لیکن چونکہ بُسر نے معاویہ سے وعدہ کر لیا تھا اس لئے میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گیا، جب کہ اس کا پورا بدن لوہے سے چھپا ہوا تھا، اس نے علی علیہ السلام کو جنگ کی دعوت دی امامؑ کے نیزے کے وار نے اسے زمین پر گرا دیا اور اس نے بھی عمرو عاص کی طرح اپنی شرمگاہ سے لباس ہٹا دیا اسی وجہ سے امامؑ نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔

صلح کے لئے معاویہ کا اصرار

صفین میں جنگ کے طولانی ہونے اور فوج شام سے بہت زیادہ سپاہی مارے جانے کی وجہ سے معاویہ نے ارادہ

---

[1] واقعہ صفین ص ٤٠٥۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٨ ص ٩٤۔

کیا کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو، امامؑ کو صلح و دوستی اور جنگ ختم کرنے اور دونوں فوجوں کو ان کے اصلی مرکز پر واپس جانے کے لئے تیار کرے اور اس کام کو ایک خاص طریقے سے شروع کیا کہ جس میں سے تین اہم راستے یہ تھے:

۱۔ اشعث بن قیس سے گفتگو

۲۔ قیس بن سعد سے گفتگو

۳۔ امام علیہ السلام کو خط لکھنا

لیکن امامؑ کی فوج کے مستحکم ایمان وعقیدہ کی بنا پر اس کا یہ پروگرام بے نتیجہ ثابت ہوا یہاں تک کے مسئلہ لیلۃ الہریر پیش آ گیا اور قریب تھا کی معاویہ کی پوری فوج معدوم ہو جائے لیکن معاویہ کا فریب و دھوکا اور عراقیوں کا سادہ لوح ہونا شام کے جاسوسوں کا امامؑ کی فوج میں کام کرنا، حالات کو شام کی فوج کے حق میں لے گیا ہم یہاں معاویہ کی ملاقاتوں اور گفتگوؤں کو ذکر کر رہے ہیں:

1۔ معاویہ نے اپنے بھائی عتبہ بن ابوسفیان کو جو بہترین خطیب تھا اپنے پاس بلایا اور یہ ذمہ داری سونپی کہ اشعث بن قیس جو امام کی فوج میں کافی نفوذ رکھتا تھا، سے ملاقات کرے اور اس سے درخواست کرے کہ طرفین سے جو باقی ہیں ان پر رحم کرے، عتبہ فوج کے بالکل سامنے آیا اور وہیں سے اس نے اپنا تعارف کرایا پھر اشعث کو بلایا تا کہ معاویہ کا پیغام اس تک پہنچائے اشعث نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ وہ فضول آدمی ہے اس سے ملاقات کرنا چاہیے عتبہ کے پیام کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر بنا یہ ہوتی کہ معاویہ، علی کے علاوہ کسی اور سے ملاقات کرتا تو صرف تجھ سے ملاقات کرتا کیونکہ تو عراق کے لوگوں کا سردار اور اہل یمن کے بزرگوں میں سے ہے اور عثمان کا داماد اور اس کا کارمند تھا تیرا مسئلہ مالک اشتر اور عدی بن حاتم سے جدا ہے، اشتر عثمان کا قاتل اور عدی اس کام کی طرف رغبت دلانے والا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ علی کو چھوڑ دو اور معاویہ کی مدد کو پہنچو بلکہ تجھے جو افراد باقی بچے ہیں ان کہ حفاظت کے لئے بلا رہا ہوں اس میں تمہارے اور میرے لئے مصلحت ہے۔

اشعث نے اس کے جواب میں امامؑ کی بہت زیادہ تعریف وتکریم کی اور کہا عراق اور یمن میں سب سے بزرگ علی ہیں لیکن اپنے کلام کے آخر میں ایک سیاسی کے مثل اس نے صلح کی درخواست قبول کر لی اور کہا کہ تمہاری ضرورت باقی بچے لوگوں کی حفاظت کے لئے ہم سے زیادہ نہیں ہے جب عتبہ نے اشعث کی باتوں سے معاویہ کو باخبر کیا تو اس نے کہا قَدْ جَنَحَ لِلسَّلْمِ صلح کے لئے آمادگی ظاہر کی ہے۔[1]

2۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب جو مہاجرین اور انصار میں سے تھے امامؑ کے اطراف میں جمع تھے، انصار میں سے صرف افراد نعمان بن بشیر اور مسلمہ بن مخلّد نے معاویہ کا ساتھ دیا، معاویہ نے نعمان بن بشیر سے کہا کہ امامؑ کے بہادر سردار

[1] واقعہ صفین ص ۴۰۸۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۸ ص ۶۱۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۰۲۔ اعیان الشیعہ ج ۱ ص ۵۰۳۔

قیس بن سعد سے ملاقات کرواوراس کواپنی طرف راغب کر کے صلح کے مقدمات کوفراہم کرواس نے جب قیس سے ملاقات کی تو دونوں فوجوں کوجونقصان پہنچے تھے اس کو بیان کیا اور کہا: اُخذتِ الحربُ مِنّا ومنکم مارأیتم فاتّقُوا اللّٰہ فِیْ البقیّۃِ جنگ نے ہم سے اورتم سے وہ چیزیں لے لی ہیں جوتم دیکھ رہے ہو،لہٰذا جو باقی بچے ہیں ان کے لئے خدا سے ڈرو(اوران کے بارے میں کچھ فکر کرو)۔

قیس نے نعمان کے جواب میں معاویہ اورعلی علیہ السلام کے ساتھیوں کے حالات بیان کیے اور کہا ہم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں خوش وخرم ہوکر دشمن کے نیزہ وتلوار کا جواب دیا اورحق کامیاب ہوگیا اگر چہ کافر اس کام سے ناراض تھے۔ اے نعمان یہ لوگ جو معاویہ کہ مدد کررہے ہیں وہ تھوڑے سے آزاد کئے ہوئے اور بیابانوں میں رہنے والے اور یمنی لوگ ہیں جو معاویہ کا دھوکہ کھائے ہوئے ہیں علی کی طرف دیکھو کہ ان کے اطراف میں تمام مہاجرین وانصار اورتابعین جمع ہیں اوران سب سے خدا راضی ہے لیکن معاویہ کے اطراف میں تمہارے اورتمہارے دوست (مسلمہ بن مخلّد) کے علاوہ کوئی نہیں ہے اورتم میں سے کوئی ایک بھی نہ جنگ بدر میں تھا اور نہ ہی احد میں اور نہ ہی اسلام کے لئے تم لوگوں کی خدمات ہیں اور نہ ہی تم لوگوں کے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی اگر ان چیزوں کے برخلاف تم نے قدم بڑھایا تو اس کے پہلے تمہارے باپ نے بھی یہی کام کیا تھا۔[۱]

3۔ان سب ملاقاتوں کا مقصد صرف اورصرف صلح اور سازش تھی لیکن معاویہ کا مقصد پورا نہ ہوا اس وجہ سے وہ مجبور ہوا کہ امامؑ کوخط لکھے اوراس میں ایسی چیز کی درخواست کرے جس کی اس نے سرکشی ونافرمانی کے پہلے ہی دن درخواست کیا تھا یعنی شام کی حکومت اسے دیدیں بغیر اس کے کہ اطاعت اور بیعت اس کی گردن پر ہواوراس وقت کہا ہم سب عبد مناف کے بیٹے ہیں اور ہم میں کوئی بھی ایک دوسرے پر فضلیت نہیں رکھتا مگر وہ شخص جو عزیز کو خوار وذلیل اور آزاد کوغلام نہ کرے۔

امامؑ نے اپنے منشی ابن ابی رافع کو بلایا اوراسے حکم دیا کہ اس کا جواب اس طرح لکھو جیسے کہ میں لکھوا رہا ہوں،امامؑ کے خط کی عبارت نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۱۷ کے ضمن میں تحریر ہے۔[۲]

---

[۱] اس سے مراد سقیفہ کا واقعہ ہے جس میں نعمان کے باپ بشیر نے صرف اس وجہ سے کہ اس کے چچازاد بھائی قیس کے باپ یعنی سعد بن عبادۃ تک خلافت نہ پہنچے اٹھا اور ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور انصار کے اتحاد کوتوڑ دیا،شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۸ ص ۸۷ ،واقعہ صفین ص ٤٤٨ ،الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص۹۷۔

[۲] اس خط کی عبارت جو کہ نہج البلاغہ میں تحریر ہے اور یہ عبارت جو کہ اخبار الطوال ص۱۸۷،اور الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص ۱۰٤،۱۰۳۔اور واقعہ صفین ص٤٧١ ۔میں ہے فرق ہے۔

انیسویں فصل

جنگ صفین میں تبدیلی اور تاریخ اسلام

امامؑ نے ۱۰ ربیع الاوّل ۳۸ھ منگل کے دن ہنگام فجر جبکہ ابھی اندھیرا چھایہ ہوا تھا، نمازِ صبح اپنے دوستوں کے ساتھ پڑھی آپ فوجِ شام کی ناتوانی اور خستگی سے مکمل طور پر آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ دشمن آخری مورچے تک پیچھے چلا گیا ہے اور ایک زبردست حملے سے معاویہ کے خیمہ تک پہنچا جا سکتا ہے، اسی وجہ سے آپ نے مالک اشتر کو حکم دیا کہ فوج کو منظم کریں جب کہ مالک اشتر لوہے کا پورا لباس پہنے تھے فوج کے پاس آئے اور اپنے نیزے پر ٹیک لگایا اور بلند آواز سے پکارا:

سَوُّوا صُفُوفَكُمْ رَحِمَكُمُ اللهُ

اپنی صفوں کو مرتب کرو تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ حملہ شروع ہوگیا اور ابتدا سے ہی دشمن کی شکست ان کے بھاگنے کی وجہ سے ظاہر ہوگئی تھی۔

اس موقع پر ایک شام کا آدمی باہر آیا اور امامؑ سے بات کرنے کی پیشکش کی امامؑ نے دونوں صفوں کے درمیان اس سے گفتگو کی اس نے فرمائش کی کہ دونوں فوجیں اپنی پہلی جگہ پر واپس چلی جائیں اور امام، شام کو معاویہ کے حوالے کر دیں، امامؑ نے اس کی فرمائش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اس موضوع کے بارے میں مدتوں فکر کیا ہے اور اس میں دو راستوں کے علاوہ میں نے کوئی راستہ نہیں دیکھا یا نافرمانوں سے جنگ کروں یا کافر ہو جاؤں اور جو چیز پیغمبر پر نازل ہوئی ہے اس سے انکار کر دوں اور خدا اس سے بالکل راضی نہیں ہے کہ اس کی مملکت میں گناہ و نافرمانی ہو اور دوسرے لوگ اس کے مقابلے میں خاموش رہیں، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے منہ پھیر لیں، اسی وجہ سے ہم نے نافرمانوں سے میل جول کے بجائے جنگ کرنا بہتر جانا ہے۔

وہ شخص امامؑ کی رضامندی حاصل کرنے سے مایوس ہوگیا جب کہ اسکی زبان پر اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ کی آیت جاری تھی وہ سیاہ شام کی طرف واپس چلا گیا۔[1]

دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ دوبارہ شروع ہوگئی اور اس جنگ میں جتنے بھی وسائل ممکن تھے اسے استعمال کیا گیا تیر و پتھر، نیزہ و تلوار اور لوہے سلاخیں جو دونوں طرف کے فوجیوں کے سر پر مثل پہاڑ کے گر رہے تھے استعمال

[1] الاخبار الطوال ص ۱۸۷۔ واقعہ صفین ص ٤٧٤۔ اعیان الشیعہ ج ۱، ص ۵۱۰۔

ہوئے جنگ بدھ کو صبح تک جاری رہی معاویہ کی فوج کے لوگ زخمی اور قتل ہوئے، لوگ اس رات میں کتوں کی طرح چیخ رہے تھے اور اسی لئے بدھ کی اس رات کو تاریخ نے لیلۃ الہریر کے نام سے یاد کیا۔

مالک اشتر اپنے سپاہیوں کے درمیان ٹہل رہے تھے اور لوگوں سے کہہ رہے تھے:

لوگو فتح وکامرانی میں ایک کمان سے زیادہ کا فاصلہ نہیں بچا ہے

اور بلند آواز سے کہا:

الا من یشری نفسه لِلّٰهِ ویقاتل مع الاشتر حتّٰی یَظْهَرَ اَوْ یَلْحَقَ بِاللّٰهِ؟

کیا کوئی ایسا شخص ہے جو اپنی جان کو خدا کے لئے بیچ دے اور اس راہ میں اشتر کے ساتھ جنگ کرے تا کہ فتح پائے یا خدا سے ملحق ہو جائے؟[1]

امامؑ نے ایسے حسّاس موقع پر اپنے سرداروں اور فوج کے با اثر افراد کے سامنے تقریر کی اور فرمایا:

اے لوگو، تم لوگ دیکھ رہے ہو کہ تمہارا اور دشمن کا اقدام کہاں تک پہنچ چکا ہے اور دشمن کے پاس آخری سانس کے سوا کچھ باقی نہیں ہے کام کے آغاز کو انجام کے ساتھ حساب کیا جاتا ہے میں صبح کے وقت ان لوگوں کو محکمہ الٰہی میں لے جاؤں گا اور ان کی ذلت بھری زندگی کو ختم کر دونگا۔[2]

معاویہ امامؑ کی تقریر سے باخبر ہوا لہٰذا عمرو عاص سے کہا یہ وہی رات ہے کہ علی کل جنگ کو یک طرفہ کر دینگے اس وقت ضروری ہے کہ کچھ فکر کرو؟

عمرو عاص نے کہا:

نہ تمہارے سپاہی ان کے سپاہی کی طرح ہیں اور نہ تو ہی ان کی طرح ہے وہ دینی جذبے کے تحت جنگ کر رہے ہیں اور تو دوسرے مقصد کی خاطر، تو زندگی کی تمنا کر رہا ہے اور وہ شہادت کے طلبگار ہیں، عراق کی فوج تمہاری فتح سے خوف زدہ ہیں، جب کہ شام کی فوج علی کی فتح سے خوف زدہ نہیں ہے۔

معاویہ: اس وقت کیا کرنا چاہئے؟

عمرو عاص: اس وقت ایسی دعوت دینی چاہیے کہ اگر قبول کریں تو اختلاف کا شکار ہو جائیں اور اگر قبول نہیں کریں تو دو گروہ ہو جائیں گے ان لوگوں کو خدا کی کتاب کی طرف دعوت دو تا کہ خدا کی کتاب تمہارے اور ان کے درمیان حاکم ہے اس طرح سے تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا، یہ بات بہت دنوں سے ہمارے ذہن میں تھی لیکن اس کو ظاہر کرنے سے میں نے پرہیز کیا تا کہ اس کا وقت پہنچ جائے،

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ جزئ ٦ ص ٢٦ ۔ واقعۂ صفین ص ٤٧٥ ۔ کامل ابن اثیر ج ٣ ص ١٦٠۔

[2] واقعۂ صفین ص ٤٧٦ ۔ الاخبار الطوال ص ١٨٨ ۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ١ ص ٨۔

معاویہ نے اپنے قدیمی ترین ساتھی کا شکریہ ادا کیا اور اس نقشے کو عملی صورت دینے کی کوشش میں لگ گیا۔

۱۳ ربیع الاوّل جمعرات کے دن صبح سویرے یا ایک قول کی بناء پر ۱۳ صفر کو امامؑ کی فوج بالکل نئے دھوکے سے روبرو ہوگئی، اس کی وجہ سے عمروعاص نے شام کے سرکشوں کی جو خدمت کی امیہ کے گروہ کو دوبارہ زندگی کے حق میں اور وہ معاشرے میں منہ دیکھانے کے لائق ہوئے، شام کی فوج نے عمرو کے دستور کے مطابق قرآن کو نوکِ نیزہ پر اٹھایا اور صف میں کھڑی ہوگئی، دمشق کا سب سے بڑا قرآن دس آدمی کی مدد سے نوکِ نیزہ پر اٹھایا گیا اور اس وقت سب نے ایک آواز ہو کر نعرہ بلند کیا ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کی کتاب حاکم ہے۔

عراقیوں کے کان میں یہ آواز پہنچی اور ان کی آنکھیں نوک نیزہ پر پڑیں شام کی فوج سے نعروں اور رحم وکرم کی فریادوں کے علاوہ کوئی دوسری چیز سنائی نہیں دے رہی تھی سب ایک آواز ہو کر کہہ رہے تھے:

اے عرب کے لوگو اپنی عورتوں اور لڑکیوں کے لئے خدا کو نظر میں رکھو!

خدا کے واسطے خدا کے واسطے دین کے واسطے!

شام کے لوگوں کے بعد کون شام کی سرحدوں کی حفاظت کرینگے

عراق کے لوگوں کے بعد کون عراق کی سرحدوں کی حفاظت کریں گے؟

کون لوگ روم وترک اور دوسرے کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے باقی رہیں گے؟ [1]

قرآن اور ان کے محبت آمیز نعروں کے دلنشین منظر نے امام علیہ السلام کی فوج کے بہت سے سپاہیوں کے عقل وہوش اڑا دیئے تھے، جنگ کرنے والے بہادر جو کچھ دیر پہلے فخر ومباہات کر رہے تھے اور کامیابی کے ایک قدم فاصلے پر تھے افسوس اور تأسف میں اپنی جگہ پر گڑ کر رہ گئے لیکن عدی بن حاتم، مالک اشتر، اور عمرو بن الحمق جیسے شجاع وبہادر ان کے فریبی حربہ سے باخبر تھے اور جانتے تھے کہ چونکہ دشمن کے اندر مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے اور نابود ہونے کی منزل میں ہیں لہٰذا وہ اپنے کو اس طریقے سے نجات دینا چاہتے ہیں ورنہ یہ لوگ کبھی بھی قرآن کو نہ اٹھاتے اور نہ کبھی اٹھائیں گے اسی وجہ سے عدی بن حاتم نے امام علیہ السلام سے کہا: کبھی بھی باطل کی فوج حق سے مقابلہ نہیں کرسکتی دونوں طرف لوگ زخمی یا قتل ہوئے ہیں اور وہ لوگ جو ہمارے ساتھ باقی بچے ہیں ان لوگوں سے طاقت ور ہیں شامیوں کے نعروں پر دھیان نہ دیجیے اور ہم سب آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔

مالک اشتر نے کہا: معاویہ کا کوئی جانشین نہیں ہے لیکن آپ کا جانشین موجود ہے اس کے پاس فوجی ہیں لیکن آپ کے فوجیوں کی طرح صبر وتحمل نہیں رکھتے، لوہے کو لوہے سے کاٹیئے اور خدا سے مدد طلب کیجیے۔

---

[1] واقعہ صفین ص ٤٨١۔ الاخبار الطوال ١٨٨۔ مروج الذہب ج ٢ ص ٤٠٠۔ تاریخ طبری ج ٣ جزئ ٦ ص ٢٦۔ کامل ابن اثیر ج ٣ ص ١٦٠۔

تیسرے (عمرو بن الحمق) نے کہا: اے مولا ہم نے جانبداری کی وجہ سے پر آپ کی حمایت نہیں کی ہے بلکہ خدا کی مرضی کے لئے آپ کی دعوت پر لبیک کہا ہے اس وقت حق آخری نقطے پر پہنچ گیا ہے اور ہم لوگوں کو آپ کے وجود کے علاوہ کوئی فکر نہیں ہے۔[۱]

لیکن اشعث بن قیس جس نے اپنے کو امامؑ کے خیمے کے محافظوں میں شامل کر لیا تھا جس کے حرکات وسکنات پہلے ہی دن سے مشکوک تھے اور معاویہ سے اس کا رابطہ تقریباً آشکار ہو چکا تھا، نے امامؑ سے کہا: اس قوم کی دعوت کا جواب دیجئے کیونکہ ان کی درخواست کا جواب آپ سے بہتر کوئی نہیں دے سکتا اور لوگ زندگی کے خواہاں ہیں اور جنگ سے خوش نہیں ہیں، امامؑ اس کی ناپاک نیت سے آگاہ تھے فرمایا اس مسئلے میں فکر کرنے کی ضرورت ہے،[۲] معاویہ نے امام کی فوج کے احساسات کو ابھارنے کے لئے عمرو عاص کے بیٹے عبداللہ کو جو اس زمانے میں مقدس نما بنا تھا، حکم دیا کہ دونوں صفوں کے درمیان کھڑا ہو کر ان لوگوں کو قرآن مجید کے طرف فیصلہ کی دعوت دے، وہ دونوں صفوں کے درمیان کھڑا ہوا اور کہا: اے لوگو اگر ہماری جنگ دین کے لئے تھی تو دونوں گروہ نے اپنے اپنے مخالف پر حجت تمام کر دی ہے اور اگر ہماری جنگ دنیا کے لئے تھی تو دونوں گروہ نے حد سے تجاوز کیا ہے ہم تم لوگوں کو کتابِ خدا کی حکومت کی دعوت دیتے ہیں اگر تم لوگوں نے دعوت دی ہوتی تو ہم ضرور قبول کرتے اس فرصت کو غنیمت جانو۔

دشمنوں کے اس فریبی نعروں نے عراق کے سادہ لوح لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا اور لوگ کمزوری و ناتوانائی کی حالت میں امام کے پاس آئے اور کہا ان کی دعوت کو قبول کر لیجیئے، امامؑ نے اس حسّاس موقع پر دھوکہ کھائے لوگوں کے ذہنوں کو واضح وروشن کرنے کے لئے ان سے کہا: اے خدا کے بندو! میں ہر شخص کی دعوت کو بحکم قرآن قبول کرنے میں تم لوگوں سے زیادہ شائستہ ہوں لیکن معاویہ، عمرو عاص، ابن ابی معیط، حبیب بن مسلمہ اور ابن ابی سرح اہل دین اور قرآن نہیں ہیں، میں تم لوگوں سے بہتر ان کو پہچانتا ہوں میں نے ان لوگوں کے ساتھ بچپن سے آج تک زندگی گزاری ہے، وہ لوگ ہر زمانے میں بدترین بچے اور بدترین مرد تھے خدا کی قسم ان لوگوں نے قرآن کو اس لئے بلند نہیں کیا کہ وہ قرآن کو پہچانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس پر عمل کریں ان کا یہ کام مکروفریب کے علاوہ کچھ نہیں ہے اے خدا کے بندو اپنے سروں اور بازوؤں کو کچھ لمحوں کے لئے مجھے عاریۃً دے دو، کیونکہ حق قطعی نتیجہ پر پہنچ گیا اور ستمگروں کی جڑ کو کاٹنے میں کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔

مخلص افراد نے امامؑ کے نظریہ کی طرفداری کی مگر اچانک عراق کی فوج کے (۲۰) بیس ہزار آدمی جبکہ وہ آہنی لباس پہنے تھے اور ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشانات تھے اور کندھوں پر تلواریں لٹکی تھیں،[۳] میدان جنگ چھوڑ کر سردار کے

[۱] واقعہ صفین ص ۴۸۲۔ الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص ۱۰۸۔ مروج الذہب ج۲ ص ۴۰۱۔

[۲] واقعہ صفین ص ۴۸۲۔ الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص ۱۰۸۔ مروج الذہب ج۲ ص ۴۰۱۔

[۳] واقعہ صفین ص ۴۸۹۔ تاریخ طبری ج۳ جزئ ۶ ص ۲۷۔ مروج الذہب ج۲ ص ۴۰۱۔ کامل ابن اثیر ج۳ ص ۱۶۱۔

خیمے کے پاس آ گئے اس گروہ کی رہبری مسعر بن فدکی، زید بن حصین اور عراق کے بعض قاری کر رہے تھے اور بعد میں یہی لوگ خوارج کے سردار بن گئے یہ لوگ امام علیہ السلام کی قیام گاہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور آپ کو یا امیر المومنین کے بجائے یا علی کہہ کر خطاب کیا اور بے ادبی سے کہا: اس قوم کی دعوت کو قبول کرلو ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے جس طریقے سے عثمان بن عفان کو قتل کیا ہے خدا کی قسم اگر ان لوگوں کی دعوت قبول نہیں کی تو تمہیں قتل کر دینگے۔

وہ سردار جس کی کل تک مکمل اطاعت ہو رہی تھی آج ایسے موڑ پر کھڑا تھا کہ اسے زبردستی تسلیم ہونے اور صلح قبول کرنے کا حکم دیا جا رہا تھا امامؑ نے ان لوگوں کے جواب میں کہا:

میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے خدا کی کتاب کی طرف لوگوں کو بلایا اور پہلا شخص ہوں جس نے خدا کی کتاب کی دعوت کو قبول کیا میرے لئے جائز نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کو غیر کتابِ خدا کی طرف دعوت دوں، میں ان لوگوں کے ساتھ جنگ کروں گا کیونکہ وہ لوگ قرآن کے حکم پر عمل نہیں کرتے ان لوگوں نے خدا کی نافرمانی کی اور اس کے عہد و پیمان کو توڑ ڈالا اور اس کی کتاب کو چھوڑ دیا ہے، میں تم لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کے ان لوگوں نے تمہیں دھوکہ دیا ہے وہ لوگ قرآن پر عمل کرنے کے خواہش مند نہیں ہیں۔

امامؑ کی منطقی اور استدلالی گفتگو کا ان لوگوں پر اثر نہ ہوا کچھ دنوں کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ یہ لوگ تند مزاج اور حقیقت کو سمجھنے اور درک کرنے سے غافل تھے شامیوں کے بیہودہ نعروں سے متاثر ہو گئے تھے اور امامؑ ان کو جتنی بھی نصیحت کرتے وہ اتنے ہی زیادہ شیطان صفت ہو جاتے اور کہتے کہ امام حکم دیں کہ مالک اشتر جنگ کرنے سے باز آ جائیں۔

ایک فوج کے لئے جنگ کے دوران سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اختلاف کی وجہ سے فوج دو حصوں میں تقسیم ہو جائے اور اس سے بدتر سادہ لوح گروہ کا فتنہ و فساد کرنا اور اپنے عاقل و دانہ سردار کے متعلق سیاسی مسائل سے دور ہونا ہے، امامؑ اپنے کو کامیابی کی راہ پر دیکھ رہے تھے اور دشمن کی پیش کش کی واقعیت سے باخبر تھے لیکن کیا کرتے کہ آپسی اختلاف نے فوج کے اتحاد و اتفاق کو ختم کر دیا تھا۔

امامؑ نے (۲۰) بیس ہزار مسلح اور مقدس نما جن کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان تھے، سے مقابلہ کرنے میں مصلحت نہیں دیکھا اور اپنے ایک قریبی چاہنے والے یزید بن ہانی کو بلایا اور اس سے کہا: تم جتنی جلدی ہو جہاں مالک اشتر جنگ میں مشغول ہو وہاں پہنچو اور اشتر سے کہو کہ امامؑ نے حکم دیا ہے کہ جنگ سے ہاتھ روک لو اور میری طرف واپس آ جاؤ۔

یزید بن ہانی نے اپنے کو مورچہ تک پہنچایا اور مالک اشتر سے کہا جنگ روک دو اور امام کے پاس چلو۔

مالک اشتر: امام کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا دو اور کہہ دو کہ ابھی وہ وقت نہیں ہے کہ مجھے میدان سے بلائیں امید ہے کہ بہت جلد ہی فتح و کامرانی کی خوشبو پرچم اسلام سے اٹھے۔

قاصد نے واپس آ کر کہا کہ اشتر واپس آنے میں مصلحت نہیں سمجھتے اور کہا ہے کہ میں کامیابی کے بالکل قریب

ہوں۔فتنہ فساد کرنے والوں نے امام سے کہا، اشتر کا واپس آنے سے منع کرنا تمہارا حکم ہے تم نے پیغام دیا کہ میدان جنگ میں مقابلہ کریں۔

علی علیہ السلام نے با کمال سنجیدگی فرمایا: میں نے اپنے قاصد سے ہرگز محرمانہ گفتگو نہیں کی ہے بلکہ جو کچھ بھی میں نے کہا ہے تم لوگوں نے سنا ہے تم لوگ کیوں ایسی چیز پر جس کو میں نے واضح و آشکار کہا ہے الزام لگا رہے ہو؟

باغیوں نے کہا جلد سے جلد مالک اشتر کو حکم دو کہ واپس آجائیں ورنہ جس طرح ہم لوگوں نے عثمان کو قتل کیا ہے تمہیں بھی قتل کر دیں گے یا معاویہ کے حوالے کر دیں گے امامؑ نے یزید بن ہانی سے کہا جو کچھ تم نے دیکھا ہے وہ مالک اشتر تک پہنچا دو۔

مالک اشتر امامؑ کے پیغام سے باخبر ہوئے اور قاصد سے کہا کہ یہ فتنہ قرآن کو نیزے پر بلند کر کے پیدا کیا گیا ہے اور یہ عمرو عاص کا کیا ہوا ہے پھر بڑے افسردہ انداز سے کہا کیا تم فتح کو نہیں دیکھ رہے ہو؟ اور خدا کی نشانیوں کو نہیں دیکھ رہے ہو؟ کیا یہ بات صحیح ہے کہ ایسی حالت میں جنگ کے معرکہ کو چھوڑ دیا جائے؟

قاصد: کیا یہ بات صحیح ہے کہ تم یہاں رہو اور امیر المومنین قتل کر دیئے جائیں یا دشمن کے سپرد کر دیے جائیں؟

مالک اشتر یہ باتیں سن کر لرزنے لگے اور فوراً جنگ سے ہاتھ روک لیا اور خود امامؑ کی خدمت میں پہنچ گئے اور جب آپ کی نگاہ فتنہ و فساد کرنے والوں پر پڑی جو ذلت و رسوائی کے طلب گار تھے تو ان سے کہا اس وقت جب تم نے دشمن پر غلبہ پیدا کر لیا ہے اور کامیابی کے مرحلے تک پہنچ گئے ہو، ان کے دھوکے میں آگئے؟ خدا کی قسم ان لوگوں نے خدا کے حکم کو چھوڑ دیا ہے اور پیغمبر کی سنت کو بھی ترک کر دیا ہے ہرگز ان کی درخواست کو قبول نہ کرو اور مجھے کچھ مہلت دو تا کہ کام کو یک طرفہ کر دوں۔

فتنہ و فساد کرنے والے: تمہاری موافقت کرنا تمہاری خطاؤں میں شریک ہونا ہے۔

مالک اشتر: ہائے افسوس کہ تمہارے بہترین لوگ قتل ہو گئے اور تمہارے مجبور و عاجز لوگ باقی بچے ہیں، مجھے بتاؤ کہ تم لوگ کس زمانے میں حقّ پر تھے؟ کیا اس زمانے میں جس وقت تم نے جنگ کی اس وقت حق پر تھے اور اس وقت جب کہ جنگ سے باز آگئے ہو باطل پر ہو؟ یا اس وقت کہ جب تم نے جنگ کی باطل پر تھے اور اس وقت حق پر ہو؟ اگر ایسا گمان رکھتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے جتنے بھی افراد قتل ہوئے ہیں اور ان کے ایمان، تقویٰ اور اخلاص کے تم معترف ہو، وہ لوگ جہنم میں ہوں گے۔

فتنہ کرنے والے: ہم نے خدا کی راہ میں جنگ کی اور خدا کے لئے جنگ سے ہاتھ اٹھا لیا اور ہم لوگ تمہاری پیروی نہیں کریں گے ہم سے دور ہو جاؤ۔

مالک اشتر: تم لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے اور اس وجہ سے جنگ چھوڑنے کے لئے دعوت دی گئی ہے پیشانیوں پر سجدوں کے نشان رکھنے والو، میں تمہاری نمازوں کو دنیا سے سرخرو جانے اور شہادت کے شوق میں سمجھ رہا تھا لیکن اب یہ ثابت

ہو گیا ہے کہ تمہارا ہدف موت سے فرار اور دنیا کی طرف رغبت ہے تم پر تف ہوائے فضلہ خوار جانورو، ہرگز تمہیں عزت نصیب نہیں ہوگی دور ہو جاؤ جس طرح سے ظالم وستمگر دور ہو گئے اس وقت فتنہ وفساد پیدا کرنے والے ایک طرف اور مالک اشتر دوسری طرف، ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے اور ایک دوسروں کے گھوڑوں پر تازیانہ سے حملہ کر رہے تھے امامؑ کے سامنے یہ ناگوار منظر اتنا دردناک تھا کہ آپ نے فریاد بلند کی کہ ایک دوسرے سے دور ہو جاؤ۔

ایسے حالات میں فتنہ وفساد اور فرصت طلب افراد نے امامؑ کی آنکھوں کے سامنے فریاد بلند کی کہ قرآن کے فیصلے سے راضی ہو جائیں تاکہ امام کو بنائے ہوئے منصوبے کے سامنے تسلیم کریں۔ امامؑ خاموش تھے اور کچھ نہیں کہہ رہے تھے اور فکر کے دریا میں غرق تھے۔[1]

---

[1] واقعہ صفین ص ۴۹۲، ۴۸۹۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۲۱۹، ۲۱۶۔

بیسویں فصل

مسئلہ تحکیم

عمرو عاص نے معاویہ کو جومشورہ دیا تھا کہ امام علیہ السلام کی فوج کو قرآن کی حاکمیت کی دعوت دو یا وہ قبول کریں یا نہ کریں آپس میں اختلاف کا شکار ہوجائیں گے،مکمل طور سے کارگر ثابت ہوااور امامؑ کی فوج میں عجیب اختلاف پیدا ہوا جس نے فوج کو دو گروہ میں تقسیم کردیا،لیکن اس میں اکثر سادہ لوح تھے جو جنگ سے تھک جانے کی وجہ سے معاویہ کے ظاہری فریب کا شکار ہو گئے تھےاور امامؑ کی اجازت کے بغیر نعرہ لگایا کہ علی نے حکمیت قرآن کی اجازت دیدی ہے جب کہ حضرت بالکل خاموش بیٹھے تھےاور اسلام کے مستقبل کے بارے میں فکر کررہے تھے،[1]

معاویہ کا خط امام کے نام

ایسے پُرآشوب حالات میں معاویہ نے امامؑ کو یہ خط لکھا:

ہمارے درمیان لڑائی ہوتے ہوئے بہت وقت ہوگیا ہےاور ہم میں سے ہرایک جو چیز مقابل سے حاصل کرنا چاہتا ہے اسے حق سمجھتا ہے، جب کہ دونوں میں کوئی بھی ایک دوسرے کی اطاعت نہیں کرتا چاہتا اور دونوں طرف سے بہت زیادہ لوگ قتل ہو گئے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ آئندہ، گزشتہ سے بدتر ہو اور ہم لوگ اس جنگ کے ذمہ دار ہیں اور میرے اور تمہارے علاوہ اس کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے لہٰذا میرا ایک مشورہ ہے جس کے اندر زندگی، امت کی صلاح اور ان کی جان و مال کی حفاظت اور دین سے محبت اور کینہ کا دور ہونا ہے اور وہ یہ ہے کہ دو آدمی، یعنی ایک ہمارے دوستوں میں سے اور دوسرا تمہارے اصحاب سے جو مورد رضایت ہو، ہمارے درمیان قرآن کے مطابق فیصلہ کرے یہی میرے اور تمہارے لئے اور فتنہ کو دور کرنے کے لئے بہتر راستہ ہے، اس مسئلہ میں خدا سے ڈرو اور قرآن کے حکم کے مطابق راضی رہو اگر اس کے اہل ہو۔[2]

نیزہ پر قرآن کا بلند کرنا صرف ایک جھوٹی اور بیہودہ تبلیغ اور اختلاف کرنا تھا یہ قرآن سے فیصلہ بالکل نہیں چاہتے تھے لیکن معاویہ نے اس خط میں اس ابہام کو بالکل دور کردیا اور دونوں طرف سے آدمیوں کے انتخاب کو تحریر کیا اور خط کے آخر

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص۱۰۴۔

[2] الاخبار الطوال ص۱۹۱۔ واقعہ صفین ص ۴۹۳۔

میں امامؑ کوتقویٰ اور قرآن کی پیروی کرنے کی دعوت دی۔

امامؑ کا جواب معاویہ کے نام

جھوٹ اور ظلم وستم، انسان کے دین اور دنیا دونوں کو تباہ کر دیتا ہے اور اس کی لغزش کو عیب نکالنے والوں کے سامنے ظاہر کر دیتا ہے، تو جانتا ہے کہ جو تو نے اس سے پہلے انجام دیا ہے اس کو پورا نہیں کر سکتا ایک گروہ نے بغیر حق کے عہد و پیمان توڑ دیا اور خلافت کا دعویٰ کر دیا اور خداوند عالم کے صریحی حکم کی تاؤیل کر دی اور خداوند عالم نے ان کے جھوٹ کو ظاہر کر دیا، اس دن سے ڈرو کہ جس دن کام کی تعریف ہوگی تو وہ خوشحال ہوگا، اور جس شخص نے اپنی رہبری کو شیطان کے ہاتھوں میں سپرد کر دیا ہے اور اس سے جنگ کے لئے نہیں اٹھا، شرمندہ و پشیمان ہوگا۔ دنیا نے اسے دھوکہ دیا ہے اور اس سے دل لگایا ہے، مجھے حکم قرآن کی دعوت دی ہے جب کہ تو خود ایسا نہیں ہے میں نے تجھے جواب نہیں دیا ہے لیکن قرآن کے فیصلے کو قبول کیا ہے۔ [۱]

اشعث بن قیس جو پہلے ہی دن سے معاویہ کا جاسوس سمجھا جاتا تھا اور جنگ کے دوران بھی اکثر یہ چیزیں دیکھنے کو ملیں، اس مرتبہ اس نے اصرار کیا کہ معاویہ کے پاس جائے اور نیزہ پر قرآن بلند کرنے کی وجہ اس سے دریافت کرے، [۲] اشعث کی دوستی امامؑ سے سچی نہ تھی، اس کے ذہن میں صلح کا خیال معاویہ کے بھائی عتبہ سے گفتگو کرنے کے بعد ہی آیا تھا۔ لیلۃ الہریر میں جنگ جاری رکھنے کو اس نے دونوں طرف کی تباہی سے تعبیر کیا اور رفع المصاحف (قرآن کو نیزے پر بلند کرنے کا واقعہ) فتنہ کے واقع ہونے کے وقت اس نے بہت اصرار کیا کہ علی علیہ السلام فوجِ شام کی دعوت کا جواب دیں، وہ فوج کی خستگی سے متعل بات کہتا تھا، اس مرتبہ اس نے اجازت مانگی کہ معاویہ سے ملاقات کرے اور صلح کے متعلق آخری حکم کو معلوم کرے، اور اسی بحث میں ہم انشاء اللہ ذکر کریں گے، کہ اس نے امامؑ سے نمائندہ معین کرنے کی قدرت کو سلب کر لیا اور حضرت کے مورد نظر نمائندے کو بہانہ سے پیچھے کر دیا، اور اپنے مورد نظر شخص کو معین کرایا جو عراقی فوج کے لئے نقصان دہ تھا، جی ہاں اشعث نے معاویہ سے ملاقات کے بعد کوئی نئی بات نہیں بتائی اور معاویہ کے خط کے موضوع کو دہرایا۔

مسلّح گروہ کے اصرار نے امامؑ کو مجبور کر دیا کہ قرآن کے فیصلہ کو قبول کریں، اسی وجہ سے دونوں فوج کے قاری فوج کے درمیان آئے اور قرآن کو دیکھا اور ارادہ کیا کہ قرآن کے حکم کو زندہ کریں پھر اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے اور دونوں طرف سے آواز بلند ہوئی کہ ہم لوگ قرآن کے حکم اور فیصلہ پر راضی ہیں۔ [۳]

---

[۱] دونوں خط کو ابن مزاحم منقری نے واقعہ صفین ص ٤٩٤، ٤٩٣ اور ابن اعثم کوفی نے کتاب الفتوح (ج ٣، ص ٣٢٢) میں نقل کیا ہے امام علیہ السلام کا خط تھوڑے فرق کے ساتھ نہج البلاغہ (مکتوب نمبر ٤٨) میں بھی آیا اور نہج البلاغہ سے بھی مختصر دینوری نے اخبار الطوال ص ٩١ میں ذکر کیا ہے۔

[۲] تاریخ طبری ج ٣ جزء ٦ ص ٢٨۔ کامل ابن اثیر ج ٣ ص ١٦١

[۳] تاریخ طبری ج ٣ جزء ٦ ص ٢٨۔ کامل ابن اثیر ج ٣ ص ١٦١

حکمین کا انتخاب

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن بولتا نہیں بلکہ ضروری ہے کہ قرآن پر عبور رکھنے والے اسے بلوائیں اور اس میں غور وفکر کریں اور خدا کے حکم کو تلاش کریں تا کہ کینہ و دشمنی سے دوری اختیار کریں، اس ہدف تک پہنچنے کے لئے یہ طے پایا کہ شامیوں میں سے اور عراقیوں میں سے کچھ لوگ معین ہوں، شام کے لوگ بغیر کسی قید وشرط کے معاویہ کے پیرو تھے کہ وہ جس کو بھی منتخب کرتا اسے قبول کرتے اور سبھی جانتے تھے کہ وہ فتنہ وفساد کا موجد عمر وعاص کے علاوہ کسی کو منتخب نہیں کرے گا، مشہور مثل کے مطابق کہ شام کے لوگ مخلوق کے سب سے زیادہ فرماں بردار اور خدا کے سب سے نافرمان افراد تھے۔

لیکن جب امامؑ کی باری آئی تو دباؤ ڈالنے والوں نے (جنہوں نے بعد میں اپنا نام خوارج رکھا اور حکمیت کے مسئلے کو گناہ کبیرہ سمجھا اور خود اسے قبول کرنے سے توبہ کی اور علی علیہ السلام سے بھی کہا کہ توبہ کریں) دو چیز کے لئے حضرت پر دباؤ ڈالا۔

۱۔ حکمیت کو قبول کریں۔

۲۔ اپنے اعتبار سے حکم کا انتخاب، نہ کہ امامؑ کی نظر کے مطابق، تاریخ اسلام کے اس حصہ کو جو واقعا درس عبرت ہے، ہم اسے تحریر کر رہے ہیں۔

دباؤ ڈالنے والے: ہم ابوموسیٰ اشعری کو حکمیت کے لئے منتخب کر رہے ہیں۔

امامؑ: میں ہرگز اس کام پر راضی نہیں ہوں اور ہرگز اسے یہ حق نہیں دوں گا۔

دباؤ ڈالنے والے: ہم بھی اس کے علاوہ کسی کو منتخب نہیں کریں گے یہ وہی ہے جس نے ابتداء سے ہی ہم لوگوں کو اس جنگ سے منع کیا اور اسے فتنہ قرار دیا۔

امامؑ: ابوموسیٰ وہ شخص ہے جو خلافت کے پہلے ہی دن مجھ سے جدا ہو گیا اور لوگوں کو میری مدد کرنے سے منع کیا اور اپنی برائی کی وجہ سے بھاگ گیا یہاں تک کہ اسے امان دیا اور پھر میری طرف واپس آ گیا، میں ابن عباس کو حاکم کے طور پر منتخب کر رہا ہوں۔

دباؤ ڈالنے والے: ہمارے لئے تمہارے اور ابن عباس میں کوئی فرق نہیں ہے، ایسے شخص کو منتخب کرو تمہارے اور معاویہ کے لئے مساوی ہو۔

امامؑ: مالک اشتر کو اس کام کے لئے منتخب کروں گا۔

دباؤ ڈالنے والے: اشتر نے جنگ کی آگ کو بھڑکایا ہے اور اس وقت ہم لوگ ان کی نظر میں مجرم ہیں۔

امامؑ: اشتر کا کیا حکم ہے؟

دباؤ ڈالنے والے: وہ چاہتا ہے کہ لوگوں کی جان چلی جائے تا کہ اپنی اور تمہاری آرزو پوری ہو جائے۔

امامؑ: اگر معاویہ حاکم کے انتخاب میں ہرطرح سے آزاد ہے تو قرشی (عمروعاص) کے مقابلے سوائے قرشی (ابن عباس) کے کوئی اور مناسب نہیں ہے تم لوگ بھی اس کے مقابلے میں عبداللہ بن عباس کو منتخب کرو، کیونکہ عاص کا بیٹا کوئی گرہ نہیں باندھتا مگر یہ کہ ابن عباس اسے کھول دیتے ہیں یا گرہ کو نہیں کھولتا مگر یہ کہ اسے باندھ دیتے ہیں کسی چیز کو وہ مضبوط و محکم نہیں کرتا مگر یہ کہ ابن عباس اسے اور کمزور کر دیتے ہیں اور کسی کام کو کمزور نہیں کرتا مگر یہ کہ اسے محکم کر دیتے ہیں۔

اشعث: عمروعاص اور عبداللہ بن عباس دونوں قبیلہ مضر سے ہیں اور دو مضری ایک ساتھ فیصلے کے لئے مناسب نہیں ہیں کہ بیٹھیں، اگر ایک مضری ہو (مثلاً عمروعاص) تو ضروری ہے کہ حتماً دوسرا یمنی (ابوموسیٰ اشعری) ہو۔ کسی نے اس شخص (اشعث) سے نہ پوچھا کہ اس قانون پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے)

امامؑ: مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تمہارا یمنی دھوکہ نہ کھا جائے کیونکہ عمروعاص ایسا شخص ہے جو اپنے مقصد کو پورا کرنے میں کسی کام سے بھی نہیں ہچکچاتا۔

اشعث: خدا کی قسم جب بھی ان دو حکم میں سے ایک یمنی ہوگا تو یہ میرے لئے بہتر ہے اگر چہ وہ ہماری خواہش کے مطابق فیصلہ نہ کرے اور جب بھی دونوں مضری ہوں تو ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہوں گے اگر چہ وہ ہمارے اعتبار سے فیصلہ کریں۔

امامؑ: اس وقت تم لوگ ابوموسیٰ اشعری کے لئے اصرار کر رہے ہو تو تم خود ذمہ دار ہو، جو تمہارا دل چلے چاہے کرو۔ [1]

ابوموسیٰ اشعری جس وقت کوفہ کا سردار تھا اس وقت اس نے لوگوں کو امام کی ہمراہی میں جنگ جمل کے فتنہ میں جانے سے روک دیا تھا اور اس نے پیغمبر کی حدیث کو بہانہ بنایا تھا کہ پیغمبر نے فرمایا کہ جب بھی میری امت میں فتنہ وفساد پیدا ہو تو کنارہ کشی اختیار کرو اس وقت ایسا شخص چاہتا ہے کہ حکمیت کے مسئلے میں امام کی نمائندگی کرے، اس کی گزشتہ سادگی میں کوئی شک نہیں، کیونکہ طبعاً امام کا مخالف تھا اور ہرگز وہ امام کے حق میں رائے نہیں دیتا۔

امامؑ نے دباؤ ڈالنے والے گروہ کو باطل اور نقصان دہ نظریہ سے واپس لانے کی دوبارہ کوشش نہیں کی۔ اس وجہ سے اپنے تمام سرداروں کو ایک جگہ جمع کیا اور تمام مطالب کو مجمع عام میں اس طرح بیان کیا۔

آگاہ رہو کہ شامیوں نے تو اپنے نزدیک ترین فرد کا انتخاب کرلیا ہے اور تم نے حکمیت کے لئے ایسے نزدیک ترین فرد کو لوگوں کے درمیان سے منتخب کیا ہے (ابوموسی) جس سے تم راضی نہیں ہو: تمہارا واسطہ عبداللہ بن قیس [2] سے ہے، یہ وہی شخص ہے جو کل تک کہتا پھرتا تھا کہ یہ جنگ، فتنہ ہے کمانوں کے چلّے توڑ ڈالو، اور اپنی تلواروں کو نیاموں میں رکھ لو۔

تو اگر وہ اپنے اس قول میں سچا تھا تو تمہارے ساتھ جنگ میں زبردستی کیوں شامل ہوا اور اگر جھوٹا تھا تو اس پر

---

[1] الاخبارالطوال ص ۱۹۲۔ الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص ۱۱۳۔ تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۱۸۹۔ واقعہ صفین ص ۴۹۹۔

[2] ابوموسیٰ اشعری کا نام ہے۔

(نفاق کی) تہمت لازم ہے (پھراس پر اعتماد کیسا؟) عمرو عاص کے سینے کا راز توڑنے کے لئے عبداللہ ابن عباس کو منتخب کرو، اوراس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دواور اسلامی سرحدوں کو نہ چھوڑو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہارے شہروں پر حملے ہورہے ہیں اور تمہاری سرزمین پر تیراندازی کی جارہی ہے۔[1]

امام علیہ السلام کی باتوں کا سرداروں پر صرف ملاقات کے علاوہ کچھ اثر نہ ہوا، اس وجہ سے احنف بن قیس نے امامؑ سے کہا: میں نے ابوموسیٰ کو آزمایا ہے اور اسے معمولی عقل والا پایا ہے یہ وہ ہے جس نے اسلام کے آغاز میں ان لوگوں سے مقابلہ کیا اگر آپ راضی ہوں تو مجھے حکمیت کے لئے چن لیجئے اور اگر مصلحت نہ ہو تو مجھے دوسرا یا تیسرا اقرار دیجئے تاکہ آپ دیکھ لیجئے کہ عمرو عاص گرہ نہیں باندھ سکتا مگر یہ کہ میں اسے کھول دوں گا اور گرہ کو نہیں کھولے گا مگر یہ کہ میں اسے باندھ دوں گا، امامؑ نے احنف کی نمائندگی کو فوج کے سامنے پیش کیا لیکن وہ لوگ اتنے گمراہ اور جھگڑالو تھے کہ ابوموسیٰ کی نمائندگی کے علاوہ کسی کو رائے نہیں دیا اور یہ انتخاب اس قدر نقصان دہ ہوا کہ شام کے ایک شاعر نے اپنے شعر میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے وہ کہتا ہے: اگر عراق کے لوگوں کے پاس صحیح رائے ہوتی تو ان لوگوں کو گمراہی سے محفوظ رکھتی اور ابن عباس کو لوگ منتخب کرتے لیکن یمن کے بوڑھے کو منتخب کیا جو شش و پنج میں گرفتار ہے علی تک اس شخص کی بات پہنچادو جو حق بات کہنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا ابوموسیٰ اشعری امانتدار نہیں ہے۔[2]

ہم آئندہ ذکر کریں گے کہ یہی لوگ جنہوں نے امامؑ پر معاویہ سے صلح کرنے کے لئے دباؤ ڈالا تھا اور حکم انتخاب کرنے میں آپ کے نظریہ کو رد کردیا تھا وہی پہلے لوگ ہیں جنہوں نے حکمیت کے موضوع کو بہت بڑا گناہ سمجھا اور صلح نامہ لکھنے کے بعد امامؑ سے اس کے توڑنے پر اصرار کرنے لگے لیکن افسوس کہ امام عہد و پیمان کو کیسے توڑیں اور دوبارہ مقدس نما کم عقلوں کی بات پر عمل کریں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حکمیت کی عبارت کس طرح لکھی گئی اور کیا تیسری مرتبہ بھی امامؑ دباؤ ڈالنے والوں کے دباؤ میں رہے۔

تحمیل عہد حکمیت

سرزمین صفین پر واقعۂ حکمیت تاریخِ اسلام کا بے نظیر واقعہ شمار ہوتا ہے امیر المومنین علیہ السلام جو فتح و کامیابی سے دو قدم کے فاصلے پر تھے اور اگر آپ کے بے خبر اور نادان ساتھی آپ کی حمایت سے منہ نہ موڑتے یا کم سے کم ان کے لئے زحمت کا باعث نہ بنتے، تو فتنہ کی آنکھ کو اس کے ڈھیلے سے نکال لیتے اور بنی امیہ کی خبیث حکومت جو بعد میں ۸۰ سال یا اس سے کچھ

[1] نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۲۳۳۔ عقد الفرید ۴، ص۳۰۹۔ کامل مبرد، ج۱ ص۱۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱۳ ص۳۰۹۔
[2] واقعہ صفین ص۵۰۲۔ الاخبار الطوال ص۱۹۳۔

زیادہ طولانی ہوئی اسے ختم کردیتے اور تاریخ اسلام اور مسلمانوں کے تمدن کو تبدیل کردیتے، اور عمرو عاص کی چالاکی اور بعض لوگوں کے دھوکہ کھانے، اور اپنے نادان سپاہیوں کی ہٹ دھرمی کو جنگ جاری رکھنے اور کامیابی تک پہنچنے کے لئے مانع ہوئے۔

ان نادان دوستوں نے جو دانا دشمنوں سے زیادہ ضرر رساں تھے چار چیزوں کے بارے میں امامؑ پر دباؤ ڈالا کہ جس کا دھواں پہلے ان کی آنکھوں میں پھر تمام مسلمانوں کی آنکھوں میں گیا اور یہ ہیں۔

۱۔ جنگ بندی کو قبول کرنا اور قرآن وسنت پیغمبر کی حکمیت قبول کرنا۔

۲۔ ابوموسیٰ اشعری کو امامؑ کے نمائندہ کے طور پر چُننا۔

۳۔ حکمیت کے عہد و پیمان کی تحریر سے لقب امیر المومنین کا خدف کرنا۔

٤۔ حکمیت کے عہد و پیمان کو دستخط کے بعد اس کو توڑنے پر اصرار۔

گزشتہ بحثوں میں پہلے اور دوسرے دباؤ کے طریقے کو واضح کیا ہے اب تیسرے اور چوتھے دباؤ کے طریقے اور صلح نامہ کی عبارت کو پیش کررہا ہوں۔

قرآن کو نیزے پر بلند کرنے کی سیاست کے بعد جنگ اور بحث ومباحثہ ختم ہوگیا اور یہ طے پایا کہ دونوں فوج کے سردار حکمیت کے عہد و پیمان کو تنظیم کردیں ایک طرف امام اور آپ کے ساتھی، دوسری طرف معاویہ اور اس کی دوسری عقل یعنی عمرو عاص اور اس کی حفاظت کرنے والوں میں سے کچھ لوگ معین ہوئے۔ عہد نامہ کے لئے دو زرد ورق جس کے شروع اور آخر میں امامؑ کی مہر جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کندہ تھا اسی طرح معاویہ کی مہر جس پر یہی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھا تھا مہر لگا کر تیار کیا گیا امام علیہ السلام نے صلح نامہ کی عبارت لکھوائی اور آپ کے کاتب عبید اللہ بن رافع نے لکھنے کی ذمہ داری سنبھالی امامؑ نے اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح کیا:

بسم الله الرحمن الرحیم هذا ماتقاضا علیه علی امیر المومنین و معاویة ابن ابی سفیان وشیعتهما فیماتراضیا به من الحکم بکتاب الله وسنّة نبیهِ(صلی الله علیه وآله وسلم)

امیر المومنین علی اور معاویہ اور دونوں کی پیروی کرنے والوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کتاب خدا اور پیغمبر کی سنت کے مطابق حکم کو مانیں گے۔

اس وقت معاویہ اپنی جگہ سے اچھل پڑا اور کہنے لگا: وہ بہت برا آدمی ہے جو کسی کو امیر المومنین کے عنوان سے قبول کرے اور پھر اس سے جنگ کرے،

عمرو عاص نے فوراً امامؑ کے کاتب سے کہا: علی اور ان کے باپ کا نام لکھو وہ تمہارا امیر ہے نہ کہ ہمارا،

احنف امامؑ کے بہادر سردار نے امام سے کہا آپ اپنے نام کے ساتھ اپنے لقب امیر المومنین کو حذف نہ کیجئے میں

ڈر رہا ہوں کہ دوبارہ یہ لقب آپ تک نہ پہنچ سکے اس کی طرف زیادہ دھیان نہ دیجئے چاہے جنگ وجدال ہی کیوں نہ ہو،

گفتگو طولانی ہوگئی اور دن کا کچھ حصہ اسی گفتگو میں گزر گیا اور امامؑ اپنے نام کے ساتھ امیر المومنین حذف کرنے کیلئے راضی نہ ہوئے، اشعث بن قیس، جو پہلے ہی دن سے دوستی کا لباس پہن کر امام علیہ السلام کے خلاف کام کر رہا تھا، اور معاویہ سے مخفیانہ رابطہ رکھے تھا اس نے بہت اصرار کیا کہ لقب حذف کر دیا جائے،

اس کشمکش میں امامؑ نے صلح حدیبیہ جیسے تلخ واقعہ کو بیان کیا اور فرمایا: میں حدیبیہ کی سرزمین پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کاتب تھا ایک طرف خدا کا پیغمبر اور دوسری طرف سہیل بن عمرو تھے میں نے صلح نامہ کو اس طرح سے منظم کیا **ھذا ما تصالح علیه محمد رسول الله(ﷺ) و سھیل بن عمرو** لیکن مشرکین کے نمائندے نے پیغمبر سے کہا، میں ہرگز ایسے خط پر دستخط نہیں کروں گا جس میں تم اپنے کو خدا کا پیغمبر لکھو گے، اگر میں مانتا کہ تم خدا کے نبی ہو تو ہرگز تم سے جنگ نہیں کرتا، میرا ظالم وستمگر میں شمار ہو کہ تمہیں خدا کے گھر کے طواف سے روک دوں جبکہ تم خدا کے پیغمبر رہو تم یہ لکھو، محمد بن عبد اللہ تاکہ میں اسے قبول کر لوں۔

اس وقت پیغمبر نے مجھ سے فرمایا: علی، میں خدا کا نبی ہوں جس طرح سے کہ عبد اللہ کا بیٹا ہوں ہرگز میری رسالت عنوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نام سے حذف ہونے سے ختم نہیں ہوگی، لکھو، محمد بن عبد اللہ ہاں۔ اس دن مشرکوں نے مجھ پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب حضرت کے نام کے آگے سے ہٹا دوں۔ اگر اس دن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح نامہ مشرکوں کے لئے لکھا تو آج میں ان کے فرزندوں کے لئے لکھ رہا ہوں میرا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طور طریقہ ایک ہی ہے۔

عمرو عاص نے علی علیہ السلام سے کہا: سبحان اللہ ہم لوگوں کو کافروں سے شبیہ دے رہے ہیں جب کہ ہم لوگ مومن ہیں،

امام علی علیہ السلام نے فرمایا: کونسا ایسا دن تھا کہ تو کافروں کا حامی اور مسلمانوں کا دشمن نہ تھا، تو اپنی ماں کی طرح ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔

یہ سننے کے بعد عمرو عاص وہاں سے اٹھ کے چلا اور کہا خدا کی قسم آج کے بعد کبھی بھی تمہارے ساتھ ایک جگہ نہیں بیٹھوں گا۔

امامؑ کے دوست نما لوگوں کے اس اصرار نے کہ امیر المومنین لقب کو اپنے نام کے ساتھ نہ لکھیں، امامؑ کی مظلومیت کو اور بڑھا دیا۔ [1] لیکن امامؑ کے کچھ سچے اور حقیقی ساتھی تلواریں کھینچے ہوئے امامؑ کے پاس آئے اور کہا حکم دیجئے تا کہ ہم اس پر عمل کریں عثمان بن حنیف نے ان لوگوں کو نصیحت کی اور کہا میں صلح حدیبیہ میں موجود تھا اور ہم فی الحال پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

[1] واقعہ صفین (دوسرا ایڈیشن) ص٥٠٩، ٥٠٨ ـ الاخبار الطوال ص١٩٤ ـ الامامۃ والسیاسۃ ج١ص١١٤ ـ تاریخ طبری ج٣ جزئ٦ ص٢٩ کامل بن اثیر ج٣، ص١٦٢ ـ تاریخ یعقوبی ج٢ ص١٨٩ ـ (تھوڑے فرق کے ساتھ) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج٢ ص٢٣٢ ـ

راستے پر چلیں گے۔[1]

امام علیہ السلام نے فرمایا: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ میں اس واقعہ کی مجھے خبر دی تھی یہاں تک کہ فرمایا:

اِنَّ لَكَ مثلها سَتُعطِيْها وانت مضطهد

ایک دن تمہیں بھی ایسا واقع پیش آئے گا اور تم بے بس و مجبور ہو گے

صلح نامہ کی عبارت

اس سلسلے میں دونوں طرف کا اختلاف امامؑ کے سکوت کرنے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر عمل کرنے سے ختم ہوا، اور علی علیہ السلام نے اجازت دی کہ ان کا نام بغیر لقب امیر المومنین کے لکھا جائے اور صلح نامہ لکھا جانے لگا جس کے اہم دفعات یہ ہیں:

۱۔ دونوں گروہ کے حکم اس بات پر راضی ہوئے کہ قرآن کی رو سے فیصلے کریں اور اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔

۲۔ علی اور ان کی پیروی کرنے والوں نے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) کو ناظر و حاکم کے عنوان سے چنا ہے اور معاویہ اور اس کی پیروی کرنے والوں نے عمرو عاص کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔

۳۔ دونوں آدمی خدا کی کتاب کو اپنا پیشوا قرار دیں اور اگر اس نے فیصلہ کر دیا تو اس سے آگے نہ بڑھیں اور جہاں وہ فیصلہ نہ کر سکے وہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و سنت کی طرف رجوع کریں اور اختلاف سے پرہیز کریں اور خواہشات کی پیروی نہ کریں اور مشتبہ کاموں کو انجام نہ دیں۔

٤۔ عبداللہ بن قیس اور عمرو عاص میں سے ہر ایک نے اپنے پیشوا اور رہبر سے الٰہی عہد لیا کہ یہ دونوں قرآن اور سنت کی بنیاد پر جو بھی فیصلہ ہوگا اس پر راضی رہیں گے اور اسے توڑیں گے نہیں اور نہ ان کے علاوہ کسی کو چنیں گے اور ان لوگوں کی جان و مال و عزت و آبرو اگر حق سے تجاوز نہ کریں تو محترم ہے۔

٥۔ اگر دونوں حاکموں میں سے کوئی ایک حاکم اپنے وظیفے کو انجام دینے سے پہلے مر جائے تو اس گروہ کا امام ایک عادل شخص کو اس کی جگہ پر معین کرے گا انہیں شرائط کے ساتھ جس طرح سے اس کو معین کیا گیا تھا اور اگر دونوں پیشوا اور رہبر میں سے کوئی ایک فیصلہ کرنے سے پہلے مر جائے تو اس کے ماننے والے کسی کو اس جگہ پر معین کر سکتے ہیں۔

٦۔ حاکمین سے یہ عہد لیا گیا کہ تلاش و کوشش میں غفلت نہ برتیں اور غلط فیصلہ نہ کریں اور اگر اپنے تعہد پر عمل نہ کریں تو اس عہد نامہ پر امت والوں کے لئے عمل ضروری نہیں ہوگا۔ اس عہد نامہ پر امیر اور امت اور حاکم کے لئے عمل کرنا

---

[1] الامامة والسیاسة ج۱ ص۱۱۲۔

لازم وواجب ہے اوراس کے بعد سے اس عہد نامہ کی مدت ختم ہونے تک لوگوں کی جان و مال وعزت وآبروسب محفوظ ہے اور تمام اسلحے رکھ دیئے جائیں گے اور امن وامان کا ماحول پیدا کیا جائے گا اور اس سلسلے میں اس واقعہ میں حاضر رہنے والوں اور غائب رہنے والوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۷۔حاکمین پر لازم ہے کہ عراق وشام کے درمیان اجتماع ہو اور وہاں ان کے دوست واحباب کے علاوہ کوئی اور نہ جائے اور ان کو ماہ رمضان المبارک کے آخر تک فیصلہ کر دینا چاہیئے اور اگر چاہیں تو اس سے پہلے بھی فیصلہ کر سکتے ہیں اور اسی طرح اگر وہ لوگ چاہیں تو فیصلہ موسم تمام ہونے تک کر سکتے ہیں۔

۸۔اگر دونوں حاکم قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو مسلمان اپنی جنگ کو جاری رکھیں گے اور پھر دونوں فوجوں کے درمیان کوئی عہد و پیمان نہ ہوگا اور امت اسلامی کے لئے ضروری ہے کہ جو چیز اس میں تحریر ہے اس پر عمل کریں اور اگر کوئی زبردستی کرنا چاہے یا اس صلح کو توڑنے کا ارادہ کرے تو امت مسلمہ کو اور متحد ہونا چاہیے۔[۱]

طبری کے نقل کے مطابق اس وقت دونوں طرف سے دس لوگوں نے پیمان حکمیت کے شاہد کے عنوان سے اپنے دستخط کئے، امامؑ کی طرف سے دستخط کرنے والوں میں عبداللہ بن عباس، اشعث بن قیس، مالک اشتر، سعید بن قیس ہمدانی، خبّاب بن ارتّ، سہل بن حنیف، عمرو بن الحمق الخزاعی اور امامؑ کے بیٹے امام حسن اور امام حسین تھے[۲] صلح نامہ ۱۷ صفر ۳۷ ہجری بروز بدھ عصر کے وقت لکھا گیا تھا اور دونوں طرف کے لوگوں نے دستخط کئے تھے[۳] حکمین نے چاہا کہ سرزمین اذرح (شام وحجاز کے درمیان کی سرحدی جگہ) میں جمع ہوں اور وہاں پر فیصلہ کریں اور دونوں طرف سے چار سو لوگ ناظر کے عنوان سے گئے تاکہ فیصلہ پر نگاہ رکھیں۔

تحکیم کے خلاف خوارج کا ردعمل

صلح نامہ لکھے جانے کے بعد طے پایا کہ شام اور عراق کے لوگ اس گفتگو کے نتیجہ سے باخبر ہوں، اس وجہ سے اشعث نے عراقیوں اور شامیوں کے درمیان حکمیت کے صلح نامہ کو پڑھ کر سنایا پہلی مرتبہ کسی نے بھی کوئی مخالفت نہیں کی جب کہ بعض عراقی عنزہ وغیرہ نے مخالفت کی اور پہلی مرتبہ دو عنزی نوجوان معدان اور جعد کے منہ سے یہ نعرہ نکلا لاحکم الا للہ اور دونوں جوانوں نے تلواریں کھینچیں اور معاویہ کی فوج پر حملہ کر دیا اور معاویہ کے خیمے کے پاس مارے گئے اور جب اس صلح نامہ کو قبیلہ مراد کے سامنے پڑھا گیا تو اس قبیلے کے رئیس صالح بن شقیق نے ان جوانوں کے نعرے کو دہرایا اور کہا

---

[۱] مروج الذهب ج۲ ص۴۰۳۔تاریخ طبری ج۳ جزئ۶ ص۲۹۔الاخبار الطوال ص۱۹۵
[۲] تاریخ طبری ج۳ جزئ۶ ص۳۰۔واقعہ صفین ص۵۱۰۔کامل ابن اثیر ج۳ ص۱۶۲
[۳] کامل ابن اثیر ج۳ ص۱۶۳

لا حکم الا اللہ ولو کرہ المشرکون.

پھر اس شعر کو پڑھا:

مالعلی فی الدماء قد حکم

لوقاتل الاحزاب یوماً ما ظلم

کیا ہوا کہ علی نے اتنے لوگوں کی شہادت کے بعد حکمیت کو قبول کرلیا حالانکہ اگر فوج (معاویہ اور اس کے ہم فکروں) سے جنگ کرتے تو ان کے کام میں نقص نہ ہوتا۔

اشعث نے اپنا کام جاری رکھا اور جب وہ قبیلہ بن تمیم کے پرچم کے روبرو ہوا تو حکمیت کے صلح نامہ کو ان کے سامنے پڑھا تو ان کے درمیان سے یہ نعرہ بلند ہوا

لا حکم الا للہ یقضی بالحق وھو خیر الفاصلین

اور عروہ تمیمی نے کہا:

أتحکّمون الرجال فی أمر اللہ؟ لاحکم الّا للہ، أین قتلانا یا أشعث[۱]

کیا لوگوں کو دین خدا میں حَکَم قرار دے لیا ہے؟ حکم اور فیصلہ خدا کے لئے ہے اے اشعث ہمارے لوگ کیوں قتل کئے گئے؟ (کیا وہ لوگ حق کی راہ میں قتل ہوئے ہیں یا باطل کی راہ میں؟)

پھر اپنی تلوار سے اشعث پر حملہ کیا لیکن وار اس کے گھوڑے پر لگا اور اشعث کو زمین پر گرا دیا اور اگر دوسرے افراد مدد نہ کرتے تو اشعث عروہ تمیمی کے ہاتھوں قتل ہو جاتا۔

اشعث امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایسے باتیں کرنے لگا جیسے امامؑ کے اکثر حامی حکمیت کے صلح نامہ پر راضی ہوں اور علاوہ ایک دوگروہ کے کوئی مخالف نہیں ہے لیکن زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ چاروں طرف سے لا حکم الا للہ، والحکم للہ یا علیؑ لا لكَ کا نعرہ بلند ہو گیا اور لوگ فریاد بلند کرنے لگے ہم ہرگز اجازت نہیں دیں گے کہ دین خدا میں لوگ حاکم ہوں (اور حکم خدا کو بدل ڈالیں) خدا نے حکم دیا ہے کہ معاویہ اور اس کے ساتھی قتل ہو جائیں یا ہمارے حکم کے تابع ہو جائیں حکمیت کا واقعہ ایک لغزش تھی جو ہم سے ہو گئی اور ہم لوگ اس سے پھر گئے اور توبہ کر لی تم بھی اس سے منہ موڑ لو اور توبہ کر لو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو ہم تم سے بھی بیزار رہیں گے۔[۲]

---

[۱] عروہ کا خیال یہ تھا کہ اس صلح نامہ سے پہلے عراقی فوج کے تمام کام غلط تھے لہٰذا سب کے سب جہنم میں جائیں گے، واقعہ صفین ص ۵۱۲۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۲۳۷۔ الاخبار الطوال ص ۱۹۷۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۳۔ مروج الذھب ج ۲ ص ۴۰۳

[۲] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۲۳۷۔ واقعہ صفین ص ۵۱۳۔

چوتھا دباؤ:

امامؑ کے نادان اور بے وقوف ساتھی اس مرتبہ چوتھا دباؤ ڈال رہے تھے اور وہ یہ کہ امامؑ کے لئے ضروری تھا کہ اسی دن حکمیت کے صلح نامہ کو نظر انداز کر دیتے اور اسے معتبر نہ جانتے، لیکن اس مرتبہ امامؑ نے زبردست مقابلہ کیا اور ان لوگوں کے سامنے فریاد بلند کی۔

ویحکم، ابعد الرضا والعهد نرجع؟ أليس الله تعالیٰ قد قال، اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ [1]
وقال: "وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدۡتُّمۡ وَلَا تَنۡقُضُوا الۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا وَقَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰهَ عَلَيۡكُمۡ كَفِيۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ" [2]

لعنت ہو تم پر، اس وقت اب یہ باتیں کر رہے ہو؟ جب کہ راضی ہو گئے ہیں اور عہد کر لیا ہے تو دوسری مرتبہ جنگ کی طرف واپس آ جائیں؟ کیا خدا کا فرمان نہیں ہے کہ اپنے وعدوں کو وفا کرو اور پھر خدا کہتا ہے، خدا کے عہد و پیمان پر جب کہ تم نے عہد کر لیا ہے تو وفا کرو اور قسم کھانے کے بعد اسے توڑو نہیں اور جب کہ اپنے کاموں پر خدا کو ضامن قرار دیا ہے اور خدا جو کچھ انجام دیتا ہے اس سے باخبر ہے۔

لیکن امامؑ کا کلام ان لوگوں پر اثر انداز نہ ہوا اور امامؑ کی پیروی سے منہ پھیر لیا اور حکمیت کے مسئلے کو گمراہی قرار دیا اور امامؑ سے بیزاری کیا اور تاریخ میں خوارج یا محکمہ کے نام سے مشہور ہو گئے اور اسلامی گروہوں میں سب سے زیادہ خطرناک گروہ بنایا۔

ان لوگوں نے کبھی بھی کسی حکومت سے تعلقات نہیں رکھا اور اپنے لئے خاص نظریہ اور روش اختیار کی ہم مارقین کی بحث میں تفصیلی طور پر ان لوگوں کی فکری غلطیوں کے بارے میں بحث کریں گے اور یہ بھی ذکر کریں گے کہ مسئلہ حکمیت، دین میں لوگوں کو حکم قرار نہیں دینا تھا بلکہ دو گروہ کے درمیان اختلاف کے وقت قرآن و سنت پیغمبر کو حکم قرار دینا تھا اور یہ بہترین راستہ تھا، اگرچہ عمرو عاص نے یہ حربہ، حیلہ و مکر سے اختیار کیا تھا۔

امامؑ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

انا لم نحکّم الرجالُ وانما حکمنا القرآن وهذا القرآن انما هو خط مسطور بين الدفتين لا ينطق بلسان ولا بد من ترجمان وانما ينطق عنه الرجال، ولما دعانا القوم الیٰ ان نحکم بيننا القرآن لم نكن الفريق المتولی عن كتاب الله وقد قال سبحانه (فان تنازعتم فی شئی فردّوه الی

---

[1] سورہ مائدہ آیت ۱

[2] سورہ نحل آیت ۹۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۲۳۸

الله والرسول) فردہ الیٰ الله أن نحکم بکتابه وردہ الی الرسول أن ناخذ بسنته [1]

ہم نے لوگوں کونہیں بلکہ قرآن کو حکم مقرر کیا اور یہ دفتیوں کے درمیان لکھی ہوئی کتاب ہے جو زبان سے نہیں بولتی اس کے لئے ترجمان ضروری ہے اور وہ ترجمان آدمی ہی ہوتے ہیں جو قرآن کی روشنی میں کلام کرتے ہیں، جس قوم (اہل شام) نے ہم سے خواہش کی ہم اپنے اوران کے درمیان قرآن مجید کو حکم قرار دیں تو ہم ایسے لوگ نہ تھے کہ اللہ کی کتاب سے منحرف ہوجاتے، حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ اگر تم کسی بات میں اختلاف کرنے لگو تو خدا اور رسول کی طرف اسے پھیر دو، خدا کی طرف رجوع کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کتاب کو حکم مانیں اور رسول کی طرف رجوع کرنے کے معنی ہیں کہ ہم ان کی سنت (طریقے) پر چلیں امامؑ کا اس خطبہ کے ساتھ ایک اور جملہ بھی ہے جو توجہ کے لائق ہے امام فرماتے ہیں:

فاذا حکم بالصدق فی کتاب الله فنحن أحسن الناس به وان حکم بسنة رسول الله فنحن أولاهم به

اگر سچائی کے ساتھ کتاب خدا سے حکم حاصل کیا جائے تو اس کی رو سے سب سے زیادہ ہم حق دار ہیں اور اگر سنت رسول کے مطابق فیصلہ کیا جائے تو ہم سب سے زیادہ اس کے اہل ہیں۔

جی ہاں! بالآخر جنگ صفین میں کئی مہینے تک امامؑ کا قیمتی وقت ضائع و برباد ہوا اور عراق کی فوج کے ۲۰ سے ۲۵ ہزار تک لوگ شہید ہوئے اور ٤٥ ہزار اور ایک قول کی بنیاد پر ۹۰ ہزار افراد فوج شام سے مارے گئے اور دونوں فوج ایک دوسرے سے دور ہوگئی اور لوگ اپنے اپنے شہروں کو واپس چلے گئے [2]

قیدیوں کی رہائی

جب صلح نامہ لکھ گیا اور اس پر دستخط ہوگئے اور دونوں طرف بھیج دیئے گئے تو اس وقت امیر المومنین نے دشمن کی فوج کے تمام قیدیوں کو رہا کردیا، ان قیدیوں کی رہائی سے پہلے ہی عمرو عاص اصرار کررہا تھا کہ معاویہ امامؑ کی فوج کے قیدیوں کو پھانسی دیدے جب معاویہ نے امامؑ کے اس عظیم کام کو دیکھا تو کانپنے لگا اور عاص کے بیٹے سے کہا، اگر ہم لوگ قیدیوں کو قتل کردیتے تو دوستوں اور دشمنوں کے درمیان رسوا ہوجاتے۔

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۵۔طبری نے اپنی تاریخ (ج،۳ جزئ٦ ص۳۷) میں ۳۷ ہجری کے واقعات میں اور ابن اثیر نے اپنی کتاب کامل (ج۳،ص١٦٦) میں اس بات کو نہج البلاغہ سے مختصر طریقے سے لکھا ہے۔ سبط ابن جوزی نے کتاب تذکرہ (ص۱۰۰) میں ہشام کلبی سے، شیخ مفید نے ارشاد میں (ص، ۱۲۹)۔طبرسی نے احتجاج (ج۱،ص۲۷۵) میں اس خطبہ کو نقل کیا ہے۔

[2] جنگ صفین ۱۷ صفر ۳۷ ہجری کو ختم ہوئی اور ۱۱۰ دن تک جاری رہی اور اس مدت مین ۹۰ مرتبہ حملہ ہوا۔مسعودی نے التنبیہ والاشراف،ص٢٥٦ مطبوعہ قاہرہ۔اور مروج الذھب (ج۲،ص۳۰۵) میں قتل ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار لکھا ہے (۲۵ ہزار امام علیہ السلام کے فوجی اور ۹۰ ہزار معاویہ کے فوجی) اور ایک قول کی بناء پر ۷۰ ہزار آدمی (۲۵ ہزار امام علیہ السلام کی طرف سے اور ٤٥ ہزار معاویہ کے فوجی) نقل ہوا ہے۔

جنگ کے وقت دشمن کے قیدیوں کے ساتھ امامؑ کا طریقہ دوسرا تھا اگر کوئی قید ہوتا تو اسے آزاد کر دیتے مگر یہ کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، تو اس صورت میں قصاص (جان کا بدلہ جان) کے طور پر قتل کر دیا جاتا تھا اور اگر آزاد ہونے والا قیدی دوبارہ گرفتار ہوتا تھا تو بغیر کسی چوں چراں کے اسے پھانسی دیدی جاتی تھی کیونکہ دشمن کی فوج میں اس کا واپس جانا اس کی پلیدی وبری نیت کی عکاسی کرتا ہے۔[۱]

حکمیت پر امام کی نظارت

امام علیہ السلام صفین سے کوفہ جاتے وقت حکمیت کے واقعہ سے غافل نہ تھے اور ہمیشہ ضروری نکتوں کی طرف ابن عباس (جو ۴۰۰ لوگ اس علاقے میں بھیجے گئے تھے) کو توجہ دلاتے رہے، معاویہ بھی حکمین کے کام سے غافل نہ تھا اور اس نے بھی ۴۰۰ لوگوں کو اس علاقے میں بھیجا امامؑ کے دوستوں اور معاویہ کے دوستوں میں فرق یہ تھا کہ شامی افراد آنکھ، کان بند کئے ہوئے اپنے سرپرست کے مطیع وفرماں بردار تھے اور جب بھی معاویہ کی طرف سے کوئی خط پہنچتا تو کوئی بھی نہیں پوچھتا کہ معاویہ نے کیا لکھا ہے، جبکہ جب بھی امامؑ کا خط ابن عباس کے پاس آتا اس وقت سب کی نگاہیں ابن عباس پر ہوتیں کہ امامؑ نے اسے کیا حکم دیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ابن عباس نے ان لوگوں کی مذمت کی اور کہا جب بھی امامؑ کی طرف سے کوئی پیغام آتا ہے تو تم لوگ پوچھتے ہو کہ کیا حکم آیا ہے اگر اسے نہ بتاؤں تو تم لوگ کہو گے کہ کیوں چھپا دیا اور اگر اسے بیان کر دوں تو یہ راز سب پر ظاہر ہو جائے گا اور پھر ہمارے لئے کوئی راز، راز نہیں رہ جائے گا۔[۲]

---

[۱] واقعہ صفین ص ۵۱۸۔

[۲] واقعہ صفین ص ۵۳۳۔ تاریخ طبری ج، ۳ جزئی ۶ ص ۳۷۔ کامل ابن اثیر ج ۳، ص ۱۶۷۔ الاخبار الطوال ص ۱۹۸

اکیسویں فصل

امامؑ کی صفین سے کوفہ کی طرف روانگی

حکمیت کا مسئلہ ایک ایسا امر ہے جسے امامؑ نے زور وزبردستی اور تمام راستے بند ہوجانے کی صورت میں قبول کیا کیونکہ اگر اس کا مقابلہ کرتے تو خود اپنی فوج کے مخالفین، معاویہ کی فوج کی مدد سے امامؑ سے جنگ کرنے کے لئے اٹھ جاتے جس کا انجام آپ اور آپ کے وفادار ساتھیوں کی بربادی کے علاوہ کچھ نہ ہوتا یہی وجہ ہے کہ جب حکمیت کے تعیین کا مسئلہ ختم ہوا تو امامؑ اپنے نمائندوں کو اعزام اور فیصلہ اور مشکلات کے رفع، دفع کرنے اور اس پر ناظر وغیرہ معین کرنے کے لئے کوفہ واپس آگئے اور وہاں سے روانہ ہوتے وقت اس دعا کو پڑھا جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہے: بارالٰہا سفر کی مشکلات اور غم سے نجات عطا کر اور اہل وعیال اور مال پر بری نظر ڈالنے والوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

امامؑ نے اس دعا کو پڑھا اور فرات کے کنارے سے کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے اور جب صندودائ[1] شہر کے پاس پہنچے تو قبیلہ بن سعید کے لوگ آپ کے استقبال کے لئے آئے اور خواہش ظاہر کی کہ ہمارے قبیلے میں تشریف لائیے اور ہمیں رونق بخشیں لیکن امامؑ نے ان کی دعوت قبول نہیں کیا[2] آپ جب کوفہ کے نخلستان (کھجور کے باغ) میں پہنچے تو ایک ضعیف شخص سے ملاقات ہوئی جو ایک گھر کے سائے میں بیٹھا تھا اور اس کے چہرے سے بیماری کے آثار نمایاں تھے امام اور اس کے درمیان جو باتیں ہوئیں وہ یہ ہیں:

امامؑ: تیرے چہرے کا رنگ کیوں اڑا ہے؟ کیا بیمار ہے؟

ضعیف: جی ہاں۔

امامؑ: بیماری کو اچھا نہیں سمجھتے؟

ضعیف: نہیں، میں نہیں چاہتا کہ بیمار پڑوں۔

امامؑ: کیا اس طرح کی بیماریاں خدا کے سامنے بہترین نیکی شمار نہیں ہوتیں؟

ضعیف: کیوں نہیں؟

---

[1] صندوداء، عراق وشام کے درمیان کا شہر، معجم البلدان، یاقوت حموی

[2] واقعہ صفین ص ۵۲۸۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۸٦

امامؑ: مبارک ہو خدا کی رحمت نے تمہارا احاطہ کیا ہے اور تمہارے گناہوں کو بخش دیا ہے، تمہارا کیا نام ہے؟

ضعیف: میرا نام صالح بن سلیم ہے اور سلامان بن طیؑ اور اس کے وفادار سلیم بن منصور قبیلے سے ہوں۔

آپ نے خوش ہو کر فرمایا: تمہارا اور تمہارے باپ اور تمہارے وفاداروں کا نام کتنا بہترین ہے کیا ہماری جنگوں میں تم نے شرکت کی ہے؟

ضعیف: نہیں، میں جنگ میں شریک نہیں ہو سکا لیکن اس کی طرف مائل تھا جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ جسم کی کمزوری نے جو بخار کی وجہ سے ہے مجھے ان کاموں سے روک دیا ہے۔

امامؑ: خدا کے کلام کو غور سے سنو وہ فرماتا ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. [1]

(اے رسول جہاد میں نہ جانے کا) نہ تو کمزوروں پر کچھ گناہ ہے نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جو کچھ نہیں پاتے کہ خرچ کریں بشرطیکہ یہ لوگ خدا اور اس کے رسول کی خیر خواہی کریں، نیکی کرنے والوں پر (الزام) کوئی سبیل نہیں ہے اور خدا بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

امامؑ: شامیوں کے ساتھ ہمارے کام کے متعلق لوگ کیا کہتے ہیں؟

ضعیف: آپ کے دشمن اس کام سے خوش ہیں لیکن آپ کے حقیقی دوست ناراض اور افسوس کرتے ہیں۔

امامؑ: تم سچ کہتے ہو خدا تمہاری بیماریوں کو تمہارے گناہوں کی بخشش کا سہارا قرار دے اگرچہ بیماری کا کوئی اجر نہیں ہے مگر یہ کہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اجر و ثواب، انسان کے کردار و گفتار پر منحصر ہے لیکن کبھی بھی حسن نیت (اچھی نیت) سے غفلت نہیں برتنا چاہیے کیونکہ خداوند عالم بہت زیادہ گروہوں کو ان کی بہترین نیت کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا امامؑ اتنا کہنے کے بعد اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ [2]

ابھی امامؑ نے تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ عبداللہ بن ودیعہ انصاری سے ملاقات ہوئی آپ نے چاہا کہ معاویہ کے ساتھ صلح کے متعلق لوگوں کے نظریہ سے آگاہی پیدا کریں لہٰذا اس کے ساتھ کچھ دیر گفتگو ہوئی جسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

امامؑ: ہمارے کاموں کے بارے میں لوگوں کا کیا نظریہ ہے؟

انصاری: آپ کے متعلق لوگوں کے دو نظریے ہیں بعض لوگوں نے اسے پسند کیا ہے اور بعض لوگ اس سے ناراض ہیں اور (قرآن کی تعبیر کے مطابق ولا یزالون مختلفین) ہمیشہ اختلاف کے خواہاں ہیں۔

---

[1] سورۂ توبہ آیت ۹۱

[2] واقعہ صفین ص ۵۲۸۔ تاریخ طبری ج ۳ جزئ ۶ ص ۳۲

امامؑ: عقلمندوں کا کیا نظریہ ہے؟

انصاری: ان لوگوں کا کہنا ہے کہ کچھ گروہ علی کے ساتھ تھے لیکن علی نے انہیں دور کر دیا بہترین قلعہ تھا لیکن اسے ویران کر دیا اب علی کب ان لوگوں کو اپنے پاس بلائیں گے جنہیں دور کر دیا ہے اور جس قلعہ کو ویران کیا ہے اسے کب آباد کریں گے؟ اگر وہ اسی گروہ کے ساتھ جو ان کے تابع تھے جنگ کو جاری رکھتے تو یا تو کامیاب ہوجاتے یا ختم ہوجاتے انہوں نے عقلمندی اور بہترین سیاست سے کام انجام دیا تھا۔

امامؑ: میں نے ویران کیا ہے یا ان لوگوں (خوارج) نے؟ میں نے ان لوگوں کو دور کر دیا یا ان لوگوں نے اختلاف اور تفرقہ ایجاد کیا؟ اور جو یہ کہتے ہو کہ حسن تدبیر یہ تھی کہ جس وقت کچھ لوگوں نے میرے خلاف بغاوت کیا تھا تو میں اپنے وفاداروں کے ساتھ جنگ جاری رکھتا یہ ایک ایسا نظریہ نہ تھا کہ میں اس سے غافل ہوتا، میں اس بات پر حاضر تھا کہ اپنی جان کو قربان کر دیتا اور موت کو خندہ پیشانی کے ساتھ گلے لگا تا لیکن حسن وحسین پر نہیں رویا اور دیکھا کہ وہ مجھ سے پہلے شہید ہونا چاہتے ہیں لہٰذا میں نے اس بات کا خوف محسوس کیا کہ ان دونوں کے مرنے سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل نہ منقطع ہوجائے لہٰذا اس کام کو نہیں پسند کیا خدا کی قسم اگر اس مرتبہ شامیوں سے مقابلہ ہوا تو اس راہ کو انتخاب کروں گا اور ہرگز وہ دونوں (حسن و حسین) میرے ساتھ نہ ہوں گے۔[1]

امامؑ کے ساتھ انصاری کی صاف صاف باتیں دو مطلب کو واضح کرتی ہیں:

۱۔ وہ ماحول جس میں امامؑ زندگی بسر کر رہے تھے وہ آزاد ماحول تھا اور لوگوں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ حکومت وقت کے بارے میں اپنے افکار ونظریات کو پیش کرسکیں اور امامؑ کی نظر میں اپنے نظریہ کو ظاہر کرنے میں مخالف وموافق برابر تھے اور جب تک کہ مخالف اسلحہ نہیں اٹھاتا اور حملہ نہیں کرتا مکمل آزاد رہتا تھا۔

۲۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل کی حفاظت کہ جسے قرآن کریم نے لفظ کوثر سے تعبیر کیا ہے اسلام کے واجبات سے اہم ہے اور اگر امامؑ معاویہ اور اپنے مخالفوں سے جنگ جاری رکھتے کہ جن کی تعداد کم نہ تھی تو خود امامؑ اور حسنین علیہم السلام شہید ہوجاتے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل ختم ہوجاتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ خود امامت ہی ختم ہوجاتی، جب کہ پروردگار عالم کا ارادہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ معصومین علیہم السلام کی نسل ظہور امام زمان علیہ السلام تک باقی رہے اسی لئے امامؑ نے حکمیت کو قبول کرلیا، اور تمام علتوں میں سے ایک یہ بھی علت تھی جس کی وجہ سے امامؑ نے اسے قبول کیا۔

امام خباب بن ارت کی قبر پر

امامؑ چلتے چلتے بنی عوف کے گھروں کے پاس پہنچے راستے کے داہنی طرف ایک اونچی جگہ پر آپ نے سات یا آٹھ

[1] تاریخ طبری ج۳ جزئ ٦ ص ٣٨۔ کامل ابن اثیر ج ٣ ص ١٦٤، واقعہ صفین ص ٥٣٠، ٥٢٩۔

قبروں کو دیکھا امامؑ نے ان قبروں میں دفن کے نام پوچھے، قدامہ بن عجلان ازدی نے جواب دیا، آپ کے صفین جانے کے بعد خباب بن ارت کا انتقال ہوگیا اور اس نے خواہش ظاہر کی تھی کہ اسے بلند جگہ پر دفن کیا جائے یہاں پر اس کے دفن ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اپنے مردوں کو بھی اس کے اطراف میں دفن کرنا شروع کردیا، امامؑ نے خباب کے لئے رحمت ومغفرت طلب کرنے کے بعد اس کے متعلق کہا اس نے صدق دل سے اسلام قبول کیا اور اپنی مرضی سے ہجرت کیا تھا اور پوری عمر جہاد کیا اور پھر اس کا جسم کمزور ہوگیا خداوند عالم اچھے لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا اور پھر وہاں پر دفن ہوئے تمام لوگوں کے بارے میں فرمایا:

اے خوفناک زمین اور بے آب وگیاہ محلہ میں رہنے والو! تم پر درود وسلام ہو اے مؤمن اور مومنات، تم نے ہم پر سبقت حاصل کی ہم بھی تمہارے پیچھے آرہے ہیں اور کچھ ہی دیر میں تم لوگوں سے ملحق ہوجائیں گے خدایا ہمیں اور ان لوگوں کو بخش دے اور ان کی اور ہماری غلطیوں کو معاف کردے۔ (پھر فرمایا) اس خدا کا شکر جس نے زمین کو مردوں اور زندوں کے جمع ہونے کی جگہ بنائی، شکر اس خدا کا جس نے ہمیں پیدا کیا اور پھر ہم اسی کی طرف پلٹ کر جائیں گے اور اس کے سامنے حاضر ہوں گے کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو قیامت کو یاد کرتے ہیں اور حساب وکتاب کے دن کے لئے صحیح امور انجام دیتے ہیں اور اپنے امور میں قناعت کرتے ہیں۔ [۱]

پھر امامؑ نے اپنے سفر کو جاری کیا اور قبیلہ ہمدان کے گھروں کے پاس سے گزر رہے تھے کہ آپ نے عورتوں کے رونے کی آواز سنی، جو جنگ صفین میں قتل ہونے والے اپنے رشتہ داروں پر رو رہی تھیں۔

امامؑ نے شرحبیل کو بلایا اور کہا: کہ اپنی عورتوں سے کہو کہ صبر کریں اور چیخ وفریاد نہ کریں اس نے امامؑ کے جواب میں کہا: اگر بات صرف چند گھروں کی ہوتی تو اس درخواست پر عمل کرنا ممکن تھا لیکن تنہا صرف اس علاقے سے ۱۸۰ آدمی قتل ہوئے ہیں اور کوئی بھی ایسا گھر نہیں ہے جہاں گریہ وزاری نہ ہو لیکن ہم سب مرد ہرگز نہیں روتے بلکہ ہم لوگ ان کی شہادت پر بہت خوش ہیں، امامؑ نے ان کے مرنے والوں پر رحمت کی دعا دی، امامؑ چونکہ گھوڑے پر سوار تھے اور شرحبیل نے چاہا کہ آپ کو کچھ دور جا کر خدا حافظ کرے لہٰذا اس سے فرمایا:

ارجع فان مشی مثلک فتنة للوالی ومذلة للمومنین [۲]

واپس چلے جاؤ کہ اس طرح سے مشایعت کرنا (کسی کو رخصت کرنے کے لئے تھوڑی دور جانا) حاکم کے غرور اور مومنین کی ذلت کا سبب ہے۔

جب آپ کوفہ پہنچے تو چار سو لوگوں کو حکمین کے کاموں پر بعنوان ناظر معین کیا اور شریح کو فوج کا سردار اور ابن عباس

---

[۱] تاریخ طبری ج۳ جزئ ۶ ص ۴۳۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۴۔ واقعہ صفین ص ۵۳۰، ۵۲۹

[۲] واقعہ صفین ص ۵۳۱۔ تاریخ طبری ج۳ جزئ ۶ ص ۳۵۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۴

کو مذہبی پیشوا معین کیا اور پھر وہ وقت آیا کہ اپنے زبردستی منتخب ہونے والے نمائندے یعنی ابوموسیٰ اشعری کو بھیجیں[1]

امامؑ اپنے دورِ خلافت کے آغاز ہی سے اپنی خلافت ورہبری میں اس کی بے پرواہی سے باخبر تھے اور لوگ بھی اس کی سادگی اور بے وقوفی سے آگاہ تھے یہی وجہ ہے کہ اس کو بھیجنے کے وقت امامؑ اور لوگوں نے اس سے گفتگو کی اس میں سے بعض باتوں کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

امامؑ اور ابوموسیٰ اشعری کے درمیان گفتگو

ابوموسیٰ اشعری کی بیوقوفی اور کم عقلی کو دوست و دشمن سبھی جانتے تھے اور اسے (بغیر دھار اور قبضے کی چھری) اور کم ظرف کہتے تھے لیکن علی علیہ السلام کیا کرسکتے تھے؟ ان کے سادہ اور کم ظرف دوستوں نے جو ابوموسیٰ اشعری ہی کی صفت کے تھے امام کو دو چیزوں پر مجبور کر دیا تھا۔ کہ خود حکمیت کو قبول کریں اور حکم کے عنوان سے ابوموسی اشعری ہی ہو امامؑ نے ابوموسیٰ کو دومۃ الجندل بھیجتے وقت اس سے اور اپنے کاتب عبیداللہ بن ابی رافع سے اس طرح گفتگو کی:

امامؑ نے ابوموسیٰ سے کہا احکم بکتاب اللہ ولا تجاوزہ یعنی خدا کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرنا اور اس سے تجاوز نہ کرنا۔

جب ابوموسیٰ روانہ ہوا تو امامؑ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس واقعہ میں ضرور دھوکہ کھائے گا۔

عبیداللہ: اگر واقعاً ایسا ہے اور وہ دھوکہ کھائے گا تو پھر اسے کیوں بھیج رہے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا:

لو عمِلَ اللّٰہُ فی خَلقِہِ بعلمہ ما احتج علیھم بالرسل[2]

اگر خداوند عالم اپنے علم کے مطابق اپنے بندوں سے محاسبہ کرتا تو وہ پیغمبروں کو نہ بھیجتا اور ان کے ذریعے سے ان لوگوں پر اپنی دلیلیں قائم نہیں کرتا۔

فوج کے سردار اور ابوموسیٰ اشعری کے درمیان گفتگو

سردار شریح بن ہانی جسے امامؑ نے چار سو آدمیوں پر مشتمل ایک گروہ کے ساتھ دومۃ الجندل بھیجا تھا اس نے ابوموسیٰ کا ہاتھ پکڑ کر کہا، تمہارے کاندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری ہے ایسا کام نہ کرنا کہ جس کی تعمیر ممکن نہ ہو، جان لو کہ اگر معاویہ نے عراق پر قبضہ کرلیا تو پھر عراق باقی نہ رہے گا لیکن اگر علی نے شام پر قبضہ کرلیا تو شامیوں پر کوئی آفت و مشکل نہیں آئے گی تم نے امامؑ کی حکومت کے اوائل میں خاموشی اختیار کی، اگر تم نے پھر ایسا کیا تو جان لو کہ گمان یقین میں اور امید، ناامیدی میں بدل جائے گی۔

---

[1] واقعہ صفین ص ٥٣٣۔ تاریخ طبری ج۳، جزئ ٦ ص ٣٧۔ مروج الذھب ج٢ ص٤٠٦

[2] مناقب ابن شہر آشوب ج٢، ص٢٦١

ابوموسیٰ اشعری نے اس کے جواب میں کہا: وہ گروہ جو ہم پر الزام لگا رہا ہے اس کے لئے بہتر نہیں ہے کہ مجھے قاضی کے طور پر معین کریکہ باطل کو ان لوگوں سے دور اور حق کو ان لوگوں سے قریب کروں [۱] امامؑ کی فوج کے مشہور شاعر اور ابوموسیٰ کے دوست نجاشی نے اس کے لئے اشعار کہے جس میں اسے حق اور عدالت کی رعایت کرنے کی تاکید کی اور جب وہ اشعار ابوموسیٰ کو سنایا گیا تو اس نے کہا، میری خدا سے دعا ہے کہ میرا نصیب چمک اٹھے اور خدا کی مرضی کے مطابق اپنے فریضہ کو انجام دوں۔ [۲]

ابوموسیٰ اشعری اور احنف کے درمیان گفتگو

سب سے آخر میں جس نے ابوموسیٰ اشعری کو خدا حافظ کیا وہ احنف تھا، اس نے ابوموسیٰ کا ہاتھ پکڑا اور اس سے یہ کہا اس کام کی عظمت کی قدر کرو اور جان لو کہ یہ کام جاری رہے گا اگر عراق کو برباد کیا تو پھر عراق ختم ہو جائے گا، خدا کی مخالفت کرنے سے پرہیز کرو، خدا دنیا و آخرت کو تمہارے لئے ذخیرہ کرے گا اگر آئندہ عمرو عاص سے تمہاری ملاقات ہو تو تم پہلے سلام مت کرنا اگر چہ پہلے سلام کرنا مستحب ہے لیکن وہ سلام کے لائق نہیں ہے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہ دینا کیونکہ تیرا ہاتھ امت کی امانت ہے ممکن ہے کہ تجھے مجمع میں صدر جگہ پر بٹھائے تو جان لو کہ اس کام میں دھوکہ وفریب ہے اور اگر تم سے اکیلے میں بات کرنا چاہے تو اس سے پرہیز کرنا کیونکہ ممکن ہے وہاں کچھ لوگوں کو گواہ کے طور پر چھپائے رہے تاکہ بعد میں وہ لوگ تمہارے خلاف گواہی دیں۔

پھر احنف نے ابوموسیٰ کو آزمانے کے لئے کہ امامؑ سے اسے کتنا خلوص ہے اس سے یہ درخواست کی کہ، اگر عمرو کے ساتھ امامؑ کے بارے میں توافق نہ ہو سکے تو اس سے درخواست کرنا کہ عراقی لوگ شام میں رہنے والے قرشیوں میں سے کسی کو بھی خلیفہ چن سکتے ہیں اور اگر اسے قبول نہ کیا تو دوسری درخواست کرنا اور وہ یہ کہ شامی لوگ عراقیوں میں سے کسی ایک کو بھی خلیفہ منتخب کر سکتے ہیں [۳] ابوموسیٰ نے اس بات کو، جس میں امامؑ کا خلافت سے معزول ہونا اور دوسرے خلیفہ کا انتخاب تھا، سنا لیکن اس نے کوئی عکس العمل نہ دکھایا۔

احنف فوراً امامؑ کی خدمت میں آئے اور پورا واقعہ آپ سے بیان کیا اور کہا کہ ہم ایسے شخص کو اپنے حق کے ثابت کرنے کے لئے بھیج رہے ہیں جو آپ کے عزل اور دور ہونے کی پرواہ نہیں کرتا۔

امامؑ نے فرمایا: ان اللہ غالب علیٰ امرھا

---

[۱] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص۱۱۵۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۲ ص۲۴۵

[۲] واقعہ صفین ص۵۳۴۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۲ ص۲۴۷

[۳] الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص۱۱۶۔ واقعہ صفین ص۵۳۶۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۲ ص۲۴۹

حنف نے کہا یہ کام ہم لوگوں کی ناراضگی کا سبب ہے۔[1]

سعد ابن وقاص اور اس کا بیٹا عمر

سعد ابن وقاص ان لوگوں میں سے تھا جس نے امامؑ کے ہاتھوں پر بیعت نہیں کی تھی لیکن خود کو قضیے میں داخل نہیں کیا تھا اور جنگ صفین کی آگ بھڑکنے کے بعد وہ سرزمین بنی سلیم چلا گیا اور مستقل دونوں فوجوں کی خبروں سے آگاہ ہو رہا تھا، اسی فکر میں غرق تھا کہ ایک دن دور سے اسے سواری نظر آئی جو اسی کی طرف آرہی تھی لیکن جب نزدیک پہنچی تو معلوم ہوا کہ وہ اس کا بیٹا عمر ہے (یہ وہی شخص ہے جس نے کربلا میں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے باوفا ساتھیوں کو قتل کیا تھا) باپ نے اس سے حالات معلوم کئے اور عمر نے جبری حکمیت اور دومۃ الجندل میں حکمین کے اجتماع کی خبر دی اور اپنے باپ سے کہا کہ اسلام کی آپ نے بہت خدمتیں کی ہیں لہٰذا آپ اس علاقے میں ضرور جائیں، شاید کہ خلافت اسلامی پر آپ کا قبضہ ہو جائے، باپ نے کہا، بیٹا خاموش رہو میں نے پیغمبر سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد فتنہ برپا ہوگا اور بہترین شخص وہ ہے جو اس سے بچا رہے اور اس سے دور رہے، خلافت کا مسئلہ ایک ایسا امر ہے کہ میں نے پہلے ہی دن سے اس میں دخالت نہیں کی اور آئندہ بھی داخل نہیں ہوؤں گا اور اگر بنا یہ ہو کہ میں اس میں دخالت کروں تو علی کا ساتھ دوں گا لوگوں نے تلوار سے مجھے ڈرایا لیکن میں نے اسے آگ پر مقدم کیا۔[2]

سعد وقاص نے دونوں طرف سے کسی ایک کی مدد کرنے کو فتنہ وفساد سمجھا اور اس کے نتیجہ واختتام کو آگ تصور کیا لیکن اس کے باوجود اس نے علی علیہ السلام کی شخصیت کو معاویہ پر ترجیح دیا اور اسی رات جو اس نے اشعار کہے تھے اس میں علی علیہ السلام کی تعریف اور معاویہ کی مذمت کی تھی اور کہا تھا:

ولو کنت یوماً لا محالة وافداً
تبعت علیاً والھویٰ حیث یُجعلُ

اگر بنا ہو کہ کسی دن اس کام کے لئے اقدام کروں تو علی کی پیروی کروں گا یہاں تک کہ وہ راضی ہوں۔

اس کے اندھے دل کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ امامؑ کی پیروی اور اطاعت جو غدیر خم میں سب پر واضح اور روشن ہوگئی اور عثمان کے قتل کے بعد تمام مہاجرین وانصار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، کو فتنہ میں داخل کرتا ہے جب کہ ایسے امام سے منہ موڑنے والے کا انجام جہنم میں داخل ہونا ہے[3]

---

[1] واقعہ صفین ص ۵۳۷

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۲، ص ۲۴۹

[3] واقعہ صفین ص ۵۳۹

معاویہ کا حالات سے پریشان ہونا

بعض صحابہ اوران کے بیٹے، جنہوں نے علی علیہ السلام سے دور رہنے کے بعد بھی معاویہ کا ساتھ نہیں دیا تھا اور جنگ تمام ہونے کے بعد معاویہ کے کہنے پر شام آ گئے تھے مثلاً عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، مغیرہ بن شعبہ معاویہ نے مغیرہ سے التجا کی کہ وہ اس کام میں اس کی مدد کرے اور اسے حکمین کی فکروں سے آگاہ کرے مغیرہ نے یہ ذمہ داری قبول کر لی اور دومۃ الجندل کے لئے روانہ ہو گیا اور حکمین کے نظریات معلوم کرنے کے لئے ہر ایک سے الگ الگ ملاقات کی، سب سے پہلے اس نے ابوموسیٰ سے ملاقات کی اور کہا اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے جس نے اس اضطرابی کیفیت سے پرہیز اور قتل وخوں ریزی سے دوری اختیار کی ہے؟

ابوموسیٰ نے کہا، وہ لوگ نیک اور اچھے افراد ہیں! ان کی پیٹھ خون کے بوجھ سے ہلکی اور ان کے پیٹ حرام مال سے خالی ہیں۔

پھر اس نے عمرو سے ملاقات کی اور یہی سوال اس سے بھی کیا اس نے جواب دیا کہ کنارہ کشی کرنے والے بدترین لوگ ہیں نہ ان لوگوں نے حق کو پہچانا ہے اور نہ باطل کا انکار کیا ہے۔

مغیرہ شام واپس آ گیا اور معاویہ سے کہا میں نے دونوں حکم کا امتحان لیا، ابوموسیٰ علی کو خلافت سے دور کر دے گا اور عبداللہ بن عمر جو اس واقعہ میں شریک نہیں ہوا تھا اسے خلافت دے دے گا لیکن عمرو عاص تمہارا قدیمی ساتھی ہے لوگوں کا کہنا ہے وہ خلافت خود لینا چاہتا ہے اور تجھے اپنے سے بہتر نہیں جانتا۔[1]

فتنہ حکمیت کا خاتمہ

وہ مسائل جن کے لئے ضروری تھا کہ دونوں طرف کے نمائندے اس موضوع پر گفتگو کریں اور اس کے حکم کو کتاب وسنت سے نکالیں اور امامؑ اور معاویہ کے ساتھیوں کو اس کی خبر کر دیں وہ موضوع یہ ہیں:

۱۔ عثمان کے قتل کی تحقیق۔

۲۔ امامؑ کی حکومت کا قانونی ہونا۔

۳۔ امامؑ کی قانونی حکومت سے معاویہ کی مخالفت اور اس کا صحیح ہونا۔

٤۔ وہ چیز جو ایسے حالات میں صلح کی ضامن بنے۔

لیکن افسوس کہ حکمین نے جس موضوع پر بحث وگفتگو نہیں کی وہ یہی چار موضوع تھے کیونکہ ان میں سے ہر ایک خاص سابقہ، تجربہ کے ساتھ حکمیت کے میدان میں وارد ہوا اور اپنی ہی خواہش کے مطابق حکم چلانا چاہا اور ایسا معلوم ہوتا ہے

---

[1] واقعہ صفین ص ٥٣٩۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ٢، ص ٢٥١۔ کامل ابن اثیر ج ٣، ص ١٦٧۔

کہ ان موضوعات کا حکمین سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔

حکمین اور نظارت کرنے والوں کے بہت دنوں تک دومۃ الجندل میں رہنے کی وجہ سے اسلامی معاشرے کے اندر تشویش اور خوف کا سماں بن گیا اور ہر آدمی طرح طرح کی باتیں سوچ رہا تھا عجلت کرنے والے، اسی طرح کم عقل لوگ کچھ اور فکر میں تھے تو دور اندیش اور دانشمند کچھ اور فکر کر رہے تھے۔

سب سے پہلے جس موضوع پر بحث ہونی تھی وہ یہ تھی کہ خلیفہ سوم اور اس کے حاکم کے عمدہ امور جس پر اعتراضات ہوئے ہیں انہیں صحیح سندوں کے ساتھ پیش کیا جائے اور پھر جن لوگوں نے خلیفہ کو قتل کیا ہے چاہے عراقی ہوں یا مصری یا صحابی، انہیں دعوت دی جائے اور اس مسئلہ کی دقیق تحقیق وجستجو کی جائے اور قاتلوں کے اس دعوے کو کہ خلیفہ نے اسلامی اصولوں کو نظر انداز کر دیا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت حتیٰ شیخین سے بھی منحرف ہو گیا تھا، منصفانہ تحقیق کی جائے لیکن اس سلسلے میں دقت سے کام نہیں لیا گیا اور صرف عمرو عاص نے اپنے مقصد کے حصول (امام کو خلافت سے دور کر کے اس جگہ پر معاویہ یا اپنے بیٹے عبداللہ کو مسند خلافت پر بٹھائے) کے لئے ابوموسیٰ سے کہا: کیا تو اس بات کو قبول کرتا ہے کہ عثمان مظلوم قتل ہوا ہے؟ اس نے بھی ایک طرح سے تصدیق کر دی[1] اور کہا، خلیفہ کے قاتلوں نے انہیں توبہ کرایا پھر قتل کر دیا جب کہ مجرم توبہ کر لے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اور اسی طرح وہ موضوع جو اصلاً زیر بحث نہ رہا وہ امامؑ کی حکومت کا قانونی ہونا تھا، وہ حکومت جو مہاجرین وانصار کے اتحاد واتفاق سے علی علیہ السلام کو ملی اور خود آپ ابتداء میں اسے قبول نہیں کر رہے تھے اور جب مہاجرین وانصار کے مجمع کو دیکھا کہ سب کے سب اصرار کر رہے ہیں کہ ان کے علاوہ کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کریں گے اس وقت آپ نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا اور حکومت قبول کی، اگر سقیفہ میں خلیفہ اول کی خلافت چند آدمیوں کی بیعت سے قانونی ہو گئی اور خلیفہ دوم کی خلافت ابوبکر کے نصب کرنے سے قانونی ہو گئی تو امامؑ کی خلافت تمام مہاجرین وانصار (علاوہ پانچ لوگوں) کی بیعت کی وجہ سے قطعاً حقیقی اور قانونی تھی اور اس کے بارے میں ہرگز شک وتردد نہیں کرنا چاہیے۔

اور تیسرے مرحلے میں بھی مثل دوسرے مرحلے کے اصلاً گفتگو نہ ہوئی کیونکہ دونوں حَکَم جانتے تھے کہ معاویہ کے مخالفت کرنے کی صرف وجہ یہ تھی کہ امامؑ کو منصب خلافت سے ہٹا کر خلافت پر قبضہ کر لے، معاویہ کی پوری زندگی، اس کے رفتار وکردار چاہے عثمان کے قتل سے پہلے چاہے اس کے بعد سب پر واضح ہے کہ وہ بہت دنوں سے خلافت کو بنی امیہ میں لے جانا چاہتا ہے تا کہ خلافت اسلامی کے نام پر قیصر وکسریٰ کی سلطنت کو زندہ کرے اور خلیفہ کے خون کا بدلہ اور قاتلوں کو سزا وقصاص دینا یہ سب قانون توڑنے اور مخالفت کی توجیہ کرنے کے لئے ایک بہانہ تھا اگر وہ حقیقت میں اپنے کو عثمان کے خون کا

---

[1] الاخبار الطوال ص۱۹۹

ولی سمجھتا تو ضروری تھا کہ تمام مسلمانوں کی طرح امامؑ کی قانونی حکومت کی پیروی کرتا اور اس وقت خلیفہ وقت سے کہتا کہ عثمان کے قاتلوں کے قصاص کے بارے میں اقدام کریں۔

امامؑ نے معاویہ کی مخالفت کے اوائل ہی میں کئی مرتبہ خلیفہ کے مخالفوں کی مخالفت میں دلیل وغیرہ قائم کر کے دکھایا اور کہا کہ میرا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ میں لوگوں کو متحد کروں اور مہاجرین وانصار کی شوریٰ (انجمن) کا احترام کروں اور پھر دعوے اور قصاص وغیرہ کے مسئلہ کو حل کروں اور جب تک وہ حکومت کو صحیح تصور نہیں کرتا تو وہ کسی بھی مسئلہ کو بیان کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

چوتھے مرحلے میں، ابوموسیٰ نے بجائے اس کے کہ معاویہ کی سرکشی کی اس حکومت پر جو مہاجرین وانصار کے توسط سے بنی تھی مذمت کرتا، یا خود اپنے کو امامؑ کی خلافت کے اوائل میں بیعت نہ کرنے کی وجہ سے مقصر سمجھتا، اس نے دونوں طرف کے لوگوں کو قصوروار ٹھہرایا اور چاہا کہ ایسے شخص کو خلافت کے لئے منصوب کرے کہ جس کے افتخار کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ خلیفہ دوم کا بیٹا ہے اور ان تمام چیزوں سے دور تھا جب کہ عبداللہ بن عمر کام وغیرہ کرنے میں اتنا ضعیف تھا کہ اس کے باپ نے اس کے بارے میں کہا تھا کہ میرا بیٹا اس قدر سست ہے کہ اپنی عورت کو طلاق دینے سے بھی عاجز ہے [1] جب کہ حکمین کا فریضہ یہ تھا کہ ان چاروں موضوع پر منصفانہ بحث وگفتگو کرتے اور شاید امامؑ کی حکومت کا قانونی ہونا اور مرکزی حکومت معاویہ کی سرکشی پر توجہ دینا ہی کافی تھا کہ دوسرے موارد میں صحیح رائے ومشورہ لیا جاتا، لیکن افسوس امامؑ کے نادان دوستوں نے آپ پر ایسے نمائندہ کو تحمیل کر دیا تھا کہ جو فیصلہ اور دلیل قائم کرنے میں ایسے ذرات کی طرح تھا جسے ہوا کے جھونکے ادھر سے ادھر کرتے ہیں۔

عمرو عاص نے دومۃ الجندل میں قدم رکھتے ہی ابوموسیٰ اشعری کا پیغمبر کا صحابی اور اپنے سے بزرگ ہونے کی حیثیت سے اس کا احترام کرنے لگا اور گفتگو کرتے وقت ہمیشہ اسے مقدم کرتا تھا اور جس وقت یہ طے پایا کہ دونوں حکم علی اور معاویہ کو معزول کریں اس وقت بھی عمرو عاص نے اپنا نظریہ ظاہر کرنے اور اپنے پیشوا کو معزول کرنے میں بھی اسی کو مقدم رکھا، کیونکہ دنوں کے دومۃ الجندل میں دونوں کی روش یہی تھی، اسی وجہ سے پہلے ابوموسیٰ نے امامؑ کو خلافت سے دور کیا اور چلتے وقت تمام دوستوں نے جو سفارشیں کی تھیں اسے نظر انداز کر دیا لیکن عمرو عاص نے فوراً ہی معاویہ کو مسند خلافت پر بٹھا دیا!

یہاں بھی دونوں کے درمیان ہوئی باتوں کو نقل کر رہے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ حکمیت کا کھیل کس طریقے سے ختم ہوا اور امامؑ کے سادہ لوح اور ضدی ساتھیوں نے اسلام کو کیا نقصان پہنچایا:

عمرو عاص: کیا تم جانتے ہو کہ، عثمان مظلوم قتل ہوئے ہیں؟

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳، ص ۳٤۳ مطبوعہ بیروت

ابوموسیٰ: ہاں۔

عمروعاص: اے لوگو تم لوگ گواہ رہنا علی کے نمائندے نے عثمان کے مظلوم ہونے کا اعتراف کرلیا ہے، اس وقت ابوموسیٰ کی طرف متوجہ ہوکر کہا، کیوں معاویہ سے کہ جو عثمان کا ولی ہے اپنا منہ پھیرے ہو جب کہ وہ بھی قرشی ہے؟ اور اگر لوگوں کے اعتراض کرنے کی وجہ سے ڈر رہے ہو کہ لوگ کہیں گے کہ ایسے شخص کو خلافت کے لئے چنا ہے جس کا اسلام میں کوئی سابقہ، خدمات نہیں ہے تو تم یہ جواب دے سکتے ہو کہ معاویہ خلیفہ مظلوم کا ولی ہے اور خلیفہ کے خون کا بدلہ لینے کی قدرت رکھتا ہے اور تدبیر وسیاست کے لحاظ سے ممتاز ہے اور پیغمبر سے نسبت کے اعتبار سے پیغمبر کی بیوی (ام حبیبہ) کا بھائی ہے اس کے علاوہ اگر خلافت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہوگی تو سب سے زیادہ تمہارا احترام کرے گا۔

ابوموسیٰ: خدا سے ڈر، خلافت ان لوگوں کے لئے ہے جو اہل دین وفضیلت ہیں اور اگر خلافت کے لئے خاندانی شرافت معیار ہے تو قریش میں سب سے شریف علی ہیں، میں نے ہرگز پہلے مہاجرین کو نظرانداز نہیں کیا، معاویہ کو خلافت کے لئے منتخب نہیں کروں گا، یہاں تک اگر معاویہ میرے لئے خلافت سے دور ہوجائے پھر بھی میں اس کی خلافت کے لئے رائے نہیں دوں گا اگر تو چاہے تو عمر بن خطاب کا نام زندہ کریں اور عبداللہ بن عمر کو خلافت کے لئے منتخب کریں۔

عمروعاص: اگر تو عبداللہ بن عمر کی خلافت چاہتا ہے تو کیوں میرے بیٹے عبداللہ کی تائید نہیں کرتا کہ وہ ہرگز اس سے کم نہیں ہے اور اس کی سچائی اور فضیلت سب پر واضح ہے؟

ابوموسیٰ: وہ بھی اپنے باپ کی طرح اس فتنے میں شریک ہے اور خلافت کے لائق نہیں ہے۔

عمروعاص: خلافت اس کے لئے قطعی ہے جو خود بھی کھائے اور دوسرے کو بھی کھلائے اور عمر کے بیٹے میں یہ چیز موجود نہیں ہے۔

ابھی تک ہم لوگ کسی فرد پر متفق نہیں ہوئے کوئی دوسرا مشورہ دو شاید اس پر توافق ہوجائے اس کے بعد دونوں نے خفیہ طور پر جلسہ منعقد کیا جس چیز پر دونوں نے توافق کیا وہ حسب ذیل ہیں:

ابوموسیٰ: میرا نظریہ ہے کہ دونوں (علی اور معاویہ) کو خلافت سے معزول کردیں اور خلافت کا فیصلہ مسلمانوں کی شوریٰ کے حوالے کردیں، تاکہ وہ لوگ جس کو بھی چاہیں خلیفہ منتخب کریں۔

عمروعاص: میں اس نظریہ سے موافق ہوں اور ضروری ہے کہ اپنے نظریہ کو باقاعدہ طور پر اعلان کروں، ناظر اور دوسرے افراد جو حکمین کے فیصلے کے منتظر تھے سب کے سب جمع ہوگئے تاکہ ان دونوں کی گفتگو سنیں، اس وقت عمرو نے ابوموسیٰ کی بیوقوفی اور کم عقلی سے فائدہ اٹھایا اور اسے مقدم کیا کہ گفتگو کا آغاز کرے اور اپنے نظریہ کو بیان کرے، ابوموسیٰ ان تمام چیزوں سے غافل تھا کہ ممکن ہے کہ عمروعاص میری گفتگو کے بعد اس نظریہ کی جس پر دونوں نے موافقت کی تھی تائید نہ کرے لہٰذا اس نے اپنی گفتگو شروع کی اور کہا:

میں اور عمرو عاص ایک نظریہ پر متحد ہیں اور امید ہے کہ اس میں مسلمانوں کی کامیابی اور مصلحت ہوگی۔

عمرو عاص: بالکل صحیح ہے اپنی گفتگو کو جاری رکھئے۔

اس موقع پر ابن عباس ابوموسیٰ کے پاس پہنچے اور اسے متنبہ کیا اور کہا کہ اگر تم لوگ ایک ہی نظریہ پر متحد ہو تو اجازت دو کہ پہلے عمرو عاص گفتگو کرے اور پھر تم اپنے نظریہ کو بیان کرو، کیونکہ اس سے کوئی بعید نہیں ہے کہ وہ جس چیز پر متحد ہے اس کے برخلاف بیان کرے، لیکن ابوموسیٰ نے ابن عباس کے منع کرنے کے باوجود اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور کہا، چھوڑ دو، ہم دونوں نے ایک ہی نظریہ پر موافقت کی ہے اور پھر اٹھا اور کہا:

ہم لوگوں نے امت کے حالات کا جائزہ لیا اور اختلاف ختم کرنے اور پھر سے متحد ہونے کے لئے اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں دیکھا کہ علی اور معاویہ کو خلافت سے معزول کردیں اور خلافت کے مسئلے کو مسلمانوں کی شوریٰ کے حوالے کردیں تاکہ وہ لوگ جس کو چاہیں بہ عنوان خلیفہ منتخب کرلیں، اس بنیاد پر، میں نے علی اور معاویہ کو خلافت سے معزول کردیا۔

یہ جملے کہنے کے بعد وہ بیٹھ گیا پھر عمرو عاص ابوموسیٰ کی جگہ پر کھڑا ہوا اور خدا کی حمد وثناء کے بعد کہا اے لوگو، تم نے ابوموسیٰ کی گفتگو سنی اس نے اپنے امام کو معزول کردیا اور میں اس سلسلے میں اس کا موافق ہوں اور انہیں خلافت سے معزول کررہا ہوں لیکن اس کے برخلاف، میں نے معاویہ کو خلافت پر باقی رکھا ہے وہ عثمان کا ولی اور اس کے خون کا بدلہ لینے والا ہے اور خلافت کے لئے بہترین شخص ہے۔

ابوموسیٰ نے غصہ میں آکر عمرو عاص سے کہا: تو کامیاب نہیں ہوگا جو تو نے مکروفریب اور گناہ کیا ہے تیری مثال اس کتے کی ہے کہ اگر اس پر حملہ کیا جائے تو اپنا منہ کھولتا ہے اور اپنی زبان کو باہر نکالتا ہے اور اگر اسے چھوڑ دیا جب بھی وہ ویسا ہی ہے [1]

عمرو عاص: تیری بھی حالت گدھے کی طرح ہے اگرچہ اس کی پیٹھ پر بہت کتابیں ہوں [2] اس وقت عمرو کا مکروفریب سب پر ظاہر ہوگیا اور لوگ منتشر ہوگئے [3] شریح بن ہانی اپنی جگہ سے اٹھے اور زبردست تازیانہ عمرو کے سر پر مارا، عمرو عاص کا بیٹا اپنے باپ کی مدد کے لئے دوڑا اور شریح پر تازیانہ مارا اور لوگ دونوں کے درمیان میں آگئے۔ شریح بن ہانی بعد

---

[1] یہ اس آیت کریمہ کا مفہوم ہے کہ جو لوگ خدا کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں انہیں کتے سے شباہت دی جاتی ہے خدا فرماتا ہے

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ

اور اس نے خواہشات کی پیروی اختیار کرلی تو اب اس کی مثال کتے جیسی ہے کہ اس پر حملہ کرو تو بھی زبان نکالے رہے اور چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہ اس قوم کی مثال ہے جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔ (سورہ اعراف ۱۷۶)

[2] قرآن مجید کی اس آیت سے اقتباس کمثل الحمار یحمل اسفاراً (سورہ جمعہ آیت ۵)

[3] الاخبار الطوال ص ۱۹۹۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱، ص ۱۱۸۔ تاریخ طبری ج ۳، جزء ۶، ص ۳۸۔ کامل ابن اثیر ج ۳، ص ۱۶۷۔ تجارب السلف ص ۴۸۔ مروج الذہب ج ۲، ص ۴۰۸

میں یہی کہتے تھے کہ، میں بہت پشیمان ہوں کہ کیوں تازیانہ کہ جگہ پر میں نے اس کے سر پر تلوار نہیں ماری۔[1]

ابن عباس: خدا ابوموسیٰ کے چہرے کو برباد کردے میں نے اسے عمروعاص کے دھوکہ وفریب سے آگاہ کیا تھا لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی۔

ابوموسیٰ: یہ صحیح ہے کہ ابن عباس نے مجھے اس فاسق کے دھوکہ وفریب سے آگاہ کیا تھا لیکن میں نے اس پر یقین واطمینان کرلیا اور کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ میری خیرخواہی کے علاوہ میرے بارے میں کچھ کہے گا۔[2]

سعید بن قیس نے دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اگر تم لوگ سچائی پر متفق ہوجاتے تو بھی ہم لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا چہ جائیکہ تم لوگوں نے گمراہی اور ضلالت پر اتفاق واتحاد کیا، اور تم لوگوں کا نظریہ ہم حجت نہیں ہے آج بھی اسی حالت میں ہیں جیسے پہلے تھے اور سرکشوں کے ساتھ جنگ جاری رہے گی[3]۔

اس واقعہ میں سب سے زیادہ ابوموسیٰ اشعری اور اشعث بن قیس (مسئلہ حکمیت کا کھلاڑی) لعنت وملامت کے مستحق قرار پائے، ابوموسیٰ مسلسل عمروعاص کو برا بھلا کہتا رہا اور اشعث کی زبان بند ہوگئی تھی وہ بالکل خاموش تھا، آخر کار عمروعاص اور معاویہ کے ساتھیوں نے اپنا بوریا بستر باندھا اور شام کی طرف روانہ ہوگئے اور پورا واقعہ معاویہ کو تفصیل سے سنایا اور اسے خلیفہ مسلمین کے عنوان سے سلام کیا۔ ابن عباس اور شریح بن ہانی بھی کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے اور پورا ماجرا بیان کیا، لیکن ابوموسیٰ اپنی غلطیوں کی وجہ سے جو اس نے انجام دی تھیں مکہ کی طرف روانہ ہوگیا اور وہیں رہنے لگا۔[4]

بالآخر جنگ صفین اور حاکمیت کا واقعہ ٤٥ ہزار لوگوں یا ایک قول کی بناء پر ٩٠ ہزار شامی اور ٢٠ یا ٢٥ ہزار عراقیوں کے قتل[5] کے بعد شعبان ٣٧ ہجری کو ختم ہوگیا[6] اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت اور اسلامی خلافت کے لئے مختلف مشکلیں پیدا ہوگئیں جس میں سے اکثر ختم نہ ہوسکیں۔

---

[1] تاریخ طبری ج ٣، جزء ٦، ص ٤٠۔ کامل ابن اثیر ص ١٦٨، واقعہ صفین ص ٥٤٦

[2] تاریخ طبری ج ٣، جزء ٦، ص ٤٠۔ کامل ابن اثیر ص ١٦٨، واقعہ صفین ص ٥٤٦

[3] واقعہ صفین ص ٥٤٧

[4] الاخبار الطوال ص ٢٠٠۔ کامل ابن اثیر ج ٣، ص ١٦٨۔ تجارب السلف ص ٤٩۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ١، ص ١١٨

[5] مروج الذہب ج ٢، ص ٤٠٤

[6] تاریخ طبری ج ٣، جزء ٦، ص ٤٠۔ طبری نے اس قول کو واقدی سے نقل کیا ہے اور مسعودی نے مروج الذہب (ج ٢، ص ٤٠٢) اور التنبیہ الاشراف (ص، ٢٦٥) نے بھی اسی قول کو نقل کیا ہے لیکن سب سے صحیح قول ماہ صفر ٣٧ ہجری۔ تجارب السلف ص ٥٠

بائیسویں فصل

جنگ نہروان یا قرآن کو نیزہ پر بلند کرنے کا نتیجہ

ابوسفیان کے بیٹے کی غلط سیاست اوراس کی دوسری عقل عمروعاص کی وجہ سے بہت زیادہ تلخ اورغم انگیز واقعات رونما ہوئے، اس کی پلاننگ بنانے والا پہلے ہی دن سے اس کے برے آثار سے آگاہ تھااوراپنی کامیابی کے لئے حکمیت کے مسئلہ پراسے مکمل اطمینان تھااس سیاست کو سمجھنے کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ اس بدترین سیاست کی وجہ سے دشمن نے اپنی آرزو حاصل کی، جونتیجہ اس سلسلہ میں نکلا ہے اس میں سے درج ذیل چیزوں کا نام لے سکتے ہیں:

١۔شام پر معاویہ کا قبضہ ہوگیااوراس کے تمام سرداراوراس علاقہ میں اس کے نمائندے صدق دل سے اس کے مطیع وفرماں بردار ہوگئے اوراگرکسی وجہ یا غرض کی بنا پر حضرت علی علیہ السلام سے دل لگائے ہوئے تھے تو ان کو چھوڑ کر معاویہ سے ملحق ہو گئے۔

٢۔امامؑ جو کامیابی کی آخری منزل پر تھے اس سے بہت دور ہوگئے اور پھر کامیابی حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، کیونکہ امامؑ کی فوج میں جہاد کرنے کا جذبہ ختم ہوگیا تھااوراب لوگوں کے اندرشہادت کا جوش وجذبہ نہیں تھا۔

٣۔معاویہ کی برباد ہوتی ہوئی فوج دوبارہ زندہ ہوگئی، اور وہ پھر سے جوان ہوگئی اورعراق کے لوگوں کی روح کو کمزور کرنے کے لئے اس نے لوٹ ماراور غارت گری شروع کردی تاکہ اس علاقے کا امن وچین ختم ہوجائے اورمرکزی حکومت کو کمزوراعلان کردے،

٤۔ان تمام چیزوں سے بدتر یہ کہ عراق کے لوگ دوگروہ میں بٹ گئے ایک گروہ نے حکمیت کو قبول کیااوردوسرے نے اسے کفراورگناہ سے تعبیر کیااورامامؑ کے لئے ضروری سمجھا کہ وہ اس کام سے توبہ کریں ورنہ اطاعت کی ریسمان گردن سے کھول دیں گےاوران سے معاویہ کی طرح جنگ کے لئے آمادہ ہوجائیں گے۔

٥۔ایسی فکررکھنے کے باوجود،حکمیت کے مخالفین جوایک وقت امام کے طرفداراور چاہنے والے تھے اورامامؑ نے اس گروہ کے دباؤ کی وجہ سے اپنی مرضی اوراپنے نظریے کے برخلاف حکمیت کو قبول کیا تھا حضرت کے کوفہ میں آنے کے بعدہی ان لوگوں نے حکومت وقت کی مخالفت کرنے والوں کے عنوان سے شہر چھوڑدیااورکوفہ سے دومیل کی دوری پر پڑاؤ ڈالا،ابھی جنگ صفین کے برے اثرات ختم نہ ہوئے تھے کہ ایک بدترین جنگ بنام نہروان رونما ہوگئی اور یہ سرکش گروہ اگرچہ

ظاہری طور پر نابود ہو گیا لیکن اس گروہ کے باقی لوگ اطراف وجوانب میں لوگوں کو آمادہ کرنے لگے جس کی وجہ سے ۱۹ رمضان ۴۰ ہجری کو علی علیہ السلام خوارج کی اسی سازش کی بنا پر اور محراب عبادت میں شہید ہو گئے۔

جی ہاں، امامؑ نے اپنی حکومت کے زمانے میں تین بہت سخت جنگوں کا سامنا کیا جو تاریخ اسلام میں بے مثال ہیں:

پہلی جنگ میں عہد و پیمان توڑنے والے طلحہ وزبیر نے ام المومنین کی شخصیت سے جو کہ رسول اسلام کی شخصیت کی طرح تھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خونین جنگ کھڑی کی مگر شکست کھانی پڑی۔

دوسری جنگ میں مدمقابل ابوسفیان کا بیٹا معاویہ تھا جس نے عثمان کے خون کا بدلہ لینے کا بہانہ بنایا اور سرکشی کے ذریعے مرکزی حکومت اور امام منصوص اور مہاجرین وانصار کے ذریعے چنے گئے خلیفہ کی مخالفت کی اور حق وعدالت کے راستے سے منحرف ہو گیا۔

تیسری جنگ میں جنگ کرنے والے امامؑ کے قدیمی ساتھی تھے جن کی پیشانیوں پر عبادتوں کی کثرت سے سجدوں کے نشان تھے اور ان کی تلاوتوں کی آواز ہر طرف گونج رہی تھی اس گروہ سے جنگ پہلی دو جنگوں سے زیادہ مشکل تھی، مگر امامؑ نے کئی مہینہ صبر تحمل، تقریروں اور بااثر شخصیتوں کے بھیجنے کے بعد بھی جب ان کی اصلاح سے مایوس ہو گئے اور جب وہ لوگ اسلحوں کے ساتھ میدان جنگ میں آئے تو ان کے ساتھ جنگ کی اور خود آپ کی تعبیر کے مطابق فتنہ کی آنکھ کو جڑ سے نکال دیا امامؑ کے علاوہ کسی کے اندر اتنی ہمت نہ تھی کہ ان مقدس نما افراد کے ساتھ جنگ کرتا لیکن حضرت علی علیہ السلام کا اسلام کے ساتھ سابقہ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جنگ کے میدان میں آپ کی ہجرت اور ایثار اور پوری زندگی میں زہد وتقویٰ اور مناظرہ کے میدان میں علم ودانش سے سرشار اور بہترین منطقی دلیل وغیرہ جیسی صلاحیتوں نے آپ کو وہ قدرت عطا کی تھی کہ جس کے ذریعے آپ نے فساد کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔

تاریخ اسلام میں یہ تینوں گروہ ناکثین (عہد و پیمان توڑنے والے) اور قاسطین (ظالم وستمگر اور حق سے دور ہونے والے) اور مارقین (گمراہ اور دین سے خارج ہونے والے افراد) کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ تینوں نام پیغمبر کے زمانے میں رکھے گئے تھے خود رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تینوں گروہوں کے اس طرح سے صفات بیان کئے تھے اور علی علیہ السلام اور دوسرے لوگوں سے کہا تھا کہ علی ان تینوں گروہ سے جنگ کریں گے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کام خونی جنگ اور غیب کی خبر دیتا ہے جسے اسلامی محدثین نے حدیث کی کتابوں میں مختلف مناسبتوں سے یاد کیا ہے نمونہ کے طور پر یہاں ان میں سے ایک کو ذکر کر رہے ہیں علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

أمرني رسول الله ﷺ بقتال الناكثين والقاسطين والمارقين [1]

---

[1] تاریخ بغدادی ج۸، ص۳۴۰

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ ناکثین، قاسطین اور مارقین کے ساتھ جنگ کروں۔

ابن کثیر متوفی ۷۷٤ ہجری نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کے کچھ حصے کو نقل کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام سلمہ کے گھر میں داخل ہوئے اور کچھ دیر بعد علی بھی آ گئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیوی کی طرف رخ کر کے کہا:

یا امّ سلمة هذا والله قاتلُ النّاکثين والقاسطين والمارقين من بعدی [1]

یعنی، اے ام سلمہ، یہ علی، ناکثین، قاسطین اور مارقین سے میرے بعد جنگ کرے گا۔

تاریخ اور حدیث کی کتابوں سے رجوع کرنے پر یہ حدیث صحیح اور محکم ثابت ہوئی ہے اسی وجہ سے یہاں پر مختصر کر رہے ہیں اور یاد دلاتے ہیں کہ محقق بزرگوار علامہ امینی نے اپنی کتاب الغدیر میں اس حدیث کے متعلق بیان کیا ہے اور اس کی سند اور حوالے وغیرہ کو جمع کیا ہے [2]۔

مارقین کی تاریخ شاہد ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ اپنے زمانے کی حکومتوں سے لڑتے تھے اور کسی کی حکومت کو قبول نہیں کیا نہ حاکم کو رسمی طور پر پہچانتے تھے اور نہ حکومت ہی سے کوئی واسطہ رکھتے تھے حاکم عادل اور حاکم منحرف، مثل علی علیہ السلام اور معاویہ ان کی نظروں میں برابر تھے اور ان لوگوں کا یزید و مروان کے ساتھ رویہ اور عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ رویہ برابر تھا۔

خوارج کی بنیاد

خوارج کا وجود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے مرتبط ہے یہ گروہ پیغمبر کے زمانے میں اپنی فکر اور نظریہ پیش کرتا تھا اور ایسی باتیں کرتا تھا کہ وجدان اسے تسلیم نہیں کر سکتا اور لڑائی جھگڑا ان سے ظاہر ہوتا تھا درج ذیل موارد اسی موضوع سے متعلق ہیں:

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ حنین سے حاصل ہوئے مال غنیمت کو مصلحت کی بنا پر تقسیم کر دیا اور مشرکوں میں سے جو نئے مسلمان ہوئے تھے ان کے دلوں کو اسلام کی طرف کرنے کے لئے جو بہت سالوں سے اسلام سے جنگ کر رہے تھے زیادہ مال غنیمت دیا، اس وقت حرقوص بن زہیر نے اعتراض کیا اور غیر مہذب طور سے پیغمبر سے کہا، عدالت سے کام لیجیئے۔

اس کی غیر مہذب گفتگو نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کر دیا اور اس کا جواب دیا، لعنت ہو تجھ پر اگر عدالت ہمارے پاس نہ ہوگی تو پھر کہاں ہوگی؟ عمر نے اس وقت درخواست کی کہ اسے قتل کر دیں، لیکن پیغمبر نے اس کی درخواست قبول نہیں کی اور ان کے بھیانک نتیجے کے بارے میں کہا، اسے چھوڑ دو کیونکہ اس کی پیروی کرنے والے ایسے ہوں گے جو دینی امور میں حد سے زیادہ تحقیق و جستجو کرنے والے ہوں گے اور بالکل اسی طرح کہ جس طرح سے تیر کمان سے خارج ہوتا

---

[1] البدایہ والنھایہ جزئ ۷، ج ٤، ص ۳۰٥

[2] الغدیر ج ۳، ص ۱۹٥-۱۸۸، نقد کتاب منہاج السنة

ہے وہ دین سے خارج ہوجائیں گے۔[1]

بخاری نے اپنی کتاب مولفۃ القلوب میں اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:

پیغمبر نے اس کے اور اس کے دوستوں کے بارے میں یہ کہا ہے:

یمرقون من الدین ما یمرق السّھمُ من الرّمیّۃِ[2]

پیغمبر نے لفظ مرق استعمال کیا ہے جس کے معنی پھینکنے کے ہیں کیونکہ یہ گروہ دین کے سمجھنے میں اس قدر ٹیڑھی راہوں پر چلے گئے کہ دین کی حقیقت سے دور ہوگئے اور مسلمانوں کے درمیان مارقین کے نام سے مشہور ہوگئے۔[3]

اعتراض کرنے والا حرقوص کے لئے سزاوار یہ تھا کہ شیخین کی خلافت کے زمانے میں خاموشی کو ختم کردیتا اور ان دونوں خلیفہ کے چنے جانے اور ان کی سیرت پر اعتراض کرتا، لیکن تاریخ نے اس سلسلے میں اس کا کوئی ردعمل نقل نہیں کیا ہے، صرف ابن اثیر نے کامل میں تحریر کیا ہے کہ اہواز کی فتح کے بعد حرقوص خلیفہ کی طرف سے اسلامی فوج کا سردار معین تھا اور عمر نے اہواز اور ورق کے بعد جو اسے خط لکھا اس کی عبارت بھی ذکر کی ہے[4] طبری نقل کرتے ہیں کہ ۳۵ ہجری میں حرقوص بصریوں پر حملہ کرکے، عثمان کی حکومت میں مدینہ آگیا اور مصر اور کوفہ کے لوگوں کے ساتھ خلیفہ کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔[5]

اس کے بعد سے تاریخ میں اس کے نام ونشان کا پتہ نہیں ملتا اور اس وقت جب حضرت علی علیہ السلام نے چاہا کہ ابوموسیٰ کو فیصلہ کرنے کے لئے بھیجیں، تو اس وقت اچانک حرقوص زرعہ بن نوح طائی کے ساتھ امام کے پاس آیا اور دونوں کے درمیان سخت بحث ومباحثہ ہوا جسے ہم ذکر کررہے ہیں۔

حرقوص: وہ غلطیاں جو تم نے انجام دی ہیں اس کے لئے توبہ کرو اور حکمین کو قبول نہ کرو اور ہمیں دشمن سے جنگ کرنے کے لئے میدان میں روانہ کروتا کہ ان کے ساتھ جنگ کریں اور شہید ہوجائیں۔

امامؑ: جب حکمین کا مسئلہ طے ہورہا تھا اس وقت میں نے اس کے بارے میں تم کو بتایا تھا لیکن تم نے میری مخالفت کی اور اب جب کہ ہم نے عہد و پیمان کرلیا ہے تو مجھ سے واپس جانے کی درخواست کررہے ہو؟ خداوند عالم فرماتا ہے

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ

---

[1] سیرہ ابن ہشام ج۲، ص۴۹۷

[2] صحیح بخاری

[3] التنبیہ والرد۔ ملطی ص۵۰

[4] کامل ج۲، ص۵۴۵۔ مطبوعہ دار صادر

[5] تاریخ طبری ج۳، ص۳۸۶ مطبوعہ الاعلمی

كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ [1]

خدا کے عہد و پیمان، جب تم نے وعدہ کرلیا ہے تو اس کو وفا کرو اور جو تم نے قسمیں کھائی ہیں ان کو نہ توڑو، جب کہ تم نے اپنی قسموں پر خدا کو ضامن قرار دیا ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے۔

حرقوص: یہ ایسا گناہ ہے کہ ضروری ہے کہ اس سے توبہ کرو۔

امامؑ: یہ گناہ نہیں ہے بلکہ فکر و عمل میں ایک قسم کی سستی ہے کہ تم لوگوں کی وجہ سے مجھ پر آپڑی ہے اور میں نے اسی وقت تم کو اس کی طرف متوجہ کیا تھا اور اس سے روکا تھا۔

زرعہ بن نوح طائی: اگر حکمیت سے باز نہیں آئے تو خدا اور اس کی مرضی حاصل کرنے کیلئے تم سے جنگ کریں گے!

علی علیہ السلام: بے چارہ بدبخت، تمہارے مردہ جسم کو میدان جنگ میں دیکھ رہا ہوں گا کہ ہوا اس پر مٹی ڈال رہی ہے،

زرعہ: میں چاہتا ہوں کہ ایسا ہی ہو۔

علی علیہ السلام: شیطان نے تم دونوں کو گمراہ کردیا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام سے حرقوص کی غیر مہذب اور احمقانہ باتیں اس کے برخلاف ہیں کہ اسے ایک معمولی مسلمان سمجھیں، جبکہ وہ مفسرین اسلامی [2] کی نظر میں منافقوں میں سے ہے اور یہ آیت اس کی شان میں نازل ہوئی ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ۔ [3]

منافقوں میں سے بعض غنیمت تقسیم کرنے کے بارے میں تم پر اعتراض کرتے ہیں اگر ان کو کچھ حصہ دیدیا جائے تو وہ راضی ہوجائیں گے اور اگر محروم ہوجائیں تو اچانک غصہ ہوجائیں گے۔

خوارج کا دوسرا اہم فرد

خوارج کا ایک فرد ذوالثدیہ کا ہے اور رجال کی کتابوں میں اس کا نام نافع ذکر ہوا ہے اکثر محدثین کا خیال یہ ہے کہ حرقوص جو ذوالخویصرہ کے نام سے مشہور ہے وہی ذوالثدیہ ہے لیکن شہرستانی نے اپنی کتاب ملل ونحل میں اس کے برخلاف نظریہ پیش کیا ہے وہ کہتے ہیں:

---

[1] سورۂ نحل آیت ۹۱

[2] مجمع البیان ج ۳، ص ۴۰

[3] سورۂ توبہ آیت ۵۸

اَوَّلُهم ذوالخویصرہ وآخرُھم ذوالثدیہ [1]

جب کہ پیغمبر پر دونوں کے اعتراض کا طریقہ ایک ہی تھا اور دونوں نے مال غنیمت بانٹنے پر پیغمبر سے کہا تھا عدالت کرو اور آپ نے دونوں کو ایک جواب دیا تھا [2] غالباً تصور یہ ہے کہ یہ دونام ایک ہی شخص کے ہیں لیکن تاریخ میں ذوالثدیہ کی جو صفت بیان کی گئی ہے اور جو پیغمبر کی زبان پر آیا ہے ہرگز اس طرح ذوالخویصرہ کے بارے میں وارد نہیں ہوا ہے۔

ابن کثیر جس نے مارقین سے متعلق تمام آیتوں اور روایتوں کو جمع کیا ہے اس کے بارے میں کہتا ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کچھ گروہ دین سے اس طرح خارج ہوں گے جس طرح تیر کمان سے نکلتا ہے اور دوبارہ واپس نہیں آتے اور اس گروہ کی نشانی یہ ہے کہ ان لوگوں کے درمیان کالے رنگ کے آدمی جس کے ہاتھ ناقص ہوں گے اس کے آخر میں گوشت کا ٹکڑا عورت کے پستان کی طرح اور جاذب ہوگا پر کشش [3]۔ امام نے جنگ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حکم دیا کہ ذوالثدیہ کی لاش کو قتل ہوئے لوگوں میں تلاش کریں اور اس کے کٹے ہوئے ہاتھ کے بارے میں تحقیق کریں جس وقت اس کی لاش لے کر آئے تو اس کا ہاتھ اسی طرح تھا جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

خوارج کے درمیان مختلف اعتقادی فرقے

خوارج نے سب سے پہلے حکمیت کے مسئلہ پر امامؑ کی مخالفت کی اور اسے قرآن مجید کے خلاف شمار کیا اس سلسلے میں کوئی دوسری علت نہ تھی لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہی واقعہ ایک عقیدتی مذہب کی صورت میں ابھر کر سامنے آگیا اور اس کے اندر مختلف شعبے اور فرقے وجود میں آگئے اور محکّمہ کے علاوہ بہت سے دوسرے فرقے وجود میں آگئے مثلاً، ازارقہ، نجدات، بیہسیہ، عجاردہ، ثعالبہ، اباضیّہ اور صفریّہ۔ یہ تمام گروہ زمانے کے ساتھ ختم ہوگئے لیکن صرف فرقہ اباضیّہ (عبداللہ بن اباض کا پیرو جس نے مروانیوں کی حکومت کے آخر میں خروج کیا) باقی بچا ہے جو خوارج کے معتدل لوگوں میں شمار ہوتا ہے اور عمان، خلیج فارس اور مغرب مثلاً الجزایر وغیرہ میں منتشر ہوہے۔

خوارج کی تاریخ، جنگ نہروان کے علاوہ بھی تمام اسلامی مؤرخین کے نزدیک قابل توجہ رہی ہے اور اس سلسلے میں طبری نے اپنی تاریخ میں مبرد نے کامل میں اور بلاذری نے انساب میں اور۔۔۔۔ خوارج کے سلسلے میں تمام واقعات کو نقل کیا ہے اور ان واقعات نقلی تاریخ کی صورت میں ذکر کیا ہے۔ آخری زمانے کے مورخین نے چاہے وہ اسلامی ہوں یا غیر

---

[1] الملل والنحل ج۱ ص۱۱۶۔ لیکن اس نے اسی کتاب کے ص ۱۱۵ پر دونوں کو ایک شمار کیا ہے اور کہتا ہے کہ حرقوص بن زہیر مشہور بہ بذی الثدیہ

[2] کامل مبرد ج۳ ص۹۱۹ مطبوعہ حلبی۔

[3] سیرت ابن ہشام ج۲ ص۴۹۶

اسلامی، اس سلسلے میں متعدد تنقیدی وتجزیاتی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ تلخیص تاریخ الخوارج: مؤلف محمد شریف سلیم، ۱۳۴۲ہجری، قاہرہ سے شائع ہوئی۔

۲۔ الخوارج فی الاسلام: مؤلف عمر ابوالنصر، ۱۹۴۹عیسوی، بیروت سے شائع ہوئی۔

۳۔ وقعۂ النہروان: مؤلف خطیب ہاشمی، ۱۳۷۲ہجری، تہران سے شائع ہوئی۔

۴۔ الخوارج فی العصر الاموی: مؤلف ڈاکٹر نایف محمود جو دو مرتبہ بیروت سے شائع ہوئی۔ دوسری مرتبہ کی تاریخ ۱۴۰۱ہجری ہے۔

مستشرقین میں سے بھی کچھ لوگوں نے اس موضوع کی طرف توجہ دی ہے اور مختصر کتابیں تحریر کی ہیں۔ مثلاً:

۵۔ الخوارج والشیعہ: جرمنی مؤلف فلوزن نے ۱۹۰۲ء میں جرمنی زبان میں لکھا ہے عبدالرحمٰن بدوی نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

۶۔ ادب الخوارج: یہ زہیر قلماوی کے ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۰ئ ایم اے کی تحقیق (تھیسیس) تک ہے قلماوی نے اس تحقیق میں خوارج کے بہت سے شاعروں کا تذکرہ کیا ہے مثلاً عمران بن حطان یہ کتاب ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

میں نے (اس کتاب کے مؤلف نے) خوارج کے واقعات کی تحقیق وتنقید میں اسلام کی اصل کتابوں سے رجوع کیا ہے اور ایک خاص طریقے سے جیسا کہ اسلامی تاریخ میں تحقیق وتنقید کا رواج ہے موضوعات کو تحریر کیا ہے خود کو ان کتابوں کی طرف رجوع کرنے سے بے نیاز نہیں سمجھتا۔

خوارج کا بدترین مظاہرہ

لفظ ''خوارج'' بہت زیادہ استعمال ہونے والے لفظوں میں سے ہے اور علم تاریخ اور علم کلام کی بحثوں میں بہت زیادہ استعمال ہوا ہے اور عربی لغت میں یہ لفظ حکومت پر شورش وحملہ کرنے والوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور خوارج ایسے گروہ کو کہتے ہیں جو حکومت وقت پر کے خلاف ھنگامہ کھڑا کرے اور اسے قانونی نہ جانے، لیکن علم کلام اور تاریخ کے علماء کی اصطلاح میں امامؑ کے سپاہیوں میں سے نکلے ہوئے گروہ کو کہتے ہیں جنہوں نے ابوموسیٰ اشعری اور عمرو عاص کی حکمیت کو قبول کرنے کی وجہ سے اپنے کو امامؑ سے جدا کرلیا اور اس جملے سے اپنا نعرہ قرار دیا ان الحکم الا للّٰہ اور یہ نعرہ ان کے درمیان باقی رہا اور اسی نعرہ کی وجہ سے علم ملل ونحل میں انہیں محکمہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

امامؑ نے حکمیت قبول کرنے کے بعد مصلحت سمجھی کہ میدان صفین کو چھوڑ دیں اور کوفہ واپس چلے جائیں اور ابوموسیٰ اور عمرو عاص کے فیصلے کا انتظار کریں، حضرت جس وقت کوفہ پہنچے تو اپنی فوج کے کئی باغی گروہ سے روبرو ہوئے، آپ اور آپ کے جانبازوں نے مشاہدہ کیا کہ بہت سے سپاہیوں نے جن کی تعداد بارہ ہزار لوگوں پر مشتمل تھی کوفہ میں آنے سے پرہیز کیا اور

حکمیت کے قبول کرنے کی وجہ سے بعنوان اعتراض کوفہ میں آنے کے بجائے حرورائ نامی دیہات کی طرف چلے گئے اور ان میں سے بعض لوگوں نے نخیلہ کی چھاؤنی میں پڑاؤ ڈالا۔ حکمیت، جسے خوارج نے عثمان کا پیراہن بنا کر امامؑ کے سامنے لٹکایا تھا، وہی موضوع تھا کہ ان لوگوں نے خود اس دن، جس دن قرآن کو نیزہ پر بلند کیا گیا تھا، امامؑ پر اسے قبول کرنے کے لئے بہت زیادہ دباؤ ڈالا تھا یہاں تک کہ قبول نہ کرنے کی صورت میں آپ کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد اپنی شیطانی فکروں اور اعتراضی مزاج کی وجہ سے اپنے عقیدے سے پلٹ گئے اور اسے گناہ اور خلاف شرع بلکہ شرک اور دین سے خارج جانا اور خود توبہ کیا اور امامؑ سے کہا کہ وہ بھی اپنے گناہ کا اقرار کر کے توبہ کریں اور حکمیت کے نتیجے کے اعلان سے پہلے فوج کو تیار کریں اور معاویہ کے ساتھ جنگ کو جاری رکھیں۔

لیکن علی علیہ السلام ایسے نہ تھے کہ جو گناہ انجام دیتے اور غیر شرعی چیزوں کو قبول کرتے اور جو عہد و پیمان باندھا ہے اسے نظر انداز کر دیتے امامؑ نے اس گروہ پر کوئی توجہ نہیں دی اور کوفہ پہنچنے کے بعد پھر اپنی زندگی بسر کرنے لگے، لیکن شر پسند خوارج نے اپنے برے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مختلف کام کیے جن میں بعض یہ ہیں:

١۔ امامؑ سے خصوصی ملاقاتیں کرنا تاکہ انہیں عہد و پیمان توڑنے پر آمادہ کریں۔

٢۔ نماز جماعت میں حاضر نہ ہونا۔

٣۔ مسجد میں علی علیہ السلام کے خلاف اشتعال انگیز نعرے لگانا۔

٤۔ علی علیہ السلام اور جو لوگ صفین کے عہد و پیمان کو مانتے تھے انہیں کافر کہنا۔

٥۔ عظیم شخصیتوں کو قتل کر کے عراق میں بدامنی پیدا کرنا۔

٦۔ امامؑ کی حکومت کے مقابلے میں مسلّحانہ قیام۔

اس کے مقابلے میں امامؑ نے جو کام خوارج کے فتنے کو ختم کرنے کے لئے انجام دیا ان امور کو بطور خلاصہ پیش کر رہے ہیں:

١۔ صفین میں حکمیت کے مسئلہ پر اپنے مؤقف کو واضح کرنا اور یہ بتانا کہ آپ نے ابتداء سے ہی اس چیز کی مخالفت کی اور اس پر دستخط کرانے کے لئے زور وزبردستی اور دباؤ سے کام لیا گیا ہے۔

٢۔ خوارج کے تمام سوالوں اور اعتراضوں کا جواب اپنی گفتگو اور تقریروں میں بڑی متانت وخوش اسلوبی سے دینا۔

٣۔ اچھی شخصیتوں کو مثلاً ابن عباس کو ان لوگوں کے ذہنوں کی اصلاح اور ہدایت کے لئے بھیجنا۔

٤۔ تمام خوارج کو خوشخبری دینا کہ خاموشی اختیار کریں اگر چہ ان کی فکر و نظر تبدیل نہ ہوں تو دوسرے مسلمانوں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہوگا اور اسی وجہ سے بیت المال سے ان کا حصہ دیا گیا اور ان کے وظیفوں کو ختم نہیں کیا۔

۵۔مجرم خوارج جنہوں نے خباب اوران کی حاملہ بیوی کوقتل کیا تھا،ان کا تعاقب کرنا۔

٦۔ان کے مسلّحانہ قیام کا مقابلہ کر کے فتنہ وفساد کو جڑ سے ختم کرنا۔

یہ تمام عنوان اس حصے میں ہماری بحث کا موضوع ہیں اورخوش بختی یہ ہے کہ تاریخ نے ان تمام واقعوں کے وقوع کے وقت کو دقیق طور پر نقل کیا ہے اور ہم تمام واقعات کوطبیعی محاسبہ کے اعتبار سے بیان کریں گے۔

۱۔خصوصی ملاقاتیں

ایک دن خوارج کے دوسردار زرعہ طائی اورحرقوص امامؑ کی خدمت میں پہنچے اور بہت سخت تکرار وگفتگو جسے ہم نقل کررہے ہیں۔

زرعہ وحرقوص:لا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ

امامؑ:میں بھی کہتا ہوں:لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ

حرقوص:اپنی غلطی کی توبہ کرواورحکمیت کے مسئلے سے باز آجاؤاورہم لوگوں کومعاویہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے روانہ کرو،تاکہ اس کے ساتھ جنگ کریں اورخدا کی بارگاہ میں شہادت پاجائیں۔

امامؑ:میں نے یہی کام کرنا چاہا تھالیکن تم لوگوں نے صفین میں مجھ سے زورو زبردستی کی اورحکمیت کے مسئلہ کومجھ پر زبردستی تھوپ دیا اوراس وقت ہمارے اوران کے درمیان عہدو پیمان ہوا ہے اورہم نے اس پر دستخط بھی کئے ہیں اور کچھ شرائط کوقبول کیا ہے اوران لوگوں کووعدہ دیا ہے اورخداوندعالم فرماتا ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَھْدِ اللّٰہِ اِذَا عٰھَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰہَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ [۱]

اور جب کوئی عہد کروتو اللہ کے عہد کو پورا کرواوراپنی قسموں کوان کے استحکام کے بعد ہرگز نہ توڑو جب کہ تم اللہ کو کفیل اورنگراں بناچکے ہوکہ یقیناً اللہ تمہارے افعال کوخوب جانتا ہے۔

حرقوص:یہ کام گناہ ہے اورضروری ہے کہ آپ توبہ کریں۔

امامؑ:یہ کام گناہ نہیں ہے بلکہ تم کمزورفکر ورائے تھے(جس کا باعث خودتم لوگ تھے)اور میں نے تم لوگوں کواس سلسلے میں پہلے ہی بتایا تھااوراس کے انجام سے منع کیا تھا۔

زرعہ:خدا کی قسم اگرمردوں کی حاکمیت کوخدا کی کتاب [۲] میں (قرآن کے مطابق) ترک نہیں کیاتو خدا کی مرضی

---

[۱] سورۂ نحل آیت ۹۱

[۲] تاریخ طبری میں عبارت کتاب اللہ ہے لیکن ظاہراً دین اللہ صحیح ہے۔

کے لئے ہم تم سے جنگ کریں گے۔

امامؑ (غیظ وغضب کے عالم میں): اے بدبخت تو کتنا برا آدمی ہے بہت ہی جلد تجھے ہلاک شدہ دیکھوں گا اور ہوائیں تیرے لاشے پر چل رہی ہوں گی۔

زرعہ: میری آرزو ہے کہ ایسا ہی ہو۔

امامؑ: شیطان نے تم دونوں کی عقل چھین لیا ہے خدا کے عذاب سے ڈرو، اس دنیا میں جس چیز کے لئے جنگ کرنا چاہتے ہو اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اس وقت دونوں لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ کا نعرہ لگاتے ہوئے امام کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے [۱]۔

۲۔حکومت کی مخالفت میں نماز جماعت سے دوری

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ایک مستحب عمل ہے اور اس کی مخالفت گناہ نہیں ہے لیکن اسلام کے آغاز میں دوسرے حالات تھے اور جماعت میں مسلسل شرکت نہ کرنے کی صورت میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ حکومت وقت پر معترض اور منافق ہے، اسی وجہ سے اسلامی روایتوں میں نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے کہ فی الحال یہاں پر بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے [۲]۔

خوارج نے مسجد میں حاضری نہ دے کر اور نماز جماعت میں شریک نہ ہو کر اپنی مخالفت کو ظاہر کر دیا بلکہ جب نماز جماعت ہوتی تھی تو اشتعال انگیز نعرے لگاتے تھے۔

ایک دن امامؑ نماز پڑھ رہے تھے کہ خوارج کے ایک سردار ابن کوّاء نے اعتراض کے طور پر یہ آیت پڑھی:

وَلَقَدْ أُوْحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. [۳]

اور (اے رسول) تمہاری طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں یقینا یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر (کہیں) شرک کیا تو یقینا تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم ضرور گھاٹے میں ہو گے۔

امامؑ نے پوری سنجیدگی اور قرآن کے حکم کے مطابق وَاذَا قُرِئَ القرآنُ فَاستَمِعُوا له وأنصِتُوا لعلّكم تُرحَمون [۴] (سورہ اعراف، ۲۰٤)، خاموش رہے تا کہ ابن کوّاء آیت کو تمام کر دے، پھر آپ نے نماز پڑھی لیکن اس نے

---

[۱] تاریخ طبری: ج٤ ص٥٣

[۲] رجوع کیجئے، وسائل الشیعہ: ج٥، باب نماز جماعت، باب۱ ص۳۷۰۔

[۳] سورہ زمر آیت ٦٥

[۴] ترجمہ: (لوگوں) جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ (اسی بہانے) تم پر رحم کیا جائے۔

پھر آیت پڑھی اور امام پھر خاموش رہے، ابن کوّاء نے کئی مرتبہ یہی کام کیا اور امامؑ صبر وضبط کے ساتھ خاموش رہے، بالآخر امامؑ نے درج ذیل آیت کی تلاوت فرما کر اس کا جواب اس طرح دیا کہ نماز پر بھی کوئی اثر نہ پڑا اور اسے خاموش وسرکوب کر دیا، آیت یہ ہے:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ.[۱]

(اے رسول) تم صبر کرو بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے اور (کہیں) ایسا نہ ہو کہ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے تمہیں ہلکا بنا دیں۔[۲]

ابن کوّاء نے اس آیت کی تلاوت کر کے بڑی بے حیائی و بے شرمی سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلے مومن کو مشرک قرار دیا تھا کیونکہ غیر خدا کو حکمیت کے مسئلہ میں شریک قرار دیا تھا۔ ہم بعد میں الٰہی حاکمیت کے بارے میں تفصیل سے بحث کریں گے۔

۳۔ "لا حکمَ الا للّٰه" کا نعرہ لگانا

خوارج اپنی موجودگی کا اعلان اور امامؑ کی حکومت سے مخالفت ظاہر کرنے کے لئے مسلسل مسجد اور غیر مسجد میں لا حکم الّا للّٰہ کا نعرہ لگاتے تھے اور یہ نعرہ قرآن سے لیا تھا اور یہ درج ذیل جگہوں پر استعمال ہوا ہے:

1۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ.[۳]

حکم خدا سے مخصوص ہے اور وہ حق کا حکم دیتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

2۔ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ.[۴]

آگاہ ہو جاؤ کہ حکم صرف اسی کے لئے ہے اور وہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔

3۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ.[۵]

حکم صرف خدا سے مخصوص ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔

4۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ.[۶]

---

[۱] سورۂ روم آیت ۶۰

[۲] تاریخ طبری: ج ۴، ص ۵۴۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۲، ص ۲۲۹۔

[۳] سورہ انعام آیت ۵۷

[۴] سورہ انعام: ۶۲

[۵] سورہ یوسف: ۴۰

[۶] سورہ یوسف: ۶۷

حکم خدا سے مخصوص ہے اسی پر بھروسہ کرو اور بھروسہ کرنے والے بھی اسی پر بھروسہ کئے ہیں۔

5۔ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ.[1]

دنیا و آخرت میں تعریف اسی سے مخصوص ہے اور حکم بھی اسی کا ہے اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانا ہے۔

6۔ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ.[2]

اگر اس کے لئے شریک قرار دیا تو تم فوراً مان لیتے ہو تو اب حکم بھی اسی بزرگ و اعلیٰ خدا سے مخصوص ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان تمام آیتوں میں حکم خدا سے مخصوص ہے اور حکم کو خدا کے علاوہ کسی دوسرے سے منسوب کرنا شرک ہے لیکن دوسری آیت میں بیان ہوا ہے کہ بنی اسرائیل کو کتاب، حکم اور نبوت دیا ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ.[3]

ایک دوسری جگہ خداوند عالم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ حق کا حکم کریں۔

فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ.[4]

آپ ان لوگوں کے درمیان تنزیل خدا کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

ایک جگہ پر حضرت داؤد کو حکم دیا کہ لوگوں کے درمیان کے ساتھ فیصلہ کریں۔

فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ.[5]

کتنے رنج و افسوس کی بات ہے کہ امامؑ ایسے مٹھی بھر جاہل اور نادان گروہ سے دوچار ہوئے جو ظاہر آیات کو اپنی دستاویز قرار دیتے تھے اور معاشرے کو گمراہ اور برباد کرتے تھے۔

گروہ خوارج قرآن کا حافظ وقاری تھا لیکن پیغمبر کے فرمان کے مطابق، قرآن ان کے حلق اور سینہ سے نیچے نہیں اترا تھا، اور ان کی فکر اور سمجھ سے بہت دور تھا۔

وہ سب اس فکر میں نہ تھے کہ امامؑ اور قرآن کے واقعی مفسر یا ان کے تربیت یافتہ حضرات کی خدمت میں پہنچیں، تاکہ ان لوگوں کو قرآن کی آیتوں کے معانی و مفاہیم کے مطابق ان کی رہبری کریں اور ان لوگوں کو سمجھائیں کہ حکم کس معنی میں خدا سے مخصوص ہے کیونکہ جیسا گذر چکا ہے، حکم کے کئی معنی ہیں یا اصطلاحاً یہ کہیں کہ اس کے بہت سے ایسے موارد ہیں بطور

---

[1] سورہ قصص:۷۰

[2] سورہ غافر:۱۲

[3] سورہ جاثیہ:۱٦

[4] سورہ مائدہ:٤۸

[5] سورہ ص:۲٦

خلاصہ ہم تحریر کررہے ہیں:

۱۔عالم خلقت کی تدبیر اور خدا کے ارادے کا نفوذ[۱]

۲۔قانون سازی اور تشریع[۲]

۳۔لوگوں پر حکومت اور تسلط ایک اصل حق کے طور پر[۳]

٤۔الٰہی اصول وقوانین کے اعتبار سے لوگوں کے درمیان ہوئے اختلاف کا فیصلہ وانصاف[۴]

۵۔لوگوں کی سرپرستی، رہبری اور پیشوائی، الٰہی امانت دار کے عنوان سے[۵]

اب جبکہ ہمیں معلوم ہوا کہ حکم کے بہت سے مفاہیم ہیں یا یہ عبارت صحیح، مختلف موارد ومقامات ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ ایک آیت کے ظاہری معنی پر عمل کیا جائے اور صفین میں حکمین کا کی طرف رجوع کرنے اس کے مخالف قرار دیا جائے؟

اب اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ کون سا حکم خدا سے مخصوص ہے پھر امامؑ کے عمل کی تحقیق ہو اور اس کی موافقت یا مخالفت کو دیکھا جائے اور یہ ایسا کام ہے جس میں صبر، ضبط، تدبیر اور فکر کا ہونا ضروری ہے اور یہ کبھی بھی نعروں اور شور وغوغا سے حل نہیں ہوسکتا۔

امامؑ نے اپنے مخصوص صبر وضبط کے ساتھ اپنے بعض احتجاجات میں ان لوگوں کو آیتوں کے مقصد اور مفہوم سے روشناس کرایا، اسی وجہ سے ان لوگوں کو تسلیم ہونا پڑا لیکن ضد، ہٹ دھرمی اور دشمنی کا کوئی علاج نہیں ہے اور تمام انبیاء اور مصلحین اس کے علاج سے عاجز وناتواں رہے ہیں۔

ہم گذشتہ آیتوں کے معانی ومفاہیم تحقیق کرنے سے پہلے خوارج کی بعض اشتعال انگیز اور تند سخت مقابلوں کو یہاں نقل کررہے ہیں تاکہ اس گروہ کی سرکشی اور ہٹ دھرمی بخوبی واضح ہوجائے۔

امام کی بلند ہمتی اور خوش اخلاقی

ہر صاحب قدرت ایسے بے ادب اور بے غیرت جسور لوگوں کو جو ملک کے حاکم کو کافر اور مشرک کہتے تھے، ضرور سزا دیتا لیکن امامؑ نے تمام حاکموں کے طریقے کے برخلاف بڑی ہی بلند ہمتی اور کشادہ دلی کے ساتھ ان سب کے ساتھ روبرو ہوئے۔

---

[۱] سورۂ یوسف:۰ ٦

[۲] سورۂ انعام:۵۷

[۳] سورۂ یوسف:۰ ٤

[۴] سورۂ مائدہ:٤۹

[۵] سورۂ جاثیہ ١٦

ایک دن امامؑ خطبہ دے رہے تھے اور لوگوں کو موعظہ ونصیحت کرنے میں مصروف تھے کہ اچانک خوارج میں سے ایک شخص مسجد کے گوشہ سے اٹھا اور بلند آواز سے کہا: لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ جب وہ نعرہ لگا چکا تو دوسرا شخص اٹھا اور وہی نعرہ لگایا اس کے بعد ایک گروہ اٹھا اور وہی نعرہ لگانا شروع کر دیا۔

امامؑ نے ان کے جواب میں فرمایا: ان لوگوں کا کلام ظاہر میں تو حق ہے لیکن وہ لوگ باطل کو مراد لے رہے ہیں پھر فرمایا:

أما انّ لکم عندنا ثلاثاً ما صحبتمونا

جب تک تم لوگ ہمارے ساتھ ہو تین حق سے بہرہ مند رہو گے (اور تمہاری جسارتیں اور بے ادبیاں اس سے مانع نہیں ہوں گی کہ ہم تمہیں ان حقوق سے محروم کر دیں۔)

1. لَا نَمْنَعُکُمْ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ تَذْکُرُوْا فِیْهَا اِسْمَهٗ

تم کو مسجد میں داخل ہونے سے محروم نہیں کریں گے تاکہ تم وہاں نماز پڑھو۔

2. لَا نَمْنَعُکُمْ مِنَ الْفَیْئِ مَادَامَتْ اَیْدِیْکُمْ مَعَ اَیْدِیْنَا

تم کو بیت المال سے محروم نہیں کریں گے جب تک کہ تم ہماری مصاحبت میں ہو (اور دشمن سے نہیں ملے ہو)۔

3. لَا نُقَاتِلُکُمْ حَتّٰی تَبْدَؤُوْنَا

جب تک تم جنگ نہیں کرو گے ہم بھی تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے [1]۔

ایک دوسرے دن بھی جب امامؑ مسجد میں تقریر فرما رہے تھے کہ خوارج میں سے ایک شخص نے نعرہ لگایا اور لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کر لیا۔

امامؑ نے فرمایا:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، کَلِمَةُ حَقٍّ یُرَادُ بِهَا الْبَاطِلِ

بات تو حق ہے لیکن اس سے باطل معنی مراد لیا جا رہا ہے۔

پھر فرمایا: اگر یہ لوگ خاموش رہیں تو دوسروں کی طرح ان سے بھی پیش آؤں گا اور اگر بات کریں تو جواب دوں گا اور اگر فتنہ وفساد برپا کریں گے تو ان سے جنگ کروں گا۔

اس وقت خوارج میں سے ایک دوسرا شخص یزید بن عاصم محاربی اٹھا اور خدا کی حمد وثناء کے بعد کہا: خدا کے دین میں ذلت قبول کرنے سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، خدا کے کام میں یہ ایک ایسا دھوکہ اور ذلت ہے کہ اس کا انجام دینے والا خدا کے

---

[1] تاریخ طبری ج ۴، ص ۵۳۔

غضب کا شکار ہوتا ہے، علی مجھے قتل سے ڈراتے ہو؟

امامؑ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا (اس لئے کہ جواب جاہلان باشد خموشی) اور آئندہ کے حادثوں کا انتظار کرنے لگے۔[1]

امام کی ہدایت

امامؑ کی فوج کا ایک حصہ جو آپ کا مستحکم باز وشمار ہوتا تھا اس کے فتنہ وفساد نے امام کے لئے مشکلات کھڑی کر دیں اور یہ فتنہ دو بار اٹھا ایک مرتبہ صفین میں، فتنہ وفساد کرنے والوں کی وہاں مانگ یہ تھی کہ جنگ روک دیں اور حکمین کے فیصلے کو قبول کریں ورنہ آپ کو قتل کر دیں گے۔ دوسری مرتبہ یہ فتنہ اس وقت اٹھا کہ جب عہد و پیمان ہو گیا اور حکمیت کو اسی گروہ کی وجہ سے مان لیا جو کہ اس مرتبہ پہلے مطالبہ سے بالکل برعکس مطالبہ کر رہے تھے اور عہد و پیمان کو توڑنے اور اسے نظر انداز کرنے کے خواہاں تھے۔

ان کی پہلی خواہش نے اگر چہ امامؑ کی جیت اور فتح کو ختم کر دیا لیکن صلح کرنا ایسے حالات میں کہ امامؑ کے سادہ لوح سپاہی نہ صرف جنگ کرنے کے لئے حاضر نہ تھے بلکہ یہاں تک آمادہ تھے کہ حضرت کو قتل کر دیں، غیر شرعی کام اور عقل کے اصول وقوانین کے خلاف نہ تھا؟ اور خود امامؑ کی تعبیر کے مطابق، (جیسا کہ) آپ نے خوارج کے سرداروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: حکمین کے فیصلے کا قبول کرنا اپنے فوجیوں کے دباؤ کی وجہ سے تھا جو تدبیر میں ناتوان اور انجام کار میں کمزور تھے انہیں لوگوں کی وجہ سے مجھے قبول کرنا پڑا[2] جب کہ ان کی دوسری خواہش قرآن کے صریحاً برخلاف تھی کیونکہ قرآن تمام لوگوں کو اپنے عہد و میثاق اور پیمان کو پورا کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

اس صورت میں امامؑ کے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا کہ آپ ثابت واستوار رہیں اور فریب خوردہ افراد کو ہدایت ونصیحت کریں اور ان کو منتشر اور متفرق کرنے کی کوشش کریں، اسی وجہ سے آپ نے پہلے ہدایت کرنا شروع کیا اور جب یہ چیز مؤثر ثابت نہ ہوئی تو حالات کے مطابق دوسرے طریقے استعمال کئے مثلاً آپ نے اپنے فاضل وعالم اصحاب جو کہ مسلمانوں کے درمیان کتاب وسنت کی تعلیم کی آگاہی میں مشہور ومعروف تھے اور انہیں خوارج کی قیام گاہ بھیجا۔

ابن عباس کی دلیل اور خوارج

ابن عباس امامؑ کے حکم سے خوارج کی قیام گاہ (چھاؤنی) گئے اور ان سے گفتگو کی جسے ہم نقل کر رہے ہیں:

ابن عباس: تمہارا کیا کہنا ہے اور امیر المومنین علیہ السلام پر تمہارا کیا اعتراض ہے؟

---

[1] تاریخ طبری ج۴، ص۵۳۔

[2] ما هو ذنب لكنّه عَجز في الرّأي وضعف في الفِعل۔ تاریخ طبری ج۴ ص۵۳۔

خوارج: وہ امیر المومنین تھے لیکن جب حکمیت قبول کی تو کافر ہو گئے، انہیں چاہیے کہ اپنے کفر کا اعتراف کر کے توبہ کریں تا کہ ہم لوگ ان کے پاس واپس چلے جائیں۔

ابن عباس: ہرگز مومن کے شایان شان نہیں ہے کہ جب تک اس کا یقین اصول اسلامی میں شک سے آلودہ نہ ہو اپنے کفر کا اقرار کرے۔

خوارج: ان کے کفر کی علت یہ ہے کہ انہوں نے حکمیت کو قبول کیا۔

ابن عباس: حکمیت قبول کرنا ایک قرآنی مسئلہ ہے کہ خدا نے کئی جگہ پر اس کا تذکرہ کیا ہے، خدا فرماتا ہے:

وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ [1]

(اے ایمان لانے والو شکار کو حالت احرام میں قتل نہ کرو) اور تم میں سے جو بھی اسے عمداً قتل کرے تو اسے چاہیے کہ اسی طرح کا کفارہ چوپایوں سے دے، ایسا کفارہ کہ تم میں سے دو عادل شخص اسی جانور کی طرح کے کفارے کی تصدیق کریں۔

اگر خداوند عالم حالت احرام میں شکار کرنے کے مسئلہ میں کہ جس میں کم مشکلات ہیں، تحکیم کا حکم دے تو وہ امامت کے مسئلہ میں کیوں نہ حکم دے اور وہ بھی اس وقت جب مسلمانوں کے لئے مشکل پیش آئے اس وقت یہ حکم قابل اجراء نہ ہو؟

خوارج: فیصلہ کرنے والوں نے ان کے نظریہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا ہے۔

ابن عباس: فیصلہ کرنے والوں کا مرتبہ امامؑ کے مرتبہ وعظمت سے بلند نہیں ہے۔ جب بھی مسلمانوں کا امام غیر شرعی کام کرے تو امت کو چاہیے کہ اس کی مخالفت کرے، تو پھر اس قاضی کی کیا حیثیت جو حق کے خلاف حکم کرے؟

اس وقت خوارج لاجواب ہو گئے اور انہوں نے شکست دیکھی تو کوردل کافروں کی طرح دشمنی اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے اور ابن عباس پر اعتراض کیا اور کہا: تم اسی قریش کے قبیلے سے ہو جس کے بارے میں خدا نے کہا ہے: بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ (زخرف: ۵۸) یعنی قریش جھگڑالو گروہ ہے اور نیز خدا نے کہا ہے: وتُنذر به قوماً لدّاً (مریم: ۹۷) قرآن کے ذریعہ جھگڑالو گروہ کو ڈراؤ۔ [2]

اگر وہ لوگ حق کے طلبگار ہوتے اور کوردلی، اکڑ اور ہٹ دھرمی ان پر مسلط نہ ہوتی تو ابن عباس کی محکم و مدلل معقول باتوں کو ضرور قبول کر لیتے اور اسلحہ زمین پر رکھ کر امامؑ سے مل جاتے اور اپنے حقیقی دشمن سے جنگ کرتے، لیکن نہایت ہی افسوس ہے کہ امامؑ کے ابن عم کے جواب میں ایسی آیتوں کی تلاوت کی جو مشرکین قریش سے مربوط ہیں نہ کہ قریش کے مومنین سے۔

---

[1] سورہ مائدہ: ۹۵

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲، ص ۲۷۳۔ بحوالہ کامل مبرد (ص ۵۸۲ مطبوعہ یورپ)۔

حَکَم کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن نے ان لوگوں کو چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں بھی مثلاً گھریلو اختلاف کو حل کرنے کے لئے جائز قرار دیا ہے اور اس کے نتیجے کو دونوں طرف کے حسن نیت کو نیک شمار کیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا۔ [۱]

اور اگر تمہیں میاں بیوی کی نا اتفاقی کا خوف ہو تو مرد کے کنبہ سے ایک حَکَم اور زوجہ کے کنبہ سے ایک حَکَم بھیجو اگر یہ دونوں میں میل کرانا چاہیں گے تو خدا ان کے درمیان اس کا موافقت پیدا کردے گا، خدا تو بے شک واقف و باخبر ہے۔

یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ امت کا اختلاف تین مہینے کی شدید جنگ کے بعد میاں اور بیوی کے اختلاف سے کم ہے لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اگر امت دونوں طرف سے دو آدمیوں کے فیصلے کو قرآن و سنت کی روشنی میں چاہے تو کام انجام دیا ہے اور کفر اختیار کیا ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ توبہ کرے [۲] ان آیتوں پر توجہ کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خوارج کا مسئلۂ حکمین کو غلط کہنا سوائے ہٹ دھرمی، دشمنی اور انانیت کے کچھ نہ تھا۔

ابن عباس نے صرف ایک ہی مرتبہ احتجاج نہیں کیا بلکہ دوسری مرتبہ بھی امام علی علیہ السلام نے ان لوگوں کی ہدایت کے لئے ابن عباس کو بھیجا اور اس پر گواہ یہ ہے کہ انہوں نے پچھلے مناظرہ میں قرآنی آیتوں سے دلیلیں پیش کی تھیں، جب کہ امامؑ نے اپنی ایک گفتگو میں انہیں حکم دیا تھا کہ خوارج کے ساتھ پیغمبر کی سنت سے مناظرہ کریں، کیونکہ قرآن کی آیتوں میں بہت زیادہ احتمال اور مختلف توجیہیں کی جا سکتی ہیں اور ممکن ہے خوارج ایسے احتمال کو لیں جو ان کے لئے مفید ہو، جیسا کہ حضرت فرماتے ہیں:

لا تخاصِمهم بالقرآن، فان القرآن حمّال ذو وجوهٍ تقول ويقولون ولكن حاجهُم بالسُّنة فانّهُم لن يجدوا عنها محيصاً [۳]

خوارج کے ساتھ قرآن کی آیتوں سے مناظرہ نہ کرو کیونکہ قرآن کی آیتوں میں بہت سے وجوہ و احتمالات پائے جاتے ہیں اس صورت میں تم کچھ کہو گے اور وہ کچھ کہیں گے (اور کوئی فائدہ نہ ہوگا) لیکن سنت کے ذریعے ان پر دلیل قائم کرو تو قبول کرنے کے علاوہ کوئی راستہ ان کے پاس نہ ہوگا۔

---

[۱] سورۂ نساء آیت ۳۵

[۲] میاں اور بیوی کے اختلاف سے مربوط یہ آیت امام علیہ السلام کی دلیلوں میں بیان کی جائے گی۔

[۳] شرح نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۷۷۔

خود امامؑ کا خوارج کی چھاؤنی پر جانا

جب امامؑ عظیم اور بزرگ شخصیتوں مثلاً صعصعہ بن صوحان عبدی، زیاد بن النضر اور ابن عباس وغیرہ کو ان کے پاس ہدایت وراہنمائی کے لئے بھیجا مگر مایوس ہوئے تو خود آپ نے ارادہ کیا ان کے پاس جائیں تاکہ پوری تشریح، وضاحت کے ساتھ حکمین کے قبول کرنے کے مقدمات اور عوامل واسباب کو ان کے سامنے بیان کریں اور یہ بتائیں کہ وہ لوگ خود اس کام کے باعث بنے ہیں (مجبور کیا تھا)، شاید اس کے ذریعے تمام خوارج یا ان میں سے کچھ لوگوں کو فتنہ وفساد سے روک دیں۔

امام نے روانہ ہوتے وقت صعصعہ سے پوچھا: فتنہ وفساد کرنے والے خوارج کون سے سردار کے زیر نظر ہیں؟ انہوں نے کہا: یزید بن قیس ارجبی [1] لہٰذا امامؑ اپنے مرکب پر سوار ہوئے اور اپنی چھاؤنی سے نکل گئے اور یزید بن قیس ارجبی کے خیمے کے سامنے پہنچے اور دو رکعت نماز پڑھی پھر اپنی کمان پر ٹیک لگائی اور خوارج کی طرف رخ کر کے اپنی گفتگو کا آغاز کیا:

کیا تم سب لوگ صفین میں حاضر تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ تاکہ ہر گروہ سے اس کے مطابق گفتگو کروں۔ پھر آپ نے بلند آواز سے فرمایا: خاموش رہو شور وغل نہ کرو اور میری باتوں کو غور سے سنو، اپنے دل کو میری طرف متوجہ کرو اور جس سے بھی میں گواہی طلب کروں وہ اپنے علم وآگاہی کے اعتبار سے گواہی دے اس وقت اس سے پہلے کہ آپ ان لوگوں سے گفتگو کرتے اپنے دل کو پروردگار کی طرف متوجہ کیا اور پھر تمام لوگوں کو خدا کی طرف متوجہ کیا اور کہا:

خدایا یہ ایسی جگہ ہے کہ جو بھی اس میں کامیاب ہوا وہ قیامت کے دن بھی کامیاب ہوگا اور جو بھی اس میں محکوم مذموم ہوگا وہ اس دوسری دنیا میں بھی نابینا اور گمراہ ہوگا۔

کیا تم لوگوں نے قرآن کو دھوکہ اور فریب کے ساتھ نیزہ پر بلند کرتے وقت یہ نہیں کہا تھا کہ وہ لوگ ہمارے بھائی اور ہمارے ساتھ کے مسلمان ہیں اور اپنے گزشتہ کاموں کو چھوڑ دیا ہے اور پشیمان ہو گئے ہیں اور خدا کی کتاب کے سایہ میں پناہ لئے ہوئے ہیں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان کی بات کو قبول کریں اور ان کے غم واندوہ کو دور کر دیں؟ اور میں نے تمہارے جواب میں کہا تھا: یہ ایک ایسی درخواست ہے کہ جس کا ظاہر ایمان اور باطن دشمنی، بغض وحسد اور کینہ ہے اس کی ابتدا رحمت اور راحت اور اس کا انجام پشیمانی اور ندامت ہے۔ لہٰذا اپنے کام پر باقی رہو اپنے راستہ سے نہ ہٹو، اور دشمن سے جہاد کرنے پر دانتوں کو بھینچے رہو اور کسی بھی نعرہ باز کی طرف توجہ نہ دو، کیونکہ اگر اس سے موافقت کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ذلیل وخوار ہو جائے گا۔ بہرحال یہ کام (مسئلۂ تحکیم) میری تاکید کے برخلاف انجام پایا

---

[1] خوارج کا ایک سردار، قبیلہ یشکر بن بکر بن وائل سے۔

اور میں نے دیکھا کہ ایسا موقع تم نے دشمن کو دیدیا ہے[1]۔

ابن ابی الحدید ۳۶ ویں خطبہ کی شرح میں کہتا ہے: خوارج نے کہا: جو کچھ بھی تم نے کہا ہے وہ سب حق ہے اور بجا ہے لیکن ہم کیا کریں ہم سے تو بہت بڑا گناہ ہوگیا ہے اور ہم نے توبہ کرلیا ہے اور تم بھی توبہ کرو، امامؑ نے بغیر اس کے کہ کسی خاص گناہ کی طرف اشارہ کریں، بطور کلی کہا: اَستغفِرُ اللّٰہ من کلّ ذنبٍ اس وقت چھ ہزار لوگ خوارج کی چھاؤنی سے نکل آئے اور امامؑ کے انصار میں شامل ہوگئے اور ان پر ایمان لے آئے۔

ابن ابی الحدید اس استغفار کی توضیح میں کہتا ہے: امامؑ کی توبہ ایک قسم کا توریہ اور الحرب خُدعۃ کے مصادیق میں سے ہے۔ آپ نے ایک ایسی مجمل بات کہی جو تمام پیغمبر کہتے ہیں اور دشمن بھی اس پر راضی ہوگئے، اس کے بغیر کہ امامؑ نے گناہ کا اقرار کیا ہو۔[2]

دوست نما دشمن کی شرارت

جب خوارج اپنی چھاؤنی سے کوفہ واپس آئے تو انہوں نے لوگوں کے درمیان یہ خبر پھیلا دی کہ امام نے حکمیت قبول کرنے سے انکار کردیا ہے، اسے ضلالت و گمراہی سمجھا ہے اور ایسے وسائل آمادہ کررہے ہیں کہ لوگوں کو حکمین کی رائے کے اعلان سے پہلے معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے روانہ کریں۔

اسی دوران اشعث بن قیس جس کی زندگی اور امامؑ کے ساتھ رہنے کی روش مکمل طور پر نفاق آمیز تھی، ظاہر میں دوستانہ طور پر لیکن باطن میں معاویہ کے نفع کے لئے اس نے کام کرنا شروع کیا اور کہا: لوگ کہتے ہیں کہ امیر المومنین نے اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیا ہے اور مسئلہ حکمیت کو کفر و گمراہی سے تعبیر کیا ہے اور مدت ختم ہونے کے انتظار کو خلاف جانا ہے۔

اشعث کی گفتگو نے امامؑ کو ایسی مصیبت میں قرار دیا کہ ناچار امامؑ نے حقیقت بیان کردی اور کہا: جو شخص یہ فکر کررہا ہے کہ میں نے تحکیم کے عہد و پیمان کو توڑ دیا ہے وہ جھوٹ بول رہا ہے اور جو شخص بھی اس کو گمراہی و ضلالت سے تعبیر کررہا ہے وہ خود گمراہ ہے۔

حقیقت بیان کرنا خوارج کے لئے اتنا سخت ہوا کہ لاحکم الّا للّٰہ کا نعرہ لگاتے ہوئے مسجد سے باہر چلے گئے اور دوبارہ اپنی چھاؤنی میں واپس چلے گئے۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ امامؑ کی حکومت میں ہر طرح کا رخنہ و فساد اشعث کی وجہ سے تھا کیونکہ اگر وہ اس مسئلہ کو نہ چھیڑتا تو امامؑ حقیقت کو بیان نہ کرتے، اور خوارج جو استغفار کلی پر قناعت کئے ہوئے تھے امامؑ کی خدمت میں رہ کر معاویہ سے

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۲ ص ۲۸۰۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۲ ص ۲۸۰۔

جنگ کرتے، لیکن وہی (اشعث) سبب بنا کہ امامؑ توریہ کے پردہ کو چاک کر کے حقیقت کو واضح و آشکار کر دیں۔

خوارج کی ہدایت کی دوبارہ کوشش

مبرّد اپنی کتاب کامل میں امامؑ کا دوسرا مناظرہ نقل کرتے ہیں جو پہلے والے مناظرہ سے بالکل الگ ہے اور احتمال یہ ہے کہ یہ دوسرا مناظرہ ہے جو امامؑ نے خوارج سے کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

امامؑ: کیا تمہیں یاد ہے جس وقت لوگوں نے قرآن کو نیزے پر بلند کیا اس وقت میں نے کہا تھا کہ یہ کام دھوکہ اور فریب ہے، اگر وہ لوگ قرآن سے فیصلہ چاہتے تو میرے پاس آتے اور مجھ سے فیصلے کے لئے کہتے؟ کیا تمہاری نگاہ میں کوئی ایسا ہے جو ان دونوں آدمیوں کے مسئلۂ حکمیت کو میرے اتنا برا اور خراب کہتا؟

خوارج: نہیں۔

امامؑ: کیا تم لوگ اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ تم لوگوں نے مجھے اس کام مجبور کیا جبکہ میں اسے ہرگز نہیں چاہ رہا تھا اور میں نے مجبور ہو کر تمہاری درخواست کو قبول کیا اور یہ شرط رکھی کہ قاضیوں کا حکم اس وقت قابل قبول ہوگا جب خدا کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں؟ اور تم سب جانتے ہو کہ خدا کا حکم مجھ سے تجاوز نہیں کرے گا (اور میں امام برحق اور مہاجرین وانصار کا چنا ہوا خلیفہ ہوں)۔

عبداللہ بن کوّاء: یہ بات صحیح ہے کہ ہم لوگوں کے اصرار پر آپ نے ان دونوں آدمیوں کو دین خدا کے لئے حکم قرار دیا لیکن ہم اقرار کرتے ہیں کہ اس عمل کی وجہ سے ہم کافر ہوگئے اور اب اس سے توبہ کر رہے ہیں اور آپ بھی ہم لوگوں کی طرح اپنے کفر کا اقرار کیجئے اور اس سے توبہ کیجئے اور پھر ہم سب کو معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیجئے۔

امامؑ: کیا تم جانتے ہو کہ خدا نے میاں بیوی کے اختلاف کے بارے میں حکم دیا ہے کہ دو آدمیوں کی طرف رجوع کریں، جیسا کہ فرمایا ہے:

فابعثوا حکماً من أهلهِ وحکماً من اَهلِها؛

اور اسی طرح حالت احرام میں شکار کے قتل کا کفارہ معین کرنے کے بارے میں حکم دیا ہے کہ حَکَم (فیصلہ کرنے والے) کے عنوان سے دو عادلوں کی طرف رجوع کریں جیسا کہ فرمایا ہے:

یحکم بهِ ذوا عَدلٍ مِنکُم؛

ابن کوّاء: آپ نے اپنے نام سے امیر المومنین کا لقب مٹا کر اپنے کو حکومت سے خلع اور برکنار کر دیا۔

امامؑ: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لئے نمونہ ہیں۔ جنگ حدیبیہ میں جس وقت پیغمبر اور قریش کے درمیان صلح نامہ اس طریقے سے لکھا گیا: هذا کتاب کتبه محمّد رسولُ الله و سُهیلُ بن عَمر اس وقت قریش کے نمائندے نے

اعتراض کیا اور کہا:، اگر آپ کی رسالت کا مجھے اقرار ہوتا تو آپ کی مخالفت نہ کرتا، لہٰذا اپنے نام سے رسول اللہ کا لقب مٹا دیجیے، اور پیغمبر نے مجھ سے فرمایا: اے علی! میرے نام کے آگے سے رسول اللہ کا لقب مٹا دو، میں نے کہا: اے پیغمبر خدا ﷺ! میرا دل راضی نہیں ہے کہ میں یہ کام کروں، اس وقت پیغمبر نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنا لقب مٹا دیا اور مجھ سے مسکرا کر فرمایا: اے علی! تم بھی میری ہی طرح ایسی سرنوشت سے دوچار ہوگے۔

جب امام علیہ السلام کی گفتگو ختم ہوئی اس وقت دو ہزار آدمی جو حروراء میں جمع ہوئے تھے وہ حضرت کی طرف واپس آگئے۔ اور چونکہ وہ لوگ (خوارج) اس جگہ پر جمع ہوئے تھے اس لئے انہیں حروریّہ کہتے ہیں[1]۔

دوسرا مناظرہ

خوارج کے سلسلے میں امامؑ کی سیاست یہ تھی کہ جب تک خون ریزی نہ کریں اور لوگوں کے مال کو برباد نہ کریں اس وقت تک کوفہ اور اس کے اطراف میں آزاد زندگی بسر کر سکتے ہیں، اگر چہ روزانہ رات دن ان کے انکار کے نعرے مسجد میں گونجتے رہیں اور امام کے خلاف نعرے لگاتے ہیں اس وجہ سے امامؑ نے ابن عباس کو دوبارہ حروراء دیہات روانہ کیا، انہوں نے ان لوگوں سے کہا: تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: جتنے لوگ صفین میں موجود تھے اور حکمیت کی موافقت کی ہے وہ کوفہ سے نکل جائیں اور سب لوگ صفین چلیں اور وہاں تین دن ٹھہریں اور جو کچھ انجام دیا ہے اس کے لئے توبہ کریں اور پھر معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے شام روانہ ہوں۔

اس درخواست میں ضدر، ہٹ دھرمی اور بیوقوفی صاف واضح ہے کیونکہ اگر حکمیت کا مسئلہ برا اور گناہ ہو تو ضروری نہیں ہے کہ توبہ اسی جگہ کی جائے جہاں گناہ کیا ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ وہاں تین دن تک قیام کیا جائے! بلکہ توبہ تو صرف ایک لحمہ بھر ہی واقعی شرمندگی اور کلمہ استغفار کے ذریعہ ہو جاتی ہے۔

امامؑ نے ان کے جواب میں فرمایا: کیوں اس وقت ایسی باتیں کر رہے ہو جب کہ دو حَکَم معین کر کے بھیج دیئے گئے ہیں اور دونوں طرف کے لوگوں نے ایک دوسرے سے عہد و پیمان کر لیا ہے؟

ان لوگوں نے کہا: اس وقت جنگ طولانی ہوگئی تھی، بہت زیادہ سختی وشدت بڑھ گئی تھی، بہت زیادہ زخمی ہوگئے تھے اور ہم نے بہت زیادہ اسلحے اور سواریاں گنوا دی تھیں، اس لئے حکمیت کو قبول کیا تھا۔

امامؑ نے فرمایا: کیا جس دن شدت اور سختی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اس دن تم نے قبول کیا ہے؟ پیغمبر اسلام ﷺ نے مشرکوں کے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا، اس کا احترام کیا لیکن تم لوگ مجھ سے کہتے ہو کہ اپنے عہد و پیمان کو ختم توڑ دو!

خوارج نے اپنے اندر احساس ندامت کیا لیکن اپنے عقیدہ کے تعصب کی بنا پر ایک کے بعد ایک وارد ہوتے گئے

---

[1] کامل مبرّد: ص ٥٠٤۔ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ج ٢ ص ٢٧٥، ٢٧٤۔

اورنعرہ لگاتے رہے:

لاحکم الّا للہ ولو کرِہَ المشرکون۔

ایک دن خوارج کا ایک شخص مسجد میں داخل ہوااور وہی نعرہ لگایا (جسے ابھی ہم نے ذکر کیا ہے)، لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے اور اس نے پھر وہی نعرہ لگایا اور اس مرتبہ کہا:

لاحُکمَ الّا للہ وَلو کرِہَ ابو الحسنِ۔

امامؑ نے اس کا جواب دیا: میں ہرگز خدا کی حکومت (اور اس کے حکم) کو مکروہ تصور نہیں کرتا، لیکن تمہارے بارے میں خدا کے حکم کا منتظر ہوں۔ لوگوں نے امامؑ سے کہا: کیوں آپ نے ان لوگوں کو اتنی مہلت اور آزادی دی ہے؟ کیوں ان کو جڑ سے ختم نہیں کر دیتے؟ آپ نے فرمایا:

لا یفنُون انّھُم لفِی اصلابِ الرّجال وأرحامِ النّساء الیٰ یومِ القیامۃِ [1]

وہ لوگ ختم نہیں ہوں گے ان لوگوں کا ایک گروہ ان کے باپوں کے صلب اور ماؤں کے رحم میں باقی ہے اور یہ اسی طرح قیامت کے دن تک رہیں گے۔

---

[1] شرح حدیدی ج۲، ص۳۱۱، ۳۱۰۔

چھٹا باب

جنگ نہروان کے بعد کے واقعات اور حضرت علی علیہ السلام کی شہادت

پہلی فصل

لوٹ مار، بدامنی اور دردناک قتل عام

جنگ نہروان کی ناگہانی آفت وبلا امامؑ کے استقلال اور آپ کے باوفا ساتھیوں کی ہمت سے ختم ہوئی اور اب وہ وقت آ گیا کہ امامؑ سرکشوں سے اپنی فوج کی پاکسازی کے لئے دوسری مرتبہ اسلامی سرزمین پر امن اور راحت کو زندہ کریں، اور معاویہ اور فریب خوردہ شامیوں کی خودغرضی کو ختم کر دیں کیونکہ تمام فتنہ وفساد کی جڑ ابوسفیان کا بیٹا تھا۔

معاویہ نے عراق میں اپنے جاسوس معین کئے تھے تاکہ مسلسل ساتھ تمام واقعوں کی خبر اسے دیتے رہیں، ان میں سے بعض جاسوس علی علیہ السلام سے پرانا کینہ اور بغض وحسد رکھتے تھے مثلاً ولید بن عقبہ بھائی عمارة بن عقبہ، یہ دونوں بھائی جو بنی امیہ کے شجرۂ خبیثہ کی شاخوں میں سے تھے،، چونکہ امامؑ نے اس خبیث خاندان کے بہت سے افراد پر زبردست اور کاری ضربیں لگائی تھیں اس لئے یہ لوگ امامؑ کی دشمنی کو اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے خصوصاً ولید کا باپ جنگ بدر میں علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا تھا، ولید وہی شخص ہے جس کو قرآن نے سورہ حجرات کی چھٹی آیت میں فاسق کہا ہے اور عثمان کی حکومت کے زمانے میں امامؑ نے اسے تازیانہ مارا اور شراب پینے کی وجہ سے اس پر حد جاری کی، اس بنا پر کوئی تعجب نہیں ہے کہ اس کا بھائی عمارہ کوفہ میں معاویہ کا جاسوس ہو اور خود ولید امامؑ کی تمام جنگوں میں معاویہ کو تشویق اور ترغیب دلانے والا ہو۔

عمارہ نے معاویہ کو خط لکھا جس میں علی کے ساتھیوں کے درمیان تفرقہ واختلاف اور نہروان کے واقعہ کو تحریر کیا اور لکھا کہ بہت سے قاریان قرآن اس جنگ میں علی اور ان کے دوستوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں، اس وجہ سے ان کے درمیان اختلاف اور نااتفاقی بڑھ گئی ہے۔ اس نے ایک مسافر کے ذریعہ خط کو شام روانہ کیا۔ معاویہ نے خط پڑھا اور دونوں بھائیوں کا شکریہ ادا کیا جن میں ایک موجود تھا اور دوسرا غائب تھا[1]۔

معاویہ نے بدامنی پھیلانے، لوٹ مار کرنے اور امامؑ کے شیعوں کے قتل کے لئے مناسب موقع دیکھا، اسی وجہ سے اس نے چند گروہ حجاز، یمن اور عراق کے علاقوں میں بھیج کر ذہنی ونفسیاتی جنگ کا آغاز کر دیا وہ دھوکہ، فریب، بے گناہ افراد کا قتل، عورتوں اور محتاجوں کا مال غارت وبرباد کر کے نہ صرف امامؑ کے ذہن سے شام کو شکست دینے کا خیال نکالنا چاہ رہا تھا دیا بلکہ عملی طور پر یہ ثابت کرنا چاہ رہا تھا کہ مرکزی حکومت اپنی سرحدوں کی حفاظت نہیں کر سکتی ہے۔

---

[1] شرح نہج البلاغۂ ابن ابی الحدید: ج ۲ ص ۱۱۴، ۱۱۵ بحوالہ تاریخ۔

یہ سیاست جو حقیقت میں شیطانی سیاست تھی اس نے اپنا اثر دکھایا، معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام حکومت کے حدود میں بہت سے سنگدلوں کو بھیج کر امام علی علیہ السلام کی حکومت کے ایک ہزار آدمیوں کو قتل کرا دیا اور ان سرکش و نافرمان حملہ کرنے والوں نے بچوں اور عورتوں پر بھی رحم نہیں کیا اور جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا ان لوگوں نے عبید اللہ بن عباس کے دو بچوں کا سر لوگوں کے سامنے قلم کر دیا۔

امامؑ کی حکومت کا یہ دور تاریخ کا بہت غمگین اور دردناک دور تھا البتہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ امامؑ کے پاس دشمن کو نابود و برباد کرنے کے لئے کوئی سیاسی تدبیر یا دوسرا طریقہ نہ تھا بلکہ جو چیز مشکل تھی وہ صرف مٹھی بھر فضول اور بہانے باز، آرام طلب اور اس سے بھی بدتر وہ لوگ تھے ایسے سادہ لوح تھے کہ ہر کسی کی بات سن کر مان لیتے تھے، یہی وجہ تھی کہ امامؑ اپنے بلند و عالی ترین مقصد تک نہیں پہنچ سکے، تاریخ نے ان وحشیانہ حملوں کو بہت ہی دقیق ذکر کیا ہے اور ہم یہاں پر اسین حملوں کی ایک واضح تصویر پیش کر رہے ہیں تا کہ معاویہ کا عہد و پیمان، اسلامی اور انسانی اصولوں کی نسبت سے واضح ہو جائے۔

۱۔ ضحّاک بن قیس کی لوٹ مار

معاویہ کو خبر ملی کہ امیر المومنین شام کی طرف روانہ ہونے والے ہیں تا کہ دوبارہ جنگ کا آغاز کریں، معاویہ نے اس سلسلے میں خطوط لکھے اور اپنے نمائندوں کو شام کے تمام علاقوں میں بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو خط کے مضمون سے آگاہ کریں، شام کا ایک گروہ عراق کی طرف جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ حبیب بن مسلمہ نے ان لوگوں سے کہا: صفین سے آگے نہ بڑھنا کیونکہ ہم نے اسی جگہ پر دشمن غلبہ حاصل کیا تھا اور کامیاب ہوئے تھے لیکن عمرو عاص نے رائے دی کہ معاویہ اپنی فوج کے ساتھ عراق کی سرزمین کے اندر تک گھس جائے کیونکہ یہ کام شام کے فوجیوں کو حوصلہ اور قوت عطا کرے گا اور اہل عراق کے لئے ذلت کا باعث ہوگا معاویہ نے اس کی بات مان لی مگر کہا: شام کے لوگ صفین سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے۔ ابھی اس موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی کہ فوج کہاں قیام کرے کہ اچانک خبر ملی کہ امامؑ اور خوارج کے درمیان بہت زبردست جنگ ہوئی ہے اور وہ اپنی فوج کے سرکشوں پر کامیاب ہو گئے ہیں اور لوگوں سے کہا ہے کہ شام کی طرف روانہ ہوں لیکن ان لوگوں نے مہلت طلب کی ہے۔ پھر عمارۃ بن عقبہ بن ابی معیط کا خط پہنچا جس میں اس نے لکھا کہ علی علیہ السلام کے دوستوں میں تفرقہ و اختلاف اور فوج کے قاریوں اور عابدوں نے ان کے خلاف فساد برپا کر رکھا ہے اور ان کے درمیان شدید جنگ اور ان کی سرکوبی کے باوجود اختلاف ابھی بھی باقی ہے۔

ایسے حالات میں معاویہ نے ضحّاک بن قیس فہری کی سرداری میں تین سے چار ہزار لوگوں کو چنا اور حکم دیا کہ کوفہ جائیں اور جن قبیلوں کے لوگ امام کے مطیع و فرماں بردار ہیں انہیں غارت و برباد کر دیں اور یہ کام بہت تیزی کے ساتھ انجام دیں اس طرح سے کہ اگر کسی شہر میں بالکل صبح سویرے داخل ہوں تو اسی دن شام کو دوسرے شہر میں رہیں اور کہیں پر بھی قیام نہ

کریں کہ اپنے مقابلے والوں سے جنگ کرنی پڑے بلکہ جنگ وگریز اورلوٹ مار کرتے ہوئے اپنے کام کوجاری رکھیں۔

ضحّاک چلتے چلتے ثعلبیہ دیہات پہنچا جوعراقیوں کے مکہ جانے کا راستہ تھا اس نے حاجیوں کے مال وسامان کولوٹا اور پھر اپنا سفر جاری رکھا اور پھر عمرو بن عمیس عبداللہ بن مسعود کے بھتیجے کے روبرو ہوا اور انہیں اوران کے ساتھ بہت سے لوگوں کو قتل کردیا۔ جب حضرت علی علیہ السلام کو ضحّاک کی لوٹ مار اور قتل وغارت گری کی خبر ملی تو امامؑ منبر پر گئے اور کہا: اے لوگو!، بندہ صالح عمرو بن عمیس کی طرف جلدی جاؤ، اپنے دوستوں کی مدد کے لئے اٹھو جو دشمن کے حملے سے زخمی ہوئے ہیں، روانہ ہو جاؤ اوراپنے دشمن سے جنگ کرو اوراپنی سرحدوں کی حفاظت کروتا کہ دشمن اسے عبور نہ کر سکے، ان لوگوں نے امامؑ کی تقریر کے مقابلے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں دکھائی، جب امام نے ان کی سستی اور ناتوانی کو مشاہدہ کیا تو فرمایا: خدا کی قسم! میں حاضر ہوں کہ تم لوگوں میں سے دس آدمیوں کو معاویہ کے ایک آدمی سے بدل لوں، لعنت ہو تم پر کہ میرے ساتھ میدان میں آؤ اور مجھے بیچ میدان میں چھوڑ دو اور بھاگ جاؤ، خدا کی قسم میں بابصیرت موت سے ناخوش نہیں ہوں اوراس میں میرے لئے بہت بڑی آسائش ہے کہ تم سے اور تمہاری سختیوں سے نجات پا جاؤں گا۔[1]

امامؑ منبر سے اترے اور روانہ ہوگئے یہاں تک کہ آپ سرزمین غریبین پہنچے اور پھر حجر بن عدی کو چار ہزار فوج کا سردار بنایا اوران کے لئے علم باندھا، حجر روانہ ہوئے اور سرزمین سماوہ پہنچے اور مستقل ضحاک کی تلاش میں تھے یہاں تک کہ تدمر کے علاقہ میں اس کو پالیا۔ دونوں گروہوں کے درمیان جنگ شروع ہوگئی اور دشمن کی فوج کے ۱۹ آدمی اور علی علیہ السلام کے دو آدمی مارے گئے، ضحاک نے رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھایا اور بھاگ گیا اور صبح تک اس کا کوئی پتہ نہ تھا۔ ضحاک عراق سے بھاگنے کے بعد پیاس کی شدت سے جاں بلب ہوا، کیونکہ جس اونٹ پر اس نے پانی رکھا تھا وہ راستے میں غائب ہوگیا لیکن بالآخر اس نے اطراف میں رہنے والوں سے پانی طلب کیا اوراپنی پیاس بجھائی۔

امامؑ نے ضحاک کی لوٹ مار اور غارتگری پر ایک خطبہ دیا جس کا خلاصہ یہاں تحریر کررہے ہیں:

ایها الناس المجتمعةُ أبدانُهُم المختلفةُ أهوا ؤهُم کَلَا مُکم یوهِی الصُّمَّ الصِّلابَ وفِعلکم یُطمِعُ فیکُم الاعداءَ تقولونَ فی المجالسِ: کَیتَ و کَیتَ فاذا جَاءَ القتالُ قُلتُم حیدِی حیادِ

اے وہ لوگو! جن کے جسم یکجا اور خواہشیں مختلف ہیں تمہاری باتیں سخت پتھروں کو نرم کردیتی ہیں مگر تمہارا عمل تمہارے بارے میں دشمنوں کو لالچ دلاتا ہے اپنی مجلس میں بیٹھ کر کہتے ہو کہ یہ کرینگے وہ کرینگے اور جب جنگ کا وقت آجائے تو کہتے ہو اے جنگ دور ہو، دور ہو۔

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۹۷

... أيّ دارٍ بعد دارِكم تمنعون؟ ومع اي إمام بعدِي تقاتلون؟ المغرور والله من أ غررتموه ومن فاز بكم فقد فاز والله بالسَّهم الاخيبِ ومن رمىٰ بكم فقد رمىٰ بأفوق ناصِل

اپنا گھر چھن جانے کے بعد کس کے گھر کی حفاظت کرو گے؟ اور میرے بعد کس امام کے ساتھ رہ کر جہاد کرو گے؟، خدا کی قسم جسے تم اپنے فریب میں مبتلا کرلو وہ دھوکہ میں ہے اور جو تمہارے ذریعہ کامیاب ہونا چاہے اس کے حصے میں ناکام تیر آئے گا (جس کا کوئی انعام نہ ہو) اور جس نے تمہارے ذریعہ تیر چلایا گا اس نے (گویا) شکستہ پیکان سے نشانہ لگایا۔

خطبہ کے آخر میں فرماتے ہیں:

القوم رجال أمثالُكم، أقولاً بغير علمٍ؟ وغفلَةً من غير ورعٍ؟ وطمعاً في غير حقٍّ؟ [1]

(دشمن) لوگ (شامی) بھی تمہارے ہی جیسے مرد ہیں، کیا عقیدہ کے بغیر باتیں صحیح ہیں؟ تقوی کے بغیر غفلت صحیح ہے؟ کیا ناحق چیز میں طمع صحیح ہے؟

امامؑ کے بھائی عقیل کو ضحاک کے حملہ کی خبر ملی اور مکہ سے آپ کے پاس ہمدردی کے طور پر خط لکھا اور خط کے آخر میں لکھا کہ اگر اجازت دیں تو اپنے بچوں کے ساتھ عراق آجاؤں اور اپنے بھائی کی خوشی اور غم میں شریک رہوں کیونکہ میں اس بات پر راضی نہیں ہوں کہ حضرت کے بعد زندہ رہوں،

امامؑ نے اپنے بھائی کو جواب لکھا جو کہ آپ کا تاریخی خط ہے اور اس میں قریش کے حالات اور ان کے ظلم وستم کو اس انداز سے لکھا:

الا وان العرب قد اجمعت علىٰ حربِ اخيك اليوم اجماعَها عَلىٰ حربِ رسول الله قبل اليوم۔ فاصبحوا قد جهِلوا حقّه' وجحدوا فضله وبادروه العداوة ونصبوا له الحرب وجهدوا عليه كلَّ الجهد وجرّوا اِليه جيش الاحزاب [2]

آج عرب نے تمہارے بھائی کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے عہد کرلیا ہے جیسا کہ اس سے پہلے پیغمبر سے جنگ کرنے کے لئے عہد و پیمان باندھا تھا۔ ان لوگوں نے تمہارے بھائی کے حق سے انکار کر دیا ہے اور اس کی فضیلت کو نظر انداز کر دیا ہے اور دشمنی کرنے میں بہت جلدی کی اور پیغمبر کے زمانے میں اس کی سخت ترین محنت وں وکوششوں سے چشم پوشی کر لی ہے اور بالآخر احزاب کی فوج لے کر اس کے سامنے آگئے ہیں۔

امام کا یہ کلام اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ آپ معاویہ کے ساتھ جنگ کو پیغمبر کی ابوسفیان کے ساتھ جنگ کا سلسلہ

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۹۔ الغارات ثقفی: ج۲ ص۴۱٦۔ تاریخ طبری: ج٤ ص۱۰٤۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج۲ ص۱۱۱ تا ۱۲۵

[2] نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۹۔ الغارات ثقفی: ج۲ ص۴۱٦۔ تاریخ طبری: ج٤ ص۱۰٤۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج۲ ص۱۱۱ تا ۱۲۵

سمجھتے ہیں۔حقیقتاً جنگ احزاب عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے بہانے سے صفین میں دوبارہ برپا کی گئی۔

۲۔بسر کو حجاز و یمن بھیجنا

امامؑ نے یمن کے ایک حصے کا والی عبیداللہ بن عباس کو بنایا تھا اور ایک دوسرے حصے جند[1] کا والی سعید بن نمران کو بنایا تھا۔یمن کے مرکزی علاقہ میں کچھ ایسے گروہ تھے جو عثمان اور عثمانیوں پیروی کرتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کی حکومت سے کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے بلکہ ہمیشہ دھوکہ،فریب اور فتنہ وفساد کی فکر میں رہتے تھے جب ان لوگوں کو خوارج کے حادثہ اور امام کی فوج میں اختلاف کی خبر ملی تو مخالفت کرنے لگے یہاں تک کہ سعید بن نمران کو جند کے علاقہ سے باہر نکال دیا،ایک گروہ جو فکر کے اعتبار سے عثمانی نہ تھا وہ بھی مالیات (ٹیکس) ادا نہ کرنے کی وجہ سے فسادیوں کے ساتھ مل گیا۔

سعید بن نمران اور عبیداللہ ابن عباس نے مخالفین کے تمام حالات امامؑ کو دی۔امامؑ نے کوفہ میں یمن کی ایک عظیم شخصیت یزید بن قیس ارحبی سے مشورہ کیا اور آخر میں یہ طے ہوا کہ فتنہ وفساد برپا کرنے والوں کو خط لکھیں اور ان لوگوں کو نصیحت کریں اور پھر دوبارہ مرکزی حکومت کی اطاعت وپیروی کے لئے دعوت دیں۔

امامؑ نے خط کو یمن کے ایک آدمی کے ہمراہ جو قبیلہ ہمدان سے تھا ان لوگوں کے پاس بھیجا،امامؑ کے قاصد نے آپ کا خط ایک بہت بڑے اجتماع میں لوگوں کو سنایا،خط کا مضمون بہت تربیتی اور مؤثر تھا،لیکن مخالفین نے اطاعت وپیروی کو اس شرط پر قبول کرنے کا وعدہ کیا کہ امام عبیداللہ اور سعید کو برطرف کردیں۔

ادھر فساد کرنے والوں نے فرصت کو غنیمت جانا اور معاویہ کو چند اشعار پر مشتمل ایک خط لکھا اور اس سے درخواست کی کہ اپنا نمائندہ صنعاء اور جند روانہ کرے تاکہ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں اور اگر اس کام میں تاخیر کی تو ہم لوگ علی علیہ السلام اور ان کے مشاور یزید ارحبی کی بیعت کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔

جب فتنہ وفساد کرنے والوں کا خط معاویہ کو ملا تو اس نے طے کہ یمن اور حجاز میں قتل وغارت گری،بدامنی اور فساد کا مزید ماحول پیدا کرے،اسی وجہ سے اپنی فوج کے سب سے سنگدل سردار بُسر بن ارطاۃ کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ تین ہزار کا لشکر لے کر حجاز اور مدینہ جاؤ اور راستے میں جہاں بھی پہنچنا وہ اگر علی کے ماننے والے ہوں تو انہیں خوب گالی گلوج دینا،سب کو میری بیعت کے لئے دعوت دینا،بیعت کرنے والوں کو آزاد چھوڑ دینا اور جو لوگ بیعت نہ کریں انہیں قتل کردینا اور جہاں بھی علی کے چاہنے والے ملیں انہیں قتل کردینا۔

معاویہ نے یہ خاص طریقہ استعمال کیا جب کہ وہ خود شام میں تھا اور علی علیہ السلام سے روبرو ہوکر جنگ نہیں کی لیکن اسی

[1] یمن اس وقت تین حصوں میں تھا ایک حصہ حجاز پڑوس حضرموت اور مرکزی حصہ،صنعاء اور سب سے دور کا علاقہ جندَ کے نام سے مشہور تھا۔مراصد الاطلاع،مادہ جند۔

مقابلے کی جنگ کا نتیجہ حاصل کیا اور ولید بن عقبہ جیسے لوگ کہ جنہوں نے معاویہ کو امامؑ سے روبرو ہو کر جنگ کرنے کے لئے کہا تھا اسے بیوقوف اور احمق کہا اور وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ سیاسی تجربہ میں ماہر نہیں ہیں۔

ابن ابی الحدید نے اس سلسلے میں بہت عمدہ تبصرہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے: ولید امامؑ پر بہت غضبناک تھا کیونکہ جنگ بدر میں اس کے باپ کو مولائے کائنات نے قتل کیا تھا اور عثمان کی حکومت کے زمانے میں خود وہ امام کا تازیانہ کھا چکا تھا چونکہ اس نے بہت دنوں تک کوفہ پر حکومت کی تھی، اور آمنے سامنے ہو کر اس وقت اپنی میراث کو حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں میں دیکھ رہا تھا لہٰذا علی علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کے علاوہ کسی اور فکر میں نہ تھا۔لیکن معاویہ ولید کے برخلاف دور اندیش تھا کیونکہ اس نے صفین میں امامؑ سے جنگ کر کے تجربہ کر لیا تھا اور سمجھ گیا تھا کہ اگر اس جنگ میں قرآن کو نیزے پر بلند کرنے کا فریب نہ کیا ہوتا تو علی علیہ السلام کے ہاتھوں اپنی جان نہیں بچا سکتا تھا اور اگر دوبارہ ان سے جنگ کرتا تو ممکن تھا جنگ کے شعلوں میں جل کر راکھ ہو جائے، اسی وجہ سے اس نے مصلحت سمجھی کہ بدامنی، خوف و وحشت اور فساد برپا کر کے حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کو کمزور کرے اور امامؑ کو مجبور اور ناتواں اسلامی ملک کی رہبری کے لئے ثابت کرے[1]۔

بُسر کا سفر

بُسر تین ہزار لوگوں کے ساتھ شام سے روانہ ہوا اور جب دیر مردو کے پاس پہنچا تو اس میں سے چار سو لوگ بیماری کی وجہ سے مر گئے اور وہ ۲٦۰۰ آدمیوں کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ جس آبادی سے بھی گزرتا لوگوں کے اونٹ کو زبردستی ان سے چھین لیتا، اور خود اور اس کے فوجی اس پر سوار ہوتے تا کہ دوسری آبادی میں پہنچ جائیں پھر وہاں ان اونٹوں کو چھوڑ دیتے تھے اور اس دوسری آبادی کے اونٹوں کو لے لیتے تھے۔اسی طرح سے اپنا طولانی سفر طے کیا یہاں تک کہ مدینہ پہنچا بُسر نے مدینے میں قدم رکھتے ہی وہاں کے لوگوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور عثمان کے قتل کا واقعہ چھیڑ دیا اور کہا: تم سب عثمان کے قتل میں شریک ہو یا ان کی طرف سے بے توجہی اختیار کر کے انہیں ذلیل و خوار کئے ہو۔خدا کی قسم ایسا کام کروں گا کہ عثمان کا پورا خاندان قلبی سکون محسوس کرے گا۔

پھر دھمکیاں دینا شروع کر دیں اور لوگوں نے اس کے خوف کی وجہ سے حویطب بن عبدالعزیٰ کے گھر میں پناہ لی جو کہ اس کی ماں کے شوہر (سوتیلے باپ) کا گھر تھا اور اس کے سمجھانے کی وجہ سے بُسر کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔اس وقت سب کو معاویہ کی بیعت کی دعوت دی کچھ لوگوں نے اس کی بیعت کی لیکن اس نے صرف اس گروہ کی بیعت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مدینہ کے اہم افراد کو جو فکری اعتبار سے معاویہ کے مخالف تھے یا عراق میں علی علیہ السلام کے بہت زیادہ نزدیک تھے ان کے گھروں میں آگ لگا دی زرارہ بن حرون، رفاعہ بن رافع اور ابو ایوب انصاری کا گھر جل کر راکھ ہو گیا۔ پھر بنی مسلمہ کے سرداروں کو بلایا اور

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج۲ ص۸

ان سے پوچھا: جابر بن عبداللہ کہاں ہے؟ یا اسے حاضر کرو یا قتل ہونے کے لئے تیار ہوجاؤ، اس وقت جابر نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی ام سلمہ کے گھر میں پناہ لی تھی اور جب ام سلمہ نے پوچھا کہ کیا سوچ رہے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر بیعت نہیں کروں گا تو قتل ہوجاؤں گا اور اگر بیعت کروں تو ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہوجاؤں گا لیکن الغارات کے نقل کرنے کے مطابق جابر نے ام سلمہ کے مشورہ کے مطابق بیعت کر لی۔

جب بُسر اپنی خرابکاریوں کو مدینہ میں انجام دے چکا تو پھر مکہ کی طرف روانہ ہوا تعجب یہ ہے کہ ابوہریرہ کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا، اس نے مدینہ سے مکہ جانے میں بہت سے گروہوں کو قتل کیا ان کے مال واسباب کو لوٹ لیا اور جب مکہ کے قریب پہنچا تو امامؑ کے سردار قثم بن عباس مکہ سے باہر چلے گئے، بُسر نے مکہ میں قدم رکھتے ہی اپنے پروگرام کو جاری رکھا اور لوگوں کو گالی اور فحش دینے لگا اور سب سے معاویہ کی بیعت لی اور ان لوگوں کو معاویہ کی مخالفت کرنے سے ڈرایا کیا اور کہا: اگر معاویہ سے تم لوگوں کی مخالفت کی خبر مجھ تک پہنچی تو تمہاری نسلوں کو ختم کردوں گا اور تمہارے مال کو برباد کردوں گا اور تمہارے گھروں کو ویران کردوں گا۔

بُسر کچھ دن مکہ میں رہنے کے بعد طائف چلا گیا اور اپنی طرف سے ایک شخص کو تبالہ روانہ کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہاں حضرت علی علیہ السلام کے شیعہ رہتے ہیں اور حکم دیا کہ بغیر کسی بات اور سوال و جواب کے سب کو قتل کردینا۔

بُسر کا نمائندہ تبالہ پہنچا اور اس نے سب کو باندھ دیا، منیع نے اس سے درخواست کی کہ بُسر سے اس کے لئے امان نامہ لے آئے، اس نے منیع کی درخواست قبول کر لی، قاصد طائف روانہ ہوا اور بُسر سے ملاقات کی اور اس سے امان نامہ مانگا لیکن بُسر نے امان نامہ دینے میں اس قدر وقت لگایا کہ جب تک امان نامہ سرزمین تبالہ پہنچے سب کے سب قتل ہوجائیں۔ بالآخر منیع امان نامہ لے کر اپنی سرزمین پر اس وقت پہنچا جب کہ تمام لوگوں کو قتل کرنے کے لئے شہر کے باہر لا چکے تھے۔ ایک شخص کو وہاں آگے بڑھائے ہوئے تھے کہ اس کو قتل کریں لیکن جلاد کی تلوار ٹوٹ گئی، سپاہیوں نے ایک دوسرے سے کہا: اپنی تلواروں کو نیام سے نکالو تاکہ سورج کی گرمی سے نرم ہوجائے اور اسے ہوا میں لہراؤ، قاصد نے دور سے تلواروں کو چمکتے ہوئے دیکھا اور اپنے لباس کو ہلا کر اشارہ کیا کہ اپنا ہاتھ روک لیں شامیوں نے کہا: یہ شخص اپنے ساتھ خوشخبری لے کر آرہا ہے لہٰذا اپنا ہاتھ روک لو، قاصد پہنچ گیا اور امان نامہ کو سردار کے حوالے کیا اور اس طرح سے سب کی جان بچائی سب سے عمدہ بات یہ ہے کہ جس شخص کو قتل کے لئے حاضر کیا تھا اور تلوار ٹوٹنے کی وجہ سے اس کے قتل میں تاخیر ہوئی وہ شخص اس کا بھائی تھا۔

بُسر نے اپنا کام انجام دینے کے بعد طائف کو چھوڑ دیا اور عرب کے مشہور سیاست باز مغیرہ بن شعبہ نے اُسے کچھ دور آکر رخصت کیا، وہ یمن جاتے ہوئے راستے میں سرزمین بنی کنانہ پہنچا۔ اسے خبر ملی کہ صنعاء میں امامؑ کے والی عبیداللہ بن عباس نے اپنے دو چھوٹے بچوں کو ان کی ماں کے ساتھ وہاں چھوڑ دیا ہے، عبیداللہ نے اپنے بچوں کو بنی کنانہ کے ایک شخص کے سپرد کیا تھا۔ وہ شخص ننگی تلوار لے کر شامیوں کے پاس آیا، بُسر نے اس سے کہا: تمہاری ماں تمہارے غم میں بیٹھے، میں تمہیں

قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ میں عبیداللہ کے بچوں کو مانگ رہا ہوں، اس نے بُسر کو جواب دیا: میں ان لوگوں کی راہ میں جو میری حمایت میں ہیں قتل ہونے کے لئے تیار ہوں، یہ جملہ کہنے کے بعد شامیوں پر حملہ کیا اور بالآخر قتل ہوگیا، عبیداللہ کے چھوٹے بچوں کو قتل کرنے کے لئے لائے اور بہت ہی قساوت قلبی سے دونوں کو قتل کر دیا۔ بنی کنانہ کی ایک عورت نے فریاد بلند کی، تم لوگ مردوں کو قتل کر رہے ہو، بچوں نے کیا غلطی کی ہے؟ خدا کی قسم چھوٹے بچوں کو نہ جاہلیت اور نہ ہی اسلام کے زمانے میں قتل کیا گیا، خدا کی قسم وہ حکومت جو اپنی طاقت وقدرت بوڑھوں اور بچوں کو قتل کر کے ثابت کرتی ہے اور ناکارہ حکومت ہے، بُسر نے کہا: خدا کی قسم ہمارا ارادہ تھا کہ عورتوں کو بھی قتل کریں۔ اس عورت نے کہا: میں خدا سے دعا کرتی ہوں تو اس کام کو ضرور انجام دے۔

بُسر سرزمین کنانہ سے اور اپنے سفر کے درمیان نجران میں عبیداللہ بن عباس کے داماد عبداللہ بن عبدالمدان کو قتل کر دیا اور کہا: اے نجران کے لوگو اے عیسائیو! خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے ایسا کام کیا جس سے میں خوش نہ ہوتو میں واپس آجاؤں گا اور ایسا کام کروں گا کہ تمہاری نسلیں ختم ہو جائیں گی، تمہاری کھیتیاں برباد اور تمہارے گھر ویران ہو جائیں گے۔

پھر اپنے سفر پر روانہ ہوگیا اور راستے میں ابوکرب جو امامؑ کے شیعوں اور ہمدان کے بزرگوں میں سے تھے ان کو قتل کر دیا اور بالآخر سرزمین صنعاء پہنچا۔ امامؑ کے والی عبیداللہ بن عباس اور سعید بن نمران نے شہر کو چھوڑ دیا اور عمر وثقفی کو اپنا جانشین بنا دیا تھا۔ عبیداللہ کے جانشین نے کچھ دیر تک مقابلہ کیا لیکن آخر کار قتل ہوگیا خونریز بُسر شہر میں داخل ہوگیا اور بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا یہاں تک کہ وہ گروہ جو مآرب سے وہاں آیا تھا صرف ایک آدمی کے علاوہ سب کو قتل کر دیا۔ وہ نجات یافتہ شخص مآرب واپس چلا گیا اور کہا: میں ضعیفوں اور جوانوں کو باخبر کر رہا ہوں کہ سرخ موت تمہارا تعاقب کر رہی ہے۔

بُسر، صنعاء سے جیشان نامی علاقے کی طرف گیا۔ اس علاقے کے سبھی لوگ امامؑ کے شیعہ تھے۔ بُسر اور ان کے درمیان جنگ شروع ہوئی اور بالآخر بہت زیادہ تلفات کے بعد مغلوب اور اسیر ہوگئے اور بہت ہی دردناک طریقے سے شہید ہوئے۔ وہ دوبارہ صنعاء واپس گیا اور سو آدمیوں کو پھر اس جرم میں قتل کیا کہ ان میں سے ایک عورت نے عبیداللہ بن عباس کے بچوں کو پناہ دی تھی۔

یہ بُسر بن ارطاۃ کے ظلم وستم کا بدترین سیاہ ورق تھا جسے تاریخ نے ضبط کیا ہے۔

جب بُسر کے ظلم وستم کی خبر حضرت علی علیہ السلام کو ملی تو آپ نے اپنے عظیم سردار جاریہ بن قدامہ کو دو ہزار کا لشکر دے کر بُسر کے ظلم وستم سے مقابلہ کرنے کے لئے حجاز روانہ کیا، وہ بصرہ کی طرف سے حجاز گئے اور یمن پہنچے اور بُسر کا پیچھا کر رہے تھے یہاں تک کہ خبر ملی کہ وہ سرزمین بنی تمیم پر ہے۔ جب بُسر جاریہ کی آمد سے باخبر ہوا تو وہ ثمامہ کی طرف چلا گیا۔ جب لوگوں کو جاریہ کی آمد کی خبر ہوئی تو بُسر کے راستے میں مشکلات کھڑی کر دیں۔ لیکن وہ کسی طرح سے اپنی جان بچا کر شام پہنچ گیا اور اپنے سفر کی مکمل روداد معاویہ سے بیان کی۔ اس نے کہا: کہ میں نے سفر کی آمد ورفت میں تمہارے دشمنوں کو قتل کیا ہے، معاویہ نے

کہا: تو نے یہ کام نہیں کیا ہے بلکہ خدا نے کیا ہے!۔

تاریخ نے لکھا ہے کہ بُسر نے اس سفر میں، ۳ ہزار لوگوں کو قتل کیا اور کچھ لوگوں کو آگ میں جلا دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام ہمیشہ اس پر لعنت، ملامت کرتے تھے اور کہتے تھے: خدایا! اُسے موت نہ دینا جب تک اس کی عقل اس سے چھین نہ لینا، خدایا !بُسر، عمرو عاص اور معاویہ پر لعنت کر، اور اپنے غیض و غضب کو ان پر نازل کر۔ امامؑ کی بددعا قبول ہوئی اور زیادہ دن نہ گذرا تھا کہ بُسر دیوانہ ہو گیا اور ہمیشہ کہتا تھا: مجھے ایک تلوار دیدو تا کہ میں لوگوں کو قتل کروں، اس کے محافظین کو کچھ سمجھ میں نہ آیا تو لکڑی کی ایک تلوار اس کے ہاتھ میں دے دی اور وہ مسلسل اس تلوار سے در و دیوار پر مارتا تھا یہاں تک کہ ہلاک ہو گیا۔

بُسر کا کام مسلم بن عقبہ کی طرح تھا جو اس نے یزید کے حکم سے مدینہ میں حرّہ نامی جگہ پر انجام دیا تھا، حقیقت میں یہ باپ بیٹے (معاویہ اور یزید) نہ صرف مزاج و ذہنیت کے اعتبار سے ایک تھے بلکہ ان عاملین بھی قساوت قلبی، سنگدلی میں انہیں جیسے تھے اور ابن ابی الحدید کی تعبیر کے مطابق وَمَن اَشبَہَ اَبَاہُ فَمَا ظَلَمَ [۱]۔

اس حصہ کے آخر میں امامؑ کا وہ خطبہ جو آپ نے بُسر کے بارے میں دیا، بیان کر رہے ہیں بس کوفہ ہی میرے تصرف میں رہ گیا ہے اسی کے قبض و بسط کا اختیار میرے ہاتھ میں ہے اور اے کوفہ!

اگر تو ایسا اور تجھ میں بھی مخالفت کی آندھیاں چلتی رہیں تو خدا تیرا برا کرے گا۔ مجھے خبر ملی ہے کہ بُسر یمن پہنچ گیا ہے اور مجھے خدا کی قسم یہ اندیشہ ہے کہ لوگ تم پر قابض ہو جائیں گے اور تم پر حکم چلائیں گے اس لئے کہ لوگ باطل پر ہوتے ہوئے بھی متحد ہیں اور تم اپنے حق پر منظم نہیں ہو (بلکہ) تم حق باتوں میں اپنے امام کی مخالفت و نافرمانی کرتے ہو اور وہ باطل میں اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں وہ اپنے ساتھی (معاویہ) کے ساتھ امانت داری کا حق ادا کرتے ہیں اور تم اپنے امام کی امانت میں خیانت کرتے ہو وہ اپنے شہروں میں امن و امان رکھتے ہیں اور تم شورش و فساد کرتے رہتے ہو، اگر میں تم میں سے کسی کو لکڑی کے ایک پیالہ کا امین بنا دوں تو ڈرتا ہوں کہ اسے دستہ سمیت لے کر بھاگ جائے گا، اے اللہ! کوفہ کے لوگوں سے میرا دل تنگ ہو گیا ہے اور ان کا بھی دل مجھ سے تنگ ہو گیا ہوں۔ میں ان سے اُکتا گیا ہوں، اور یہ مجھ سے اکتا چکے ہیں۔ تو اب ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ مجھے عطا کر دے اور میرے بدلے میں کوئی برا حاکم انہیں دیدے۔ خدایا! ان کے دلوں کو (اپنے غضب سے) اس طرح پگھلا دے جیسے پانی میں نمک گھولا جاتا ہے۔ خدا کی قسم، میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ کاش مجھے تمہارے عوض بنی فراس بنی غنم کے ایک ہزار سوار مل جائیں [۲]۔

---

[۱] الغارات: ج۲ ص ۶۲۸ تا ۵۹۱، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج۲، ص۳۔۱۸، تاریخ طبری ج۳، ص ۱۰۶۔۱۰۸، تاریخ یعقوبی: ج۱، ص ۱۸۶۔۱۸۹، کامل ابن اثیر: ج۳، ص ۳۸۳۔۳۸۵

[۲] نہج البلاغہ: خطبہ ۲۵۔

۳۔سفیان بن عوف کی لوٹ مار

سفیان بن عوف غامدی کو معاویہ کی طرف سے حکم ملا کہ ایک لشکر کے ساتھ فرات کی طرف جائے تا کہ ہیت نامی شہر جائے جو انبار شہر کے پاس ہے اور پھر وہاں سے انبار جائے۔ اگر راستے میں کوئی مقابلہ کرے تو اس پر حملہ کرے اور انہیں غارت کردے اور اگر راستے میں کسی نے مزاحمت نہ کی تو لوٹ مار کرتا ہوا شہر انبار تک جاتے اور اگر وہاں پر بھی کوئی لشکر وغیرہ نہ ہو تو مدائن تک جاتے اور پھر وہاں سے شام واپس آجاتے اور ہرگز ایک لحہ کے لئے بھی کوفہ کے قریب نہ جاتے، پھر معاویہ نے اس سے کہا: اگر تم نے انبار اور مدائن کو برباد کردیا تو گویا تم نے کوفہ کو برباد کردیا ہے اور تمہارا یہ عمل عراق کے لوگوں کو مرعوب کردے گا اور ہمارے چاہنے والوں کو خوش کردے گا اور جو لوگ ہماری مدد کرنے سے خوف زدہ ہیں وہ ہماری طرف آجائیں گے۔ سفر کے راستہ میں اگر تمہارا کوئی موافق نہ ہو تو اسے قتل کردینا اور دیہاتوں کو ویران کردینا اور ان کے مال واسباب کو مال غنیمت سمجھنا کیونکہ ان لوگوں سے مال غنیمت لینا ان لوگوں کو قتل کرنے کی طرح ہے اور یہ کام دلوں کو جلا کر راکھ کردے گا۔

سفیان کہتا ہے: میں شام کی چھاؤنی میں گیا، معاویہ نے تقریر کی اور لوگوں کو میرے ساتھ جانے کے لئے دعوت دی کچھ ہی دیر میں چھ ہزار لوگ ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے میں فرات کی طرف روانہ ہو گیا اور ہیت نامی جگہ پر پہنچا۔ وہاں کے لوگ میری آمد سے باخبر ہو گئے اور فرات کو عبور کر گئے اور میں نے بھی فرات کو عبور کیا لیکن کسی سے ملاقات نہ ہوئی۔ پھر میں صندودائ پہنچا وہاں کے لوگ بھی مجھے دیکھ کر بھاگ گئے تو میں نے ارادہ کیا کہ انبار کی طرف جاؤں وہاں کے دو آدمیوں کو میں نے قید کرلیا اور ان لوگوں سے پوچھا کہ علی کے لشکر میں کتنے فوجی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: وہ لوگ پانچ سو آدمی تھے لیکن ان میں سے کچھ لوگ کوفہ گئے ہیں اور ہمیں نہیں معلوم کہ کتنے لوگ باقی بچے ہیں شاید تقریبا دوسو لوگ باقی بچے ہوں۔ میں نے اپنے فوجیوں کو گروہ گروہ کیا اور انہیں تھوڑی دیر بعد انبار بھیجا تا کہ شہر میں ایک ایک آدمیوں سے جنگ کریں لیکن جب میں نے دیکھا کہ یہ کام زیادہ مؤثر نہیں ہے تو دوسو فوجیوں کو پیادہ روانہ کیا اور ان لوگوں سوار فوجیوں سے مدد کی۔ اس طرح امام کی فوج کے تمام افراد منتشر ہو گئے اور اس کا سردار ، ۳۰ لوگوں کے ساتھ قتل ہو گیا۔ پھر میں نے جو کچھ انبار میں تھا اسے برباد کردیا اور شام واپس آگیا۔ جب معاویہ کے پاس پہنچا تو پورا ماجرا بیان کیا، اس نے کہا: میں نے تمہارے بارے میں یہی گمان کیا تھا۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ عراق کے لوگ خوفزدہ ہو گئے اور گروہ گروہ شام کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ [1]

علی علیہ السلام کو خبر ملی کہ سفیان انبار میں داخل ہو گیا ہے اور آپ کے والی حسان بن حسان کو قتل کردیا ہے۔ حضرت غصے

---

[1] الغارات: ج ۲ ص ٤٦٤ سے ٤٧٤ تک۔ تاریخ طبری: ج ٤، ص ۱۰۳ ذ

کے عالم میں گھر سے باہر آئے اورنخیلہ چھاؤنی گئے اورلوگ بھی آپ کے پیچھے پیچھے آئے، امامؑ ایک بلند جگہ پر گئے خدا کی حمد و ثنا کی اورپیغمبر پر درود بھیجا پھر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا:

اے لوگو! جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جسے خدا نے اپنے خاص دوستوں کے لئے کھولا ہے اور یہ پرہیزگاری کالباس اللہ کی مستحکم زرہ اوردشمنوں سے بچنے کے لئے مضبوط سپر ہے اور جوشخص متنفر ہوکر اسے چھوڑ دیتا ہے خدا اسے ذلت وخواری کالباس پہنا دیتا ہے اورامتحان کی ردا اُڑھا دیتا ہے اور بدنامیوں اوررسوائیوں کے ساتھ اسے ٹھکرا دیا جاتا ہے اوراس کے دل پر بے عقلی کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور جہاد کے شرف وفضیلت کوضائع کرنے کی وجہ سے اس کا حق اس سے پھیرلیا جاتا ہے اُسے ذلت میں کردیا کیا جاتا ہے اورانصاف سے محروم کردیا جاتا ہے......

دیکھو! بنی غامد کے آدمی (سفیان بن عوف) کی فوج انبار میں داخل ہوگئی ہے اورحسان بن حسان بکری کوقتل کردیا ہے اورتمہارے فوجیوں چھاؤنی سے نکال دیا ہے۔

مجھے خبر ملی ہے کہ اس فوج کا کوئی شخص مسلمان اورذمّی عورت کے گھر گھس گیا اوراس کی پازیب، کنگن، گلے کا ہار اور گوشوارے اتارلئے اوران کے پاس اس سے حفاظت کا کوئی ذریعہ نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ انا للہ پڑھیں اوررحم وکرم کی درخواست کریں، پھر یہ لوگ لوٹ کا مال لے کرشام چلے گئے ان میں سے نہ توکوئی زخمی ہوا اورنہ کسی کا خون بہا۔ اب اگراس کے بعدکوئی مسلمان اس غم میں مرجائے تواسکی ملامت نہیں کی جاسکتی ہے بلکہ میرے نزدیک وہ اس کا حقدار ہے

پس کس قدر حیرت ہے کہ خدا کی قسم ان لوگوں کا اپنے باطل پر اتفاق کرلینا اورتمہارا حق سے منتشر ہوجانا، یہ (تمہارا کرتوت) دل کومردہ کردیتا ہے اوررنج وغم کو بڑھا دیتا ہے، تمہارا برا ہو، اورحزن وغم میں مبتلا رہو...... جب میں گرمی کے موسم میں ان کی طرف بڑھنے کے لئے حکم دیتا ہوں توتم کہتے ہو بہت سخت گرمی ہے اتنی مہلت دیجئے کہ گرمی کی شدت کم ہوجائے اور جب میں سردی کے موسم میں ان کی طرف بڑھنے کے لئے کہتا ہوں توتم کہتے ہوابھی شدید ٹھنڈک پڑ رہی ہے اتنی مہلت دیجئے کہ سردی ختم ہوجائے یہ سب سردی اورگرمی (جنگ سے) بھاگنے کے بہانے ہیں جب تم سردی اورگرمی سے بھاگتے ہوتو تلوارکودیکھ کر پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوگے،

اے مردوں کی شکل وصورت والے نامردو، تمہاری فکریں بچوں جیسی اورعقلیں پردہ نشین دلہن کی طرح ہیں، کاش میں نے نہ تمہیں دیکھا ہوتا اورنہ پہچانتا ہوتا[1]

عراق کے لوگوں کے دل میں خوف ووحشت پیدا کرنے کے لئے معاویہ نے صرف ان تینوں کوہی نہیں بھیجا تھا بلکہ دوسرے لوگوں کوبھی ایسی کارستانیوں کے لئے بھیجا تھا، مثلاً نعمان بن بشیر انصاری کوحکم دیا کہ عین التّمر پر، جوشہر فرات کے

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۲۷

غرب میں واقع ہے حملہ کرے اور اسے برباد کردے۔[1] اور یزید بن شجرہ رہاوی کو حکم دیا کہ مکہ جائے اور وہاں کے لوگوں کے مال واسباب کو برباد کردے۔[2] بالآخر یہ سازشیں اپنے نتیجہ پر پہنچ گئیں اور عراقیوں کے دل میں زبردست خوف وہراس بیٹھ گیا۔ البتہ یہ تمام غم انگیز واقعات جنگ نہروان کے بعد رونما ہوئے کہ ایک طرف سے داخلی مشکلات نے اور دوسری طرف سے خارجی مشکلات نے عراق کے لوگوں کو خصوصاً امام کے چاہنے والوں کو سخت مشکل میں ڈال دیا تھا۔ اے کاش یہ ناگوار حادثے یہیں ختم ہوجاتے لیکن دوسرے حادثوں نے بھی علی علیہ السلام کو سخت رنجیدہ کردیا اور آپ کے دل کو ملول کردیا۔ اب انہیں واقعات کو تحریر کررہے ہیں۔

[1] الغارات ج۲، ص٤٤٥
[2] الغارات ج۲، ص٥٠٤

دوسری فصل

مصر کی فتح اور محمد بن ابی بکر کی شہادت

عثمان کے قتل کے بعد شام کے علاوہ تمام اسلامی علاقے حضرت علی علیہ السلام کی حکومت میں شامل تھے، امامؑ نے ۳۶ ہجری اپنی حکومت کے پہلے سال قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر کا حاکم مقرر کیا اور مصر روانہ کیا، [۱] لیکن کچھ دنوں بعد امامؑ نے کسی وجہ سے انہیں اس منصب سے معزول کر کے اسی سال جنگ جمل کے بعد محمد ابن ابی بکر کو مصر کا حاکم معین کیا، اس سلسلے میں تاریخ نے امامؑ کے دو خط کا تذکرہ کیا ہے ایک خط حکومتی اعلان کے طور پر لکھا اور اُسے محمد بن ابی بکر کے ہاتھ میں دیا اور دوسرا جب آپ مصر میں مستقر ہو گئے تب روانہ کیا۔ دونوں خط کو مولف تحف العقول نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے [۲] اسی طرح ابواسحاق نے اپنی کتاب الغارات میں ان دونوں خطوط کو نقل کیا ہے اور تحریر کیا ہے کہ پہلا خط یکم رمضان المبارک ۳۶ ہجری کو لکھا گیا ہے۔ دوسرا خط کتاب کے آخر میں تفصیل سے نقل ہوا ہے۔ امامؑ نے اس میں اسلام کے بہت سے احکام بیان کئے ہیں۔ ہم آئندہ دوسرے خط کے متعلق تفصیل سے بحث کریں گے اور یہ بھی بیان کرینگے کہ آخر کس طرح سے یہ خط معاویہ کے ہاتھ میں پہنچا اور پھر اس کے خاندان میں ہر شخص تک دست بہ دست یکے بعد دیگرے پھرتا رہا۔

امامؑ کے پہلے خط کا ترجمہ یہ ہے:

خداوند عالم کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے، یہ فرمان خدا کے بندے علی امیر المومنین کی طرف سے محمد بن ابی بکر کے نام جب کہ انہیں مصر کی حکومت کی ذمہ داری سونپی، میرا حکم ہے کہ تقوائے الٰہی اختیار کرو، اس کی اطاعت خلوت وجلوت میں کرتے رہو، ظاہر و باطن میں اس سے ڈرو، مسلمانوں سے نرم مہربان اور بدکاروں سے سختی اور غصے سے پیش آؤ، اہل ذمہ کے ساتھ عدالت و مظلوموں کا حق دلواؤ اور ظالموں پر سختی کرو اور لوگوں کے ساتھ جتنا ممکن ہو عفو و درگزر اور اچھائی سے پیش آؤ کیونکہ خدا نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور برے لوگوں کو سزا دیتا ہے۔

میں حکم دیتا ہو کہ محمد بن ابی بکر لوگوں کو مرکزی حکومت کی اطاعت و پیروی اور مسلمانوں اتحاد کی دعوت دیں کیونکہ اس کام میں ان لوگوں کے لئے بہت زیادہ اجر و ثواب اور عافیت ہے جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور نہ اسکی حقیقت و اصل کو

---

[۱] تاریخ طبری ج ۳، ص ۴۶۲۔

[۲] تحف العقول ص ۱۷۶، ۱۷۷۔

پہچانا جاسکتا ہے۔

میں حکم دیتا ہوں کہ جس طرح سے زمین کا خراج (ٹیکس) پہلے لوگوں سے لیا جاتا تھا اسی طرح وصول کریں۔ نہ اس میں کچھ کم کریں نہ اس میں کچھ زیادہ کریں اور پھر اسے مستحقین کے درمیان جیسے پہلے تقسیم ہوتا تھا تقسیم کریں۔

میں حاکم کو حکم دیتا ہوں کہ لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آؤ اور ان کے جلسوں میں سب کو ایک نظر سے دیکھو اور اپنوں اور پیرایوں میں حق کے لحاظ سے کوئی فرق نہ کرو۔

میں اسے حکم دیتا ہوں کہ لوگوں کے امور میں حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور عدالت کو قائم کرو، خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرو اور خدا کی راہ میں ملامتگروں کی ملامت سے نہ ڈرو کیونکہ خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور تمام لوگوں کی اطاعت پر اس کی اطاعت کو مقدم کریں، والسلام۔

یہ خط عبید اللہ بن ابی رافع کے ہاتھوں، جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کیا تھا، ۱رمضان المبارک ۳۶ ہجری کو لکھا گیا۔[۱]

اس خط کی تاریخ جو قیس بن عبادہ کی معزولی سے قریب ہے اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ قیس کی حکومت بہت کم دنوں تک تھی کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام ۳۵ ہجری کے آخر میں خلیفۃ المسلمین کے عنوان سے منتخب ہوئے اور یہ خط آپ کی حکومت کے آٹھ مہینے گزر جانے کے بعد لکھا گیا، جب یہ خط محمد بن ابی بکر کے ہاتھ میں پہنچا تو وہ مصر کے لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور تقریر کی اور امامؑ کا خط پڑھ کر لوگوں کو سنایا۔

محمد بن ابی بکر نے مصر سے امام علیہ السلام کو خط لکھا اور اس میں حرام و حلال اور اسلامی سنتوں کے بارے میں سوال کیا اور حضرت سے رہنمائی کی درخواست کی۔ انہوں نے اپنے خط میں امامؑ کو لکھا:

محمد بن ابی بکر کی طرف سے خدا کے بندے امیر المومنین علیہ السلام کے نام، آپ پر درود و سلام ہو، وہ خدا کہ جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اس کا شکرگزار ہوں۔ اگر امیر المومنین علیہ السلام مصلحت سمجھیں تو مجھے ایک ایسا خط لکھیں جس میں واجبات کا تذکرہ کریں اور اسلام کے قضاوتی احکام کو لکھیں کیونکہ کچھ جیسے میں لوگ اس مسئلے میں مبتلا ہیں، خداوند عالم امیر المومنین علیہ السلام کے اجر میں اضافہ کرے۔

امامؑ نے ان کے خط کے جواب میں قضاوت کے احکام، احکام وضو، نماز کے [۲] اوقات، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، روزہ، اعتکاف کے مسائل کے متعلق بہت سے مطالب کو تحریر کیا اور پھر نصیحت کے طور پر موت، حساب اور جنت و جہنم کی خصوصیات کے متعلق مسائل تحریر کئے۔

---

[۱] الغارات ج۱، ص۲۲۴۔

[۲] الغارات ج۱، ص۲۲۴ تا ۲۵۰

مولفِ کتاب الغارت نے امامؑ کے خط کی مکمل عبارت کو اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے [1]۔

ابواسحاق ثقفی لکھتے ہیں:

جب امام کا خط محمد بن ابی بکر کے پاس پہنچا تو ہمیشہ اس کو دیکھتے تھے اور اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے جس وقت عمر و عاص کے حملے میں محمد قتل ہو گئے تو وہ تمام خطوط عمر و عاص کے ہاتھ لگ گئے، اس نے سب کو جمع کیا اور معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ تمام خطوط کے درمیان اس خط نے معاویہ کو اپنی طرف زیادہ متوجہ کیا اور وہ اس میں بہت زیادہ غور و فکر کرنے لگا، ولید بن عقبہ نے جب دیکھا کہ معاویہ بہت متعجب ہے تو اس نے کہا: حکم دو کہ اس خط کو جلا دیا جائے،

معاویہ نے کہا: خاموش رہ، اس کے بارے میں اپنا نظریہ پیش نہ کر،

ولید نے معاویہ کے جواب میں کہا، تو بھی اپنا نظریہ پیش کرنے کا حق نہیں رکھتا، کیا یہ صحیح ہے کہ لوگ یہ سمجھ جائیں کہ ابوتراب کی حدیثیں تیرے پاس ہیں اور تو ان سے درس حاصل کرتا ہے اور انہیں پڑھ کر فیصلہ کرتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر کیوں علی سے جنگ کر رہے ہو؟

معاویہ نے کہا: لعنت ہو تجھ، پر مجھے حکم دے رہا کہ ایسے علم کے خزانے کو جلا دوں؟ خدا کی قسم اس سے زیادہ جامع، محکم، واضح اور حقیقت پر مبنی علم میں نے آج تک نہیں سنا ہے۔

ولید نے اپنی بات دہرائی اور کہا: اگر علی کے علم اور قضاوت سے تجھے تعجب ہے تو کیوں اس سے جنگ کر رہے ہو؟

معاویہ نے کہا: اگر ابوتراب نے عثمان کو قتل نہ کیا ہوتا اور مسند علم پر بیٹھتے تو میں ان سے علم حاصل کرتا۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہا اور اپنے ساتھیوں پر نگاہ کی اور کہا: ہم ہرگز یہ نہیں کہیں گے کہ یہ خطوط علی کے ہیں، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ خطوط ابوبکر صدیق کے ہیں جو محمد کو وراثت میں ملے ہیں اور ہم اسی کے اعتبار سے فیصلہ کریں گے۔ اور فتوی دیں گے۔

جی ہاں، امامؑ کے خطوط ہمیشہ بنوامیہ کے خزانوں میں تھے یہاں تک کہ حکومت عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ میں آئی اور اس نے اعلان کیا کہ یہ خطوط علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی حدیثیں ہیں۔

جب علی علیہ السلام کو مصر کی فتح اور محمد کے قتل ہو جانے کے بعد خبر ملی کہ یہ خط معاویہ تک پہنچ گیا ہے تو بہت زیادہ افسوس کیا۔ عبداللہ بن سلمہ کہتا ہے: امامؑ نے ہم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے آپ کے چہرے پر افسردگی کے آثار دیکھے۔ آپ ایسا شعر پڑھ رہے تھے جس میں گزشتہ باتوں پر افسوس تھا۔ ہم نے امام سے پوچھا: اس سے آپ کا کیا مقصد ہے؟

امام نے فرمایا: میں نے محمد بن ابی بکر کو مصر کے لئے حاکم بنایا، اس نے مجھے خط لکھا کہ میں پیغمبر کی سنت سے زیادہ

---

[1] الغارات ج۱، ص ۲۲٤ تا ۲۵۰

واقفیت نہیں رکھتا لہٰذا میں نے اسے ایک ایسا خط لکھا جس میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی تشریح و وضاحت کی، مگر وہ شہید ہوگیا اور خط دشمن کے ہاتھ لگ گیا۔

امام کا والی اور بے طرف لوگ

مصر کے معزول محمد بن قیس کے زمانے میں کچھ لوگوں نے ان کی حکومت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنے کو بے طرف تعارف کرایا (یعنی کسی بھی گروہ کے ساتھ نہیں ہیں)۔ جب محمد بن ابی بکر کی حکومت کو ایک مہینہ گزر گیا تو انہوں نے بے طرف لوگوں کو دو کاموں میں اختیار دیا کہ یا تو حکومت کے ساتھ رہیں اور اس کی پیروی کرنے کا اعلان کریں، یا مصر کو چھوڑ کر چلے جائیں، ان لوگوں نے حاکم مصر سے کہا کہ ہمیں مہلت دیجئے تا کہ ہم اس کے بارے میں فکر کریں، لیکن حاکم نے ان کی باتوں کو قبول نہیں کیا، وہ لوگ بھی اپنی بات پر اَڑے رہے اور اپنا دفاع کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

حالات میں جنگ صفین شروع ہوگئی اور جب خبر ملی کہ امامؑ اور معاویہ کے درمیان حکمین قرار دیئے گئے ہیں اور دونوں فوجوں نے جنگ روک دی ہے تو اس گروہ کی جرأت حاکم پر اور زیادہ ہوگئی اور بے طرفی کی حالت سے نکل کر کھلم کھلا حکومت کی مخالفت کرنے لگے۔ حاکم نے مجبور ہو کر دو آدمیوں بنام حارث بن جمہان اور یزید بن حارث کنانی کو بھیجا تا کہ ان لوگوں کو موعظہ و نصیحت کریں، لیکن یہ دونوں اپنا وظیفہ انجام دیتے ہوئے مخالفین کے ہاتھوں قتل ہو گئے، محمد بن ابی بکر نے تیسرے آدمی کو بھیجا اور وہ بھی اس راہ میں قتل ہو گیا۔

ان لوگوں کے قتل ہونے کی وجہ سے بعض لوگ بہت جری ہو گئے اور ارادہ کیا کہ شامیوں کی طرح ہم بھی عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے لوگوں کو دعوت دیں اور چونکہ مخالفت کا ماحول پہلے سے بنا ہوا تھا لہٰذا دوسرے افراد بھی ان کے ساتھ ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ سرزمین مصر ظلم وفساد کا شکار ہوگئی اور جوان حاکم، مصر کی حکومت پر صحیح طور پر قابو نہ پا سکا۔ امیر المومنین علیہ السلام مصر کے حالات سے باخبر ہوئے اور فرمایا صرف دو آدمی ہیں جو مصر میں امن وامان بحال کر سکتے ہیں ایک قیس بن سعد جو اس سے پہلے مصر کے حاکم تھے اور دوسرے مالک اشتر آپ نے یہ بات اس وقت کہی جب مالک اشتر کو سرزمین جزیرہ کا حاکم مقرر کر چکے تھے، قیس بن سعد ہمیشہ امامؑ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے لیکن عراق میں جو فوج موجود تھی اس فوج میں اس کا رہنا ضروری تھا، اس لئے امامؑ نے مالک اشتر کو خط لکھا وہ اس وقت عراق کی وسیع ترین سرزمین نصیبین میں موجود تھے جو عراق اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اس خط میں امامؑ نے اپنے اور مصر کے حالات کے بارے میں لکھا:

امابعد، تم ان لوگوں میں سے ہو جن کی مدد ونصرت سے ہم دین کو مستحکم کرتے ہیں اور نافرمانوں کے تکبر کا قلع و قمع کرتے ہیں اور وحشت ناک راستوں کو صحیح کرتے ہیں، نے محمد ابن ابی بکر کا مصر کو حاکم مقرر کیا تھا، مگر کچھ لوگوں نے اس کی پیروی کرنے کے بجائے مخالفت کی اور وہ جوانی اور تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے ان پر کامیاب نہ ہو سکا، جتنی جلدی ہو

میرے پاس پہنچ جاؤ تا کہ جو کچھ انجام دینا ہے اس کے بارے میں تحقیق کریں، اور کسی معتبر اور قابل اعتماد شخص کو اپنا جانشین معین کردو۔

جب امامؑ کا خط مالک اشتر کو ملا تو انہوں نے شبیب بن عامر کو اپنا جانشین مقرر کر کے امامؑ کی خدمت میں آ گئے اور مصر کے ناگوار حالات سے آگاہ ہوئے۔ امام نے ان سے فرمایا جتنی جلدی ممکن ہو مصر جاؤ کیونکہ تمہارے علاوہ کسی کو اس کام کا اہل نہیں سمجھتا۔ میں تمہارے اندر جو عقل اور درایت دیکھ رہا ہوں اس کی وجہ سے مجھے کسی چیز کی تاکید کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اہم کاموں کی انجام دہی کے لئے خدا سے مدد طلب کرو اور سختی کو نرمی کے ساتھ استعمال کرو اور جتنا ممکن ہو خوش اخلاقی سے پیش آؤ اور جہاں پر صرف خشونت وسختی کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو وہاں اپنی طاقت کا استعمال کرو۔

جب معاویہ کو خبر ملی کہ امامؑ نے مالک اشتر کو مصر کا حاکم بنایا ہے تو وہ گھبرا گیا کیونکہ وہ مصر کی حکومت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر مصر کی حکومت مالک کے ہاتھوں میں آ گئی تو وہاں کے حالات محمد بن ابی بکر کے زمانے سے اس کے لئے اور بھی بدتر ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے اس نے ایک طریقہ اپنایا اور خراج دینے والوں میں سے ایک شخص سے خراج کو معاف کرنے کا وعدہ کیا اور اس کے ذریعے سے مالک اشتر کے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مصر کے لوگوں نے امام علیہ السلام سے درخواست کی کہ جتنی جلدی ہو سکے ایک دوسرا حاکم معین فرمائیں۔ امامؑ نے ان کے جواب میں لکھا:

خدا کے بندے علی امیر المومنین کی طرف سے مصر کے مسلمانوں کے نام، تم لوگوں پر سلام، اس خدا کی تعریف جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ میں نے ایسے شخص کو تمہاری طرف بھیجا ہے جس کی آنکھوں میں خوف وہراس کے دن بھی نیند نہیں، وحشت کے وقت ہرگز دشمن سے نہیں ڈرتا اور کفاروں کے لئے آگ سے زیادہ سخت ہے وہ مالک اشتر، حارث کا بیٹا اور قبیلہ مذحج سے ہے، اس کی باتوں کو سنو اور اس کے فرمان کی جب تک حق باتیں کہے پیروی کرو، وہ خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جو کند نہیں ہوتی اور اس کی ضربت خطاٗ نہیں کرتی، وہ اگر دشمن کی طرف جانے کا حکم دے تو فوراً روانہ ہو جاؤ اور اگر ٹھہرنے کا حکم دے تو ٹھہر جاؤ، اس لئے کہ اس کا حکم میرا حکم ہے میں نے اسے تمہارے پاس بھیج کر تمہارے مفاد کو اپنے مفاد پر ترجیح دی ہے اس لئے کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور تمہارے دشمن کا سخت دشمن ہوں۔ [۱]

امامؑ کا نیا نمائندہ اور حاکم لازمی ساز وسامان کے ساتھ مصر کے لئے روانہ ہوا اور جب قلزم [۲] نامی علاقے میں پہنچے جو فسطاط کی دو منزل کے فاصلہ پر ہے [۳] وہاں ایک شخص کے گھر میں قیام کیا اس شخص نے ان کی بڑی آؤ بھگت اور خاطر مدارات کی جس کی وجہ اس نے مالک اشتر کو اپنے اعتماد میں لے لیا اور پھر شہد میں زہر ملا کر شربت بنایا اور مالک اشتر کو پلا دیا

[۱] نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۳۸۔ الغارات ج۱ ص۲۶۰۔

[۲] مصر کی طرف سے دریائے یمن کے کنارے ایک شہر ہے، قافلے وہاں سے مصر تک تین دن میں مسافت طے کرتے ہیں۔ (مراصد الاطلاع)۔

[۳] اسکندریہ کے پاس ایک شہر ہے، (مراصد الاطلاع)۔

اسطرح سے خدا کی یہ تیز تلوار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیام میں چلی گئی اور اپنی جان کو خدا کے حوالے کر دیا۔ وہ ۳۸ ہجری میں سرزمین قلزم پر شہید ہوئے اور وہیں پر دفن ہوئے۔

یہ بات مسلم ہے کہ یہ میزبان کوئی معمولی شخص نہ تھا بلکہ پہچانا ہوا شخص تھا اسی وجہ سے مالک اشتر نے اس کے گھر میں قیام کیا، اسے مالک کے دشمن معاویہ نے پہلے ہی خرید لیا تھا۔[1]

بعض مورخین نے مالک اشتر کی شہادت کو تفصیل سے دوسرے طریقے سے لکھا ہے، جب معاویہ کو یہ خبر ملی کہ امام نے مالک اشتر کو مصر کا حاکم معین کیا ہے تو اس نے قلزم کے ایک بارسوخ کسان سے کہا کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو مالک کو قتل کر دے اور جب مصر پر میرا قبضہ ہو جائیگا تو اس کے بدلے اسے مالیات (خراج) ادا کرنے سے معاف کر دیگا معاویہ نے صرف اسی کام پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لوگوں کے جذبات کو قوت عطا کرنے اور یہ دکھانے کے لئے کہ وہ اور اس کے تمام پیرو خدا کی راہ میں قدم اٹھاتے ہیں شام کے لوگوں سے اس نے کہا کہ مسلسل مالک اشتر پر لعنت کریں اور خدا سے دعا کریں کہ مالک کو نابود کر دے کیونکہ اگر مالک قتل ہو گئے تو شام کے لوگوں کے لئے خوشی کا سبب ہوگا اور یہ سبب ہوگا کہ وہ لوگ اپنے رہبر پر زیادہ اعتماد کریں گے۔

جب مالک اشتر قلزم پہنچے تو معاویہ کے خریدے ہوئے خبیث نے مالک سے کہا کہ میرے گھر میں آرام کریں اور اپنے اعتماد کو مستحکم کرنے کے لئے کہا کہ تمام اخراجات کو اپنے مالیات سے حساب کروں گا، میزبان نے مالک کے گھر میں آنے کے بعد امامؑ سے اپنی دوستی و محبت کا اظہار کیا یہاں تک کہ اس نے مالک کے اعتماد کو حاصل کر لیا۔ اس نے مالک کے لئے دسترخوان بچھایا اور اس پر شہد کا شربت رکھا۔ اس شربت میں اتنا زیادہ زہر ملا تھا کہ تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ مالک اشتر شہید ہو گئے۔

بہر حال جب معاویہ کو مالک اشتر کے قتل کی خبر ملی تو وہ منبر پر گیا اور کہا: اے لوگو ابوطالب کے بیٹے کے پاس دو مضبوط ہاتھ تھے جن میں سے ایک ہاتھ (عمار یاسر) جنگ صفین میں کاٹ دیا گیا اور دوسرا ہاتھ (مالک اشتر) آج کاٹ دیا گیا[2]۔

وہ موت جس نے بعض کو ہنسایا اور بعض کو رلایا

مالک اشتر کی شہادت پر شامیوں نے خوشی منائی کیونکہ وہ لوگ جنگ صفین کے سے ہی مالک اشتر سے کینہ رکھتے تھے لیکن جب انکی شہادت کی خبر امامؑ کو ملی تو آپ بے ساختہ بلند آواز سے رونے لگے اور فرمایا: علیٰ مثلِكَ فَلْيَبْكِيَنَّ

---

[1] تاریخ ابن کثیر ج ۷، ص ۳۱۳

[2] ۔ الغارت ج ۱، ص ۲٦٤، تاریخ طبری ج ۷۲، ۔ کامل ابن اثیر ج ۳، ص ۳۵۲۔

الْبَوا کِیَ یاٰ مالِكُ یعنی تمہارے جیسوں کے لئے عورتوں کونوحہ وبکا کرنا چاہیئے۔ پھر فرمایا: أين مثلُ مالك؟ یعنی مالک جیسا کوئی کہاں ہے؟

پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور تقریر فرمائی:

ہم خدا کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جائیں گے تمام حمد وثنا خدا ہی کے لئے ہے کہ وہ اس دنیا کا پروردگار ہے۔ خدایا! میں مالک کی مصیبت کا اجر تجھی سے چاہتا ہوں کیونکہ اس کی موت زمانہ کی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ مالک پر خدا کی رحمتیں ہوں، اس نے اپنے عہد کو وفا کیا اور اپنی عمر کو ختم کیا اور اپنے رب سے ملاقات کی، ہم نے پیغمبر کے بعد باوجودیکہ اپنے کو آمادہ کرلیا تھا کہ ہر مصیبت پر صبر کریں گے، اس حالت میں بھی یہی کہتے ہیں کہ مالک کی شہادت ایک بہت بڑی مصیبت ہے، [1] فضیل کہتے ہیں: جب مالک کی خبر شہادت حضرت علی علیہ السلام کو ملی تو میں آپ کی خدمت میں گیا، دیکھا کہ بے حد اظہار افسوس کررہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: خدایا! مالک کو بہترین درجہ عطا کر، واقعاً مالک کتنی اچھی شخصیت کے مالک تھے، اگر وہ پہاڑ تھے تو ایسا پہاڑ جس کی مثال نہیں اور اگر پتھر تھے تو بہت سخت پتھر، خدا کی قسم، اے مالک تمہاری موت نے ایک دنیا کو لرزہ براندام کردیا اور دوسری دنیا کو شاد ومسرور کردیا۔ مالک جیسوں کی شہادت پر عورتوں کو نوحہ وبکا کرنا پڑھنا چاہیے، کیا کوئی مالک جیسا ہے؟

پھر آگے کہتے ہیں: علی علیہ السلام مسلسل اظہار افسوس کررہے تھے اور بہت دنوں تک آپ کے چہرۂ انور پر غم کے اثرات نمایاں تھے۔

امامؑ کا خط محمد بن ابی بکر کے نام

امامؑ نے جب مصر کی حکومت کی ذمہ داری محمد بن ابی بکر سے لیکر مالک اشتر کو سونپی تو محمد کچھ ملول تھے جب محمد کے ملال کی خبر امامؑ کو ملی تو آپ نے محمد کو خط لکھا جس میں مالک اشتر کی شہادت کی خبر کے بعد ان کی دلجوئی فرمائی اور لکھا:

مجھے خبر ملی ہے کہ مالک اشتر کو مصر اعزام کرنے کی وجہ سے تم رنجیدہ ہو گئے ہو لیکن میں نے اس کام کو اس لئے انجام نہیں دیا تھا کہ تم نے اپنی ذمہ داریوں میں غفلت یا کوتاہی کی ہے اور اگر میں نے تمہیں مصر کی حکومت سے معزول کیا ہے تو اسکے بدلے میں تمہیں کسی دوسری جگہ کا والی وحاکم قرار دوں گا جس کا چلانا کچھ مشکل اور سخت نہ ہوگا اور وہاں کی حکومت تمہارے لئے بہتر ہوگی، جس شخص کو میں نے مصر کی سرداری کیلئے چنا تھا وہ ہم لوگوں کے لئے خیر خواہ اور دشمنوں کے لئے بہت سخت تھا، خدا اس پر رحم کرے کہ اس نے اپنی زندگی بڑے آرام سے گذاری اور موت سے ملاقات کی جب کہ ہم اس سے راضی تھے، خدا بھی اس سے راضی ہو اور اسے دوہرا ثواب عطا کرے۔ اب اس وقت تم پر لازم ہے کہ دشمن سے جنگ کرنے

[1] الغارات: ج۱ ص ۲٦٤۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج٦، ص ۷۷۔

کے لئے اپنی فوج کوشہر سے باہر بھیج دواور وہیں پر پڑاؤ ڈال دواور عقل وخرد سے امور انجام دواور جنگ کے لئے آمادہ ہوجاؤ، لوگوں کوخدا کی طرف آنے کی دعوت دواور خدا سے مدد طلب کروکہ وہ تمہارے اہم کاموں میں کافی ہے اور مصیبت کے وقت تمہارا مددگار رہے۔[1]

محمد بن ابی بکر کا خط امامؑ کے نام

جب امامؑ کا خط محمد کو ملا تو انہوں نے امامؑ کو یہ خط لکھا:

امیر المومنین علیہ السلام کا خط مجھے ملا اور اس کے مضمون سے آگاہ ہوا کوئی بھی شخص امیر المومنین کے دشمن پر مجھ سے زیادہ سخت اور ان کے دوستوں پر مجھ سے زیادہ مہربان نہیں ہے۔ میں نے شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا ہے اور تمام لوگوں کو امان دیا ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ہم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہیں اور ہم سے دشمنی کو ظاہر کررہے ہیں۔ ہر حال میں، میں امیر المومنین علیہ السلام کا مطیع وفرماں بردار ہوں۔[2]

عمرو عاص کو مصر بھیجنا

معاویہ نے جنگ صفین ختم ہونے اور امیر المومنین علیہ السلام کی فوج میں خوارج کے ذریعہ اختلاف وتفرقہ ڈالنے کے بعد موقع غنیمت دیکھا کہ عمرو عاص کی سرداری میں اپنی فوج کو مصر روانہ کرے تاکہ مصر کو امیر المومنین علیہ السلام کے قبضے سے چھین لے، اس نے یہ پُرخطر کام انجام دینے کے لئے اپنی فوج کے بہت سے سرداروں کو دعوت دی اور ان میں عمرو عاص، حبیب بن مسلمہ فہری، بُسر بن ارطاۃ عامری، ضحاک بن قیس اور عبد الرحمان بن خالد وغیرہ شامل تھے اور قریش کے علاوہ دوسرے افراد کو بھی مشورے کے لئے بلایا اور پھر اس نے مجمع کی طرف مخاطب ہوکر کہا: کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں یہاں جمع کیا ہے؟

عمرو عاص نے اس کے راز کا پردہ فاش کرتے ہوئے کہا: تو نے ہم لوگوں کو مصر فتح کرنے کے لئے بلایا ہے کیونکہ وہاں کی سرزمین بہت زرخیز ہے اور وہاں پر مالیات (خراج) بہت زیادہ ہے اور مصر کے فتح ہونے میں تمہاری اور تمہارے دوستوں کی عزت ہے۔

معاویہ، عمرو عاص کی تصدیق کرنے کے لئے اٹھا اور یاد دلایا کہ اس نے ابتدا میں عمرو عاص سے وعدہ کیا تھا کہ اگر علی پر میں نے فتح حاصل کرلی تو مصر کی حکومت اسے بخش دے گا، اس جلسہ میں بہت زیادہ گفتگو ہوئی اور بالآخر یہ طے پایا کہ مصر کے لوگوں کو، چاہے دوست ہوں یا دشمن بہت زیادہ خطوط لکھے جائیں دوستوں کو ثابت قدم رہنے اور مقابلے کا حکم دیا

[1] (ا) الغارات ج۱، ص۲۶۸۔

[2] الغارات ج۱، ص۲۶۹۔

جائے اور دشمنوں کو صلح وخاموشی کا حکم دیا جائے یا جنگ کی دھمکی دی جائے، اس لئے معاویہ نے علی علیہ السلام کے دو مخالفوں، مسلمہ اور معاویہ کندی کے نام خط لکھا اور پھر عمروعاص کو ایک بڑی فوج کے ہمراہ مصر روانہ کیا۔ جب عمروعاص مصر کی سرحد پر پہنچا تو عثمان کے چاہنے والوں نے اس کا استقبال کیا اور اس سے ملحق ہو گئے عمروعاص نے وہیں سے مصر کے حاکم کے نام خط لکھا میں نہیں چاہتا کہ تم سے جنگ کروں اور تمہارا خون بہاؤں، مصر کے لوگ تمہاری مخالفت پر متفق ہیں اور تمہاری پیروی کرنے سے پشیمان ہیں۔

عمروعاص نے اپنے اور معاویہ کے خط کو محمد کے پاس بھیجا۔ مصر کے حاکم نے دونوں خط پڑھنے کے بعد امامؑ کے پاس بھیج دیا اپنے خط میں شام کی فوج کے مصر کی سرحد پر پہنچنے کی خبر دی اور لکھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مصر کی حکومت آپ کے ہاتھ میں رہے تو میری مالی اور فوجی مدد کیجیے۔

امامؑ نے مصر کے حاکم کو مقابلہ کرنے کی تاکید کی

پھر محمد بن ابی بکر نے عمروعاص اور معاویہ کے خط کا جواب دیا اور بالآخر مجبور ہوئے کہ لوگوں کو اکٹھا کر کے لشکر ترتیب دیں اور عمروعاص کی فوج کے مقابلہ کے لئے جائیں۔

ان کی فوج کے اگلے دستہ میں دو ہزار آدمی تھے جس کی سرداری کنانہ بن بُشر کر رہے تھے اور خود بھی اس کے بعد دو ہزار کی فوج لے کر اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ جب مصر کی فوج کے اگلے دستہ نے شام کی فوج کا سامنا کیا شام کی فوج کو درہم برہم کر دیا لیکن فوج کی کمی کی وجہ سے کمزور پڑ گیا، کنانہ اپنے گھوڑے سے اتر آئے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک ایک کر کے دشمنوں سے جنگ کرنے لگے اور اس آیت کی تلاوت کرتے شہید ہو گئے:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِيْنَ.[1]

اور بغیر حکم خدا کے تو کوئی شخص مر ہی نہیں سکتا وقت معین ہر ایک کی موت لکھی ہوئی ہے اور جو شخص (اپنے کئے کا) بدلہ دنیا میں چاہے تو ہم اس کو اس میں سے دیدیتے ہیں اور جو شخص آخرت میں بدلہ چاہے اسے اسی میں سے دینگے اور (نعمت ایمان کے) شکر کرنے والوں کو بہت جلد ہم جزائے خیر دیں گے۔

محمد بن ابی بکر کی شہادت

کنانہ بن بشر کی شہادت کی وجہ سے شام کی فوج میں جرأت پیدا ہوگئی اور سب نے یہ طے کیا کہ آگے بڑھتے رہیں اور محمد بن ابی بکر کی چھاؤنی کی طرف جائیں، جب ان کی چھاؤنی پر پہنچے تو دیکھا کہ محمد کے ساتھی مختلف جگہوں پر منتشر ہو گئے

[1] سورۂ آل عمران آیت ۱۴۵

ہیں، محمد خود مضطرب اور سرگرداں ہیں یہاں تک کہ ایک کھنڈر میں پناہ حاصل کی، معاویہ بن حدیج محمد کی جگہ سے باخبر ہوا اور انہیں گرفتار کرلیا وہاں سے باہر لایا اور فسطاط نامی جگہ پر جہاں عمرو عاص کے فوجی تھے پہنچا دیا جب کہ عنقریب تھا کہ پیاس کی شدت سے مرجائیں۔

عبدالرحمن بن ابی بکر، محمد کا بھائی عمرو کی فوج میں تھا، اس نے فریاد بلند کی میں اس بات سے راضی نہیں ہوں کہ میرے بھائی کو اس طرح قتل کرو اور عمرو عاص سے کہا کہ اپنی فوج کے سردار معاویہ بن حدیج کو حکم دو کہ اس کے قتل کرنے سے باز آجائے، عمرو عاص نے اپنے نمائندے کو ابن حدیج کی طرف بھیجا کہ محمد کو زندہ حوالے کرے لیکن معاویہ بن حدیج نے کہا: کنانہ بن بشر جو میرا چچازاد بھائی تھا قتل ہوگیا محمد کو بھی، زندہ نہیں رہنا چاہیے، محمد جو اپنی قسمت دیکھ رہے تھے، درخواست کی کہ مجھے پانی پلا دو لیکن معاویہ بن حدیج نے بہانہ بنایا کہ عثمان بھی پیاسے قتل ہوئے تھے لہذا پانی نہیں دیا۔

اس وقت ابن حدیج نے محمد کو بہت بری باتیں کہیں جنہیں تحریر کرنے سے پرہیز کر رہے ہیں اور آخر میں اس نے کہا: میں تمہاری لاش کو اس مردہ گدھے کی کھال میں رکھوں گا اور پھر جلادوں گا۔ محمد نے جواب دیا: تم خدا کے دشمنوں نے اولیاء خدا کے ساتھ بارہا ایسا معاملہ انجام دیا ہے، مجھے امید ہے کہ خدا اس آگ کو میرے لئے ایسے ویسی ہی اور باعافیت کردے گا جیسے ابراہیم کے لئے کیا تھا، اور اسے تمہارے اور تمہارے دوستوں کے لئے وبال بنادے گا اور خدا تجھے اور تیرے پیشوا معاویہ بن ابوسفیان اور عمرو عاص کو ایسی آگ میں جلائے گا کہ جب بھی چاہیں کہ خاموش ہو وہ اور شعلہ ور ہوجائے گا، بالآخر معاویہ بن حدیج کو غصّہ آیا اور اس نے محمد کی گردن اڑادی اور ان کے جسم کو مردہ گدھے کے پیٹ میں ڈالدیا اور جلادیا۔

محمد بن ابی بکر کی شہادت نے دو آمیوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا، ایک ان کی بہن عائشہ تھیں جو ان کے حالات پر بہت روئیں، وہ ہر نماز کے آخر میں معاویہ ابن سفیان، عمرو عاص اور معاویہ بن حدیج پر بددعا کرتی تھیں، عائشہ نے اپنے بھائی کے اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری خود لے لی۔ اور محمد ابن ابی بکر کے بیٹے قاسم انہیں کی پرورش وکفالت میں پروان چڑھے اور دوسرے اسمأ بنت عمیس جو بہت دنوں تک جعفر ابن ابی طالب کی زوجہ تھیں اور جعفر کی شہادت کے بعد ابوبکر سے شادی ہوگئی اور انہیں سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے اور ابوبکر کے انتقال کے بعد علی علیہ السلام سے شادی کی اور ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا، یہ ماں جب اپنے بیٹے کی قسمت وشہادت سے باخبر ہوئی تو بہت زیادہ متاثر ہوئی لیکن اپنے غیظ وغضب کو قابو میں رکھا اور مصلائے نماز پر گئیں اور ان کے قاتلوں پر لعنت وملامت کی۔

عمرو عاص نے معاویہ کو خط کے ذریعے ان دونوں آدمیوں کی شہادت کے بارے میں خبر دی اور دوسرے سیاست بازوں کی طرح جھوٹ بولا اور اپنے کو برحق ظاہر کیا اور کہا: ہم نے ان لوگوں کو کتاب وسنت کی طرف بلایا مگر ان لوگوں نے حق کی مخالفت کی اور اپنی گمراہی پر باقی رہے۔ بالآخر ان کے اور ہمارے درمیان جنگ ہوئی۔ ہم نے خدا سے مدد طلب کی اور

خدا نے ان کے چہروں اور پشتوں پر ضرب لگائی اور ان سب لوگوں کو ہمارے سپرد کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام اور خبر شہادت محمد بن ابی بکر

عبداللہ بن قعید روتا ہوا کوفہ میں داخل ہوا اور حضرت علی علیہ السلام کو محمد کی دردناک شہادت سے آگاہ کیا۔ امام نے حکم دیا کہ تمام لوگ اس کی بات سننے کے لئے جمع ہوں، اس وقت لوگوں سے فرمایا: یہ نالہ وفریاد محمد اور تمہارے بھائیوں کا جو مصر میں تھے۔ خدا کا اور تمہارا دشمن عمرو عاص ان لوگوں کی طرف گیا اور ان پر غالب ہوگیا اور میں ہرگز یہ امید نہیں رکھتا کہ گمراہوں کا تعلق باطل سے اور ان کا سرکش حاکموں پر اس سے زیادہ ہو جتنا اعتماد تم لوگوں کا اعتقاد حق پر ہے، گویا ان لوگوں نے مصر پر حملہ کر کے تم لوگوں کو پر حملہ کیا ہے جتنی جلدی ممکن ہوان کی مدد کے لئے جاؤ، اے خدا کے بندو! مصر خیر و برکت کے اعتبار سے شام سے بہتر اور مصر کے لوگ شام کے افراد سے بہتر ہیں، مصر کو اپنے قبضے سے نہ جانے دو، اگر مصر تم لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا تو تم لوگوں کے لئے عزت کا سبب ہوگا، اور دشمنوں کے لئے ذلت کا سبب ہوگا، جتنی جلدی ممکن ہو جرعہ کی چھاؤنی پہنچ جاؤ تا کہ کل ایک دوسرے تک پہنچ جائیں۔

کچھ دن گزرنے کے بعد اور عراق کے سرداروں کے امام علیہ السلام کے پاس آنے جانے کے بعد بالآخر مالک بن کعب کی سرداری میں دو ہزار فوج مصر کے لئے روانہ ہوئی۔[۱]

امامؑ نے ابن عباس کو اپنے خط میں اس واقعہ کی خبر ان الفاظ میں دی:

امابعد، مصر پر دشمن کا قبضہ ہوگیا ہے اور محمد بن ابی بکر (خدا ان پر رحمت کرے) شہید ہو گئے، اس مصیبت کا اجر ہم اللہ سے مانگتے ہیں کتنا خیر خواہ فرزند، اور محنت کش عامل تھا (جو نہ رہا) کیا سیف قاطع، اور کیسا دفاعی ستون تھا (جو چل بسا) میں نے لوگوں کی بہت تشویق کی تھی کہ اس کی مدد کے لئے جائیں، میں نے لوگوں کو در پردہ اور برملا ایک بار نہیں، بلکہ بار بار حکم دیا کہ جنگ سے پہلے ان سے مدد کو پہنچ جائیں لیکن ا کچھ لوگوں نے بادل نخواستہ آمادگی ظاہر کی اور کچھ لوگ جھوٹے بہانے بنانے لگے اور کچھ لوگ تو چپ چاپ بیٹھے ہی رہے اور مدد کے لئے نہ اٹھے، چنانچہ میں خدا سے یہی دعا کرتا ہوں کہ اے خدا! مجھے جلد از جلد ان لوگوں سے نجات دیدے۔[۲]

محمد بن ابی بکر کی شہادت حضرت علی علیہ السلام کے لئے بہت بڑا غم تھا، حضرت نے باچشم گریہ فرمایا:

وہ میرا بیٹا اور میرے بیٹوں اور میرے بھتیجوں کے لئے بھائی تھا۔[۳]

---

[۱] الغارات ج۱، ص ۲۸۲ تا ۲۹٤۔
[۲] نہج البلاغہ مکتوب ۳۵۔
[۳] تاریخ یعقوبی ج۲، ص۱۹٤۔

اور یہ بھی فرمایا: وہ مجھے عزیز و پسند تھا اور خود میں نے اپنی آغوش میں اس کی پرورش کی تھی[1]

جنگ صفین کے بعد اس طرح کے حادثات پے در پے ہوتے رہے اور عقلمند اور دور اندیش لوگ امام علی علیہ السلام کی حکومت کے زوال کی، ان کے نادان ساتھیوں کی وجہ سے پیشین گوئی کر سکتے تھے۔ اس وقت امام علیہ السلام ایسے حالات سے گزر رہے تھے کہ معاویہ کا شام پر قبضہ تھا اور مصر پر عمر و عاص نے قبضہ کر لیا تھا اور معاویہ کی طرف سے مرکزی حکومت کو ضعیف و کمزور کرنے کے لئے قاتل اور فسادی گروہ طرف سے قتل و غارت گری کر رہے تھے، تاکہ امن و سکون کو جڑ سے ختم کر دیں، لیکن امامؑ کی تدبیر ایسے افسوسناک حالات پر قابو پانے کے لئے کیا تھی؟ اور آپ نے کس طرح سے مردہ دل عراقیوں سے فسادات کو ختم کرنے کے لئے مدد طلب کی؟ تاریخ کا کہنا ہے کہ امامؑ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بہت ہی ولولہ انگیز تقریر فرمائی، جس نے عراقیوں کے مردہ دلوں کو زندہ کر دیا۔

امامؑ کا آخری خطبہ

نوفل بن فضالہ کہتے ہیں: امامؑ کی زندگی کے آخری دنوں میں، جعدہ مخزومی نے پتھر کا ایک بلند چبوترہ امامؑ کے لئے بنایا، اور امامؑ اس پر تشریف لائے، آپ کا پیراہن اون کا بنا ہوا تھا، اور نیام اور نعلین کھجور کی چھال کی بنی تھی اور کثرتِ سجود کی وجہ سے پیشانی کا نشان یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اونٹ کے گھٹنے کا گھٹا، اور پھر آپ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

الحمدُ لِلّٰه الّذی اِلیهِ مَصَائر الخلقِ و عواقِبُ الْامْرِ. نَحمدُهُ عَلىٰ عِظیمِ اِحْسَانِه و نیِّر بُرهٰانِهِ و نَوامِیْ فَضْلِهِ و امْتِنٰانِهِ۔

اَیّها النّاسُ: اِنّی قد بثثتُ لکم المواعِظَ الّتی وَعَظَ الا نبیاءُ بها اُمَمَهُمْ وَادّیتُ اِلَیْکم ادت الا و صیاءُ اِلیٰ مَنْ بعدَهُمْ وَ اَدَّبْتُکمْ بِسَوطِیْ فلَمْ تَسْتَقیموا وَحَدوتکم. بالزّ واجِرِ فلَمْ تَسْتَوسِقُوْا۔ للّٰه أنتُمْ! اَتتوقّعُونَ اماماً غَیْرِیْ یطأُبِکم الطّرِیقَ و یرُشِدُ کُمُ السّبیل؟

... مٰا ضرّ اِخوانُنا الّذینَ سُفِکت دِماءُ هُم۔ وَهُمْ بصفیّن۔ الاّ یکونواُ الیومَ أحیاءً؟ یُسیغون الغصَصَ ویَشربونَ الرَّنقَ! قد۔ واللّٰه۔ لقوا اللّٰه فَوَفّاهُمْ اجورَهُمْ وَاَحَلَّهم دَارَ الْاَمن بَعْد خوفِهِمْ۔ أین اخوانی الّذِینَ رَکبُوا الطریقَ و مَضَوا عَلیَ الحَقّ؟ اَینَ عمّار و اَیْنَ ابْنُ التیهان؟ و اَینَ ذو الشّهادتین؟ و این نُظَراءُهُمْ من اِخوانِهِمُ الَّذِیْنَ تعاقَدوا عَلیَ المَنِیَّةِ؟

تمام حمد اس خدا کے لئے ہے جس کی طرف تمام مخلوق کی بازگشت ہے اور ہر امر کی انتہا ہے، ہم اس کے عظیم احسان اور روشن برہان اور بڑھتے ہوئے فضل و کرم پر اس کی حمد کرتے ہیں۔

[1] نہج البلاغہ مکتوب ٦٥ (مطبوعہ عبدہ)۔

اے لوگو، میں نے تمہیں اس طرح نصیحتیں کی ہیں جیسی انبیا اپنی امتوں کو کرتے رہے ہیں اور وہی باتیں تم تک پہنچائی ہیں جو اوصیا بعد والوں تک پہنچاتے رہے ہیں، میں نے اپنے تازیانہ سے تمہاری تادیب کی مگر تم سیدھے نہ ہوئے اور زجر و توبیخ سے تمہیں ہنکایا مگر تم لوگ یکجا اور متحد نہ ہوئے، خدا ہی تمہیں سمجھے، کیا تم میرے بعد کسی اور امام کے امیدوار ہو جو تمہیں سیدھی راہ پر چلائے اور صحیح راستہ دکھائے؟

ہمارے جن ساتھیوں کا خون جنگ صفین میں بہایا گیا انہیں کیا نقصان پہنچا وہ اگر آج زندہ نہیں ہیں کہ دنیا کے مصائب کے تلخ گھونٹ نوش کریں اور اس طرح کی ناگوار زندگی کا گندہ پانی پیئیں خدا کی قسم انہوں نے اللہ سے ملاقات کی تو اس نے انہیں پوری جزا دی اور خوف وہراس کے بعد انہیں امن وسلامتی کے گھر میں اتار دیا۔

میرے وہ بھائی کہاں ہیں جو سیدھی راہ پر چلتے رہے (اور اس دنیا سے) حق پر گزر گئے، کہاں ہیں عمار؟ کہاں ہیں ابن تیہان؟ کہاں ہیں ذوالشہادتین؟ اور کہاں ہیں ان کے ایسے دوسرے بھائی جو مرنے کا عہد کر چکے تھے؟

نوفل کہتے ہیں: اس کے بعد حضرت نے اپنا ہاتھ داڑھی پر پھیرا اور بہت دیر تک زار و قطار روتے رہے اور پھر فرمایا:

أوّہِ عَلیٰ اِخْوانِی الّذِین تَلوا القرآنَ فاحکُموہُ وتَدَبّروا الفَرضَ فاقامُوہ اَحیُوا السُنَّۃَ و أماتوا البدعۃ۔ دُعُواْ لِلْجِھادِ فَاجَابُوْا وَوثَقُوْا بالقَائِدِ فاتبعُوْہُ

آہ! میرے وہ بھائی جنہوں نے قرآن پڑھا (تو اپنے عمل سے) اسے مضبوط کیا، اپنے فرض کو سوچا سمجھا اور اسے ادا کیا، سنت کو زندہ کیا اور بدعت کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب انہیں بلایا گیا تو انہوں نے لبیک کہی، اپنے رہبر پر اعتماد رکھا تو اس کی پیروی کی۔

پھر آپ نے بلند آواز سے پکار کر فرمایا:

اَلْجِھادَالجِھادَ عبادَ الله! ألاَ وَ اِنّی مُعَسْکِر فِیْ یومی ھٰذا فَمَنْ أرَادَ الرّواحَ الیَ اللّٰہ فَلیخْرُجْ جھاد جھاد.

اے خدا کے بندو! آگاہ رہو کہ میں آج لشکر کو ترتیب دے رہا ہوں جو خدا کی طرف جانا چاہتا ہے وہ نکل کھڑا ہو۔[1]

امامؑ کے اس ہیجان انگیز اور پر جوش کلام نے عراقیوں کے مردہ دلوں کو اس طرح زندہ کر دیا کہ تھوڑی ہی دیر میں چالیس ہزار (۴۰،۰۰۰) لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرنے اور میدانِ صفین میں جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے، امامؑ نے اپنے بیٹے امام حسین علیہ السلام اور قیس بن سعد اور ابوایوب انصاری کے لئے پرچم تیار کیا اور ہر ایک کو دس دس ہزار کی فوج دے کر

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۷ (مطبوعہ عبدہ)۔

تیار ہونے کے لئے کہا اور دوسرے لوگوں کو بھی مختلف تعداد کے دستوں پر امیر مقرر فرما کر پرچم کے ساتھ تیار کیا لیکن افسوس کہ ایک ہفتہ نہ گزرنے پایا تھا کہ عبدالرحمن بن ملجم کی تلوار سے آپ شہید ہو گئے۔

جب کوفہ کے باہر رہنے والے سپاہیوں کو امام کی شہادت کی خبر ملی تو سب کے سب کوفہ واپس آ گئے اور سب ہی کی حالت ان بھیڑ بکریوں کی طرح ہو گئی، جو اپنے محافظ سے محروم ہو گئی ہوں اور بھیڑیئے انہیں ہر طرف سے اچک لے جا رہے ہوں۔

اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم امامؑ کی زندگی کے آخری ورق یعنی شہادت کا ماجرا بیان کریں۔

تیسری فصل

امامؑ کی زندگی کا آخری ورق

محرابِ عبادت میں آپ کی شہادت

جنگ نہروان ختم ہوگئی اور علی علیہ السلام کوفہ واپس آ گئے مگر خوارج میں سے کچھ لوگ جنہوں نے نہروان میں توبہ کیا تھا دوبارہ مخالفت کرنے لگے اور فتنا وفساد برپا کرنے لگے۔

علی علیہ السلام نے ان کے پاس پیغام بھیجا اور ان لوگوں کو صلح وخاموشی رہنے کی دعوت دی اور حکومت کی مخالفت کرنے سے منع کیا لیکن جب ان کے راہ راست پر آنے سے مایوس ہو گئے تو اپنی قدرت وطاقت سے اس سرکش، نافرمان اور فتنہ پرداز گروہ پر حملہ کرکے اسے نابود کردیا، اس میں سے کچھ لوگ قتل ہوئے تو کچھ لوگ زخمی ہوگئے اور کچھ فرار کر گئے اور انہیں بھاگنے والوں میں سے عبدالرحمن بن ملجم تھا جو قبیلہ مراد کا رہنے والا تھا یہ مکہ بھاگ گیا تھا۔

بھاگے ہوئے خوارج نے مکہ کو مرکز بنایا اور ان میں سے تین لوگ عبدالرحمن ابن ملجم مرادی، برک بن عبداللہ تمیمی [1] اور عمرو بن بکر تمیمی [2] ایک رات جمع ہوئے اور وقت کے حالات اور داخلی جنگ اور خون ریزیوں پر بحث کی اور نہروان اور اپنے مقتولین کو یاد کیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ اس خون ریزی اور آپسی جنگ کا سبب علی علیہ السلام، معاویہ اور عمرو عاص ہیں اور اگر یہ تینوں آدمی ختم ہوجائیں تو مسلمان اپنی اپنی ذمہ داریوں کو خود جان لینگے اور اپنی خواہش اور من پسند خلیفہ چن لینگے۔ پھر ان تینوں نے آپس میں عہد کیا اور اسے قسم کے ذریعے مزید مستحکم کیا کہ ان میں سے ہر ایک، ان تینوں میں سے ایک ایک کو قتل کرے گا۔

ابن ملجم نے علی علیہ السلام کو قتل کرنے کا عہد کیا، عمرو بن بکر نے عمرو عاص کو مارنے کا ذمہ لیا اور برک بن عبداللہ نے

---

[1] دینوری نے الاخبار الطوال میں ص ۲۱۳ پر برک بن عبداللہ کا نام نزال بن عامر اور عمرو بن بکر کو عبداللہ بن مالک صیداوی لکھا ہے اور مسعودی نے مروج الذہب (ج ۲، ص ۴۲۳) میں برک بن عبداللہ کو حجاج بن عبداللہ صریمی ملقب بہ برک اور عمرو بن بکر کو زادیہ لکھا ہے۔

[2] دینوری نے الاخبار الطوال میں ص ۲۱۳ پر برک بن عبداللہ کا نام نزال بن عامر اور عمرو بن بکر کو عبداللہ بن مالک صیداوی لکھا ہے اور مسعودی نے مروج الذہب (ج ۲، ص ۴۲۳) میں برک بن عبداللہ کو حجاج بن عبداللہ صریمی ملقب بہ برک اور عمرو بن بکر کو زادیہ لکھا ہے۔

معاویہ کوقتل کرنے کا عہد کیا۔[1] اس سازش کا نقشہ خفیہ طور پر مکہ میں بنایا گیا اور تینوں آدمی اپنے مقصد کو ایک ہی دن انجام دیں اس لئے رمضان المبارک کی انیسویں رات معین ہوئی ہر شخص اپنا کام انجام دینے کے لئے اپنے اپنے مورد نظر شہر چلا گیا عمرو بن بکر، عمرو عاص کو قتل کرنے کے لئے مصر گیا اور برک بن عبداللہ معاویہ کو قتل کرنے کے لئے شام گیا اور ابن ملجم بھی کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔[2]

برک بن عبداللہ شام پہنچا، اور معین شدہ رات میں مسجد گیا اور پہلی صف میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا، اور جب معاویہ سجدے میں گیا تو اس نے تلوار سے حملہ کیا لیکن خوف و ہراس کی وجہ سے نشانہ چوک گیا اور تلوار خطا کر گئی، اور سر کے بجائے معاویہ کی ران پر لگی اور معاویہ شدید زخمی ہو گیا، اسے فوراً گھر میں لائے اور بستر پر لٹایا، جب حملہ کرنے والے کو اس کے سامنے حاضر کیا تو معاویہ نے اس سے پوچھا: تمہیں اس کام کے انجام دینے کی جرأت کیسے ہوئی؟

اس نے کہا: اگر امیر مجھے معاف کریں تو ایک خوشخبری دوں،

معاویہ نے کہا: تیری خوشخبری کیا ہے؟

برک نے کہا: علی کو آج ہی ہمارے ایک ساتھی نے قتل کیا ہے اور اگر یقین نہ ہو تو مجھے قید کر دیں یہاں تک کہ صحیح خبر آپ تک پہنچ جائے، اگر علی قتل نہ ہوئے تو میں عہد کرتا ہوں کہ میں وہاں جا کر انہیں قتل کروں گا اور پھر آپ کے پاس واپس آجاؤں گا،

معاویہ نے اسے علی کے قتل کی خبر آنے تک اپنے پاس روکے رکھا اور جب خبر کی تصدیق ہو گئی تو اسے آزاد کر دیا اور ایک دوسرے قول کے مطابق اسی وقت اسے قتل کرا دیا۔[3]

جب طبیبوں نے معاویہ کے زخم کا معاینہ کیا تو کہا کہ اگر امیر اولاد کی خواہش نہ رکھتے ہوں تو دوا کے ذریعے علاج ہو سکتا ہے ورنہ پھر زخم کو آگ داغنا پڑے گا۔ معاویہ داغنے سے ڈرا اور نسل کے منقطع ہونے پر راضی ہو گیا اور کہا: یزید اور عبد اللہ میرے لئے کافی ہیں۔[4]

عمرو بن بکر بھی اسی رات مصر کی مسجد میں گیا، اور پہلی صف میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا مگر اس دن عمرو عاص کو زبردست بخار آگیا اور کمزوری اور سستی کی وجہ سے مسجد میں نہیں آسکا لہٰذا خارجہ بن حنیفہ (حذافہ)[5] کو نماز پڑھانے کے

---

[1] مقاتل الطابینص ۲۹۔الامامۃ والسیاسۃ ج۱،ص ۱۳۷۔

[2] تاریخ طبری ج۶،ص ۳۸ کامل ابن اثیر ج۳،ص ۱۹۵۔روضۃ الواعظین ج۱،ص۱۶۱۔

[3] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۶،ص ۱۱٤

[4] مقاتل االطالبین ص ۳۰۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۶ ص ۱۱۳۔

[5]،تاریخ یعقوبی ج۲،ص ۲۱۲۔

لئے مسجد بھیجا اور عمرو بن بکر نے عمرو عاص کے بجائے اسے قتل کر دیا اور جب حقیقت معلوم ہوئی تو کہا: أردتُ عمراً و أرادَ اللهُ خارِجَة[1]

یعنی میں نے عمرو عاص کو قتل کرنا چاہا اور خدا نے خارجہ کو قتل کرانا چاہا۔

لیکن عبد الرحمن بن ملجم مرادی ۲۰ شعبان ۴۰ ہجری کو کوفہ آیا اور جب علی علیہ السلام کو اس کے آنے کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: وہ آ گیا؟ اب اس چیز کے علاوہ مجھ پر کوئی چیز باقی نہیں ہے اور اب اس کا وقت بھی آ گیا ہے۔

ابن ملجم اشعث بن قیس کے گھر میں اترا اور ایک مہینہ اس کے گھر میں رہا اور روزانہ اپنی تلوار کو تیز کر کے اپنے کو آمادہ کرتا تھا۔[2] اور وہاں ایک لڑکی قطامہ جو خود خوارج میں سے تھی اس سے ملا اور اس کا عاشق ہو گیا مسعودی کے نقل کرنے کے مطابق قطامہ، ابن ملجم کی چچازاد بہن تھی اور اس کے باپ اور بھائی جنگ نہروان میں قتل ہوئے تھے۔ قطامہ کوفہ کی ایک خوبصورت ترین لڑکی تھی، جب ابن ملجم نے اسے دیکھا تو تمام چیزوں کو بھول گیا اور اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی[3] قطامہ نے کہا: میں پوری رغبت و خواہش سے تمہیں اپنا شوہر قبول کروں گی مگر شرط یہ ہے کہ میرا مہر میری خواہش کے اعتبار سے قرار دو۔ عبد الرحمن نے کہا: بتاؤ تمہارا مقصد کیا ہے؟

قطامہ نے جب عاشق کو سراپا تسلیم دیکھا تو مہر کو اور بھی سنگین کر دیا اور کہا: تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک کنیز اور علی ابن ابیطالب کا قتل۔

ابن ملجم: میں تصور نہیں کر سکتا کہ تم مجھے چاہو اور پھر مجھ سے علی کے قتل کرنے کی درخواست کرو۔

قطام: تم ان پر اچانک غافلانہ حملہ کرنے کی کوشش کرو اس صورت میں اگر تم نے انہیں قتل کر دیا تو ہم دونوں ان سے اپنا بدلہ لے لیں گے اور پھر ہنسی خوشی زندگی بسر کریں گے اور اگر اس راہ میں تو مارا گیا تو خدا نے آخرت کے لئے جو ثواب تیرے لئے ذخیرہ کیا ہے وہ اس دنیا کی نعمتوں سے بہت زیادہ بہتر اور پایدار ہے۔

ابن ملجم: تمہیں معلوم ہو کہ میں صرف اسی کام کے لئے کوفہ آیا ہوں۔[4]

کسی شاعر نے قطامہ کے مہر کے سلسلے میں اشعار کہے ہیں:

فَلَمْ أرَ مَهْراً سا قه ذُوْ سَما حَة
كَمَهْرِ قطام من فصيح و أعْجَم

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۲۱۲۔
[2] تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۲۱۲۔
[3] مروج الذہب ج ۲، ص ۴۲۳
[4] الاخبار الطوال ص ۲۱۴۔

ثلاثة ألا فٍ وعبدٌ وقِيْنةٌ
وقَتْلُ عَلِيٍّ بالحُسام المصَمَّم
فَلاَ مَهْرَ اَ عْلیٰ منْ علی واِن عَلاٰ
ولاٰ قَتْلَ اِلاّٰ دُوْنَ قَتْلِ ابن مُلْجَم [1]

میں نے آج ایسا مہر تک نہیں دیکھا جسے کوئی اہل کرم ادا کرے چاہے وہ عرب ہو یا عجم مثل مہر قطام کے تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک کنیز اور تیز تلوار سے علی بن ابی طالب کا قتل اور کوئی بھی مہر علی علیہ السلام سے زیادہ قیمتی نہیں ہے اگر چہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو اور کوئی بھی جرم ابن ملجم کے جرم سے زیادہ بدتر نہ ہوگا۔ قطامہ نے کہا: میں اپنے قبیلے سے کچھ لوگوں کو تیرے ہمراہ کروں گی تا کہ اس کام میں تیری مدد کریں اور پھر اس نے یہی کام کیا اور کوفہ کے خارجیوں میں ایک شخص کو جس کا نام وردان بن مجالد تھا اسی تیم الرباب قبیلے کا رہنے والا تھا اس کے ہمراہ کر دیا۔

ابن ملجم جس کا ارادہ حضرت علی علیہ السلام کو قتل کرنے کا تھا اس نے خوارج میں شبیب بن بجرہ سے جو اشجع قبیلہ کا تھا ملاقات کی اور اس سے کہا کہ کیا دنیا اور آخرت کا شرف چاہتے ہو؟ اس نے پوچھا: تمہارا مقصد کیا ہے؟ اس نے کہا: علی بن ابیطالب کے قتل کرنے میں میری مدد کرو۔

شبیب نے کہا: تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے، کیا تو پیغمبر کے زمانے میں علی کی خدمتوں اور ان کی فداکاریوں سے بے خبر ہے؟

ابن ملجم نے کہا: تجھ پر وائے ہو، کیا تو نہیں جانتا کہ علی خدا کے کلام میں لوگوں کی حکمیت کے قائل ہوئے ہیں اور ہمارے نمازی بھائیوں کو قتل کر دیا ہے؟ اس لئے اپنے دینی بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے ہم انہیں ضرور قتل کریں گے۔ [2] ۔شبیب نے قبول کر لیا اور ابن ملجم نے تلوار آمادہ کی اور اسے مہلک زہر میں بجھایا اور پھر وعدہ کے مطابق وقت معین پر مسجد کوفہ آیا۔ ان دونوں نے ۱۳ رمضان جمعہ کے دن قطام سے ملاقات کی جب کہ وہ حالت اعتکاف میں تھی اس نے دونوں سے کہا کہ مجاشع بن وردان بن علقمہ بھی چاہتا ہے کہ تم لوگوں کی مدد کرے۔ جب کام کے انجام دینے کا وقت آیا تو قطامہ نے ان کے سروں کو ریشمی رومال سے باندھا اور تینوں نے اپنی اپنی تلواریں ہاتھ میں لیں اور رات کو جو لوگ مسجد میں تھے انہیں کے ساتھ بسر کی اور مسجد کے ایک دروازے کے سامنے بیٹھ گئے جو باب السدہ کے نام سے مشہور ہے۔ [3]

---

[1] کشف الغمہ ج۱، ص ۵۸۲۔ مقاتل الطالبین ص ۳۷، مسعودی نے مروج الذہب (ج ۲، ص ۴۲۴) میں آخری دو شعر کو ابن ملجم سے نسبت دیا ہے۔

[2] کشف الغمہ ج۱، ص ۵۷۱۔

[3] مروج الذہب ج ۲، ص ۴۲۴۔ تاریخ طبری ۶، ص ۸۳۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی لحدید ج ۶، ص ۱۱۵۔ کامل ابن اثیر ج ۳، ص ۱۹۵۔ مقاتل اطالبین ص ۲۳۔ البدایۃ والنھایۃ ج ۷، ص ۳۲۵۔ الاستیعاب ج ۲، ص ۲۸۲۔ روضۃ الواعظین ج ۱، ص ۱۶۱۔

شب شہادت امامؑ

امامؑ اس سال ماہ رمضان میں مسلسل اپنی شہادت کی خبر دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ ماہ رمضان کے وسط میں جب آپ منبر پر تشریف فرما تھے تو آپ نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: شقی ترین شخص ان بالوں کو میرے سر کے خون سے رنگین کرے گا۔

اسی طرح آپ نے فرمایا:

ماہ رمضان آ گیا ہے، یہ تمام مہینوں کا سردار ہے۔ اس مہینے میں حکومت کے حالات بدل جائیں گے، آگاہ ہوجاؤ کہ تم اس سال ایک ہی صف میں (بغیر امیر کے) حج کرو گے اور اس کی علامت یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے درمیان نہیں رہوں گا[۱]۔

آپ کے اصحاب کہہ رہے تھے: وہ اس کلام کے ذریعے اپنی موت کی خبر دے رہے ہیں لیکن ہم نہیں سمجھ پا رہے ہیں۔[۲]

اسی وجہ سے حضرت اپنی عمر کے آخری دنوں میں روزانہ رات کو اپنی اولاد میں سے کسی ایک کے گھر جاتے تھے، کسی رات امام حسن علیہ السلام کے پاس تو کسی رات امام حسین علیہ السلام کے گھر اور کسی رات اپنے داماد عبداللہ بن جعفر، جنابِ زینب علیہا السلام کے شوہر کے گھر افطار کرتے تھے اور تین لقموں سے زیادہ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ آپ کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے نے کم کھانے کا سبب پوچھا تو امام نے فرمایا: خدا کا فرمان آ رہا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میرا پیٹ خالی، ہوایک یا دو رات سے زیادہ باقی نہیں اسی رات آپ کے سر پر ضربت لگی۔[۳]

شہادت کی رات آپ افطار کے لیے اپنی بیٹی امِ کلثوم کے مہمان تھے، افطار کے وقت آپ نے تین لقمہ غذا تناول فرمائی اور پھر عبادت میں مشغول ہو گئے اور شام سے صبح تک بہت ہی مضطرب اور بے چین تھے۔ کبھی آسمان کی طرف دیکھتے اور ستاروں کی گردش کو دیکھتے، اور طلوع فجر جتنا نزدیک ہوتا اضطراب اور بے چینی میں اتنا ہی اضافہ ہوتا تھا اور فرماتے تھے: خدا کی قسم، نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اور نہ جس نے مجھے خبر دی ہے اس نے جھوٹ کہا ہے یہی وہ رات ہے کہ جس میں مجھے شہادت کا وعدہ دیا گیا ہے۔[۴]

یہ وعدہ پیغمبر نے آپ کو دیا تھا۔ علی علیہ السلام خود نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر نے رمضان المبارک کی اہمیت وفضلیت کے

---

[۱] ارشاد مفید ص ۱۵۱ (مطبوعہ اسلامیہ)۔ روضۃ الواعظین ج ۱، ص ۱۶۳۔
[۲] ارشاد مفید ص ۱۵۱ (مطبوعہ اسلامیہ)۔ روضۃ الواعظین ج ۱، ص ۱۶۳۔
[۳] ارشاد: ص ۱۵۱۔ روضۃ الواعظین: ج ۱ ص ۱٦٤۔ کشف لغم: ہ ج ۱، ص ۵۸۱۔
[۴] روضہ الواغطین: ج ۱، ص ۱٦٤۔

بارے میں جوخطبہ ارشاد فرمایا اور پھر آخری خطبہ میں رونے لگے میں نے عرض کیا یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اس مہینے میں جوتمہارے ساتھ پیش آئے گا اسی کے بارے میں رو رہا ہوں:

كَأَنِّي بِكَ وأنتَ تُصَلِّي لرَبِّكَ وَقد انبَعثَ أشقَى الاولين والاخرِينَ شقيقُ عاقِرِ ناقَةِ ثَمُودَ فَضَرَبَكَ ضَربَةً عَلىٰ فَرْقِكَ فَخَضَّبَ مِنه الحيتَكَ [1]

یعنی گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نماز میں مشغول ہو اور دنیا کا سب سے شقی اور بدبخت ترین آدمی ناقہ ثمود کے مارنے کی طرح کھڑا ہوگا اور تمہارے سر پر ضربت مارے گا اور تمہاری داڑھی کو خون سے رنگین کرے گا۔

بالآخر کرب اور بے چینی کی رات ختم ہوئی اور علی علیہ السلام سحر کی تاریکی میں نماز صبح ادا کرنے کے لئے مسجد کی طرف گئے چلے، گھر میں جو مرغابیاں پلی تھیں انہوں نے راستہ روکا اور لباس سے لپٹ گئیں۔

بعض لوگوں نے چاہا کہ ان سب کو دور کر دیں مگر آپ نے فرمایا:

دَعُوهُنَّ فَإِنَّهُنَّ صَوايِحُ تَتْبَعُهَا نَوايِحُ

یعنی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ فریاد کر رہی ہیں اور اس کے بعد مسلسل نوحہ و بکا کریں گی۔ [2]

امام حسن علیہ السلام نے کہا: بابا: یہ کیسا فالِ بد بیان کر رہے ہیں؟ فرمایا: اے بیٹا! یہ فالِ بد نہیں کہہ رہا ہوں میرا دل کہہ رہا ہے کہ میں قتل کیا جاؤں گا [3]

ام کلثوم امامؑ کی گفتگو سن کر مضطرب ہوگئیں اور عرض کیا کہ حکم دے دیجئے کہ جعدہ مسجد میں جائیں اور نماز جماعت پڑھائیں۔

حضرت نے فرمایا: قضائے الٰہی سے بھاگا نہیں جا سکتا پھر آپ نے کمر کے پٹکے کو مضبوطی سے باندھا، اور یہ دو شعر پڑھتے ہوئے مسجد کی طرف روانہ ہوگئے:

أُشْدُدْ حَيازِ يمكَ لِلْمَوتِ
فَانَّ الْمَوتَ لاٰ قِيْكا
وَ لاٰ تَجزَع مِنَ الموتِ
اذاَ حَلَّ بِوَادِيْكا [4]

---

[1] عیون اخبار الرضا: ج۱ ص ۲۹۷ (مطبوعہ قم)۔

[2] تاریخ یعقوبی: ج۲ ص ۲۱۲۔ ارشاد: ص ۲۵۲۔ روضۃ الواعظین: ج۱، ص ۱۶۵۔ مروج الذہب ج۲ ص ۴۲۵۔

[3] کشف الغمہ: ج۱، ص ۵۸۴۔

[4] ۔ مروج الذہب: ج۲، ص ۴۲۹۔ مقاتل الطالبین ص ۳۱۔

اپنی کمر کو موت کے لئے محکم باندھ لو کیونکہ موت تم سے ضرور ملاقات کرے گی اور جب موت تمہارے قریب آئے تو اس سے فریاد و چیخ و پکار نہ کرو۔

امامؑ مسجد میں داخل ہوئے اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور تکبیرۃ الاحرام اور پھر قرأت کے بعد سجدے میں گئے۔اس وقت ابن ملجم نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار آپ کے سرِ مبارک پر ماری اس حال میں کہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا: للہِ الحکم لا لکَ یا علی۔اتفاق سے یہ ضربت بھی اسی جگہ لگی جہاں پہلے عمرو بن عبدود نے تلوار ماری تھی، [1] آپ کا سرِ مبارک پیشانی تک پارہ ہوگیا۔

مرحوم شیخ طوسی نے اپنی کتاب امالی میں ایک حدیث امام رضا علیہ السلام سے اور آپ نے اپنے والد گرامی سے انہوں نے اپنے آباء طاہرین سے......اور انہوں نے امام زین العابدین سے نقل کیا ہے:

جب امامؑ سجدے میں تھے تو ابن ملجم نے آپ کے سرِ اقدس پر تلوار سے ضربت لگائی [2] شیعوں کے مشہور و معروف مفسر ابوالفتوح رازی اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ جب ابن ملجم نے ضربت ماری اس وقت حضرت علی علیہ السلام پہلی رکعت میں تھے اور آپ نے سورہ انبیاء کی ۱۱ آیتیں تلاوت کی تھیں۔ [3]

اہل سنت کے مشہور عالم سبط ابن جوزی لکھتے ہیں جس وقت امام علیہ السلام محرابِ عبادت میں آئے تو چند لوگوں نے ان پر حملہ کیا اور ابن ملجم نے آپ کے سر پر ضربت ماری [4] فوراً اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ گیا۔

علی علیہ السلام کے سر سے محراب میں خون جاری ہوگیا اور آپ کی داڑھی کو رنگین کر دیا۔اس وقت حضرت نے فرمایا: "فُزتُ وربِّ الکعبۃ" ربِ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى [5]

جب علی علیہ السلام کے سر پر ضربت لگی تو فریاد بلند کی: اسے پکڑلو، لوگ ابن ملجم کو پکڑنے کے لئے دوڑے اور کوئی بھی اس کے قریب نہیں جاتا تھا مگر یہ کہ اس کو اپنی تلوار سے مارتا تھا پھر قثم بن عباس آگے بڑھے اور اسے اپنی اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا جب اسے علی علیہ السلام کے پاس لے کر آئے تو حضرت نے کہا ابن ملجم؟ اس نے کہا، ہاں۔جب حضرت نے اپنے قاتل کو پہچانا اپنے فرزند وقت امام حسن علیہ السلام سے فرمایا:

---

[1] کشف الغمہ ج۱ص ۵۸۴۔

[2] بحارالانوار ج۹ ص ۶۵۰ بحوالہ امالی (مطبوعہ قدیم)

[3] تفسیر ابوالفتوح رازی ج۴ ص ۴۲۵۔

[4] تذکرۃ الخواص: ص ۱۷۷ (مطبوعہ نجف)۔

[5] سورۃ طٰہٰ آیت ۵۵۔ہم نے تم لوگوں کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر اسی میں واپس کر دیں گے اور پھر دوبارہ اسی میں سے تم کو اٹھائیں گے۔

اپنے دشمن کا خیال رکھے، اس کا شکم سیر کرو اور اسکی رسیوں کو مضبوط باندھ دو، اگر میں مر گیا تو اسے میرے پاس بھیج دینا تا کہ خدا کے پاس اس سے احتجاج کروں اور اگر زندہ بچ گیا تو اسے بخش دونگا یا اپنا قصاص لوں گا۔ [۱]

حسنین شریفین علیہما السلام نے بنی ہاشم کے ہمراہ علی علیہ السلام کو کمبل میں رکھا اور گھر لے گئے۔ پھر دوبارہ ابن ملجم کو آپ کے پاس لائے، امامؑ نے اسے دیکھا اور فرمایا: اگر میں مر گیا تو اسے قتل کر دینا جس طرح اس نے مجھے قتل کیا ہے اور اگر میں بچ گیا تو پھر میں دیکھوں گا کہ اس کے بارے میں میرا کیا نظریہ ہے، ابن ملجم نے کہا: میں نے اس تلوار کو ایک ہزار درہم میں خریدا ہے اور ایک ہزار درہم کے زہر میں اسے بجھایا ہے اس نے میرے ساتھ خیانت کی تو خدا اسے نابود کر دے۔ [۲]

ام کلثوم نے اس سے کہا: اے دشمنِ خدا تو نے امیر المومنین کو قتل کر دیا؟ اس ملعون نے کہا: امیر المومنین کو قتل نہیں کیا ہے بلکہ تمہارے باپ کو قتل کیا ہے۔

امِ کلثوم نے کہا: امید ہے کہ انشاء اللہ حضرت کو اس زخم سے شفا ملے گی۔ ابن ملجم نے بے حیائی سے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ان پر روؤ گی واللہ میں نے ایسی ضربت ماری ہے کہ اگر اسے اہل زمین پر تقسیم کریں تو سب ہلاک ہو جائیں گے۔

حضرت کے لئے تھوڑا سا دودھ لایا گیا آپ نے تھوڑا سا دودھ پیا اور فرمایا: اپنے قیدی کو بھی اس دودھ سے تھوڑا سا دے دو اور اسے اذیت نہ دو۔

جس وقت امامؑ کو ضربت لگی اس وقت کوفہ کے تمام طبیب آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ ان لوگوں کے درمیان سب سے ماہر اثیر بن عمرو تھا جو زخموں کا علاج کرتا تھا۔ جب اس نے زخم دیکھا تو حکم دیا کہ گوسفند کا پھیپھڑا جو ابھی گرم ہو (تازہ ہو) لایا جائے اور پھر اس نے پھیپھڑے میں سے ایک رگ نکالی اور زخم پر رکھا اور جب اسے باہر نکالا تو کہا: یا علی! اپنی وصیتیں بیان کیجیے، کیونکہ ضربت کا زخم دماغ تک پہنچ گیا ہے علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہے اس وقت امام علیہ السلام نے کاغذ اور دوات منگایا اور اپنی وصیت میں اپنے دونوں بیٹوں حسن وحسین کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا یہ وصیت اگر چہ حسنین سے کی ہے مگر حقیقت میں یہ تمام انسانوں کے لئے رہتی دنیا تک ہے۔ اس وصیت کو بعض محدثین اور مورخین نے جو سید رضی سے پہلے اور ان کے بعد میں گزرے ہیں سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ [۳] لیکن اصل وصیت اس سے زیادہ ہے جسے مرحوم سید رضی نے نہج البلاغہ میں تحریر کیا ہے۔ اس میں سے کچھ حصہ تحریر کر رہے ہیں:

أُوصيكما بتقوىَ الله وأن لاٰ تبغيا الدُّنْيا وانِ بَغتْكُما ولاٰ تأْسفا عَلىٰ شىءٍ مِنْهاَ زُوىَ

---

[۱] تاریخ یعقوبی ج۲، ص۲۱۲۔

[۲] کشف الغمہ ج۱، ص۵۸۶۔ تاریخ یعقوبی: ج۶، ص۱۸۵۔

[۳] ابو حاتم سجستانی، المعمرون والوصایا: ص۱۴۹۔ تاریخ طبری: ج۶ ص۸۵۔ تحف العقول: ص۱۹۷۔ من لا یحضرہ الفقیہ: ج۴ ص۱۴۱۔ کافی: ج۷ :۵۱۔ مروج الذھب (ج۲ ص۴۲۵ میں اس کا کچھ حصہ نقل کیا گیا ہے۔ مقابل الطالبین: ص۳۸

عَنۡکُمَا و قُوۡلاً بِالحقّ وَاعۡمَلاً للأجرِ و کُونَالِلظّالم خَصۡمًا و للمظلومِ عَوۡناً۔

میں تم دونوں کو وصیت کرتا ہوں کہ تقوائے الٰہی اختیار کئے رہنا اور دنیا تمہاری کتنی ہی طلب گار ہو تم دنیا کے طلب گار نہ بننا اور دنیا کی جس چیز سے تمہیں محروم کر دیا جائے اس کا غم نہ کھانا، جو کہو حق کی حمایت میں کہو اور جو عمل کرو اجر الٰہی کیلئے کرو، ظالم کے مخالف اور مظلوم کے مددگار رہو۔

اُوۡصیکُمَا و جَمیعَ وَلَدِیۡ وَ اَهۡلِی وَمَنۡ بلغه کتابی بتقوی اللهِ ونَظۡمِ اَمۡرِ کُمۡ وَ صَلاحِ ذاتِ بَیۡنِکُمۡ، فِاِنّی سَمِعۡتُ جَدَّ کُمۡ صلی الله علیه وآله وسلم یَقُوۡلُ صَلاحُ ذاتِ البَین اَفۡضلُ مِنۡ عَامَّةِ الصَّلاة و الصِّیام۔

میں تم دونوں کو اور اپنی تمام اولاد کو اور اپنے کنبہ کو اور جس کے پاس بھی یہ میری تحریر پہنچے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقوی اختیار کریں، اپنے ہر کام میں نظم (وضبط) کا خیال رکھیں اور باہمی تعلقات درست رکھیں کیونکہ میں نے تمہارے نانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں کے درمیان اصلاح کرنا ایک سال نماز روزے سے افضل ہے۔

الله الله فِی الایتَام فَلاَ تَغِبُّوا أفواهَهُمۡ ولاٰ یضیّعوُا بِحَضۡرَ تِکُمۡ والله الله فِیۡ جِیۡرانِکُمۡ فَاِنّهم وَصِیَّةُ نَبِیِّکُمۡ۔ مَازَآلَ یوصِیۡ بِهِمۡ حَتّٰی ظَنَنّا أنَّه سَیُوَرِّثُهُمۡ

دیکھو! یتیموں کے بارے میں اللہ کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ انہیں فاقہ کرنا پڑ یا ورنہ ایسا ہونے پائے کہ وہ تمہارے سامنے (کسمپری کی حالت میں) ضائع ہو جائیں اور خدا سے ڈرتے ہوئے اپنے پڑوسیوں (کے حقوق) کا خیال رکھنا، کیونکہ وہ تمہارے نبی کی وصیت (کے مصداق) ہیں، آپ برابران کے بارے میں وصیت ونصیحت فرماتے رہے یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ انہیں حق وراثت بھی عطا کرنے والے ہیں۔

وَ اَللّٰه اَللّٰه فِیۡ الۡقُرانِ لاٰ یَسبقُکُمۡ بالۡعَمَل به غَیۡرُ کُمۡ۔ وَالله الله فِیۡ الصَّلاةِ فَاِنَّها عَمُوۡدُ دِیۡنِکُمۡ۔ وَالله الله فِیۡ بیۡتِ رَبِّکُمۡ لاٰ تُخَلُّوۡهُ مَا بَقِیتُمۡ فَاِنَّه اِنۡ تُرِكَ لَمۡ تُناظَرُوۡا۔

اور دیکھو قرآن کے بارے میں خدا کو نہ بھولنا، ایسا نہ ہو کہ اور لوگ اس (کے احکام) پر عمل کرنے میں تم سے آگے نکل جائیں۔ نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ یہ تمہارے دین کا ستون ہے۔ اور خدارا اپنے پرودگار کے گھر کو جب تک جیتے رہو خالی نہ چھوڑنا کیونکہ اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو تمہیں مہلت نہیں ملے گی اور بلا میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

وَ اَللّٰه اَللّٰه فِی الجهادِ بأمۡوَالکُم وَانفسِکُم وَالسنتکم فی سَبیلِ الله وعَلَیکُم بالتّواصُل والتباذُلِ وَایّاکُم وَالتّدابُرو التّقاطُع. لاٰ تَتۡرُکُوا الأمۡرَ بِالمعۡروفِ والنّهی عَنِ المنکر فَیُوَ لیّٰ

عَلَیۡکُمۡ شِرَارُ کُمۡ ثُمَّ تَدۡعُوۡنَ فَلَایُسۡتَجَابُ لَکُمۡ

اور خدا کی راہ میں مال، جان اور زبان سے جہاد کرنے کے بارے میں خدا کو یاد رکھنا۔ باہمی تعلقات کو استوار رکھنا اور آپس کی داد و دہش میں فرق نہ آنے دینا اور خبر دار نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرنا، نہ ایک دوسرے سے الگ رہنا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہ کرنا ورنہ بد کردار لوگ تم پر مسلط کر دیئے جائیں گے پھر دعائیں بھی مانگو گے تو قبول نہ ہونگی۔

پھر ارشاد فرمایا:

اے اولادِ عبدالمطلب! خبر دار ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ (میرے قتل کا بدلہ لینے کے لئے) تم مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے لگو امیر المومنین قتل کر دیئے گئے

......أَلَا لَا تَقْتُلُنَّ بِيْ إِلَّا قَاتِلِيْ، أُنْظُرُوْا إِذَا أَنَامِتُّ مِنْ ضَرْبَتِهِ هٰذِهِ فَاضْرِبُوْهُ ضَرْبَةً بِضَرْبَةٍ، وَلَا تُمَثِّلُوْا بِالرَّجُلِ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وآله وسلم، يَقُوْلُ إِيَّاكُمْ وَ الْمُثْلَةَ وَ لَوْ بِالْكَلْبِ الْعَقُوْرِ۔ [1]

یاد رہے کہ میرے قصاص کے طور پر صرف میرے قاتل کو ہی قتل کرنا، اس کی ضربت سے اگر میری موت واقع ہوجائے تو قاتل کو ایک ضربت کے بدلے ایک ہی ضربت لگانا اور (دیکھو) اس شخص کی لاش مثلہ نہ کی جائے (ناک، کان اور اس کے دوسرے اعضاء نہ کاٹے جائیں) کیونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خبر دار کسی کی لاش کو مثلہ نہ کرنا اگرچہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔

امامؑ کے بیٹے خاموش بیٹھے ہوئے تھے، اس حال میں بابا کا غم ان کے پورے وجود پر چھایا ہوا اور حضرت کی دلکش اور روح پرور گفتگو کو سن رہے تھے، امامؑ پر وصیت کرتے کرتے غشی طاری ہوگئی اور جب دوبارہ آنکھ کھولی تو فرمایا: اے حسن! میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں، آج کی رات میری عمر کی آخری رات ہے، جب میرا انتقال ہوجائے تو مجھے اپنے ہاتھوں سے غسل دینا اور کفن پہنانا اور تم خود میرے کفن و دفن کا انتظام کرنا اور میری نماز جنازہ پڑھانا اور رات کی تاریکی میں شہر کوفہ سے دور پوشیدہ طور پر مجھے دفن کرنا تاکہ کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔

علی علیہ السلام دو دن زندہ تھے اور ۲۱ رمضان شب جمعہ کو (۴۰ ہجری کے ماہ رمضان کی اکیسویں تاریخ کی شب میں) ۶۳ سال کی عمر میں شہید ہوگئے۔ آپ کے فرزند امام حسن علیہ السلام نے آپ کو اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور نماز جنازہ پڑھائی اور نماز میں سات تکبیریں کہیں اور پھر فرمایا اما انّھا لَا تُکَبّرُ علی احدٍ بعدہ یعنی جان لو کہ علی علیہ السلام کے جنازہ کے بعد کسی

---

[1] نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۴۷۔

بھی شخص کے جنازے پر سات تکبیریں نہیں کہی جائیں گی، علی علیہ السلام کوفہ میں غری (موجودہ نجف اشرف) نامی جگہ دفن ہوئے، آپ کی خلافت کا زمانہ چار سال اور دس مہینے تھا۔ [1]

حضرت علی علیہ السلام کا غم

امامؑ کی شہادت کے بعد حسن بن علی علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا اور خدا کی حمد وثنا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا:

ألا انّه قد مضیٰ فی هٰذهِ اللیلة رجل لم یدرکه الأولون ولن یری مثله الآخرون۔ من کان یقاتل وجبرئیل عن یمینه و میکائیل عن شماله والله لقد تُوفّی فی اللیله الّتی قبض فیها موسی بن عمران و رفع فیها عیسی بن مریم وانزل القرآن۔ الا وانّه ما خلف صفراء ولاٰ بیضاء الاسبعمائة درهمٍ فضّلت من عطائه أراد ان یبتاع بها خادماً لاهله [2]

آج کی رات وہ شخص (اس دنیا سے) گزر گیا جس کی حقیقت تک پہلے والے بھی نہ پہنچے تھے اور آئندہ آنے والے بھی ہرگز اس کے جیسا نہیں دیکھ پائیں گے، یہ وہ شخص تھا کہ جب بھی جنگ کرتا تھا تو اس کے داہنی طرف جبرئیل اور بائیں طرف میکائیل رہتے تھے۔ خدا کی قسم اسی رات آپ کی شہادت ہوئی جس رات میں موسیٰ بن عمران کی وفات ہوئی تھی اور عیسیٰ بن مریم آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور قرآن نازل ہوا تھا اور جان لو کہ اس نے زر وسیم (مال) نہیں چھوڑے ہیں مگر سات سو درہم جو ان کے حساب میں بچا ہوا تھا اور اس سے آپ اپنے گھر کے لئے ایک خادم خریدنا چاہے تھے۔

پھر قعقاع بن زرارہ اٹھے اور کہا:

رضوانُ اللهِ علیك یا امیر المومنین علیہ السلام۔ فوالله لقد کانت حیاتُك مفتاح خیر، ولو انَّ الناس قبلوك لاکلوا من فِوقهم و من تحت ارجلهم وَلکِنَّهُم غمطوا النّعمةو آثروا الدنیا علی الآخرة. [3]

اے میر المومنین علیہ السلام آپ پر خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، خدا کی قسم آپ کی زندگی ہر اچھائی کی کنجی تھی اگر لوگ آپ کو مانتے تو اپنے سروں کے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتے اور خدا کی نعمتیں ان کے شامل حال ہوتیں، لیکن ان لوگوں نے نعمت کی ناشکری کی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔

---

[1] مناقب آل ابی طالب: ج۳ ص۳۱۳۔ تذکرۃ الخواص: ص۱۱۲۔ تاریخ یعقوبی: ج۲ ص۲۱۳۔
[2] تاریخ یعقوبی ج۲ ص۲۱۳۔
[3] تاریخ یعقوبی: ج۲ ص۲۱۳۔

ابوالاسود دوئلی نے حضرت علی علیہ السلام کی شہادت پہ مرثیہ کہا ہے:

أَلا ابلغ معاوية بن حربٍ
فلا قرّت عيون الشامتينا
أفی شهر الصّيامِ فجعتمونا
بخيرٍ الناس طرّا اجمعينا؟
قتلتم خير من ركب المطايا
وذلّلها ومن ركب السّفينا
ومن لبس النّعال من حذاها
ومن قرء المثانی و المبينا
اذاستقبلت وجه ابی حسين
رايت النّور فوق النّاظرينا
لقد علمت قريش حيث كانت
بانّك خير هم حسباًو ديناً[1]

معاویہ بن حرب سے کہو کہ شماتت کرنے والوں کی آنکھیں روشن نہ ہوں، تم نے رمضان کے مقدس مہینے میں ہمیں تمام لوگوں سے افضل شخص کے سوگ میں بٹھا دیا؟ تم ایسے بہترین انسان کو قتل کر دیا، تم جو سواریوں پر سوار ہوا اور انہیں مسخر کیا، وہ بہترین شخص جس نے پیر میں نعلین پہنی اور بہترین شخص جس نے آیات مثانیٰ اور قرآن کو پڑھا، اگر تم حسین کے بابا کے چہرے کو دیکھو تو اس کی روشنی ونورانیت کا مشاہدہ کرو گے جو تمام دیکھنے والوں کے اوپر پرتو افگن ہے، اے علی! قریش جہاں بھی ہوں انہیں اس بات کا علم ہے کہ آپ حسب ونسب اور دین میں ان لوگوں سے بہتر ہیں۔

جن جن لوگوں نے امام کی شان میں مرثیہ کہا انہیں میں سے صعصعہ بن صوحان بھی ہیں جو بلاغت اور حاضر جوابی میں مشہور تھے۔ انہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کے غم میں کہا: اے امیر المومنین! میرے ماں باپ آپ پر قربان اور آپ کو مبارک ہوں (الٰہی کرامتیں) طاہر الولادۃ، صابر اور مجاہد تھے، جو تمنا رکھتے تھے آپ نے اسے حاصل کر لیا اور خدا سے بہترین معاملہ کیا اور اس کی بارگاہ میں چلے گئے اور اس نے آپ کو خوشی سے قبول کیا اور آپ پر ملائکہ نازل ہوئے اور حضرت

---

[1] مروج الذہب: ج ۲، ص ۴۲۸۔ تاریخ طبری: ج ۴، ص ۱۱۶۔ کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۳۹۴۔ اغانی: ج ۱۱، ص ۱۲۲۔ مقاتل الطالبین: ص ۴۳۔ میں ابولفرج اصفہانی نے ان اشعار کی جو ۲۱ بیت کا مرثیہ ہے الھیثم بنت الاسود کی طرف نسبت دی ہے۔

پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار میں سکونت اختیار کی اور خداوند عالم نے آپ کو ان کا جوار عطا کیا اور آپ کو اس منزل پر فائز کیا جس پر پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فائز تھے اور اپنے جام سے سیراب کیا۔

اپنے خدا سے (کہ جس نے آپ کی پیروی کرنے کا ہم پر احسان کیا اور توفیق عطا کی کہ آپ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کریں اور آپ کے دوستوں کے دوست رہیں اور آپ کے دشمنوں کے دشمن رہیں) دعا کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کو آپ کے ساتھ محشور کرے کیونکہ آپ اس منزل پر پہنچے ہیں کہ آپ سے پہلے کوئی اس منزل پر نہیں پہنچا اور ایسا مرتبہ آپ کو ملا ہے کہ آپ سے پہلے یہ مرتبہ کسی کو نہیں ملا، آپ نے خدا کی راہ میں پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ بہترین صورت سے جہاد کیا اور دین خدا کو مستحکم کیا اور سنت پیغمبر کو استحکام بخشا اور فتنہ وفساد کو ختم کردیا اور آپ کی وجہ سے اسلام پایدار (ذی مرتبہ) ہوگیا اور دین آپ کی وجہ سے منظم ہوگیا اور ایسے فضائل آپ کو ملے جو آپ کے علاوہ کسی کو نہ ملے، سب سے پہلے پیغمبر کی دعوت کو قبول کیا اور ان کی اطاعت و پیروی کو ہر چیز پر مقدم کیا اور ان کی مدد کرنے میں سب سے آگے رہے اور اپنی جان پر کھیل کر خدا کی راہ میں جہاد کیا اور اپنی تلوار کو انکی مدد کرنے کے لئے نیام سے باہر نکالا اور بڑے سے بڑے ستمگر کو آپ نے شکست دیدی اور ہر کافر آپ کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوا، کفر وشرک اور ظلم کو آپ نے جڑ سے اُکھاڑ دیا اور گمراہوں اور نافرمانوں کو ہلاک کردیا۔ پس مبارک ہو آپ کو اے امیرالمومنین کہ خدا نے آپ کو ایسے فضائل وکمالات نصیب کئے۔ آپ پیغمبر کے سب سے زیادہ قریب تھے اور سب سے پہلے ایمان لائے اور علم وفہم میں سب سے اعلیٰ اور یقین میں کامل تر اور تمام لوگوں سے زیادہ بہادر اور دلیر اور اسلام میں آپ کے کارنامے تمام لوگوں سے زیادہ ہیں۔

خداوند عالم ہم لوگوں کو آپ کے اجر سے محروم نہ کرے، کیونکہ آپ خیر وخیرات کی کنجی تھے برائیوں لیکن آپ کی شہادت کی وجہ سے برائیوں کے دروازے ہماری طرف کھل گئے اور نیکیوں کے دوراز ے بند ہوگئے۔ اگر لوگ آپکی باتوں کو سنتے تو نیکیاں ان کے سروں کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے جاری ہوتیں لیکن افسوس کہ لوگوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔

خوارج اور دوسرے دشمنان اسلام، ابن ملجم کے اس ہولناک ستم پر بہت خوش ہوئے اور اس کے کام کی تعریف و تمجید کی۔ خوارج میں سے ایک شخص عمران بن حطان وقاشی نے ابن قثم کے بارے میں کہا:

یا ضربة من تقی ما ارادَ بها
الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا
انی لاذکره یوماً فأحسبه
اوفی البریة عندالله میزاناً

ایک پرہیز گار کی کتنی بہترین ضربت ہے کہ جس کا مقصد رضوان الٰہی تک پہنچنے کے علاوہ کچھ نہ تھا، میں جب اس کو

یادکرتا ہوں تو خیال کرتا ہوں کہ خدا کے نزدیک اس کے ترازو کا پلہ تمام چیزوں سے زیادہ بھاری ہے۔

قاضی ابوطیب طاہر بن عبداللہ شافعی نے اس کے جواب میں یہ اشعار کہے:

یا ضربة من شقی ما آرادبها
انی لا ذکره یوماً فالعنه
علیه ثم علیه الدّهر متصلاً
فانتما من کلاب النّار جاء به
الا لیهدم للاسلام ارکانا
و العن عمرانا و حطانا
لعائن الله اسراراً واعلاناً
نص الشّریعة برهانا وتبیانا [1]

اس شقی کی کیسی تباہ کن ضربت تھی کہ جس کا دین کے ستونوں کو ڈھانے کے علاوہ کوئی مقصد نہ تھا، میں جس دن اس کو یاد کرتا ہوں تو اس پر اور عمران وحطان پر ایک دنیا لعنت بھیجتا ہوں۔ اس پر خداوند عالم کی پوشیدہ اور ظاہری طور پر بے شمار لعنتیں ہوں اور تم دونو دوزخ کے کتے ہو کہ اس پر شریعت کی نص شاہد و گواہ۔

اس طرح سے ایک عظیم المرتبت انسان کی نورانی اور معنوی زندگی جس کی ولادت کعبہ میں اور شہادت مسجد میں ہوئی، ختم ہوگئی۔ وہ انسان کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جس کی مثال نہ دنیا نے دیکھی اور نہ دیکھ پائے گی۔ نہ جہاد اور ایثار میں اس کا کوئی نظیر تھا نہ اس کائنات کے اسرار و رموز اور علم میں اس کی کوئی مثال تھی اور نہ دوسرے ہی فضائل میں کوئی آپ جیسا تھا یہاں تک کہ آپ کا وجود شریف، ایسے متضاد فضائل کا مجموعہ تھا کہ کسی بھی شخص کے اندر وہ تمام تمام فضائل جمع نہیں ہو سکتے:

جمعت فی صفاتك الاضداد
فلهذا عزت لك الانداد
زاهد حاکم حلیم شجاع
فاتك ناسك فقیر جواد

تمام متضاد اور مختلف صفات آپ کے اندر جمع تھے اسی وجہ سے آپ کا کوئی نظیر نہ مل سکا۔ آپ زاہد، حاکم حلیم و بردبار،

[1] مروج الذهب: ج ۲ ص ۴۲۷۔ عمران بن حطان کے ان دونوں شعروں کے جواب میں بہت سے دوسرے اشعار بھی کہے گئے ہیں، مسعودی نے اپنی کتاب میں جن کا ذکر کیا ہے۔

بہادر، عابد، جری، خالی ہاتھ، سخی اور جواد (ایثار کرنے والے) تھے۔

مؤلف اسی جگہ پر اپنی بات کو نہایت شرمندگی کے ساتھ ختم کر رہا ہے یہ بھی جانتا ہے کہ مولائے متقیان حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ملکوتی فضائل و کمالات کی ایک جھلک بھی نہیں پیش کر سکا ہے لیکن اس بات پر خوش ہے کہ اس نے اپنے وظیفے پر عمل کیا ہے اور ایک معمولی اور بے وقعت دھاگہ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے یوسف کے خریداروں کی فہرست میں شامل ہو گیا ہے۔ شاید یہ ایک دن اس کی شفاعت کا ذریعہ ہو جائے۔

تمت بحمد اللہ

والصلاۃ والسلام علی المصطفٰی

وآلہ المجتبٰی